فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُوْمِ ۝
وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ۝
اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۝
فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۝
لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۝
تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝
اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ۝

الواقعہ ۵۶
۷۷ - ۸۳

مفہوم

۱-: میں نجوم کے مشرق و مغرب کی طرف باقاعدگی کے ساتھ سفر کرنے والوں کی شہادت پیش کرتا ہوں۔
۲-: کاش تم جانتے کہ وہ کتنی بڑی شہادت ہے۔ (کہ پیغمبر عربی کی تعلیم انسانی موت و حیات کا مکمل دستور العمل ہے۔)
۳-: یقیناً وہ قرآن بہت عظمت والا ہے۔
۴-: وہ محفوظ کتاب میں موجود ہے۔
۵-: اس (قرآن) کی حقیقت کو وہی لوگ پاتے ہیں۔ جو کفر و شرک کی تمام نجاستوں سے پاکیزہ ہیں۔ یعنی جسم و جاں سے ستھرے ہوں۔
۶-: اور اس کا نزول ربّ العالمین کی طرف سے ہے۔
۷-: کیا اس حدیث (قرآن کریم) کے بارہ میں تم مداہنت سے کام لیتے ہو۔

امّتِ مسلمہ (اہل الذکر و القرآن) (پاکستان)

فہرست مضامین تفسیر القرآن بالقرآن۔ (جلد سوم)

انظر کیف نصرف الآیات لعلهم یفقهون ۝ ۶/۶۵

اے مخاطب!

غور کرو کہ ہم آیات کو کسطرح پھیر کر لاتے ہیں تاکہ لوگ
تصریفِ آیات کے ساتھ قرآن کریم میں تفقہ کیا کریں

ترجمۃ القرآن بتصریف آیات الفرقان

المعروف بہ

تفسیر القرآن بالقرآن

جلد سوم

مشتمل بر تفسیر سورۃ المائدہ، الانعام اور اعراف

شائع کردہ

ادارہ بلاغ القرآن ۱۱۰-این سمن آباد لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن فہمی کے قرآنی اصول

• تفسیر القرآن بالقرآن کی جلد اوّل کے شروع میں ۱۲۸ صفحات کا دیباچہ دیا گیا ہے، جس میں قرآنِ کریم کو سمجھنے کے وُہ اصول درج ہیں جو قرآنِ کریم نے خود پیش کئے ہیں۔ تفسیر القرآن بالقرآن کی جلد سوم میں جو اسوقت آپکے ہاتھوں میں ہے، بعض مقامات پر مذکورہ بالا دیباچہ کے حوالے دئیے گئے ہیں۔ قارئین کرام کو وُہ حوالے مذکورہ دیباچہ میں درج ملیں گے۔

الحمد للہ • ذاتِ ارحم الراحمین کے فضل واحسان سے تفسیر القرآن بالقرآن کی تیسری جلد طبع ہو کر منظرِ عام پر آ گئی ہے۔ اس کا اندازِ تفسیر بھی یہ ہے:۔

۱۔ اس میں دائیں طرف قرآن مجید کا عربی متن ہے اور متن کے بین السطور ہر عربی لفظ کا اردو ترجمہ اُس لفظ کے نیچے لکھا گیا ہے۔ بعض مقامات پر مفہوم بندی یا جگہ کی عدم گنجائش کی بدولت کسی عربی لفظ کا اردو ترجمہ اُس کے آگے پیچھے ہو گیا ہو، ورنہ کوشش یہی کی گئی ہے کہ ہر لفظ کا ترجمہ اُس کے عین نیچے آئے تاکہ ہر غیر عربی دان بھی ہر لفظ کا لُغوی ترجمہ بخوبی جان سکے۔

۲۔ عربی متن اور لفظی ترجمہ کے بالمقابل بائیں طرف بامحاورہ ترجمہ ہے۔ جس میں بریکٹوں کے استعمال کی غرض ترجمہ کے محذُوف مفہوم کو نمایاں کرنا ہے۔

۳۔ دائیں طرف کے عربی متن کے وضاحت طلب الفاظ پر الگ الگ اس طرح کے ۱ ۲ ۳ نمبر لگائے گئے ہیں اور آئت مجیدہ کے خاتمہ پر نمبر زدہ الفاظ کے وضاحتی نوٹ بھی بالترتیب ساتھ ہی دیدئے گئے ہیں، اس طرح:۔ ۱ ۲ ۳ وغیرہ۔

۴۔ بائیں طرف کے بامحاورہ ترجمہ میں جہاں عام تراجم سے اختلاف کیا گیا ہے، وہاں بھی یہی انداز اختیار کیا ہے کہ متن کے عربی الفاظ اور مقابل کے اردو ترجمہ پر مذکورہ بالا انداز کے نمبر لگا کر ساتھ ہی وضاحتی نوٹ میں ترجمہ کے اختلاف کی وُہ دلیل درج کی گئی ہے جس کی رُو سے اختلاف حق بجانب ہے۔

۵۔ الفاظ اور جملوں کی تفسیر کیلئے ہر مقام پر تفسیر القرآن بالقرآن کا انداز اختیار کیا ہے اور مناسب مقامات پر صحیفۂ فطرت کی مشاہداتی آیات مجیدہ بطورِ دلیل لائی گئی ہیں۔

(ادارہ بلاغ القرآن)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الْمَآئِدَةِ : مَدَنِيَّةٌ

• یہ خداتعالیٰ کی کتاب لاریب قرآن مجید کی پانچویں سورت مجیدہ ہے ۔ چونکہ اس کے شروع میں المائدہ یعنے دسترخوان کی نعمتِ عظمیٰ حلال چوپایوں کا نشانِ حلّت بتایا گیا ہے جن کا گوشت نوعِ انسانی کے دسترخوان کی زینت بنتا ہے اور اس کے اخیر پر حضرت مسیحؑ کے ذکر میں اُس ہموار و متوازن معاشرہ کیلئے المائدہ کا لفظ لایا گیا ہے جو پوری نوعِ انسانی کے لئے بلاتمیز اعلیٰ و ادنیٰ سب کے دسترخوان کا ضامن ہے ، اسلئے اِس سورۃ مجیدہ کا نام نامی سورۃ المائدہ شریفہ ہے ۔

• اِس سورۃ مجیدہ کی ۱۲۰ آئتیں ہیں ۔ اس سے ماقبل سورۃ نسآء يَآيُّهَا النَّاسُ کے خطاب سے شروع ہوئی تھی اور یہ يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْآ کے خطاب سے شروع ہُوئی ہے سورۃ نِسآء میں یہود و نصاریٰ کا ذکر ضمناً بھی آیا تھا اور خطاباً بھی ۔ حالانکہ اگرچہ وہ يَآيُّهَا النَّاس کے خطاب سے شروع ہوئی تھی مگر خداتعالیٰ نے اپنے مخصوص اسلوبِ بیان کے مطابق پُوری نوعِ انسانی سے متعلقہ مسائل بھی بیان فرمائے اور اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ سے متعلقہ بھی ۔ واضح رہے چونکہ قرآنِ کریم فی ذاتہٖ پوری نوعِ انسانی کے لئے مکمل ضابطۂ حیات ہے اسلئے کوئی سورۃ خواہ کسی بھی خطاب سے شروع ہوتی ہو ، اُس میں نوعِ انسانی کے لئے احکام بھی موجود ہوتے ہیں اور اُن کی اتباع کرنیوالی یا مخالفت کرنیوالی سابقہ اقوام کے حالات بھی برائے عبرت موجود ہوتے ہیں ۔

• فلہذا یہ سورت مجیدہ اگرچہ يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے الفاظ میں اہلِ ایمان کے نام کے خطاب سے شروع ہوئی ہے لیکن اِس میں بھی اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ کے حالات بھی درج ہیں ، ان کے نام بالواسطہ اور بلاواسطہ خطاب بھی ہیں اور ان کے بزرگوں کے نیکو کاروں کے حالات بھی درج ہیں اور نافرمانوں کے بھی ۔

• جیسے کہ زیرِ بحث سورۃ مجیدہ میں يَآاَهْلَ الْكِتٰبِ کا بلاواسطہ خطاب یہود و نصاریٰ کے نام آیت نمبر ۱۵ + ۱۹ میں دو مرتبہ آیا ہے اور قُلْ يَآاَهْلَ الْكِتٰبِ کا بالواسطہ خطاب آیت نمبر ۵۹ + ۶۸ + ۷۷ میں آیا ہے ۔ یہودیوں کے بزرگوں کی مذمت بھی اِس سورۃ مجیدہ میں جگہ جگہ موجود ہے ۔ اور نصاریٰ کے بزرگوں میں سے جنہوں نے حضرت مسیحؑ کو خود خدا یا تین خداؤں میں کا تیسرا قرار دیا ، انہیں حقیقت حال کا کافر قرار دیا ہے :۔ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۷۳ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۷۲ لیکن نصاریٰ

میں سے جو حقیقت شناس افراد زمانۂ رسالتِ محمدی کے وقت موجود تھے، اور جو قرآن کریم کو سُن کر فوراً ایمان لے آئے، اُن کی خبر ۵/۸۳-۸۴ میں بالفاظ ذیل موجود ہے:- وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ۝ ۵/۸۳-۸۴ اور جب وہ سنتے ہیں جو رسولِ عربی کی طرف نازل ہُوا ہے تو تُو دیکھتا ہے کہ اُن کی آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں، اسلئے کہ اُنہوں نے حق، قرآن کو پہچان لیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم اس حق پر ایمان لائے تو ہمیں اس کے گواہوں میں لکھ لے۔ اور کیا رکاوٹ ہے ہمارے لئے کہ ہم اللہ پر ایمان نہ لائیں، جبکہ ہم طمع کرتے ہیں کہ ہمارا نشوونما دینے والا ہمیں صالحین کی قوم (صحابہؓ رسولؐ) میں داخل کر دے۔

● پھر اگرچہ سورہ مائدہ شریفہ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے خطاب سے شروع ہُوئی ہے۔ لیکن اِسی خطاب کو متعدد بار دُہرا دُہرا کر ایمان والوں کے نام مختلف احکام جاری کئے گئے ہیں۔ چنانچہ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کا خطاب آیت نمبر ۱-۲-۶-۷-۱۱-۳۵-۵۴-۵۷-۸۷-۹۰-۹۴-۹۵-۱۰۵-۱۰۶ وغیرہ میں بار بار دُہرایا گیا ہے۔ اور جہاں آنحضورؐ کے نام کا خطاب ناگزیر تھا وہاں مظہر و محذوف دونوں انداز سے آنحضورؐ کو مخاطب فرمایا گیا ہے۔ مظہر خطاب کی مثال آیت نمبر ۴۱ اور ۶۷ میں موجود ہے:- یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ لَا یَحْزُنْكَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْكُفْرِ ۵/۴۱ اے رسولؐ! آپ کو وہ لوگ غمگین نہ کر دیں جو انکار میں جلدی کرتے ہیں۔

● دوسرا مظہر خطاب یہ ہے:- یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ ۝ ۵/۶۷ اے رسولؐ! جو کچھ آپ کی طرف آپ کے ربّ کیطرف سے نازل ہُوا ہے۔ اُسے لوگوں تک پہنچا دیجئے گا۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو (یاد رکھئے کہ) آپنے اِس کارِ رسالت کو انجام نہیں دیا۔ (ہمارا پیغام اگرچہ مُلّا، پیر اور سرمایہ دار، تینوں با اثر گروہوں کیخلاف ہے اور وہ اس کے عوض آپ کو ایذا پہنچانے کی پوری کوشش کرینگے۔) لیکن اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں کی ایذا رسانی سے محفوظ رکھیگا۔ بیشک انکار کرنیوالوں کو اللہ تعالیٰ ہدایت یافتہ نہیں ٹھہراتا۔

● آنحضورؐ کے نام قُل کے لفظ کیساتھ سات مرتبہ خطاب کیا گیا ہے۔ المختصر! قرآنِ کریم کی ذاتی حیثیت کو نگاہوں میں رکھنے سے حقیقتِ حال بصورتِ نصف النہار عیاں ہوجاتی ہے کہ سورۃ کے ابتدائی خطاب کا مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ ساری سورۃ شریفہ میں یہی خطاب جاری رہے گا۔ اسی خطاب کو بار بار دہرایا بھی جاتا ہے اور حسب ضرورت اُسے بدلا بھی جاتا ہے۔

سابقہ سورت کیساتھ ربط

● سورۃ مائدہ کا سابقہ سورۃ کیساتھ مرکزی ربط یہ ہے کہ سورۃ نساء میں ذاتی ذاتی ملکیت کی نفی کی گئی ہے (دیکھئے تفسیر القرآن بالقرآن جلد دوم میں تفسیر آیات نمبر ۱۲۶-۱۳۱

۱۳۲ ۔ اور اس سورۃ مجیدہ المائدہ میں حضرت مسیحؑ کی سنتِ مبارکہ کی سند سے ایک ایسے معاشرہ کے قیام کی خبر دی گئی ہے جس میں ہر فردِ معاشرہ کے مائدہ (دسترخوان یعنی (ضروریاتِ زندگی میں سے) خصوصاً ضرورتِ خوراک کا مسئلہ حل ہو جاتا ہے، اور ہر فردِ معاشرہ سکھ کا سانس لینے کے قابل ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم نے ایسے معاشرہ کو سورۃ طٰہٰ کی آیات نمبر ۱۱۸-۱۱۹ میں جنت کہا ہے اور سورہ مائدہ میں اُسے المائدہ کے نام منسوب کیا ہے، یعنی بچھا ہوا دسترخوان کہ جس سے کسی کو رد کیا جا سکے اور نہ کسی کی کوئی احتیاج باقی رہے۔

● اس سورۃ مجیدہ کی آیات نمبر ۱۲-۱۳ میں آزاد اسلامی حکومت اور متوازن معاشرہ کو جنت کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اور تفسیر القرآن بالقرآن جلد دوم کے صفحہ ۱۰ پر سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۱۲ کی تفسیر میں گزر چکا ہے کہ قرآن کریم نے فتح کی ضد شکست کو جہنم کہا ہے۔

● دُنیوی جنت یعنی مائدہ کی پوری تفصیل اپنے مقام پر آیت مجیدہ ۵/۱۱۱ تا ۱۱۵ کی تفسیر القرآن بالقرآن میں آگے آرہی ہے سورۃ مجیدہ کے سلسلہ وار اور گہرے مطالعہ سے دُنیوی جنت و جہنم کی حقیقت نکھر کر سامنے آتی چلی جائیگی اِنْشَاءَ اللّٰہُ! اُخروی جنت و جہنم اپنے مقام پر برحق ہے۔ جس کے انکار سے ایمان رخصت ہو جاتا ہے۔ لیکن اس سورۃ مجیدہ میں دُنیوی جنت و جہنم کی بھی پوری وضاحت کر دی گئی ہے جو آیت ۱۲، ۱۳ ہی سے شروع ہو جاتی ہے۔ اور اخیر تک سلسل چلی جاتی ہے۔

تصریفِ آیات کا قرآنی اسلوب

● سورۃ مائدہ شریفہ میں تصریفِ آیات کیساتھ سُود خور کی سزا بھی بتا دی گئی ہے جو آیات نمبر ۳۳-۳۴ میں مذکور ہے۔ قرآن کریم نے سود خوروں کو اسلامی حکومت کے باغیوں، ڈاکوؤں کی سطح کے مجرم قرار دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حکومت کے باغی، قانون شکن، غیر مہذب ڈاکو ہیں، مگر سُود خور مہذب ڈاکو ہیں۔ وہ ڈاکو رات کو ڈکیتی کی وارداتیں چھپ چھپ کر کرتے ہیں مگر سود خور، یہ وارداتیں سفید چادروں پر گاؤ تکیے لگائے کھلے بندوں دِن دہاڑے کرتے ہیں۔ قرآن کریم نے سُود خوروں کو خدا تعالیٰ کے باغی قرار دیا اور ان کے خلاف اعلانِ جنگ کر رکھا ہے ۲/۲۷۹ ۔ یہ بحث سورۃ مائدہ کی آیات متعلقہ کی تفسیر القرآن بالقرآن میں تصریفِ آیات کے ذریعہ اپنے مقام پر تفصیلاً آرہی ہے۔

نبیوں سے بازپرس

● سورۃ مائدہ کے اخیر میں حضرت مسیحؑ کے متعلق خبر دی گئی ہے کہ قیامت کو اُن سے پُوچھا جائیگا کہ کیا تم نے اپنی قوم کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو خدا کیساتھ ملا کر تین اِلٰہ بنالو۔ وہ جواب دینگے کہ میں نے ایسا نہیں کہا تھا۔ بالفاظ دیگر سورۃ مجیدہ کا خاتمہ اس وضاحت پر کیا گیا ہے کہ نبیوں کو شفیع یا اُن کیطرف منسوب صلیب وغیرہ کو کفارۂ گناہ قرار دینے سے نجات ممکن نہیں بلکہ صرف اور صرف اطاعت پر منحصر ہے، چنانچہ ضابطۂ خداوندی کی اطاعت پر زور دیتے ہوئے سُورۂ زیرِ نظر کو یوں شروع کیا گیا

-: بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ :-

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ

اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو پورے کرو عہد

اُحِلَّتْ لَکُمْ بَھِیْمَۃُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا یُتْلٰی

حلال کئے گئے واسطے تمہارے جگالی کرنیوالے گھاس خور چوپائے سوائے اسکے جو پڑھا جائیگا

عَلَیْکُمْ غَیْرَ مُحِلِّی الصَّیْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ

اوپر تمہارے نہ حلال کرنیوالے شکار کے اور جب ہو تم بحالت حرمت

اِنَّ اللّٰہَ یَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ ۝ ۱

بیشک اللہ حکم کرتا ہے جو ارادہ کرتا ہے۔

ایمان والو! سب عہد پورے کرو (جو ہمارے ضابطہ قرآن مجید کی رُو سے تم پر لازم آتے ہیں[1]۔ اسی ضمن میں) تمہارے لئے جگالی کرنیوالے[2] گھاس خور چوپائے[3] حلال کئے گئے ہیں (ان میں سے) سوائے اُسکے جو تم پر پڑھا جائیگا۔ اور جب تم حرمت کی حالت (یعنی ایامِ حج) میں ہو تو (مذکورہ حلال جانوروں کے) شکار کو حلال جاننے والے نہ ہونا۔ (اِس عہد کو بھی پورا کرو) بلا شبہ اللہ تعالیٰ وہی حکم کرتا ہے جس کا وہ ارادہ کرتا ہے۔ (اُس کا ہر ارادہ تمہاری آسانی کے لئے ہے)۔

- [1] اوفوا بالعقود میں وہ تمام عہد آ گئے جو الذین اٰمنوا میں موجود ہیں کہ مومن خدا تعالیٰ کی پوری فرمانبرداری کا عہد کرتا ہے۔
- [2] بھیمہ کا معنیٰ ہم نے لکھا ہے "جگالی کرنیوالے"۔ اسکی مکمل بحث آگے الگ سرخی کے تحت آ رہی ہے۔
- [3] انعام کا معنیٰ ہم نے لکھا ہے "گھاس خور چوپائے" ثبوت کیلئے ملاحظہ فرمائیں الانعام کی قرآنی لغت۔ سورۃ طٰہٰ میں آیا ہے:- وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِہٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰی ۝ کُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَکُمْ ۲۰/۵۳، ۵۴ = اور وہ (اللہ) آسمان سے پانی نازل کرتا ہے۔ پھر ہم اُس کیساتھ (زمین سے) مختلف اقسام کی نباتات نکالتے ہیں۔ نباتات کو تم خود بھی کھاؤ اور اپنے گھاس خور چوپایوں کو بھی چراؤ ـــــ اِس آیت مجیدہ سے قرآنی لغت کے مطابق ثابت ہوتا ہے کہ الانعام وہ چوپائے ہیں جو زمین سے پیدا شدہ نباتات (گھاس وغیرہ) چرتے ہیں۔ اب نباتات خور چوپایوں میں گائے، بھینس، اونٹ، بھیڑ بکری بھی ہیں اور گھوڑا گدھا وغیرہ بھی گھاس خور ہونیکی بدولت الانعام میں شامل ہیں۔

بھیمۃ الانعام سے مُراد ہے جگالی کرنیوالے گھاس خور چوپائے

● اُوپر ۲۰/۵۳-۵۴ کی قرآنی لغت کیساتھ ثابت کیا جا چکا ہے کہ الانعام کا قرآنی معنیٰ ہے نباتات یعنی گھاس چرنے والے چارپائے۔ اُوپر سورۃ مائدہ کی آیت ۱ میں کہا گیا ہے کہ تمہارے لئے بھیمۃ الانعام حلال کئے گئے ہیں۔ یعنی الانعام میں سے بھیمہ قسم کے گھاس خور چوپائے حلال فرمائے گئے ہیں۔ تو اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ بھیمۃ الانعام کی پہچان کیا ہے؟ اسکے جواب کیلئے پہلے خدا تعالیٰ کا سورۃ نور میں ساری مخلوق کے متعلق ارشادِ گرامی ملاحظہ فرمائیں:-

● وَاللّٰہُ خَلَقَ کُلَّ دَآبَّۃٍ مِّنْ مَّآءٍ ج فَمِنْھُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰی بَطْنِہٖ ج وَمِنْھُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰی رِجْلَیْنِ ج وَمِنْھُمْ مَّنْ

یَمْشِیْ عَلٰٓی اَرْبَعٍ ط ۲۴/۴۵ = اور اللہ نے ہر جاندار پانی سے پیدا کیا ہے۔ پھر اُن میں سے بعض وہ ہے جو پیٹ کے بل چلتا ہے ، اور اُن میں سے بعض وہ ہے جو دو پیروں پر چلتا ہے اور بعض وہ ہے جو چار پیروں پر چلتا ہے — اُن میں پیٹ کے بل رینگنے والے سانپ ، بچھو وغیرہ ہیں ۔ دو پیروں پر چلنے والے پرندے اور چار پیروں پر چلنے والے ہیں بھیڑ بکری ، گائے بھینس ، گھوڑا گدھا ، کتا بلا اور شیر چیتا وغیرہ - اسی سورۃ مائدہ کی آیت نمبر ۵ میں جو آگے آرہی ہے ، چوپایوں کی دو قسمیں بتائی گئی ہیں شکاری اور شکار - مُوذی اور غیر مُوذی یعنی درندے اور چرندے ۔ قرآن مجید نے ان کے الگ الگ نام بتائے ہیں - الجوارح اور الانعام ۔زخم دینے والے گوشت خور (یعنی شکاری) اور گھاس کھانیوالے (یعنے شکار) آیت زیر بحث ۵/۱ میں جو کہا گیا ہے اُحِلَّتْ لَکُمْ بَھِیْمَۃُ الْاَنْعَامِ - تو اِس سے کھل کر ثابت ہو چکا کہ الانعام ، یعنی گھاس کھانیولے چوپایوں میں سے بھیمہ قسم کے گھاس خور چوپائے کھانے کے لئے حلال کئے گئے ہیں - الجوارح یعنی زخم دینے والے شکاری ، گوشت خور چوپائے مطلقاً حرام ہیں ۔اُنکی کوئی بھی قسم حلال نہیں خواہ وہ شیر چیتا وغیرہ قسم کے اُونچے درجے کے شکاری چوپائے ہوں ، خواہ لومڑا اور گیدڑ وغیرہ قسم کے نچلے درجے کے شکاری گوشت خور چوپائے ہوں -اس تمہید کے بعد :-

● یہاں پہنچ کر ابھی سابقہ سوال بدستور قائم ہے کہ جب آیت مجیدہ ۵/۱ میں الانعام یعنی گھاس خور چوپایوں میں سے بھیمہ قسم کے چوپائے حلال کئے گئے ہیں تو ان کی قرآنی پہچان کیا ہے ؟ اسکے لئے قرآن مجید کے مستقل اسلوبِ تفسیر ، تصریفِ آیات ۵/۶۵ + ۵/۱۰۵ کے مطابق ذیل کی متقابل آیات مجیدہ ملاحظہ فرمائیں ۔ دائیں طرف آیت مجیدہ ۵/۱ درج ہے اور بائیں طرف اسکی تفسیر کرنیوالی آیات مجیدہ ۶/۱۴۲ تا ۱۴۴ درج ہیں :-

آیت حلت بھیمۃ الانعام

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا .... اُحِلَّتْ لَکُمْ بَھِیْمَۃُ الْاَنْعَامِ ۵/۱

(مفہوم) ایمان والو! .... تمہارے لئے الانعام (یعنی گھاس چرنیوالے) چوپایوں میں سے بھیمہ قسم کے چوپائے حلال کئے گئے ہیں ۔

آیات تفسیر بھیمۃ الانعام

وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَۃً وَّفَرْشًا ؕ کُلُوْا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ ــــ ۵ ثَمٰنِیَۃَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَیْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَیْنِ ــــ ۵ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَیْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَیْنِ ۶/۱۴۲ تا ۱۴۴

(مفہوم) اور گھاس چرنیوالے چوپایوں میں سے کچھ لدو ہیں اور کچھ پست قد ہیں - اللہ نے جو تمہیں چرنیوالے چوپائے عطا کئے ہیں اُن میں سے آٹھ قسمیں کھایا کرو ، بھیڑ نر مادہ کی قسم ، بکری نر مادہ کی قسم ، اُونٹ نر مادہ کی قسم اور گائے نر مادہ کی قسم ۔

● اب غور فرمائیں کہ دائیں طرف بھیمۃ الانعام کو حلال بتایا گیا ہے۔ اور بائیں طرف آٹھ قسمیں۔ بھیڑ بکری، اونٹ اور گائے نر مادہ کے کھانے کا حکم دیا گیا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ یہ آٹھوں قسمیں بھیمۃ الانعام ہیں۔ نیز یاد رہے کہ اَلضّان، اَلمعز، اَلاِبل اور اَلبقر میں الف لام عہدی ذہنی ہے، جس میں اثنین کی قرآنی خبر کے مطابق نر و مادہ دونوں شامل ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ ہر وُہ چوپایہ بھیمۃ الانعام میں شامل ہے جو اِن آٹھ قسموں میں اُس صفت کے لحاظ سے شامل ہو، جو مذکورہ آٹھوں قسموں میں مشترکہ طور پر پائی جاتی ہے۔ اب اور آگے پڑھئے۔

● اوپر ۲/۱۶ کے حوالہ سے بتایا جا چکا ہے کہ گھاس کھانے والے سب چارپائے الانعام میں داخل ہیں۔ لیکن ۱/۵ کی قرآنی خبر کے مطابق الانعام میں سے حلال صرف بھیمۃ الانعام ہیں۔ گھوڑا، گدھا اور خچر بھی چونکہ گھاس کھاتے ہیں، لہذا یہ الانعام میں تو شامل ہیں۔ مگر حلال نہیں ہیں۔ کیونکہ ۷۹/۴۰ میں بتایا گیا ہے کہ: ”تمہارے لئے اللہ نے الانعام پیدا کئے ہیں جن میں سے بعض سواری کے لئے ہیں اور بعض کھانے کے لئے ہیں۔ نیز ۸/۱۶ میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ گھوڑے، خچر اور گدھے سواری کے لئے ہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ تینوں نوعیں گھوڑے، خچر اور گدھے سواری کیلئے حلال ہیں کھانے کے لئے نہیں۔

حلت کا تمیزی نشان جگالی ہے

● اب بات یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ قرآنِ کریم کی رُو سے بھیڑ بکری، اونٹ اور گائے کھانے کے لئے حلال ہیں اور گھوڑا گدھا خچر وغیرہ سواری کیلئے حلال مگر کھانے کیلئے حرام ہیں پس قرآنِ کریم کی رو سے چوپایوں کا مخصوص تمیزی نشان وُہ ہے جو بھیڑ، بکری، گائے اور اونٹ میں مشترکہ طور پر پایا جاتا ہے اور گھوڑے خچر اور گدھے میں مشترکہ طور پر نہیں پایا جاتا۔ وُہ ہے جُگالی اور صرف جُگالی جو اول الذکر گھاس خور چوپایوں میں قدرِ مشترک کے طور پر موجود ہے اور مؤخر الذکر گھاس خور چوپایوں سے قدرِ مشترک کے طور پر غائب ہے۔

● آپ حلال جانوروں کے اس تمیزی نشان جُگالی کو لے کر کرۂ ارض کے گرد گھوم جائیں۔ آپ کو حلال و حرام چوپایوں میں امتیاز کرنے میں رائی برابر بھی دقت پیش نہیں آئے گی۔ نہ آپ کو غیر ملکی چوپایوں کا نام دریافت کرنا پڑے گا، نہ کسی کے عربی نام کی ضرورت پیش آئے گی اور نہ فقہ کے حلال و حرام کی فہرستوں کے دفتر اپنے ساتھ اُٹھائے پھرنے کی زحمت گوارا کرنا پڑے گی۔ یہ ہے قرآنِ کریم کا بتایا ہوا حلال و حرام چوپایوں کا تمیزی نشان۔ اس کے برعکس جو لوگ قرآنِ حکیم کو نامکمل قرار دے کر کتا، بلا، ریچھ، بندر وغیرہ کی حرمت کی سند غیر اللہ کتابوں سے حاصل کرتے ہیں، ہمارا یہ چیلنج ہے کہ اپنی فہرستیں دیکھ کر بتائیں کہ جنوبی امریکہ کا جاگور، تاپیر، الاما، الپاکا، ریا، کندر، ارمادلو اور سلوتھ حلال ہیں یا حرام؟ نیز سائبیریا کا ڈیئر، آسٹریلیا کا کنگرو اور افریقہ کا زیبرا کون سی فہرست میں درج ہیں؟ حلال کی فہرست میں یا حرام کی فہرست میں؟

● پورے حتم و یقین کیساتھ کہا جاسکتا ہے کہ فقہ کی حلال و حرام کی فہرستیں مذکورہ بالا جانوروں کی حلّت و حرمت کا فیصلہ دینے سے یکسر قاصر ہیں، کیونکہ وُہ حلّت و حرمت کے تمیزی نشان کی نشاندہی کرنے کی بجائے جانوروں کے ناموں کیساتھ حلال اور حرام کی خبر دیتی ہیں اس لئے کرۂ ارض کے تمام چوپایوں کی حِلّت و حرمت کی خبر دینا فقہ کے بس کا روگ نہیں۔ یہ خداوندِ عزّ و جلّ کی پاک کتاب قرآن کریم ہی کی شان ہے جس نے پورے کرۂ ارض پر پائے جانیوالے چوپایوں کی حِلّت و حُرمت کا تمیزی نشان بتا کر فیصلہ کر دیا ہے کہ نہ چوپایوں کے ملکی نام دریافت کرنے کی ضرورت ہے اور نہ اُن کے عربی ناموں کے کھوج لگانے سے کوئی غرض ہے۔ کیوں کہ حلّت و حرمت کے قرآنی تمیزی نشان سے اس راستے کی تمام رکاوٹوں کو دُور کرکے رکھدیا گیا ہے کہ ہر جُگالی کرنیوالا چوپایہ حلال ہے اور نہ کرنے والا حرام۔

جُگالی کرنیوالے چوپایوں کا ایک مخصوص تمیزی نشان

● پھر ذاتِ باری نے جُگالی کرنے والے چوپایوں میں ایک مخصوص نشان یہ رکھدیا ہے کہ جتنے بھی جگالی کرنیوالے چوپائے ہیں۔ اُن سب کے سامنے کے نیچے کے دانت تو ہوتے ہیں مگر اُوپر کے دانت ہرگز نہیں ہوتے۔ چوپایوں کی حلّت کے اس مخصوص خداوندی نشان نے اس گوشے میں مزید آسانی پیدا کر دی ہے کہ بالفرض آپ کسی غیر مُلک کے جنگل میں موجود ہیں۔ آپ کسی جنگلی چوپائے کا شکار کرتے ہیں۔ وُہ زخمی ہو کر آپ کے قبضے میں آجاتا ہے۔ اب آپ کے لئے یہ امر صد فیصد ناممکن ہے کہ آپ اُسے جگالی کرتے ہوئے دیکھ کر اس نتیجے پر پہنچیں کہ یہ حلال ہے یا حرام۔ اس لئے ذاتِ باری کے پیدا کردہ جُگالی کرنیوالے چوپایوں کے اس مخصوص نشان کو دیکھ لیں کہ اُس کے سامنے کے نیچے والے دانت موجود اور اوپر والے ندارد ہیں تو بڑے شوق سے ذبح کرکے کباب بنائیں اور جنگل میں حلال کبابوں کیساتھ بھوک مٹائیں۔ المختصر! حلال چوپایوں کا مشترکہ نشان جگالی ہے اور جگالی کرنیوالے چوپایوں کا مشترکہ نشان ہے سامنے کے اوپر والے دانتوں کا نہ ہونا۔

رجوع الی المطلوب

● آیت مجیدہ ۵ میں چوپایوں کی حِلّت و حُرمت کا تمیزی نشان بتاتے اور حلّت و حُرمت کے حُکم کی پوری پوری پابندی کی تاکید کرنے کے بعد سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ اَے وُہ لوگو! جو ضابطۂ خداوندی پر ایمان لائے ہو اللہ تعالیٰ کے شعائر یعنی اُس کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرنا۔ یوں تو ساری کائنات شعائر اللہ ہے۔ یہاں پر چند ایک بیان ہوئی ہیں:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحِلُّوا شَعَائِرَ اللَّهِ وَ

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو نہ حلال کرو نشانیوں اللہ کو اور

اے وُہ لوگو! جو ضابطۂ خداوندی (قرآن مجید) پر ایمان لائے ہو تم اللہ کی جُملہ نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرنا۔ اور نہ حرمت والے (کسی بھی) مہینے کی[1] اور نہ

لَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَائِدَ
نہ مہینے حرمت والے کو اور نہ ھدی کو اور پٹے والے جانوروں کو

وَلَا آمِّينَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّن
اور نہ آنیوالوں گھر حرمت والے کو، چاہتے ہیں وہ فضل طرف سے

رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ۚ وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا ۚ
رب اپنے کے اور مطابق رضا کے۔ اور جب حلال ہو جاؤ تم تو شکار کرو۔

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ أَن صَدُّوكُمْ عَنِ
اور نہ مجرم کرے تم کو دشمنی اُس قوم کی کہ روکا انہوں نے تم کو طرف سے

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَن تَعْتَدُوا ۘ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ
مسجد حرمت والی کے کہ تم زیادتی کرو۔ اور تم تعاون کرنا اوپر بھلائی

وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ
کے اور بچاؤ کے۔ اور نہ تعاون کرنا تم اوپر گناہ اور ظلم کے

وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۲﴾
اور بچو مخالفت اللہ سے۔ بلا شبہ اللہ سخت ہے عذاب کرنے میں۔

بیت اللہ کے تحائف[۲] کی اور نہ حج کے موقعہ پر بیت اللہ میں پیش کئے جانیوالے جانوروں[۳] کی۔ اور نہ بیت الحرام میں آنیوالوں کی جو اپنے رب کا فضل اور اس کی رضا چاہتے ہیں[۴] (یعنی جو اجتماع حج میں رضاءِ الٰہی کے مطابق تلاشِ معاش کرتے ہیں، اور جب تم حج سے فارغ ہو جاؤ تو پھر تمہیں (برّی) شکار کرنے کی اجازت ہے۔ (ایّام حج میں (برّی) شکار کرنا حرام کر دیا گیا ہے)[۵] اور یاد رکھو کہ تمہیں اُس قوم کی دشمنی جس نے تمہیں حرمت والی مسجد (بیت اللہ شریف سے) روکدیا تھا۔ اِس جرم کی مجرم نہ کر دے کہ تم اُس کے ساتھ زیادتی کرو[۶] (دشمنوں کیساتھ بھی انصاف کرنا) اور تم (آپس میں ایکدوسرے کیساتھ بھی، اور دوسری قوموں کیساتھ بھی) بھلائی کے کاموں میں تعاون کرنا اور گناہ کے کاموں اور ظلم و سرکشی کے کاموں میں تعاون نہ کرنا[۷] اور بچو تم اللہ تعالیٰ (کے حکموں) کی مخالفت سے۔ بلا شبہ اللہ تعالیٰ (مجرموں[۸] کو) عذاب کرنے میں بہت سخت ہے۔

حُرمت والے مہینوں کی بے حُرمتی نہ کرو

• ع۱ آیت بالا میں ذاتِ باری نے اپنی نشانیوں کی بے حُرمتی سے انتہائی سختی کیساتھ منع فرمایا ہے۔ اور ان میں سرفہرست بیان فرمایا ہے حرمت والے مہینوں کو۔ واضح رہے کہ قرآنِ کریم امنِ عالم کا علمبردار ہے۔ باری تعالیٰ نے عالمی امن قائم رکھنے کے لئے حج کی سالانہ عالمی امن کانفرنس کا حکم دے رکھا ہے اور اس سالانہ امن کانفرنس کے قیام کے لئے چار مہینوں کے لئے جنگ کرنا مطلقاً حرام قرار دیا ہے۔ سورہ توبہ میں ارشاد ہوا ہے:۔

• إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۹ ۳۶ بلا شبہ اللہ کے نزدیک اللہ کی کتاب (کائنات) میں مہینوں کی گنتی اُس دن بارہ ہے جب اُس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا۔ ان میں سے چار مہینے حُرمت والے ہیں۔ (قیامِ امنِ عالم

کیلئے) یہی قانون سیدھا ہے (جس میں کوئی پیچ و خم نہیں ہے)۔ اسی سورہ توبہ میں ، امنِ عالم میں خلل ڈالنے والے مفسدوں کو مخاطب کر کے ارشاد ہوا ہے :-

• فَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ وَأَنَّ اللَّهَ مُخْزِي الْكَافِرِينَ ۹/۲

پس تم (حُرمت کے) چار مہینے زمین میں چل پھر لو۔ اور جانتے رہو کہ تم اللہ کو عاجز کرنیوالے نہیں ہو۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ ضابطۂ خداوندی (قرآن مجید) کے منکروں کو رسوا کرنیوالا ہے۔ آگے اِسی سورہ توبہ کی آیت نمبر ۵ میں مومنوں کو ارشاد ہوا ہے :-

• فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ ۹/۵ = (ایمان والو!) پھر جب حُرمت والے) چار مہینے گزر جائیں تو (فسادی) مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو ـــ المختصر! باری تعالیٰ نے سال میں چار مہینوں کیلئے حکماً جنگ بندی مقرر فرما دی ہے تاکہ حج کی سالانہ عالمی امن کانفرنس کے لئے عام راستے محفوظ اور بے خطر ہو جائیں اور متحارب قوموں کے تمام متنازعہ مسائل امن کانفرنس میں پیش کر کے بلا جنگ وجدال طے کئے جائیں ۔ آیت بالا میں خداوند تعالیٰ نے امنِ عالم کے قیام کے لئے حرمت والے چار مہینوں کو جن میں حکماً جنگ بندی کر دی گئی ہے ۔ اپنے شعائر میں سرِ فہرست رکھا ہے۔

حُرمت والے مہینے کون کونسے ہیں

• کتبِ روایات نے حُرمت والے مہینے یہ بتائے ہیں :- محرّم ، رجب ، ذیقعد اور ذی الحج ۔ لیکن چونکہ یہ مسلسل اور متواتر نہیں ، بلکہ کٹویں ہیں ، یعنی محرّم اور رجب کے درمیان پانچ مہینوں کا فاصلہ ہے ۔ اس لئے یہ قرآنی میزان پر پورے نہیں اُترتے ۔ کیونکہ آپ اُوپر دیکھ چکے ہیں ، ایمان والوں کو حکم دیا گیا ہے کہ حُرمت کے چار مہینوں میں سالانہ عالمی امن کانفرنس کیلئے کوئی جنگ نہ کی جائے ۔ لیکن جب چار مہینے حرمت والے گزر جائیں = فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ تو فسادی مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کر دو تاکہ فساد ختم ہو جائے ۔ اب غور فرمائیں کہ ارشادِ باری ہے جب حرمت کے چار مہینے گزر جائیں مگر چونکہ حرمت کے روایتی چار مہینے گزارتے ہوئے نو مہینے گزر جاتے ہیں ، اس لئے یہ غیر قرآنی اور خود ایجاد کردہ ہیں ۔ قرآن مجید نے جو حُرمت کے چار مہینے بتائے ہیں وہ کٹویں نہیں ہیں ، بلکہ حج کے مہینے کیساتھ مسلسل مربوط ہیں ۔ قرآن مجید نے اپنے مخصوص اسلوبِ بیان کے مُطابق حُرمت کے چار مہینوں کی نشاندہی باندازِ ذیل کی ہے :-

قرآن مجید کے بتائے ہوئے حُرمت کے چار مہینے

• سورہ بقرہ میں روزوں کی گنتی بتاتے ہوئے ارشاد ہوا :- شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ ۲/۱۸۵ روزوں کی گنتی رمضان کا پورا مہینہ ہے (۲۹ یا ۳۰ دن) ۔ باری تعالیٰ نے رمضان شریف سے متعلقہ مسائل کی وضاحت کے بعد

جنگِ جہاد کے مسائل بیان کرتے ہوئے حرمت والے مہینوں کا ذکر بانداز ذیل فرمایا ہے :۔

• اَلشَّهۡرُ الۡحَرَامُ بِالشَّهۡرِ الۡحَرَامِ وَالۡحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ۲/۱۹۴ حرمت والے مہینے کا بدلہ حرمت والا مہینہ ہی ہے اور (تین) حرمت والے مہینوں کا بدلہ بھی وہ تین مہینے ہیں۔ (اگر دشمن حرمت والے مہینوں میں تم پر حملہ کر دے تو تم حرمت والے مہینوں ہی میں اُس سے بدلہ چکا لیا کرو۔ یعنی حرمت کے مہینوں ہی میں اُس کے دانت توڑ دیا کرو)۔

اَب غور فرمائیں

• آیتِ بالا ۲/۱۹۴ میں اَلشَّهۡرُ الۡحَرَامِ کے الفاظ آئے ہیں۔ یہاں الشہر کا الف لام عہدی ذکری ہے کیونکہ ماقبل ذکر آچکا ہے شَهۡرُ رَمَضَانَ کے الفاظ میں ماہِ رمضان کا۔ پس حرمت کا پہلا مہینہ تو ہوا رمضان شریف کا' اور اُس کے بعد آیا ہے حُرُمٰت بصیغہ جمع۔ چونکہ حرمت والے مہینوں کی گنتی ۹/۳۶ میں چار بتا دی گئی ہے۔ اس لئے حُرُمٰت کی جمع سے تین ہی مہینے حرمت والے مراد ہیں نیز چونکہ ۹/۵ فَاِذَا انۡسَلَخَ الۡاَشۡهُرُ الۡحُرُمُ کے الفاظ سے ثابت ہے کہ حرمت والے مہینے پے در پے آتے ہیں۔ جو یکے بعد دیگرے مسلسل گزر جاتے ہیں۔ اس لئے بصورتِ نصف النہار ثابت ہوا کہ باقی تین مہینے رمضان شریف کے ساتھ والے عین اگلے ہیں۔ شوال، ذی قعد اور ذی الحج۔ رمضان کے بعد یہ تینوں مسلسل اور مربوط ہیں۔ پس قرآن مجید کے مطابق حرمت والے چار مہینے ہیں۔

• رمضان، شوال، ذیقعد اور ذی الحج جو مسلسل ہیں اور یکے بعد دیگر یکبارگی گزر جانے کی بدولت قرآنی میزان پر پورے اترتے ہیں۔ سلسلۂ درس کی آیت مجیدہ ۵/۲ میں اِن کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ اگر دشمن حرمت والے مہینوں میں تم پر حملہ کر دے تو تم نے مار نہیں کھانا۔ بلکہ اُنہی مہینوں میں اُس کے حملہ کا دندان شکن جواب دینا ہے

نیازِ کعبہ کے تحفوں کی بے حرمتی نہ کرو

• ۵/۲ لفظ ھدی کا سہ حرفی مادہ ھ۔د۔ی = ھدی ہے جس کا مصدری معنیٰ آگے ہوتا ہے۔ اسی لئے راستہ بتانے والے کو جو راستہ بتاتے وقت آگے آگے ہوتا ہے ھَادِیٌ کہتے ہیں' نیز تحفہ چونکہ آگے رکھا جاتا' آگے پیش کیا جاتا ہے اس لئے تحفے کی ہر چیز کو ھدیہ کہتے ہیں جس کی جمع ہے ھدی۔ آیتِ صدر میں اَلۡهَدۡیَ پر الف لام تخصیص کا آیا ہے۔ اس لئے یہاں الھدی سے مراد وُہ تحائف ہیں جو نیازِ کعبہ کے لئے حاجی لوگ حج کے موقعہ پر اپنے ساتھ لے جائیں۔ خواہ وُہ از قسم نقدی، کپڑا، جنس ہوں یا از قسم ذبح کئے جانیوالے چوپائے ہوں۔ آیت مجیدہ میں ان تحائف کی بے حرمتی کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ نیازِ کعبہ کی ھدی کی بے حرمتی یہ ہے کہ اُسے جائز مقام پر خرچ کرنے کی بجائے ناجائز خرچ کیا جائے۔ واضح رہے کہ حج چونکہ سالانہ عالمی امن کانفرنس ہے اس لئے اس موقعہ پر پیش کی جانیوالی سب کی سب ھدی یا تو مہمانوں کی خدمت پر خرچ ہونی چاہئیں اور یا

کعبہ مکرّمہ کے عالمی امن مرکز کو اس قدر مضبوط کرنے پر خرچ کی جانی چاہئیں کہ پوری دُنیا میں یہ مرکز سب سے زیادہ طاقتور ہوتا کہ وُہ سالانہ عالمی امن کانفرنس میں کئے گئے فیصلوں کو عملی جامہ پہنانے کی طاقت بھی رکھتا ہو یو۔این۔او کے عالمی امن مرکز کی طرح نہ ہو کہ وُہ فیصلہ تو کر دے کہ بھارت کشمیر میں رائے شماری کرائے۔ مگر اپنے اس فیصلے پر عمل کرانے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ اسی طرح یو۔این۔او یہ فیصلہ تو کر دے کہ اسرائیلی حکومت عربوں کے دبائے ہوئے علاقے خالی کر دے مگر خالی کرا نہ سکے۔ پس الھدی کی بے حرمتی یہ ہے کہ عالمی امن مرکز کے کرتا دھرتا اُس مال کو اس طرح خرچ کریں کہ وُہ خُود تو عیش کی زندگی بسر کر رہے ہوں اور عالمی امن مرکز کرۂ ارض کی بیشتر حکومتوں سے کمزور رہے۔ حتّٰی کہ خود اہلِ اسلام کو اپنے متنازعہ فیہ مسائل کیلئے کسی اور نام نہاد امن مرکز کی طرف رجوع کرنا پڑے۔

نیازِ کعبہ یعنی قربانی کے جانوروں کی بےحرمتی نہ کرو

● ع۳ لفظ القلائد جمع ہے القلادہ کی، جس کا سہ حرفی مادہ ہے ق۔ل۔د = قلد، جس کے بنیادی معنے بٹی ہوئی رسّی کے ہیں۔ الاقلید کہتے ہیں اونٹ کی نکیل کی رسّی کو۔ چونکہ دیہاتیوں کے ہاں بٹی ہوئی رسی چوپایوں کے گلے میں ڈالی جاتی ہے اس لئے جو رسّی چوپایوں کے گلے میں ڈالی جائے اسے بھی قلادہ کہا جاتا ہے۔ پھر گھر میں پالے جانیوالے جانوروں کے گلے میں جو شوق کیساتھ خوب صورت پٹہ یا گانی وغیرہ ڈالی جاتی ہے اُسے بھی قلادہ کہا جاتا ہے، جس کی جمع ہے قلائد۔ آئت زیرِ بحث میں چونکہ قلائد پر الف لام تخصیص کا آیا ہے، القلائد کی صُورت میں، اس لئے اس سے مراد ہیں وُہ چوپائے جو پٹہ ڈالکر نیازِ کعبہ کیلئے گھر پر پالے جائیں۔ پھر چونکہ نیازِ کعبہ کیلئے گھر پر پالنے کی بجائے بازار سے بھی حلال چوپائے خرید لئے جاتے ہیں۔ اس لئے القلائد سے وُہ تمام حلال چوپائے بھی مراد ہیں جو نیازِ کعبہ کے طور پر پیش کئے جائیں جنہیں عرفِ عام میں قُربانی کے جانور کہا جاتا ہے۔ اب القلائد یعنی قربانی کے جانوروں کی بے حرمتی یہ ہے کہ انہیں ذبح کرکے چھوڑ دیا جائے اور پھر انہیں ریت میں دبا دیا جائے۔ آئت زیرِ نظر میں اس بے حرمتی سے بھی منع کر دیا گیا ہے۔

بیتُ اللہ کا قصد کرنیوالوں کی بےحرمتی نہ کرو

● ع۴ آٰمِّیْنَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ کا معنیٰ ہے بیت اللہ شریف کا قصد کرنیوالے۔ آمّین اسم فاعل ہے اَمّ سے، جس کا مصدری معنیٰ ہے قصد کرنا یہاں بیت اللہ شریف کا قصد کرنیوالوں میں سے یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا کے الفاظ میں اُن لوگوں کو مخصوص کر دیا گیا ہے جو حج کے سفر میں اللہ کی رضا کے مطابق اُس کا فضل تلاش کریں یعنی وُہ اللہ کی رضا کے مطابق کسی بھی جائز طریقے سے کاروبار کرکے تلاشِ معاش کر سکتے ہیں۔ اہلِ اسلام کے ہاں یہ غیر قرآنی عقیدہ چل رہا ہے کہ حج کے سفر میں کاروبار کرنا حرام ہے۔ حالانکہ آئتِ بالا کے علاوہ سورہ بقرکی آئتِ ذیل نمبر ۲/۱۹۸ میں بھی حج

کے سفر میں حاجیوں کیلئے کاروبار، محنت مشقّت اور تجارت وغیرہ کے ذریعہ تلاشِ معاش کی اجازت ہے۔ لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّکُمْ ؕ تم پر کوئی حرج نہیں ہے کہ تم حج کے سفر میں (اللہ کی رضا کے مطابق (۲/۱۹۸) کام کرکے) اپنے رب کا فضل تلاش کرو۔

● پس ایسے حاجیوں کی بے حرمتی کرنے سے بھی منع کر دیا گیا ہے جو حج کے سفر میں ایّام حج سے ماقبل یا مابعد محنت مشقّت، دستکاری یا تجارت کے ذریعہ تلاشِ معاش کریں۔ ایسے لوگوں کو طعنے دینا کہ تم ایسے بھوکے ننگے اور قلّاش ہو یا اتنے لالچی اور حریص ہو کہ حج کے سفر میں بھی کمائی کے پیچھے پڑے ہوئے ہو، یہ اُن کی بے حرمتی ہے جس سے منع کر دیا گیا ہے۔ اگر سفرِ حج میں کسی حاجی کا سفر خرچ ختم ہو جائے تو بجائے اس کے کہ وہ دوسروں کے آگے دستِ سوال دراز کرے، کیا یہ بہتر نہیں کہ وہ محنت مشقّت یا صنعت و تجارت میں سے جو فن بھی جانتا ہو، اُسکے ذریعہ سفر خرچ بنا کر کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کی ذلت سے بچ جائے۔ اور اگر وہ زیادہ مال کما کر گھر بھی لے آئے تو آیت مجیدہ ۲/۱۹۸ اور ۵/۲ کے مطابق اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ہے۔ اور ایسے حاجیوں کو طعنے دیکر اُن کی بے حرمتی، بے عزتی اور رسوائی سے مطلقاً منع کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ کسی کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے کی بجائے جسمانی محنت یا فنی مہارت کیساتھ کما کر اپنی آن اور عزتِ نفس کو محفوظ کرنیوالے افراد بھی شعائر اللہ یعنی اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔

ایّامِ حج میں برّی شکار حرام ہے

● ۵/۲ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا کے الفاظ میں حکم دیا گیا ہے کہ ایّامِ حج میں برّی شکار نہ کیا جائے، بلکہ اس عشرہ کے بعد جب حج سے فارغ ہو جائیں تو پھر برّی شکار کریں۔ کیونکہ ایّام حج میں جب دُور دُور اطراف و اکناف سے حاجی لوگ بیت اللہ شریف کے ارد گرد جمع ہوں تو ممکن ہے کہ شکاری فائر تو کرے یہ سمجھ کر کہ وہ ہرن وغیرہ کسی شکار کو نشانہ بنا رہا ہے، مگر وہ کوئی آدمی ہو جو قضاءِ حاجت کیلئے دور نکل آیا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو امنِ عالم اس قدر عزیز ہے کہ حج کی سالانہ امن کانفرنس میں شریک ہونیوالے ہر فرد کو بھی شعائر اللہ یعنی اللہ کی نشانیوں میں داخل کر رکھا ہے۔ چونکہ ایّام حج میں برّی شکار کے ذریعہ کسی بھی ایسے فرد کی بے حرمتی کا احتمال ہے اس لئے برّی شکار حرام کر دیا گیا ہے۔

● اسی سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۵/۱ میں بھی غیر مُحِلِّی الصَّیْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ (ترجمہ پیچھے گزر چکا ہے) کے الفاظ میں بھی ایّامِ حج میں برّی شکار حرام کر دیا گیا ہے اور آگے آیت نمبر ۵/۹۵ میں بھی تکرار تاکیدی کے طور پر ارشاد ہوا ہے۔

● یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّیْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ ۵/۹۵ = ایمان والو! جب تم ایّام حج میں ہو تو (برّی) شکار مت مارا کرو۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کے ذہن میں یہ سوال بار بار ابھر رہا ہو کہ ہمنے اَلصَّیْدَ کا معنیٰ برّی شکار کیوں

کیا ہے جبکہ یہاں برّی کیلئے متن میں کوئی لفظ مذکورہ بالا آیتوں میں سے کسی بھی آیت میں نہیں آیا۔ جواباً عرض ہے کہ الصید پر الف لام تخصیص کا آیا ہے جس سے مراد برّی شکار ہے اور اس پر قرآنی دلیل اگلی آیت نمبر ۵/۹۶ میں بالفاظ ذیل موجود ہے ● اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۵/۹۶ اور تمہارے لئے (ایّام حج میں) بحری شکار کرنا اور اُس کا کھانا حلال کیا گیا ہے، تمہارے اور مسافروں کے فائدے کیلئے اور تم پر برّی شکار (ایام حج میں) حرام کردیا گیا ہے۔

اگر کوئی شخص ایام حج میں جان بوجھ کر برّی شکار کرے تو وُہ قرآنی سزا کا مستحق ہے

● اگر کوئی شخص دورانِ ایام حج برّی شکار کرے تو اسے ضابطۂ خداوندی میں ذیل کی سزا کا مستحق قرار دیا گیا ہے ● وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ۗ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ۵/۹۵ اور جو کوئی تم میں سے اُسے (برّی شکار کو) جان بوجھ کر مارے تو اسکا بدلہ چار پایوں میں سے اُس کی مثل ہے جو مارا ہے۔ جس کا فیصلہ تم میں سے دو عدل والے (منصف) کریں۔ یہ ہدیہ کعبہ پہنچنے والا ہو۔ یہ کفّارہ ہے مسکینوں کا کھانا یا اس کے برابر روزے رکھنا تاکہ وُہ اپنے جرم (کی سزا) کا مزہ چکھے جو اِس سے پہلے گزر گیا۔ وُہ اللہ نے معاف کر دیا ہے۔ اور جو کوئی اس کے بعد اس کا اعادہ کرے تو اللہ اُسکو اُسکی سزا دے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ غالب سزا دینے والا ہے۔

دشمنوں کیساتھ انصاف کرنا

● ۵/۶ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ..... الخ میں صحابہ کرامؓ کو ارشاد ہوا ہے کہ کفارِ مکّہ، جنہوں نے تمہیں مسجدِ حرام سے روک کر اپنی دشمنی کا ثبوت پیش کیا تھا، اقتدار میسّر آنے کے بعد تمہارے لئے یہ لائق نہیں کہ تم کو ان کی دشمنی، اس جُرم کا مجرم کر دے کہ تم اُن پر زیادتی کرو۔ بلکہ تم ان سے انصاف ہی کرنا۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام ضابطہ ہی امن وسلامتی کا ہے۔ اِس کی رُو سے ہر مجرم کو اُسکے جُرم سے ذرہ بھر بھی زائد سزا نہیں دی جاتی۔ بلکہ اگر مجرم تائب ہو کر آئندہ کیلئے اصلاح کا اقرار کرے تو اللہ تعالیٰ معاف کرنیوالا مہربان ہے۔ اور اس چیز کی تاکید قرآن مجید کے اوّلین مخاطبین صحابہ کرامؓ کو تاکید کی گئی ہے اور اُن کے بعد ہر اُس قوم کو جو ضابطۂ خداوندی قرآنِ حکیم پر ایمان لائے، تاکید ہے کہ وُہ دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کے بعد دورِ جہالت کے طور طریقے مطلقاً ترک کردے۔ یعنی جو غیر مسلم اربابِ اقتدار کا طریقہ ہے کہ دُشمن کیساتھ انصاف کرنا ضروری سمجھا ہی نہیں جاتا۔ بلکہ کسی فرد بشر کے حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کی پہچان ہی یہ ہے کہ وُہ اس کے حکموں کے مطابق دُشمنوں پر بھی زیادتی نہ کرے، بلکہ اُن کے ساتھ بھی پُورا پُورا انصاف ہی کرتا ہو۔

بھلائی کے کاموں میں تعاون کرو اور برائی کے کاموں میں ہرگز تعاون نہ کرنا

• وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ کا تعلق بھی سابقہ شق سے ہے جس میں دشمنوں کیساتھ بھی عدل وانصاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ قرآنِ کریم چونکہ انسان کی انفرادیت اور اجتماعیت دونوں سے متعلقہ احکام دیتا ہے۔ اس لئے انفرادی طور پر بھی اگر دو دوست ہیں اور ان کا کوئی مشترکہ دشمن ہے۔ اب اگر ان میں سے ایک دوست بھلائی کے کاموں میں دوسرے دوست سے تعاون کا طلبگار ہوتا ہے تو ارشاد ہوتا ہے کہ ضرور تعاون کرو۔ لیکن اگر ان میں سے ایک دوست اپنے مشترکہ دشمن پر گناہ وظلم کیساتھ زیادتی کرنے میں دوسرے دوست کے تعاون کا طلب گار ہو، تو ارشاد ہوتا ہے کہ ہرگز ہرگز تعاون نہ کرنا۔

• اور اسی طرح اجتماعی طور پر اگر دو دوست سلطنتیں ہیں اور کوئی سلطنت اُن کی مشترکہ دشمن ہے۔ اب اگر اُن میں سے ایک دوست سلطنت بھلائی کے کاموں میں اپنی دوست سلطنت سے تعاون کی متمنی ہو تو ارشاد ہوا ہے کہ ضرور ضرور تعاون کرو لیکن اگر ایک دوست سلطنت مشترکہ دشمن سلطنت پر گناہ وظلم کیساتھ زیادتی کرنے میں تعاون کی طلب گار ہو تو ارشاد باری ہے کہ اپنی دشمن سلطنت کے مقابلے پر بھی تعاون ہرگز ہرگز نہ کرنا۔

• یہی حال صدرِ ریاست اور اُسکے عمّال وعوام کا ہے، کہ صدرِ مملکت اصلاحی احکام نافذ کرے تو اس کے عمّال اور عوام کو حکم ہوتا ہے کہ برّ وتقوٰی یعنی بھلائی اور بچاؤ کے کاموں میں ضرور ضرور تعاون کرو۔ لیکن اگر صدرِ مملکت بھی گناہ اور ظلم پر مبنی احکام صادر کرے تو حکم ہوتا ہے کہ نہ اس کے عمّال اُس کے ساتھ تعاون کریں نہ عوام۔

• ۸ آیت مجیدہ ۵/۲ زیر بحث کے آخری جملے یہ ہیں:- وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۵/۲ چونکہ یہ آیت مجیدہ یٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے خطاب سے شروع ہوئی ہے۔ اس لئے ان دونوں جملوں کا معنٰی یہ ہے کہ:- اے ایمان والو! بچو اللہ تعالٰی کے احکام کی مخالفت سے۔ بلاشبہ اللہ تعالٰی (اپنے احکام کی مخالفت کرنیوالوں کو) سزا دینے میں بہت سخت ہے۔

خلاصۂ بحث

• المختصر! آیتِ بالا ۵/۲ زیرِ نظر میں اللہ تعالٰی نے شعائر اللہ یعنی اپنی نشانیوں کی بے حرمتی کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور اپنی ان گنت نشانیوں میں سے ذیل کی چند نشانیاں (یعنی شعائر اللہ) پیش فرمائی ہیں:-

۱۔ حرمت والے مہینے اللہ کی نشانی ہیں۔ اُن میں جنگ چھیڑنا، ان کی بے حرمتی ہے۔ لیکن اگر دشمن حرمت کے مہینوں میں تم پر حملہ کر دے تو حرمت والے مہینوں ہی میں اُسکو دندان شکن جواب دینا ــــ حرمت والے مہینے کی بے حرمتی اُس نے کی ہے تم نے نہیں کی۔

٢۔ نیازِ کعبہ کے تحائف (ھدی) اللہ کی نشانی ہیں اُنہیں بے جا استعمال کرنا، ان کی بے حرمتی ہے۔ یعنی بیت اللہ کے عالمی امن مرکز کے اربابِ بست وکشاد خود تو عیش وعشرت کی زندگی بسر کر رہے ہوں اور یہ عالمی امن مرکز نہ عالمی مرکز بن سکے نہ طاقتور۔ ان تحائف سے مرکز کو طاقتور سے طاقتور بناتے چلے جاؤ تاکہ یہ فی الواقعہ عالمی امن مرکز بن سکے۔

٣۔ نیازِ کعبہ کے طور پر پیش کئے جانیوالے القلائد (عرف عام کے مطابق قربانی کے) جانور اللہ کی نشانی ہیں، انہیں ضرورت سے زائد ذبح کرکے ریت کی نذر کردینا ان کی بے حرمتی ہے۔ انہیں اتنے ذبح کرو جتنے کھائے جاسکیں۔ جو جانور بچ رہیں ان کی خطیر رقوم کیساتھ مرکز کو مضبوط اور مضبوط تر کرتے چلے جاؤ تاکہ یہ فی الواقعہ مضبوط عالمی مرکز بن جائے۔

٤۔ حج بیت اللہ کا قصد کرنیوالوں میں سے جو لوگ جائز طریقے سے تلاش معاش کریں وہ بھی شعائر اللہ میں سے ہیں یعنی اللہ کی نشانی ہیں۔ انہیں طعنے دینا ان کی بے حرمتی ہے۔ دستِ سوال دراز کرنے کی بجائے کما کر سفر خرچ کی کمی پوری کرنا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔

٥۔ ایامِ حج میں برّی شکار کی حرمت بھی اللہ تعالیٰ کی نشانی ہے۔ ایام حج میں برّی شکار کرکے اس حرمت کی بے حرمتی نہ کرنا۔ جب حج سے فارغ ہو جاؤ تو پھر برّی شکار کر سکتے ہو۔ ان ایام میں بحری شکار حلال ہے $\frac{5}{96}$۔

٦۔ اے صحابۂ رسول! تمہارے جن دشمنوں نے تمہیں بیت اللہ شریف سے روکدیا تھا۔ جب وہ مغلوب ہو جائیں تو تم اُن کے ساتھ بھی انصاف کرنا۔ دشمنوں کیساتھ انصاف کرنا بھی شعائر اللہ میں سے ہے۔ اس حکم کی مخالفت کرکے اس کی بے حرمتی نہ کرنا۔ تمہیں اُس قوم کی دشمنی بے انصافی کا مجرم نہ بنادے جس نے تمہیں بیت اللہ سے روکدیا تھا۔

٧۔ انفرادی اور اجتماعی دونوں انداز سے بھلائی اور تقویٰ کے کاموں میں ایکدوسرے کیساتھ تعاون کرنا اور گناہ وظلم کے کاموں میں تعاون نہ کرنے کا خداوندی حکم بھی شعائر اللہ میں سے ہے۔ اس حکم کی مخالفت کرکے اس کی بے حرمتی نہ کرنا۔

● اخیر پر ارشاد ہوا ہے وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۗ إِنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ۔ اللہ تعالیٰ کے مذکورہ حکموں کی مخالفت سے بچو (ورنہ یاد رکھو کہ) اللہ تعالیٰ اُس کے احکام کی مخالفت کرنیوالوں کو سزا دینے میں بہت سخت ہے۔

● دیکھئے! آیت بالا ۲ میں آیت ۱ کے اوّلین حکم اَوْفُوا بِالْعُقُودِ کے ماتحت مندرجہ بالا تمام احکامِ خداوندی کو پورا کرنے اور اللہ کی منہیات سے پوری طرح احتراز کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اب اگلی آیت

مجیدہ میں، آیت اوّل کے جملہ "اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ" والی استثنا کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں کہ ان چیزوں کی وضاحت کر دی گئی ہے جو خود حلال جانوروں کی حرام ہیں۔

حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَةُ وَالدَّمُ وَ
حرام کیا گیا تم پر ہر قسم مردہ۔ اور خون اور
لَحْمُ الْخِنْزِیْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ
گوشت غدود کا اور جو منسوب ہوا غیر اللہ کی طرف ساتھ اس کے
وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّیَةُ وَالنَّطِیْحَةُ وَمَآ
اور گلا گھٹا اور چوٹ لگا اور گر کر مرا اور سینگ لگا اور جسے
اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّیْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَی
کھایا درندے نے سوائے جو ذبح کیا تم نے اور جو ذبح ہوا اوپر
النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ذٰلِكُمْ
مزار کے اور یہ کہ تقسیم کرو تم ساتھ فالوں کے۔ یہ ہے
فِسْقٌ اَلْیَوْمَ یَئِسَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ
قانون شکنی۔ آج مایوس ہو گئے وہ لوگ جو کافر ہوئے، سے
دِیْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ اَلْیَوْمَ
دین تمہارے۔ پس نہ ڈرو ان سے اور ڈرو مجھ سے ہر زمانہ
اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ
مکمل کر دیا میں نے واسطے تمہارے دین تمہارا اور پوری کی میں نے اوپر تمہارے
وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا فَمَنِ اضْطُرَّ فِیْ
نعمت اپنی اور پسند کیا میں نے واسطے تمہارے فرمانبرداری کو دین۔ پھر جو ہو بے
مَخْمَصَةٍ غَیْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳﴾
قرار بھوک سے نہ جھکنے والا واسطے گناہ کے پس بیشک ہے اللہ بچانے والا مہربان

(ایمان والو!) حرام کیا گیا ہے تم پر (جگالی کرنے والے چوپایوں کا (ہر قسم کا مردہ)[1] اور ہر قسم کا خون[2] اور غدود[3] کا گوشت اور وہ جانور جو غیر اللہ کیطرف منسوب کیا گیا ہو[4]، اور وہ جو گلا گھٹ کر مر گیا[5] اور وہ جو چوٹ لگنے سے مر گیا[6] اور وہ جو گر کر مر گیا[7] اور وہ جو سینگ لگ کر مر گیا[8] اور جسے کسی درندے نے کھا لیا[9] سوائے اس کے جسے تم نے (ذبح کر کے خون سے) پاک کر لیا۔ اور وہ جو کسی استھان خانقاہ پر ذبح ہوا[10] اور یہ کہ (انکا گوشت) تم قرعہ اندازی کے ذریعہ تقسیم کرو[11]۔ یہ سب حدود شکنی ہے۔ آج کے دن وہ لوگ جنہوں نے ضابطۂ الٰہی کا انکار کیا ہے تمہارے دین سے مایوس ہو گئے ہیں۔ پس تم ان سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو (اے نوعِ انسانی!) ہر زمانے میں میں نے تمہارے لئے تمہارا ضابطۂ حیات مکمل کر دیا اور تمہارے اوپر اپنی نعمت (کتاب) پوری کر دی۔ اور تمہارے لئے اپنی فرمانبرداری کو اپنا ضابطۂ حیات پسند فرمایا۔ پھر جو کوئی بھوک سے بے چین ہو جائے (تو جان بچانے کیلئے مذکورہ بالا حرام چیزیں کھا سکتا ہے مگر) وہ گناہ (نافرمانی) کی طرف جھکنے والا نہ ہو۔ بیشک اللہ تعالیٰ (مجبوری کی حالت میں جان بچانے کیلئے) بچاؤ دینے والا ہے۔ ترس کر رحمت فرمانے والا ہے۔

● عہ[1-11] یہ ہے ۵ میں آمدہ اِلَّا مَا یُتْلٰی علیکم کی تفصیل کہ جگالی کرنے والے حلال جانوروں میں مذکورہ بالا نمبر زدہ گیارہ چیزیں حرام ہیں۔

لحم الخنزیر

• اس آئت مجیدہ میں آمدہ مرکّب اضافی لحم الخنزیر سے عام تراجم میں سؤر کا گوشت مراد لیا گیا ہے۔ اور اس طرح سؤر کی حُرمت اس آئت سے ثابت کی جاتی ہے۔ لیکن اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب خدا تعالیٰ نے ۵/۱ میں گھاس کھانیوالے چوپایوں میں سے بہیمہ قسم یعنی جگالی کرنیوالوں کو حلال بتا کر غیر بہیمہ یعنی جگالی نہ کرنیوالوں کی حُرمت کا اعلان کر رکھا ہے تو پھر سُؤر کو، جو غیر بہیمہ میں داخل ہونے کی بدولت ۵/۱ میں حرام ثابت ہو چکا، باقی حرام جانوروں سے الگ طور پر پھر حرام بتانے کا کیا مطلب؟

• یاد رہے کہ آئت بالا ۵/۳ میں اِلّا ما یتلیٰ علیکم کی تفصیل درج ہے۔ حلال جانوروں کے اندر جو چیزیں حرام ہیں اور یا جن صُورتوں میں وُہ حلال ہوتے ہوئے حرام ہو جاتے ہیں اُن کی فہرست دیدی گئی ہے۔ مُردہ[۱]۔ خون[۲]۔ لحم الخنزیر[۳]۔ غیر اللہ کی طرف منسوب[۴]۔ گلا گھونٹ کر مرا[۵]۔ چوٹ لگنے سے مرا[۶]۔ گر کر مرا[۷]۔ آپس میں لڑ کر سینگ لگنے سے مرا[۸]۔ درندے کا کھایا[۹]۔ خانقاہ پر ذبح کیا گیا[۱۰]۔ اور فال کے تیروں سے تقسیم کیا گیا[۱۱]۔ پس جب اس آئت مجیدہ میں لحم الخنزیر سمیت گیارہ صورتیں حلال جانوروں ہی کے بعض حصّوں اور بعض حالتوں کی حُرمت کی ہیں تو ثابت ہوا کہ لحم خنزیر بھی حلال جانوروں ہی کا حرام بتایا گیا ہے اور وُہ ہے غدود کا گوشت۔

ایک غلط فہمی کی وضاحت

• مَا اُھلّ لغیر اللہ بہٖ میں آمدہ مَا عمُوم کے سہارے لحم خنزیر سے سُؤر کا گوشت مراد لیکر سؤر کی حُرمت لی جاتی ہے۔ کیونکہ اس ما عموم سے غیر اللہ کیطرف منسوب یر ا ٹھے، پتاشے مٹھائی وغیرہ ہر چیز حرام ہو جاتی ہے اس لئے کہا جاتا ہے، چونکہ ما اُھلّ لغیر اللہ بہٖ سے بہیمۃ الانعام کے سوا ہر چیز مُراد ہے۔ اس لئے لحم الخنزیر سے مراد سُؤر کا گوشت ہے۔ لیکن عربی ادب کا قاعدہ ہے کہ جب مَا عمُوم کسی دائرہ میں محدود ہو تو اُس دائرہ کے اندر ہی عمُوم کا فائدہ دیتا ہے۔ لہٰذا یہاں مَا عام ہے لیکن حلال کے دائرے میں محدود جانوروں کے متعلق کہا گیا ہے کہ گائے، بھینس، بھیڑ بکری وغیرہ کوئی سا حلال جانور بھی غیر اللہ کی طرف منسوب کیا جائے تو حرام ہو جاتا ہے۔ دائرے میں محدود مَا عمُوم کی مثال اسی آئت مجیدہ میں مَا اکل السبع اور ما ذبح علی النّصب کے جملوں میں مذکور ہے۔ جن میں اگرچہ مَا عام ہے لیکن درندہ کھا جائے یا کسی استھان پر ذبح ہو، کے جملوں سے یہاں حلال جانوروں کے سوا کھیر پراٹھوں کا کسی مزار پر ذبح ہونا یا درندوں کا کھا جانا مراد لیا ہی نہیں جا سکتا۔

مُردہ خون اور غدود کے گوشت کی پکے بعد دیگرے حُرمت قابلِ غور ہے

• حلال جانور پہلے نمبر پر اُسوقت حرام ہو جاتا ہے جب وُہ مر جائے، یعنی وُہ ذبح نہ کیا گیا ہو۔ یہ اس لئے کہ خون حرام ہے جو بلا ذبح کئے مر جانے سے اُس کے اندر رہ جاتا ہے اور جب ذبح کر کے خون نکال دیا جائے تو حرام خون تو نکل گیا لیکن باقی گوشت میں ابھی اور حرام چیزیں موجود ہیں۔ وُہ ہے لحم خنزیر یعنی

غدود کا گوشت، جھلیاں اور پھیپھڑے وغیرہ۔ جن میں حلال جانور کو ذبح کر لینے کے باوجود اُس کا وُہ گوشت بھی حرام ہے جہاں جانور کو چوٹ لگی ہو اور اُس مقام پر خُون جم گیا ہو۔ اور اس سے آگے ہے حلال جانوروں یا ان کے گوشت کو فال کے تیروں کیساتھ تقسیم کرنے کا مسئلہ۔ واضح رہے کہ قرعہ اور فال کے ذریعہ تقسیم کا سوال پیدا ہی اُس وقت ہوتا ہے جب دونوں ڈھیر برابر نہ ہوں اور کسی ایک ڈھیر کے متعلق الگ الگ فریقین یہ چاہتے ہوں کہ یہ مجھے ملے۔ قرعہ اور فال میں ایک تو قسمت و تقدیر جیسے قاطع ایمان نظریے کا عمل دخل ہے کہ جونسا ڈھیر یا جانور کسی کی قسمت میں ہوگا مل جائیگا اور دوسرے یہ کہ جس شخص کو ناقص مال ملتا ہے اُس کی حق تلفی ہوتی ہے۔ اس لئے قرآنِ کریم نے قرعہ کے طریقے سے جانوروں یا ان کے گوشت کو تقسیم کرنے سے خود جانوروں یا گوشت کو حرام ٹھہرا دیا ہے۔ اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ حرام تو ہوئی قرعہ اندازی، اس سے حلال جانور حرام کس طرح ہو سکتے ہیں۔ اس سوال کا جواب بھی اسی آئت مجیدہ میں موجود ہے کہ جس طرح حرام تو ہے کسی استھان۔ مزار یا خانقاہ پر جانور ذبح کرنا۔ تو جس طرح اِس حرام فعل سے کسی مزار پر کے مذبوحہ حلال جانور کو حرام ٹھہرا دیا گیا ہے جس پر یہ حرام فعل وارد ہوا ہے، اُسی طرح قرعہ اندازی کا حرام فعل بھی جن حلال جانوروں یا گوشت پر وارد ہوگا وُہ بھی حرام ہو جائیں گے۔

تکمیلِ دین • آئت زیر بحث ۵/۳ میں جو آئت کا یہ ٹکڑا آیا ہے اَلیوم اکملتُ لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت، اس کے متعلق روائتی تفاسیر میں بتایا گیا ہے کہ آج دن تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا گیا ہے اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی گئی ہے سے مراد یہ ہے کہ یہ آئت نزول کے لحاظ سے بالکل آخری آئت ہے۔ اس نظریہ پر متعدد سوالات پیدا ہوتے ہیں:۔

• ۱ پہلا یہ کہ کیا سابقہ اُمتوں اور رسولوں کو کامل دین نہیں دیا گیا تھا، جو کامل دین اس اُمت کو ملا ہے۔

• ۲ پھر جیسے کہ روائتی تفاسیر کا کہنا ہے کہ مکمل دین اِس آخری اُمت ہی کو دیا گیا ہے تو آیاتِ ذیل کی نفی لازم آتی ہے:۔ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ۴۲/۱۳۔ ایمان والو! اللہ نے تمہارے لئے اُسی دین کی وُہی شرع کردی ہے جس کا حکم نوحؑ کو دیا تھا۔ اور وہی شرع جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے۔ اور وہی شرع جس کا حکم ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دیا گیا تھا۔ پھر سورہ انعام میں حضرت ابراہیمؑ سمیت اٹھارہ نبیوں کے نام لیکر آنحضورؐ کو حکم ہُوا ہے:۔ اولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ ھَدَى اللہُ فَبِھُدٰىھُمُ اقْتَدِهْ ۶/۹۰ یہ وُہ لوگ تھے جنہیں اللہ نے ہدایت فرمائی تھی۔ اے رسولؐ! آپ اُنکی ہدایت کی اقتداء فرمائیں۔ کیا ان الفاظ میں آنحضورؐ کو نامکمل اور ناقص دین کی اقتداء کرنے کا حکم دیا گیا ہے؟ العیاذ باللہ!

• ۳ پھر اگر اتممت علیکم نعمتی کے الفاظ سے یہ مانا جائے کہ یہ منزل کے لحاظ سے آخری آئت مجیدہ ہے تو

آئتِ ذیل کا کیا بنیگا۔

● وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۖ ۶/۱۱۶ اور تیرے پروردگار کے کلمات صدق و عدل کیساتھ ختم ہو چکے ہیں۔ بتائیے! یہ آئت آخری ہے یا الیوم اکملت والی؟

● برادرانِ عزیز! حقیقت حال وُہی ہے جو عرض کر دی گئی ہے کہ یہاں اَلْيَوْمَ کا معنیٰ آج دن نہیں ۔بلکہ ہر دن ہر زمانہ ہے۔ یعنی سابقہ تمام رسولوں[ؑ] اور اُمتوں کو کامل دین دیا گیا تھا۔ الیوم میں الف لام استغراق کا ہے اور یوم کا معنیٰ ہے زمانہ۔ اللہ تعالیٰ نے ہر زمانے میں، ہر نبی اور ہر اُمت کو کامل دین عطا فرمایا تھا، اور وُہ ایک ہی دین اور ایک ہی شریعت عطا فرمائی گئی تھی جیسے کہ ۴۲/۱۳ کے حوالہ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّينِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوحًا میں بھی اوپر گزر چکا ہے اور ۶/۹۱ کا حوالہ بھی اوپر دیا جا چکا ہے کہ آنحضورؐ کو حکم دیا گیا تھا کہ آپ سابقہ انبیاء کی ہدائت کی اقتداء فرمائیں۔

● ۶/۱۱۵ میں بھی اس چیز کی تائید موجود ہے:۔ تمّت کلمت ربّك صدقا وّعدلاً ط لا مبدّل لکلمٰتہ۔ اللہ تعالیٰ کے کلمات قوانین (ہر دور میں) مکمل طور پر عطا کئے گئے ہیں۔ اُسکے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں نہ وُہ تبدیل ہوتے ہیں ۶/۱۱۴ اور نہ خود اللہ تعالیٰ انہیں بدلتا ہے ۵۰/۲۹

حرام شکاری جانوروں کے ذریعہ شکار حلال ہے

● سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں شکاری جانوروں کے ذریعہ بہیمہ قسم کے حلال جانوروں کا شکار کرنا حلال ٹھہرایا گیا ہے۔ بشرطیکہ اُنہیں سدھایا جا چکا ہو۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ۭ قُلْ اُحِلَّ
سوال کرینگے آپ سے کیا حلال ہُوا واسطے اُن کے کہدیجئے حلال کیا گیا

لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ
واسطے تمہارے پاکیزہ اور جو سدھاتے ہو، میں سے شکاری جانوروں کو

مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۡ فَكُلُوْا
سدھاتے ہوا نہیں جیسے کہ تعلیم دی تمکو اللہ نے۔ پس کھاؤ اس

مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ
سے جو وہ روکیں واسطے تمہارے، اور ذکر کرو نام اللہ کا

عَلَيْهِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝
اوپر اُس کے اور ڈرو اللہ سے بیشک اللہ جلد حساب کرنے والا ہے

(اے رسولؐ!) لوگ آپ سے سوال کریں گے کہ ان کے لئے کیا حلال کیا گیا ہے۔ آپ فرما دیجئے گا کہ تمہارے لئے صحت بخش (گوشت) حلال کیا گیا ہے۔ اور (تمہارے لئے حلال جانوروں کا وہ شکار بھی حلال کیا گیا ہے) جو تم شکاری جانوروں کو تعلیم دیتے ہو، کتوں کو سدھانے والے ہو کر۔ تم اُنہیں تعلیم دیتے ہو اُس (جبلی علم) سے جو اللہ نے تمہیں (جبلی طور پر) سکھایا ہے[۲]۔ پس اُس شکار کو کھایا کرو جسے وہ تمہارے لئے روک رکھیں، اور اُس پر اللہ کے نام کا ذکر کیا کرو (یعنی اللہ کے نام کیساتھ ذبح کیا کرو)

اور اللہ تعالیٰ کے حکموں کی مخالفت سے بچو۔ بیشک اللہ تعالیٰ جلد حساب کرنے والا ہے۔

سدھائے ہوئے کتے کا پکڑا ہوا شکار

● عـ۱ قاموس القرآن کے صفحہ ۴۴۵ پر مکلّبین کا معنیٰ لکھا ہے۔ "مُکلّبین :۔ کتّے کو شکار سکھلانیوالے ۔تکلیب سے اسم فاعل جمع مذکر بحالت نصبی وجرّی ۔ واحد مکلّبٌ" ۔ کتّا بھی شکاری جانور ہے۔ بہت جلد سدھایا جاسکتا ہے، دوسرے شکاری جانوروں کے ساتھ ساتھ سدھائے ہوئے کتّوں کا شکار بھی حلال قرار دیا گیا ہے۔ کتّوں کو سدھانے والوں کیلئے خاص لفظ لایا گیا ہے مُکلّبین۔ شکاری جانوروں کو سدھانے کی غرض یہ ہوتی ہے کہ وُہ شکار کو کھائیں نہیں۔ صرف پکڑ رکھیں، تاکہ اُسے ذبح کر لیا جائے۔ اب ظاہر ہے کہ جب سدھایا ہوا کتّا یا دوسرا شکاری جانور شکار کو پکڑیگا تو یقیناً اُس کے دانت شکار کے جسم میں پیوست ہوں گے۔ اس طرح کتّا اور دوسرے شکاری جانور کھانے کیلئے ضرور حرام ہیں، مگر ان سے شکار کو پکڑنے کی خدمت لینا حلال اور جائز ہے۔

جبلّی تعلیم

● عـ۲ مِمّا علّمکم اللہ۔ شکاری جانوروں کو سدھانے کی تعلیم نوعِ انسانی کو بذریعہ وحی نہیں دی گئی۔ بلکہ یہ تعلیم انسانی جبلّت میں رکھ دی گئی ہے۔ اور جبلّی تعلیم کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ ہر قسم کی صنعت وحرفت کا کام نوعِ انسانی اسی خداوندی جبلّی تعلیم کے ذریعہ سرانجام دے رہی ہے اور اِس میدان میں شبانہ روز ترقی بھی اِسی خداوندی تعلیم کے ذریعہ کرتی چلی جارہی ہے۔ تار برقی، وائرلیس، ٹیلیفون، ریڈیو اور ٹیلیویژن وغیرہ، آئے دن کی نئی سے نئی ایجادیں سب اسی جبلّی تعلیم کی مظہر ہیں۔

ذبح کے بغیر شکار حلال نہیں

● عـ۳ واذکروا اسم اللہ علیہ کے جملہ میں شکار کو ذبح کرنا فرض قرار دیا گیا ہے۔ ذبح کا معنیٰ ہے شاہ رگ کو حلق کی طرف سے کاٹنا۔ اس کی غرض یہ ہے کہ جسم کا سارا خون جو حرام ہے پوری طرح بہہ جائے۔ شکار کے ضمن میں یہ نظریات محلِّ نظر ہیں جو یہ کہا جاتا ہے کہ تیر یا گولی کا نشانہ کرتے وقت بسم اللہ پڑھ دی جائے اور یا شکار کو پکڑنے کے لئے کتّا چھوڑتے وقت اللہ کے نام کا ذکر کر لیا جائے تو شکار حلال ہوتا ہے۔ کیوں کہ شکار اُس وقت تک حلال نہیں ہوتا جب تک کہ ذبح کرکے اُسکا خون خارج نہ کر دیا جائے۔ نہ تیر یا گولی سے جسم کا سارا خون خارج ہوسکتا ہے نہ شکاری جانور کے پکڑنے سے بلکہ سارا خون صرف شاہ رگ کاٹنے سے خارج ہوسکتا ہے۔

● سلسلہ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں مسئلہ حلّت کے ضمن میں واضح کر دیا گیا ہے کہ جو اہل کتاب دینِ اللہ پر قائم ہیں، اِن کے کھانے بھی حلال ہیں اور رشتے بھی۔ مگر ان سے وُہ مشرک اہل کتاب ہرگز مراد نہیں جو حضرات عزیرؑ و مسیحؑ کو خدا کے بیٹے بنائے بیٹھے ہیں۔

اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِیْنَ

آج دن (زمانۂ رسالتِ محمّدی میں) جگالی کرنیوالے جانورں

آج حلال کئے گئے واسطے تمہارے پاکیزہ کھانے اور کھانا اُن لوگوں کا

اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ

جو کتاب دیئے گئے حلال ہے واسطے تمہارے اور کھانا تمہارا حلال ہے ان کیلئے

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ

اور پاکدامن عورتوں میں سے مومنہ عورتوں کے اور پاکدامن عورتوں میں سے

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ

ان لوگوں کے جو دیئے گئے کتاب پہلے تم سے۔ جب تم دو انہیں

اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا

مہران کا نکاح میں رکھنے والے نہ مستی جھاڑنے والے اور نہ

مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ

رکھنے والے چھپی آشنائی۔ اور جو کوئی انکار کرے بعد ایمان کے پس بیشک

حَبِطَ عَمَلُهٗ ۡ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

ضائع ہوا عمل اُسکا اور وہ بیچ قیامت کے ہیں۔ میں سے گھاٹا پانیوالوں کے

سمیت) تمام صحت بخش چیزیں تمہارے لئے حلال کر دی گئی ہیں۔ اور جو لوگ کتاب دئے گئے ہیں انکا کھانا تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لئے حلال ہے۔ اور حلال ہیں تمہارے لئے مومنہ پاکدامن عورتوں میں سے اور حلال ہیں واسطے تمہارے پاکدامن عورتیں اُن لوگوں کی جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے[1]، جب ادا کرو تم اُنہیں اُنکا زرِ مہر۔ اس شرط پر کہ ہو تم انہیں قیدِ نکاح میں رکھنے والے نہ صرف وقتی مستی جھاڑنیوالے۔ اور نہ ہی ہو تم چھپی آشنائی رکھنے والے۔ اور (یاد رکھو کہ) جو کوئی ایمان لانے کے بعد عملاً انکار کریگا تو یقیناً یقیناً اُس کا عمل ضائع ہو جائیگا۔ اور بلاشبہ وُہ قیامت کے دارالجزاء میں نقصان اُٹھانیوالوں میں سے ہوگا۔ (نجات نہیں پائیگا)۔ ع ۵

اہلِ کتاب کا کھانا اور رشتے

● ۱؎ آیت بالا میں:۔ جن اہلِ کتاب کا کھانا اور عورتیں، مومنوں کیلئے حلال بتائی گئی ہیں وُہ، وُہ اہلِ کتاب نہیں ہیں جنہیں خدا تعالیٰ نے خود کافر اور مشرک قرار دیا ہے:۔

● وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ۨ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ۳۰/۹ اور کہا یہودیوں نے کہ عزیرؑ اللہ کا بیٹا ہے اور کہا نصاریٰ نے کہ مسیحؑ اللہ کا بیٹا ہے۔ پس ظاہر ہے کہ اللہ کے بیٹے ٹھہرانے والے یقیناً مشرک ہیں اور اُدھر ارشاد باری ہے:۔ اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ ۲۸/۹ بلاشبہ مشرک نجس ہیں۔ تو بتائیے! کیا ناپاکوں کا کھانا مومنوں کے لئے حلال کیا گیا ہے! ہرگز نہیں۔

● ۲۲۱/۲ میں ارشاد ہوا:۔ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا اور مُشرک عورتوں کے نکاح مومن مردوں سے نہ کرنا جبتک وُہ ایمان نہ لے آئیں۔ اور مُشرک مردوں کے نکاح مومنہ عورتوں سے نہ کرنا جبتک وُہ مومن نہ ہو جائیں۔

• پس اہل روایات کا یہ مسئلہ قرآن کریم کے صد فیصد خلاف ہے کہ مشرک یہود و نصاریٰ کا کھانا بھی حلال ہے اور اُن کی عورتیں بھی حلال ہیں۔ حالانکہ اس غلط مسئلہ کی بدولت یہود و نصاریٰ اپنی عورتیں جاسوسی کیلئے مسلمانوں کے نکاح میں دیدیتے ہیں جو بر وقت جاسوسی کرکے اہل اسلام کو نقصان پہنچاتی چلی آرہی ہیں۔ فاعتبروا!

• یہاں پہنچ کر سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر آیت مجیدہ ۵ میں جو اہلِ کتاب کا کھانا اور عورتیں حلال بتائی گئی ہیں اُس سے کیا مراد ہے؟ اس کا جواب آیاتِ ذیل میں دیا گیا ہے:۔

• لَيْسُوْا سَوَآءً ۭ مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَاۗىِٕمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ وَھُمْ يَسْجُدُوْنَ ۝ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ ۳/۱۱۳-۱۱۴

(مفہوم) سب ایک سے نہیں ہیں۔ اہلِ کتاب میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو رات کی ابتدائی گھڑیوں میں اللہ کی آیتیں پڑھتے ہیں اور حضور الٰہی میں سجدۂ صلوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے نیکیوں کا حکم اور برائیوں سے منع کرتے ہیں وُہی اہلِ کتاب صالح لوگ ہیں۔

• اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰھُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ ھُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ۝ ۲۸/۵۲-۵۳ وُہ لوگ جنہیں اِس (قرآن) سے پہلے کتاب دی گئی ہے (اُنکا ایک گروہ) اِس پر ایمان لاتا ہے۔ اور جب وُہ اُن پر پڑھا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے، بیشک وُہ ہمارے رب کی طرف سے حق ہے۔ بیشک ہم اس سے پہلے فرمانبردار ہیں ـــــ اہلِ کتاب کے مومن گروہ کی یہی خبر ۵/۸۳-۸۴ میں بھی دی گئی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ جن اہلِ کتاب کا کھانا اور اُن کی عورتیں حلال ٹھہرائی گئی ہیں وُہ خدا کے بیٹے ٹھہرانے اور ایک کی بجائے تین خدا ماننے والے نہیں۔ بلکہ یہ وُہ لوگ تھے جو زمانۂ رسالتِ محمدی میں اصل دین پر قائم تھے۔ قرآن کریم نے اُنہیں اُمَّةٌ قَاۗىِٕمَةٌ بتایا ہے۔ کاش کہ مسلمان اس غلط مسئلہ سے توبہ کرکے اس کے مضرات سے محفوظ ہوجائیں۔

وضو کا حکم

• سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں صلوٰۃِ موقّت یعنی نماز کی ادائیگی کیلئے وضو کرنا فرض قرار دیا گیا ہے۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ حِلّت و حرمت کے مسائل کے بعد آیتِ وضو کا کیا مقام ہے؟ یعنی حلال و حرام کی وضاحت کے ساتھ وضو کے مسئلہ کا کیا ربط ہو سکتا ہے؟ جواباً عرض ہے کہ سورہ مائدہ کی پہلی آیت کے پہلے جملے میں ارشاد ہوا ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۵/۱ ایمان والو! قبولِ ایمان کی رُو سے جس قدر عہد تم پر لازم آتے ہیں سب کو پورے کرتے رہو۔ اور اِس حکم کے بعد حلّت و حرمت

سے متعلقہ متعدد عہدوں کی وضاحت کرنے کے بعد ساتھ ہی ساتھ صلوٰۃِ موقّت کے اُس عہد کیطرف رُخ کیا گیا ہے جو پیچھے ۴/۱۰۳ میں اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ○ کے الفاظ میں لیا گیا ہے کہ بلاشبہ مومنوں پر صلوٰۃ مقررہ وقتوں پر فرض کر دی گئی ہے۔ فلہذا اگلی آیت مجیدہ میں اسی عہد صلوٰۃِ موقّت کے متعلق وا منح کیا گیا ہے:۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ
اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب تم کھڑے ہو واسطے صلوٰۃ کے
فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَیْدِیَكُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا
تو دھو لیا کرو منہ اپنے اور بازو اپنے سمیت کہنیوں کے اور مسح کرو
بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَی الْكَعْبَیْنِ ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ
کا سروں اپنے۔ اور دھو لو پیر اپنے مع ٹخنوں کے اور اگر ہو تم جنبی تو پاک ہو جاؤ
وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓی اَوْ عَلٰی سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ
اگر تم ہو بیمار یا اوپر سفر کے یا آئے ایک بیچ سے تمہارے جائے ضرور کے
اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا
یا تم نے ملاپ کیا بیویوں سے پھر تم نہ پاؤ پانی تو ارادہ کرو مٹی
طَیِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَیْدِیْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا یُرِیْدُ اللّٰهُ
پاکیزہ پھر پونچھ لو منہوں اپنوں اور ہاتھوں اپنوں کو اس سے نہیں ارادہ کرتا اللہ
لِیَجْعَلَ عَلَیْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَهِّرَكُمْ
کہ ٹھہرائے اوپر تمہارے کوئی تنگی ولیکن ارادہ کرتا ہے کہ پاک کرے تم کو
وَلِیُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكُمْ
اور تاکہ پورا کرے نعمت اپنی اوپر تمہارے
لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ ۶
تاکہ تم شکر گزار رہو

اے وُہ لوگو! جو ضابطۂ خداوندی پر ایمان لائے ہو (ہمارے عہد) صلوٰۃ کی ادائیگی کا ارادہ کرو تو اپنے مونہوں کو دھو لیا کرو۔ اور دھو لیا کرو اپنے بازوؤں کو کہنیوں سمیت۔ اور اپنے سروں کو پونچھ لیا کرو۔ اور پیروں کو ٹخنوں سمیت دھو لیا کرو [۱]

اور اگر تم بحالت جنابت ہو تو پاک ہو لیا کرو[۲] (یعنی غسل کر لیا کرو) اور اگر تم بیمار ہو (یا پانی کا استعمال مضر پڑتا ہے اور تم سفر پہ ہو، یا تم میں سے کوئی شخص قضاءِ حاجت سے فارغ ہوا ہو، یا تم نے بیویوں سے اختلاط کیا۔ اگر تم پانی نہ پاؤ تو پاکیزہ مٹی کا قصد کیا کرو۔ (یعنی غلاظت کو پاکیزہ مٹی کیساتھ دور کر لیا کرو) پھر اپنے مونہوں (چہروں) اور بازوؤں کو گرد و غبار سے پونچھ لیا کرو[۴]۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کسی بھی تنگی کا ارادہ نہیں کرتا[۵] اور لیکن وُہ یہ ارادہ کرتا ہے کہ تمہیں نجاست سے پاک کرنے اور تم پر (اس گوشے میں بھی) اپنی قانونی نعمت پوری کر دے[۶] (تاکہ تم پر ادائے صلوٰۃِ موقّت میں کوئی تنگی نہ رہے) تاکہ تم شکر گزاری کرتے رہو۔

● وضو کے متعلق دو مکاتب فکر میں بہت پرانا جھگڑا

چل رہا ہے ایک طرف وضو میں پیروں کو دھویا جاتا ہے اور دوسری طرف پیروں پر مسح کیا جاتا ہے اور پیروں پر مسح کرنے کی یہ دلیل لائی جاتی ہے کہ جب اَرْجُلَكُمْ معطوف ہے رُءُوْسِكُمْ کا اور رُءُوْسِ مفعول ہے فعل امر اِمْسَحُوْا کا، تو اس سے ثابت ہُوا کہ جس طرح سر کے مسح کا حکم دیا گیا ہے، اُسی طرح پیروں کے بھی مسح ہی کا حکم ہے، کیونکہ معطوف اور معطوف الیہ ایک حکم میں ہوتے ہیں۔

● اس سلسلے میں سمجھنے کی چیز یہ ہے کہ اَرْجُلَكُمْ، رُءُوْسِكُمْ کا معطوف ہرگز نہیں ہے۔ کیونکہ عربی قواعد کا یہ غیر متبدّل قاعدہ ہے کہ معطوف کے اعراب اپنے معطوف علیہ کے اعراب کے عین مطابق ہوتے ہیں۔ لیکن یہاں معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ کیونکہ رُءُوْسِ، جسے معطوف علیہ قرار دیا جاتا ہے مجرور ہے اور اَرْجُلَ جسے معطوف ٹھہرایا جاتا ہے منصوب ہے پس رُءُوْسِ اور اَرْجُلَ بوجہ عدم مطابقت اعراب باہم معطوف معطوف علیہ نہیں ہیں۔ بلکہ اَرْجُلَكُمْ معطوف ہے وُجُوْهَكُمْ اور اَيْدِيَكُمْ کا۔ کیونکہ اعراب کی مطابقت ان میں ہے رُءُوْسِ اور اَرْجُلَ میں ہرگز نہیں۔ ہاں اگر اَرْجُلَكُمْ کی بجائے اَرْجُلِكُمْ ہوتا تو پھر یہ یقیناً یقیناً معطوف ہوتا رُءُوْسِكُمْ کا اور پیروں کا مسح کیا جاتا۔

زیر زبر کا فرق

● عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ فاعل مرفوع ہوتا ہے یعنی اُسکے آخری حرف پر ہمیشہ پیش آتی ہے اور مفعول ہمیشہ منصوب ہوتا ہے۔ یعنی اُس کے آخری حرف پر زبر آتی ہے۔ جیسے کہ آیت زیر بحث ۶ میں پہلا فعل امر ہے اِغْسِلُوْا اور وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اس کے دونوں مفعول منصوب ہیں، یعنی وُجُوْهَ کے آخری حرف ہ پر بھی زبر ہے اور اَيْدِيَ کے آخری حرف یَ پر بھی زبر ہے۔ پس وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ بوجہ مطابقت اعراب باہم معطوف معطوف علیہ ہیں۔ اور جس طرح یہاں مُونہوں کے لئے دھونے کا حکم ہے۔ اُسی طرح بازُوؤں کیلئے بھی دھونے کا حکم ہے۔ لیکن آیت زیر نظر کے دوسرے فعل امر اِمْسَحُوْا کا مفعول منصوب نہیں۔ آپ پوچھینگے کہ یہاں اِمْسَحُوْا فعل کا مفعول رُءُوْسِكُمْ، سِ کی زیر کیساتھ کیوں آیا ہے؟ حالانکہ مندرجہ بالا قاعدے کے مطابق مفعول منصوب ہونا چاہیے تھا۔ یعنی رُءُوْس کے سین پر زبر آنی چاہیئے تھی۔

● یہ وہ اہم ترین سوال ہے، جس کے صحیح جواب پر وضو میں پیروں کے دھونے یا مسح کرنے کے متنازعہ مسئلہ کے صحیح فیصلے کا انحصار ہے۔

● جواباً عرض ہے کہ یہاں عربی قواعد کے ایک دوسرے قاعدے نے اثر انداز ہو کر سَ کی زبر کو زیر کے ساتھ تبدیل کر دیا ہے۔ وُہ یہ ہے کہ جب کسی اسم پر کوئی حرفِ جار داخل ہوتا ہے تو اُسے مجرور کر دیتا ہے یعنی اُس کے مقامی اعراب کو بدل کر اُسکے آخری حرف کے نیچے زیر لے آتا ہے، جیسے کہ رُءُوْسَ کا مقامی اعراب سَ کی زبر ہے، یعنی اگر بائے جارہ داخل نہ ہوتی تو اِمْسَحُوْا رُءُوْسَكُمْ ہوتا۔ یاد رہے کہ یہاں سَ

کے نیچے زیر بائے جارہ کے داخل ہونے کی بدولت آئی ہے۔ لیکن ایک بات اور بھی یاد رکھئیگا، اگرچہ بِرُءُوْسِکُمْ بائے جارہ کی بدولت مجرور ہو کر آیا ہے۔ لیکن محلاً منصوب ہے۔ یعنی رُءُوْسِ مفعول ہی ہے امسحوا کا۔ اور سروں کے مسح کرنے ہی کا حکم دیا گیا ہے۔

● اب غور طلب یہ امر ہے کہ آئت مجیدہ میں بِرُءُوْسِکُمْ کے بعد آیا ہے وَ اَرْجُلَکُمْ۔ عربی قواعد کے غیر متبدل قاعدہ کے مطابق اگر اَرْجُلَ، بِرُءُوْسِ کا معطوف ہوتا تو اَرْجُلِ آتا۔ اور جس طرح بِرُءُوْسِکُمْ محلاً منصوب ہے اُسی طرح اَرْجُلِکُمْ بھی محلاً منصوب ہوتا۔ لیکن چونکہ خداوندی تنزیل میں اَرْجُلَکُمْ، لام کی زبر کیساتھ آیا ہے۔ اس لئے بدرجہ اتم ثابت ہوا کہ نہ اَرْجُلَکُمْ، بِرُءُوْسِکُمْ کا معطوف ہے اور نہ پیروں کے مسح کا حکم ہے۔ بلکہ یہ اُس معطوف علیہ کا معطوف ہے جس کے ساتھ اِس کے اعراب مطابق ہیں۔ وہ ہے اَیْدِیَکُمْ جو خود معطوف ہے وُجُوْھَکُمْ کا۔ اور یہ دونوں مفعول ہیں فعل امر اغسلوا کے۔ پس مطابق اعراب کی سند کیساتھ اَرْجُلَکُمْ اُسی فعل امر کا مفعول معطوف ہے۔ جس کے مفعول، اس کے معطوف علیہ وُجُوْھَکُمْ اور اَیْدِیَکُمْ ہیں۔ اور چونکہ وُجُوْھَکُمْ اُسی فعل امر کا مفعول معطوف ہے جس کے مفعول، اس کے معطوف علیہ وُجُوْھَکُمْ اور اَیْدِیَکُمْ ہیں اور چونکہ وُجُوْھَکُمْ اور اَیْدِیَکُمْ دونوں مفعول ہیں فعل امر اغسلوا کے۔ اس لئے ثابت ہوا کہ جس طرح مونہوں اور بازؤں کے دھونے کا حکم ہے۔ اُسی طرح پیروں کے بھی دھونے کا حکم دیا گیا ہے، مسح کرنے کا نہیں۔

ایک اہم اعتراض کا جواب

● یہاں پہنچ کر یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ اگر پیروں کو دُھلوانا ہی مقصود تھا تو خدا تعالیٰ نے اَرْجُلَکُمْ کو اغسلوا کے مفعول کی شکل میں وُجُوْھَکُمْ وَاَیْدِیَکُمْ وَ اَرْجُلَکُمْ کیوں نازل نہ فرمایا؟ جواباً عرض ہے کہ وضو کی ترتیب کو قائم رکھنے کے لئے پہلے مونہوں کو دھونے کا حکم دیا گیا ہے۔ پھر کہنیوں سمیت بازؤں کو پھر سر کے مسح کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے بعد پیروں کو دھونے کا۔ اگر وُجُوْھَکُمْ وَاَیْدِیَکُمْ کیساتھ ہی وَاَرْجُلَکُمْ نازل ہوتا تو وضو کی ترتیب یہ ہو جاتی کہ پہلے منہ دھوتے، پھر بازو دھوتے، پھر پیر دھوتے اور اخیر پر سر کا مسح کرتے۔ اس طرح چونکہ خداوندی ترتیب متبدل ہو کر رہ جاتی، اس لئے خدا تعالیٰ نے اپنی پسندیدہ ترتیب کے مطابق الفاظ کو ترتیب دی ہے۔

جنب بمعنی بدخوابی بھی ہے

● ۶۔ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا کے حکم میں بدخوابی بھی شامل ہے جس کی بدولت غسل واجب ہو جاتا ہے۔ کیونکہ بیویوں سے خلوت کا ذکر اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ کے الفاظ میں الگ مذکور ہے۔ جس میں بدخوابی شامل ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ قرآن کریم کا مخصوص

اسلوبِ بیان ہے کہ اُس نے بدخوابی اور بیویوں کی مقاربت کا الگ الگ ذکر کرکے واضح کر دیا ہے کہ دونوں حالتیں جنب کی ہیں اور دونوں میں غسل لازم ہے۔ نیز جلد دوم میں آیت مجیدہ ۴/۴۳ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ وہاں بھی من وعن یہی وضاحت موجود ہے۔

● ۳ فَاطَّهَّرُوْا سے مراد غسل کرنا ہے۔ بعض حلقوں میں غسلِ جنابت کے خلاف جراثیم پائے جاتے ہیں۔ لیکن واضح رہے کہ فاطّھروا کے الفاظ سے بصُورت نصف النہار ثابت ہے کہ خدا تعالیٰ نے جنابت کو ناپاک قرار دیا ہے۔ جیسے کہ وضو کے لئے جن اعضا کو دھونے کا حکم دیا گیا ہے وُہ ناپاک نہیں ہوتے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ منہ اور کہنیوں سمیت بازو ناپاک ہوتے ہیں۔ پاک اعضاء کو صلوٰۃ کے تقدس کے لئے دھونے کا حکم دیا گیا ہے، وہاں فَاغْسِلُوْا آیا ہے فَاطَّهَّرُوْا نہیں آیا۔ اس کے برعکس جنابت کو ناپاکی قرار دے کر فَاطَّهَّرُوْا کا حکم نافذ کیا گیا ہے کہ اگر تم جنابت سے ہونو پاک ہو جاؤ اور اس حکم کے تحت پورے جسم کا غسل کیا جائیگا۔ سورہ نساء ۴/۴۳ میں فَاطَّهَّرُوْا کی بجائے تَغْتَسِلُوْا آیا ہے۔ نیز یہاں فَاطَّهَّرُوْا کے الفاظ سے صرف اعضاءِ مخصوصہ کی طہارت کا حکم اخذ کرنا اپنے آپ کو مقامِ انسانیت تک سے گرا دینے کے مصداق ہے۔ کیوں کہ جنسی فراغت کے بعد اعضاءِ مستعملہ کی عدمِ طہارت کیضرورت کا تصوّر تو ڈھور ڈنگروں کیلئے ہے۔ نوعِ انسانی تو جنسی فراغت کے بعد جبلّی طور پر ہی اعضاءِ مستعملہ کی فوری طہارت کیلئے بے چین ہوجاتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ فَطَّھروا کے الفاظ میں پوُرے جسم کے غسل کا حکم دیا گیا ہے۔

تیمّم کا معنی مُونہوں اور ہاتھوں پر مٹی ملنا نہیں بلکہ اُنکے لئے مسح یعنی اُن پر سے گرد و غبار کو صاف کرنا ہے

● تیمّم کی مروّجہ شکل یہ ہے کہ وضو کے لئے پانی نہ ملے تو مونہوں اور بازوؤں پر مٹی مل لی جاتی ہے۔ لیکن یاد رہے کہ قرآنی الفاظ اس تصوّر کے حامل نہیں۔ وہاں الفاظ یہ ہیں کہ اگر تم میں سے کوئی قضاءِ حاجت سے فارغ ہوا ہو یا بیوی سے مقاربت کرے اور پانی نہ پائے تو پاکیزہ مٹی کا قصد کرے۔ یعنی پاکیزہ مٹی کیساتھ آلائش صاف کرے اور اس کے آگے ارشاد ہوا ہے:۔ فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ۶ۖ۔ دیکھیے یہاں پاکیزہ مٹی کے استعمال کے بعد فَا آئی ہے اور صاف ظاہر ہے کہ پاکیزہ مٹی کے استعمال کے حکم کے بعد فاءِ تعقیب لا کر ارشاد ہوا ہے:۔ فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ پھر غلاظت کو صاف کرنے کے لئے حسبِ ضرورت پاکیزہ مٹی کے استعمال کے بعد اپنے مونہوں اور بازوؤں کو مٹی یعنی گرد و غبار سے صاف کر لیا کرو (کپڑے کے ساتھ پونچھ لیا کرو)۔ مسح کا معنی مفردات امام راغب مطبوعہ المکتبہ اہلحدیث اکیڈمی کشمیری بازار لاہور کے صفحہ ۹۹۷ کالم ۲ پر اس کے سہ حرفی مادہ م ۔ س ۔ ح کے ماتحت لکھا ہے:۔ " اَلْمَسْحُ کے معنے کسی چیز پر ہاتھ پھیرنے اور اس سے نشان اور آلائش

صاف کر دیئے گئے ہیں ...... چنانچہ محاورہ یہ ہے مَسَحْتُ یَدِیْ بِالْمِنْدِیْلِ میں نے رومال کیساتھ ہاتھ پونچھا"
—— پس ان لغوی دلائل سے عیاں ہے کہ مسح کا معنیٰ مٹی پونچھنا ہے، ملنا نہیں۔ اور پونچھنے کا عمل کسی کپڑے یا رومال وغیرہ ہی سے ہوگا۔

مٹی میں بھی طہارت سے متعلقہ اجزاء موجود ہیں

● اب مٹی کے اجزا پر غور فرمائیں۔ جس ذاتِ مقدس نے نجاست و آلائش کو مٹی کیساتھ صاف کرنے کا حکم دیا ہے، اُس نے اس میں ایسے کیمیاوی اجزاء بھی رکھ دئے ہیں، جو غلاظت کے مضر اثرات کو زائل کر دیتے ہیں۔ تجربہ کے طور پر اگر کچھ غلاظت کو مٹی میں دبا دیا جائے تو چند دن کے بعد کھود کر دیکھیں تو غلاظت کا وجود معدوم ہو چکا ہوگا۔ پس پاکیزہ مٹی کا استعمال مذکورہ تجربہ سے بھی ثابت ہوا کہ صرف غلاظت کو صاف کرنے کیلئے ہے مُونہوں اور ہاتھوں پر ملنے کیلئے نہیں۔ مُونہوں اور بازوؤں پر کپڑے کیساتھ مسح کرنا ہے۔ مُنہ اور بازوؤں پر مٹی ملنا قرآنِ کریم کی رُو سے نہ تیمّم ہے نہ مسح۔

● ۶ مَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیَجْعَلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ حَرَجٍ میں آمدہ لفظ حرج کا معنیٰ ذہنی تنگی بھی ہے۔ جیسے کہ ۴/۶۵ میں آنحضرت ؐ کے فیصلوں کے متعلق حکم دیا گیا ہے کہ مومنوں کو چاہیے کہ آپ ؐ جو فیصلے کریں، اُس سے کوئی ذہنی تنگی محسوس نہ کریں۔ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ ۴/۶۵

مسئلۂ تیمّم پر کُتبِ روایات کی حاشیہ آرائی

● آگے بڑھنے سے پہلے پر کتب روایات کی طبع آزمائی کا نمونہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ آپ دیکھ چکے ہیں کہ وضو سے متعلقہ جملہ احکام ۵/۶ میں دے دئے گئے ہیں اور اسی آئت مجیدہ میں اُس حالت کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے کہ جس جگہ پانی میسّر نہ ہو تو وہاں غلاظت کو پاکیزہ مٹی کیساتھ رفع کر لیا کرو اور اس کے بعد مُونہوں اور بازوؤں کو کپڑے کیساتھ پونچھ لیا کرو۔ لیکن کتبِ روایات نے یہ تاثر دیا ہے کہ باری تعالیٰ نے وضو کا حکم تو نازل کر دیا مگر یہ نہ بتایا کہ جہاں پانی نہ ملے وہاں کیا کرنا ہوگا۔ چنانچہ بخاری شریف مترجم مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی جلد اوّل کے صفحہ ۲۰۰ پر کتاب تیمّم کی پہلی ہی روائت میں لکھا ہے کہ تیمّم سے متعلقہ حکم اُس وقت نازل ہوا جب ایک سفر میں حضرت عائشہؓ کا ہار ٹوٹ کر گر گیا۔ اس لئے آنحضور ؐ نے اُس کی تلاش کیلئے قیام فرمایا۔ اس مقام پر پانی نہیں تھا۔ اس لئے صحابہؓ بہت پریشان ہوئے اور حضرت ابوبکرؓ سے شکایت کی کہ دیکھا آپ کی بیٹی نے کیا کیا ہے۔ رسولِ خدا اور صحابہؓ کو وہاں ٹھہرا لیا ہے، جہاں پانی نہیں ہے۔ اس سے آگے مترجم بخاری شریف کے اردو ترجمہ کے اپنے الفاظ ملاحظہ فرمائیں۔

"عائشہؓ کہتی ہیں کہ ابوبکرؓ مجھ پر غصّے ہوئے اور جو کچھ اللہ نے چاہا کہ وُہ کہیں انہوں نے کہا۔ اور اپنے

ہاتھ سے میرے کولہے میں کونچہ دینے لگے۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے زانو پر سر مبارک رکھے ہوئے آرام فرما رہے تھے اس وجہ سے میں حرکت نہ کر سکی۔ چونکہ آنحضرت ؐ ایسے مقام پر مقیم ہو گئے تھے جہاں پانی نہ تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آئت تیمّم نازل فرمائی"۔ (مذکورہ بخاری شریف صفحہ ۲۰۱)

● آپ پیچھے دیکھ چکے ہیں کہ طہارت، وضو اور تیمّم کے تمام مسائل ایک ہی آئت مجیدہ ۵ میں نازل کر دئے گئے تھے۔ اور عقل سلیم بھی اسی چیز کو تسلیم کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ، جو علیم و خبیر ہے اُسکے متعلق اس امر کا تصوّر تک نہیں کیا جا سکتا کہ وُہ وضو کا حکم تو نازل کر دے مگر جہاں پانی موجود نہ ہو اُس کے متعلق کچھ نہ بتائے، بلکہ اُسے شانِ نزول کے اسباب کی انتظار میں یونہی چھوڑ دے۔ افسوس ہے کہ مذکورہ شانِ نزول باری تعالیٰ کو عام قانون سازوں جتنی عقل کا مالک بھی قرار نہیں دیتا جو قانون بناتے وقت اُس کی متعلقہ ہر ممکن صُورت کی وضاحت کر دیتے ہیں۔ اللہ علیم و علاّم نے وضو کے حکم کے ساتھ ہی بتا دیا ہے کہ جہاں پانی نہ پاؤ وہاں تیمم اور مسح کر لیا کرو۔

صلوٰۃ موقّت نماز کے آداب میں سے وضو اور تیمّم کی وضاحت کے بعد، جس سے صلوٰۃ کی ادائیگی کو ایسے مقام پر بھی آسان کر دیا گیا ہے جہاں پانی نہ ملتا ہو، سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں پھر نوعِ انسانی کی اصل صلوٰۃ نظامِ ربوبیّت کے قیام کی تاکید کی گئی ہے۔ کیوں کہ صرف صلوٰۃ موقّت کی ادائیگی کے بعد یہ سمجھ لینا غلط ہے کہ ہمارا کام ختم ہو چکا ہے۔ بلکہ اصل مقصد اُس پکّے وعدے کو عملی جامہ پہنانا ہے جو ضابطۂ خداوندی قرآنِ کریم کے اوّلین سبق الحمد للہ ربّ العالمین کے الفاظ میں کیا جاتا ہے۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ

اور یاد رکھو نعمت اللہ کی اوپر تمہارے اور وعدہ

الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا

جو پکا کیا تم کو ساتھ اسکے جب کہا تم نے سنا ہم نے اور اطاعت

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ

کی ہم نے۔ اور ڈرو اللہ سے۔ بیشک ہے اللہ جاننے والا ساتھ والی

الصُّدُوْرِ ۝ ۷

ذہنوں کی کو۔

اور (ایمان والو!) اللہ تعالیٰ کی اُس نعمت [۱] (آئینِ قرآنیہ) کو ہمیشہ یاد رکھو جو اُس نے تم پر فرمائی ہے۔ اور اُس عہد کو بھی ہمیشہ یاد رکھو جس کے ساتھ اللہ نے تمہیں پکّا کیا ہے (یعنی قرآن مجید کا اوّلین عہدِ ربوبیّت) [۲] جب تم نے کہا کہ سُنا ہم نے اور اطاعت کی ہم نے [۳] پس اس عہدِ واثق کی مخالفت سے بچتے رہنا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ (ایک ایک فرد کی) ذہنی پوشیدگیوں کو بھی خُوب خُوب جاننے والا ہے۔

اللہ کی نعمت اُس کا قانون ہے

● اللہ تعالیٰ نے اپنی جس نعمت کو یاد رکھنے کا حکم دیا ہے اُس

کے متعلق پیچھے سیاق کلام ۵ میں حلال جانوروں میں حرام کی فہرست بیان کرنے کے بعد ارشاد ہوا ہے:۔
اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ میں نے ہر زمانے میں تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا، اور تم پر اپنی قانونی نعمت پوری کر دی اور اس کے بعد آئت نمبر ۶ میں بھی وضو اور تیمم اور مسح کے مسائل بیان کرنے کے بعد ارشاد ہوا ہے:۔ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کسی قسم کی تنگی کا ارادہ نہیں کرتا ولیکن وہ ارادہ کرتا ہے کہ تمہیں پاکیزہ کرے اور تم پر اپنی قانونی نعمت پوری کر دے۔ پس آئت زیر بحث ۵ میں قانونی نعمت کو یاد رکھنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کی عملی صورت یہ ہے کہ ہمارا ہر عمل خدا تعالیٰ کے نازل کردہ قانون، ضابطہ حیات قرآن مجید کے مطابق ہو۔

ع۲ ● ميثاقه الذى واثقكم سے مراد وہ اولین عہد ربوبیت عالمین ہے جو خدا تعالیٰ اپنی کتاب کے اول سبق الحمد لله رب العلمين کے اس عہد واثق کیساتھ لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عالمین کا رب ہے۔ ہم معاشرہ میں نظام ربوبیت عامہ قائم کریں گے۔ اس عہد کے اولین پابند صحابہ رضی اللہ عنہم تھے۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے دور خلافت میں رات کو گشت کر کے پتہ لگاتے تھے کہ کوئی فرد معاشرہ ضروریات ربوبیت سے محروم تو نہیں۔ اگر کوئی فرد محروم پایا جاتا تو سامان ربوبیت اپنی پیٹھ پر لاد کر پہنچایا کرتے تھے۔

● ع۳ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا کے الفاظ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو ارشاد ہوا ہے کہ اُس وقت کو بھی یاد رکھو جب تم نے کہا تھا کہ ہم نے قرآن کریم کا پیغام سُنا اور اطاعت کی ہے۔ پس واتقوا الله کے الفاظ میں حکم دیا گیا ہے کہ اپنے کئے ہوئے اس عہد کو یاد رکھنا۔ بھول نہ جانا۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم ہوتا ہے کہ جب تمہیں حکومت میسر آئے تو جس قوم نے تم پر ظلم زیادتی کر کے تمہیں مسجد حرام سے روک دیا، وطن مالوف مکہ معظمہ سے نکالدیا تھا۔ اُسکے ساتھ بھی ناانصافی نہ کرنا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ
اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو۔ ہو جاؤ کھڑے
لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۫ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ
واسطے اللہ کے گواہی دینے والے ساتھ انصاف کے اور نہ مجرم کرے تم کو
شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ
دشمنی کسی قوم کی اوپر یہ کہ نہ کرو تم عدل۔ عدل کرنا۔ وہ ہے بہت قریب

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ (کی رضا اور خوشنودی) کیلئے انصاف کیساتھ (سچی) گواہی دینے والے ہو جاؤ۔ اور تمہیں کسی قوم کی دشمنی (جس نے تم پر ظلم زیادتی کی ہے، تمہیں گھروں سے نکالدیا ہے) اس کے جرم کا مجرم نہ کر دے کہ تم اُسکے ساتھ انصاف نہ کرو (یاد رکھو! اُن کے ساتھ بھی) انصاف ہی کرنا وہ (یعنی انصاف کرنا ہی) بہت قریب ہے۔ تقویٰ شعاری کے (یعنی اللہ تعالیٰ کے قانون کی مخالفت سے

لِلتَّقْوٰی ۫ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ ۸

واسطے بچنے کے۔ اور ڈرو اللہ سے۔ بیشک اللہ تعالیٰ باخبر ہے ساتھ اسکے جو تم عمل کرتے ہو۔

بچنے کی یہی صورت ہے کہ دشمنوں سے بھی انصاف کرو) بیشک تم اس (حکم کی اطاعت یا نافرمانی میں) جو بھی کام کرو گے اللہ اُس سے خوب خوب باخبر ہے

● آئت بالا میں حکم عام مخصوص البعض کے طور پر صحابہؓ کے خطاب کے بعد اگلی آیات مجیدہ میں قاعدہ کلیہ بیان کیا گیا ہے:-

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ ۝ ۹

وعدہ کیا اللہ نے اُن سے جو ایمان لائیں اور عمل کریں اچھے واسطے اُنکے بچاؤ ہے اور بدلہ ہے بڑا

اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کیساتھ وعدہ کر رکھا ہے جو ایمان لائیں اور معاشرہ کی اصلاح کے اعمال انجام دیں۔ اُن کے لئے (ہر قسم کے مصائب وخطرات سے) بچاؤ ہے اور اُن کے عملوں کا بہت بڑا بدلہ ہے۔

وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ۝ ۱۰

اور جو لوگ انکار کریں اور جھٹلائیں آئتوں ہماری کو وہی لوگ ہیں والے جلنے کے

اور جو لوگ انکار کریں اور ہماری (تنزیلی اور تکوینی) آئتوں کو جھٹلائیں۔ وُہ لوگ وہی ہیں جن کے اعمال (اس دنیا میں اکارت گئے اور قیامت میں) ناکامی کی آگ میں جلیں گے۔

● ۱؎ جحیم کا سہ حرفی مادہ ج۔ ح۔م = جحم ہے۔ اس کا بنیادی معنیٰ ہے رُک جانا۔ تنگ ذہن ہو جانا۔ اس تنگ ذہنی کی بدولت چونکہ حاسد آتشِ حسد میں جل بھن جاتا ہے۔ اس لئے جحیم کا معنیٰ مجازی آگ بھی لیا جاتا ہے۔ نیز اصلی آگ کے لئے بھی مستعمل ہے۔ قیامت کی سزا کے لئے جو اَلنَّار، اَلجحیم اور اَلجہنّم کے الفاظ آئے ہیں اُن کی وضاحت اپنے مقام پر بالتفصیل آگے آ رہی ہے۔ سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں صحابہ کرامؓ کو مخاطب کرکے ایک خاص واقعہ کو یاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے:-

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ یَّبْسُطُوْۤا اِلَیْكُمْ اَیْدِیَهُمْ فَكَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا

اے لوگو جو ایمان لائے ہو یاد کرو نعمت کو اللہ کی اوپر تمہارے جب ارادہ کیا ایک قوم نے کہ بڑھائے طرف تمہاری ہاتھ اپنے۔ پس روک دیئے ہاتھ اُن کے طرف سے تمہاری

اے وُہ لوگو جو (ضابطۂ خداوندی قرآن مجید پر) ایمان لائے ہو یاد کرو اللہ تعالیٰ کی اُس نعمت کو جو اُس نے تم پر فرمائی کہ جب ایک قوم نے ارادہ کیا کہ تمہاری طرف اپنے ہاتھ بڑھائے۔ (یعنی تمہارے ساتھ جنگ کرے) پھر (اللہ تعالیٰ نے) تمہاری طرف بڑھنے سے انکے ہاتھ روک دئیے (تمہاری فوجی تیاری کو دیکھ کر اُنکے حوصلے پست ہوگئے) پس اللہ کے

اللّٰهَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ؏ ۱۱
اللہ سے ۔ اور اوپر اللہ کے پس چاہیئے بھروسہ کریں مومن

قوانین کی مخالفت سے بچتے رہو اور چاہیئے کہ مومن اسی طرح اللہ کے قانون پر بھروسہ کریں (یعنی ہمیشہ کیل کانٹے سے تیار رہا کریں۔) عــلــہ

● عــلــہ اللہ تعالیٰ پر توکّل کا یہ مفہوم نہیں کہ ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ رہیں اور زبانی زبانی اللہ توکّل، اللہ توکّل کا ورد کرتے رہیں۔ بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کے قانون پر بھروسہ کرکے اُس پر پُورا پُورا عمل کیا جائے۔ دشمن کے شر سے محفوظ رہنے کا خداوندی قانون یہ ہے کہ فوجی تیاری ہمیشہ کے لئے مکمل رکھی جائے جیسے کہ سورہ انفال میں ارشاد ہوا ہے:۔

● وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ ۔ اور ایمان والو! دشمنوں کے مقابلے کے لئے استطاعت بھر زیادہ سے زیادہ فوجی قوت تیار کرتے رہو اور ذرائع رسل ورسائل کی فراوانی بھی تیار کرتے رہو۔ تم (اس فوجی قوت) کیساتھ اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو دہلاتے رہو۔

● یہ ہے اللہ پر توکّل کہ فوجی قوت ہر آن کیل کانٹے کیساتھ اس قدر تیار ہو کہ دشمن گھر بیٹھے کانپتا رہے۔ جب آنحضور صلعم نے اسی مکمل فوجی تیاری کیساتھ مکّہ معظمہ پر حملہ کیا تو دشمن کو مقابلے کی ہمت نہ ہوئی اور بیت الحرام کی چابیاں بلا جنگ وجدال آنحضور صلعم کے حوالے کردیں۔ اسی طرح کے ایک اور واقعہ کی خبر آئت بالا ۱۱ میں دیگئی ہے کہ ایک قوم نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا مگر اُن کی فوجی تیاری کو دیکھ کر رُک گئی۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آئت جدیدہ کا ربط آئت نمبر، کیساتھ ہے۔ جس میں عہدِ ربوبیّتِ عامہ کے پکّے میثاق کو یاد رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ ماضی کے ایک واقعۂ بنی اسرائیل سے لئے گئے میثاق کو بطور مثال بیان کیا گیا ہے۔ جیسے کہ ارشاد ہوا ہے:۔

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ
اور بیشک لیا اللہ نے پکّا عہد بنی اسرائیل سے
وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ
اور مقرر کئے ہم نے ان میں بارہ نگران ۔ اور کہا
اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَ
اللہ نے بیشک میں ساتھ ہوں تمہارے البتہ اگر قائم کرو تم اجتماعی نظام
اٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ
اور دو فرہبی ہو بلوں کو اور ایمان لاؤ ساتھ رسولوں میرے اور مدد کرو تم انکی

اور البتہ تحقیق اللہ نے بنی اسرائیل سے پکّا عہد لیا اور اُن میں ہمنے (قیامِ ربوبیّت کے لئے اُن کے بارہ قبیلوں کے) بارہ نگران مقرر کئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے (اپنے نبی کی معرفت) اُن سے کہدیا کہ بیشک میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اگر تم (صلوٰۃِ موقّت کے ذریعہ) اجتماعی نظام قائم کرو، اور اپنے کمزوروں کو فرہبی دو عــلــہ اور میرے رسولوں پر ایمان بھی لاؤ اور ان کی مدد بھی کرو (انہیں کمزوروں کی کمزوری دور کرنے کیلئے)

وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ
اور قرض دو اللہ کو قرض اچھا ۔ ضرور دور کروں گا تم سے
سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
بدحالیاں تمہاری اور ضرور داخل کروں گا تمکو باغوں جاری ہیں نیچے انکے
الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝ ۱۲
نہریں پھر جس نے انکار کیا پیچھے اسکے میں سے تمہارے پس تحقیق گمراہ ہوا سیدھی راہ سے

اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض بھی دو، تو میں ضرور ضرور تمہاری بدحالیاں دور کر دونگا اور ضرور ضرور تمہیں ایسے باغات میں داخل کر دونگا کہ اُن کی سطح میں نہریں بہتی ہیں۔[3] پھر (ان باغوں میں داخل ہونے) کے بعد[4] تم میں سے جس نے (اجتماعیّت کا) انکار کیا تو بلاشبہ وُہ سیدھی راہ[5] سے بھٹک گیا۔ (وُہ جہنّم کی سزا کا مستحق ہے)[6]

● [1] الزّکوٰۃ کے سہ حرفی مادہ ز ک و کا بنیادی معنیٰ ہے بڑھنا پھولنا، نشوونما پانا۔ کمزور کا طاقتور اور دُبلے کا فربہ ہونا۔ جیسے کہ زَکَا الزَّرْعُ کا معنیٰ ہے۔ کھیتی بڑھی۔ زَکَا الرَّجُلُ، آدمی مالدار ہوا۔ فربہ ہوا۔ اَلتَّزْکِیَۃ کا مصدری معنیٰ ہے کمزور کو نشوونما دینا۔ دُبلے کو فربہ کرنا۔ اس مادہ کا معنیٰ پاک کرنا بھی ہے۔ آنحضور کو حکم ہوا ہے۔

● خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا $\frac{9}{103}$ اے رسول[۲]! آپ مالداروں کے مالوں سے صدقات وصول کریں اور اُس مال کیساتھ کمزوروں کو مالی کمزوری سے پاک کریں اور اُس کے ساتھ ان کی نشوونما کریں، اُنکے دُبلوں کو فربہی عطا فرمائیں۔ اس آیتِ مجیدہ میں طہارت بالمال اور تزکیؔ بالمال کے حکم سے بصورت نصف النّہار عیاں ہے کہ طہارت کا معنیٰ مالی کمزوری سے پاک کرنا اور زکوٰۃ کا معنیٰ کمزوروں کو نشوونما اور دُبلوں کو فربہی دینا ہے۔ اس مادہ کا معنیٰ نیک اعمال کیساتھ اپنے آپ کو گناہوں سے پاک کرنا بھی ہے۔

● [2] اقرضوا اللہ قرضاً حسناً کے الفاظ سے صاف عیاں ہے کہ یہ قرضِ حسنہ غریبوں، کمزوروں اور دُبلوں کی غریبی اور کمزوری دُور کرنے کے لئے مانگا جا رہا ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کو ہمارے قرض کی کیا حاجت ہے؟

● [3] جنّٰتٍ تجری من تحتہا الانہر ہموار و متوازن نظامِ ربوبیّت کیلئے ایک قرآنی اصطلاح ہے۔ جنّت کی اُخروی زندگی میں تو ظاہر ہے کہ ضروریاتِ زندگی کی بے پایاں فراوانی ہوگی جس کیلئے دُودھ اور شہد کی بہتی نہروں کی اصطلاح $\frac{47}{15}$ میں آئی ہے۔ مگر یاد رہے کہ دُنیا میں بھی ہموار و متوازن معاشرہ کیلئے بھی جنّٰتٍ تجری من تحتہا الانہر کی اصطلاح مستعمل ہے۔ جیسے کہ آیتِ بالا $\frac{5}{12}$ میں بنی اسرائیل کو کہا گیا ہے کہ اگر تم نے اجتماعی نظام قائم کیا تو ہم تمہیں ضرور ایسے باغات میں داخل کریں گے جن کی سطح میں نہریں بہتی ہوں گی۔ یہ دُنیوی جنّت کا ذکر ہے۔ کیونکہ ا۔

● [4] فمن کفر بعد ذٰلک کے الفاظ سے بھی عیاں ہے کہ کُفر کرنا یا نہ کرنا صرف دُنیا میں ممکن ہے جو دارالعمل ہے۔ اُخروی زندگی جو دارالجزا ہے اُس میں انکار کرنے یا نہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

● فقد ضلّ سواء السّبیل سے بھی دُنیوی زندگی ثابت ہے۔ کیونکہ گمراہ ہونا یا نہ ہونا بھی دُنیوی زندگی ہی سے

متعلق ہے ۔ یعنی اس زندگی میں جنّت ہموار و متوازن معاشرہ کا قیام ہے جس کی اساس اجتماعیت پر قائم ہوتی ہے اور اس سیدھی راہ سے بھٹک جانا ، گمراہ ہوجانا ہے انفرادیت ، جس میں سب کچھ طاقتور سمیٹتے چلے جاتے ہیں اور کمزور بیچاروں کو کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا ۔

• بنی اسرائیل کو مذکورہ جنّت حضرت موسیٰ کے قائم کردہ نظام ربوبیّت کے ذریعہ میسّر آئی ، جس کی شکل محسوس آزاد اسلامی حکومت تھی جس کا ذکر آیات ذیل میں آیا ہے ۔ یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ وَاَنِّیۡ فَضَّلۡتُکُمۡ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ۲/۴۷+۱۲۲ اے بنی اسرائیل میری نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر کی اور بیشک میں نے تمہیں اہل جہان پر فضیلت بخشی (یعنی تمہیں حکومت عطا فرمائی) سورہ شعراء میں خبر دی گئی ہے :۔

• فَاَخۡرَجۡنٰهُمۡ مِّنۡ جَنّٰتٍ وَّعُیُوۡنٍ ۙ وَّ کُنُوۡزٍ وَّ مَقَامٍ کَرِیۡمٍ ۙ کَذٰلِكَ ؕ وَ اَوۡرَثۡنٰهَا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ۲۶/۵۷ تا ۵۹ پس ہم نے قوم فرعون کو لدے پھندے باغوں اور بہتے چشموں ، اور بھرے خزانوں اور نفیس محلّات سے نکال باہر کیا ۔ ایسا ہی ہوا اور ان سب چیزوں کا وارث بنی اسرائیل کو بنا دیا ـــــ لیکن سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے ۔ کہ بنی اسرائیل نے قیام نظام ربوبیّت کے پکّے عہد کو توڑ دیا ۔ اجتماعیّت کی بجائے انفرادیّت کی گمراہی میں گم ہوگئے تو اُن پر غلامی کی لعنت مسلّط کر دی گئی ۔

فَبِمَا نَقۡضِهِمۡ مِّیۡثَاقَهُمۡ لَعَنّٰهُمۡ وَ جَعَلۡنَا
پھر بوجہ توڑنے ان کے عہد اپنا لعنت کی ہم نے اُنکو اور پایا ہم نے
قُلُوۡبَهُمۡ قٰسِیَةً ۚ یُحَرِّفُوۡنَ الۡکَلِمَ عَنۡ مَّوَاضِعِهٖ
ذہنوں اُنکے کو سخت ۔ وہ بدل لیتے ہیں کلام کو سے موقع اسکے کے
وَ نَسُوۡا حَظًّا مِّمَّا ذُکِّرُوۡا بِهٖ ۚ وَ لَا تَزَالُ تَطَّلِعُ
اور بھلا دیا حصّہ جو نصیحت کئے گئے ساتھ اسکے اور نہ ٹلے گا تو خبر پاتا
عَلٰی خَآئِنَةٍ مِّنۡهُمۡ اِلَّا قَلِیۡلًا مِّنۡهُمۡ فَاعۡفُ
اوپر خیانت اُن کی اُن ہی سے مگر تھوڑے ان میں سے درگذر کر تو
عَنۡهُمۡ وَ اصۡفَحۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ۝
اُن سے اور الگ ہو جا ۔ بیشک اللہ پسند کرتا ہے احسان کرنے والوں کو

پھر (عطاءِ جنّت کے بعد) اس سبب سے کہ بنی اسرائیل نے (ربوبیّت عالمین کے) پکّے وعدے کو توڑ دیا تو ہم نے اُنہیں ملعون کر دیا ۔ (اُن سے حکومت چھن گئی اور غلامی کی سزا اُن پر مسلّط کر دی گئی) ہم نے ان کے ذہنوں کو سخت پایا [۱] ۔ وہ ہمارے کلام کو اُسکے اصل مقام سے بدل دیتے تھے ۔ اور انہوں نے اپنے اُس حصّے کو بھلا دیا جس کی انہیں نصیحت کی گئی تھی [۲] اور اے رسول ! آپ اُن کی خیانتوں سے تھوڑے افراد کے سوا ضرور خبر پاتے رہیں گے ۔ سو اِن سے درگذر فرمائیں اور اِن سے الگ ہو جائیں (یہی حسن کا رانہ انداز ہے) بیشک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ۔ ۱۳

• [۱] جعلنا قلوبهم قٰسیة ۔ ہم نے جعلنا کا معنیٰ لکھا ہے پایا ۔ اگر اس کا معنیٰ کر دیا صحیح مانا جائے

تو سوال پیدا ہوتا ہے جس کے ذہن کو خود اللہ تعالیٰ نے سخت کر دیا ہو۔ تو پھر اگر وہ ہدایت نہ پائے تو اس کا کیا قصور؟ پس چونکہ اس طرح جزا سزا کا سارا قانون درہم برہم ہو جاتا ہے۔ اس لئے مرقومہ ترجمہ صحیح ہے جس کی علمی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید ہماری صرف و نحو کی غلطیاں بھی نکالتا ہے۔ مروجہ گرامر میں ثلاثی مجرد کا خاصہ وجدان نہیں مانا گیا۔ لیکن آیت بالا ۵/۱۳ میں جَعَلَ۔ یَجْعَلُ بروزن فَعَلَ۔ یَفْعَلُ کے باب کا خاصہ وجدان بالصراحت ثابت ہو رہا ہے۔ کیونکہ لَعَنّٰھُمْ کی وجہ بیان ہوئی ہے بنی اسرائیل کا اپنا نقضِ میثاق اور اللہ کے کلام میں تحریف کی وجہ بتائی گئی ہے۔ بنی اسرائیل کی قساوتِ قلبی۔ جس کی بدولت وہ کلامِ الٰہی میں تحریف کرتے تھے۔ چونکہ آیت زیرِ نظر میں بنی اسرائیل کی قساوتِ قلبی مقدم اور تحریف کلام موخر ہے۔ پس جعلنا قلوبھم قسیۃ کا یہ معنیٰ غلط ہے کہ ہم نے ان کے ذہنوں کو سخت کر دیا۔ بلکہ صحیح معنیٰ یہ ہے کہ ہم نے اُن کے ذہنوں کو سخت پایا اور اس قساوتِ قلبی کا یہ نتیجہ تھا کہ وہ کلامِ خداوندی میں تحریف کیا کرتے تھے۔

ہر کسی کا حصّہ اسکی ضروریاتِ زندگی ہیں

● ۵/۱۴ نسوحظا مما ذکروا بہ کے الفاظ نقضِ میثاق کے بدل کے طور پر آئے ہیں۔ کہ ربوبیّت عالمینی کی رُو سے عہد تو یہ لیا گیا تھا کہ تم میں سے ہر ایک کا حصّہ اُس کی ضروریاتِ زندگی ہیں تاکہ کسی زیردست و کمزور انسان کے حقوقِ ضروریات غصب نہ ہونے پائیں۔ لیکن وہ اپنے کئے ہوئے عہدِ ربوبیّت کو توڑ کر اُس نصیحت کو بھول گئے کہ اُن کا حصّہ، حصّہ مذکورہ سے زائد نہیں ہے۔ بنی اسرائیل کے بالادست افراد نے انفرادی مفاد کے پیچھے پڑ کر زیردست عوام کو فقر و فاقہ کے جہنّم میں دھکیل دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ذلّت و غلامی کی لعنت اُن پر مسلّط ہوگئی۔

امن و سکون کا قرآنی نسخہ

● آگے بڑھنے سے پہلے اس حقیقت کا عیاں کرنا ضروری ہے کہ مشاہدہ کی رُو سے کرۂ ارض پر صرف اسلامی ممالک ہی وہ ہیں جن میں آئے دن حکومتوں کے تختے الٹتے رہتے، اور داخلی انتشار کے لاوے پھوٹتے رہتے ہیں۔ اس کے برعکس جتنی غیر مسلم حکومتیں ہیں، اُن میں امن و سکون ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ مسلم ممالک کے سوا باقی کرۂ ارض دو نظاموں میں بٹا ہوا ہے، ایک تو ہیں اشتراکی ممالک جن میں عوام کی ضروریاتِ زندگی، خوراک، لباس، علاج، تعلیم اور رہائش کی پوری پوری ذمہ داری اُٹھائی گئی ہے۔ اور دُوسرے ہیں سرمایہ داری نظام کے حامل، اُن میں بھی تعلیم و علاج تو سرکاری ہے اور باقی ضروریاتِ زندگی کیلئے عوام کو اتنی مزدوری یومیہ دی جاتی ہے۔ کہ وہ بافراغت زندگی بسر کر رہے ہیں۔

● لیکن اسلامی ممالک میں عوام کی ضروریاتِ زندگی کی ضمانت حکومتوں نے چونکہ اپنے ذمہ نہیں لی، اس لئے ان ملکوں میں استحصالی نظام جاری ہے۔ جس کی بدولت عوام کو اتنی مزدوری یومیہ نہیں دی جاتی کہ انہیں بافراغت ضروریاتِ زندگی میسّر آتی رہیں چونکہ ہر طرف انفرادیت کی حکمرانی ہے اس لئے اوپر کے طبقے میں حصولِ اقتدار

کے جوڑ توڑ جاری رہتے ہیں اور باقی طبقوں میں حصولِ زر کی دوڑ دوڑی جا رہی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان ممالک میں داخلی سکون کی بجائے انتشار کا دور دورہ رہتا ہے۔ اور اوپر والوں کے مسلسل جوڑ توڑ کی بدولت آئے دِن اسلامی حکومتوں کے تختے الٹتے رہتے ہیں۔

● المختصر! امن و سکون کا قرآنی نسخہ وہی ہے جس کا یہ تکراری اعلان کتابِ لاریب میں موجود ہے:۔ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۲/۳۶ + ۷/۲۴ اے نوعِ آدم تیرا پیدائشی حق ہے کہ زمین میں تجھے رہنے کیلئے مکان بھی بلا کرایہ میسر اور آخری دم تک کے لئے تجھے ضروریاتِ زندگی بھی مسلسل ملتی رہیں۔ بغض و عداوت کے سوتے پھوٹتے ہیں، ہموار و متوازن ضروریاتِ زندگی کے میسر نہ آنے سے کہ بعض کے ہاں ضروریاتِ زندگی ٹھوکریں کھا رہی ہوں اور بعض اِن سے محروم محض ہو کر رہ جائیں۔ سلسلۂ درس کی سابقہ آئت مجیدہ ۵/۱۳ میں یہودیوں کی عہد شکنی کا ذکر تھا۔ اگلی آئت مجیدہ میں نصاریٰ کے متعلق بتایا گیا ہے:۔

وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا
اور میں سے جن لوگوں نے کہا بیشک ہم نصرانی ہیں۔ لیا ہم نے
مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ
پکا عہد ان کا۔ پھر وہ بھول گئے حصہ جو نصیحت کیے گئے ساتھ اسکے
فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى
پس ڈالدی ہمنے درمیان انکے دشمنی اور بغض تک
يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا
دِن قیامت، اور عنقریب خبر دیگا ان کو اللہ ساتھ اسکے جو
كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۱۴
تھے بناوٹیں بنایا کرتے۔

اور (یہود کے بعد دوسرے اہلِ کتاب کا بھی حال سن لو) کہ اُن میں سے جو یہ کہتے ہیں کہ ہم نصرانی ہیں، ہمنے اُن سے (بھی یہود کی طرح ربوبیّتِ عامہ کا) پکّا عہد لیا۔ پھر وُہ بھی اپنے اُس حصّے کو بھول گئے جس کی اُنہیں نصیحت کی گئی تھی[1]۔ پھر ہمنے اُن کے درمیان قیامت تک کے لئے عداوت اور بغض کے آثار پا دئیے[2] (یہ تو ہوا دُنیوی عذاب) اور (اُخروی عذاب کے لئے قیامت کو) عنقریب اللہ تعالیٰ اُنہیں (اُن کی اُن مکّاریوں کی) خبر دیگا جو وُہ بناوٹیں بنایا کرتے تھے۔

● [1] نسوحظًا مّما ذکّروا بہ کے وُہی الفاظ نصاریٰ کے لئے استعمال ہوئے ہیں جو یہود کیلئے آئے تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر دو اقوام کی خداوندی کتابوں میں اُن سے اُن کے حِصّہ، یعنی حقوقِ ربوبیّت کا عہد لیا گیا تھا۔ جسے دونوں قوموں نے بھلا دیا۔ اور غیر متوازن نظام قائم کر لئے۔

● [2] فاغرینا بینھم العداوۃ والبغضاء اِلیٰ یوم القیٰمۃ۔ میں اُنکی جس باہمی عداوت کا ذکر کیا گیا ہے وُہ بھی غیر متوازن نظاموں ہی کا نتیجہ ہے۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہود و نصاریٰ کا جو باہمی گٹھ جوڑ مشاہدۃً موجود ہے اِس آئت کی رُو سے اُس کا کیا جواب ہے؟ جواباً عرض ہے کہ آئت بالا میں تو اُن کی ذہنی پوشیدگیوں کی خبر دی

گئی ہے کہ ان میں سے جس قوم کو موقع میسّر آتا ہے دوسری کو کمزور اور زیردست بنا دیتی ہے۔ مگر قرآنِ کریم نے یہ بھی خبر دیدی ہے کہ وُہ اہلِ اسلام کے مقابلے پر باہمی عداوت کو چھپا کر ایک دوسرے کے دوست بن جاتے ہیں جیسے کہ اسی سورہ مائدہ کی آئت نمبر ۵۱ میں ارشاد ہوا ہے۔

● یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤى اَوْلِیَآءَ ؔ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ۵/۵۱ ایمان والو! یہود اور نصارٰی کو دوست نہ بنانا۔ وُہ آپس میں ایکدوسرے کے دوست ہیں — بالفاظ دیگر یہود و نصارٰی میں اہلِ اسلام کے مشترکہ دُشمن ہونے کے باوجود قیامت تک کیلئے نہ مٹنے والی دُشمنی ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ عیسائیوں نے یہودیوں کو کرۂ ارض پر بکھیر کر ذلیل و خوار کر دیا تھا۔ مگر اب عرب مسلمانوں کے مقابلے پر اُنہی کو اسرائیلی ریاست کی صورت میں بطور ہتھیار استعمال کیا جا رہا ہے۔

یہود و نصارٰی سے اتمامِ حجت

● سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں یہود و نصارٰی دونوں کو مخاطب کر کے قبولِ ہدایت کیلئے اتمامِ حجت کر دیگئی ہے کہ اب ہمارا رسول آپکا...

یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا
اے والو کتاب کے بیشک آیا طرف تمہاری رسول ہمارا
یُبَیِّنُ لَكُمْ كَثِیْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ
بیان کرتا ہے واسطے تمہارے بہت اس سے جو ہو تم چھپاتے ہیں
الْكِتٰبِ وَ یَعْفُوْا عَنْ كَثِیْرٍ ؕ قَدْ جَآءَكُمْ
کتاب کے اور درگذر کرتا ہے سب بہت کے بیشک آیا پاس تمہارے
مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِیْنٌ ۱۵
طرف سے اللہ کے نور یعنی کتاب خود بیان کرنیوالی۔
یَّهْدِیْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ
راہنمائی کرتا ہے ساتھ اسکے اللہ جو اتباع کرتا ہے رضا اسکی
السَّلٰمِ وَ یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ
راہیں سلامتی کی۔ اور نکالتا ہے انہیں بیچ اندھیروں کے طرف روشنی کے
بِاِذْنِهٖ وَ یَهْدِیْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۱۶
ساتھ قانون اپنے اور راہنمائی کرتا ہے طرف راہ سیدھی کے۔

اے اہلِ کتاب (خصوصاً یہودیو اور نصرانیو!) بلاشبہ تمہارے پاس ہمارا بھیجا ہوا رسول آچکا ہے۔ تم نے جو کچھ کتاب میں سے چھپایا ہوا ہے، اس میں سے بہت سا حصّہ کھول کر بیان کرتا ہے اور بہت سے حصّے سے (جسے تم نے چھپایا نہیں) درگزر کرتا ہے [1] بیشک تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے روشنی یعنی خود بیان کرنے والی کتاب آگئی ہے [2]

اُس کیساتھ اللہ رہنمائی کرتا ہے سلامتی کی راہوں [3] کی اُنہیں جو اُس کی رضا (یعنی قرآن کریم) کی پیروی کرتے ہیں [4] (اور قرآن کریم کی روشنی کیساتھ) نکالتا ہے اُنہیں، اندھیروں سے (اور لاتا ہے) طرف روشنی کے اپنے قانون کیساتھ اور ان کی رہنمائی کرتا ہے سیدھی راہ کی طرف۔

● [1] یہود و نصارٰی نے کتب الٰہیہ کے جن مسائل کو بگاڑ لیا ہے۔ قرآن کریم نے اُنکی خبر دیدی ہے اور جنہیں

نہیں بگاڑا اُن سے در گزر کرتا ہے۔ کیونکہ قرآن کریم سابقہ کتب الہیّہ کا مصدّق بھی ہے اور مہیمن بھی ہے ۵/۴۸

نُورٌ وَّ کِتٰبٌ مُّبِیۡنٌ میں واؤ تفسیری ہے

● ۲؎ ان الفاظ میں آمدہ واؤ کو بعض لوگ واؤ مغائرت قرار دے کر نُور سے مراد لیتے ہیں رسولِ عربی سلام علیہ۔ اور کِتٰبٌ مُّبِیۡنٌ سے مراد لیتے ہیں قرآن کریم۔ حالانکہ قرآن بھر میں آنحضور ؐ کو کہیں بھی نور نہیں کہا گیا۔ اور اس کے برعکس قرآن مجید کو متعدد بار نور کہا گیا ہے۔ جیسے کہ ۴/۱۷۴ میں واؤ تفسیری کے انداز میں فیصلہ کن الفاظ موجود ہیں۔ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدۡ جَآءَكُمۡ بُرۡهَانٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡكُمۡ نُوۡرًا مُّبِیۡنًا ۝ اے نوعِ انسانی! تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے واضح دلائل آگئے ہیں (قرآن کریم) یعنی ہم نے تمہاری طرف نورِ مبین (قرآن کریم) نازل کر دیا ہے۔ دیکھئے! یہاں برہان اور نورِ مبین ایک ہی چیز کے دو نام ہیں جو بذریعہ تنزیل آئی تھی، بذریعہ بعثت نہیں۔ نیز آیت ذیل میں نور کو بشری رسول ؐ سے الگ چیز بتایا گیا ہے۔

● فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَالنُّوۡرِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلۡنَا۔ ۶۴/۸ پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے بشری رسول کیساتھ اور ایمان لاؤ اُس نور کیساتھ جو ہم نے نازل فرمایا ہے۔ اس آیت مجیدہ میں نور کی یہ صفت خاص کر دی گئی ہے کہ وُہ بذریعہ تنزیل آیا تھا۔ حالانکہ بشری رسول ؐ بذریعہ تنزیل نہیں، بلکہ بذریعہ بعثت آیا کرتے تھے۔ اس لئے کسی بھی بشری رسول ؐ کو نُور قرار دینا خلافِ قرآن ہے۔

آنحضور ؐ کی بشریت

● سورہ کہف، سورہ حٰم سجدہ اور سورہ بنی اسرائیل میں آنحضور ؐ سے اعلان کر دیا گیا ہے:۔ قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ ۱۸/۱۱۰ + ۴۱/۶ اے رسول ؐ کہہ دیجئیگا کہ میں تمہارے جیسا بشر ہوں ـــ قُلۡ سُبۡحَانَ رَبِّیۡ هَلۡ كُنۡتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوۡلًا ۱۷/۹۳ اے رسول ؐ کہہ دیجئیگا کہ میرا رب پاک ہے۔ میں تو نہیں ہوں مگر ایک بشر رسول ؐ ہوں۔

● ۳؎ سُبُلَ السَّلٰمِ یعنی سلامتی کی راہیں نور ہی کی بدولت میسّر آتی ہیں۔ کیوں کہ اندھیروں میں انسان کبھی تو راستے کے اینٹ پتھروں کیساتھ ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے اور کبھی کھائی، خندق یا گڑھے میں جا گرتا ہے۔ اور اُوپر آپ دیکھ چکے ہیں نور صرف قرآنِ کریم ہے۔

● ۴؎ مَنِ اتَّبَعَ رِضۡوَانَهٗ کے الفاظ میں رضوانِ الٰہی کی اتباع کی خبر دی گئی ہے۔ واضح رہے کہ رضوانِ الٰہی صرف تنزیلِ خداوندی ہے۔ جیسے کہ ارشادِ باری ہے:۔ ۷/۳ پیروی کرو صرف اُسکی جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ اور اُسکے سوا کے خیر خواہوں کی پیروی نہ کرنا۔ خود آنحضور ؐ کو بھی تکرار ارشاد ہوا ہے وَاتَّبِعۡ مَا یُوۡحٰۤی اِلَیۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ ۳۳/۲ + ۱۰/۱۰۹ اے رسول ؐ پیروی کیجئے اُس کی (یعنی قرآن کریم کی) جو آپکی طرف آپکے رب کی طرف سے وحی کیا گیا ہے۔

● نیز بتکرارِ کثیر آنحضورؐ سے بھی اعلان کرا دیا گیا ہے :۔ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ ٦/٥٠ + ١٠/١٥ + ٧/٢٠٣ + ٤٦/٩

آنحضورؐ کی اتباع

● اس ضمن میں آخری سوال یہ ہے کہ ٣/٣١ میں ارشاد ہوا ہے :۔ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰهُ ۔ کہہ دیجئیگا اے رسولؐ! اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا اس کا کیا جواب ہے۔ یہاں دیکھنا یہ ہے کہ جب اوپر کی آیاتِ کثیرہ ٣٣/٢ + ١٠/١٠٩ + ٦/٥٠ + ١٠/١٥ + ٧/٢٠٣ + ٤٦/٩ سے بارشادِ الٰہی اور باعلانِ رسولؐ مقبول عیاں ہے کہ آنحضورؐ قرآن کریم کی اتباع (پیروی) کرتے تھے تو بصورتِ نصف النہار ثابت ہوچکا کہ قرآن کریم کی پیروی ہی رسولؐ مقبول کی پیروی ہے۔ اس کے ضمن میں جن کتابوں کو احادیث کے نام سے اتباعِ رسولؐ کا نام دیدیا گیا ہے وہ کتب احادیث نہیں بلکہ کتب روایات ہیں۔ کیونکہ وہ آنحضورؐ کے دو سو سال بعد سُنے سنائے غیر یقینی طریقے سے جمع کی گئی تھیں۔ وہ آنحضورؐ کی طرف منسوب ہیں جیسے کہ علماءِ کرام روائت بیان کرنے کے بعد خود کہتے ہیں اَوْ کَمَا قَالَ، یا جس طرح نبی اکرمؐ نے فرمایا تھا۔ اَوْ شک کیلئے آتا ہے یقین کیلئے نہیں آتا۔

● سلسلہ درس کے سیاق کلام میں چونکہ ذکر ہو رہا تھا نصاریٰ کا۔ اس لئے اگلی آئت مجیدہ میں اُنہی کے متعلق ارشاد ہوا ہے :۔

لَقَدْ کَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ

البتہ تحقیق کفر کیا جنہوں نے کہا بیشک اللہ ہے وہ

الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ یَّمْلِكُ

مسیح بیٹا مریم کا۔ کہہ پھر کون اختیار رکھتا ہے

مِنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ یُّهْلِكَ الْمَسِیْحَ

مقابلے اللہ کے کچھ اگر وہ ارادہ کرتا کہ ہلاک کرے مسیح

ابْنَ مَرْیَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ؕ

بیٹے مریم اور ماں اسکی کو اور جو بیچ زمین ہے سارا

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا ؕ

اور واسطے اللہ کے ہے حکومت آسمانوں اور زمین کی اور جو ہے

یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿١٧﴾

بیچ دونوں کے پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور ہے اللہ اوپر ہر چیز کے قانون ساز

بیشک (وحدت باری کا) انکار کیا اُن لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ وہ مریمؑ کا بیٹا مسیحؑ اللہ ہے (اے رسولؐ!) کہہ دیجئیگا کہ (مسیح کس طرح اللہ ہو سکتا ہے جبکہ وہ موت کے قانون ٣/١٨٥ ٢١/٣٥-٣٤ ٢٩/٥٧ کے مطابق فوت ہوچکا ہے بلکہ اگر اللہ تعالےٰ یہ ارادہ کرتا کہ مسیحؑ ابن مریمؑ، اسکی ماںؑ، اور ہر جاندار جو زمین میں موجود ہے سب کے سب کو ہلاک کردے تو اُسکے مقابلے پر کسے ذرا سا بھی اختیار حاصل ہے (کہ اُسے روک سکتا) حقیقت یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین اور ان دونوں میں جو کچھ بھی ہے سب پر اللہ تعالیٰ کی حکمرانی ہے۔ وہ اپنے قانونِ مشیت کے مطابق پیدا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کے صحیح صحیح قانون بنانے والا ہے۔

صحت مفہوم کے دلائل

● آئت بالا کا مندرجہ بالا مفہوم د۔ مشاہدہ کائنات اور قواعدِ عرب کے عین مطابق ہے کہ حضرت مسیحؑ اور اُن کی والدہ محترمہؓ فوت ہو چکے ہیں۔ مسیحؑ اللہ نہیں تھے۔ اللہ تو وُہ ہے جس نے اپنے غیر متبدّل قانون کے مطابق دونوں ماں بیٹوں کو فوت کر دیا تھا۔ بلکہ اگر وُہ ان کی ہلاکت کے ساتھ ہی یہ بھی ارادہ کرتا کہ زمین میں جو کچھ ہے سب کو ہلاک کر دے تو کوئی بھی اُس کے ارادے میں مخل نہیں ہو سکتا تھا۔ کیوں؟ اس کیوں کا جواب لِلّٰہ ملك السّمٰوٰت والارض وما بینھما کے الفاظ میں دیدیا گیا ہے کہ آسمانوں، زمین اور ان دونوں کے اندر جو کچھ بھی ہے سب پر اللہ تعالیٰ کی حکمرانی ہے اور وُہ ہر چیز کے صحیح صحیح اور غیر متبدّل قوانین بنانیوالا ہے۔ موت کا قانون بھی اسی کا متعیّن کردہ ہے۔ مسیحؑ و مریمؓ اگرچہ انتہائی برگزیدہ انسان تھے مگر موت کے قانونِ خداوندی سے ہرگز نہیں بچ سکتے تھے؟

وفات مسیح و مریمؓ

● افسوس ہے کہ حضرت مسیحؑ کو خدا تعالیٰ کے غیر متبدّل قانون کے خلاف زندہ اور چوتھے آسمان پر مقیم مانا جاتا ہے۔ اور ان کی زندگی پر آئتِ بالا کے الفاظ ذیل کو مروجہ ترجمہ کیساتھ بطور دلیل لایا جاتا ہے: قل فمن یّملك من اللّٰہ شیئًا ان اراد ان یّھلك المسیح ابن مریم وامّہ ۵/۱۷ کہدے پھر اللہ کے سامنے کس کا بس چلتا ہے اگر وُہ چاہے کہ مسیح مریم کے بیٹے اور اُس کی ماں اور جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کو ہلاک کر دے۔ (ترجمہ مولوی احمد علی صاحب مرحوم لاہوری)

● اس ترجمہ کے الفاظ "اگر چاہے" سے دلیل لائی جاتی ہے کہ حضرت مسیح زندہ ہیں۔ اسی لئے تو کہا گیا ہے کہ زمین کی ہر مخلوق کو جو زندہ ہے مسیح کو بھی ہلاک کر دے جو زندہ ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ حضرت مسیح کو زندہ ماننے والے بھول گئے ہیں کہ اس آئت میں مسیح سلامٌ علیہ کیساتھ ساتھ حضرت مریمؑ بھی ایک ہی ضمن میں مذکور ہیں اور مذکورہ بالا ترجمہ کا ملخص یہ ہے "مسیح، اسکی والدہ زمین کے تمام لوگوں کو اگر اللہ چاہے تو ہلاک کر دے"

● اگر اس ترجمے کو صحیح تسلیم کیا جائے تو ماننا پڑتا ہے کہ نزول قرآن کے وقت کی زندہ زمینی مخلوق کیساتھ ساتھ حضرت مسیحؑ اور آپکی والدہؓ دونوں زندہ تھے، اور اب بھی صرف مسیحؑ ہی زندہ نہیں بلکہ اُن کی والدہ بھی زندہ ہے۔ لیکن جبکہ حضرت مریمؓ کو زندہ نہیں مانا جاتا تو جس قاعدے کے مطابق حضرت مریمؓ کو فوت شدہ مانا جاتا ہے اُسی قاعدہ کی رُو سے حضرت مسیحؑ بھی فوت شدہ ثابت ہوتے ہیں۔ اور اگر آئت زیر بحث کی سند کیساتھ حضرت مسیحؑ کا زندہ ہونا ثابت ہوتا ہو تو حضرت مریمؓ کا زندہ ہونا بھی ثابت ہوگا۔

مزید تحقیق

● آئت بالا ۵/۱۷ سے حضرت مسیحؑ کو زندہ ثابت کرنے کی راہ میں ناقابلِ انکار حقیقت یہ ہے کہ حضرت مریمؓ کا متوفی ہونا جملہ مکاتبِ فکر میں ایک متفقہ مسلّمہ امر ہے۔ اور

اس چیز سے بھی انکار کی گنجائش موجود نہیں کہ آیتِ صدر میں حضرات مسیحؑ و مریمؑ کو ایک ہی مقام دیا گیا ہے ، یعنی اس آیت مجیدہ کی رُو سے اگر زندہ مانا جائیگا تو دونوں کو، اور متوفّی مانا جائیگا تو دونوں کو۔ ان میں سے ایک کو مردہ اور ایک کو زندہ ماناہی نہیں جاسکتا۔ اب چونکہ حضرت مریمؑ متفقہ مسلّمہ کے مطابق فوت ہو چکی ہیں جنہیں زندہ کیا ہی نہیں جاسکتا، اس لئے ثابت ہُوا کہ حضرت بھی فوت ہو چکے ہیں۔ اور آیت مجیدہ کے الفاظ اِنْ اَرَادَ کا یہ معنیٰ غلط ہے کہ اگر اللہ ارادہ کرے یا چاہے، بلکہ صحیح معنیٰ اس کا یہ ہے کہ "اگر اللہ چاہتا یا اگر ارادہ کرتا" اور آیت مجیدہ کا صحیح ترجمہ یہ ہے :۔

● اگر اللہ تعالیٰ مسیحؑ اور اس کی ماں کی ہلاکت کیساتھ یہ بھی ارادہ کرتا کہ تمام زمینی مخلوق کو ہلاک کر دے تو کسے اختیار تھا کہ اُسے روک سکتا۔ کیوں کہ آسمانوں اور زمین اور ان کے اندر کی ہر چیز پر خدا تعالیٰ کی حکمرانی ہے۔

وفات مسیحؑ و مریمؑ کے مزید دلائل

● اسی سورہ مائدہ میں آگے چل کر ارشاد ہُوا ہے :۔

مَا المسیح ابن مریم اِلّا رسول ۚ قد خلت من قبلہ الرُّسل ۵/۷۵

نہیں ہیں مسیحؑ ابن مریمؑ مگر صرف اللہ کے رسول، اُن سے پہلے والے سب رسولؑ فوت ہو چکے ہیں ـــــ عین یہی الفاظ آنحضورؐ کے متعلق سورہ آل عمران میں آئے ہیں :۔ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُولٌ ۚ قد خلت من قبلہ الرُّسل نہیں ہیں محمدؐ مگر اللہ کے رسولؐ۔ اُن سے پہلے والے سب رسولؑ فوت ہو چکے ہیں۔ اب ان دونوں آیات مجیدہ ۵/۷۵ اور ۳/۱۴۴ کا تقابل ملاحظہ فرمائیں۔ جس طرح حضرت مسیحؑ سے پہلے والے سب رسولؑ یقیناً یقیناً بلا اختلاف فوت ہو چکے ہیں اُسی طرح جناب رسولؐ مقبول سے پہلے والے سب رسولؑ بھی معہ حضرت مسیحؑ فوت ہو چکے ہیں۔ مسیحؑ سمیت اُن میں سے کوئی بھی زندہ نہیں۔ پس حضرت مسیحؑ کو زندہ قرار دینا خلافِ قرآن ہے۔ آپؑ موت کے غیر متبدّل قانونِ خداوندی کے مطابق فوت ہو چکے ہوئے ہیں۔ ۳/۱۴۴

● دوسرے نمبر پر اسی آیت مجیدہ میں حضرت مسیحؑ و مریمؑ کی وفات کا ذکر کرنے کے بعد اخیر پر جملہ لایا گیا ہے :۔
واللہ علیٰ کل شیءٍ قدیر۔ جس کا معنیٰ یہ ہے کہ "حقیقت یہ ہے اللہ ہر چیز کے صحیح صحیح قوانین متعین کرنیوالا ہے۔ اس جملہ میں خود اپنے متعیّن کردہ موت کے قانون کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ جس کے لئے تکرار تاکیدی کے الفاظ قرآن مجید میں آئے ہیں :۔ کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۳/۱۸۵ ۲۱/۳۴-۳۵ ۲۹/۵۷ پس آیت مجیدہ کے اخیر پر تعیّنِ قوانین کے اعلان سے بھی ثابت ہوا کہ ہر نفس کیلئے موت کا قانون ہے زندہ اُٹھا لئے کا کوئی نہیں۔

یہود و نصاریٰ کا دعویٰ کہ ہم سب اللہ کے بیٹے اور پیارے ہیں

● سابقہ آیات مجیدہ میں نصاریٰ کا یہ دعویٰ، کہ مسیحؑ ہی اللہ ہے، کی تردید کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں اُنکے اِس عجیب و غریب دعویٰ کا بُطلان کیا گیا ہے جو وہ کہتے ہیں کہ ہم سب اللہ کے بیٹے ہیں اور اُس کے

پیارے ہیں ۔ چنانچہ بزبان تنزیل ارشاد ہوا ہے :-

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا
اور کہا یہود نے اور نصاریٰ نے ہم ہیں بیٹے
اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ۚ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ
اللہ کے اور پیارے اسکے ۔ کہہ پھر کیوں عذاب کرتا ہے تمکو
بِذُنُوْبِكُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ۚ
بدلے گناہوں تمہارے ۔ بلکہ تم بندے ہو ان ہی سے جو پیدا کیا
يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ
بچاؤ دیتا ہے واسطے اسکے جو چاہتا ہے اور عذاب کرتا ہے
وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
اُسے جو چاہتا ہے ۔ اور ہے واسطے اللہ کے حکومت آسمانوں
وَمَا بَيْنَهُمَا ۡ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝ ١٨
اور زمین کی اور جو اُن کے اندر ہے اور طرف اسی کے لوٹنے کی جگہ ہے
● يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا
اے والو کتاب کے بیشک آیا تمہارے پاس رسول ہمارا
يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا
بیان کرتا ہے واسطے تمہارے اوپر خاتمہ کے بیچ سے رسولوں
مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ۡ فَقَدْ جَآءَكُمْ
کے ۔ کہ تم کہو نہیں آیا ہمارے پاس بیچ سے خوشخبری دینے
بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
اور ڈرانیوالا ۔ اور ہے اللہ اوپر تمام چیزوں کے

اور یہود و نصاریٰ (دونوں الگ الگ) کہتے ہیں کہ ہم سب اللہ کے بیٹے ہیں اور ہم سب اس کے پیارے ہیں ۔ کہہ دیجئیگا (اے رسول ﷺ! اگر ایسا ہے تو) پھر وُہ تمہیں تمہارے گناہوں کے بدلے عذاب کیوں دیتا ہے ۔ (نہ تم اللہ کے بیٹے ہو نہ اُس کے پیارے) بلکہ تم سب بندے ہو، اُسی مخلوق میں سے جسے اللہ نے پیدا کیا ہے ۔ وُہ اللہ جسے بچاؤ دیتا، اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق دیتا ہے اور جسے عذاب دیتا ہے اپنے قانون کے مطابق ہی عذاب دیتا ہے ۔ (یاد رکھو کہ) آسمانوں اور زمین اور اُن دونوں کے اندر جو کچھ بھی ہے سب پر اللہ کی حکمرانی ہے اور (اعمال کی جوابدہی کے لئے اُسی کی عدالت عالیہ میں تم سب نے) حاضر ہونا ہے ۔

اے اہلِ کتاب! (دوبارہ سن لو کہ) تمہارے پاس ہمارا پیغام پہنچانیوالا آگیا ہے ۔ وُہ تمہارے لئے کھول کھول کر بیان کرتا ہے (وُہ آیا ہے) رسولوں کے خاتمے پر (یعنی وُہ آخری رسول ﷺ ہے) نہیں تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس نہ کوئی نیک اعمال کی نیک جزا کی خوش خبری دینے والا آیا ہے اور نہ بُرے عملوں کی بُری سزا سے ڈرانیوالا آیا ہے ۔ پس تمہارے پاس ہمارا خوش خبری دینے والا اور ڈرانیوالا آگیا ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے صحیح صحیح قوانین

قَدِیْرٌ ۝
قانون بنانے والا

ع ۱۹

متعیّن فرمانے والا ہے۔

● سلسلہ درس کی اگلی آیت کریمہ میں یہودیوں کو حضرت موسیٰ سلام علیہ کے الفاظ میں اپنی نعمت یاد کرائی گئی ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ
اور جب کہا موسیٰ نے واسطے قوم اپنی کے اے قوم
اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَعَلَ
میری یاد کرو نعمت اللہ کی اوپر تمہارے جب ٹھہرائے بیچ
فِیْكُمْ اَنْبِیَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ
تمہارے انبیاء اور ٹھہرایا تم کو بادشاہ اور دیا تم کو
مَّا لَمْ یُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ۝۲۰
جو نہیں دیا گیا کوئی ایک میں سے جہانوں کے

اور وہ وقت قابل ذکر ہے جب موسیٰ ؑ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم اللہ تعالیٰ کی اُس نعمت کو یاد کرو جو اُس نے تم پر ارزانی فرمائی جب اُس نے تم میں نبی مبعوث فرمائے اور تمہیں بادشاہ بنایا۔ (حکومت عطا فرمائی) اور تمہیں وہ کچھ دیا جو (اس زمانے اور اُس علاقے کے) کسی شخص (یا قوم) کو نہیں دیا گیا تھا۔

یٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ
اے میری قوم داخل ہو جاؤ ارض مقدّس میں
الَّتِیْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓی
جو لکھ دی اللہ نے واسطے تمہارے اور نہ پھرنا اوپر
اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ ۝۲۱
پیٹھوں اپنی کے۔ پھر تم لوٹو گے گھاٹا پانیوالے

(وُہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب حضرت موسیٰ سلام علیہ نے اپنی قوم سے کہا) اے میری قوم ارضِ مقدّس میں داخل ہو جاؤ، جسے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے اور پیٹھ موڑ کر (میدان سے) بھاگ نہ آنا۔ ورنہ تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

اس پر مدّتوں کی غلامی میں رہنے والے سہل انگار یہودیوں نے انتہائی نامردی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جواب دیا۔

قَالُوْا یٰمُوْسٰٓی اِنَّ فِیْهَا قَوْمًا جَبَّارِیْنَ ۖ
کہا انہوں نے اے موسیٰ بیشک بیچ اسکے ایک قوم ہے جنگجو
وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰی یَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ
اور بیشک ہم ہرگز نہ داخل ہونگے بیچ اسکے حتیٰ کہ وہ نکل جائیں اسکے
یَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ۝۲۲
پھر اگر وہ نکل جائیں نے اسکے تو بیشک ہم داخل ہونیوالے ہونگے

(بنی اسرائیل نے) کہا اے موسیٰ ؑ! اُس میں ایک بڑی جنگجو قوم ہے بیشک ہم اُس میں اسوقت تک داخل نہ ہونگے جبتک کہ وُہ لوگ اُس میں سے نکل نہ جائیں! پھر اگر وُہ نکل جائیں تو پھر ہم بیشک اُس میں داخل ہونے والے ہوں گے۔

لمبی غلامی کے گہرے اثرات

● جب حضرت موسیٰ ؑ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ تم اس شہر میں داخل ہو جاؤ، اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے یہ زمین لکھ دی ہے تو اُن کی حالت یہ تھی کہ وُہ جنگ کے بغیر قبضہ چاہتے تھے۔ اگر سابقہ قوم اُس سے خود بخود نکل جائے تو وُہ پھر اس زمین کا انتظام سنبھال لیتے۔ بالفاظ دیگر فرعون کی طویل غلامی نے جنگ سے گُریز پائی ان کی سرشت میں کوٹ کوٹ کر بھر دی تھی۔ لہذا اُنہوں نے ارضِ مقدّس کی طرف منہ نہ کیا۔ حالانکہ معلوم ہوتا ہے اُس وقت مذکورہ زمین کے حکمرانوں کی حالت اسقدر کمزور ہو چکی تھی کہ صرف شہر میں داخل ہونے ہی سے قبضہ میسّر آسکتا تھا۔ جیسے کہ اِسی چیز کی خبر اگلی آیت مجیدہ میں حضرات موسیٰ ؑ و ہارون ؑ دونوں بھائیوں نے بنی اسرائیل کو وضاحتًا دے دی تھی:۔

قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ

کہا دو مردوں نے ان میں سے اُن کے جو ڈرتے تھے، انعام فرمایا

اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَاِذَا

اللہ نے اوپر دونوں کے داخل ہو اُوپر اُن کے دروازے سے پھر جب

دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ

داخل ہو گئے تم اُن پر تو بیشک تم غالب ہو نے والے ہو اور اوپر اللہ کے پس کرو توکل اگر

كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ ۲۳

ہو تم مومن

اُن میں سے اُن دو آدمیوں نے، جو (اللہ سے) ڈرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں پر انعام نبوّت فرمایا تھا کہا تم اُن (بستی والوں) پر داخل ہو جاؤ پھر جب تم ان پر داخل ہو گئے، تو پھر بلا شبہ تم اُن پر غالب آجاؤ گے اور پس تم اللہ (کے قانون پر) بھروسہ کرو اگر تم اللہ کے قانون پر ایمان رکھتے ہو۔

● حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی قوم عیش پرستیوں کے چکر میں پڑ کر عوام کے حقوقِ ربوبیّت سے غافل ہو جاتی ہے تو اسوقت اپنے اس جرم کی بدولت یقیناً میزانِ خداوندی میں قابلِ سزا ٹھہرتی ہے۔ ایسی قوم پر اس حد تک غفلت چھا جاتی ہے کہ جو، اُور جیسی بھی قوم اُس وقت اُس کی طرف بڑھتی ہے اُس کے لئے داخلے کے تمام دروازے چوپٹ کھلے ہوتے ہیں۔ وُہ اس کے مقابلے کے لئے اپنے عشرتکدوں سے باہر نکلنے تک کی زحمت گوارا نہیں کر سکتی۔ اور اگر مقابلے پر آ بھی جائے تو دُم دبا کر بھاگنے کے سوا کوئی چارہ نہیں پاتی ——— یہی حال اُس وقت ارضِ مقدّس کے حکمرانوں کا تھا۔ کردار لحاظ کے صدد دروازے تک پہنچنے میں کوئی مزاحمت کرنیوالا موجود نہیں تھا۔ شہر میں داخلہ ہی فتح کا نشان تھا۔ لیکن بنی اسرائیل نے جنہیں فرعون کی غلامی نے جہانبانی کے نام تک سے نا آشنا کر دیا تھا، اور جو دُشمن کے مقابلے کے تصوّر تک سے کانپتے تھے ایسی سستی فتح بھی قبول نہ کی۔ صرف شہر کے دروازے سے داخلے تک سے اس قدر خوفزدہ ہو گئے کہ حضرت

موسیٰؑ کو یہ جواب دیا:۔

قَالُوْا یٰمُوْسٰۤی اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَاۤ اَبَدًا
کہا اے موسیٰ بیشک ہم ہرگز نہ داخل ہونگے اس میں کبھی
مَّا دَامُوْا فِیْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ
جبتک وہ موجود ہیں بیچ اسکے پس جا تو اور تیرا رب
فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۝ ۲۴
پس لڑو تم دونو بیشک ہم یہاں بیٹھنے والے ہیں۔

انہوں (بنی اسرائیل) نے کہا اے موسیٰؑ ہم کبھی بھی اُس (شہر) میں داخل نہیں ہوں گے جبتک کہ وُہ قوم اُس میں موجود ہے۔ پس جا تو اور تیرا رب، پھر تم دونوں (اس قوم سے) لڑائی کرو ہم تو یہاں بیٹھیں گے۔ (اور جب تو اس قوم کو وہاں سے نکال دیگا تو ہم داخل ہو جائیں گے)

● قوم کی اس مثالی بزدلی پر حضرت موسیٰؑ بے حد پریشان ہوئے اور حضورِ الٰہی میں دردمندانہ انداز میں عرض کیا:۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَ اَخِیْ
کہا اے میرے رب بیشک میں نہیں مالک مگر اپنا اور بھائی اپنے کا
فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ۝ ۲۵
پس فرق کر تو درمیان ہمارے اور درمیان قوم فاسقوں کے۔

حضرت موسیٰؑ نے کہا اے میرے پالنے والے میں تو اپنے آپ اور اپنے بھائی کے سوا کسی پر کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ پس تو ہمارے اور اس حدود ناآشنا قوم کے درمیان خود فرق کر دے۔

● اس کے جواب میں باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَیْهِمْ اَرْبَعِیْنَ
کہا پس بیشک وہ حرام کر دیگئی اوپر ان کے چالیس
سَنَةً ۚ یَتِیْهُوْنَ فِی الْاَرْضِ ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَی الْقَوْمِ
سال کیلئے سرگردان پھرینگے بیچ زمین کے۔ پس نہ افسوس کر اوپر قوم
الْفٰسِقِیْنَ ۝ ۲۶ ع
فاسقوں کے

(اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کہ اے موسیٰؑ (یہ ارض مقدّس جو اُن کے لئے لکھدی گئی ہوئی ہے۔ اُن کی (نامردی کی بدولت) اُن پر چالیس سال کیلئے حرام ہو چکی ہے۔ سرگرداں پھریں گے زمین میں پھر آپ حدود ناآشنا قوم پر افسوس نہ کریں۔

● آیت ۲۵ میں ارشاد ہوا ہے کہ ارضِ مقدّس بنی اسرائیل کیلئے لکھدی گئی ہے۔ مگر اس آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے کہ ان کی بزدلی اور نامردی کی بدولت اب اُن پر چالیس سال کے لئے حرام کر دی گئی ہے۔ چالیس سال کی سزا سے صاف ظاہر ہے کہ اس عرصے میں دورِ غلامی کی پیداوار اور ذلّت کے ٹکڑوں سے پلے ہوئے نامرد بزدل مر کر ختم ہو جائیں اور آزادی کی پیداوار نئی نسل جو آزاد فضا میں پل کر جوان ہوگی وُہ چالیس سال کے بعد اس زمین مقدّس کو اپنی جدّوجہد کیساتھ حاصل کرے گی۔

● واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد بھی مشروط ہے اور ہر وُہ چیز جو وُہ عطا فرماتا ہے وُہ بھی مشروط ہوتی ہے۔

۱ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ ۲۲/۴۰ اور ضرور ضرور اللہ تعالیٰ اُس کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتا ہے نیز
۲ هُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۶/۱۲۸ وہ اللہ لوگوں کا مددگار ہے اُنہی اعمال کیساتھ جو وُہ خود بجالاتے ہیں۔

۳ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ ۱۳/۱۱ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت اُسوقت تک نہیں بدلتا جبتک کہ وُہ اپنی حالت کو خود نہیں بدلتی۔

۴ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ○ = ۱۵/۲۱ اور ہمارے پاس ہر چیز کے خزانے موجود ہیں مگر ہم اتنا ہی دیتے ہیں جتنا نوعِ انسانی خود معلوم کرتی ہے۔

۵ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ○ ۵۳/۳۹ اور یہ کہ انسان کیلئے وہی کچھ ہے جس کیلئے وُہ خود کوشش کرے۔

● بنی اسرائیل کیلئے ایک سنہری موقعہ تھا کہ جسے اُنہوں نے اپنی بُزدلی اور نامردی کی بدولت ضائع کر دیا۔ اس لئے وہی حکومت جو اُنہیں چالیس سال پیشتر مل رہی تھی، چالیس سال کے بعد ملی۔ پس واضح رہے کہ ارضِ مقدّسہ کے لئے جو کَتَبَ لَکُمْ کے الفاظ آئے ہیں، وُہ مشروط تھے۔ اگر بنی اسرائیل میسّر آمدہ موقعہ سے فائدہ اٹھا کر شہر میں داخل ہونے کی جُراُت کرتے، تو اُسی وقت وُہ علاقہ زیرِ نگیں ہوجاتا۔ بصورتِ دیگر چالیس سال کے بعد میسّر آیا مگر بلا خود اُنکی کوشش ہی کی بدولت کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ہر عطا انسان کی اپنی جدّوجہد کیساتھ مشروط ہے۔

● آیاتِ بالا میں اگرچہ واقعہ بنی اسرائیل کا ہے لیکن اصول یہ بیان کیا گیا ہے کہ حکمرانی اور جہانبانی بُزدلوں اور نامردوں کا حصّہ نہیں، بلکہ اُن لوگوں کا حصّہ ہے جو ایک طرف تو دشمن کے حالات سے ہر آن باخبر رہیں اور دُوسری طرف موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کیلئے ہروقت تیار ہوں۔ خدا تعالیٰ کا قانون ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اٹل ہے اور اٹل رہے گا۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں آنحضور صلعم کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ اس امر کے اعلان کیلئے بنی اسرائیل کو نوعِ آدم کے دو افراد کا واقعہ سنائیں کہ نہ کوئی فرد یا قوم اللہ تعالیٰ کی اَولاد اور پیاری ہے اور نہ اُسے کسی قوم کیساتھ کوئی ذاتی عناد ہے، بلکہ جو فرد بھی اُسکے قانون کے مطابق عمل کرتا ہے اُس کی محنت مقبول یعنی ثمربار ہوتی ہے اُسے خدا تعالیٰ کی قربت نصیب ہوتی ہے، اور جو اُس کے قوانین کی مخالفت کرتا ہے اُس کی محنت نامقبول یعنی ثمرور نہیں ہوتی اور نہ اُسے قرب حاصل ہوتا ہے۔

● زیرِ بحث آیۂ الٰہی اگلی آیت مجیدہ انتہائی قابلِ غور ہے۔ اسکے ساتھ حضرت آدم ؑ کے دو بیٹوں کا وہ بنا وٹی قصّہ چسپاں کیا گیا ہے۔ جو محرّف بائیبل میں درج ہے۔ بغور ملاحظہ فرمائیں۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ
اور پڑھ ان پر خبر دو بیٹوں نوعِ آدم کی ساتھ سچ کے
اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ
جب دونوں قریب ہوئے قریب ہونا پھر قبول ہوا ایک دونوں سے اور نہ
يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ۭ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ۭ قَالَ
قبول ہوا سے دوسرے کے۔ کہا ضرور قتل کردوں گا تجھے کہا
اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ ٢٧
سوائے اسکے نہیں قبول کرتا اللہ سے بچنے والوں کے

پڑھ سناؤ (اے رسول) اُن (بنی اسرائیل) پر بنی نوعِ آدم کے دو بیٹوں کی سچی خبر، جب وہ دونوں الگ الگ ایسا عمل بجالائے کہ اس سے قربت نصیب ہو (انکی محنت ثمرور ہو) پس اُن میں سے ایک کا عمل قبول ہوا (اس کی محنت ثمر بار ہوئی) [3] اور دوسرے کا عمل نامقبول [4] ہوا۔ اُس نے (مقبول عمل والے کو) کہا کہ میں تجھے قتل کر دونگا [5] اُس نے کہا سوائے اس کے کوئی بات نہیں کہ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کے عمل قبول کرتا ہے جو اُسکے قوانین کی مخالفت سے بچنے والے ہیں [6]

● عـ۱ اس آیت مجیدہ کی ابتدا میں واؤ آئی ہے اُس کا عطف آیت نمبر ۱۸ پر ہے جس میں اہلِ کتاب کے اِس دعوے کا ذکر ہے کہ وہ اللہ کے بیٹے اور اُس کے پیارے ہیں، اس آیت میں ایک واقعہ بیان کرکے واضح کر دیا گیا ہے کہ نہ کوئی فرد یا قوم اللہ کی اولاد ہے نہ پیاری ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی قربت اُنہیں میسر ہے جو متقین ہیں۔ یعنی جو قوانینِ خداوندی کی مخالفت سے بچنے والے ہیں۔

● عـ۲ کتبِ تفاسیر نے اس واقعہ کو حضرت آدمؑ کے دو بیٹوں کا قصہ قرار دیا ہے۔ لیکن واضح رہے کہ جب قرآن کریم کی رُو سے نوعِ آدم کی پیدائش کسی ایک شخص کا بُت بنانے سے ثابت ہی نہیں ہوتی بلکہ $\frac{11}{61}$ $\frac{20}{55}$ اور $\frac{1}{18}$ کی قرآنی شہادت کے مطابق نوعِ انسانی کی ابتدائی تخلیق زمین سے بتائی گئی ہے تو ثابت ہوا کہ زیرِ بحث قصہ نوعِ آدم کے دو افراد کا ہے، حضرت آدمؑ کے دو بیٹوں کا نہیں۔

● عـ۳ قَرَّبَا قُرْبَانًا کے الفاظ سے کتبِ تفاسیر نے جانوروں کی قربانی مُراد لیکر یہ تصوّر دیا ہے کہ مذکورہ افراد نے الگ الگ جانوروں کو ذبح کیا تھا۔ ایک کی قربانی مقبول ہُوئی اور دوسرے کی رد کر دی گئی۔ اس کے ضمن میں واضح کیا جاتا ہے کہ جانوروں کو خدا کے نام پر ذبح کرنے کیلئے قرآن بھر میں ہرگز کہیں بھی قربانی کا لفظ نہیں آیا۔ خدا تعالیٰ خون بہانے سے خوش نہیں ہوتا۔ بُت پرست اقوام بزعم خویش اپنے دیوتاؤں کو خوش کرنے کیلئے مینڈھے اور بکرے کے علاوہ گھوڑے اور بھینسے تک کو دیوی دیوتاؤں کے چرنوں پر بھینٹ چڑھاتے تھے۔ خدا تعالیٰ ایسے تصوّرات سے پاک و منزّہ ہے۔ حج کے موقعہ پر غذائی ضروریات کیلئے ذبح کئے جانیوالے جانوروں کیلئے بھی قربانی کا لفظ نہیں آیا، بلکہ ھدی اور قلائد کے الفاظ آئے ہیں۔ ھدی کا معنیٰ ہے تحفہ اور قلائد کا معنیٰ ہے گھر میں پالے ہوئے جانور۔

• ۵ روایاتی تفاسیر پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جانوروں کی متصوّرہ قربانی کے مقبول یا مردود قرار دیئے جانے کا پیمانہ کونسا ہے، جس سے ناپ کر مذکورہ دو افراد نے جان لیا کہ فلاں کی قربانی مقبول ہوئی ہے اور فلاں کی مردود۔ واضح رہے کہ قَرَّبَا قُرْبَانًا سے مراد ہر دو افراد کے اعمال ہیں جن میں وقت اور محنت قربان کی۔ مثلاً دونوں نے الگ کاشت کی۔ ایک نے بروقت زمین تیار کی۔ عمدہ اور صحت مند بیج ڈالا۔ بروقت پانی دیتا رہا۔ کھیتی کی رکھوالی کی۔ اس طرح اُس نے جس قدر وقت اور محنت کی قربانی دی وُہ خدا تعالیٰ کے ہاں مقبول ہوئی، اور قبولیت کی شکلِ محسوس یہ سامنے آئی، کہ اُسکا کھیت ثمرور فصل کیسا تھ لہلہا اُٹھا۔ اور آخری نتیجے کے طور پر اُس نے اُسے کاٹا، گاہا اور ڈھیروں اناج کی بوریاں بھر کر گھر لے گیا۔

• اس کے برعکس دوسرے نے مذکورہ بالا قانونی مراحل میں سُستی کی۔ نہ اچھی طرح زمین تیار کی نہ اچھا بیج ڈالا۔ نہ بروقت پانی دیا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ اُس نے جو وقت اور محنت کی قربانی دی وُہ نامقبول ہوئی۔ اور نامقبولیت کی شکلِ محسوس یہ تھی کہ ناقص فصل پیدا ہوئی۔ اور آخری نتیجہ کے طور پر اُسے اتنی کم پیداوار میسّر آئی کہ قربان کئے گئے بیج کی واپسی بھی مشکل ہو گئی۔

• ۶ لَاَقْتُلَنَّكَ کے الفاظ میں انسانی دستور کے ایک گھناؤنے گوشے کی خبر دی گئی ہے کہ جب کوئی شخص خود قوانین خداوندی کی مخالفت کر کے یعنی اُن سے اعراض برت کر اپنے آپ کو محنت کے ثمر سے خود محروم کر لیتا ہے تو پھر دوسروں کے خلاف، جو قوانینِ خداوندی پر عمل کر کے محنت کے ثمر سے بہرہ ور ہوتے ہیں، حسد کی آگ بھڑکا لیتا ہے، خود تو اُس میں جل رہا ہوتا ہے مگر دُوسرے کو ختم کر دینا چاہتا ہے۔ چنانچہ آیت زیرِ بحث میں ثمر سے محروم فرد کے متعلق بتایا گیا ہے کہ اُس نے دُوسرے سے کہا کہ میں تجھے قتل کر دونگا۔ میں نہیں دیکھ سکتا کہ تو ثمرِ محنت سے بہرہ ور ہو اور میں محروم پھرتا رہوں یہ ہے برادرانِ عزیز! بیج، وقت اور محنت کے مقبول یا نامقبول ہونے کا وہ پیمانہ جس سے دونوں نے معلوم کر لیا کہ کس کی بیج، محنت اور وقت کی قربانی مقبول ہوئی ہے اور کس کی نامقبول۔

• ۷ يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ کے الفاظ سے روائتی تفاسیر نے یہ تصوّر دیا ہے کہ قربانی اُن کی منظور ہوتی ہے جو متقی ہیں اور متقی کا معنیٰ یہ لیا جاتا ہے کہ جو نماز روزہ کا پابند ہو۔ لیکن واضح رہے کہ نماز روزہ کی پابندی بھی اگرچہ اِتقا میں داخل ہے۔ لیکن لفظ متقین کا مطلق معنیٰ ہے بچنے والے۔ کس چیز سے بچنے والے؟ قوانین خداوندی کی مخالفت سے بچنے والے۔

• اب قوانین خداوندی دو حصّوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ ایک تو ہیں اللہ تعالیٰ کے وُہ قوانین جو اِس بھری دنیا میں ہر آن جاری وساری ہیں۔ جو لوگ اِن کی مخالفت سے بچتے ہیں وُہ یقیناً یقیناً دُنیوی خطرات سے بچنے

والے ،یعنی متّقین ہیں۔ قوانینِ خداوندی کے اِس گوشے میں مومن اور کافر کا کوئی امتیاز موجود نہیں۔ اگر خدا تعالیٰ کی ہستی کا منکر بھی کائناتی قوانینِ خداوندی کی مخالفت سے بچیگا تو یقیناً یقیناً اُس کا بہتر ثمر پائے گا۔ اور جو کوئی اُن کی مخالفت سے نہیں بچیگا، خواہ وُہ مومن اور مسلمان ہی کیوں نہ کہلاتا ہو، اُسے ضرور ضرور محرومی و ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کیوں کہ قوانینِ خداوندی میں مطلقاً کوئی لوچ لچک موجود نہیں۔ آگ میں ہاتھ ڈالنے سے ضرور ضرور ہاتھ جل جاتا ہے اور آگ اور دیگر ضرر رساں چیزوں سے بچنے والے قوانینِ خداوندی کے اس گوشے کے متقین ہیں۔

● قوانینِ خداوندی کا دوسرا حصہ وُہ ہے جسکو اُس نے اپنی کتابوں کی صورت میں نازل فرمایا ہے جو اسوقت اُس کی کتابِ لاریب قرآن مجید میں موجود و محفوظ ہے۔ خدا تعالیٰ کے تنزیلی قوانین پر عمل کرنے سے دُنیوی معاشرہ بھی جنّت بداماں ہو جاتا ہے اور اُخروی زندگی کی کامیابی بھی مقدّر ہو جاتی ہے۔

● آیتِ بالا میں خود اپنے غلط عمل کی بدولت محروم ہو جانے والے (یعنی جس کی قربانی قبول نہ ہُوئی اُس) کی قتل کی دھمکی کی خبر ہے مگر اگلی آیت میں دوسرے کا جواب مذکور ہے کہ اگر تو میرے قتل کیلئے ہاتھ بڑھائے گا تو میں تیرے قتل کیلئے ہاتھ نہیں بڑھاؤنگا:-

لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَیَّ یَدَكَ لِتَقْتُلَنِیْ مَاۤ اَنَا

البتہ اگر تو بڑھائے طرف میری ہاتھ اپنا کہ تو مجھے قتل کرے نہیں میں

بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیْكَ لِاَقْتُلَكَ اِنِّیْۤ اَخَافُ

بڑھانے والا ہاتھ اپنا طرف تیری کہ تجھے قتل کروں۔ بیشک میں ڈرتا ہوں

اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ○ ۲۸

اللہ سے پالنے والا جہانوں کا

اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِیْ وَ اِثْمِكَ فَتَكُوْنَ

بیشک میں ارادہ کرتا ہوں کہ تو اٹھائے گناہ میرا اور گناہ اپنا پھر تو ہو جائیگا

مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ ۚ ۲۹

میں سے والوں آگ کے اور یہی بدلہ ہے ظالموں کا۔

(اُس نے مزید کہا کہ) اگر تو میرے قتل کیلئے میری طرف ہاتھ بڑھائیگا تو میں تیرے قتل کے لئے تیری طرف ہاتھ نہیں بڑھاؤنگا[1] (کیونکہ) بیشک میں ڈرتا ہوں اللہ سے جو جہانوں کو پالنے والا ہے[2] (میں اس چیز سے بچنے والا ہوں، متقی ہوں کہ قتلِ ناحق کے ذریعہ اُسکے عذاب کا مستحق ٹھہروں)۔

میں چاہتا ہوں (کہ زیادتی ہو تو تیری طرف سے ہو۔ اس طرح) میرے گناہ کا بوجھ بھی تجھ پر ہو اور اپنے گناہ کا بوجھ بھی تجھ پر ہو[3] پھر تو ہو جائیگا آگ والوں میں سے۔ اور یہی ہے سزا بے ٹھکانہ کام کرنیوالوں کی[4]

● [1] مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیْكَ کے الفاظ سے عیاں ہے کہ جسے قتل کی دھمکی دی گئی تھی اُس نے کہدیا کہ میں تجھے ہرگز قتل کرنا نہیں چاہتا۔ اگر تو قتل کے لئے وار کریگا تو میں صرف اُس سے بچاؤ کی کوشش کروں گا۔

میرا ارادہِ قتل ہرگز نہیں ہوگا۔

● ع۲۹ اِنِّیٓ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ کے الفاظ سے عیاں ہے کہ اُس کا صرف بچاؤ کی کوشش کرنا اور قتل کے ارادہ کے جواب میں اُسکا ارادۂ قتل نہ کرنا اِس لئے تھا کہ وُہ ربّ العلمین سے ڈرتا تھا۔ یعنی وُہ قوانین خداوندی کے تنزیلی گوشے کی رُو سے بھی متّقی تھا۔ جس میں حکم دیا گیا ہے کسی جان کو ناحق قتل نہ کرنا۔ ارادہِ قتل کا مجرم، قاتل اُس وقت ٹھہرتا ہے جب وُہ اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنا چکے۔ اِس سے پہلے پہلے وُہ صرف ارادہِ قتل کے جُرم کی سزا کا مستحق ٹھہرتا ہے، واجب القتل نہیں ٹھہرتا۔

● ع۳۰ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِیْ وَاِثْمِکَ کے الفاظ میں کہنے والے نے یہ کہا کہ تیرا ارادہ قتل ہے، میرا ارادہ قتل نہیں۔ میں صرف اپنا بچاؤ کرونگا۔ اس طرح اگر تُو مجھے قتل کردے تو میرے قتل کا گناہ بھی تجھ پر ہوگا اور اگر میرے ہاتھ سے تجھے کوئی زخم آجائے یا تو میرے ہاتھ سے قتل ہو جائے تو یہ بھی تیرا ہی گناہ قرار پائیگا۔ اور اس گناہ کا بوجھ بھی تجھ پر ہی ہوگا۔

● ع۳۱ فَتَکُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ کے الفاظ میں بتایا گیا ہے دُنیوی یا اُخروی سزا کا مستحق دونوں صُورتوں میں تُو ہوگا۔ کیوں کہ تُو جارح ہوگا اور میں مدافعت کرنیوالا۔ لیکن اس نصیحت و وضاحت کے باوجود اُس نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا۔

فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ

پھر مطیع کیا واسطے اسکے نفس اسکے نے قتل کرنا بھائی اپنے کا پھر اسکے قتل کردیا

فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ ۳۰

پھر ہو گیا [illegible]

پھر اُس کے نفسِ (امّارہ) نے اُسے اپنے بھائی کو قتل کرنے کیلئے اپنا مطیع کر لیا۔ لہٰذا اُس نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا۔ (اس طرح) وُہ خود ہی خسارہ پانیوالوں میں سے ہوگیا۔

● اس طرح جب اُس نے اپنی آتشِ حسد کو ٹھنڈا کرنے کے لئے اپنے بھائی کو قتل کر دیا۔ اور مقتول کی لاش کو کہیں دفن کر دیا۔ لیکن واضح رہے کہ ایسے وقتوں پر مجرم سے کوئی نہ کوئی ایسی خامی رہ جاتی ہے جو سراغرسانی کے ضمن میں ممدّ و معاون بنتی ہے اور ماہر سراغرساں، عام لفظوں میں کھوجی یا سب انسپکٹر پولیس، اُس خامی کی مدد سے لاش برآمد کر لیتے ہیں۔ مجرم نہیں جانتا کہ اُس سے کون سی خامی رہ گئی ہوئی ہے۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں اس چیز کی خبر دی گئی ہے کہ قاتل نے لاش کو چھپا تو دیا لیکن ایک تیز فہم کھوجی سراغرساں نے لاش برآمد کرلی۔ اور اُسے بتادیا کہ اُس نے کس طرح اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دیا تھا۔ تاکہ اُس کا قتل کا جُرم ثابت نہ ہونے پائے۔ اس پر قاتل نے اپنی خامی پر افسوس کیا۔

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْأَرْضِ
پھر مقرر کیا اللہ نے کھوجی کھودتا تھا بیچ زمین کے

لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ أَخِيْهِ ۚ قَالَ
تاکہ ظاہر کرے کس طرح چھپائی لاش بھائی اپنے کی کہا

يٰوَيْلَتٰٓى أَعَجَزْتُ أَنْ أَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا
اے افسوس کیا عاجز ہوا میں کہ ہوؤں میں مانند اس

الْغُرَابِ فَأُوَارِيَ سَوْءَةَ أَخِيْ ۚ فَأَصْبَحَ
کھوجی کے پھر چھپاتا لاش بھائی اپنے کی پھر ہوگیا

مِنَ النّٰدِمِيْنَ ۝ ۳۱
میں سے شرمساروں کے

پھر اللہ تعالیٰ (کے قانون کیمطابق سراغ لگانے کیلئے حکومت) نے ایک تیز فہم آدمی (کھوجی) کو مقرر کیا[1] جو (لاش کو برآمد کرنے کے لئے جگہ جگہ سے) زمین کو کھودتا تھا[2] تاکہ قاتل پر ظاہر کردے کہ اُس نے کس طرح اپنے بھائی کی لاش[3] کو چھپا دیا تھا۔ (اس پر اُس نے) کہا ہائے افسوس کہ میں عاجز ہوگیا۔ کہ میں ہوتا اس تیز فہم آدمی جیسا کہ اپنے بھائی کی لاش کو چھپاتا (اس طرح کہ یہ سراغ نہ لگا سکتا)۔ پھر (جب لاش برآمد ہوگئی تو وُہ شرمسار ہونے والوں سے ہوگیا۔

اشرف المخلوقات انسان ہے کوّا نہیں

● [1] غرابًا سے کتب تفاسیر نے کوّا پرندہ مراد لیا۔ اور اس پر یہ واقعہ چسپاں کر رکھا ہے کہ حضرت آدم کے بیٹوں میں سے ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا مگر وُہ نہیں جانتا تھا کہ لاش کو دفن کس طرح کیا جاتا ہے۔ اس لئے اُٹھائے اُٹھائے پھرتا رہا۔ ایکدن کیا دیکھتا ہے کہ ایک کوّے نے دوسرے کوّے کو مار ڈالا اور اُس کی لاش کو زمین کھود کر دفن کر دیا اس پر وُہ نادم ہوا اور کہا ہائے افسوس میں اس کوّے جتنی عقل بھی نہیں رکھتا لیکن واضح رہے کہ انسان کی نسبت کوّے کو عقلمند تسلیم کرنے میں مشاہدہ معارض ہے، کہ اشرف المخلوقات انسان ہے کوّا نہیں۔ آئے دن نئی ایجادیں انسان کر رہا ہے کوّے نہیں کر رہے۔ اس لئے قواعد عرب کیمطابق جہاں مشاہدہ معارض ہو وہاں حقیقی معنوں کی بجائے مجازی معنے لینا لازم ہے۔ غُراب کے حقیقی معنے ہیں کوّا۔ اب اس کے مجازی معنوں پر غور فرمائیں۔

● لغت منتہی الارب جلد چہارم کے صفحہ ۹۰۴ پر غراب کا معنٰی لکھا ہے "تیزیٔ ہر چیز" اس سے عقل کی تیزی اور زیادتی بھی مراد ہو سکتی ہے۔ اس لئے "رَجُلٌ غرابٌ" تیز فہم آدمی کو کہا جا سکتا ہے۔ اس آیت میں غرابًا صفت آئی ہے اپنے موصوف رَجُلًا کی۔ عربی ادب، خصوصاً قرآن کریم میں موصوف محذوف رکھ کر، موصوف کیلئے صرف صفت بارہا مستعمل ہے۔ جیسے کہ اٰیٰتٌ بیّنٰتٌ کیلئے صرف بیّنٰت صفت $\frac{2}{87}$ $\frac{2}{159}$ اور $\frac{5}{32}$ میں آئی ہے۔ جس طرح ان آیات مجیدہ میں بیّنٰت سے مراد آیٰت بیّنٰت ہے۔ اُسی طرح آیت زیر بحث میں غُرابًا سے مراد ہے رَجُلًا غرابًا ہے، تیز فہم، بہت ذہین، بہت عقلمند آدمی یعنی کھوجی، اجو صرف

پیروں کے نشانات کے ذریعہ وقوعہ کا کھوج لگا کر مال مسروقہ اور مقتولوں کی لاشیں برآمد کر دیتا ہے ۔ یہاں سیاقِ کلام کے مطابق جہاں ایک قتل کا واقعہ بیان ہوا ہے ، لاش کا کھوج لگا کر قاتل کا پتہ لگانے کیلئے سراغرساں یعنی کھوجی مراد ہے ۔

● یہاں پہنچ کر یہ بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس واقعۂ قتل کو قرآنِ کریم میں ، جو ایک نصیحت نامہ ہے ، (۱۹/۳ ۲۹/۷) نازل کرنے کی کیا غرض ہے ؟ کیا اس سے نوعِ آدم کی بھوؤں اور کوّوں کی فضیلت بتانا مقصود ہے ۔ یا یہ کہ مقتولوں کی لاش اور مال مسروقہ کی برآمدگی کیلئے کھوجیوں کی خدمات حاصل کرنے کی نصیحت کی گئی ہے ۔ اِس کا جواب عقل والوں کی طرف سے تو یہی ہو سکتا ہے ۔ کہ اِس واقعہ کے نزول کی غرض موخر الذکر ہی ہو سکتی ہے ۔ جو واقعتاً نصیحت بھی ہے اور قیامت تک کیلئے کارآمد اور سود مند بھی ۔

عـ۲ فَبَعَثَ اللّٰهُ کا لفظی معنیٰ ہے اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا ، بھیجا ، مقرر فرمایا ۔ یاد رہے کہ قرآن مجید میں ہر اُس کام کو جو اللہ تعالیٰ کے حکم اور اُس کی رضا کے مطابق انجام دیا جائے ۔ اُسے اللہ تعالیٰ اپنی طرف منسوب کرتا ہے ۔ جیسے کہ حضرت موسیٰؑ کیلئے کوہ طور پر ستر کاتبوں نے کتاب لکھی تھی لیکن چونکہ یہ عمل اللہ کے حکم اور اس کی رضا کے مطابق تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اُسے اپنی طرف منسوب کیا ہے ۔ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ (۱۴۵/۷) اور موسیٰؑ کیلئے کتاب کو تختیوں پر ہمنے لکھا ۔ اِسی طرح چونکہ مقتول کی لاش اور قاتل کے کھوج کے لئے حکومت کا کھوجی مقرر کرنا ، قانونِ خداوندی اور اس کی رضا کے مطابق ہے اس لئے اِسے بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا ۔ چنانچہ جب لاش برآمد ہوگئی ، تو قاتل شرمسار ہوگیا ۔

● اس سے آگے اگرچہ قاتل کو اُس کے جرم قتل کی پاداش میں قتل کر دینے کا ذکر موجود نہیں لیکن عدم ذکر عدم وجود کی دلیل نہیں ہوتا ۔ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ کا خداوندی قانون قرآن مجید میں موجود ہے اسلئے قاتل کو جرمِ قتل کی پاداش میں سزائے موت دیدی گئی (۴۵/۵) ۔

● عـ۳ يَبْحَثُ کے مادہ ب ۔ ح ۔ ث کا معنیٰ ہے ، کریدنا ۔ يَبْحَثُ فِي الْاَرْضِ کا معنی ہے کہ کھوجی نے زمین کو جگہ بہ جگہ کرید کر کھود کر لاش برآمد کر دی ۔ اس مادہ سے بحث و مباحثہ بھی آیا ہے ۔ بحث میں بھی کرید کی جاتی ہے ● عـ۴ سَوْاَةَ کا معنیٰ لاش تمام مفسرین کے ہاں متفقہ مسلّم ہے ۔

● عـ۵ يُوَارِيْ کے سہ حرفی مادہ و ۔ ر ۔ ی کا معنیٰ چھپانا ہے ، مذکورہ لاش کو دفن کر کے چھپا دیا گیا تھا ۔

بھائی کے قتل کا واقعہ قوم بنی اسرائیل کا ہے ۔

● کتب تفاسیر نے اِس واقعہ کو حضرتِ آدمؑ کے دو بیٹوں ہابیل قابیل کے نام سے پیش کیا ہے اور اِسے تخلیق نوعِ آدم کے بالکل ابتدائی دور کیطرف منسوب کر رکھا ہے لیکن واضح رہے کہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ

ببانگ دہل اعلان کر رہی ہے کہ یہ واقعہ حضرت آدم کے وقت کا نہیں بلکہ اس کا تعلق بنی اسرائیل کیساتھ ہے :۔

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ
سے وقت مذکورہ بالا لکھا ہم نے اوپر بنی اسرائیل

اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًاۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ
بیشک یہ کہ جس نے قتل کیا ایک جان کو بغیر کسی جان کے یا فساد

فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ
بیچ زمین میں گویا کہ قتل کیا اس نے انسانوں سب کو اور جس نے

اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَلَقَدْ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُنَا
زندہ رکھا اسے تو گویا زندہ رکھا انسانوں سب کو اور البتہ تحقیق آئے انکے پاس رسول ہمارے

بِالْبَيِّنٰتِ ۡ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ۝
ساتھ دلائل کے پھر بیشک اکثریت میں سے انکی پیچھے اسکے بیچ زمین کے حد سے نکلنے والے ہیں

مذکورہ بالا وجہ علہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر (بھی اپنا فیصلہ) فرض کر دیا تھا کہ جو کوئی کسی ایک جان کو بغیر اس کے کہ اُس نے کسی جان کو قتل کیا ہو، یا زمین میں فساد پھیلاتے ہوئے (کسی ایک جان کو قتل کر دے) تو گویا اُس نے ساری نوع انسانی کو قتل کر دیا[۵۶] اور جس نے ایک جان کو زندہ (بچالیا) تو گویا اس نے ساری نوعِ انسانی کو زندہ رکھا اور بیشک اُن (بنی اسرائیل) کے پاس ہمارے بہت سے رسول[۵۷] واضح دلائل لیکر آئے۔ پھر اس کے بعد ان میں اکثر لوگ قتل ناحق کے ذریعہ فساد فی الارض کرکے حد سے نکلنے والے ہیں۔

۳۲

● عـه مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ کے الفاظ سے کھُل کر عیاں ہو رہا ہے کہ بھائی کا بھائی کو قتل کرنے کا مذکورہ قصہ بنی اسرائیل کے زمانہ کا ہے حضرت آدم سلامٌ علیہ کے زمانے کا نہیں۔

● کسی جان کو ناحق قتل کرنے کو پوری نوعِ انسانی کا قتل قرار دیا گیا ہے۔ اِس سے بھی ثابت ہوا کہ مذکورہ قصہ انسان پر کوّے کی فضیلت جتاتے کیلئے نہیں نازل کیا گیا۔ بلکہ ناحق قتل کو مطلقاً روکنے کیلئے بطور عبرت نازل کیا گیا ہے۔ کہ بھائی کو سرِعام قتل کی دھمکی دینے والا جب قتل کا ارتکاب کر چکا تو اپنے جرمِ قتل کو چھپانے کیلئے لاش کو دفن کرکے چھپا دیا۔ باری تعالیٰ کے قانونِ عدل و انصاف کے مطابق ذہینِ انسان، کھوجی کے ذریعہ لاش برآمد کر لی گئی اور قاتل کو جان کے بدلے جان کی سزا دیدی گئی۔

ایک جان کا قتل پوری نوعِ انسانی کا قتل ہے

● قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا کے الفاظ میں قتلِ انسانی کو اِس لئے ایک متعدی جرم قرار دیا گیا ہے کہ ایک قتلِ ناحق ہو جائے تو قاتل اور مقتول کے خاندانوں میں دائمی عداوت قائم ہو جاتی ہے اور آگے دن فریقین کے ہاتھوں فریقین کے بے گناہ افراد قتل ہوتے رہتے ہیں۔ دونوں خاندانوں کے دوست اور دشمن خاندان الگ الگ دھڑوں میں شامل ہوتے چلے جاتے ہیں اور یہی سلسلہ دو قوموں یا دو ملکوں میں چل جائے تو دونوں قوموں اور ملکوں کی

دوست اور دشمن قومیں اور ملک الگ الگ قوموں اور ملکوں کے دھڑوں میں شامل ہوتے چلے جاتے ہیں اور پورے کرہ ارض پر اس قدر شدید تناؤ پیدا ہوجاتا ہے کہ پوری نوع انسانی اپنے آپ کو موت کے منہ میں محسوس کرنے لگتی ہے۔ اسی نقشہ کو خدا تعالیٰ نے ایک قتل ناحق کو فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا کے الفاظ میں پیش کیا ہے۔ اس آئت مجیدہ میں سبق یہ دیا گیا ہے کہ قتل ناحق سے پوری پوری پرہیز کی جائے اور اگر کسی شخص سے کوئی قتل ناحق ہو جائے۔ اور وہ اپنے جرم کو چھپانے کیلئے لاش کو دفن بھی کر دے تو ماہر کھوجیوں کی خدمات حاصل کرکے لاش برآمد کر لی جائے اور قاتل کو گرفتار کرکے اُسے قانونی سزا دی جائے تاکہ مقتول کے ورثاء کا جذبۂ انتقام ٹھنڈا ہو جائے اور قتل کا جرم، متعدی جرم کی شکل اختیار نہ کرنے پائے۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں سیاق کلام کے عین مطابق اسلامی حکومت کے باغیوں، ملک میں قتل و غارت اور دہشت گردوں کے ذریعہ فساد پھیلانیوالوں اور خدا تعالیٰ کے مخصوص دشمن سود خواروں کی سزا بیان کی گئی ہے۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَ

سوائے اسکے نہیں کہ سزا اُن لوگوں کی جو جنگ کریں اللہ

رَسُوْلَہٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ

اور رسول اسکے سے اور کوشش کریں بیچ زمین کے فساد کی یہ کہ

یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ

قتل کئے جائیں یا سولی دیئے جائیں یا قطع کئے جائیں ہاتھ اُن کے

مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِکَ لَهُمْ

اور پیر اُنکے بوجہ بغاوت کے یا جلا وطن کئے جائیں سے زمین کے۔ مذکورہ واسطے انکے

خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ

رسوائی ہے بیچ دنیا کے اور واسطے انکے بیچ آخرت کے عذاب ہے

عَظِیْمٌ ۝ ۳۳

سوائے اس کے نہیں کہ اُن لوگوں کی سزا جو اللہ اور اُس کے رسول کیساتھ جنگ کریں ؎۱ (یعنی اسلامی حکومت کے باغی اور سود خوار) اور وہ لوگ جو (قتل و غارت گری اور دہشت گردی کے ذریعہ) زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش کریں، یہ ہے کہ یا تو وہ قتل کر دیئے جائیں یا صلیب دے دیئے یا روکدئے جائیں اُن کے ہاتھ اور پَیر (یعنی قید کر دئے جائیں) ؎۲ بوجہ ان کی بغاوت کے۔ اور یا زمین میں سے جلاوطن کر دئے جائیں۔ یہ سزا ان کی دنیا کی رسوائی کیلئے ہے اور ان کیلئے اُخروی زندگی میں بہت بڑا عذاب ہے۔

برطا

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا

سوائے اُن کے جو توبہ کر لیں سے پہلے کہ تم قابو پاؤ

سوائے ان لوگوں کے (یعنی وہ لوگ اس سزا سے

عَلَیْهِمْ ج فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝

اُن پر آنکے ۔ پس جانتے رہو کہ بیشک اللہ تعالیٰ بچاؤ دینے والا ہے

آیت نمبر ۳۴ ع ۹

مستثنے ہیں جو اس سے پہلے توبہ کریں کہ تم انہیں گرفتار کر لو (گرفتاری کے بعد کی توبہ قبول نہ ہوگی) پس جانتے رہو کہ اللہ تعالیٰ (اپنے توبہ کے قانون کے ذریعہ مجرموں کو بھی) بچاؤ دینے والا مہربان ہے ۔ ع۹

● عہ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ کے الفاظ سے دو گروہ مراد ہیں :۔

(الف) پہلا گروہ تو وہ ہے جس کی تعریف یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا کے الفاظ میں کر دی گئی ہے کہ وہ اسلامی حکومت میں فساد پھیلاتے ہیں۔ قانون کو ہاتھ میں لیتے اور دن دہاڑے نیکوں کو لوٹتے پھرتے ہیں، اور اُنکی راہ میں جو مزاحم ہو اُسے موت کے گھاٹ اتارتے چلے جاتے ہیں ۔ اِسکے ضمن میں ہر وہ فرد اور گروہ شامل ہے جو فساد فی الارض کرتا ہے اِس آیت مجیدہ میں ایسے لوگوں کو اسلامی حکومت کے باغی قرار دیا گیا ہے ۔

(ب) دوسرا گروہ ہے سُود خوروں کا جسے سورۃ بقرہ میں خود اللہ تعالیٰ نے یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ کے زمرہ میں شامل کر رکھا ہے۔ دیکھئے! ارشاد باری تعالیٰ ہے :۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۳/۲۷۹ اے وہ لوگو! جو ایمان لاتے ہو اگر تم سچے مومن ہو تو (اپنے قرضداروں سے زمانہ کفر میں جسقدر سُود تم لے چکے، لے چکے ۔ اب اسلام قبول کرنے کے بعد اُنہیں) باقی سُود چھوڑ دو ۔ اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو خبردار ہو جاؤ کہ تمہارا اللہ ورسول کیساتھ اعلانِ جنگ ہے ۔

سُود خوری کی سزا

● اب غور فرمائیں کہ ۲/۲۷۹ میں سُود خور، بارشادِ الٰہی فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ کے زمرہ میں شامل ہیں۔ اِن کے خلاف کھلے بندوں اللہ ورسول ؐ کا اعلان جنگ ہے ۔ اور آیت زیر بحث ۵/۳۳ میں اِس جرم کی سزا کا اعلان کیا گیا ہے :۔ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ...... الخ ۔ یہ اعلان اِنَّمَا کلمہ حصر سے شروع کیا گیا ہے اور ترجمہ یہ ہے :۔ سوائے اسکے اور کوئی بات نہیں (یعنی یہ پکی بات ہے، پتھر پر لکیر ہے جو کبھی مٹ نہیں سکتی کہ) جو لوگ اللہ اور اسکے رسول سے کیساتھ جنگ کریں اُن کی سزا یہ ہے ...... بالفاظ دیگر اسلامی حکومت کے باغیوں اور سُود خوروں کیلئے ذیل کی تین سزائیں مقرر کیگئی ہیں :۔

ا۔ اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا ۔ پہلی ۔ یہ کہ انہیں قتل یا صلیب کے ذریعہ سزائے موت دی جائے۔

ب۔ اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ ۔ دوسری یہ کہ یا اُن کے ہاتھ، پاؤں روک دیئے جائیں ۔ یعنی قید کر دیا جائے۔

ج۔ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۔ تیسری یہ کہ یا انہیں جلا وطن کر دیا جائے۔

● سُود خوری کی یہ سزا محترم محمد اسلم مخدوم صاحب شادیوال ضلع گجرات (پنجاب پاکستان) کے تفکّر فی القرآن کا نتیجہ ہے ۔ آپنے ۱۹۷۴ء میں "سُود کی سزا قرآن حکیم میں موجود ہے" کے نام سے ایک کتابچہ بھی شائع کیا تھا۔ جو تعریف آیات

کے قرآنی اسلوب کی اساس پر لکھا گیا، اِنَّ الْقُرْاٰنَ یُفَسِّرُ بَعْضُہٗ بَعْضًا کے ایسے حقیقت بدوش دلائل کا حامل ہے کہ انکار کی گنجائش تک موجود نہیں۔ عصرِ حاضر کی یہ ایک عظیم ریسرچ اور قابلِ قدر کارنامہ ہے جَزَاہُ اللہُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ۔

● آیت زیرِ بحث کے ان الفاظ او تقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف سے

قرآن کریم وحشیانہ سزاؤں کا حامل نہیں

روایتی تفاسیر نے یہ وحشیانہ مفہوم لیا ہے کہ اللہ و رسول سے متحارب افراد کا دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹ دیا جائے یا بایاں ہاتھ اور دایاں پاؤں قطع کر دیا جائے۔ حالانکہ یہ تصور خود آیات زیرِ بحث ۳۳-۳۴ کے آخری جملہ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ کے خلاف ہے کہ ہاتھ پاؤں کٹوا دینے کے بعد غفور رحیم کا کون سا مقام باقی رہ جاتا ہے۔

● واضح رہے کہ عربی زبان میں قطع کا معنیٰ روکنا بھی ہے۔ جیسے کہ سورہ عنکبوت میں قوم لوط کے متعلق بتایا گیا ہے کہ انہیں حضرت لوطؑ نے کہا: اَئِنَّکُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِیْلَ ۲۹/۲۹ کیا تم وہ ہو جو جنسی تسکین کے لئے مردوں کے پاس آتے ہو اور راستہ روک کر راہگیروں کو لوٹتے ہو ـــ پس قطعِ اید و ارجل کا معنیٰ ہاتھوں اور پیروں کا کاٹنا نہیں، بلکہ ہاتھ پیروں کو روک دینا ہے اور اس سے مراد قید کرنا ہے۔ یاد رہے کہ قرآن کریم وحشیانہ سزاؤں کا ہرگز حامل نہیں ہے۔

● ۳۵ تقطع ایدیھم وارجلھم کے بعد جو مِنْ خِلَافٍ کے الفاظ آئے ہیں، ان میں مِنْ سببیہ ہے اور خلاف بمعنی مخالفت و بغاوت ہے اور مفہوم یہ ہے کہ اسلامی حکومت کے باغیوں کی یہ سزائیں ان کی مخالفت و بغاوت کی وجہ سے مقرر فرمائی گئی ہیں۔ مِنْ سببیہ کی مثال ۷۱/۲۵ میں بالفاظ ذیل موجود ہے جہاں قوم نوحؑ کے غرق کئے جانے کا سبب بیان کیا گیا ہے مِمَّا خَطِیْٓئٰتِہِمْ اُغْرِقُوْا وہ اپنے گناہوں کی وجہ سے غرق کر دیئے گئے۔

اُلٹے ہاتھ پاؤں کاٹنے کا تصور بھی ایک غلط تفہیم کا نتیجہ ہے

● پس مِنْ خِلَافٍ سے یہ بہیمانہ تصور اخذ کرنا غلط تفہیم ہی کی بدولت ہے کہ اسلامی حکومت کے باغیوں کے اُلٹے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں۔ صحیح مفہوم جس سے دامنِ قرآن و اسلام پر سے بہیمانہ سزاؤں کا داغ بھی دُھل جاتا ہے یہ ہے کہ مذکورہ تین سزاؤں کے تعین کا سبب خود ان کی بغاوت ہے۔

● اسلامی سلطنت کے باغیوں اور سود خوروں کی مذکورہ بالا سزا کی تین صورتوں پر غور فرمائیں!۔

۱۔ پہلی صورت ہے قتل یا صلیب یعنی سزائے موت۔ اس سے ظاہر ہے کہ اگر مجرم اس قدر خطرناک ہو کہ اس کے زندہ رہنے سے ملکی سالمیت کو خطرہ لاحق ہو تو اسے سزائے موت ہی دی جائیگی۔

۲۔ دوسری صورت ہے عمر قید کرنا۔ اس سے ظاہر ہے کہ اگر مجرم کو موت کی سزا دینے سے کسی داخلی یا خارجی انتشار کا خطرہ لاحق ہو تو پھر سزائے موت کی بجائے عمر قید کی اجازت دے دی گئی ہے۔

۳۔ اور تیسری صورت ہے جلا وطنی کی۔ اگر باغی کو زندہ رکھنے میں کوئی داخلی یا خارجی خطرہ لاحق نہ ہو کہ وُہ غیر ملکی طاقتوں سے مل کر ملک کے خلاف سازشیں کرکے اس کی سالمیت کے لئے خطرہ پیدا نہ کر سکے گا تو اُسے مُلک بدر کر دینے کی اجازت ہے۔

قرآن کریم زندگی اور آزادی کا ضامن ہے

● اسلامی حکومت کے لئے خطرناک ترین افراد کی مذکورہ بالا سزاؤں پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن کریم نوعِ انسانی کی زندگی اور آزادی کا ضامن ہے۔ قید و بند اور موت کی سزا انسان اپنے آپ پر خود مسلّط کر لیتا ہے۔ آپ نے دیکھا کہ ملک کے باغی تک کے لئے بھی اگر اُس سے خطرہ نہ ہو تو اُسے زندہ اور آزاد رکھنے کیلئے جلا وطنی کی سزا دی گئی ہے۔ قید کرنا اور موت کی سزا دینا خداوند غفورٌ رحیم کی شانِ رحیمی کے خلاف ہے۔ اس لئے آیت مجیدہ میں غیر مبہم الفاظ میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ یہ قید و بند اور قتل و صلیب کی سزا مِنْ خِلَافٍ دی جا رہی ہے، یعنی جو مجرموں کی اپنی مخالفت وبغاوت کی بدولت ہے۔ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ جانتے رہو کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بچاؤ دینے والا مہربان ہے۔

باغیوں اور سُود خواروں کیلئے توبہ کی گنجائش

● ع۵۳ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْہِمْ کے الفاظ میں مذکورہ ہر سہ سزاؤں کے مستحق افراد کیلئے بھی توبہ کی گنجائش رکھ دی گئی ہے۔ مگر گرفتار ہونے کے بعد نہیں۔ کیونکہ جب مجرم گرفتار ہو کر اپنے اوپر کسی ایک سزا کو مسلّط ہوتا ہوا دیکھے گا تو منافقانہ طور پر توبہ کر سکتا ہے۔ اس لئے توبہ کی شرط یہ رکھی گئی ہے کہ باغی اپنی باغیانہ سرگرمیوں سے ازخود توبہ کرکے اسلامی حکومت کا مطیع و فرمانبردار ہونے کا اعلان کر دے اور سود خوار سود خواری ترک کرکے، سودی کاروبار سے ازخود توبہ کر لے۔ تو پھر اعلان کیا گیا ہے فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ

● افسوس اس امر کا ہے اللہ تعالیٰ نے تو مذکورہ سزاؤں کے مستحق افراد کیلئے بھی توبہ کی گنجائش رکھ کر اپنے غفورٌ رحیم ہونے کا اعلان فرمایا ہے مگر روائتی تفاسیر کی غلط تفہیم زندہ انسانوں کے اُلٹے ہاتھ پیر کاٹنے کا تصوّر پیدا کرتی ہے۔ چور کی سزا کے طور پر ہاتھ کاٹنے اور آئت زیرِ بحث سے باغیوں کیلئے اُلٹے ہاتھ پیر کاٹ ڈالنے کا تصوّر قرآن اور اسلام کے دامن پر وُہ داغ ہے جس کی بدولت مہذّب اور ترقی یافتہ قومیں جو صرف انسانی سطح پر کھڑے ہو کر غور کرتے ہوئے انسانی حقوق کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو چکی ہیں، قرآن کریم کو بہیمانہ سزاؤں کا حامل سمجھ کر اس سے دور ہٹ جاتی ہیں۔ اگر گہری نظر کیساتھ غور کیا جائے تو قرآن کریم کو وحشیانہ سزاؤں کا حامل قرار دینے والی تفہیم ہی قرآن اور اسلام کے فروغ کی راہ میں سدِّ سکندری بن کر کھڑی ہو گئی ہے۔

● سُود خواری بھی ایک تاریخی المیہ بن کر رہ گئی ہے کہ قرآن کہتا ہے، کوئی شخص اُس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وُہ سود خواری کو ترک نہ کرے اور اگر وُہ ترک نہیں کرتا تو اس کا اللہ و رسول کیساتھ اعلانِ جنگ ہے۔

مگر ادھر پورا اسلامی معاشرہ سودی کاروبار پر چل رہا ہے۔ العیاذُ باللہ!

پس چہ باید کرد ● سُود کی لعنت سے آزاد ہونے کیلئے لازم ہے کہ معاشرہ کا پورا ڈھانچہ تبدیل کیا جائے۔ کوئی ملک اُس وقت تک اسلامی نہیں ہو سکتا جبتک اُس میں سودی نظام کی بجائے صدقاتی نظام قائم نہ ہو۔ کیونکہ ارشادِ باری ہے۔ یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ ۲/۲۷۶ اللہ تعالیٰ سُودی نظام کو مٹاتا اور اور صدقاتی نظام کو بڑھاتا ہے۔ یعنی اللہ حکم دیتا ہے کہ سُودی نظام کو ختم کرکے صدقاتی نظام قائم کیا جائے۔ اسکی محسوس شکل یہ ہے کہ خزانہ کا نام بیت المال رکھا جائے۔ المال سے مراد ہے عوام کا مال۔ اور بیت المال کا معنیٰ ہے عوام کے مال کا گھر۔ اِسے صرف عوام اور مُلک کی فلاح کے لئے مختص کیا جائے۔ نظامِ مساوات قائم کرکے حصولِ زر کی دوڑ ختم کر دی جائے۔ معیارِ زندگی میانہ روی قرار دیا جائے اور اس پر سب سے پہلے اربابِ اقتدار عامل ہو کر عوامی میانہ معیارِ زندگی پر اُتر آئیں۔ انفرادی جائز ضرورتوں کے لئے بھی بیت المال سے بلا سود یعنی صدقاتی قرضہ دیا جائے اور کاروبار کے لئے بلا سُود صدقاتی قرضہ جات بیت المال ہی سے ملیں۔ اس طرح یمحق اللّٰہ الربٰوا اور یُربِی الصدقٰت کی عملی تفسیر سامنے آسکتی ہے، جو اُسوقت تک ہرگز ہرگز بر روئے کار نہیں آسکتی جبتک حصولِ زر کی دوڑ ختم کرکے ہر کسی کو صرف ضروریاتِ زندگی کا حقدار قرار نہ دیا جائے۔ اور یہ سب کچھ حکومتی سطح پر کیا جائے۔ جبتک معاشرہ کے پورے ڈھانچے کو اسلامی سانچے میں نہ ڈھالا جائے اُسوقت تک اللہ و رسُول کیساتھ اعلان جنگ پر مبنی سُودی نظام ہرگز ختم نہیں ہو سکتا۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ کا رابطہ آئت نمبر ۲۷ کیساتھ ہے۔

پیچھے ۵/۲۷ میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ حصولِ قربِ الٰہی کے ضمن میں دو بھائیوں کا قصہ گزر چکا ہے۔ جس میں بتایا گیا ہے کہ ایک بھائی نے قوانینِ خداوندی کے مطابق عمل کیا۔ وقت اور محنت کی قربانی دی۔ اور صحیح نتیجہ کے ظہور کی شکل میں اُس کی محنت قبول ہوئی۔ دوسرے نے قوانینِ خداوندی سے اعراض برتا اور غلط نتیجہ کی صورت میں اُس کی محنت نامقبول ٹھہری، ردّ کر دی گئی۔ اس ردّ و قبول کو ۵/۲۷ میں خدا کے قرب اور عدم قرب کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے، یعنی دونوں کے متعلق آیا ہے قَرَّبَا قُرْبَانًا۔ یعنی دونوں نے حصولِ قرب کے لئے الگ الگ عمل پیش کیا اور نتیجہ کے طور پر بتایا گیا ہے فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ۵/۲۷ کہ ایک عمل برائے حصولِ قرب قبول ہوا اور دوسرے کا نامقبول۔ اگلی آئت مجیدہ ۵/۳۵ میں بھی یہی فیصلہ دیا گیا ہے کہ قربِ الٰہی کا ذریعہ اللہ کے قوانین میں مسلسل جدوجہد کرتے رہنا ہے:۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ڈرو اللہ سے اور

اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ (کے مقررہ کردہ تکوینی اور نازل کردہ تنزیلی قوانین) کی

وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا	مخالفت سے بچتے رہو اور اس کی طرف اُس کے
تلاش کرو طرف اُسکے قرب کا ذریعہ اور کوشش کرو	قرب کا عملی ذریعہ علہ تلاش کرو یعنی عملہ اس کی راہ میں
فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ ۳۵	(تلاشِ قرب کیلئے اُس کے قوانین کے مطابق کوشش
بیچ راہ اُسکی تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ	کرتے رہو) تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ (تمہیں اللہ کا قرب حاصل ہو جائے)۔ علہ

● علہ اس آئت مجیدہ کو عرفِ عام میں آئتِ وسیلہ کہا جاتا ہے اور اس سے مُراد یہ لے لیگئی ہے کہ خدا تعالیٰ کا قُرب حاصل کرنے کیلئے پیر پکڑنا ضروری ہے جو خود تو کوئی کام نہ کرتا ہو۔ مُریدوں کی کمائی پر عیش اڑاتا ہو۔ یہ ہے روائتی تفاسیر کی رو سے وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ کا مفہوم۔ لیکن :۔

● عملہ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ میں آمدہ درمیانی واؤ تفسیری ہے وسیلہ کا معنیٰ ذریعہ قرب ہے۔ اور تفسیر جَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ کے الفاظ میں موجود ہے۔ یعنی اللہ کے قُرب کا ذریعہ، اُسکے قوانین کے مطابق مسلسل اور انتھک کوشش کرتے رہنا ہے۔

● اس آئت کے مرقومہ مفہوم کی صحت معلوم کرنے کیلئے اِتَّقُوْا ، اَلْوَسِيْلَةَ اور جَاهِدُوْا کے بنیادی معنوں کا جاننا ضروری ہے :۔

اِتَّقُوْا ● یہ مصدر اتقاء سے فعل امر جمع مذکر مخاطب ہے۔ اس مصدر کا معنیٰ ہے بچنا، ڈرنا۔ اور اِتَّقُوا اللّٰهَ کا معنیٰ ہے تم سب بچو اللہ سے یا ڈرو اللہ سے اب کیونکہ اللہ تعالیٰ کوئی ضرر رساں یا خوف ناک ذات تو ہے نہیں جس سے بچا یا ڈرا جائے۔ اس لئے اِتقوا اللہ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قوانین کی مخالفت سے بچو۔ قوانین الٰہی کی مخالفت کی تباہ کاریوں سے ڈرو، بچو۔ اب یہ امر بھی روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ قوانینِ خداوندی کے دو حصّے ہیں، تنزیلی اور تکوینی۔ تکوینی وُہ ہیں جو مشاہداتِ عالم میں شبانہ روز جاری ہیں اور تنزیلی وُہ ہیں جو اِس وقت قرآن حکیم میں محفوظ ہیں۔ پس آئت مجیدہ زیر نظر ۵ میں اتقوا اللہ کا معنی ہے :۔ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ تکوینی اور نازل کردہ تنزیلی قوانین کی مخالفت سے بچتے رہو۔

اَلْوَسِيْلَةَ ● اس لفظ کا سہ حرفی مادہ و۔ س۔ ل = وسل ہے۔ اس کا بنیادی معنیٰ ہے اعمال کے ذریعہ قرب حاصل کرنا۔ المنجد میں صفحہ ۱۳۶۸ پر ہے اِلٰی وَسَلَ يَسِلُ وَسِيْلًا وَوَسَّلَ وَتَوَسَّلَ اِلَى اللّٰهِ بِعَمَلٍ اَوْ وَسِيْلَةٍ عمل کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل کرنا ۔ اِسی چیز کی سُورۃ ۹۶/۱۹ میں وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ کے الفاظ میں موجود ہے ، سجدہ کر ، یعنی قوانین خداوندی کی اطاعت کر اور قریب ہو جا۔ بالفاظِ دیگر قُربِ الٰہی کے اُسی ذریعہ کو ۹۶/۱۹ میں واضح کیا گیا ہے جس کا حکم وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ

میں دیا گیا ہے کہ قوانینِ الٰہی کی اطاعت کو قربِ الٰہی کا ذریعہ بناؤ اور اسی چیز کی وضاحت واؤ تفسیری کی صورت میں وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ کے الفاظ میں موجود ہے۔ یعنی اللہ کی راہ میں اس کے قوانین کے مطابق کوشش کرتے چلے جاؤ۔ تاکہ فلاح پاؤ۔ دنیا اور آخرت دونوں میں کامیاب ہو جاؤ۔

جَاهِدُوا ● اس لفظ کا سہ حرفی مادہ ہے ج۔ ہ۔ د = جہد۔ اس کا بنیادی مصدری معنیٰ ہے انتھک کوشش کرنا خواہ حصولِ مقصد کیلئے مخالف طاقتوں سے جنگ بھی کرنا پڑے۔ مگر یاد رہے کہ انسانی کوشش، خواہ جنگ و جدال سے اِدھر اُدھر تک کی ہو اور خواہ اس کے لئے میدانِ جنگ میں اُترنا بھی پڑے، مقبول وہی ہوتی ہے جو خدا تعالیٰ کے کائناتی اور تنزیلی قوانین کے مطابق ہو۔ اس لئے جَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں اُس کے قوانینِ تکوینی اور تنزیلی کے مطابق انتھک کوشش کرتے چلے جاؤ۔ بس یہی ہے فلاح و کامیابی کا ابدی راز۔ لہٰذا آیتِ وسیلہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ ٥/٣٥ کا صحیح مفہوم، جو قیامت تک کے بدلتے ہوئے تقاضوں کا ساتھ دیتا چلا جائیگا یہ ہے:۔

● ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ تکوینی اور نازل کردہ تنزیلی قوانین کی مخالفت سے بچتے رہو، اور اِس طرح اُس کے قوانین کی اطاعت ہی کو قربِ الٰہی کا ذریعہ بناؤ۔ یعنی اُس کے قوانین کے مطابق انتھک کوشش کرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

● آیتِ مجیدہ کا آخری جُملہ بھی وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ کے عین مطابق مفہوم پیش کرتا ہے۔

*۔ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ عربی زبان میں فلاحۃ" کاشتکاری کو اور فلّاح کاشتکار کو کہتے ہیں۔ جب کھیتی پک کر تیار ہو جائے تو اُسے الفلاح یعنی کامیابی کہتے ہیں اور مُفلِحُون اُن کاشتکاروں کو کہا جاتا ہے جن کی محنت ٹھکانے لگے اور وُہ اپنی محنت کا ثمر، اناج کی صورت میں اپنے گھر لے آئیں۔ اِس طرح ایک مُفلِح جسے اپنی صحیح محنت کا ثمر میسّر آئے وُہ مقرّب ہے، اُسے اللہ تعالیٰ کا قُرب حاصل ہے۔ اِسی طرح ہر وُہ محنت کش جو قوانینِ خداوندی کے مطابق انتھک محنت کرکے اپنی محنت کے ثمر سے بہرہ ور ہو جاتا ہے وُہ مقرّب ہے بشرطیکہ اُس نے کہیں کوئی ہیرا پھیری نہ کی ہو۔ یہ ہے آیتِ وسیلہ کا صحیح مفہوم جسے روائتی تفاسیر نے پیر پکڑنے کی دلیل بنا دیا ہے۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ کا ربط آیت نمبر ٣٣ کیساتھ ہے جس میں آنحضورؐ کی قائم کردہ اسلامی حکومت کے باغیوں کی سزا مقرر کرنے کے بعد اعلان کر دیا گیا ہے کہ بلا توبہ سزا معاف نہیں ہو گی۔ اگلی آیتِ مجیدہ میں مجرموں کے متعلق کہا گیا ہے کہ اگر اُن کے پاس زمین بھر کی پُوری دَولت ہو اور اتنی ہی اور بھی ہو اور وُہ اُسے فدیہ میں دیکر اُخروی عذاب سے بچنا چاہیں تو ہرگز بچ نہ سکینگے:۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ أَنَّ لَهُم
بیشک جن لوگوں نے انکار کیا اگر یہ کہ واسطے اُنکے ہو
مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لِيَفْتَدُوا
جو بیچ زمین کے ہے سارا ۔ اور مثل اُسکی ساتھ اُسکے تاکہ وہ فدیہ دیں
بِهِ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ
ساتھ اُسکے بدلے سزا دن قیامت کے نہ قبول ہوگا اُن سے
وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ○ ۳۶
اور واسطے اُنکے سزا ہے دردناک

بیشک جو لوگ (ضابطہ خداوندی کا) انکار کریں اگر (بالفرضِ محال) اُن کے پاس اتنا سارا مال ہو جو زمین میں ہے اور اُتنا ہی اور بھی ہو اور وُہ قیامت کے دن کے عذاب سے بچنے کیلئے سارے کا سارا فدیہ میں دیدیں تو اُن سے قبول نہیں کیا جائیگا ۔ بلکہ اُن کے لئے (اُس دن) دردناک عذاب ہوگا ۔ (اُخروی عذاب سے بچنے کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ اس دنیا میں توبہ کرکے اپنی اصلاح کرلی جائے)۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں اِنہی لوگوں کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وُہ عذاب سے نکلنے کی کوشش کریں گے مگر نکل نہ سکیں گے:-

يُرِيدُونَ أَن يَخْرُجُوا مِنَ النَّارِ وَمَا
ارادہ کرینگے وہ کہ نکلیں بیچ سے آگ کے اور نہیں
هُم بِخَارِجِينَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ○ ۳۷
وہ نکلنے والے بیچ سے اُسکے اور واسطے انکے عذاب ہے قائم رہنے والا

وُہ جلانے والے عذاب میں سے نکلنے کی کوشش کریں گے لیکن وُہ اس سے نکلنے والے نہیں ہوں گے ۔ کیوں کہ اُن کے لئے (ٹلنے والا عذاب نہیں ۔ بلکہ) قائم رہنے والا عذاب ہے ۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ کا ربط بھی ۳۳ کیساتھ ہے، جس میں اسلامی ریاست کے باغیوں کی سزا کے سلسلے میں قطع یدو رِجل یعنی عمر قید کا ذکر گزر چکا ہے ۔ چنانچہ جس طرح اسلامی ریاست کے بے توبہ باغی اور سُود خور کی سزا اُلٹے ہاتھ پاؤں کاٹنا یعنی عمر قید ہے ۔ اُسی طرح اسلامی ریاست میں چور اور چورنی کی سزا ہاتھ کاٹنا نہیں، بلکہ جُرم کی نوعیت کے مطابق قید کرنا ہے:-

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا
اور چور مرد اور چور عورت کاٹ دو
أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللَّهِ
قوّت دونوں کی بدلہ اُسکا جو کمایا اُنہوں نے عبرت طرف اللہ کے
وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ○ ۳۸
اور ہے اللہ غالب حکمت والا ۔

اور چور مرد اور چورنی عورت (دونوں کے لئے چوری کی سزا یہ ہے کہ) دونوں کی چوری کی طاقت[عہ] قطع کردو (اُنہیں قید کردو[عہ]) اللہ کی طرف سے اِن دونوں کیلئے قطع ید کا حکم سزا مطابق اندازۂ جُرم ہے ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ بڑھ کر غالب اور بڑا حکمت والا ہے ۔

فَمَنۡ تَابَ مِنۡۢ بَعۡدِ ظُلۡمِهٖ وَاَصۡلَحَ
پھر جو کوئی توبہ کرے بعد چوری اپنی کے اور اصلاح کرے
فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوۡبُ عَلَيۡهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۝
تو بیشک اللہ رجوع برحمت ہوگا اوپر اسکے بیشک ہے اللہ چھپانیوالا مہربان

پھر جو کوئی (اُن میں سے) اپنے ظُلم (یعنی چوری کرنے کے بعد توبہ کرلے اور اپنی اصلاح کر لے تو پھر بلاشبہ اللہ تعالیٰ عیب پوشی کرنیوالا ہے۔ بہت بڑھ کر مہربانی فرمانے والا ہے۔

● ع۱ عربی زبان میں ید کا معنیٰ ہاتھ بھی ہے اور طاقت بھی ہے۔ جیسے کہ حضرت داؤد ع کے متعلق ارشاد ہُوا ہے وَاذۡكُرۡ عَبۡدَنَا دَاوٗدَ ذَا الۡاَيۡدِ ۳۸/۱۷ ہمارے طاقتور بندے داؤد کا ذکر کیجئے ـــــ دیکھئے! یہاں ذَا الۡاَيۡدِ کا یہ معنیٰ ہرگز نہیں ہے کہ حضرت داؤد کے ہاتھ بصیغہ جمع تین چار یا پانچ سات تھے۔ بلکہ آپ کو آپ کی مُلکی، فوجی، علمی، اخلاقی اور نبوّت و رسالت کی متعدّد طاقتوں کے لحاظ سے ذَا الۡاَيۡدِ یعنی بہت سی قوتوں والا کہا گیا ہے۔

● ع۲ قطع کا معنیٰ کاٹنا بھی ہے اور روکنا بھی ہے۔ جیسے کہ حضرت لوط ع نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم اغلام باز بھی ہو اور لوگوں کو لوٹنے کے لئے ان کا راستہ بھی کاٹتے ہو۔ اَئِنَّكُمۡ لَتَاۡتُوۡنَ الرِّجَالَ وَتَقۡطَعُوۡنَ السَّبِيۡلَ ۲۹/۲۹ ان الفاظ پر غور فرمائیں کہ یہاں قطع سبیل کا یہ معنیٰ ہرگز نہیں کہ قوم لوط ع کدال کیساتھ راستے کاٹتے تھے، بلکہ راستہ روک کر لوگوں کو لوٹتے تھے۔ پس الفاظ کی لُغت کے مطابق قطع ید کا معنیٰ چور کے ہاتھ روک دینا، یعنی اسکی اصلاح کیلئے قید کر دینا ہے۔ ہاتھ کاٹ کر ٹنڈے اور بھک منگے بنانا نہیں۔

● یوں تو قطع ید کی وضاحت آیت نمبر ۵/۳۳ میں کھل کر دی گئی ہے کہ اسکا معنیٰ اور مفہوم بہیمیت یعنی زندہ انسانوں کے ہاتھ کاٹکر انہیں بیکار و معذور کر دینا نہیں بلکہ قید کرنا ہے۔ لیکن اِن ہر دو آیات مجیدہ ۵/۳۸-۳۹ کے داخلی چار جملوں کی ترتیب اور انکا باہمی ربط چور کا ہاتھ کاٹنے کے کھل کر خلاف جاتا ہے۔ ہم نے پچھلے صفحہ پر ان جملوں پر خط کھینچ کر ایک سے چار تک نمبر لگا دیئے ہیں تاکہ ربط و مفہوم سمجھنے میں آسانی رہے۔ ذیل میں ہر چہار جملوں کو بالترتیب زیر بحث لایا جاتا ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ چور کے ہاتھ کاٹ ڈالنا چاروں جملوں کے خلاف ہے۔ یاد رہے کہ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقۡطَعُوۡۤا اَيۡدِيَهُمَا کے بعد عین متصل پہلے نمبر پر یہ جملہ مبارکہ آیا ہے (۱) جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ (مفہوم) یہ قطع ید کا حُکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے، سزا اندازہ جرم کیمطابق ہے (نہ کم نہ زیادہ)۔ دیکھئے! اِن الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ چور مرد ہو یا عورت، اُنکی سزا عین جرم کے برابر ہوگی۔ تو اب بتائیے کہ اگر ایک ہزار روپے کے چور کا بھی ہاتھ کاٹ دیا جائے اور ایک لاکھ، دو لاکھ یا دس لاکھ روپے کے چور کا بھی پنجہ الگ کر دیا جائے تو جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا کے خداوندی حکم کی تعمیل یعنی سزا مطابق جرم کے سلسلے

میں ہم نے کیا کیا؟۔ نیز چوری کی کم و بیش مالیت کے عوض اگر ہاتھ کاٹنے کے مقام کو دو چار انچ نیچے اوپر کرنے لگیں تو بتائیے کہ سزا باندازۂ جرم کی تعمیل کس طرح مضحکہ خیز بن کر رہ جاتی ہے۔ کیونکہ بازو سے پنجہ خواہ کسی بھی مقام سے الگ کیا جائے، لنجا ہو جانے کے نتیجے میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یعنی پانچ سو روپیہ کے چور کو بھی لنجا اور پانچ لاکھ کے چور کو بھی لنجہ کر دینے میں جَزَآءً بِمَا کَسَبَا کے خداوندی حکم کے تعمیلی تقاضے ہرگز پورے نہیں ہوتے۔

● فلھذا جیسے کہ آیۂ مجیدہ کے ترجمہ میں لکھا گیا ہے کہ قطع ید کا معنیٰ ہاتھ کاٹنا نہیں بلکہ چوری کرنے کی طاقت کو روک دینا ہے۔ جس کی صورت محسوس یہ ہے کہ مجرم کو اُس کے جرم کے مطابق قید کر کے معاشرہ سے الگ کر دیا جائے۔ اور اس طرح جَزَآءً بِمَا کَسَبَا کی تعمیلی صورت یہ ہوگی کہ اگر پانچ سو روپے کے چور کو تین ماہ قید کی سزا دی گئی ہے تو ہزار دو ہزار لاکھ دو لاکھ روپے کے چوروں کو سزا اندازہ جرم کے مطابق بالترتیب بڑھتی چلی جائے گی۔ پس ثابت ہوا کہ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَهُمَا کا معنیٰ ہاتھ کاٹ لینا، متصلہ اوّلین جملہ جَزَآءً بِمَا کَسَبَا کے خلاف ہے۔ اس کے بعد متصلہ دوسرا جملہ یہ ہے:۔

۲۔ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔ اس جملہ کے مطابق غور طلب یہ امر ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹ دینے اور اُس کے بیوی بچوں کو فاقوں کے جہنم میں دھکیل دینے اور انہیں بھک منگے بنا کر معاشرے پر بوجھ بنا دینے میں کون سی حکمت ہے؟ حکمت کا معنیٰ یہ ہے کہ نقصان بھی نہ ہو اور کام بھی سدھر جائے۔ قرآنی حکم قید کر دینے میں وُہ حکمت پوشیدہ ہے جس میں نہ افراد معاشرہ کے ہاتھ کاٹ کر انہیں ناکارہ کر دینے کا تصوّر ہے اور نہ آئے دن ہاتھ کٹوں اور بھک منگوں میں اضافہ کرنے کا۔ یاد رہے کہ قید خانوں میں (جنہیں صحیح طور پر اصلاح خانے بنایا جانا ضروری ہے اور ان کے نام بھی جیل خانوں کی بجائے اصلاح خانے رکھنا لازم ہے) چوروں کی اصلاح کرنا ہی وُہ حکمت ہے جو مذکورہ بالا جملہ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ کے تقاضے پورے کر سکتی ہے کہ چور، کچھ عرصہ معاشرہ سے الگ اصلاح خانے میں رہ کر پھر سے شریف شہری بن جائے۔ پس ثابت ہوا کہ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَهُمَا کے الفاظ سے چور کا پنجہ الگ کر دینے کا تصوّر، اس کے دوسرے متصلہ جملہ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ کے بھی خلاف ہے۔ فلھذا یکسر غلط ہے۔

۳۔ تیسرے نمبر پر متصلہ جملہ آیا ہے:۔ فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ پھر جو شخص چوری کرنے کے بعد توبہ کر کے اپنی اصلاح کرلے تو یقیناً اللہ تعالیٰ اُس پر رجوع برحمت ہوگا۔ یعنی اُسے معاف کر دے گا۔ اب غور فرمائیں کہ "اگر چور پکڑا۔ مال برآمد کیا اور ہاتھ کاٹ ڈالا" ہی آیت زیر بحث کی تعمیلی صورت صحیح ہو تو بتائیے کہ چور کو توبہ اور اصلاح کا موقعہ کب ملیگا؟ نیز بتائیے کہ ہاتھ کاٹ ڈالنے کے بعد وُہ توبہ کر کے اپنی اصلاح کرلے تو پھر کیا فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ کا یہ مفہوم ہو سکیگا کہ اُسے کٹا ہوا ہاتھ واپس مل جائیگا؟

● فلھذا جب چور کا ہاتھ کاٹ ڈالنے کا تصوّر تیسرے متصلہ جملہ کیساتھ بھی فِٹ نہیں بیٹھتا تو ثابت ہُوا کہ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا سے ہاتھ کاٹ ڈالنے کا مفہوم اخذ کرنا غلط ہے۔

۴۔ اس سے اگلا چوتھا اور آخری متصلہ جملہ ہے اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ بیشک اللہ تعالیٰ عیبوں کو ڈھانپنے والا مہربان ہے۔ اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب توبہ اور اصلاح کے بعد کٹا ہوا ہاتھ واپس نہیں مل سکتا تو عیب پوشی کا دعویٰ باطل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ کٹا ہوا ہاتھ عمر بھر کیلئے جرم پر پردہ پڑنے نہیں دیگا۔ وُہ ہمیشہ کیلئے اس امر کا ڈھنڈورچی بنا رہیگا کہ یہ چور ہے۔ اس طرح توبہ اور اصلاح کے باوجود تائب اور مصلح کو معاشرہ میں اس کا کھویا ہُوا باعزت مقام دوبارہ ہرگز میسّر نہیں آسکتا۔ پس چونکہ ہاتھ کاٹنے کا نظریہ آئت مجیدہ کے چاروں متصلہ جملوں کے خلاف ہے۔ اس لئے بدرجہ اتم ثابت ہوا کہ قطع ید کا معنیٰ ہاتھ کاٹنا نہیں، وُہ طاقت روکدینا ہے جو چوری پر اُکساتی ہو اور اُس کی عملی صورت چور کو قید کرکے اُس کی اصلاح کرنا ہے۔

جُملہ انبیاء کا دین اور شریعت ایک تھی

● اب سطور ذیل میں یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ سابقہ انبیاءؑ کے ہاں بھی چور کی سزا ہاتھ کاٹنا نہیں بلکہ قید کرنا ہی تھی۔ اور آنحضورؐ سمیت جملہ انبیاءؑ کی شریعت ایک تھی اُس میں سرِمُو فرق نہیں تھا، جیسے کہ سُورہ شوریٰ میں ارشاد ہُوا ہے:۔

● شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى .... ۴۲/۱۳ (ایمان والو!) اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اپنے دین کی وہی اکلوتی شرع کر دی ہے جس کا حکم نوحؑ کو دیا تھا۔ اور اے رسولؐ! وُہی شریعت جو ہمنے آپکی طرف وحی فرمائی ہے۔ اور وہی شریعت جس کا حکم ہم نے ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دیا تھا —— اس آئت مجیدہ سے بالصراحت ثابت ہوتا ہے کہ آنحضورؐ سمیت جملہ انبیاءؑ کرام کو شریعتِ واحدہ عطا کیگئی تھی۔ اور اس کے بعد اب دیکھئے کہ سورہ یوسفؑ میں شریعتِ یعقوبی کی سزا بتائی گئی ہے چور کو قید کرنا:۔

● فرزندانِ یعقوبؑ جب دوسری مرتبہ غلّہ لینے کیلئے مصر تشریف لے گئے تو اُن کے چھوٹے بھائی پر چوری کا الزام آگیا۔ اس پر اُن سے پوچھا گیا کہ تمہارے دین میں چور کی سزا کیا ہے؟ تو برادران یوسف نے جواب دیا:۔ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝ ۱۲/۷۵ انہوں نے کہا جس کی بوری میں چوری کا پیمانہ پایا گیا ہے وُہ اپنی جزا آپ ہے (یعنی وُہ قید کر دیا جائے) ہم اپنی شریعت (یعقوبی) میں چوروں کو یہی سزا دیتے ہیں۔

● دیکھا آپنے! کہ شریعتِ یعقوبی میں جو آنحضورؐ سمیت جملہ انبیاءؑ کرام کی اکلوتی شریعت ہے، چور کی سزا ہاتھ کاٹنا نہیں تھی بلکہ قید کرنا تھا۔ چنانچہ برادر یوسفؑ شریعت یعقوبی کے مطابق قید کر لیا گیا تھا، اس کا ہاتھ

کاٹا نہیں گیا تھا۔ پس جملہ انبیاءؑ کی اکلوتی شریعت کے قرآنی کلیہ کے مطابق بھی ثابت ہُوا کہ ۵ کے الفاظ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَھُمَا کا قرآنی معنیٰ ہاتھ کاٹنا نہیں بلکہ اُس قوت کو روک دینا ہے جو چوری پر اُکساتی ہے۔ جس کی مختلف صورتیں اظہر من الشمس ہیں کہ اگر چور بیکار و بے روزگار ہے تو اُسے وقفۂ سزا کے بعد روزگار مہیّا کیا جائے۔ اور اگر وُہ کوئی کام نہیں جانتا تو اُسے اصلاح خانے میں کوئی ایک ہنر سکھایا جائے۔ اگر چور کے پیچھے کوئی رسّہ گیر طاقت ہے تو اُسے پوری طرح ختم کر دیا جائے۔ کیونکہ چور کو قید کرنا اور رسّہ گیروں سے چشم پوشی کرنا فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَھُمَا کے خلاف ہے۔ فی الحقیقت رسّہ گیر ادارے چور ساز ادارے ہیں۔ انکا خاتمہ لازم ہے۔

قید خانے نہیں اصلاح خانے

● قرآنی ہدایات کیمطابق قید خانوں یعنی جیل خانوں کا نام اور کام دونوں کو تبدیل کرنا لازم۔ کیونکہ چوری کے جُرم یا دوسرے جرموں کے مجرموں کو غرضِ اصلاح کے بغیر قید کر دینا بھی خلافِ قرآن ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی کتاب لاریب اصلاحِ معاشرہ کی اور امنِ عالم کی علمبردار ہے۔ اگر کوئی مجرم سال دو سال کی قید کاٹ کر معاشرہ میں لوٹ کر آنے کے بعد چور کا چور ہی رہے تو ظاہر ہے وقفۂ قید مطلقاً بیکار ہی چلا گیا۔ پس جتنے وقفہ کیلئے کسی مجرم کو معاشرہ سے الگ کر کے اصلاح خانے میں رکھا جائے، لازم ہے کہ اُس وقفے میں مجرم کی پُوری طرح اصلاح کر دی جائے، تاکہ وُہ جیل یعنی اصلاح خانے سے واپس آکر مجرمانہ عادات و خصائل سے پوری طرح الگ ہو چکا ہو۔ فلھذا لازم ہے کہ وُہ سرکاری ادارے جن میں مجرموں کو قید کیا جائے، انکا نظام بھی ایسی بُنیادوں پر تبدیل کیا جائے کہ اس ادارے یعنی محکمہ جیل کا اوڑھنا بچھونا ہی اصلاحِ مجرمین ہو۔ اور یہ بھی لازم ہے کہ ان اداروں کا نام جیل خانوں اور قید خانوں کی بجائے اصلاح خانے رکھا جائے۔

● چوری کی صحیح قرآنی سزا کی وضاحت کے بعد پروردگارِ عالم نے اگلی آیت مجیدہ میں آنحضورؐ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ہے، یعنی پُوری نوعِ انسانی کی ضروریاتِ زندگی کے لئے ہے۔ اس میں بے جا تصرّف کرنیوالوں کیلئے اللہ تعالیٰ اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق ہی سزا مقرر کرتا اور معاف کرتا ہے۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ
(اے رسولؐ!) کیا نہیں جانا تو نے بلاشبہ اللہ واسطے اُسکے حکومت
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ
ہے آسمانوں اور زمین کی۔ عذاب کرتا ہے جسے چاہے
وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ
اور معاف کرتا ہے واسطے جس کے چاہے۔ اور اللہ واسطے ہر

(اے رسولؐ!) کیا آپ نے جانا نہیں (یعنی آپکو جاننا چاہیے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ وُہ ہے کہ واسطے اُسی کے ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے۔ اور وُہ جسے عذاب کا حکم دیتا ہے تو قانونِ مشیّت کے مطابق دیتا ہے اور جسے معاف کرتا ہے تو اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق ہی معاف کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے صحیح صحیح قانون متعیّن

شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ ۴۰
چیز کے قانون بنانے والا ہے۔ کرنے والا ہے۔

● سزا کا قانون اُن لوگوں کیلئے جو ربوبیّت عالمینی میں رکاوٹ بنتے ہیں اور معاف انہیں کیا جاتا ہے جو تائب ہو کر راہ راست پر آجاتے ہیں۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں آنحضورؐ کے تسکین قلب کے لئے ارشاد ہوا کہ جو لوگ ضابطۂ خداوندی کے انکار میں جلدی کرتے اور جھوٹ بولتے ہیں آپ اُن کے لئے غمگین نہ ہوں:۔

یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ لَا یَحْزُنْكَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ
اے ہمارے رسول! نہ غمگین کریں تجھے وہ لوگ جو جلدی کرتے

فِی الْكُفْرِ مِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ
بیچ انکار کے ہیں سے ان کے کہا ایمان لائے ہم ساتھ مونہوں اپنے کے اور نہ

تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛ وَمِنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا ۛ سَمّٰعُوْنَ
ایمان لائے ذہن اُنکے اور میں سے یہودیوں کے سننے والے

لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِیْنَ ۙ لَمْ یَاْتُوْكَ ؕ
واسطے جھوٹ کے۔ سننے والے واسطے دوسری قوم کے نہیں آئے پاس تیرے

یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ یَقُوْلُوْنَ
تبدیل کرتے ہیں کلام کو سے پیچھے مقام اسکے کے وہ کہتے ہیں

اِنْ اُوْتِیْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ
اگر دیئے جاؤ تم یہ تو لے لو اسے اور اگر نہ دیئے جاؤ

فَاحْذَرُوْا ؕ وَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ
تو بچ جاؤ جو کوئی ارادہ کرے اللہ اسکی سزا کا تو نہیں تو مالک واسطے

لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ لَمْ یُرِدِ اللّٰهُ
اسکے سے اللہ کے کچھ وہی لوگ ہیں نہیں ارادہ کرتا اللہ

اَنْ یُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ ۖۚ وَّ
کہ پاک ٹھہرائے اذہان انکے۔ واسطے انکے بیچ دنیا کے رسوائی ہے

لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝ ۴۱
واسطے انکے بیچ آخرت کے سزا ہے بہت بڑی۔

اے ہمارے رسولؐ! وہ لوگ آپ کو غمگین نہ کریں (یعنی آپ اُن سے غمگین نہ ہوں) جو (ہمارے نازل کردہ ضابطۂ حیات کے) انکار میں جلدی کرتے ہیں، اُن لوگوں میں سے جو مُنہ سے تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے مگر ان کے اذہان ہرگز ایمان نہیں لاتے۔ اور یہودیوں میں سے بھی وہ لوگ (آپکو غمگین نہ کریں) جو جھوٹ بولنے کیلئے (آپ سے قرآن مجید سُنتے ہیں یعنی آپ سے سُنے ہوئے کے خلاف) اُس قوم کے آگے جھوٹ بولنے کیلئے سنتے ہیں جو آپ کے پاس نہیں آئے۔ وہ لوگ ہمارے کلام کو اصل مقام سے بدل دیتے ہیں (اپنی قوم کو) کہتے ہیں کہ اگر تم رسولؐ کی طرف سے یہ دیئے جاؤ (جو ہم کہتے ہیں) تو لے لیا کرو۔ اور اگر تمہیں یہ تعلیم نہ دی جائے تو اُس سے بچ جاؤ۔ (اے رسولؐ!) جس کسی کو اللہ تعالیٰ اُسکی گمراہی کی سزا دینے کا ارادہ کرے تو اُس کیلئے (اُس سزا سے بچانے کا) آپکو کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔ مذکورہ بالا وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے (ان کی نافرمانیوں اور سرکشیوں کی بدولت) اُنکے قلوب کو پاکیزہ ٹھہرانے کا ارادہ نہیں کیا۔ اُن کے لئے (اللہ تعالیٰ کے قانونِ مشیّت کے مطابق) اس دنیا میں بھی رُسوا کن سزا ہے۔ اور آخرت میں اُن کے لئے بہت بڑا عذاب ہے۔

● سابقہ آیت مجیدہ میں زمانۂ رسالت کے یہودیوں کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ آنحضورؐ کی خدمت میں جاسوسی کرنے کیلئے آتے تھے۔ وہ مُنہ سے تو ایمان کا اقرار کرتے مگر اُن کے اذہان مُطلقاً انکاری تھے۔ آپ کے کلام اور آپکے پروگرام کو مخالف قوم تک پہنچانے کیلئے حاضر ہُوا کرتے۔ اگلی آیت مجیدہ میں تکرار تاکیدی کے طور پر ارشاد ہُوا ہے کہ وہ آپکے کلام کو اسلئے سنتے تھے کہ اُس میں جھوٹ ملا کر لوگوں تک پہنچائیں اور معاذ اللہ حرام مال کھانے کیلئے آنحضورؐ کو سند بنائیں۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ
سننے والے ہیں واسطے جھوٹ کے کھانیوالے ہیں حرام کے
فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ
پس اگر آویں پاس تیرے پھر فیصلہ کر درمیان اُنکے یا اعراض
عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ
کر اُن سے - اور اگر تو اعراض کرے اُن سے تو نہ
يَّضُرُّوْكَ شَيْئًا ؕ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ
تکلیف دینگے تجھے ذرہ بھر - اور اگر فیصلہ کرے تو تو فیصلہ کرنا
بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝۴۲
درمیان اُنکے ساتھ انصاف کے - بیشک اللہ پسند کرتا ہے انصاف کرنیوالوں کو

(دوبارہ سُن لیجئے گا کہ یہودی لوگ) قرآن کو سنتے ہی ہیں اس کے ذمہ جھوٹ لگانے کے لئے۔ اور وُہ حرام کھانیوالے ہیں۔ پھر (اے رسُول!) اگر وُہ (یہودی اپنے جھگڑوں کے فیصلے کرانے کیلئے) آپکے پاس آئیں، تو پھر آپ کو اختیار ہے کہ اُن کے فیصلے کریں یا اُن سے اعراض فرمائیں اور اگر آپ اُن سے اعراض فرمائیں تو وُہ لوگ آپ کو ذرّہ بھر بھی تکلیف نہیں پہنچا سکیں گے۔ اور اگر آپ اُن کے درمیان مقدمات کے فیصلے کریں تو انصاف کے ساتھ فیصلے کرنا۔ بیشک اللہ تعالیٰ انصاف (کیساتھ فیصلے) کرنیوالوں کو پسند کرتا ہے۔

یہود کی مفاد پرستی

● آیات بالا میں ایک طرف تو یہودیوں کی یہ حالت بیان کی گئی ہے کہ وُہ قرآنی احکام کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ بلکہ جو کچھ آنحضورؐ سے سُنتے اُسے بدل کر اپنی قوم کو سُناتے تھے اور خود توراۃ مقدّس کے احکام کو بھی اپنے ڈھب کے مطابق تبدیل کر رکھا تھا ۵/۱۳ دوسری طرف یہ بھی بتا دیا ہے کہ وُہ اپنے باہمی مقدمات کے فیصلے کرانے کے لئے آنحضورؐ کی عدالت میں لایا کرتے تھے۔ اگلی آیت مجیدہ سے ظاہر ہے کہ اُن کا ایمان نہ توراۃ مقدّس پر ہے نہ قرآن مجید پر۔ بلکہ ان کا ایمان مفاد پرستی کے گرد گھومتا ہے۔ اگر اپنے تحرّف قوانین میں فائدہ دیکھا تو اُدھر کو جُھک گئے اور قرآنی احکام میں فائدہ نظر آیا تو اپنے مقدّمے آنحضورؐ کے پاس لے آئے۔

وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا
اور وہ کیسے وہ حاکم بنائیں آپکو اور پاس اُنکے ہے توراۃ بیچ اسکے
حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ
حکم ہے اللہ کا - پھر وہ پھر گئے ہیں بعد اس کے

اور (اے رسُول!) یہ یہودی لوگ اپنے مقدمات میں آپکو کس طرح حاکم ٹھہراتے ہیں، حالاں کہ اُن کے پاس تورات ہے (اگرچہ انہوں نے اُس میں ردّ و بدل

وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ۴۳

اور نہیں ہیں وہ علی ایمان لانیوالے

کر لیا ہے۔ ۵/۱۳ لیکن کہتے بھی ہیں کہ) اس میں اللہ کے احکام ہیں۔ پھر اس کے (یعنی یہ کہنے کے) بعد بھی وُہ اُس سے اعراض کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وُہ مومن نہیں ہیں۔

اصل توراۃ میں ہدایت بھی ہے اور نُور بھی ہے فیصلے منزل من اللہ کیساتھ کیے جائیں

● سلسلۂ درس کی اگلی آیات مجیدہ میں اس حقیقت کا اعلان کیا گیا ہے کہ اصل تورات میں بھی ہدایت و نور نازل فرمایا گیا۔ اور اصل انجیل میں بھی ہدایت و نور نازل ہوا تھا۔ بغور ملاحظہ فرمائیں۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ

بیشک ہم نے نازل کیا توراۃ کو بیچ اُسکے ھدایت اور نُور ہے

يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ

فیصلے کرتے تھے ساتھ اسکے نبی جنہوں نے فرمانبرداری کی واسطے اُن لوگوں کے

هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا

جو یہودی ہوئے اور مشائخ اور علماء اسلئے کہ

اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ

حفاظت کرائے گئے سے کتاب اللہ کی اور تھے وہ اوپر اُس

شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ

کے گواہ۔ پس نہ ڈرو لوگوں سے اور ڈرو مجھ سے

وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ وَمَنْ لَّمْ

اور نہ بیچو آیتیں میری قیمت تھوڑی۔ اور جو لوگ نہ

يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۴۴

فیصلہ کریں ساتھ اسکے جو نازل کیا اللہ نے پس وہی وہ ہیں کافر۔

بیشک ہمیں نے تورات کو نازل فرمایا ہے۔ اُس میں (ہماری تمام کتابوں کی طرح) ہدایت بھی ہے اور (ہر مسئلہ کے حل کیلئے) روشنی بھی ہے۔ ہمارے بہت سے نبی ۳ جنہوں نے ہماری فرمانبرداری کی اسی (غیر محرّف تورات) کیساتھ یہودیوں کے (جھگڑوں کے) فیصلے کرتے رہے تھے۔ اور ان کے مشائخ و علماء بھی (اسی کیساتھ ان کے فیصلے کرتے رہے تھے) یہ اس لئے کہ وُہ اللہ تعالیٰ کی کتاب (توراۃ مقدّس) کے محافظ ٹھہرائے گئے تھے اور وُہ اُس پر خود گواہ تھے (اُنہیں کہ دیا گیا تھا کہ) لوگوں سے مت ڈرو، بلکہ صرف میرے قانون کی مخالفت سے ڈرو۔ اور میری آیتوں کو دنیا کے حقیر مال کے عوض نہ بیچنا۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانون کیساتھ جھگڑوں کا فیصلہ نہیں کرتے۔ وُہ ہی تو کافر ہیں۔

توراۃ میں بھی قرآنی احکام ہی تھے

سورہ شعرآء میں اس امر کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ قرآن کریم سے پہلی مجلد کتب

الٰہی میں قرآنی قوانین ہی نازل کئے گئے تھے۔ وَإِنَّهُ لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ۝ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنْذِرِينَ ۝ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ ۝ وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ ۝ (۲۶ : ۱۹۲ تا ۱۹۶) یہ قرآن اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ہے۔ رُوح الامین اسے لیکر آپکے قلبِ اطہر پر نازل ہوا تاکہ آپ منذرین میں سے ہو جائیں۔ اس کی زبان عربی مبین ہے۔ یہی احکام سابقہ جملہ کتابوں میں تھے۔

● نیز سُورہ شوریٰ ۴۲/۱۳ کے حوالہ سے پیچھے ثابت کیا جاچکا ہے کہ جملہ انبیاء سلامٌ علیھم کو ایک ہی دین اور اُسکی وُہ ایک ہی شریعت عطا کی گئی تھی جو دین اور شریعت آنحضور سلام کو دی گئی ہے۔ اگلی آیت مجیدہ میں اِسی امر کا اعلان کیا گیا ہے کہ جو قوانین سابقہ اُمتوں پر فرض کئے گئے تھے، وہی قوانین قرآنِ کریم میں بالفاظِ ذیل موجود ہیں :-

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ
اور فرض کیا ہم نے اوپر ان کے بیچ اسکے بیشک جان بدلہ جان
وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ
اور آنکھ بدلہ آنکھ اور ناک بدلہ ناک اور کان
بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ
بدلہ کان اور دانت بدلہ دانت اور زخموں کا بدلہ ہے
فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ
پھر جو کوئی صدقہ کرے ساتھ اسکے تو وہ کفارہ ہے واسطے اُسکے اور جو نہ فیصلے کریں
بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُونَ ۝ ۴۵
ساتھ اسکے جو نازل کیا اللہ نے۔ پس وہی وہ ظالم ہیں۔

اور ہم نے اُس (توراۃ) میں اہلِ کتاب) پر فرض کردیا کہ جان کا بدلہ جان ہے (یعنی جو شخص کسی شخص کو قتل کردے تو اُس کے بدلے اُسے قتل کردیا جائے) اور (اسی طرح) آنکھ کا بدلہ آنکھ ہے۔ اور ناک کا بدلہ ناک ہے اور کان کا بدلہ کان ہے۔ اور دانت کا بدلہ دانت ہے اور زخموں کا بدلہ بھی لیا جانا فرض ہے۔ پھر اگر مُجرم کو وُہ شخص خود معاف کردے جس پر ان میں سے کوئی زیادتی ہوئی ہو تو اسکا معاف کردینا مُجرم کا کفّارہ ہو جائیگا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ نہ فیصلے کریں اُس ضابطہ کیساتھ جو اللہ نے نازل کیا ہے تو ذرا سُن لو کہ) وُہی لوگ تو ظالم ہیں۔

انجیل مقدس میں بھی ہدایت و نُور تھا

● حقیقی تورات کی وضاحت کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں انجیل مقدس کے متعلق بتایا گیا ہے کہ اُس میں بھی ہدایت و نُور نازل کیا گیا تھا۔ وُہ بھی قرآنی دین ہی کی حامل تھی :-

وَقَفَّيْنَا عَلٰى آثَارِهِمْ بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ
اور بھیجا ہم نے اوپر راستے اُنکے عیسیٰ بیٹے مریم کو
مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ
تصدیق کرنیوالا واسطے اسکے جو پہلے اسکے تھا، میں سے تورات کے اور

اور ہمنے (توراۃ والے نبیوں کے بعد) اُنہی کے راستے پر مریم کے بیٹے عیسیٰ کو (نبی بناکر) بھیجا جو تصدیق کرنیوالا تھا اُس (تعلیم) کی جو اُس سے پہلے تورات میں (نازل کی گئی) تھی۔ اور ہمنے اُسے انجیل

اٰتَیْنٰہُ الْاِنْجِیْلَ فِیْہِ ھُدًی وَّنُوْرٌ ۙ
دی ہم نے اسکو انجیل ۔ بیچ اسکے ہدایت ہے اور نور
وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ مِنَ التَّوْرٰىةِ
اور تصدیق کرنیوالی واسطے اسکے جو آگے ہے تورات کے
وَھُدًی وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِیْنَ ۝ ۴۶
اور ہدایت اور نصیحت واسطے تقویٰ شعاروں کے

عطا فرمائی ۔ اُس میں (بھی تورات کی طرح ہر مسئلہ انسانی کیلئے) ہدایت اور روشنی تھی ۔ اور وُہ اُسی تعلیم کی تصدیق کرنیوالی تھی جو اُس سے پہلے تورات میں (نازل کی گئی) تھی ۔ اور وُہ تقویٰ شعار لوگوں کے لئے (مکمل طور پر) ہدایت اور نصیحت ہے ۔

● علہ تورات مقدس بہت سے انبیاء کے صحف مبارکہ کا نام ہے ۔ اسی لئے ۴۴ میں ارشاد ہوا ہے کہ تورات کیساتھ بہت سے نبی لوگوں کے فیصلے کیا کرتے تھے ـــــ آیتِ بالا میں انجیل مقدس کی تعریف کے بعد اگلی آیت میں ارشاد ہوا ہے :-

وَلْیَحْکُمْ اَھْلُ الْاِنْجِیْلِ بِمَآ اَنْزَلَ
اور چاہیئے کہ فیصلہ کریں اہل انجیل ساتھ اسکے جو نازل کیا
اللّٰہُ فِیْہِ ؕ وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ
اللہ نے بیچ اسکے ۔ اور جو نہ فیصلہ کریں ساتھ اسکے جو نازل
فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ ۴۷
کیا اللہ نے پس وُہی وُہ حد سے بھاندنے والے ہیں ۔

اور اہل انجیل پر لازم ہے کہ وُہ اُن (قوانین) کے ساتھ مقدموں کے فیصلے کیا کریں جو خود اللہ تعالیٰ نے انجیل کے اندر نازل فرمائے ہیں ۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اُس ضابطے کیساتھ فیصلے نہ کریں جو خود اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے ۔ وُہی وُہ تو اللہ تعالیٰ کی حد پھاندنے والے ہیں ۔

قرآنِ حکیم تورات و انجیل کا نگہبان ہے

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ قرآن کریم تورات و انجیل کا نگہبان ہے ۔ یہ اس لئے کہ پیچھے متعدد بار بتایا گیا ہے کہ تورات اور انجیل میں یہود و نصاریٰ نے اپنے حسب منشا تحریف کر لی ہُوئی ہے ۔ حضرات مسیح ؑ و عزیر ؑ کو خدا تعالیٰ کے بیٹے قرار دیا ۔ نصاریٰ نے صلیب کا عقیدہ ایجاد کرکے اُسے گناہوں کا کفارہ ٹھہرالیا ہے ۔ وُہ غیر اللہ ضابطوں کیساتھ فیصلے کرتے تھے ۔ چنانچہ آنحضور ؐ کے نام خصوصی حکم جاری کیا گیا ہے کہ آپ مقدموں کے فیصلے صرف مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ کیساتھ کیا کریں ۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ
اور نازل کی ہم نے طرف تیری کتاب ساتھ حق کے
مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ مِنَ الْکِتٰبِ
تصدیق کرنیوالی واسطے اُسکے جو پیچھے ہیں سے کتاب کے

اور (اے رسول ؐ) ہمنے آپ کی طرف (قرآنِ کریم اپنی لاریب) کتاب حق کیساتھ نازل فرمائی ہے ۔ جو تصدیق کرنیوالی ہے اُن کی جو اُس سے پہلے کتابیں (نازل کی گئی تھیں) اور یہ اُن پر نگہبان ہے (اہل کتاب نے جو اُن میں تحریف کر رکھی ہے ۵/۱۳ ۴/۴۶ یہ اُن کی تصحیح کرنے

وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ أَنْزَلَ

اور نگہبان اُوپر اُسکے پس فیصلے کر درمیان اُنکے ساتھ اُسکے جو نازل کیا

اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ

اللہ نے اور نہ پیروی کرنا خواہشوں اُنکی جب آچکا تیرے پاس ، سے

الْحَقِّ ۚ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۚ

حق کے ۔ واسطے سب کے ٹھہرایا ہم نے واسطے تمہارے ایک شریعت اور طریقہ

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً

اور اگر چاہے اللہ (زبردستی) البتہ کر دے تم کو جماعت ایک

وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَآ اٰتٰكُمْ فَاسْتَبِقُوا

اور لیکن تاکہ ظاہر کرے تم کو بیچ اُسکے جو دیا تمکو پس آگے بڑھو

الْخَيْرٰتِ ۚ إِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا

نیکیوں میں ۔ طرف اللہ کے لوٹنا ہے تم سب کو ۔

فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝۴۸

پھر وہ خبر دیگا تم کو اُسکی جسے تم جس میں اختلاف کیا کرتے ۔

والی ہے) پس اے رسول ﷺ ! آپ اُن کے درمیان فیصلے فرمایا کریں اُس ضابطہ کیساتھ جو آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے اور آپ اِس کے بعد ، کہ آپ کے پاس حق قرآن آچکا ہے ، اُن (اہلِ کتاب) کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا ۔ ہم نے سب کیلئے ایک ہی شریعت یعنی ایک ہی طریقہ مقرر فرمایا ہے ۔ اور اگر ہم زبردستی چاہتے (یعنی اگر ہمارا قانونِ مشیّت یہ ہوتا کہ سب کو زبردستی راہِ راست پر لایا جائے) تو ہم اعمال کی رُو سے بھی تم سب کو ایک جماعت بنا دیتے (سب نیکوکار ہو جاتے) اور لیکن (ہمارا قانونِ مشیّت یہ ہے کہ تم اچھے یا بُرے عمل جیسے چاہو خود کرو) [۱] اُس لئے جو کچھ تمہیں دیا تاکہ اُس میں تم کو (تمہارے اپنے عملوں کے مطابق ظاہر کرے ۔ پس تم نیکیوں میں آگے بڑھو ۔ (اعمال کی جوابدہی کیلئے) تم سب کا لوٹ کر آنا اللہ ہی کی طرف ہے [۲] پھر وہ تمہیں خبر دے گا اُس چیز کی جس میں تم (مفاد پرستی کیلئے) خود اختلاف کیا کرتے تھے ۔

● [۱] "اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ" [۴۱/۴۰] اچھے یا بُرے جیسے عمل تم خود چاہو کرو" کے خداوندی اعلان کے مطابق حضرت انسان کو عمل بجا لانے میں صاحبِ اختیار و ارادہ بنایا گیا ہے ۔ اِس لئے وضاحت فرما دی گئی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ زبردستی ہی کے مطابق دین میں راہِ راست پر لانا چاہتا تو اعمال کی رُو سے بھی پوری نوعِ انسانی ایک ہی گروہ ہوتی ۔ دین میں لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ [۲/۲۵۶] کے مطابق جبر نہیں ہے اس لئے نوعِ انسانی کو عمل بجا لانے میں صاحبِ اختیار بنا کر حکم دیدیا گیا ہے :- فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ نیکیوں میں آگے بڑھو ۔ اعمال کی جوابدہی کے لئے تم نے ضرور اللہ کے حضور حاضر ہونا ہے ۔

● [۲] اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ کا لفظی معنیٰ یہ ہے کہ طرف اللہ کے ہے لوٹ کر آنا تمہارا ۔ چونکہ انسان کو اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کیا اور دنیا میں بھیجا ہے ۔ چنانچہ بے پایاں نعمتوں کیساتھ نوازا اور حکم دیا ہے کہ ان میں بے جا تصرّف نہ کرنا ۔ کیوں کہ یہ پوری نوعِ انسانی کے لئے پیدا کی گئی ہیں [۲/۲۹] ۔ اس لئے باری تعالیٰ نے ایک دن مقرّر کر رکھا ہے ، جس میں ہر فردِ بشر نے اپنے اپنے اچھے بُرے اعمال کی جواب دہی کے لئے عدالتِ خداوندی میں حاضر ہونا اور اچھا یا بُرا پُورا پُورا بدلہ پانا ہے ۔

آنحضور کو صرف مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ کیساتھ فیصلے کرنیکا تکراری حکم

● پچھلی آیات کریمات میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ کیساتھ فیصلے نہ کرنیوالے کافر ہیں ۴۴، ظالم ہیں ۴۵، فاسق ہیں ۴۷۔ اسی ضمن میں آنحضور صلعم کو آئت بالا ۴۸ میں حکم دیا گیا ہے فَاحْکُمْ بَیْنَھُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ اے رسول! آپ صرف مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ یعنی اُس ضابطے کیساتھ فیصلے کیا کریں جو اللہ نے نازل فرمایا ہے۔ سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ ۴۹ میں اسی حکم کو تکرار تاکیدی کے طور پر باندازِ مخصوص دُہرایا گیا ہے:۔

وَاَنِ احْکُمْ بَیْنَھُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ وَلَا
اور یہ کہ فیصلے کر درمیان اُن کیساتھ اُسکے جو اُتارا اللہ نے اور نہ

تَتَّبِعْ اَھْوَآءَھُمْ وَاحْذَرْھُمْ اَنْ
پیروی کر خواہشوں اُنکی اور احتیاط کر اُن سے یہ کہ

یَّفْتِنُوْکَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ اِلَیْکَ ؕ
وُہ بہکادیں آپکو سے بعض حصے اُسکے جو اُتارا اللہ نے طرف تیری

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ
پھر اگر وہ پھر جائیں تو جان لے یقیناً ارادہ کرتا ہے اللہ کہ

یُّصِیْبَھُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِھِمْ ؕ وَاِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ
پہنچائے اُنکو مصیبت بوجہ بعض گناہوں اُنکے حقیقت ہے کہ اکثر میں

النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ○ ۴۹
لوگوں کے البتہ حدّیں پھاندنیوالے ہیں

اور (اے رسول صلعم! دوبارہ تاکیداً حکم دیا جاتا ہے) کہ آپ ان کے درمیان مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ (یعنی اُس ضابطے) کیساتھ فیصلے فرمائیں جو اللہ نے نازل فرمایا ہے اور اُن کی خواہشوں کی اتباع نہ کرنا۔ اور ان سے محتاط رہنا، ایسا نہ ہو کہ وُہ آپکو اُس (ضابطے) کے کسی حصے سے بہکادیں جو اللہ نے آپ کی طرف نازل فرمایا ہے۔ پھر اگر وُہ (اس پر ایمان لانے کے بعد پھر جائیں) تو جان لیجئیگا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کہ ان کے بعض گناہوں کے بدلے اُن پر (اپنا قانونی) عذاب لے آئے۔ اور بلاشبہ نوعِ انسانی کے اکثر لوگ (فرمانبردار نہیں بلکہ) اللہ تعالیٰ کی حدّوں کو پھاندنے والے ہیں۔

اَفَحُکْمَ الْجَاھِلِیَّۃِ یَبْغُوْنَ ؕ وَمَنْ اَحْسَنُ
کیا پھر فیصلہ جاہلیت کا چاہتے ہیں وہ۔ اور کون ہے بہتر

مِنَ اللّٰہِ حُکْمًا لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ○ ۵۰
اللہ سے فیصلہ کی رُو سے واسطے اُس قوم کے جو یقین کریں

ع

کیا (دیگر غیر منزّل من اللہ کے ساتھ فیصلے کرنے والے) زمانۂ جاہلیت کے فیصلے چاہتے ہیں۔ حالانکہ اُس قوم کے لئے جو اللہ کے فیصلوں پر یقین رکھنے والی ہے، اللہ تعالیٰ سے بہتر فیصلے دینے والا کون ہے؟ (کوئی بھی نہیں ہے)

● سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں ایمان والوں کے نام حکم جاری کیا گیا ہے کہ یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بنائیں:۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو نہ بناؤ یہودیوں

وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ

اور نصاریٰ کو دوست بعض انکے ہیں دوست

بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ

بعض کے اور جو دوست بنائے انہیں تم میں سے تو بیشک ہے وہ ان میں سے

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ۵۱

بیشک اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت یافتہ ٹھہراتا قوم ظالموں کو

اے وُہ لوگو! (جو ہمارے نازل کردہ ضابطہ حیات پر) ایمان لائے ہو، یہودیوں اور نصرانیوں کو اپنے دوست نہ بنانا۔ وُہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں (وُہ تمہارے دوست نہیں ہو سکتے) اور تم میں سے جو کوئی انہیں (یہود کو یا نصاریٰ کو) دوست بنائے تو (وہ جان لے کہ) بیشک وُہ انہی میں سے ہے، بیشک اللہ اُس قوم کو ہدایت یافتہ نہیں قرار دیتا، جو قوم کہ بے ٹھکانہ کام کرنیوالی ہے۔

● اگلی آیت مجیدہ میں یہود و نصاریٰ کو دوست بنانا نفاق کی علامت بتائی گئی ہے۔ چنانچہ کھُل کر بیان کر دیا گیا ہے۔

فَتَرَى الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ

پھر تو دیکھتا ہے ان لوگوں کو جو بیچ اذہان جن کے بیماری ہے، جلدی کرتے ہیں

فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ

متعلق انکے کہتے ہیں ہم ڈرتے ہیں کہ آ جائے ہم پر گردش

فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِىَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ

پس قریب ہے اللہ کہ آئے ساتھ فتح کے یا حکم میں سے

عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَاۤ اَسَرُّوْا فِىْۤ

طرف اپنی پھر وہ ہو جائیں لبوجہ اسکے جو چھپایا بیچ اپنے

اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ۝ ۵۲

آپ کے شرمسار

(اے رسول ﷺ!) پھر آپ اُن لوگوں کو دیکھتے ہیں جن کے ذہنوں میں منافقت کی بیماری ہے۔ کہ وُہ اُن (یہود و نصاریٰ کی دوستی) میں جلدی کرتے ہیں۔ اور کہتے یہ ہیں کہ ہم اس چیز سے ڈرتے ہیں کہ (اُن سے کٹ کر) ہم پر کوئی گردش (مصیبت) نہ آ جائے۔ پس قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ (مومنوں کیلئے) فتح لے آئے یا اپنی طرف سے کوئی اور امر بھلائی کا لے آئے۔ پھر وُہ ان باتوں کو جنہیں وُہ اپنے ذہنوں میں چھپائے ہوئے ہیں (جب وُہ عیاں ہو جائے گی) تو اپنے آپ میں شرمسار ہو جائیں گے۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَهٰٓؤُلَۤاءِ الَّذِيْنَ

اور کہیں گے وہ لوگ جو ایمان لائے۔ کیا یہی ہیں وہ لوگ جو

اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ

قسمیں کھاتے تھے۔ ساتھ اللہ کے پکی قسمیں اپنی بیشک وہ ہیں ساتھ تمہارے

حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ۝ ۵۳

ضائع ہو گئے اعمال اُن کے پھر ہو گئے وہ گھاٹا پانیوالے

اور وُہ لوگ جو (منافقوں کے مقابلے پر صحیح طور پر) ایمان لائے ہیں وُہ کہیں گے کہ کیا یہی ہیں وہ لوگ جو اللہ کی قسمیں کھاتے تھے۔ بڑی پکی قسمیں کہ بلاشبہ وہ (یہود و نصاریٰ کیساتھ نہیں بلکہ وُہ) تمہارے ساتھ ہیں (اُن کی نافرمانیوں کی بدولت) برباد ہوئے اُن کے اعمال، اور وُہ خسارہ پانیوالے ہو گئے۔

● ان آیات کریمات میں واضح کر دیا گیا ہے کہ یہود و نصاریٰ سے دوستی کرنا ایمان کے صد فیصد منافی اور کھلی منافقت ہے۔ اور ان کی دشمنی سے ڈر کر اُن سے دوستی کرنا ہرگز سُود مند نہیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے فیصلہ دے دیا ہے کہ وُہ مومنوں کے دوست ہرگز نہیں ہو سکتے۔ بالفاظِ دیگر اگر مومن اُن سے دوستی پیدا بھی کر لیں تو یاد رکھیں کہ وُہ بھی مومنوں کی بھلائی نہیں چاہینگے، بلکہ ان سے دوستی پیدا کرنیوالے اُلٹے خدا تعالیٰ کے نافرمان بھی ٹھہریں گے۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں مومنوں کو ارشاد ہوا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی مرتد ہو جائے تو اللہ تعالیٰ مومنوں کی اُس قوم کو برسرِ اقتدار لے آئے گا جو اُس سے محبّت کرتی ہے اور وُہ اُس سے محبّت کرتا ہے، یعنی یہود و نصاریٰ سے دوستی کرنا خدا تعالیٰ کی کھُلی نافرمانی کا ثبوت ہے۔ چنانچہ ارشاد ہُوا ہے:-

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ

اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو جو پھر جائے تم میں

عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ

سے دین اپنے تو عنقریب آئیگا اللہ ساتھ قوم کے محبّت کرتا ہے اُن سے

وَيُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ

اور وہ کرتے ہیں اُس سے نرم اوپر مومنوں کے، غالب

عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اوپر کافروں کے۔ وہ جہاد کرتے ہیں بیچ راہ اللہ کے

وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ

اور نہیں ڈرتے ملامت سے ملامت کرنیوالے کی یہ فضل ہے اللہ کا

يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ

دیتا ہے اُسے جسے چاہے۔ اور ہے اللہ فراخی والا

عَلِيْمٌ ۝ ۵۴

جاننے والا

اے وُہ لوگو! جو (ہمارے نازل کردہ ضابطۂ حیات پر) ایمان لائے ہو، تم میں جو اپنے دین سے پھر جائے[1] (تو وُہ اپنا ہی نقصان کرے گا) اللہ تعالیٰ عنقریب ان کے مقابلے کے لئے اُس قوم کو (صحابہؓ کو انکے مقابلے کیلئے میدان میں) لے آئیگا جس سے وُہ محبت کرتا ہے اور وُہ اس سے محبّت کرتے ہیں (رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ ۹/۱۰۰) جو مومنوں کے سامنے نرم ہیں اور کافروں کے مقابلے پر غالب (بہت سخت ہیں ۴۸/۲۹) وُہ اللہ کی راہ میں (جانوں اور مالوں کیساتھ) جہاد کرتے ہیں۔ ۹/۱۱۱۔ اور وُہ ملامت کرنیوالوں کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔ مذکورہ بالا اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ فضیلت ہے۔ وُہ جسے دیتا ہے اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ وسعت عطا کرنے والا اور بہت بڑھ کر جاننے والا ہے۔ (قانونِ مشیّت کے خلاف کچھ نہیں دیتا)

● [1] صحابہؓ رسول صلعم میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں تھا جو ایمان لانے کے بعد دین سے پھر گیا ہو۔ آیت بالا میں جو ارتداد کے مقابلے پر ایسی جماعت کو لانے کی خبر دی گئی ہے جو آپس میں یعنی مومنوں کے مقابلے

نرم اور کافروں کے مقابلے پر غالب ہو۔ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم ہی کی جماعت ہے جس کی نشانی بتائی گئی ہے۔
یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗٓ کہ اللہ اُن سے محبت کرتا ہے اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ یہ نشان صحابہ رضی اللہ عنہم ہی کا ہے جس کے لئے متبادل الفاظ ۹۸ میں رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ آئے ہیں۔ دوسرا نشان اُس جماعت کا بتایا گیا ہے:۔ اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ ؂، یہ بھی صحابہؓ ہی کی نشانی ہے جس کے لئے متبادل الفاظ ۴۸ میں آئے ہیں اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ کہ وہ کافروں کے مقابلے پر بڑے سخت ہیں اور مومنوں کے مقابلے پر یعنی آپس میں بڑے رحیم وکریم ہیں۔

● ۵۲ یہاں پہنچ کر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب صحابہ رضی اللہ عنہم جو نئی لائی جانیوالی قوم کی صفات سے صد فیصد متصف تھے تو پھر کچھ لوگوں کے دین سے پھر جانیوالوں کے مقابلے پر کسی نئی قوم کے لانے کا کیا مطلب؟ اسکا جواب صاف ہے کہ اگر بفرضِ محال کوئی فرد یا جماعت دین سے پھر جائے تو خدا تعالیٰ اپنی محبّ ومحبوب جماعت صحابہ کو اُن کے مقابلے پر لے آئیگا جو کافروں کے مقابلے پر بہت سخت ہے۔ دورِ صحابہ میں دین سے پھر جانیوالے اسلام اور اہلِ اسلام کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکتے تھے۔ صحابۂ رسول ؐ میں سے تو کوئی بھی مرتد نہیں ہوا تھا البتہ تاریخِ اسلام میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ آنحضورؐ کی وفاتِ مبارکہ کے بعد خلافتِ اوّل کے دَور میں کچھ نومسلم دیہاتی دین سے پھر گئے تھے۔ تو اس وقت اُن کے ضرر سے اسلام اور اہلِ اسلام کو محفوظ رکھنے والے صحابہ کرام ہی تھے جن کی تعریف یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗٓ بھی بیان ہوئی ہے اور اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ ؂ بھی بتائی گئی ہے۔ اُسے مرتدین کے مقابلے پر لانے کی خبر دی گئی ہے اور جب کچھ لوگ مرتد ہوگئے تو انہیں ان کے مقابلے پر لے آیا گیا۔ اور وہ غالب ہوئے۔

● پچھلی آیات کریمات میں صحابہ رضی اللہ عنہم پر واضح کیا گیا ہے یہود و نصاریٰ کا تمہارے دوست ہونے کا تو تصوّر تک پیدا نہیں ہوتا جو تمہارے ساتھ شامل ہی نہیں ہوئے، تمہارے تو وہ منافق بھی دوست نہیں جو تمہارے ساتھ شامل ہو چکے ہیں۔ اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے کہ تمہارا دوست اللہ اور رسولؐ ہے اور تمہارے ساتھ شامل ہونیوالوں میں سے وہ لوگ تمہارے دوست ہیں جو ایمان لانے کے بعد قوانین الٰہی کے سامنے جھکے ہوئے ہوں، صلوٰۃ قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کرتے رہیں، تاکہ نظامِ ربوبیت قائم ہو جائے۔

اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ ۵۵

بلاشبہ دوست تمہارا اللہ ہے اور رسول اُس کا اور جو لوگ

اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ

ایمان لائے وہ لوگ جو قائم کرتے ہیں اجتماعی نظام اور دیتے ہیں

سوائے اس کے نہیں کہ (یہود و نصاریٰ اور منافقین تمہارے دوست نہیں) تمہارا دوست خود اللہ تعالیٰ ہے اور اُسکا رسولؐ ہے۔ اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائیں۔ اور اجتماعی نظام قائم کریں۔ اور

الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ○ ۵۵	(معاشرہ کے کمزوروں کی فربہی کے لئے) زکوٰۃ دیں، اور وُہ قوانینِ الٰہی کے سامنے جھکے ہُوئے ہوں۔
نشوونما اور وہ جھکنے والے ہیں۔	

● یہ تو ہُوا آئت بالا ۵/۵۵ کا صحیح مفہوم جو سیاق کلام کے عین مطابق ہے اور اگلی آیات مجیدہ میں بھی آپ دیکھیں گے کہ یہ مفہوم سیاقِ کلام کے بھی عین مطابق ہے۔ کیونکہ سلسلۂ درس کی اگلی آئتوں میں بھی یہود و نصاریٰ کی دوستی سے منع کر دیا گیا ہے، جو دینِ اسلام کا مذاق اڑاتے ہیں۔ زمانہ شاہد ہے کہ یہ لوگ آج تک ایک ہی کوشش میں مصروف پائے گئے ہیں کہ اسلام کی بیخ کنی کر دی جائے۔ مگر اس صحیح مفہوم کے خلاف ایک مکتبِ فکر کے ہاں آئت مجیدہ ۵/۵۵ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت علیؓ کے حق میں نازل ہوئی تھی کیوں کہ ایک مرتبہ آپ نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک سائل نے سوال کیا۔ آپ اُسوقت حالتِ رکوع میں تھے، آپنے اُسی حالت میں اُنگلی سے انگوٹھی اتار کر سائل کے حوالے کر دی۔ اس پر یہ آئت نازل ہوئی کہ بیشک تمہارا ولی اللہ اور اُس کا رسول ہے اور وُہ مومن تمہارے ولی ہیں جو صلوٰۃ قائم کرتے اور بحالتِ رکوع زکوٰۃ دیتے ہیں۔ اسکی علمی بحث ملاحظہ فرمائیں۔

● ۱ پہلے یہ کہ آئت مجیدہ میں إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ آیا ہے، جس سے ظاہر ہے کہ حقیقی ولی یعنی دوست صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ کا رسولؐ اور مومنین بشری دائرہ میں محدود رہ کر دوست ہیں — سب کو ایک سطح کے ولی قرار نہیں دیا گیا

● ۲ دوسرے نمبر پر یہ کہ آئت مجیدہ کے الفاظ وَالَّذِيْنَ ۱ اٰمَنُوا ۲ الَّذِيْنَ ۳ يُقِيْمُوْنَ ۴ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ ۵ الزَّكٰوةَ وَهُمْ ۶ رٰكِعُوْنَ ۷ میں سات جمع کے صیغے آئے ہیں۔ اگر اس آئت مجیدہ پر کوئی شانِ نزول چسپاں کیا بھی جائے تو وُہ ایک شخص کے متعلق نہیں ہو سکتا بلکہ ایک جماعت کے متعلق تسلیم کرنا پڑیگا۔ لیکن واضح رہے کہ علمی لحاظ سے اس آئت میں کسی واقعہ کی خبر نہیں دی گئی۔ بلکہ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کا معنیٰ ہے اور جو لوگ ایمان لائیں۔ لفظ اٰمَنُوْا صیغہ جمع مذکر غائب فعل ماضی معروف ہے جس کا معنی ہے جو زمانہ ماضی میں ایمان لائے۔ لیکن یہاں چونکہ فعل ماضی اٰمَنُوْا پر اَلَّذِيْنَ اسم موصول داخل ہُوا ہے، اس لئے یہ فعل مضارع ہو گیا ہے، اور اُس کے بعد جو آیا ہے دوسرا اَلَّذِيْنَ، اس کے بعد تمام افعال آئے ہی بصیغہ مضارع ہیں يُقِيْمُوْنَ اور يُؤْتُوْنَ، پس ثابت ہوا کہ یہاں نہ ماضی کے افعال ہی آئے ہیں اور نہ ماضی کا کوئی قصہ بیان ہُوا ہے کہ اُسے عربی قواعد کی حدود و قیود کو پھاند کر کسی ایک شخصیّت کے لئے شانِ نزول قرار دیدیا جائے۔ بلکہ بتایا یہ گیا ہے اللہ کے بعد اُسکا رسولؐ اور مومن بھی تمہارے دوست ہیں جو ایمان لانے کے بعد اللہ کے قانون پر پُوری طرح جھکے ہوئے اجتماعی نظام قائم کرتے اور معاشرہ کے کمزوروں کی فربہی کے لئے زکوٰۃ دیتے ہیں۔

● المختصر آئت مجیدہ ۵/۵۵ میں اس امر کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ مومنوں کا حقیقی ولی دوست صرف اللہ تعالیٰ

ہے۔ اور اُسکے بعد اللہ کا رسول اور باقی مومن جو اللہ کے قانون پر پُوری طرح جھکے ہوئے نظام صلوٰۃ و زکوٰۃ قائم کریں وہ اپنی حدود میں تمہارے دوست ہیں۔ اِس سے اگلی آیت میں بتایا گیا ہے ایسے لوگ حزب اللہ ہیں:

وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ
اور جو دوستی کریں اللہ اور اُسکے رسول اور اُن سے جو
اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ
ایمان لائے پس بیشک گروہ اللہ کا وہی ہیں
الْغٰلِبُوْنَ ۝٥٦ ع ٨
غالب آنیوالے

اور (حقیقت یہ ہے کہ) جو لوگ اللہ کیساتھ اور اُسکے رسول کیساتھ اور اُن لوگوں کیساتھ جو ایمان لائیں اور اقامتِ صلوٰۃ اور ایتاءِ زکوٰۃ کے ذریعہ اللہ، اُسکے رسول اور مومنوں کیساتھ دوستی کریں (وہ سب مل کر اللہ کا گروہ ہیں) پس بیشک اللہ کا گروہ ہی غالب ہونیوالے ہیں — نیز فرمایا:-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ
اے لوگو جو ایمان لائے ہو نہ پکڑو اُن کو جو
اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ
پکڑتے ہیں دین تمہارے کو مذاق اور کھیل میں سے اُن کے جو
اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ
دیئے گئے کتاب سے پہلے تمہارے اور کفّار کو دوست
وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝٥٧
اور ڈرو اللہ سے اگر ہو تم ایمان والے

اے وہ لوگو! جو ہمارے نازل کردہ ضابطۂ حیات پر ایمان لائے ہو اُن لوگوں کو جو تمہارے دین کو مذاق اور کھیل ٹھہراتے ہیں دوست نہ بناؤ۔ اُن میں سے جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے اور کفّار کو بھی دوست نہ بناؤ۔ (وہ ہرگز تمہارے خیر خواہ نہیں) اگر تم واقعی مومن ہو تو اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے بچ جاؤ۔ (جو لوگ تمہارے دین کا مذاق اڑاتے ہیں اُن سے دوستی کیسی)؟

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں اہلِ کتاب اور کفّار کی ایک اور مذموم حرکت بالفاظِ ذیل بیان کی گئی ہے:-

وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا
اور جب بلاتے ہو تم طرف صلوٰۃ کے پکڑتے ہیں وہ اسے
هُزُوًا وَّلَعِبًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا
مذاق اور کھیل - یہ اسلئے کہ بیشک وہ قوم ہیں ہی نہیں
يَعْقِلُوْنَ ۝٥٨
عقل کرتے -

اور (ایمان والو!) جب تم ایکدوسرے کو صلوٰۃ کیلئے بلاتے ہو تو وہ (اہلِ کتاب اور کفّار) اُسکا مذاق اڑاتے اور اُسے کھیل محض قرار دیتے ہیں۔ یہ اسلئے کہ یہ لوگ عقل سے کام نہیں لیتے (صلوٰۃ و زکوٰۃ کا نظام جو معاشرہ کو متوازن کرتا ہے کیا یہ کھیل مذاق کے قابل ہو سکتا ہے)؟ — نیز فرمایا:-

قُلْ يَآ أَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ
کہہ اے اہلِ کتاب کیا تم بدلہ لیتے ہو ہم سے

إِلَّآ أَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَآ أُنْزِلَ مِنْ
مگر یہ کہ ایمان لائے ہم ساتھ اللہ کے اور جو نازل ہوا طرف ہماری اور جو نازل ہوا اُس سے

قَبْلُ وَأَنَّ أَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ○ ۵۹
پہلے ۔ اور بیشک اکثریت تمہاری نافرمانوں کی ہے

اور (اے رسولؐ!) کہدیجیئے کہ اے اہلِ کتاب کیا تم ہم سے اِس چیز کا انتقام لیتے ہو کہ ہم ایمان لائے ہیں اللہ تعالیٰ کیساتھ ۔ اور اُس (لاریب کتاب) کیساتھ جو ہماری طرف نازل ہوئی ہے اور اُن (مقدس کتابوں) کیساتھ جو اس سے پہلے (اللہ کی طرف سے) نازل ہو چکی ہیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ تمہاری اکثریت نافرمانی کرنیوالوں کی ہے ۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں اہلِ کتاب کے سرکش گروہوں میں سے ایک اور شدید سرکش و نافرمان جماعت کی خبر دیگئی ہے :-

قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً
کہہ کیا میں خبر دوں تم کو بدتر سے اسکے بلحاظ سزا کے

عِنْدَ اللّٰهِ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ
نزدیک اللہ کے ۔ جو لعنت کی اللہ نے اور ناراض ہوا اوپر اُسکے

وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ
اور ٹھہرایا ان میں سے اُنکے بندر اور سوّر اور اطاعت کی

الطَّاغُوْتَ أُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّأَضَلُّ
سرکش پیشوا کی ۔ وہ ہیں بدتر از روئے مکان کے اور گمراہ ہوئے

عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ○ ٦٠
سے راہ سیدھی کے

کہہ دیجئیے کیا میں تمہیں بتاؤں جو اللہ کے نزدیک (اپنی نافرمانیوں اور سرکشیوں کی بدولت) سزا پانے کے لحاظ سے اِس سے بدتر ہے ۔ (وہ احکامِ الٰہی کی نافرمان تمہاری آبائی قوم تھی) جس سے اللہ بیزار ہُوا اور اُس پر غضبناک ہُوا ۔ اور اُن میں سے بعض پر (اُنکی نافرمانی کی بدولت غلامی مسلّط ہوگئی) ۔ اُنہیں اللہ نے بندروں اور سؤروں (کی طرح فاتح قوم کے اشاروں پر ناچتے ہُوئے) پایا[1] ۔ کیونکہ اُنہوں نے اللہ کو چھوڑ کر سرکش حکّام کی فرمانبرداری کی ۔ وہ مرتبے کے لحاظ سے بہت بُرے اور سیدھی راہ سے زیادہ بھٹکے ہُوئے تھے ۔

کیا اللہ کے نافرمان یہودی سچ مچ بندر اور سؤر بن گئے تھے ؟

● [1] جَعَلَ کا معنی بنایا کی بجائے پایا لکھا گیا ہے ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے ضابطہ کے نافرمان یہودیوں کو سچ مچ بندر اور سؤر نہیں بنا دیا تھا ، بلکہ اُنہیں بندروں کی طرح قلندروں کے اشاروں پر ناچنے والے اور سؤروں کی طرح بے غیرت پایا تھا کہ بہو بیٹیوں کی ناموس تک کو اربابِ اقتدار کی بھینٹ چڑھا دیتے تھے ۔ بندہ اور بندر اگرچہ قریب الخلقت ہیں ، مگر بندے سے بندر بن جانا قانونِ خداوندی سے خارج ہے ۔ واضح رہے کہ قرآنِ کریم دیو مالائی کہانیاں ہرگز نہیں سُناتا ، بلکہ قوموں کے عروج و زوال سے بحث کرتا ہے ۔ چنانچہ بتایا گیا ہے کہ قوم بنی اسرائیل زوال کی اُس انتہا گہرائی میں پہنچ چکی تھی کہ بندروں

کی طرح حکام کے اشاروں پر ناچتی اور سؤروں کی طرح بے غیرت ہو گئی تھی۔

دو ضمنی سوالوں کے جوابات

● اس مفہوم پر دو اہم سوال پیدا ہوتے ہیں، پہلا یہ کہ آیت بالا میں اَلْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ آیا ہے كَالْقِرَدَةِ وَالْخَنَازِيْرِ نہیں آیا، کہ اسکا معنی بندروں اور سؤروں کی مثل لیا جائے۔ اور دوسرا یہ کہ جَعَلَ کا معنی پایا کس دلیل سے لیا گیا ہے۔ پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ عربی زبان سمیت ہر زبان میں اظہارِ تشبیہ کیلئے حرفِ تشبیہ لایا بھی جاتا ہے اور نہیں بھی لایا جاتا۔ مثلاً ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ زید شیر جیسا ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ زید شیر ہے۔ اسی طرح عربی میں یہ بھی کہا جاتا ہے اَلزَّيْدُ كَالْاَسَدِ اور یہ بھی کہا جاتا ہے اَلزَّيْدُ اَسَدٌ۔ آخری جملے میں کاف حرفِ تشبیہ محذوف و مقدر ہے۔ اس میں زید کو شیر جیسا ہی کہا گیا ہے۔ سچ مچ کا شیر نہیں کہا گیا۔ اسی طرح آیت زیرِ نظر میں اَلْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ کا حرف کاف تشبیہ محذوف ہے اور عربی قاعدے کے مطابق مفہوم یہ ہے کہ قوم بنی اسرائیل بندروں کی طرح ذلیل اور سؤروں کی طرح بے غیرت ہو گئی تھی۔

● اب آیئے دوسرے ضمنی سوال کی طرف کہ جَعَلَ کا معنی پایا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے جواباً عرض ہے کہ عربی ادب میں جَعَلَ کا معنی پایا خود قرآنِ کریم میں موجود ہے:۔ وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ [16/81] یہاں اگر جَعَلَ کا معنی بنایا لیا جائے تو یہ معنی بنتا ہے کہ اللہ نے تمہارے لیئے کرتے بنائے ہیں جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں اور زرہیں بنائی ہیں جو تمہیں جنگ میں دشمن کے وار سے بچاتی ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ کرتے اور زرہیں تو ہم خود بناتے ہیں، اللہ بنا کر نازل نہیں کرتا۔ اسلیئے یہاں مفہوم صاف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے پاس ایسے کرتے پائے ہیں جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں اور ایسے کرتے پائے ہیں (زرہیں) جو تمہیں جنگ میں تلوار سے محفوظ رکھتی ہیں۔ اپنے ضابطہ کے نافرمان یہودیوں کو اللہ تعالیٰ نے بندر اور سؤر نہیں بنایا تھا بلکہ انہیں بندروں اور سؤروں کی طرح ذلیل اور بے غیرت ہوتے پایا تھا۔ یہ ذلت یہودیوں کے اپنے کردار کا نتیجہ تھی۔

● [3] پچھلے صفحہ پر آیت زیرِ نظر کے متن میں وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ کی واؤ جلی لکھی گئی ہے۔ اور اسکا معنی لکھا گیا ہے کیونکہ واؤ بمعنی کیونکہ [4/108] میں آیا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھیئے دیباچہ کا عنوان نمبر ١٣ صفحہ نمبر ٨٢۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں زمانۂ رسالت کے یہودیوں کی منافقت کو صحابہ رضی اللہ عنہم پر بالفاظِ ذیل واضح کر دیا گیا ہے:۔

وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا
اور جب آئے پاس تمہارے کہا ایمان لائے ہم اور بیشک داخل ہوئے
بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ
ساتھ کفر کے اور وہ بیشک خارج ہوئے ساتھ اسی کے اور اللہ جانتا ہے

اور (ایمان والو!) جب وہ (یہودی) تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے (اس رسول اور اس کتاب پر) حقیقت یہ ہے کہ بیشک وہ داخل ہوتے ہیں تمہارے پاس کفر ہی کیساتھ۔ اور بیشک تمہارے پاس سے چلے جاتے ہیں

بِمَا كَانُوا يَكْتُمُونَ ○ ٦١

ساتھ اسکے جو تھے وہ چھپاتے

اُسی کفر کیا تھ ۔ (وہ کفر کو چھپاتے ہیں) حالانکہ اللہ خوب جانتا ہے جسے وہ چھپایا کرتے تھے۔

وَتَرَىٰ كَثِيرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الْإِثْمِ

اور دیکھتا ہے تو بہت ان میں جلدی کرتے ہیں بیچ گناہ کے

وَالْعُدْوَانِ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ مَا

اور سرکشی کے ۔ اور کھانے میں حرام مال کے، البتہ بُرا ہے جو

كَانُوا يَعْمَلُونَ ○ ٦٢

تھے وہ عمل کرتے

اور (اے رسولؐ!) آپ اُنکی اکثریت کو دیکھتے ہیں کہ وہ گناہ (کے کاموں) اور (اللہ کی) نافرمانیوں اور حرام مال کھانے میں جلدی کرتے ہیں۔ (کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتے) بلاشبہ بہت بُرا ہے جو وہ عمل کر رہے تھے۔

● لفظ سُحت کا مادہ س ۔ ح ۔ ت ہے ۔ جس کا مطلق معنی حرام کمائی کرنا ہے ۔ اس میں چوری، رشوت، ملاوٹ اور ناجائز نفع اندوزی وغیرہ سب شامل ہیں ۔ اگلی آیت میں یہودی علماء و مشائخ کی خبر دیگئی ہے کہ وہ اُنہیں برائیوں سے منع نہیں کرتے۔

لَوْلَا يَنْهَاهُمُ الرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ عَن

کیوں نہیں منع کرتے اُنہیں رب والے اور علماء سے

قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ

بات اُنکی گناہ کی، اور کھانے مال حرام سے ۔ البتہ بُرا ہے

مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ○ ٦٣

جو وہ بناوٹ بناتے ہیں

اِن یہودیوں کو ان کے مشائخ (جو رب والے بنے بیٹھے ہیں) اور (انکے) علماء اُنہیں کیوں منع نہیں کرتے اُنکی گناہ کی باتوں سے اور حرام مال کھانے سے ۔ بلاشبہ بہت بُرا ہے جو وہ لوگ (ان چیزوں کے جواز کیلئے) بناوٹ بناتے ہیں (یعنی کتاب خداوندی کے مسائل کو اُنکی خواہشوں کے مطابق موڑ لیتے ہیں)

علماء و مشائخ کی بناوٹ

● آیتِ بالا میں جو خبر دیگئی ہے کہ یہود کے علماء و مشائخ اُنہیں بُرے عملوں اور حرام مال کھانے سے منع نہیں کرتے ۔ اور ساتھ ہی اُنکی تصنع اور بناوٹ کا اظہار فرمایا ہے۔ اس پر اگر بادنیٰ تامل غور کیا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لوگ اپنے معتقدیوں اور مریدوں سے نذریں نیازیں وصول کر کے اُنکے بُرے اعمال کا جواز اُن کتابوں سے پیش کرتے تھے جو اُنہوں نے محرّف توراۃ کی شکل میں لکھ لی تھیں۔ اصل توراۃ میں ایسی کوئی سند موجود نہیں تھی ۔ سلسلہ درس کی آیت مجیدہ میں یہودیوں کا ایک عجیب و غریب قول درج ہوئے ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ ۚ غُلَّتْ

اور کہا یہودیوں نے ہاتھ اللہ کا بندھا ہے، بندھے ہیں

اور یہودیوں کا کہنا ہے کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے۔ (حقیقت یہ نہیں ہے) بلکہ اُنکے اپنے ہاتھ بندھے

أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا بَلْ يَدَاهُ
ہاتھ اُنکے اور لعنت کئے گئے بسبب اُسکے جو کہا - بلکہ دونوں ہاتھ اُسکے

مَبْسُوطَتَانِ يُنفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ وَلَيَزِيدَنَّ
کھلے ہیں دونوں - وہ خرچ کرتا ہے جیسے چاہتا ہے اور البتہ زیادہ کرتا ہے

كَثِيرًا مِّنْهُم مَّا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ
بہتوں کو ہیں سے اُنکے وہ جو نازل ہوا طرف تیری سے رب تیرے کے

طُغْيَانًا وَكُفْرًا وَأَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَ
طغیانی اور انکار میں - اور ڈالدی ہمنے درمیان اُنکے عداوت اور

الْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ كُلَّمَا أَوْقَدُوا
بغض تک دن قیامت کے - جب وہ دہکاتے ہیں

نَارًا لِّلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللَّهُ وَيَسْعَوْنَ
آگ واسطے لڑائی کے بجھا دیتا اُسے اللہ - اور کوشش کرتے ہیں

فِي الْأَرْضِ فَسَادًا وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ
بیچ زمین کے فساد پھیلانا - حالانکہ اللہ نہیں پسند کرتا

الْمُفْسِدِينَ ۝٦٤
فساد کرنے والوں کو

ہوئے ہیں۔ اور اُنہوں نے جو ایسا کہا ہے، اُسکی بدولت وہ لعنت کئے گئے ہیں - بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں اور وہ اپنے قانونِ مشیت کے مطابق دونوں ہاتھوں سے خرچ کرتا ہے۔ اور (اے رسول!) حقیقت یہ ہے کہ جو (ضابطۂ ربوبیت) آپکی طرف آپکے رب کی طرف سے نازل ہوا وہ (اُنکے خبثِ باطن کی بدولت) اُنہیں سرکشی اور انکار میں زیادہ کردیگا - اور (اسی کی بدولت) اللہ نے اُنکا آپس کا بغض وعناد قیامت کیلئے (یعنی ہمیشہ کیلئے) عیاں کردیا ہے - جس وقت بھی وہ لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اُسے (۲۲/۴۰) کے مطابق دُوسری اقوام کے ذریعہ) بجھا دیتا ہے - (یہودیوں کا حال یہ ہے کہ) وہ زمین میں فساد ہی پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں (اُنکا مشغلہ یہی ہے) مگر اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اللہ کے دو ہاتھ ● یہودیوں میں جو لوگ غلط معاشرہ کی غلط بخشیوں کی بدولت غریب ہوئے وہ کہتے کہ اللہ ہمیں اسلئے نہیں دیتا، کہ اُسکا ہاتھ بندھا ہوا ہے - اسکا یہ جواب دیا گیا ہے کہ ہاتھ اُنکے اپنے بندھے ہوئے ہیں - یعنی ایسا معاشی نظام قائم کر رکھا ہے کہ کسی کو ضروریاتِ زندگی کشادہ میسر آتی ہیں اور کسی کو تنگی کیساتھ - اللہ کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں - وہ تو اپنے قانونِ مشیت کے مطابق دونوں ہاتھوں کیساتھ خرچ کر رہا ہے، وہ ضروریاتِ زندگی بدستور مہیا کر رہا ہے - متوازن اور مساوی تقسیم ریاست کے مرکزی نظام کی ذمہ داری ہے - غربت اور امارت اُسکی پیدا کردہ ہے اللہ کی نہیں - جیسے کہ سورہ قصص کی آیت نمبر ۲۸/۴ میں بتایا گیا ہے کہ فرعون نے اپنے عوام کو دو طبقوں میں تقسیم کر رکھا تھا - ایک طبقے کو اللہ نے نہیں، بلکہ فرعون نے کمزور کر دیا تھا۔

● اس سلسلے کا اہم اور لازمی سوال یہ ہے کہ اللہ کے دو ہاتھ کونسے ہیں جو ہر آن کھلے ہوئے ہیں اور وہ اُنکے ساتھ مسلسل خرچ کر رہا ہے، یعنی وہ عطاءِ رزق میں مسلسل مصروف ہے؟ اِسکے لئے قرآنِ کریم کی اوّلین آیت مجیدہ کی طرف

رجوع فرمائیں:۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ ۱/۲ سب تعریفیں اچھی اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہیں جو بلا تمیز اعلیٰ و ادنیٰ پورے عالمین کی ربوبیت کرنیوالا ہے۔ جو رحمان اور رحیم ہے۔ یعنی وہ عالمین کو سامانِ ربوبیت اپنی دو صفتوں رحمان اور رحیم کے ذریعہ پہنچاتا ہے۔ واضح رہے کہ رحمان اور رحیم دونوں الفاظ مادہ ر۔ح۔م۔ رحم سے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ جو نعمتیں ہمیں بلا محنت مل رہی ہیں مثلاً ہوا، روشنی، تمازت، برودت، اناج اور پھل پیدا کرنیوالی وہ مخفی طاقتیں جو کائنات میں مہیا کردیگئی ہیں، سب کی سب اللہ کی صفت رحمان کے ماتحت میسّر ہیں جن کے حصول کیلئے ہمیں نہ کوئی محنت کرنی پڑتی ہے، نہ انہیں کوئی وقت خرچ کرکے حاصل کیا جاتا ہے۔ اور نہ ہی اُن پر روپیہ پیسہ خرچ کیا جاتا ہے۔ اور اسکے برعکس جو نعمتیں اپنی محنت کے بغیر میسّر نہیں آتیں، جیسے کہ بارش کے پانی، سورج کی کیمیائی کرنوں، سورج کی دھوپ اور تمازت، رات کی ٹھنڈک، چاند ستاروں، زمینی اور فضائی سینکڑوں طاقتوں کے مفت میسّر آنیوالے اثرات اسی کھیت پر اثر انداز ہوتے ہیں اور اسی کھیت کا دامن لہلہاتی فصلوں سے بھر دیتے ہیں جس میں انسانی محنت نے مٹی میں بروقت ہل چلاکر، بیج اور کھاد ڈالدیا ہو۔ اور دوسری طرف قسم قسم کے میوہ دار درخت خود لگا رکھے اور انہیں بیماریوں سے بچانے کا اہتمام کر رکھا ہے۔ اسکے برعکس اُس کھیت میں کبھی فصل نہیں اُگتی جس میں انسانی محنت شامل نہ ہوئی ہو۔

● یہی حال ہماری مصنوعات کا ہے کہ لکڑی، لوہا، تانبہ، سیسہ وغیرہ خام مال ہمیں اللہ تعالیٰ کے دستِ رحمانیت سے ملتا ہے اور اِن کی مصنوعات جن میں ہماری محنت شامل ہوتی ہے، وہ اُسکے دستِ رحیمیت سے میسّر آتی ہیں۔ لوہے سے ہمیں سُوئی سے لیکر ہوائی جہاز تک میسّر ہے۔ لکڑی سے ایندھن سے لیکر میز، کرسیاں، پلنگ دروازے اور کھڑکیاں وغیرہ۔ اور اسی طرح تانبہ سیسہ جست پلاٹینم وغیرہ سینکڑوں معدنیات جو اللہ تعالیٰ کے رحیمیت کے ہاتھ سے میسّر ہیں اُنکی مصنوعات، ہماری اپنی محنت کیساتھ خدا تعالیٰ کے دستِ رحیمیت سے مل رہی ہیں۔

یہ ہیں اللہ تعالیٰ کی صفاتِ رحمانیت و رحیمیت کے دو ہاتھ جو ہر آن کھلے ہوئے ہیں

● آیت مجیدہ زیرِ نظر ۶۴/۵ غُلَّتْ اَیْدِیْهِمْ سے مراد یہ ہے کہ:۔
ہاتھ اُنکے بندھے ہوئے ہیں جو نعماءِ خداوندی کو پوری نوعِ انسانی تک پہنچنے نہیں دیتے۔ بامحنت اور بلا محنت نعمتوں کی تقسیم میں اللہ کے قانونِ ربوبیت کو بھلاکر، ناہموار تقسیم رزق کے قوانین بناکر انسانی اکثریت کو ضروریاتِ زندگی سے محروم کر رکھا ہے۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں یہودیوں کیساتھ نصاریٰ کو بھی شامل کرکے دونوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ ‖ اور اگر اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) ہمارے ضابطے

اور اگر یہ کہ اہل کتاب ایمان لاتے اور بچتے تو دُور کرتے ہم

سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ○ ۶۵

بدحالیاں اُنکی اور داخل کرتے انہیں باغوں نعمتوں میں

پہ ایمان لاتے اور اُسکی مخالفت سے بچتے تو ہم اُنکی بدحالیاں دُور کر دیتے - اور انہیں نعمتوں والے باغات (متوازن معاشرہ) میں داخل کرتے (جس میں سب کیلئے مساوی نعمتیں ہیں)-

● اس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ تورات و انجیل میں قرآن کریم والا ہی متوازن قانون نازل فرمایا گیا تھا:-

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ

اور اگر بلاشبہ قائم کرتے تورات اور انجیل کو اور جو

اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَ

نازل ہوا انکی طرف اُنکی طرف سے رب اُنکے البتہ کھاتے اوپر اپنے سے اور

مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ۭ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ۭ وَكَثِيْرٌ

نیچے سے قدموں اپنے کے - اُن میں سے ایک گروہ میانہ رو ہے اور کثرت سے

مِّنْهُمْ سَاۗءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ○ ۶۶ ع ۱۰/۹

اُن میں جو بُرے کام کرتے ہیں

اور اگر (یہود و نصاریٰ) قائم کرتے احکام تورات کے اور انجیل کے، اور جو اُنکی طرف اُنکے رب کی طرف سے تورات و انجیل کے بعد نازل ہُوا تو وہ اپنے اوپر سے (پھلدار درختوں کے میوے) بھی کھاتے اور اپنے پیروں کے نیچے سے (زمین کے پیدا کردہ اناج بھی) کھاتے - اُن میں ایک گروہ میانہ رو بھی موجود ہے - لیکن اُنکے اکثر لوگ بُرے عمل بجالاتے ہیں -

مساوی تقسیم رزق پہلا نمبر ہے اپنے اوپر اور نیچے سے رزق حاصل کرنا

● عِلہ مساوی تقسیم رزق کا نمبر رزق حاصل کرنے کے بعد آتا ہے - جو قومیں حصولِ رزق کے ضمن میں قوانینِ خداوندی کے مطابق جدوجہد نہیں کرتیں، یعنی نہ پھلدار درختوں کی کاشت کی طرف توجہ دیتی ہیں اور نہ زمین سے زیادہ سے زیادہ فی ایکڑ پیداوار حاصل کرتی ہیں وہ اپنے اوپر کی طرف سے آنیوالے رزق سے بھی محروم رہتی ہیں اور نیچے کی طرف سے حاصل ہونیوالے رزق کو بھی حسبِ ضرورت نہیں پاسکتیں، بلکہ دوسری قوموں کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے یا قیمتی زرِ مبادلہ ادا کرکے رزق حاصل کرنے کیلئے مجبورِ محض بنی رہتی ہیں - توراۃ و انجیل اور قرآن کریم، ہر کتابِ خداوندی میں، زیادہ سے زیادہ رزق حاصل کرنے کی جدوجہد پر زیادہ زور دیا گیا ہے -

● پیچھے صفحہ ۸۳ پر بتایا جاچکا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دونوں ہاتھوں، دستِ رحمانیت اور دستِ رحیمیت کیساتھ سامانِ ربوبیت لٹا رہا ہے - جو قومیں توراۃ و انجیل اور قرآن حکیم کے واحد قانونِ حصولِ رزق پر عمل کرتی ہیں وہ آج بھی اپنے اُوپر سے میووں کا وافر رزق حاصل کر رہی ہیں اور اپنے پیروں کے نیچے سے اجناس کے بے پناہ ذخائر سے بہرہ یاب ہو رہی ہیں - حصولِ رزق کا قانون نزولِ توراۃ و انجیل کے وقت بھی یہی تھا، نزولِ قرآن کے وقت بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے - حاصل کلام یہ کہ اُوپر اور نیچے سے حصولِ رزق اُن اقوام و افراد کا مقدر ہے جو اس گوشہ

سے متعلقہ اُن قوانینِ خداوندی پہ صد فیصد عمل کریں جو کائنات میں شبانہ روز جاری وساری ہیں۔

● اُوپر اور نیچے سے حصولِ نعماءِ خداوندی میں فضائی برکات اور زمینی اثرات بھی شامل ہیں، اِنکے حصول کا بھی وُہی قانونِ جاریہ مقرر ہے کہ جو قومیں اِنکے حصول کے مستور خداوندی قوانین پہ سے پردے ہٹانے کی انتھک کوشش کرتی ہیں، وُہی انہیں حاصل کر سکتی ہیں، اِسکے برعکس جو قومیں تقدیر و مقدر کے غیر قرآنی نظریہ کو نگاہوں میں رکھکر ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھی رہتی ہیں اُنہیں اِن نعماء سے کچھ نہیں ملتا۔ بلکہ اس ضمن میں بھی وہ کوشش کرنے والی اقوام کی محتاج ہوتی ہیں۔ نیز واضح رہے کہ اس کوشش کے سلسلے میں خداوندی قانونِ جاریہ نے کافر و مومن کی کوئی تمیز روا نہیں رکھی۔ اگر صحیح جدّ و جہد کرنیوالی قوم کافر بھی ہو تو اُسے صحیح کوشش کا ثمر ضرور عطا کیا جاتا ہے اور اِسکے برعکس مذکورہ سعی و کوشش سے دُور رہنے والی قوم اگر مومن بھی کہلاتی ہو تو محروم محض کر دی جاتی ہے۔

● قرآنِ کریم کی رُو سے اس گوشے کا مومن وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے قوانینِ تنزیلی اور تکوینی دونوں پر صد فیصد ایمان لانے کیساتھ ساتھ اُن پر شبانہ روز عمل بھی کرتا ہو۔ ایمان کی شرط یہ ہے کہ میوے درختوں سے اور فصلیں زمین ہی سے میسّر آتی ہیں اور اِنکے حصول کیلئے قوانینِ جاریہ کے مطابق انسان کو خود محنت کرنا ہوتی ہے۔

رجوع الی المطلب ● سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ نمبر ۶۷ کا تعلق یہود و نصاریٰ کے اِسی عمل کیساتھ ہے کہ اُنہوں نے توراۃ و انجیل کی تحریف تو کر رکھی تھی۔ مگر جب اُنہیں بذریعہ قرآنِ حکیم دوبارہ ہدایت پانے کا موقعہ میسّر آیا تو اِسکی بھی مخالفت شروع کر دی۔ لیکن اُنکی شدید مخالفت کے باوجود آنحضورؐ کو حکم دیا گیا کہ آپؐ کی طرف جو ضابطۂ حیات آپکے ربّ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے، اُسے یہود و نصاریٰ سمیت بلا کم و کاست سب لوگوں کو پہنچا دیجیئے گا۔

يَاۤيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ
اے رسُولؐ! پہنچا دے جو نازل ہُوا طرف تیری سے

رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ
رب تیرے۔ اور اگر نہ کیا تُو نے یہ تو نہ پہنچایا تو نے پیغام اُسکا

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي
اور ہے اللہ بچانیوالا تجھے سے لوگوں کے، بیشک اللہ نہیں رہنمائی کرتا

الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ۶۷
قوم انکار کرنیوالوں کی

اے رسُولؐ! (جو ضابطۂ حیات) آپکی طرف آپکے رب کی طرف سے نازل کر دیا گیا ہے۔ اُسے (بلا خوف و خطر) لوگوں تک پہنچا دیجیے۔ اگر آپنے اِسے لوگوں تک نہ پہنچایا تو (جان لیجیئے کہ) آپنے فریضۂ رسالت ادا نہیں کیا۔ اور (آپکو دشمن ضرر نہیں پہنچا سکینگے) اللہ تعالیٰ آپکو لوگوں سے محفوظ رکھیگا بیشک جو لوگ حقائق کا انکار کرنیوالے ہیں اللہ تعالیٰ (اُنکے انکار کی بدولت) اُنکی رہنمائی نہیں کرتا۔ (وہ اِنکار کر کے خود محروم ہدایت ہو جاتے ہیں)۔

● یہود و نصاریٰ کی شدید مخالفت کی بدولت اگر اِن لوگوں کیلئے سلسلۂ تبلیغ بند کر دیا جاتا تو اُن میانہ رو اہلِ کتاب کا

حق تبلیغ ضائع ہو جاتا ، جن کی اہلِ کتاب میں موجودگی کی خبر پیچھے آیت نمبر ۶۶ میں دیگئی ہے۔ اسلئے ارشاد ہوا کہ جو لوگ حقائق کو مانتے ہی نہیں وہ توبقیناً محروم ہدایت رہینگے۔ مگر آپ تبلیغ جاری رکھیں تاکہ جو میانہ رو جماعت ہے۔ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ وہ محروم ہدایت نہ رہ جائے۔

● اِس آیت مجیدہ کے متعلق ایک تصوّر یہ ہے کہ یہ آنحضورؐ کے بعد آپکی خلافت کے فیصلہ کیلئے نازل ہوئی تھی۔ لیکن حقیقت نیمروز یہ ہے کہ نہ اس میں خلافت کا ذکر ہے اور نہ ہی کسی صحابیؓ کا نام موجود ہے کہ آپ اُسکے حق میں اعلانِ وصایت فرمادیں۔ نیز واللہ یعصمك من النّاس کے الفاظ سے یہ تصوّر پیدا کرنا بھی الفاظِ مُنزّلہ کے خلاف ہے کہ آنحضورؐ کو خلافت کے متعلق اعلان کرنے میں اُن صحابہؓ کرام سے خطرہ تھا جو آپکے بعد منصب خلافت پر نظریں جمائے ہوئے تھے۔ ایسا تصوّر صحابہؓ رسولؐ سے متعلقہ قرآنی اعلان کے صد فیصد خلاف ہے جس میں خود خدا تعالیٰ نے جملہ اصحابِ رسولؐ مہاجرین و انصار کو جنتی بھی قرار دیا ہے اور اُنہیں رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کا سرٹیفکیٹ بھی عطا فرما رکھا ہے:

● وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ

○ ۹/۱۰۰ اور مہاجرین و انصار میں سے سبقت اور اوّلیت کرنیوالے بھی اور وہ لوگ بھی جنہوں نے اُنکی حُسن کارانہ اتباع کی (یعنی ہجرت اور نصرت کی) اللہ اُن سب پر راضی ہو گیا اور وہ سب کے سب اللہ پر راضی ہو گئے۔ اور اُنکے لیے اللہ نے ایسے باغات تیار کر دیئے ہیں جن کی سطح میں نہریں بہتی ہیں۔ وہ اُن میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ یہی تو بڑی کامیابی ہے۔

● اس فیصلہ کُن آیت مجیدہ کے مطابق آنحضورؐ کی نیابت و خلافت کے متعلق صحابہؓ کرام کو مطعون کرنا اس آیت مجیدہ کے انکار کے مصداق ہے، کیونکہ اگر آیت بالا کو کسی ایسے صحابیؓ کے حق میں اعلانِ وصایت سے متعلق مانا جائے جسے آنحضورؐ کی وفات کے عین بعد مسندِ خلافت میسّر نہیں آئی تو پرائے حق کو غصب کرنیوالے جنتی نہیں ہو سکتے۔ مگر چونکہ اللہ تعالیٰ نے اُنکے جنتی ہونے کا اعلان کر رکھا ہے ۹/۱۰۰، اسلئے ثابت ہوا کہ اس آیت مجیدہ کو خلافت سے متعلق قرار دینا قرآنی مفہوم میں اختلافات پیدا کرنے کا مرتکب ہونا ہے۔ آیت نمبر ۵/۶۷ یہود و نصاریٰ کے حقائق سے انکار اور آنحضورؐ کی مخالفت کی خبر دیتی ہے۔ نیز آنحضورؐ کو انکی مخالفت کے شر سے محفوظ رکھنے کی خبر دیگئی ہے نہ کہ صحابہؓ کے شر سے جن کی تعریف کیا تھ قرآن کریم بھرا پڑا ہے۔

● آیت زیر بحث ۵/۶۷ کی حقیقت اِسکے اپنے سیاق و سباق سے روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ کہ اس آیت سے ۵۰ آیتیں ماقبل آیت نمبر ۱۴ سے یہود و نصاریٰ کا ذکر شروع ہوا ہے جو اس آیت سے اٹھارہ آیات بعد آیت نمبر ۸۵ تک چلا گیا ہے۔ یعنی انکا ذکر باستثنائے جملہ معترضہ ۷۵ آیتوں میں پھیلا ہوا ہے۔ پس سیاق و سباقِ کلام کی شہادت کے مطابق اِس

عظیم مسلسل مضمون کا مسئلۂ خلافت سے کیا تعلق؟ ثبوت کیلئے سلسلہ درس کی اگلی اٹھارہ آیتوں میں یہود و نصاریٰ کا ذکر موجود ہے:-

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى
کہہ اے اہل کتاب نہیں ہو تم اوپر کسی چیز کے یہاں تک

تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ
کہ تم قائم کرو توراۃ اور انجیل کو - اور جو نازل کیا گیا

اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ
طرف تمہاری سے رب تمہارے کے۔ اور ضرور زیادہ کریگا بہتوں کو ان میں سے

مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ
جو نازل ہوا طرف تیری طرف سے رب تیرے کے، سرکشی اور کفر میں

فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ٦٨
پس تو مت انکار کرنیوالی قوم پر افسوس نہ کر

(اے رسولؐ!) کہدیجیئگا، اے اہل کتاب تم دونوں اُسوقت تک ہدایت پر نہیں ہو سکتے جبتک کہ تم الگ الگ توراۃ و انجیل کے احکام پر قائم نہ ہوجاؤ۔ یعنی اُس اصل توراۃ و انجیلؑ کے احکام پر، جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوئی تھی۔ اور (اے رسولؐ!) جوکچھ آپ پر آپکے رب نے نازل فرمایا ہے، وہ اُن (یہود و نصاریٰ) کی اکثریت کو سرکشی اور نافرمانی میں زیادہ کردیگا۔ پس آپ انکار کرنے والی قوم پر افسوس نہ کریں۔ (وہ اپنی ضد اور تعصب کی بدولت خود ہی محروم ہدایت ہوچکے ہیں)۔

● ۱ یہاں اصل توراۃ و انجیل پر ایمان لانے اور اُنکے احکام پر عمل کرنے کی تاکید کیگئی ہے۔ واضح رہے کہ اصل توراۃ و انجیل پر ایمان لانے سے آنحضورؐ پر ایمان لانا لازم ہوجاتا ہے۔ جیسے کہ قرآن کریم کہتا ہے توراۃ و انجیل میں آنحضورؐ کی تشریف آوری کی خبر مذکور ہے۔ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۷/۱۵۷ جو لوگ ہمارے رسولؐ مکی نبیؐ کی اتباع کرتے ہیں، وہ اپنے ہاں اُسے توراۃ اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ آپکی اور آپکے صحابہؓ کی خبر $\frac{9}{111}$ اور $\frac{48}{29}$ میں بھی درج ہے، مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚۖ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ، اُنکا ذکر توراۃ میں بھی درج ہے اور انجیل میں بھی۔

● ان آیاتِ کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اصل توراۃ و انجیل پر قائم ہونے سے آنحضورؐ پر ایمان لانا لازم ہوجاتا ہے۔ اسی لیئے کہا گیا ہے کہ اے یہود و نصاریٰ اصل توراۃ و انجیل کے احکام پر قائم ہوئے بغیر تم ہرگز ہدایت نہیں پا سکتے اس طرح یہود و نصاریٰ کی سرکشیوں کے بیان کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں نجات کا عام قانون بیان کیا گیا ہے:-

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ
بیشک جو لوگ ایمان لائیں اور جو لوگ یہودی ہوئے اور صابی ہوئے

وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ

بیشک وہ لوگ جو (منافقانہ طور پر) ایمان لائے اور جو یہودی ہوئے۔ اور جو صابی ہوئے اور جو نصاریٰ کہلائے ان میں سے جو بھی صحیح طور پر اللہ اور آخرت کے دن (یعنی

اور نصرانی ہوئے جو ایمان لایا اللہ پر اور دن پچھلے پر اور عمل کیا	جزا سزا کے دن) پر ایمان لائیں اور پھر اصلاح کے کام
صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٩﴾	کریں، اُن پر نہ آخرت کی رسوائی کا خوف اور نہ وہ اپنے کئے
اچھا پس نہیں خوف اوپر اُنکے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔	ہوئے اعمال پر غمگین ہونگے۔

ایمان کی پانچ شرطیں

● $\frac{5}{69}$ وہ آیت مجیدہ ہے کہ ترجمان القرآن ابو الکلام مرحوم کے صفحہ ٣٢٧ پر اسکا یہ مفہوم لیا گیا ہے کہ عالمگیر صداقتیں جملہ مذاہب میں یکساں طور پر موجود ہیں۔ مسلمان ہوں یا یہودی صابی ہوں یا نصرانی، ہندو ہوں یا زرتشتی، جو بھی اللہ اور آخرت پر ایمان لائے اور اچھے کام کرے، اللہ تعالیٰ کے ہاں اُس پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔ خواہ وہ نبیوں، کتابوں اور ملائکہ کا منکر ہی ہو۔ لیکن یاد رہے کہ خدا تعالیٰ کی کتاب لاریب میں ایمان کی پانچ شرطیں بیان کر کے اعلان کیا گیا ہے کہ اعمال صالح کیساتھ جو ایمان کی شرط لگائی گئی ہے، اُس میں اللہ تعالیٰ کو اپنے اپنے انداز پر ماننے سے ایمان کے قرآنی تقاضے پورے نہیں ہوتے کہ نصاریٰ خدا تعالیٰ کو تین میں کا تیسرا مانیں تو بھی ٹھیک ہے، یہودی عزیرؑ کو خدا کا بیٹا قرار دیں اور ہندو رام، کرشن اور برہما کو ایشور پرماتما کا اوتار مانیں تو بھی صحیح ہے۔ العیاذ باللہ!

● اسی طرح آخرت کے ماننے کا الگ الگ یہ انداز ہے کہ نصاریٰ حضرت مسیحؑ کی طرف منسوب کردہ صلیب کو، یہودیوں نے اپنے آپکو خدا کے بیٹے اور محبوب قرار دینے کو اور ہندوؤں نے اپنے مُردوں کی ہڈیوں کو گنگا سپرد کو دینے کو قیامت کا حل قرار دے رکھا ہے۔ ایسا ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ خدا تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں۔ بلکہ یہود و نصاریٰ کو حکم ہوا ہے:۔

● فَإِنْ آمَنُوْا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَّإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ $\frac{2}{137}$ پھر اگر وہ اُس طرح ایمان لائیں، جس طرح (اے صحابہؓ!) تم ایمان لائے ہو تو ضرور ہدایت پائیں۔ پھر اگر وہ رُوگردانی کریں تو بلا شبہ وہ ضد اور تعصب میں ہیں۔

● اب رہا یہ سوال کہ کیا صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایمانی شقیں صرف دو تھیں، ایمان باللہ (١) اور ایمان بالقیامت (٢) تو اس کے لیئے آیت ذیل ملاحظہ فرمائیں، جس میں آنحضورؐ اور صحابہ کرام کے ایمان کی وضاحت بالفاظ ذیل کیگئی ہے:۔

● آمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ آمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ $\frac{2}{285}$ مکمل ایمان لایا رسولؐ اُس پر جو اُسکی طرف نازل ہوا اور اُسکے صحابہ مومن بھی۔ سب کے سب اللہ پر، اُسکے ملائکہ پر، اُسکی تمام کتابوں پر، اُسکے تمام رسولوں پر ایمان لائے۔ یہاں ایمان بالآخرت محذوف ہے۔ اور آیت ذیل میں ایمان کی پانچوں شقیں یکجا بیان کر دیگئی ہیں:۔

● وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ (١) وَمَلٰٓئِكَتِهٖ (٢) وَكُتُبِهٖ (٣) وَرُسُلِهٖ (٤) وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (٥) فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴿﴾ $\frac{4}{136}$ جو کوئی انکار کرے اللہ کا، اور اُسکے ملائکہ کا، اور اُسکی کتابوں کا، اور اُسکے رسولوںؑ کا اور یوم آخرت کا تو وہ

دُور کی گمراہی میں گمراہ ہو گیا۔ پس ثابت ہُوا کہ ایمان کی شقیں از رُوئے قرآنِ حکیم پانچ ہیں جن پر عمل صالح کی شرط کیساتھ نجاتِ اُخروی کو مشروط کیا گیا ہے۔ صرف اپنے اپنے انداز پر خدا تعالیٰ اور روزِ قیامت پر ایمان لانے کو اعمالِ صالح کی شرط کیساتھ اُخروی نجات مشروط نہیں۔

● نجاتِ اُخروی سے متعلقہ اِس جملہ معترضہ کے بعد اگلی آیتِ مجیدہ میں تسلسلِ کلام کے مطابق بنی اسرائیل ہی کے متعلق ارشاد ہُوا ہے:-

لَقَدْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ وَاَرْسَلْنَاۤ اِلَیْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِیْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِیْقًا یَّقْتُلُوْنَ ۟ ق ۷۰

بلاشبہ لیا ہمنے عہد بنی اسرائیل سے اور بھیجے ہمنے طرف اُنکی رسول۔ جب بھی آیا اُنکے پاس کوئی رسول ساتھ اُسکے نہیں چاہتے جی اُنکے۔ ایک گروہ کو جھٹلاتے اور ایک سے لڑائی کرتے

اور بیشک ہم نے بنی اسرائیل سے پکا عہد لیا (کہ وہ ہمارے رسولوں پر ایمان لاتے رہینگے) اور ہم اُنکی طرف رسول بھیجتے رہے۔ مگر جب بھی کوئی رسول اُنکی طرف وہ تعلیم لیکر آتا جسے اُنکے جی پسند نہیں کرتے تھے (یعنی قانونِ مساوات) تو وہ اُن (رسولوں) کی کسی جماعت کو جھٹلا دیتے اور کسی جماعت کیساتھ جدال و قتال بھی کرتے ۱؎

● ۱؎ مادہ ق۔ ت۔ ل = قتل کا معنیٰ جنگ کرنا بھی ہے۔ اللہ کے رسول مقتول یعنی مغلوب نہیں ہو سکتے تھے جیسے کہ آیتِ ذیل میں موجود ہے:- كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ ۵۸/۲۱ اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے، فرض کر دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور ضرور غالب رہینگے۔ قتلِ انبیاء کی تفصیل بحث تفسیر القرآن بالقرآن کی جلد اوّل کے صفحہ ... پر ملاحظہ فرمائیں۔ اگلی آیت بھی اسی چیز کی تائید کرتی ہے:-

وَحَسِبُوْۤا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِیْرٌ مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِمَا یَعْمَلُوْنَ ۟ ۷۱

اور گمان کیا کہ نہ ہوگا جنگ پھر اندھے ہوگئے اور بہرے ہوگئے پھر لوٹ آیا اللہ اوپر اُنکے۔ پھر اندھے ہوگئے اور بہرے ہوگئے اکثر اُن میں سے اور بیشک اللہ دیکھنے والا ساتھ اُسکے جو وہ عمل کرتے تھے

اور اُن (رسولوں کو جھٹلانے اور اُن سے لڑنے والے بنی اسرائیل) نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ (انکار رسولوں سے) مقابلہ نہ ہو سکیگا، (کیونکہ وہ طاقت کے نشے میں) اندھے بہرے ہو چکے تھے۔ (لیکن اُنہیں شکست ہوئی ۵۸/۲۱ پھر اُنہیں معاف کر دیا (اُنہیں زمینوں کی مراعات عطا فرمائیں۔ لیکن طاقت میسر آنے پر) اُنکی اکثریت پھر اندھی بہری ہوگئی۔ اور اللہ دیکھنے والا ہے جو وہ عمل کرتے تھے۔

نصاریٰ کے دو عقیدے

● یہودیوں کی نافرمانیوں کے ذکر کے بعد:- اگلی دو آیتوں میں نصاریٰ کے دو عقیدے بتائے گئے ہیں کہ مسیح ہی اللہ ہے اور دوسرا یہ کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے:-

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِیْحُ

۱۱ بیشک وہ لوگ کفر کرتے ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ جو ہے

بلاشبہ کفر کیا جنہوں نے کہا بیشک اللہ وہی ہے مسیح

ابْنُ مَرْيَمَ ؕ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا

بیٹا مریم کا حالانکہ کہا مسیح نے اے بنی اسرائیل فرمانبرداری کرو

اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ

اللہ کی - رب میرا اور رب تمہارا - بیشک جس نے شرک کیا ساتھ اللہ کے پس بیشک

حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا

حرام کردی - اللہ نے اوپر اسکے جنت اور ٹھکانہ اسکا ہے آگ - اور نہیں

لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝٧٢

واسطے ظالموں کے کوئی مددگار

تو وہ مسیح ابن مریمؑ ہی ہے - (حالانکہ مسیح نے انہیں (یہ تعلیم نہیں دی تھی) مسیحؑ نے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل خالصۃً اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرو - جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی ایک جیسا رب ہے (جس طرح میں اُسکی ربوبیت کا حقدار رہوں اُسی طرح تم اُسکی ربوبیت کے حقدار رہو) بیشک جس نے اللہ کیساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا تو اللہ نے اُس پر جنت حرام کردی - اور اُسکا ٹھکانہ آگ ہے - حقیقت یہ ہے کہ (آخرت کے دارالجزا میں) ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ

بیشک کفر کیا جنہوں نے کہا بیشک اللہ ہے تیسرا تین کا

وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا

حالانکہ نہیں کوئی الٰہ سوائے الٰہ ایک کے - اور اگر نہ باز آئیں

عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ

اُس سے جو کہتے ہیں - البتہ مس کریگا جنہوں نے کفر کیا اُن میں سے عذاب

اَلِيْمٌ ۝٧٣

دردناک

بیشک کفر کیا جنہوں نے کہا کہ بیشک اللہ تین میں کا تیسرا ہے (اللہ، مسیح اور مریمؑ میں کا تیسرا) حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ایک اکیلے فرمانبرداری کیئے جانیوالے الٰہ واحد کے سوا اور کوئی الٰہ (فرمانبرداری کیا جانیوالا) ہے ہی نہیں - اور اگر وہ اس سے باز نہ آئے جو وہ کہتے ہیں تو ضرور ضرور کفر کرنیوالوں کو (آخرت کے دارالجزا میں) دردناک عذاب پہنچیگا۔

اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ

کیا پھر نہیں رجوع کرتے طرف اللہ کے اور نہیں بخشش مانگتے اس سے

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝٧٤

جبکہ اللہ معاف کرنیوالا مہربان ہے

پھر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیوں نہیں کرتے اور کیوں اُس سے بخشش طلب نہیں کرتے - جبکہ حالت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ معاف فرمانیوالا اور بے حد مہربانی کرنیوالا ہے۔

حضرت مسیحؑ کا حقیقی مقام

● سلسلہ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں حضرت مسیحؑ اور آپکی والدہ محترمہ کے حقیقی مقام کی وضاحت کیگئی ہے کہ نہ مسیح اللہ تھے اور نہ وہ تین خداؤں میں سے تیسرے تھے - اور نہ ہی آپکی والدہ تین خداؤں میں سے ایک تھی - بلکہ مسیحؑ تو صرف اللہ کے رسولؐ تھے - اور حضرت مریمؑ ایک راستباز خاتون تھیں - دونوں ماں بیٹا اللہ کے بندے تھے - دونوں کھانا کھاتے تھے یعنی دونوں جملہ بشری عوارضات کے حامل تھے۔

اسلئے وہ کس طرح خدا یا خدا کے حصے ہو سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُنکی بشریت کو نصاریٰ کے عقیدہ کے بُطلان کیلئے بطور دلیل و برہان قاطع پیش کیا ہے:-

مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ
نہیں تھے مسیح بیٹے مریم کے مگر صرف رسول۔ بیشک
خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ
گزر گئے پہلے اُن سے بہت رسول۔ اور اُنکی ماں سچی تھی
كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ انْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ
تھے دونوں کھانا کھاتے۔ غور کر کس طرح ہم بیان کرتے ہیں واسطے اُنکے
الْآيَاتِ ثُمَّ انْظُرْ أَنَّى يُؤْفَكُونَ ۝٧٥
نشانیاں پھر غور کر کس طرف کو وہ الٹے پھرے جاتے ہیں۔

نہیں تھے حضرت مسیح بیٹے مریمؑ کے مگر صرف رسول تھے بیشک (حقیقت یہ ہے کہ) اُن سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ اور اُنکی والدہ محترمہ راستباز خاتون تھیں۔ دونوں بندے تھے اور وہ دونوں (بشری تقاضوں کے مطابق) کھانا کھاتے تھے۔ (اے مخاطب!) غور کر کہ ہم اُن (نصاریٰ) کیلئے اپنی آیتیں بیان کرتے ہیں (کہ مسیح و مریم بندے تھے خدا نہیں تھے)۔ پھر غور کر کہ وہ اِسکے باوجود) کس طرف کو اُلٹے پھرے جا رہے ہیں۔

کھانا کھانا بشری تقاضا ہے اُلوہیت اس سے صد فیصد پاک ہے

● سورہ انعام میں آیا ہے: قُلْ أَغَيْرَ اللَّهِ أَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ [6/14] اے رسولؐ! کہدیجیئے۔ کیا میں اللہ کیساتھ جو آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنیوالا ہے کوئی اور (الٰہ) ٹھہرالوں حالانکہ (لوگوں کے ٹھہرائے ہوئے الٰہ کھانا کھاتے ہیں)۔ اور اُسکی حالت یہ ہے کہ وہ لوگوں کو کھلاتا ہے، خود کھلایا نہیں جاتا۔ وہ خود نہیں کھاتا۔ کھانا کھانے کیساتھ بول و براز بھی لازم و ملزوم ہیں۔ باری تعالیٰ نے مسیح و مریم کے کھانا کھانے کو اُنکی عدم الوہیت کی ناقابلِ تردید دلیل پیش فرمائی ہے۔

نفع یا نقصان پہنچانا مسیح و مریمؑ سمیت کسی کے بھی قبضے میں نہیں

● اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں مسیح و مریمؑ سمیت تمام لوگوں کے متعلق، لوگ جن کی نفع کے حصول اور ضرر سے بچنے کیلئے عبودیت کرتے ہیں، وضاحت کردیگئی ہے کہ دنیا بھر میں کسی ایک کو بھی یہ اختیارات حاصل نہیں۔ نفع نقصان کا مالک صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے:-

قُلْ أَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ
کہہ کیا تم فرمانبرداری کرتے ہو ساتھ اللہ کے اُنکی نہیں مالک
لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ
واسطے تمہارے ضرر کے اور نفع کے۔ اور ہے اللہ ہی خوب سننے والا
الْعَلِيمُ ۝٧٦

(اے رسولؐ!) کہدیجیئے کہ کیا تم اللہ کیساتھ اُنکے بندے بنتے ہو جو تمہارے لئے کسی بھی نہ ضرر کا اختیار رکھتے ہیں نہ فائدے کا۔ حقیقت یہ ہے کہ (نفع نقصان کا اختیار رکھنے والا صرف اور صرف اللہ ہے) کیونکہ وہی خوب خوب سننے والا اور خوب خوب جاننے والا ہے۔

خوب جاننے والا ہے

● اِس طرح حضرت مسیحؑ و مریمؑ کی الوہیت کی کُلّی نفی کے بعد اگلی آئتِ مجیدہ میں اہلِ کتاب کو غلوّ فی الدّین سے منع فرمایا ہے:

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ
کہہ اے اہلِ کتاب نہ کرو مبالغہ بیچ دین اپنے بغیر

الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ
حق کے اور نہ کرو پیروی خواہشوں اُس قوم کی بیشک گمراہ ہو چکے سے پہلے

وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ۝ ۷۷
اور گمراہ کیا بہتوں کو اور گمراہ ہوئے سے راہ سیدھی

(اے رسولؐ!) کہدیجئیگا کہ اے اہلِ کتاب اپنے دین میں ناحق مبالغہ آرائی نہ کرو۔ (بندوں کو خدا نہ بناؤ) اور اُس قوم کی پیروی نہ کرو جو (خدا کے بیٹے کا عقیدہ ایجاد کر کے) پہلے خود گمراہ ہوئے۔ اور پھر بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا اور وہ سیدھی راہ سے بھٹک گئے۔

ع ۱۱ / ۱۴

● اِس سے اگلی آئتِ مجیدہ میں بنی اسرائیل کے متعلق بتایا گیا ہے کہ اِس قوم پر حضرت داؤدؑ و مسیحؑ دونوں نے لعنت بھیجی تھی:۔

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ
لعنت کئے گئے جنہوں نے کفر کیا میں سے بنی اسرائیل کے

عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ
اوپر زبان داؤد اور عیسےٰ بن مریم کے۔ وہ

بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ ۷۸
بسبب اُسکے جو نافرمانی کی اور تھے کرتے سرکشی

بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے (ضابطۂ خداوندی کا) انکار کیا اُن پر حضرات داؤدؑ اور عیسیٰؑ ابن مریمؑ کی زبان سے لعنت کیگئی تھی ۔ وہ اسلئے کہ وہ لوگ اللہ کی حدیں پھاندتے تھے ۔ (ضابطۂ خداوندی کی عملاً مخالفت کرتے تھے)

كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ
تھے نہ رکتے سے برائی کے کرتے تھے اُسے

لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ ۷۹
البتہ بُرا ہے جو تھے وہ کیا کرتے

تھے وہ ایسے کہ بُرائی سے باز نہیں آتے تھے مسلسل بُرائی کرتے جاتے ۔ بیشک کسقدر بُرا ہے جو وہ فعل (ضابطۂ الٰہی کے خلاف) کیا کرتے تھے۔

تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ
دیکھتا ہے تو بہتوں کو میں سے اُنکے دوستی کرتے ہیں جنہوں نے کفر کیا

لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ
البتہ بُرا ہے جو آگے بھیجا واسطے اپنے جانوں انکی نے کہ ناراض ہوا

دیکھتا ہے تو اے دیکھنے والے اُن میں سے اُنکی کثرت کو کہ وہ دوستی کرتے ہیں اُن سے جو ضابطۂ الٰہی کے منکر ہیں۔ البتہ کتنا بُرا ہے جو اُنکے نفس نے اُنکے لئے آگے بھیجا ہے۔ ایسے کہ ناراض ہُوا اللہ اُن پر اور وہ عذاب میں ہمیشہ

اللّٰہُ عَلَیْھِمْ وَفِی الْعَذَابِ ھُمْ خٰلِدُوْنَ ۝۸۰
اللہ اوپر اُنکے اور بیچ عذاب کے وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں

رہنے والے ہیں۔

● آگے فرمایا:-

وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ
اگر ہوتے ایمان لاتے ساتھ اللہ کے اور نبی کے اور جو نازل ہوا
اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ
طرف اسکے نہ بناتے اُنہیں دوست - ولیکن بہت ہیں سے اُنکے
فٰسِقُوْنَ ۝۸۱
ہیں حدیں پھاندنے والے

اگر وہ ایسے ہوتے کہ ایمان لاتے ساتھ اللہ کے اور نبی (مکیؐ) کے اور ساتھ اس (کتاب کے) جو نازل ہوئی طرف اُسکے، تو یہ اُن (مذکورہ کافروں) کیساتھ دوستی نہ کرتے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اِن میں سے اکثریت خدا تعالیٰ کی حدوں کو پھاندنے والی ہے۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ
البتہ پائیگا تو سخت لوگوں میں سے عداوت میں واسطے انکے جو
اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ
ایمان لائے، یہودی ہیں اور وہ بھی جنہوں نے شرک کیا اور تو پائیگا
اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا
قریب تر انکے محبت میں واسطے انکے جو ایمان لائے جنہوں نے کہا
اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَ
بیشک ہم نصرانی ہیں۔ وہ اسلئے کہ اُن میں عالم ہیں اور
رُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝۸۲
خدا خوف ہیں اور بیشک وہ نہیں تکبر کرتے

البتہ (اسے مخاطب!) تو ضرور پائیگا مومنوں کیلئے عداوت میں سخت ترین یہودیوں کو[1]، اور اُنکو جنہوں نے شرک کیا۔ اور ضرور پائیگا تو قریب تر محبت میں واسطے ایمان والوں کے اُنہیں، جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں[2]۔ وہ اسلئے کہ اُن میں ایک گروہ علماء ربانی کا بھی ہے اور ایک گروہ ان میں وہ ہے جو اللہ سے ڈرنیوالے ہیں۔ اور وہ بلاشبہ تکبر نہیں کرتے (وہ لوگ حقیقت شناس، حقیقت پسند اور خدا خوف ہیں، اور وہ پہلے ہی سے مومن ہیں)۔

یہودی مسلمانوں کے شدید ترین دشمن ہیں

● [1] اشد الناس عداوۃ کے الفاظ میں یہودیوں کے متعلق خبر دیگئی ہے کہ وہ مسلمانوں کے شدید ترین دشمن ہیں۔ اسکے برعکس؛-

● [2] زمانۂ رسالت کے عیسائیوں کے ایک گروہ کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ اہلِ ایمان سے محبت میں سب سے قریب ہیں۔

یہاں اس چیز کا ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ یہودیوں کے متعلق قیامت تک کیلئے بتا دیا گیا ہے کہ وہ ہمیشہ کیلئے مسلمانوں کے شدید ترین دشمن رہینگے۔ اور عیسائیوں کے متعلق یہ نہیں کہا گیا کہ وہ قیامت تک مسلمانوں سے محبت کرینگے بلکہ اُن میں سے زمانۂ رسالت کے صرف ایک گروہ کے متعلق خبر دیگئی ہے کہ اُن میں نیک عالموں اور خدا خوف پیروں کا ایک گروہ موجود ہے۔ وہ محبت میں

مسلمانوں کے بہت قریب تر ہیں چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت سے ثابت ہے کہ جب انہوں نے قرآنِ مجید سنا تو انکی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ ہم تو پہلے ہی مسلمان ہیں:-

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى
اور جب سنیں　جو نازل ہوا　طرف رسول کے　دیکھتا ہے تو

اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ
آنکھیں انکی　بہتی ہیں　سے آنسوؤں　بسبب اسکے پہچانا　انہیں سے

الْحَقِّ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ○ ۸۳
حق کے　کہتے ہیں　رب ہمارے　ایمان لائے ہم پس لکھ لے ہم کو ساتھ گواہوں کے

اور جب وہ نیکو کار نصاریٰ سنتے ہیں جو رسولِ عربی کی طرف نازل ہوا۔ تو (اے رسول!) آپ دیکھتے ہیں کہ انکی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ اس سبب سے کہ انہوں نے حق (قرآن) کو پہچان لیا۔ وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم ایمان لائے تو ہمیں اسکی تصدیق کرنیوالوں میں لکھ لے۔

وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ
اور کیا واسطے ہمارے نہ ایمان لائیں ہم ساتھ اللہ کے اور جو آیا ہمارے پاس حق سے

وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ○ ۸۴
اور ہم طمع کرتے ہیں کہ داخل کرے ہمکو رب ہمارا ساتھ قوم نیکوں کے

اور کیا عذر ہے اب ہمارے لئے کہ ہم ایمان نہ لائیں اس پر جو حق (قرآن) ہمارے پاس آگیا ہے۔ حالانکہ ہم طمع کرتے ہیں ہمارا رب ہمیں صالحین کی قوم (صحابۂ رسول) میں داخل کرلے۔

فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ
پھر جزا دی انہیں اللہ نے بسبب اسکے جو کہا انہوں نے باغات، چلتی ہیں ان میں سے

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزَآءُ
نیچے انکے نہریں۔ ہمیشہ رہنے والے بیچ انکے۔ اور مذکورہ بالا بدلہ ہے

الْمُحْسِنِيْنَ ○ ۸۵
احسان کرنیوالوں کا

پھر جزا عطا فرمایا اللہ نے انہیں ہموار و متوازن معاشرہ، (دنیا اور آخرت میں) جس میں (ضروریاتِ زندگی کی) نہریں بہتی ہیں۔ وہ اسمیں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ اور مذکورہ بالا جزا (اللہ کی طرف سے معاشرہ میں) توازن قائم کرنیوالوں کی ہے۔

سارے عیسائی مسلمانوں کے دوست نہیں

● آگے بڑھنے سے پہلے اس غلط فہمی کا دور کرنا ضروری ہے کہ آیت نمبر ۸۲ میں جو نصاریٰ کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ محبت میں مسلمانوں کے قریب تر ہیں تو یہ عام عیسائیوں کے متعلق کہا گیا نہیں بلکہ مدینۃ الرسالت کے کچھ حق شناس عیسائی علماء و مشائخ تھے جو غیر محرف انجیل مقدس میں آنحضورؐ کی تشریف آوری کی خوشخبری پڑھ کر آپکی آمد کے منتظر تھے۔ جب انہوں نے آنحضورؐ کی زبانِ صدق ترجمان سے قرآنِ حکیم سنا تو فوراً پہچان لیا کہ یہ اسی ذات کا نازل کردہ کلام ہے، جس نے انجیل پاک نازل فرمائی تھی۔

● ان پاک لوگوں کو انجیل کی خوشخبری ہے جس کا حوالہ باری تعالیٰ نے $\frac{۷}{۱۸۷}$ + $\frac{۹}{۱۱۱}$ + $\frac{۴۸}{۲۹}$ میں نازل فرمارکھا ہے، جان لیا کہ وہ مقدس ہستی جو مسیحؑ کے بعد تشریف لانیوالی ہے وہ اور اسکے ساتھی سب صالحین ہونگے، اس لئے وہ اپنے اذہان

میں یہ طمع لئے ہوئے تھے کہ وہ اُس مقدس جماعت میں داخل ہو جائیں گے۔ چنانچہ جب اُنہوں نے آنحضور ﷺ کی زبانِ صدق ترجمان سے کلام صدق ترجمان سنا تو آنکھوں میں صدق و محبت کے آنسو اُمنڈ آئے، قرآن پر اور جس ذات پہ نازل ہوا تھا بلا توقف ایمان لے آئے۔ اور آنحضور ﷺ کی مقدس جماعت میں شامل ہو کر سرگرم عمل ہو گئے۔ اس خالص اور سچے ایمان ہی کی جزا خدا تعالیٰ کی طرف ہمیشہ کی جنت اور رضی اللہ عنہم اور رضوا عنہ کی سند زندگی ہی میں عطا کر دی گئی۔ یہ بیان زمانۂ رسالت کے مذکورہ عیسائی حضرات کا ہے۔ نہ تو یہ زمانۂ رسالت کے تمام عیسائیوں کا ہے اور نہ قیامت تک کے عیسائیوں کا۔ جیسے کہ مشاہدہ گواہ ہے کہ عیسائی قوم عموماً اہلِ اسلام کی انتہائی دشمن ہے، اسلامی ممالک میں سازشیں اور انتشار پیدا کرنا، اِسکا مستقل کردار ہے۔ مذکورہ بالا چند افراد کے سوا زمانۂ رسالت کے باقی عیسائیوں سمیت سب انکار کرنے والوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے:

وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓئِکَ
اور جن لوگوں نے انکار کیا اور جھٹلائیں آیتیں ہماری وہ سب
اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ۝۸۶ ع ۹/۱
صاحب ہیں آگ کے

(یہ تو ہوئے ایمان لانیوالے) اور (اُنکے سوا) جنہوں نے ہمارے ضابطے کا انکار کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ سب اہلِ جحیم ہیں (دنیا میں ناہموار معاشرہ کی آگ میں جلیں گے اور قیامت کو ناکامی کی آگ میسر آئیگی۔

تم یہود و نصاریٰ کی طرح نہ ہونا

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں اہلِ کتاب کی اُس نافرمانی کے متعلق خبر دی گئی ہے جو اُنہوں نے اللہ کی حلال چیزوں کو حرام ٹھہرا لیا تھا۔ اہلِ اسلام کو حکم دیا گیا ہے کہ تم ایسا نہ کرنا:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ
اے وہ جو ایمان لائے ہو نہ حرام کرنا پاکیزہ چیزیں جو حلال کیں
اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ
اللہ نے واسطے تمہارے اور نہ سرکشی کرنا۔ بیشک اللہ نہیں پسند کرتا
الْمُعْتَدِیْنَ ۝۸۷
سرکشوں کو

اے وہ لوگو! جو (ضابطۂ الٰہی کیساتھ) ایمان لائے ہو نہ حرام کرنا اُن پاکیزہ (صحت بخش چیزوں) کو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال کر دی ہیں۔ اور اُسکی نافرمانی نہ کرنا۔ بیشک اللہ تعالیٰ نافرمانی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَیِّبًا ۪ وَّ
اور کھاؤ اس میں سے جو رزق دیا تم کو اللہ نے حلال اور پاک، اور
اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝۸۸
ڈرو اللہ سے جس کے تم ساتھ اُسکے ایمان لانیوالے ہو

اور کھاؤ اُس میں سے جو تمہیں اللہ نے رزق دیا ہے حلال اور صحت بخش۔ اور اُس اللہ کے نازل کردہ ضابطے کی مخالفت سے بچو، تم جس کیساتھ ایمان لانیوالے ہو کر ایمان لاچکے ہو۔

● ۱ؕ اہلِ کتاب کے یہودیوں کے متعلق $\frac{۶}{۱۴۶}$ + $\frac{۱۶}{۱۱۸}$ میں بتایا گیا ہے کہ انہوں نے ناخنوں والے جانور اور گائے، بھیڑ بکریوں کی پشت، ہڈیوں اور انتڑیوں کی چربی کے سوا باقی چربی حرام کر رکھی تھی۔

حلال کو حرام ٹھہرانیوالی قسمیں کفارہ ادا کرکے توڑ دیا کرو

● ربطِ کلام کے مطابق اگلی آیت میں اس مشکل کا حل بتایا گیا ہے جو بعض لوگ قسمیں کھا لیتے ہیں کہ فلاں حلال چیز عمر بھر نہ کھاؤں گا۔ نیز جو لوگ تعویز گنڈے استعمال کرتے ہیں، تعویز نویس انہیں کہتے ہیں کہ گائے کا گوشت نہ کھانا ورنہ تعویز اثر نہیں کریگا۔ اور یا کہتے ہیں کہ کوئی ایک سبزی یا پھل یا کوئی دال کھانا چھوڑ دو۔ چنانچہ ہوتا یہ ہے کہ تعویز حاصل کرنیوالے مرد یا عورتیں گائے کا گوشت، بینگن، امرود یا مسور کی دال نہ کھانے کی قسم کھا لیتے ہیں۔ اہلِ اسلام میں ایسی روش یہود و نصاریٰ کے ہاں سے درآمد کردہ ہے۔ قرآنِ کریم نے ہر مشکل کا مقابلہ اللہ کے خود پیدا کردہ مادی ذرائع کیساتھ کرنے کی تاکید کی ہے، اسکے برعکس تکوینی قوانین کا توڑ تعویز گنڈے نہیں بتائے۔

● چنانچہ حلال کو حرام کرنے کیلئے کھائی ہوئی تمام قسموں کے متعلق تاکید کیگئی ہے کہ اگر یونہی مذاق کے طور پر قسم کھائی ہے تو اُسے بلاتوقف توڑ ڈالو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔ اور اگر پکّے ذہنی ارادہ کیساتھ قسم کھائی ہے تو اُسے کفارہ ادا کرکے توڑ دو، اور اللہ کی حلال کردہ نعمتوں کا فوراً استعمال شروع کردو۔ اللہ کے حلال کو حرام ٹھہرانا کفر کے مترادف ہے:-

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيٓ اَيْمَانِكُمْ وَ
نہیں پکڑتا تم کو اللہ ساتھ لغو کے بیچ قسموں تمہاری کے اور

لٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهٗٓ
لیکن پکڑیگا تم کو ساتھ اسکے جو پکا کیا تم نے قسم کو پھر کفارہ اسکا

اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ
کھانا کھلانا دس مسکینوں کو میں سے درمیانہ جو تم کھلاتے ہو

اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ
اہل اپنے کو یا کپڑے پہنانا یا آزاد کرنا ایک گردن کا۔ پھر جو نہ

يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ
پائے تو روزے رکھنا ہے تین دن۔ یہ کفارہ ہے قسموں تمہاری کا

اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ
جب تم قسم کھالو۔ پھر تم حفاظت کرو اپنی قسموں کی، اسی طرح بیان کرتا ہے

(ایمان والو!) اللہ تعالیٰ تمہاری مہمل قسموں پر کوئی مواخذہ نہیں کرتا۔ ولیکن اُن قسموں پر گرفت کریگا، جو تم نے (کسی حلال کو حرام کرنے کیلئے) محکم ارادہ کیساتھ کھائی ہوں۔ پھر قسم توڑنے کا کفارہ دس مسکینوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے جیسا تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو۔ یا دس مسکینوں کو کپڑے پہنانا ہے اور یا ایک غلام یا مقروض کی گردن آزاد کرانا ہے۔ پھر جو کوئی یہ چیزیں نہ پائے (یا متوازن معاشرہ قائم ہو چکا ہو اور کوئی مسکین یا غلام اور مقروض معاشرہ میں موجود نہ ہو تو پھر تین روزے رکھنا ہے۔ مذکورہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا جب تم نے حلفیہ کھائی ہوں۔ اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو (اپنی قسموں سے تم کو تمہاری توبا ہی قسم ہے) اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنی آیتوں کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم اُسکے حلال کو استعمال میں لاکر اُسکے شکرگزار بندے رہو۔

اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ ۸۹

اللہ واسطے تمہارے آیتیں اپنی تاکہ تم شکر کرو

ہر نشہ آور چیز حرام ہے ● پیچھے آیت نمبر ۸۷ میں طیبت یعنی پاکیزہ، صحت بخش چیزوں کو حرام کرنے سے منع کیا گیا ہے، اسی ربط کے مطابق سلسلۂ درس کی اگلی آیت میں حرام چیزوں کی مختصر فہرست پیش کی گئی ہے ہر نشہ آور چیز، بلا محنت مال، وہ مقامات جہاں کسی کے نام کا جھنڈا گاڑ کر نذریں وصول کرنے کا اڈا بنالیا جائے۔ اور جوئے کے تیر، ان سب چیزوں کو اہلِ اسلام، یعنی اُن لوگوں پر جو اللہ، ملائکہ، کتب، رسل اور قیامت پر ایمان لاچکے ہیں حرام کر دیا ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ[1] وَالْمَيْسِرُ[2]

اے وہ جو ایمان لائے ہو بلاشبہ نشہ آور چیزیں اور بلا محنت مال

وَالْاَنْصَابُ[3] وَالْاَزْلَامُ[4] رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ[5]

اور استھان اور جوئے کے تیر ناپاکی ہیں، ہیں سے عمل شیطان کے

فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ ۹۰

بچو اس سے تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ

اے وہ لوگو! جو ضابطۂ خداوندی پر ایمان لائے ہو سوائے اسکے نہیں کہ وہ ہر چیز جو دماغ کو ڈھانپ لے (ماؤف کردے)! اور ہر وہ مال جو بلا محنت حاصل ہو[1] خصوصاً وہ مقام جہاں نذریں وصول کرنے کیلئے جھنڈے گاڑے جائیں[3]، اور جوئے کے تیر[4] یہ سب ایک ہی سطح کے ناپاک شیطانی اعمال ہیں[5]۔ پس اِن سے بچو تاکہ تم دنیا و آخرت میں کامیاب ہو جاؤ۔

الخمر کیا ہے؟ ● [1] لفظ خمر کا سہ حرفی مادہ خ، م، ر ہے، جس کا بنیادی مفہوم ہے ڈھانپ لینا چنانچہ اسی مادہ سے لفظ خمار ہے جس کا معنی ہے وہ بڑی اوڑھنی جو عورتوں کے سارے جسم کو ڈھانپ لیتی ہے۔ قرآنِ کریم میں یہ لفظ جمع کے صیغے میں آیا ہے۔ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۲۴/۳۱ اور چاہیئے کہ عورتیں جب باہر نکلیں تو اپنی بڑی چادریں اپنے گریبانوں پر ڈال لیا کریں۔ لہذا الخمر ہر اُس کھانے پینے کی چیز کو کہا جاتا ہے جو انسانی عقل کو ڈھانپ لیتی ہے۔ اس میں شراب، بھنگ، گانجہ، افیون، چرس، نبیذ اور بھنگ کے پکوڑے وغیرہ شامل ہیں۔

المیسر کیا ہے؟ ● [2] لفظ مَیسر کا سہ حرفی مادہ ی۔ س۔ ر یعنی یسر ہے جس کا بنیادی معنٰی ہے آسانی اور مَیسر ہر اُس مال کو کہتے ہیں جو اُس مشقت کے بغیر آسانی سے حاصل ہو جو اُتنا مال حاصل کرنے کیلئے لازمی ہوتی ہے۔ رشوت یا ملاوٹ کے ذریعہ حاصل کردہ مال، مکانوں کے کرائے، غیر اللہ کی نذریں، سود، مزدوروں اور کاشتکاروں کی محنت سے کارخانہ داروں اور زمینداروں کو گھر بیٹھے حاصل ہونے والا مال سب میسر میں شامل ہیں۔ جوا بھی اسی لئے مَیسر کے زمرے میں آتا ہے کیونکہ جوا مال بھی محنت کے بغیر حاصل ہوتا ہے۔

انصاب کیا ہیں؟ ● [3] لفظ انصاب، نصب کی جمع ہے اسکا مصدری معنٰی ہے گاڑنا۔ اس طرح ہر وہ مکان جہاں

نذریں نیازیں وصول کرنے کیلئے جھنڈا گاڑ دیا جائے خواہ وہاں کوئی بت ہو یا مزار یا محض کوئی آستانہ ہو جہاں لوگوں کی مرادیں پوری کرنے کا تصور دیا گیا ہو، اُسے نصب کہتے ہیں۔ واضح رہے کہ قرآنِ کریم کی رُو سے نذریں نیازیں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں، اور اُنکے چڑھانے کا مقام صرف اور صرف بیت اللہ شریف ہے۔ اسکے برعکس الف ننگے اور مخبوط الحواس کی اقامت گاہ پر جھنڈا گاڑ کر نیازیں وصول کرنے کا اڈا نصب ہے۔ کسی پیر نے عوام کو ڈبے رکھوا کر جھنڈا گاڑ دیا کہ ان میں ڈالی گئی رقم میں سے خرچ کرتے رہو مگر ختم نہ ہوگی۔ اور جب پولیس دخل انداز ہوئی، تو ڈبہ پیر صاحب کا فراڈ بے نقاب ہوگیا۔ اسی طرح بعض مقامات پر روپے اور زیورات دُگنے کرنے کا تصور دیکر روپیہ اور زیورات ہڑپ کر لئے جاتے ہیں۔ یہ سب چیزیں ایک طرف تو اعتقادی خمار ہے جو عقل کو ڈھانپ لیتا ہے کہ کیا کسی ڈبے میں رکھی گئی رقم کے متعلق سوال بھی پیدا ہو سکتا ہے کہ وہ ختم نہ ہوگی؟ اور کیا روپیہ کبھی دُگنا ہو سکتا ہے؟ اور دوسری طرف یہ سارا مال بلا مشقت حاصل کرنے کی بدولت میسر ہے جسے آیتِ مجیدہ ۵/۹۰ میں ناپاک اور عملِ شیطان قرار دیا گیا ہے۔

ازلام کیا ہیں؟ ● جُوا کھیلنے کیلئے کچھ پانسے بنائے ہوتے ہیں جنہیں ہاتھ میں پکڑ کر زمین پر پھینکا جاتا ہے اور اُنکی اُلٹ سیدھ کے مطابق ہار جیت مقرر کی گئی ہوتی ہے۔ عربوں کے ہاں تیروں کیساتھ جُوا کھیلا جاتا تھا جس کا تیر آگے نکل جاتا وہ داؤ پر لگایا گیا سارا مال لے لیتا تھا۔ چونکہ ایسا مال بھی بلا مشقت حاصل ہوتا ہے اسلئے اسے بھی عملِ شیطان اور ناپاک قرار دیدیا گیا ہے۔ لفظ ازلام کی واحد ہے زلم، جس کا سہ حرفی مادہ ز۔ل۔م ہے، اِس مادہ کا بنیادی مصدری معنیٰ گناہ کرنا بھی ہے اور ناک کاٹ دینا بھی ہے۔ جس کا تیر پیچھے رہ جاتا، داؤ پر لگائے ہوئے مال کی ہار کی صورت میں مجازی طور پر اُسکی ناک بھی کٹ جاتی تھی اور وہ مال کے ضیاع کی صورت میں گناہ کا مرتکب بھی ہوتا تھا۔

● یہ آیتِ صدر ۵/۹۰ میں خمر، میسر، انصاب اور ازلام چاروں چیزیں بصورتِ مُبتدا لاکر ان سب کی واحد خبر لائی گئی ہے یعنی رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ۔ یعنی یہ چاروں ایک ہی سطح کی قلبی نجاست ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ چاروں چیزیں انسانی عقل کو ڈھانپ لیتی ہیں، ماؤف کر دیتی ہیں۔ پہلے نمبر پر خمر یعنی نشہ آور اشیاء سے تو بالفعل دماغ ماؤف ہو جاتا ہے۔ اور دوسرے نمبر پر بلا مشقت مال حاصل کرنیوالے کا دماغ انسانی سطح پر نہیں رہتا۔ مالک مکان کرایہ دار کو، زمیندار مزارع کو اور کارخانہ دار مزدوروں کو اور پیر مُریدوں کو ایک سیکنڈ کیلئے بھی اپنی سطح کے انسان سمجھنے کیلئے تیار نہیں ہوتے۔ عقل میں فتور آجاتا ہے۔ دماغ ماؤف ہو جاتا ہے۔

● اور اس سے آگے تیسرا نمبر ہے انصاب کا جن سے بھی بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہاں بھی وہی حال ہے کہ جُونہی کسی نصب، آستانہ یادگاہ سے منسلک ہوئے دماغ ماؤف ہوگیا۔ پیر صاحب خود عرصہ دراز سے بیمار پڑے ہیں لیکن اُنہی سے اپنی بیماری کیلئے پانی دم کرایا جا رہا ہے۔ پیر صاحب خود بے اولاد ہیں مگر اولاد کیلئے اُنہی سے تعویذ لئے جا رہے ہیں۔ پیر طب

کی خود بیوی کے ساتھ نا چاکی ہے مگر خانگی حالات کے سُدھار کیلئے اُنہی سے دعا کرائی جارہی ہے - کیا دماغ ماؤف نہیں ؟ اس سلسلے کی آخری چیز ہے ازلام یعنی موئے کے تیر - یاد رہے کہ جُوا بھی دماغ کو معطل کر کے رکھ دیتا ہے - کل بیوی کی بالیاں بیچ کر ہرا دی تھیں اور آج اُس بچاری کا ہار بیچ کر ہرا دیا ہے - کیا یہ عقل گم کردگی کی علامت نہیں تو اور کیا ہے ؟ قربان جائیے ذاتِ باری کے، کس طرح خمر، میسر، انصاب اور ازلام کو ایک ہی سطح کا شیطانی عمل قرار دیکر واضح کر رکھا ہے کہ جس طرح خمر عقل کو ڈھانپ لیتا ہے، اسی طرح باقی تینوں بھی عقل پر چھا جاتی ہیں -

خمر اور میسر دونوں منبعِ بُغض و عداوت ہیں

● سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں خمر و میسر کی ایک خصوصیت بیان کی گئی ہے کہ ان سے باہمی بغض و عداوت پیدا ہوتا ہے - چنانچہ ارشاد ہوا ہے :-

اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ
بیشک ارادہ کرتا ہے شیطان کہ ڈالدے درمیان تمہارے
الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ
عداوت اور بغض بذریعہ نشہ اور بلا مشقت مال کے اور روکدے تم کو سے ذکر
اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝۹۱
اللہ کے اور سے مرکزی نظام کے - پس کیا تم باز آنیوالے ہو

سوائے اسکے اور کوئی بات نہیں کہ شیطان (نفس امارہ) ارادہ کرتا ہے کہ تمہارے درمیان نشہ آور چیزوں اور بلا مشقت مال حاصل کرنے کے ذریعہ دشمنی اور نفرت پیدا کر دے اور تمہیں اللہ کے ذکر (قرآنی تعلیم) سے روکدے - خصوصاً تمہیں (ذاتی مفاد کے چکر میں پھنسا کر متوازن معاشرہ، نظام) صلوٰۃ سے روکدے پھر اس وضاحت کے باوجود کیا تم خمر و میسر سے باز آنیوالے ہو ؟

● نشہ کا عادی تو صرف نشہ کا دوست ہے - نشہ نہ ملے تو والدین اور اولاد تک کا دشمن ہے :-
پُورا خاندان جائے بھاڑ میں، گھر کے برتن اور بستر تک بیچ کر نشہ پورا کرتا ہے - اسی طرح کارخانہ دار کو مزدور کیا تو، زمیندار کو مزارع کیا تو کوئی ہمدردی نہیں ہوتی جن کی کمائی میسر پہ یہ لوگ دادِ عیش دیتے ہیں - اِن فریقین کے اذہان میں ایکدوسرے کی پوشیدہ عداوت ہر آن موجود ہوتی ہے -
● کارخانہ دار اور زمیندار، مزدوروں مزارعوں کے زورِ بازو کا کمایا ہوا لکھو کھا روپیہ سمیٹے چلے جاتے ہیں مگر اُنہیں اتنی اُجرت دیتے ہیں کہ وہ صرف زندہ رہ سکیں - مزدور بچارہ ہزار کہتا رہے کہ میرا چار سو روپیہ ماہوار میں گزارہ نہیں ہوتا مگر کارخانہ دار کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی - اور یہی حال زمیندار کا ہے کہ جانتے بوجھتے مزارعوں کی معاشی حالت کو تنگ کیئے رکھتے ہیں -
● اِنہی حقائق کے مطابق ۹۱/۵ میں خبر دی گئی ہے کہ خمر و میسر باہمی بغض و عناد پیدا کرتے ہیں - نشہ کے عادی فرد اور اُسکے اپنے افرادِ کنبہ میں عناد پرورش پا رہا ہوتا ہے، کارخانہ دار اور مزدوروں میں، زمیندار اور مزارعوں میں دائمی عداوت کے جذبات موجزن رہتے ہیں - لیکن بچارے مزدور اور مزارع اپنی کمزوری اور بے بسی کی بدولت اُنکے ظلم

ظلم کی چکی میں پستے رہتے ہیں۔

غلط معاشرہ کا واحد حل

● آیت زیرِ بحث میں ایسے غلط معاشرہ کا ایک ہی حل بتایا گیا ہے اقامتِ صلوٰۃ اور استفہام انکاری کے حصر فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ میں اس نظام کے مخالف نظام سے باز رہنے کی تاکید تنبیہی کیگئی ہے۔ اہلِ علم سے مخفی نہیں کہ استفہام کے ذریعہ کیگئی تنبیہہ سے سزنابی اللہ تعالیٰ کی انتہائی ناراضگی کا موجب ہوتی ہے۔ عالمِ اسلام پر جو ہر وقت مصائب و ادبار کے بادل چھائے رہتے ہیں کیا اِنکی وجہ یہی تو نہیں کہ ہر اسلامی ریاست، ہر مسلمان قوم اور ہر مسلمان فرد اجتماعی نظام کی بجائے اُس انفرادی مفاد پرستی کا پرستار ہو چکا ہے، جس کے متعلق مُنْتَبہ کیا گیا ہے فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ کیا تم اِس سے باز آنیوالے ہو تو کیا ہم باز آنے کیلئے تیار ہیں؟

نظامِ صلوٰۃ یعنی متوازن معاشی نظام اللہ کے رسولؐ کے ہاتھوں قائم ہو گا

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بالفاظِ مخصوص حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کے رسولؐ کیساتھ مل کر نظامِ صلوٰۃ (متوازن معاشرہ) قائم کرو۔ جس میں نہ انفرادی مفاد کوشی کی گنجائش ہو گی۔ نہ اُس میں کوئی بالا دست ہو گا، نہ زیر دست۔ نہ اُس میں خمر، میسر، انصاب اور ازلام جیسے دماغ کو ماؤف کرنے والے انسانیت سوز تصوّرات راہ پا سکینگے۔ اور نہ اُن کی بدولت معاشرہ کے ہر گوشے میں بُغض و عناد در پردہ پرورش پا رہے ہونگے۔ ارشاد ہوا ہے:

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا
اور حکم مانو اللہ کا بذریعہ حکم اُسکے رسول کے، اور بچ جاؤ
فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ
پھر اگر تم روگردانی کرو تو جان لو کہ بیشک اوپر رسول ہمارے کے پہنچا دینا ہے
الْمُبِيْنُ ۝۹۲
ظاہر

(ایمان والو! خمر، میسر انصاب اور ازلام سے بچو) اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو بذریعہ اطاعت کرنے اُسکے رسولؐ کے اور (اللہ کے احکام کی مخالفت سے) بچو۔ اگر تم نے روگردانی کی تو جانے رہو کہ (انہی اندھیر گردیوں میں پھنسے رہوگے) اسکے سوا کوئی بات نہیں کہ ہمارے رسولؐ کے ذمّہ ہمارے پیغام کو ظاہر طور پر پہنچا دینا ہے۔

● اس حکم کے مطابق ظاہر ہے کہ جب لوگ اللہ کے رسولؐ کیساتھ مل کر اللہ کی اطاعت کرینگے تو یقیناً یقیناً ہموار و متوازن معاشرہ عالمِ وجود میں آئیگا۔ جس میں نہ انفرادی کارخانہ داریوں، زمینداریوں، جاگیر داریوں اور مشیخیت کے ذریعہ حاصل کردہ مَیسر یعنی مُفت کے مال کے حصول کی گنجائش ہو گی اور نہ اُس نظام میں کوئی نشہ آور چیز راہ پا سکے گی۔

● اطیعوا اللہ و اطیعوا الرّسول کی مفصّل بحث کیلئے دیباچہ کا عنوان نمبر ۲۶ صفحہ ۵۹ ملاحظہ فرمائیں ۔۔۔

یہاں اتنا عرض کرنا ہے درمیانی واؤ کا معنیٰ ہے "بذریعہ" (قرآنی سند کیلئے دیباچہ کا صفحہ ۸۷) اس قسم کی آیتوں سے اللہ اور رسول ﷺ کی دو الگ الگ اطاعتیں تسلیم کرنا $\frac{6}{57}$ + $\frac{12}{40}$ + $\frac{18}{26}$ کے خلاف ہیں جہاں حصر کیساتھ کہہ دیا گیا ہے اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (متنبہ رہو کہ) اللہ کے سوا کسی کا حکم ہے ہی نہیں ۔ لَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ اَحَدًا $\frac{18}{26}$ وہ اپنے حکم میں کسی ایک کو بھی شریک نہیں کرتا ۔ پس اطیعوا اللہ، و اطیعوا الرسول کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ اکیلے اللہ کی اکلوتی اطاعت کرو اُسکے بھیجے ہوئے رسول ﷺ کے ذریعہ ۔ اور اللہ کے رسول لائے ہیں اللہ کی کتاب قرآن کریم، جس میں اللہ تعالیٰ کی واحد فرمانبرداری کے جملہ احکام محفوظ موجود ہیں ۔ آپ نے انہی کی فرمانبرداری کرائی تھی ۔

قرآنی معاشرہ بتدریج ارتقائی منازل طے کرتا ہوا آخری منزل تک پہنچ جائیگا

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں خبر دی گئی ہے کہ رسولِ مقبول ﷺ کے ذریعہ اطاعت کرتے ہوئے صحابہ رضی اللہ عنہم ایمان، و اتقاء میں بتدریج آگے آگے بڑھتے چلے جائینگے ۔ رسول اکرم کے قائم کردہ متوازن نظام میں کھانے پینے کی چیزوں کی کمی نہیں ہوگی، اور ایمان و اتقاء ترقی کرتے کرتے حسن و توازن کی آخری منزل تک پہنچ جائینگے ۔

● محوّلہ آیت مجیدہ پیش کرنے سے پہلے اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ ہو سکتا ہے کسی قاری کے ذہن میں یہ سوال گردش لے رہا ہو کہ جملہ اطیعوا اللہ، و اطیعوا الرسول کیساتھ ہموار و متوازن معاشرہ کے قائم کرنے کا کیا تعلق ؟
جواباً عرض ہے کہ خدا تعالیٰ نے اعلان کر رکھا ہے وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ؀ $\frac{28}{51}$ اور بیشک ہم نے اپنے قول قرآن مجید کو باہم متوصّل کر دیا ہے تاکہ لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں ۔ اس آیت مجیدہ کے مطابق ہر مقام پر سیاق و سباقِ کلام کی مطابقت لازم ہے ۔ سیاقِ کلام میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ ناہموار معاشرہ کی چار اہم شقوں خمر، میسر، انصاب اور ازلام سے منع کر کے ' استفہامیہ انداز میں ارشاد فرمایا ہے کہ کیا تم ان سے باز آنے والے ہو؟

● اور ساتھ ہی نفسِ امارہ شیطان کی خبر دی گئی ہے کہ وہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے ہدایت کردہ نظامِ صلوٰۃ یعنی متوازن معاشرہ سے روکتا ہے ۔ یہ تو ہوا سیاقِ کلام اور سباقِ کلام یعنی اگلی آیت مجیدہ میں بھی ایسے ہی متوازن معاشرہ کی یہ اہم خبر دی گئی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا نتیجہ یہ ہوگا کہ معاشرہ میں کھانے پینے کی چیزیں بافراغت میسر آئینگی ۔ تنگی اور دشواری کا گزر تک نہ ہوگا ۔ اتقا کی دشوار گزار منزلیں بآسانی طے ہوتی چلی جائینگی ۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
نہیں اُوپر اُنکے جو ایمان لائے اور عمل کئے اچھے

جو لوگ (ضابطۂ خداوندی پر) ایمان لائیں اور اصلاحِ معاشرہ کے کام کریں (جب وہ تعمیر یعنی استحصال)

جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوٓا إِذَا مَا اتَّقَوا وَّآمَنُوا وَعَمِلُوا
کوئی حرج بیچ اسکے کھائیں جب جو بچیں اور ایمان لائیں اور عمل کریں
الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوا وَّآمَنُوا ثُمَّ اتَّقَوا وَّأَحْسَنُوا ۚ
اچھے پھر بچیں اور ایمان لائیں پھر بچیں اور بھلائی کریں
وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝ ۹۳
اور ہے اللہ پسند کرتا بھلائی کرنیوالوں کو

ع ۱۲/۲

سے بچ جائیں اور اصلاحِ معاشرہ کے کام کریں تو اُنکے لئے با فراغت کھانے میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہیگی (کیونکہ ترکِ استحصال ہی سے متوازن معاشرہ قائم ہوجائیگا جس میں ہر فرد کو بافراغت کھانے کو ملیگا) پھر وہ (استحصال سے) اور زیادہ بچیں اور اس پر ایمان میں مزید پختہ ہوجائیں۔ پھر (استحصال، مَیسر سے اور زیادہ بچیں اور (معاشرہ میں مکمل حُسن و توازن پیدا کریں (تو اللہ اُنہیں پسند کریگا) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ معاشرہ میں توازن پیدا کرنیوالوں کو پسند کرتا ہے۔

اٰمَنُوا، اور ثُمَّ اتَّقَوا کا تین مرتبہ کا تکرار

● آئتِ زیرِ نظر میں کھانے کی فراغت اور مَیسر یعنی استحصال سے بچنے کے تین مرتبہ کے تکرار کی خبر سے دوپہر کے سورج کی طرح عیاں ہے کہ قرآنی ہموار و متوازن معاشرہ کی راہ میں رکاوٹ صرف سرمایہ دارانہ استحصالی نظام ہے۔ جس میں ہر طرف مَیسر یعنی استحصال کی چکی چل رہی ہوتی ہے۔ مزارعے کماتے ہیں اور زمیندار عیش کرتے ہیں۔ مزدوروں کی خون پسینے کی کمائی کو شبانہ روز کارخانہ دار سمیٹا چلا جاتا ہے۔ مریدوں کی محنتِ شاقہ کے ماحصل میں پیر صاحبان مُفت کے حصہ دار بنے رہتے ہیں۔ اسلئے استحصال کے خاتمہ پر تکرار زور دیا گیا ہے۔

● نیز تین مرتبہ کے ثُمَّ اتَّقَوا وَّ اٰمَنُوا کے تکرار سے ثابت و بیّن ہے کہ اہلِ ایمان جُوں جُوں استحصال سے بچنے، اسکا خاتمہ کرتے چلے جائینگے تُوں تُوں متوازن معاشرہ اپنی ارتقائی منزلیں طے کرتا ہوا آخری منزل پر پہنچ جائیگا ورنہ صاف ظاہر ہے کہ ایک مرتبہ کے اٰمنو و عملوا الصّٰلحٰت کے بعد ثُمَّ کی ترتیب و تراخی کیا تھی پھر تین مرتبہ کے ثُمَّ اتَّقَوا وَّ اٰمَنُوا کا کیا مطلب؟

مومنوں کے اِتّقا کا امتحان

● اس سے اگلی آئتِ مجیدہ میں سورۂ مائدہ کی سابقہ آئتوں میں مربوط و مسلسل مضامین کی وضاحت کے بعد سورہ مائدہ کی آئتِ اوّل اُحِلَّتْ لَكُم بَهِيمَةُ الانعام کی طرف رُخ کیا گیا ہے۔ جس میں جُگالی کرنے والے چوپایوں کو حلال قرار دیکر، انہی میں سے استثنے بیان ہوئی ہے اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَأَنتُمْ حُرُمٌ ۔ یعنی بهيمة الانعام کی وہ چیزیں حرام ہیں جو تم پر پڑھی جائینگی۔ اور اُنکا اُس حالت شکار کرنا بھی حرام ہے جب وقت کہ تم ایام حج میں بیت الحرام سے سالانہ اجتماع کے لئے آئے ہوئے ہو۔ ما يتلى عليكم کی وضاحت تو ۵ میں گزر چکی ہے کہ بهيمة الانعام کا مُردہ، خون، غدود کا گوشت، غیر اللہ کی طرف منسوب کردہ، گلا گھٹ کر مرا، لاٹھی مارنے سے مرا، گر کر مرا،

بینگ لگنے سے مرا، درندے کے مارنے سے مرا، کسی استھان پر ذبح ہوا اور جوئے کے تیروں کیساتھ تقسیم کیا گیا، سب حرام ہیں۔ اسکے بعد ایامِ حج میں حلال جانوروں کے شکار کی مخالفت کا مخصوص حکم متصلہ آیت مجیدہ نمبر ۹۴ میں بالفاظِ ذیل نافذ فرمایا گیا ہے:-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو البتہ ظاہر کریگا تمکو اللہ ساتھ ایک چیز کے

مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ

میں سے شکار کے پہنچیں اُس تک ہاتھ تمہارے اور نیزے تمہارے تاکہ ظاہر کرے

اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ

اللہ اُسے جو ڈرتا ہے اُس سے علیحدگی میں۔ پھر جو کوئی سرکشی کرے پیچھے

ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۹۴

اُسکے پس، واسطے اُسکے سزا ہے دردناک

اے وُہ لوگو! جو ضابطۂ الٰہی پر ایمان لائے ہو تمہیں اللہ تعالیٰ (تمہارے اتقا کو) ایک چیز کیساتھ ظاہر کرتا ہے (وہ بہیمۃ الانعام کا شکار ہے کہ ایامِ حج میں) اُس تک تمہارے ہاتھ بھی پہنچتے ہوں اور تمہارے تیر بھی پہنچتے ہوں۔ تاکہ اللہ تعالیٰ ظاہر کر سے اُس شخص کو جو اللہ سے تنہائی میں ڈرتا ہے (جب اللہ کے سوا کوئی اور موجود نہ ہو) پھر جو کوئی اس حکم کے بعد نافرمانی کریگا تو اُسکے لئے (ضابطۂ الٰہی میں) دردناک عذاب ہے۔

● لہ تعلیم کا مصدری معنیٰ ظاہر کرنا $\frac{2}{141}$ + $\frac{9}{16}$ میں موجود ہے لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ، ابھی اللہ نے جانا نہیں، یہ معنیٰ غلط ہے۔ اور ابھی ظاہر نہیں کیا ٹھیک ہے۔

ایامِ حج میں برّی شکار منع کیوں؟

● ایامِ حج میں برّی شکار اسلئے ممنوع قرار دیا گیا ہے کہ اُن دنوں میں بیت الحرام کے گرد اگرد لاکھوں افراد کا اجتماع ہوتا ہے۔ جن میں اکثر افراد کا ضروریات کے مطابق (قضاءِ حاجت وغیرہ کیلئے) ادھر اُدھر دُور نکل جانا بھی ممکن ہے۔ ایسے حالات میں برّی شکار کی اجازت خطرناک ہے کہ شکاری جس چیز کو دُور سے شکار سمجھ رہا ہو وہ کوئی انسانی جان نہ ہو، اور یہ اُس پر تیر چلادے یا فائرنگ کردے۔ چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں اسی چیز کے حفظِ ماتقدم کیلئے، ایمان والوں کے نام اعادۂ خطاب کیساتھ ارشاد ہوا ہے:-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَ

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو نہ قتل کرنا برّی شکار جبکہ

اَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗءٌ

تم حالتِ احرام میں ہو اور جو اُسے قتل کرے تم میں سے ارادۃً تو سزا ہے

مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ

مانند جو قتل کرے میں سے چوپائے کے۔ فیصلہ کریں ساتھ اُسکے دو عدل والے تم میں سے

اے ایمان والو! نہ قتل کرنا برّی شکار کو جب تم (ایامِ حج میں) حالتِ احرام میں ہو۔ اور جو کوئی اُسے تم میں سے جان بوجھ کر قتل کرے تو اُسکی سزا اُس (سزا) کے مثل ہے جو کسی نے کسی چوپائے کو قتل کیا ہو۔ اِس سزا کا فیصلہ تم میں سے دو صاحبِ عدل افراد کریں کہ کونسا چوپایہ مقتول جانور کے برابر کا ہے) وُہ نیازِ کعبہ ہوگا (جو بیت الحرام کے

هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ
ہدیہ پہنچنے والا کعبہ کو - یا بدلہ ہے کھانا مسکینوں کا
اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ
یا بدلہ ہے اُسکا روزے رکھنا تاکہ وہ چکھے سزا اپنے جرم کی۔
عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ
معاف کیا اللہ نے اُسے جو ہو چکا - اور جو کوئی اعادہ کرے تو انتقام لیگا اللہ اُس سے۔
وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝ ۹۵
اور ہے اللہ غالب بدلہ لینے والا

بیت المال میں پہنچایا جائیگا) یا اُسکا کفارہ (دو اصحابِ عدل کی مقررہ تعداد کے) مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے - یا اِسکے برابر (دو اصحابِ عدل کے فیصلے کے مطابق) روزے رکھنا ہے تاکہ مجرم اپنے جرم کی سزا کا مزہ چکھے - اِس حکم سے پہلے جو کچھ ہو چکا، اُسے اللہ تعالیٰ معاف کرتا ہے - اور جو کوئی دوبارہ ایسا کرے تو اُس سے اللہ ضرور ضرور بدلہ لیگا (سزا دیگا) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ غالب سزا دینے والا ہے۔

● ۱؎ ایامِ حج میں برّی شکار کرنے کیلئے قتل کا لفظ اسلئے لایا گیا ہے کہ اُن ایام میں برّی شکار کرنا منع ہے - حالانکہ ایامِ حج کے سوا باقی دنوں میں نہ برّی شکار ممنوع اور نہ اسے ایک چوپایہ کے قتل کے مصداق قرار دیا گیا ہے - ممنوعہ ایام میں شکار کو قتل قرار دیکر قانون کی اہمیت بتائی گئی ہے - اگرچہ شکار کرنے والے سے کسی انسانی جان کو کوئی نقصان یا تکلیف نہیں پہنچتی - لیکن اگر قانون شکنی کی سزا نہ دیجائے تو قانون بے اثر ہو کر رہ جاتا ہے۔

● ۲؎ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ کے الفاظ میں یہ فیصلہ کرنا دو اصحابِ عدل پر منحصر کر دیا گیا ہے کہ وہ مجرم کے جرم کی نوعیت کے مطابق فیصلہ دینگے کہ یہ قتل کس حلال چوپائے کے قتل کے برابر ہے - مجرم کو ویسا ہی ایک چوپایہ نیازِ کعبہ کے طور پر بیت الحرام کے بیت المال میں پہنچانا ہوگا - اور دو اصحابِ عدل ہی فیصلہ دینگے کہ مجرم اتنے مسکینوں کو کھانا کھلائے اور اگر مجرم اِن چیزوں کی طاقت نہ رکھتا ہو تو پھر دو منصف فیصلہ کرینگے کہ مجرم اپنے جرم کے کفارہ کے طور پر اتنے روزے رکھے۔ یہ سب کچھ اصحابِ عدل کی صوابدید پر منحصر کر دیا گیا ہے۔

ایامِ حج میں بحری شکار کی اجازت

● برّی شکار چونکہ تیر یا بندوق سے کیا جاتا ہے اسلئے اس خطرہ کے پیشِ نظر کہ غلطی سے کوئی انسانی جان شکار نہ ہو جائے، اسلئے اسے جرم قرار دینے کے بعد بحری شکار کی اجازت اسلئے دیدی گئی ہے کہ وہ کانٹے یا جال سے کیا جاتا ہے، جس میں کسی انسانی جان کو کسی قسم کی گزند پہنچنے کا احتمال نہیں چنانچہ ارشاد ہوا ہے:-

اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ
حلال کیا گیا واسطے تمہارے شکار دریا کا اور کھانا اُسکا فائدہ واسطے تمہارے
وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ
اور واسطے مسافر کے - اور حرام کیا گیا اوپر تمہارے شکار خشکی کا جبتک ہو تم

تمہارے لئے (ایامِ حج میں) دریا کا شکار کرنا بھی حلال کیا گیا ہے اور اُسکا کھانا بھی - یہ تمہارے لئے بھی فائدہ ہے اور ہر مسافر کیلئے بھی فائدہ ہے - اور تم پر خشکی کا شکار اُسوقت تک حرام کیا گیا ہے جبتک کہ تم حالتِ احرام میں ہو - اور اُس

حُرُمًاؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْۤ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝۹۶
حالتِ احرام میں۔ اور ڈرو اللہ سے جو طرف اُسی کے تم اکٹھے کئے جاؤ گے

ذات (کے احکام کی مخالفت) سے بچو، جس کی طرف تم سب (اعمال کی جوابدہی کیلئے) اکٹھے کئے جاؤ گے۔

اہمیت مرکزیت بیت الحرام

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ کعبہ مکرمہ کو پوری نوعِ انسانی کے مرکزی مقام کی حیثیت دی گئی ہے تاکہ پوری نوعِ انسانی کو اپنے قدموں پر کھڑا کیا جائے۔ اعلیٰ و ادنیٰ کا امتیاز ختم ہو جائے۔ کوئی بالادست فرد یا قوم کسی زیردست فرد یا قوم کے پیدائشی حقوقِ ربوبیت پر ڈاکہ نہ ڈال سکے:

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ قِیٰمًا
ٹھہرایا اللہ نے کعبہ گھر عزت والا کھڑا کرنا
لِّلنَّاسِ وَ الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَ الْهَدْیَ
نوعِ انسانی کو اور مہینے حرمت والے اور تحائف
وَ الْقَلَآىِٕدَؕ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ
اور پٹے والے جانور۔ وہ اسلئے کہ بیشک اللہ جانتا ہے
مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ وَ اَنَّ
جو کچھ آسمانوں کے اور جو کچھ زمین کے اور بیشک
اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝۹۷
اللہ ساتھ ہر چیز کے جاننے والا ہے

اللہ تعالیٰ نے کعبہ مکرمہ کو جو اُسکا حرمت والا گھر ہے، نوعِ انسانی کو قدموں پر کھڑا کرنیوالا ٹھہرایا ہے۔ اور حرمت والے ($\frac{9}{36}$ چار) مہینوں کو بھی (جن میں جنگ کرنا حرام کر دیا گیا ہے) اور (کعبہ مکرمہ پہنچائے جانیوالے تحائف کو بھی (اور پٹے والے جانور (جو حج کے موقع پر کعبہ مکرمہ پہنچائے جاتے ہیں) اُنکو بھی نوعِ انسانی کو قدموں پر کھڑا کرنے والے ٹھہرایا ہے۔ وہ اسلئے کہ تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور بلاشبہ اللہ (کائنات کی) ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

پوری نوعِ انسانی کو قدموں پر کھڑا کرنے کے چار اہم ذرائع

● آیت بالا میں کعبہ بیت الحرام[1]، حرمت والے چار مہینے[2]، نیازِ کعبہ کے تحائف[3] اور نیازِ کعبہ کے جانور، سب کو قِیٰمًا لِّلنَّاس قرار دیا گیا ہے۔ لفظ قیٰماً مادہ ق۔و۔م قوم سے ہے۔ جس کا بنیادی معنیٰ ہے کھڑا ہونا۔ تو گویا النّاس، یعنی پوری نوعِ انسانی کو قدموں پر کھڑا کرنے کا ذریعہ ہیں مذکورہ بالا چاروں چیزیں خالصۃً حج بیت اللہ سے متعلق ہیں:۔

۱۔ کعبہ بیت الحرام ہے نوعِ انسانی کا امن مرکز $\frac{2}{125}$ + $\frac{3}{97}$، جہاں حج کی سالانہ عالمی امن کانفرنس منعقد ہو گی۔
۲۔ حرمت کے چار مہینے وہ ہیں کہ ان میں جنگ بند کر کے سالانہ امن کانفرنس میں اطراف و اکناف سے آنیوالوں کیلئے چوطرفہ راستوں کو پُرامن بنانا مقصود ہے۔ یعنی ان کا تعلق بھی عالمی امن مرکز کیساتھ ہے۔
۳۔ نیازِ کعبہ کے تحائف جو عالمی امن مرکز میں حج کے موقعہ پر پہنچائے جاتے ہیں نقدی اور اجناس وغیرہ۔
۴۔ نیازِ کعبہ کے جانور جو حج کی سالانہ کانفرنس میں عالمی امن مرکز میں پیش کئے جاتے ہیں، اس پُورے تردد و

تکلف کی غرض وغایت ہے اقوام عالم کا سالانہ اجتماع حج۔ اور اس اجتماع کی غرض ہے قِیٰمًا لِّلنَّاسِ یعنی پوری نوعِ انسانی کو قدموں پر کھڑا کرنا۔ جس میں نہ کوئی بالادست رہے نہ زیردست۔

● **الحقد** : حج کی غرض یہ ہے کہ قوموں کے وہ مسائل جن کیلئے وہ جنگ کی آگ بھڑکاتی ہیں، اللہ کے مقدس گھر میں حاضر ہو کر مرکز کے حکم کے مطابق ختم کرلئے جائیں۔ ہر حکومت، مرکز کے حکم کی پابند ہو تاکہ کرۂ ارض سے جنگ وجدال کا مطلقاً خاتمہ ہوجائے۔ چار ماہ کیلئے حکماً جنگ بند کر کے جب وہ اللہ کے گھر میں اُسکے حضور حاضر ہونگے تو فریقین کا ضد اور ہٹ دھرمی سے الگ ہوجانا بہت ممکن ہوجائیگا۔ امن کانفرنس میں متنازعہ مسائل پیش کئے جائینگے اور مرکز اُنکا صحیح فیصلہ دے گا۔ نتیجہ یہ کہ ضد وتعصب کی بدولت بچھڑی ہوئی سلطنتیں، قومیں اور مُلک گلے مل جائیں گے۔

حرمت والے مہینے، ہدی اور قلائد شعائر اللہ ہیں

● سورہ مائدہ کی ابتدا میں حکم دیا گیا ہے۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَ لَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَ لَا الْهَدْیَ وَ لَا الْقَلَآئِدَ $\frac{5}{2}$ ایمان والو! بے حرمتی نہ کرنا اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی یعنی نہ حُرمت والے مہینوں کی بے حرمتی کرنا، نیازِ کعبہ کے تحائف کی، اور نہ نیازِ کعبہ کے جانوروں القلآئد کی۔

۱۔ حرمت والے مہینوں کی بے حرمتی

● حُرمت والے چار مہینے شعائر اللہ ہیں $\frac{5}{2}$، انکی حرمت ہے ان مہینوں میں جنگ نہ چھیڑنا، اور چھڑی ہوئی جنگ کو بند کردینا۔ اور انکی بے حرمتی ہے، ان میں جنگ چھیڑ دینا یا چھڑی ہوئی جنگ کو بند نہ کرنا۔

۲۔ ہدی کی بے حرمتی

● ہدی یعنی نیازِ کعبہ کیلئے پیش کئے گئے تحائف نقدی، اسلحہ اور اجناس بھی شعائر اللہ ہیں $\frac{5}{2}$، انکی حرمت ہے انہیں حکم الٰہی $\frac{5}{97}$ کے مطابق نوعِ انسانی کو قدموں پر کھڑا کرنے کیلئے صرف کرنا۔ اور انکی بے حرمتی ہے اس قرآنی غرض کو پس پشت پھینک کر اسکے سوا دوسرے کاموں پر خرچ کردینا۔ اور یہ بھی کہ ہدی اور قلائد کو ایک ٹھہرا کر نیازِ کعبہ کیلئے صرف جانور قرار دیدینا اور جملۃ المسلمین کے ہدیوں، نذروں یعنی نقدی اور اجناس وغیرہ کو جنہیں اللہ تعالیٰ نے خالص کعبہ مکرمہ کیلئے مختص کر رکھا ہے $\frac{22}{29}$ انہیں ردمتوں، آستانوں، درگاہوں اور قبروں پر چڑھاوے چڑھانا۔

۳۔ قلائد کی بے حرمتی

● قلائد سے مُراد ہیں وہ جانور جو نیازِ کعبہ کیلئے حج کے موقعہ پر عالمی امن مرکز میں پیش کئے جائیں، وہ بھی شعائر اللہ ہیں، اُنکی حرمت یہ ہے کہ اُنہیں ضرورت کے مطابق ذبح کیا جائے اور کھایا جائے۔ اور اُنکی بے حرمتی ہے ضرورت سے زائد ذبح کرنا اور کھانے کی بجائے ریت میں دبا دینا یا خندقوں اور کھائیوں میں پھینک دینا۔

ایک لمحۂ فکریہ

● یہاں پہنچ کر عقلمندوں کیلئے عموماً اور علماء کرام کیلئے خصوصاً ایک لمحۂ فکریہ ہے کہ ۵/۲ میں دیئے گئے حکم کہ شعائر اللہ کی بے حرمتی نہ کرنا، انکی بے حرمتی کرکے اس حکم کی نافرمانی تو نہیں کر رہے ؟ ۲۲/۳۲ میں شعائر اللہ کے متعلق ارشاد ہوا ہے وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ ○ ۲۲/۳۲ اور جو کوئی شعائر اللہ کی عظمت کرے تو بیشک یہ قلوب کے تقوٰی کے کاموں میں سے ہے ۔ اس آئت مجیدہ کے مطابق کیا شعائر اللہ کی بے حرمتی کرنا قلوب کے تقوٰی سے صد فیصد محرومی نہیں ؟ جس کا جیتا جاگتا ثبوت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کعبہ بیت الحرام، حرمت والے مہینوں، ہدی اور قلائد کو ۵/۹۷ کے مطابق نوعِ انسانی کو قدموں پر کھڑا کرنے کا ذریعہ ٹھہرایا ہے مگر نوعِ انسانی تو دُور کی چیز ہے، خود مسلمان بھی اپنے قدموں پر کھڑے ہوئے نہیں پائے جاتے ۔ فاعتبروا یٰاُولی الابصار !

تکوینی نظام کی شہادت

● آئت زیر نظر ۵/۹۷ کے آخری الفاظ میں خدا تعالیٰ نے اپنے تکوینی نظام کو بطور شہادت پیش کیا ہے :۔ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ = مذکورہ مرکزی نظام کی ہدایت اسلئے کیگئی ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کو جانتا ہے اور بیشک اللہ ہر چیز کا پورا پورا علم رکھنے والا ہے۔ دیکھو کس طرح اتنے بڑے بڑے کرہ جات سورج، چاند ستارے ایک مرکزی نظام کی حدود میں محدود رہ کر پُرامن چل رہے ہیں ۔ ان میں کبھی تصادم نہیں ہوا ۔ اسی طرح اے نوعِ انسانی تم بھی بیت الحرام کے مرکزی نظام کے ماتحت اپنی حدوں میں محدود رہ کر پُرامن رہو ۔ جنگ و جدال کی بھٹیاں نہ دہکایا کرو ۔ اگر کوئی تنازعہ کھڑا ہو جائے تو حرمت کے چار مہینوں میں حکماً جنگ بند کرکے حج کی سالانہ امن کانفرنس میں حاضر ہو کر مرکز سے فیصلے کرا لیا کرو ۔

● اس سے اگلی آئت مجیدہ میں اعلان کیا گیا ہے کہ اگر تم حدود شکنی کرو تو اللہ کے قانون میں تمہارے لیئے سخت سزا بھی موجود ہے اور اگر باز آجاؤ تو تمہیں ہر قسم کے فساد اور تباہی سے بچاؤ بھی محفوظ ہے اللہ کے قانون میں رحمت بھی ہے اور عذاب بھی ہے :۔

اِعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ وَأَنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ○ ۹۸

جانے رہو بیشک اللہ سخت ہے سزا کی رُو سے اور بیشک اللہ ہے بخشنے والا مہربان

جانے رہو کہ اللہ تعالیٰ کے قوانین میں عدل و انصاف ہے اندھیر گردی اور دھاندلی نہیں، جو لوگ بداعمالیوں کی بدولت سزا کے مستحق ٹھہرتے ہیں تو) جانے رہو کہ اللہ انہیں سزا دینے میں بہت سخت ہے اور (جو لوگ بخشش کے حقدار ہوں) انہیں ہر قسم کا بچاؤ دینے والا بھی ہے بڑھ کر رحمت کرنیوالا بھی ہے ۔

رسولؐ کے ذمہ صرف اللہ کا پیغام پہنچانا ہے

● رسول انبیاء اللہ تعالیٰ کا پیغام لاتے رہے اور لوگوں تک بلا کم و کاست

پہنچاتے رہے جس قوم نے اُنکا کہنا مانا اور اُنکے ساتھ مل کر منزّل من اللہ نظام کو بروئے کار لائی، تو وہ اُس نظام کی خوشگواریوں اور شادابیوں سے سرفراز ہوئی، اور جو قومیں اُنکے پیغام پر ایمان نہ لائیں اور نبیؐ رسولؐ کا ساتھ نہ دیا وہ دنیا میں بھی عذاب کے پتے پڑیں اور آخرت کا عذاب بھی ان کے لیئے لازم قرار پایا۔ اس کے برخلاف ایک تیسری قسم کے لوگ بھی تھے جو ذہن میں کفر چھپا کر جھوٹے ایمان کا اظہار کرتے رہے۔ سلسلہ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں اُنہیں مخاطب کیا گیا ہے کہ جو کچھ تم ذہنوں میں چھپاتے ہو، اللہ اُسے بھی جانتا ہے اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اُسے بھی جانتا ہے۔ ہمارے رسولؐ کے ذمّہ اللہ کا پیغام پہنچانا ہے، لوگوں کو زبردستی مومن اور نیکوکار بنانا ہرگز نہیں ہے:-

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ

نہیں اوپر رسولؐ کے مگر پہنچانا ۔ اور اللہ جانتا ہے

مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ۝۹۹

جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو

ہمارے رسولؐ کے ذمّہ صرف ہمارا پیغام پہنچا دینا ہے (دین میں جبر نہیں ہے $\frac{۲}{۲۵۶}$) اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو (کہ تم ایمان لے آئے ہو) وہ اُسے بھی جانتا ہے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو (کہ تم منافقت کرتے ہو) اُسے بھی جانتا ہے۔

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ

کہہ نہیں برابر بدکار اور نیکوکار اور اگرچہ

اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي

حیران کرے تجھ کو کثرت بدوں کی۔ پس ڈرو اللہ سے اے

الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۱۰۰ ع ۱۳ / ۳

عقل والو ۔ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ

کہہ دیجیئگا اے رسولؐ کہ اے مخاطب! بدعمل اور نیکوکار ایک جیسے نہیں ہوتے۔ اگرچہ تجھے بُروں کی کثرت حیرت زدہ کردے۔ پس عقل والو! اللہ تعالیٰ کے قانون کی مخالفت سے ڈرو تاکہ تم (دنیا و آخرت میں) کامیاب ہو جاؤ۔

کثرت صداقت کی دلیل نہیں

• اِس آیتِ مجیدہ میں بدعملوں کی کثرت پر حیرت زدہ ہونے سے منع کر دیا گیا ہے اگرچہ وہ اپنی کثرت کی بدولت بھلے معلوم ہوتے ہوں۔ صداقت کی دلیل کثرت نہیں بلکہ ضابطۂ الٰہی کی اطاعت ہے۔ اگرچہ ایسے لوگ ہر زمانے میں قلیل تعداد میں پائے گئے اور پائے جاتے ہیں۔

قرآن حکیم مکمّل ضابطۂ حیات ہے

• سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں صحابہ کرامؓ کو متنبّہ کیا گیا ہے کہ زمانۂ نزولِ قرآن میں مسائل کی کُرید نہ کرنا۔ جن مسائل میں تمہاری شخصی آزادی برقرار رکھی گئی ہے اگر تم نے اُسکے متعلق سوال کئے تو تمہیں پابند کر دیا جائے گا اور وہ تمہارے لیئے ناگوار ہوگا۔ دیکھیئے الفاظِ قرآنیہ انتہائی غور طلب ہیں:-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَاۗءَ || اے وہ لوگو! جو (ضابطۂ منزّل قرآنِ کریم پر) ایمان لائے

اے لوگو جو ایمان لائے ہو نہ سوال کرو سے چیزوں کے

إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَإِنْ تَسْئَلُوا عَنْهَا

اگر ظاہر کیا جائے واسطے تمہارے ناگوار ہوگا تمکو اور اگر تم سوال کرو ان سے

حِينَ يُنَزَّلُ الْقُرْآنُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللَّهُ

جب نازل ہو رہا ہے قرآن ظاہر کر دیا جائیگا واسطے تمہارے درگزر کیا اللہ نے

عَنْهَا وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ۝ ۱۰۱

اس سے اور ہے اللہ بچاؤ دینے والا بردبار

ہو ان مسائل کے متعلق سوال نہ کرنا (جو تمہاری شخصی آزادی پر چھوڑ دیئے گئے ہیں) اگر تمہارے لیئے[1] ظاہر کر دیئے جائیں تو تمہارے لیئے برے ہونگے (ناگوار ہونگے[2]) اور اگر اس دفعہ میں کہ جس میں قرآن کریم نازل ہو رہا ہے، اُنکے متعلق سوال کرو تو تمہارے لیئے ظاہر کر دیئے جائینگے۔ اللہ نے (تمہاری انفرادی پسند کو برقرار رکھنے کیلئے) خود درگزر فرمایا ہے۔ کیونکہ وہ بچاؤ دینے والا بہت ہی بُردبار ہے۔

● [1] یہاں تُبْدَ لَكُمْ کا مفہوم ہے تمہارے لیئے نازل کر دیئے جائینگے، جس پر حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْآنُ کے الفاظ شاہد ہیں۔

● [2] تَسُؤْكُمْ کا لفظی معنیٰ ہے وہ تمہیں برا لگیگا، اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر تمہاری شخصی آزادی پر پابندی کے احکام نازل کر دیئے جائیں تو تمہاری روزمرّہ کی زندگی میں دشواری پیدا ہو جائیگی۔ جیسے کہ بعض اسلامی حلقوں میں یہ پابندی پائی جاتی ہے کہ اُٹھو تو یوں، بیٹھو تو یوں، لیٹو تو یوں، بیت الخلاء میں جاؤ تو یہ پڑھو، باہر نکلو تو یہ پڑھو وغیرہ ایسی پابندیاں وہ ہیں جو روزمرّہ کی زندگی کو دشوار اور ناگوار بنا دیتی ہیں۔

شخصی آزادی

● آیت بالا میں ہر اُس مسئلہ کے متعلق جس کی تفصیل قرآن میں نہ دی گئی ہو، فیصلہ کر دیا ہے کہ وہ معاذ اللہ معاذ اللہ غلطی سے نہیں رہ گئی، بلکہ باندازِ غفور رحمت ہر شخص کی انفرادی پسند کا حق برقرار رکھا گیا ہے۔ مثلاً کھانے کی چیزوں پر صرف حَلٰلًا طَيِّبًا کی قید لگائی گئی ہے کہ خدا تعالیٰ کی حلال کردہ چیزیں جو حلال طریقے سے حاصل کی گئی ہوں کھاؤ۔ اور طیب بھی ہوں۔ یعنی تمہارے موافق مزاج بھی ہوں۔ اِس حکم سے ثابت ہے کہ گائے کا گوشت، مسور کی دال، بینگن، بھنڈی وغیرہ ہر حلال چیز جس کے موافق مزاج نہ ہو تو اُسے نہ کھانے میں کوئی گناہ نہیں۔ ہاں اِنکو حرام ٹھہرانا منع ہے۔ کیونکہ کسی چیز کو حرام یا حلال ٹھہرانے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔

لباس اور حجامت

● کھانے پینے کے علاوہ معاشرہ کے بیسیوں مسائل ہیں کہ اگر اُن پر پابندی لگا دی جائے تو نہ صرف یہ کہ فرد کی شخصی آزادی صلب ہو جائے، بلکہ پورا معاشرہ شدید ترین جکڑبندیوں میں جکڑ کر رہ جائے۔ مثلاً لباس کے متعلق یہ پابندی لگا دی جائے کہ صرف عربی قسم کا لباس ہی پہنا جائے، لمبا چوغا، تو کرّہ ارض کی پوری آبادی کیلئے دشوار ہو جائیگا۔ قرآنِ حکیم نے لباس کے ضمن میں صرف دو پابندیاں لگائیں ہیں۔ کہ وہ ننگ پن کو ڈھانپے اور خوبصورت ہو۔ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا $\frac{۷}{۲۶}$ اے نوعِ آدم بیشک ہم نے تم پر لباس پہننے کا حکم نازل کیا ہے اسلئے کہ وہ تمہارے ننگ پن کو ڈھانپے اور خوبصورت بھی ہو ——— لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ کے الفاظ میں اس سے آگے تمام سوالوں سے منع کر دیا ہے کہ یہ سوال نہ کرنا تہبند پہنیں یا شلوار، پاجامہ پہنیں یا پتلون، قمیص پہنیں یا کرتہ

کوٹ پتلون یا شیروانی، ٹوپی اوڑھیں یا پگڑی ۔ یہ تمام چیزیں مختلف افراد کی شخصی پسند اور ملکی آب و ہوا اور وقتی حالات کے مطابق آزاد چھوڑ دی گئی ہیں۔ کیونکہ اسلام عالمگیر دین ہے ۔ اور دائرۂ اسلام میں کرۂ ارض کے ہر ملک کے افراد نے داخل ہونا ہے ۔

● یہی حال عورتوں کے لباس کا ہے ۔ انہیں ہر قطع کا شریفانہ لباس پہننے کی اجازت ہے کہ وہ اُنکا ننگ پن ڈھانپے اور خوبصورت ہو۔ ایسا تنگ بھی نہ ہو اور اتنا باریک بھی نہ ہو کہ پہنا ہُوا بھی ہے اور جسم کے تمام اعضاء الگ الگ تھرکتے ہُوئے دکھائی بھی دے رہے ہیں ۔ ایسا گندہ اور بُری قطع کا بھی نہ ہو کہ بدصورت دکھائی دے۔ زیورات کے متعلق بھی عورتوں کی پسند پر صرف یہ قدغن لگائی گئی ہے :۔ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ ۲۴/۳۱ اور وہ اپنی زینت نامحرموں پر ظاہر نہ کریں ۔

بال کٹوانا یا منڈانا

● نیز بالوں کے متعلق یہ خبر دی گئی ہے :۔ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ ۴۸/۲۷ یعنی سروں کو منڈاتے ہُوئے یا کتراتے ہُوئے ۔ یعنی بالوں کو منڈانے یا کترانے کی اجازت تو دیدی گئی مگر یہ قید نہیں لگائی کہ بال مشرقی قطع کے کٹوائے جائیں یا مغربی طرز کے ۔ ڈاڑھی کے بال ضرور منڈائے جائیں یا ضرور کٹوائے جائیں کٹوائے جائیں تو کس قطع کے کٹوائے جائیں ۔ بلکہ ہر ملک، ہر قوم کے ہر فرد کی ذاتی پسند پر چھوڑ دئیے گئے ہیں۔ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ کے الفاظ منڈانے اور کٹوانے کا عمل سر کے بالوں پر وارد ہو گا ۔ ٹھوڑی بھی سر کا حصہ ہے جہاں بال موجود ہیں۔ اسلئے ڈاڑھی کے مسئلہ کو بھی منڈانے اور کٹوانے کی قید کیساتھ ہر قطع و منع کی ڈاڑھی کی اجازت ہے جیسے کوئی ملک قوم یا فرد پسند کرے ۔ شرط یہ ہے کہ وضع خوبصورت ہو قطع خوش کن ہو ۔ نہ یہ کہ ڈاڑھی اس انداز کی ہے کہ بالوں کا ایک پھندنا سا ٹھوڑی کے نیچے لٹک رہا ہے اور دو پھندنے دائیں بائیں کانوں کے پاس آویزاں ہیں ۔ پس اس شخصی آزادی کے بعد حجامت سے متعلقہ مزید سوال کرنے سے منع کر دیا گیا ہے ۔

● یہی حال عبادات و معاملات سے متعلقہ مسائل کا ہے کہ جو کچھ بیان کر دیا گیا ہے اُس سے نہ بے اعتنائی کی جائے اور نہ اُس پر کچھ اپنی طرف سے بڑھایا جائے ۔ صلوٰۃِ موقّت (نماز) کو جن حدود میں محدود اور جن شرائط کیساتھ مشروط کر دیا گیا ہے اُنکے اندر رہا جائے ۔ خداوندی حدود و مشروط کو نہ توڑا جائے ۔ حاصل کلام یہ کہ لَا تَسْئَلُوا عَنْ اَشْيَآءَ کے حکم میں واضح کر دیا گیا ہے کہ حلال و حرام، لباس، حجامت کھانے پینے کے طور طریقوں، عبادات و معاملات کے مسائل میں جو پابندیاں لگائی گئی ہیں اُنکے اندر رہکر اپنی شخصی پسند کے مطابق عمل کرتے چلے جاؤ ۔ مسائل کی بے جا کرید کر کے دین میں مشکلات پیدا نہ کرو ۔

لَا تَسْئَلُوا عَنْ اَشْيَآءَ کی روایتی تفسیر

● آیت مجیدہ لَا تَسْئَلُوا عَنْ اَشْيَآءَ ..... کا شانِ نزول بخاری شریف مترجم مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی کے عربی متن کے سامنے اردو ترجمہ

میں لکھا ہے کہ کچھ لوگوں نے آنحضورؐ سے مذاق کے طور پر کچھ سوال کئے۔ ایک آدمی نے پوچھا حضورؐ میرا باپ کون ہے، آپ نے فرمایا فلاں شخص تیرا باپ ہے، کیونکہ لوگ اُسے حرامی کہا کرتے تھے۔ آپ نے اُسے وہی نام بتایا، جس کی طرف وہ منسوب کیا جاتا تھا اِس پر یہ آیت اُتری کہ سوال کرو گے تو بتا دیا جائیگا اور تمہیں بُرا لگیگا۔ کہ پہلے تو سائل کا حرامی ہونا مشکوک تھا مگر اب مصدقہ ہوگیا۔ العیاذ باللہ!

● مولوی احمد علی لاہوری مرحوم نے اِس آیت ۱۰۱ کا مفہوم حاشیہ پر بالکل ٹھیک لکھا ہے جو الفاظِ قرآنیہ اور تصریفِ آیات کے عین مطابق ہے:۔ "صحابہ رضی اللہ عنہم کو زیادہ سوالات کرنے سے روکا گیا ہے کہ جو حکم ملے فقط اُسکی تعمیل کرو۔ ورنہ جو پوچھو گے تو جواب ملیگا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہاری آزادی کا دائرہ تنگ ہو جائیگا اور تم تکلیف اُٹھاؤ گے" یہی مفہوم صحیح ہے، جزاہُ اللہُ احسن الجزآء۔ حقیقت یہ ہے کہ تفسیر القرآن بالقرآن کا انداز ایسا ہے جیسے اگر بلاغ القرآن اپنائے یا مولوی احمد علی مرحوم نتیجہ ایک ہی برآمد ہوگا۔

توہماتی دلدلوں سے نکلو

● اِس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں توہماتی دلدلوں سے نکلنے کا حکم دیا گیا ہے، بعض لوگوں نے آبائی متوارث طریقے سے بعض جانوروں کو اپنے اوپر حرام کر رکھا تھا۔ اُنکے متعلق جب قرآنِ کریم نے فیصلہ دیا کہ نہ وہ حرام ہیں نہ مقدس کہ اُنہیں کھایا نہ جائے تو وہ آبائی رسم کو چھوڑنے کیلئے تیار نہ ہوئے۔ ارشاد ہوا ہے:۔

قَدْ سَالَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا
بیشک سوال کیا اسکا ایک قوم نے سے پہلے تمہارے پھر وہ ہو گئے

بِهَا كٰفِرِيْنَ ۝ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّ
ساتھ اسکے انکار کرنے والے۔ نہیں ٹھہرایا اللہ نے بیچ سے بحیرہ کے اور

لَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ وَّلٰكِنَّ
نہ سائبہ کے اور نہ وصیلہ کے اور نہ حام کے ولیکن

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ
جن لوگوں نے کفر کیا انہوں نے بہتان باندھا اوپر اللہ کے جھوٹ

وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ ۱۰۲-۱۰۳
اور اکثریت اُنکی عقل نہیں رکھتے

بیشک سوال کیا اِس کا تم سے پہلے ایک قوم نے۔ (پھر جب ہم نے اپنی کتاب میں فیصلہ دیدیا) تو وہ اِس کا انکار کرنے والے ہوگئے۔ اللہ نے بحیرہ کو حرام کیا ہے نہ سائبہ کو اور نہ حام کو۔ ولیکن (حقیقت یہ ہے کہ) جن لوگوں نے (اللہ کے فیصلے کا) انکار کیا، اُنہوں نے اِنکی حرمت کا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا بہتان باندھا ہے۔ اُنکے اکثر لوگ عقل سے کام نہیں لیتے (کہ یہ حلال جانور حرام کس طرح ہو سکتے ہیں)۔

نوٹ:۔ بحیرہ، سائبہ وصیلہ اور حام کی وضاحت نیچے ملاحظہ فرمائیں)

بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کیا ہیں

● بحیرہ کے لفظ کا سہ حرفی مادہ ب۔ ح۔ ر ہے بحر سے عربوں کے ہاں بحیرہ اُس اُونٹنی کو کہتے ہیں جو دس بچے جن چکے۔ یعنی اُسنے بچوں کا سمندر کہا جاتا تھا۔

● سائبہ کے لفظ کا سہ حرفی مادہ س۔ی۔ب = سیب ہے ۔ جس کا بنیادی معنیٰ ہے جاری ہونا۔ جیسے کہ سَیَبَ السَّمَاءُ کا معنیٰ ہے پانی جاری ہو گیا۔ اس طرح سائبہ اُس اونٹنی کو کہتے ہیں جس کی اولاد سے اولاد پیدا ہونی شروع ہو چکی ہو۔

● وصیلہ کا لفظ مادہ و۔ص۔ل = وصل سے ہے، جس کا بنیادی معنیٰ ہے ملنا، ملانا، ملا ہوا پانا۔ اس طرح وصیلہ اُس اونٹنی کو کہتے ہیں جو ہر بار مسلسل دو دو بچے جننے والی ہو۔ یعنی جس کے ہر حمل میں دو بچوں کا وصل پایا جائے۔

● حام کے لفظ کا سہ حرفی مادہ ح۔م۔ی = حمی ہے جس کا بنیادی معنیٰ ہے معاون ہونا۔ حمایت اور حامی کے الفاظ اسی مادہ سے مشتق ہیں۔ اسی طرح عربوں کے ہاں اُس اُونٹ کو حام کہتے ہیں جو اونٹنیوں کو حاملہ کرنے میں پورا حامی ہو۔ کمزوری نہ دکھائے۔

● اِن چار قسم کے اُونٹ اُونٹنیوں کو اُن کی کثرتِ اولاد کی مخصوص خدمت کے باعث مقدس خیال کیا جاتا اور اُنکا کھانا حرام قرار دیا گیا تھا۔ اِن جانوروں کا گوشت نہ کھانا شخصی آزادی کی رُو سے تو صحیح قرار دیا جا سکتا ہے مگر اِن جانوروں کو دوسرے جانوروں سے الگ طور پر مقدس قرار دیتے ہوئے توہمات کی دلدل میں پھنس کر انہیں حرام قرار دے دینا خداوندی فیصلے کی نافرمانی ہے کیونکہ ۵/۱ کے حکم اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ میں داخل ہونے کی بدولت یہ سب جانور حلال ہیں۔

● اس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ وہ لوگ توہمات کی دلدلوں سے نکلنا ہی نہیں چاہتے تھے۔ جب انہیں بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کے تقدس کی نفی کر دی گئی تو انہوں نے کہا کہ ہم اُس راہ پر چلینگے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے:۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ
اور جب کہا جائے واسطے اُنکے آؤ طرف اُسکے جو نازل کیا اللہ نے
وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ
اور طرف رسول کے تو کہتے ہیں کافی ہے ہمارے لئے جو پایا ہم نے اوپر اُسکے
آبَاءَنَا ۚ أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ
باپ دادا اپنوں کو۔ اور اگرچہ تھے باپ دادا اُنکے نہیں جانتے تھے
شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ○ ۱۰۴
کچھ بھی اور نہ وہ ہدایت پاتے تھے۔

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اُس (لاریب کتاب) کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کی طرف نازل فرمائی ہے) اور آؤ اُسکے رسولؐ کی طرف تو کہتے ہیں کہ ہمارے لئے وہی راستہ کافی ہے جس پر ہم نے آباؤ اجداد کو پایا ہے۔ اور اگرچہ اُنکے آباؤ اجداد نہ تھے کچھ بھی جانتے اور نہ وہ تھے کہ راہ ہدایت کو پاتے۔

باپ دادا کا تواتر کوئی سند نہیں

● باپ دادا کے عمل کو سند ٹھہرانے کے واہمہ کو باطل قرار دیتے ہوئے اگلی آیتِ مجیدہ میں ارشاد ہوا

ہے:-

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اور پر تمہارے ہیں عمل تمہارے

لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ اِلَى اللّٰهِ

نہ نقصان دیگا تمکو جو گمراہ ہوا جب ہدایت پاؤ تم طرف اللہ کے ہے

مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۱۰۵

لوٹ جانے کی جگہ تمہاری سب کی پھر وہ خبر دیگا تم کو جو تم عمل کیا کرتے تھے

اے وہ لوگو! جو (ضابطۂ لاریب قرآن مجید پر) ایمان لائے ہو تمہارے اعمال کی جوابدہی تمہاری جانوں پر ہے۔ جب تم (تو نہایت بالا کو چھوڑ کر) ہدایت پالو تو جو گروہ (اپنے باپ دادا کے اعمال کو سند ٹھہراتا ہے) وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیگا۔ (تم اُن سے ڈرو مت۔ اعمال کی جوابدہی کیلئے) تم سب کی لوٹ کر جانے کی جگہ اللہ ہی کی طرف ہے۔ پھر وہ تمہیں اُسکی صحیح خبر دیگا جو تم عمل کیا کرتے تھے۔

● اس آیت مجیدہ میں آباؤ اجداد کی روش کے تواتر کو سند ٹھہرانے کی تردید کر کے قرآنی سند کی تائید کر دیگئی ہے اور ارشاد ہوا ہے کہ تم صرف اپنے اعمال کے جوابدہ ہو۔ اور تمہارے باپ آپنے اعمال کے جوابدہ ہونگے۔ قیامت کی عدالتِ عالیہ میں تم نے اور تمہارے باپ دادوں، سب نے حاضر ہونا ہے۔ پھر جو عمل تم تواتر کی سند سے صحیح تسلیم کر کے کیا کرتے تھے یا جو تم نے قرآن مجید کو سند مان کر اعمال کئے تھے، اللہ تعالیٰ تمہیں اُن سب سے مطلع کر دیگا۔ اس سے اگلی آیت مجیدہ کا ربط آیتِ بالا سے یہ ہے کہ اُوپر قیامت کی حاضری کا ذکر ہے جس کا مقام موت کے بعد کا ہے۔ اسلئے موت سے متعلقہ ایک اہم حکم دیا گیا ہے:-

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، گواہ ٹھہرانا ہے درمیان تمہارے جب

حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ

حاضر ہوا ایک تمہارے پر موت ۔ وقت وصیت کے

اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ

دو صاحب عدل کے ہیں میں سے تمہارے یا دو دوسرے میں سے غیر تمہارے کے

اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ

اگر تم سفر کر رہے ہو بیچ زمین کے ۔ پھر آجائے تم کو

مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ

مصیبت موت کی ۔ (گواہی کیلئے) روک لو دونوں کو سے بعد

اے وہ لوگو! جو (ضابطۂ لاریب قرآن مجید پر) ایمان لائے ہو۔ تمہارے درمیان گواہ ٹھہرانا لازم ہے۔ جب تم میں سے کسی پر موت آجائے۔ تو (وصیت کرنا فرض ہے $\frac{۲}{۱۸۰}$) وصیت کے وقت دو گواہ اپنے میں سے صاحب عدل مقرر کرنے ہیں یا غیروں میں سے دو صاحب عدل۔ اگر تم زمین میں سفر کر رہے ہو پھر تم پر موت کا وقت آجائے۔ پھر گواہی دینے کے وقت مقررہ گواہوں کو گواہی دینے کیلئے (فجر کی صلوٰۃ (نماز) کے بعد روک لیا کرو۔ (فجر کی نماز آیتِ ذیل کے مطابق سب کی حاضری کا وقت ہے اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا $\frac{۱۷}{۷۸}$ اسلئے سب لوگ نماز کے بعد چلے جائینگے لیکن گواہوں کو گواہی دینے کیلئے روک لیا جائیگا)

الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا

نماز کے پھر وہ دونوں قسم کھائیں ساتھ اللہ کے اگر تم شک کرو - نہیں

نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ

ہم بیچیں گے ساتھ اُسکے کوئی قیمت اور اگرچہ ہو والا قرابت کا - اور نہ چھپائیں گے

شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ○ ۱۰۶

گواہی اللہ کی - ہم ہونگے اُسوقت البتہ میں سے گنہگاروں کے

پھر وہ دونوں اللہ کی قسم کھائیں (یہ کہتے ہوئے کہ) اگر تم شک کرو تو حقیقت یہ ہے کہ ہم اس قسم کو کسی بھی قیمت پر نہیں بیچیں گے، اگرچہ (ہماری گواہی جس کے خلاف پڑتی ہو) وہ ہمارا قریبی ہی ہو - اور ہم اللہ کی گواہی کو چھپائیں گے نہیں - (اگر ہم ایسا کریں تو) اُس وقت ہم ضرور گنہگاروں میں سے ہونگے -

شہادت کی تحقیق اپیل کا حق

● سلسلہ درس کی اگلی آیت میں قاضی یا جج کا فرض بتایا گیا ہے کہ جو شہادت دیگئی ہے اُسکی تحقیق کرے - کسی فریق کی طرف سے مشکوک اطلاع ملنے پر مزید گواہ لائے جائیں:-

فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ

پھر اگر اطلاع دیجائے اوپر اسکے کہ بیشک دونوں مستحق ہیں گناہ کے تو دو دوسرے

يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ

وہ کھڑے ہوں جگہ اُن دونوں کی، میں سے اُن کے جو مستحق ہیں اوپر اُنکے

الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ

زیادہ قریبی - پھر وہ قسم کھائیں ساتھ اللہ کے البتہ گواہی ہماری

اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَآ ۖ اِنَّآ اِذًا

زیادہ سچی ہے سے گواہی اُن دونوں کی اور نہیں کرینگے ہم زیادتی بیشک ہم اُسوقت

لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○ ۱۰۷

البتہ ظالموں میں سے ہونگے

پھر اگر اسکے بعد (کسی طرف سے) یہ اطلاع دی جائے کہ دونوں گواہ (غلط گواہی دیکر) گناہ کے مستحق ہوئے ہیں تو دو دوسرے گواہ اُنکی جگہ کھڑے ہوں جو گناہ کے مستحق ہوئے ہیں، وہ دونوں زیادہ قریب ہوں شہادت کے - پھر وہ دونوں خدا کی قسم اُٹھا کر کہیں کہ ہماری گواہی اُن دونوں کی گواہی سے زیادہ سچی ہے - اور ہم حقیقت حال سے تجاوز نہیں کرینگے - اگر ہم ایسا کریں تو بلاشبہ ہم ظالموں (بے ٹھکانہ کام کرنیوالوں) سے ہونگے -

● اس آیت مجیدہ میں اُس فریق کو جس کا حق جھوٹی گواہی کے ذریعہ دبا یا گیا ہو اپیل کا حق دیا گیا ہے - اور سابقہ گواہوں کی گواہی باطل ثابت کرنے کیلئے اُنکی جگہ ایسے دو گواہ اور لانے کا حکم دیا گیا ہے جو وصیت کے وقت موجود تھے اور سابقہ گواہوں کی نسبت حقیقتِ شہادت کو زیادہ بہتر جانتے ہوں - گواہوں پر اور گواہ لانے کی ایک اور غرض اگلی آیت میں بتائی گئی ہے :-

ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ

وہ زیادہ قریب ہے کہ آئیں ساتھ گواہی کے اوپر حقیقت اُسکی کے

مذکورہ حکم اسلئے دیا گیا ہے کہ دونوں گواہ گواہی کو اُسکی اصلیت پر لائیں - اور اس چیز سے ڈر جائیں کہ اُنکی

اَوْ يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ۭ وَ

یا وہ ڈریں کہ لوٹائی جائینگی قسم بعد قسم انکی کے اور

اتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

ڈرو اللہ سے اور سنو۔ اور ہے اللہ نہیں ہدایت دیتا قوم

الْفٰسِقِيْنَ ۝ ۱۰۸ ع ۱۴/۸/۴

حدیں پھاندنے والوں کو

قسم کے بعد کوئی اور قسمیں لوٹائی جائینگی ۔ (یعنی انکی غلط شہادت کی پڑتال کی جائیگی) اور اللہ کے قانون کی مخالفت سے ڈرو (اور سچی شہادتیں دیا کرو) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حدیں پھاندنے والی قوم کو ہدایت یافتہ قرار نہیں دیتا۔

ایک اہم آیت مجیدہ ● اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں رسل انبیاءؑ کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ قیامت کے دن سب کو جمع کر لیا جائیگا۔ اور اُن سے پوچھا جائیگا کہ کیا تمہیں پتہ ہے کہ تمہارے بعد تمہیں کس طرح قبول کیا گیا تھا وہ کہینگے کہ ہم نہیں جانتے۔ چنانچہ آگے چل کر آیت نمبر ۱۱۶ ۔ ۷ ا میں بتایا گیا ہے، قیامت کو جماعت انبیاءؑ میں سے حضرت مسیحؑ سے پوچھا جائیگا کہ کیا تُو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کیساتھ دو الٰہ اور بنالو۔ تو وہ کہینگے بار الٰہا میں نے نہیں کہا تھا۔ جبتک میں اُن میں رہا میں اُنکا نگران تھا۔ جب تُو نے مجھے فوت کر دیا تو پھر اُن پر تُو نگران تھا مجھے معلوم نہیں کہ اُنہوں نے میرے بعد میری دی ہوئی تعلیم میں کیا تبدیلی کر لی تھی۔ اِن آیات مجیدہ میں اِس عوامی عقیدہ کی تردید کیگئی ہے کہ انبیاء سلامٌ علیہم زندگی میں بھی غیب جانتے تھے اور وفات کے بعد بھی غیب دان ہیں۔ دیکھئے ارشاد باری :-

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ۭ

جس دن جمع کریگا اللہ رسولوں کو تو کہیگا۔ کس طرح قبول کئے گئے تم

قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝

کہینگے نہیں علم واسطے ہمارے۔ بیشک تو ہی خوب جاننے والا ہے غیبوں کا

۱۰۹

وہ (قیامت کا) دن قابل ذکر ہے جب اللہ تعالیٰ سارے رسولوںؑ کو (دوبارہ پیدا کر کے) جمع کریگا اور اُن سے کہیگا (کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے بعد) کس طرح قبول کیا گیا تھا تم کو تو وہ کہینگے کہ ہم نہیں جانتے (کہ ہمارے بعد ہماری قوموں نے کیا کیا)۔ غیبوں کا خوب جاننے والا تو صرف تُو ہی ہے۔

● اِس آیت مجیدہ کے الفاظ مَاذَآ اُجِبْتُمْ سے یہ مفہوم اخذ کرنا مطلقاً غلط ہے کہ رسل انبیاءؑ سے اُنکی زندگی کے متعلق پوچھا جائیگا کہ تمہیں کیا جواب دیا گیا تھا' یا تم کس طرح قبول کئے گئے تھے۔ تو وہ کہینگے ہم نہیں جانتے۔ حالانکہ حضرت نوحؑ نے زندگی میں حضور خداوندی میں ایک طویل فریاد کی تھی۔ کہ بار الٰہا میں نے اپنی قوم کو دن کو بھی تبلیغ کی رات کو بھی' خفیہ بھی کی اور ظاہر بھی' مجمع کو بھی کی اور اکیلے اکیلے کو بھی۔ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِيْٓ اِلَّا فِرَارًا ۷۱/۶ مگر میری تبلیغ نے انہیں نہ کیا زیادہ مگر مجھ سے بھاگ جانے میں۔ حتیٰ کہ حضرت نوحؑ نے عرض کیا۔ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ۵۴/۱۰ بیشک میں مغلوب ہو گیا ہوں میری مدد فرما۔ اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور ایک عظیم طوفان کے ذریعہ پوری نافرمان قوم کو غرق کر دیا۔ یہ

سب کچھ حضرت نوحؑ نے خود کہا اور یہ اُن کے ساتھ واقعہ ہوا۔ کیا وہ قیامت کو کہہ سکتے ہیں۔ کہ مجھے معلوم نہیں کہ زندگی میں مجھے کیا جواب دیا گیا یا مجھے کس طرح قبول کیا گیا تھا۔ پس اِن حقائق کے قرائنِ ثابتہ کے مطابق مَاذَآ اُجِبْتُمْ کے بعد بَعْدَ کُمْ کے الفاظ محذوف و مقدر ہیں۔

● قیامت کے دِن رسولوں سے مخاطب ہونے کے متعلق اگلی آیتِ مجیدہ میں حضرت مسیحؑ سے ایک طویل خطاب کرنے کی خبر دی گئی ہے:-

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ

جب کہیگا اللہ اے عیسیٰ بیٹے مریم کے یاد کر

نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ

نعمت میری اوپر تیرے اور اوپر تیری ماں کے جب مدد دی تجھے ساتھ

بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۣ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَ

تعلیم پاک کے۔ تو کلام کرتا تھا لوگوں سے بیچ کم عمری کے اور

كَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ

ادھیڑ عمر میں یعنی جب سکھائی میں نے تجھے کتاب باحکمت یعنی توراۃ

وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـــَٔةِ الطَّيْرِ

اور انجیل اور جب تو پیدا کرتا میں سے کیچڑ کے شکل صورت پرندے

بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ

ساتھ قانون میرے پھر تو پھونکتا بیچ اُسکے پس ہو جاتا وہ پرندہ ساتھ قانون میرے اور تو

الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى

ٹھیک کرتا مادرزاد اندھوں کو اور برص والوں کو ساتھ قانون میرے اور جب تو نکالتا مُردے

بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ عَنْكَ اِذْ

ساتھ قانون میرے اور جب روک دیا میں نے بنی اسرائیل کو تجھ سے جب

جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ

آیا تو اُنکے پاس ساتھ دلائل کے تو کہا جنہوں نے انکار کیا بیچ اُنکے۔

اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ ۱۱۰

نہیں یہ مگر جھوٹ ہے ظاہر

وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب (قیامت کو) اللہ تعالیٰ کہیگا اے مریمؑ کے بیٹے عیسیٰ! یاد کر میری اُس نعمت کو جو میں نے تجھ پر اور تیری ماں پر کی۔ وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب میں نے اپنی پاک کلام (اپنی کتاب) کیساتھ تیری مدد کی۔ تو کلام کرتا تھا لوگوں سے (میر اپیغام پہنچاتا تھا لوگوں کو) کم عمری میں بھی اور ادھیڑ عمر میں بھی۔ یعنی وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب میں نے سکھائی تجھے کتاب حکمت والی تورات اور انجیل۔ اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب تو تقلید کی کیچڑ میں پھنسے ہوؤں کو میرے قانون کے مطابق تقلید کی کیچڑ سے نکال کر پرندوں کی طرح آزاد کر دیتا تھا۔ پھر تو اُن میں میری کتاب کی تعلیم پھونکتا تھا۔ پھر وہ میرے قانون کے مطابق پرندے (کی طرح آزاد) ہو جاتا تھا۔ اور تو میرے قانون کے مطابق اُن مادرزاد (ایمانی) اندھوں کو ایمانی بینا کر دیتا تھا اور برص کے ایمانی مریضوں کو (جو نہ مومن ہوتے نہ کافر) اُنکی ایمانی برص (منافقت) کو میرے قانون کے مطابق دور کر دیتا تھا۔ اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب تو میرے قانون کیساتھ ایمانی مُردوں کو (کفر کی موت سے) نکالتا تھا۔ اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب میں نے بنی اسرائیل کو تجھ سے روکدیا، (اُنہیں شکست دیدی ۶۱/۱۴) جب تو اُنکے پاس (توراۃ و انجیل کے) دلائل لیکر آیا تو جن لوگوں نے انکار کیا اُنہوں نے کہا یہ تو کھلا جھوٹ ہے۔ (اس کے بعد اُنکے ایک گروہ نے آپ سے جنگ کی مگر وہ شکست کھا گئے حضرت مسیحؑ اور آپکے حواری فتحیاب ہوئے ۶۱/۱۴)

● ۱ روح بمعنی وحی کی تعلیم اور قدس بمعنی پاکیزہ ۔ پس روح القدس کا معنی پاکیزہ تعلیم ہے ۔ روح بمعنی وحی کے لئے دیکھئے آیات مجیدہ $\frac{16}{2}$ + $\frac{17}{85}$ + $\frac{40}{15}$ اور $\frac{42}{52}$ ۔ $\frac{42}{52}$ میں آیا ہے وَکَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا اور اے رسول ﷺ اسی طرح ہمنے آپکی طرف اپنی روح (کتاب لاریب) وحی فرمائی ۔

● ۲-۳ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ سے یہ تصور لینا کہ آپ نے جھولے میں باتیں کی تھیں فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا $\frac{35}{43}$ کے مطابق صحیح نہیں ۔ کہ اے مخاطب! تو اللہ کی سنتِ جاریہ میں کبھی تبدیلی نہیں پائیگا ۔ نبی کا تکلم اللہ کا پیغام پہنچانا ہوتا ہے ۔ مہدًا کا معنی محاورہ کے طور پر کم عمر نوجوان کا کارِ تبلیغ بجالانا ہے ۔ جیسے کہ کم عمر نوجوان کو جھولے کا بچہ محاورۃً کہا جاتا ہے ۔ اسکے علاوہ حضرت مسیحؑ کیلئے جو کھلًا کا لفظ آیا ہے اس سے ثابت ہے کہ آپ ادھیڑ عمر تک کارِ تبلیغ بجالاتے رہے ، آپکا نوجوانی ہی میں کارِ تبلیغ سے الگ ہوجانا یا الگ کرلیا جانا از روئے قرآن غلط ہے ۔

● ۴ کتاب و حکمت ایک چیز ہے دو نہیں ۔ $\frac{36}{2}$ میں وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ کے الفاظ سے ثابت ہے قرآن حکمت والا ہے حکمت قرآن کے اندر ہے باہر نہیں ۔ کتاب و حکمت کی درمیانی واؤ تعریفی ہے یعنی کتاب حکمت والی ۔

● ۵ طین کا معنی کیچڑ ہے ، کیچڑ کے کھلونے ہی بنائے جاسکتے ہیں ، اور کھلونوں میں زندگی کا پیدا ہونا تو سنتِ جاریہ $\frac{35}{43}$ ہی کے خلاف ہے ۔ حضرت مسیحؑ نے بنی اسرائیل کو توہمات کے کیچڑ سے نکال کر آزاد ذہن سے سوچنے والے آزاد انسان بنا دیا تھا ۔ تاکہ وہ ہر مسئلہ کو آزاد ذہن کیساتھ سوچنے سمجھنے کے بعد عقیدہ میں رکھیں ۔

● ۶ اللہ کا اذن اسکا قانون ہے ، جیسے سورہ اعراف $\frac{7}{57-58}$ میں آیا ہے :- ہم بارشیں برساتے ہیں ، اسکے ذریعہ اپنے رب کے قانون کیساتھ بِاِذْنِ رَبِّهٖ عمدہ زمین عمدہ فصل پیدا کرتی ہے اور ناقص زمین ناقص پیداوار جھاڑ بوٹ وغیرہ ہی اگاتی ہے ۔ اچھی زمین سے اچھی اور ناقص زمین سے ناقص پیداوار کا پیدا ہونا اللہ کا قانون ہے ، جیسے کہ بِاِذْنِ رَبِّهٖ کے الفاظ میں قانون کیلئے اذن کا لفظ لایا گیا ہے پس قرآنی لغت کے مطابق اذن بمعنی قانون بھی ہے ۔

● ۷ یہاں نفخ کا معنی ہے تعلیم دینا ۔ $\frac{15}{29}$ + $\frac{38}{72}$ میں ملائکہ سے بزبانِ حال یہ کہنے کی خبر دیگئی ہے :- اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ۝ $\frac{15}{28-29}$ ، میں نوعِ بشر کو بدبودار سڑتے ہوئے کیچڑ سے پیدا کرنیوالا ہوں ۔ پھر جب پیدا کرنے کے بعد ارتقائی منازل سے گزار کر صحیح سالم کرلوں اور پھر جب اس میں اپنی روح (تعلیم $\frac{16}{2}$ + $\frac{40}{15}$) نفخ کردوں ۔ تو تم اسکے سامنے سجدہ ریز ہوجانا ۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ پیدا کرچکنے اور صحیح سالم کرچکنے کے بعد روح پھونکنے کا کیا مطلب ؟ اسکا جواب اسکے سوا نہیں کہ جب اللہ کا شاہکارِ عظیم نوعِ انسانی (اپنے الگ انسانی جرثومہ سے پیدا ہونے کے بعد) ارتقائی منازل طے کرکے موجودہ شکل میں آئی ۔ تو اب اُسے تعلیم ربانی کی ضرورت تھی جو انبیاءؑ کے ذریعہ نفخ ہوئی ۔ اور انسان ملائکہ سے سجدہ کروانے کے قابل ہوگیا چنانچہ اُسوقت سے لیکر آجتک ملائکہ اُسکے سامنے سجدہ ریز ہیں اور بدستور سجدہ ریز ہوتے چلے جارہے ہیں ۔

• ۹ طَارَ یَطِیْرُ کا مطلقاً معنیٰ ہے ہوا میں آزاد اُڑنا۔ طَیر بمعنی پرندہ اور آزاد ذہن والا انسان بطور محاورہ آتا ہے۔

• ۱۰ الاکمہ کا معنیٰ ہے مادر زاد اندھا۔ یہاں یہ لفظ محاورہ کے طور پر اُس شخص کیلئے آیا ہے جسے الٰہی تعلیم پہنچی ہی نہ ہو۔

• ۱۱ اور ابرص بمعنی پھلبہری والا۔ یعنی وہ جسے وحی کی تعلیم پہنچی مگر وہ آدھا سیاہ آدھا سفید تذبذب کا شکار ہو گیا۔

• ۱۲ یہاں الموتیٰ سے حقیقی مُردے مراد نہیں وہ تو قیامت کو نکالے جائینگے یہاں ایمانی مُردوں کو ایمانی زندگی دینا مراد ہے۔ جیسے کہ زمانہ رسالت محمدی کے کمزور ایمان والوں کو کہا گیا:۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ ۸/۲۴ اے ایمان کے دعویدارو! جب اللہ اپنے رسول کے ذریعہ بلائے تو اسکے بلاوے کو قبول کیا کرو تاکہ وہ تمہیں ایمانی زندگی عطا کرے۔

• ۱۳ اذ کففت بنی اسرآءیل کی تفسیر ۶۱/۱۴ میں آئی ہے فَاَیَّدْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلٰی عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِیْنَ ۰ ہم نے مسیحؑ اور اُسکے صحابہؓ کی دشمنوں کے مقابلے پر مدد کی اور وہ غالب آگئے۔

• ۱۴ تقابل ضدین کے ذریعہ لفظ سحر کا معنیٰ بتکرار بتا دیا گیا ہے جھوٹ:۔ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۰ ۴۶/۷ جب اُنکے پاس حق آیا تو کافروں نے کہا یہ کھلا جھوٹ ہے۔

قوم بنی اسرائیل نے ہموار معاشرہ کا انکار کیا

• آیت بالا کے آخری الفاظ میں جو بتایا گیا ہے کہ حضرت مسیحؑ کی پیش کردہ دلائل کو انکار کرنے والوں نے کھلا جھوٹ قرار دیا۔ اسکی تفصیل اگلی آیات مجیدہ میں آئیگی۔ کہ جب حضرت مسیحؑ نے ہموار معاشرہ کی تشکیل کا تصوّر پیش کیا تو اُسے جھٹلا دیا گیا۔ واضح رہے کہ حضرت مسیحؑ نے یہ کہکر ہموار معاشرہ کو اپنا مطمح نظر قرار دیا:۔ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ ۳/۵۱ + ۵/۱۱۷ + ۱۹/۳۶ بیشک اللہ تعالیٰ میرا اور تمہارا ایک جیسا رب ہے۔ میری تحریک کے نتیجے میں جو معاشرہ قائم ہوگا، اس میں مجھے کوئی خاص رعائتیں میسر نہیں ہونگی۔ ربوبیّت کے لحاظ سے معاشرہ میں میرا اور تمہارا ایک ہی مقام ہوگا۔ لیکن قوم نے کہا یہ تو کھلا جھوٹ ہے، کیا کبھی معاشرہ کے تمام لوگوں کو ایک سطح پر لایا جا سکتا ہے؟

ہموار معاشرہ کا شوق

• ربط کلام کی اسی موافقت کے مطابق سلسلہ درس کی اگلی تین آیات مجیدہ میں اصحاب مسیحؑ کے شوق کا ذکر کیا گیا ہے جو اُن میں ہموار معاشرہ قائم کرنے کا پیدا ہوا۔ ملاحظہ ہو ارشاد باری:۔

وَاِذْ اَوْحَیْتُ اِلَى الْحَوَارِیّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا
اور جب وحی کی میں نے طرف حواریوں کے کہ ایمان لاؤ
بِیْ وَبِرَسُوْلِیْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا
ساتھ میرے اور ساتھ رسول میرے کے کہا ایمان لائے ہم اور تو گواہ رہ ساتھ اسکے بیشک ہم

اور وہ وقت قابل ذکر ہے جب میں نے (اپنے نبی مسیحؑ کے ذریعہ) حواریوں کی طرف وحی فرمائی کہ میرے ساتھ اور میرے رسول کے ساتھ ایمان لاؤ۔ انہوں نے کہا ہم (تجھ پر اور تیرے رسول پر) ایمان لائے۔ اور (اے اللہ!) تو گواہ رہ کہ ہم فرمانبردار

مُسْلِمُوْنَ ○ ۱۱۱
فرمانبردار ہیں

(ہیں (تیرے رسول مسیحؑ کی لائی ہوئی تعلیم ربوبیت کے قیام کیلئے ہمہ تن معروف ہیں)۔

● حضرت مسیحؑ کے مقدس صحابہؓ حواریوں نے ہموار معاشرہ کی ابتدائی ہدایات یعنی آپس میں معاشی مساوات قائم کرنے کی ابتدا کردی۔ یہ ہے بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ کا مفہوم۔ مُسلمون فرمانبرداروں کو کہا جاتا ہے حرف زبانی زبانی ایمان لانیوالوں کو نہیں۔ اُنہیں یہ شوق پیدا ہوا کہ اِس معاشی مساوات کی اساس پر ایک حکومت پیدا ہو جائے جس میں سب لوگوں کے کھانے پینے کا بافراغت انتظام ایک بچھے ہوئے دسترخوان کی صورت میں ہر آن موجود ہو۔ چنانچہ اُنہوں نے حضرت مسیحؑ سے بالفاظ ذیل درخواست کی:-

اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ
جب کہا حواریوں نے اے عیسٰی بیٹے مریم کے

هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً
کیا طاقت رکھتا ہے رب تیرا کہ نازل کرے اوپر ہمارے دسترخوان

مِّنَ السَّمَآءِ ۚ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ ۱۱۲
میں سے آسمان کے۔ کہا ڈرو اللہ سے اگر ہو تم مومن

وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب (صحابہؓ مسیحؑ) حواریوں نے کہا کہ اے مریمؑ کے بیٹے عیسٰیؑ کیا تیرے رب میں یہ طاقت ہے کہ ہم پر آسمان سے ایک دسترخوان نازل کرے (یعنی مساوی تقسیم رزق کا آسمانی نظام قائم ہو جائے جس میں کوئی محروم ربوبیت نہ ہو) مسیحؑ نے کہا کہ اگر تم مومن ہو تو اللہ کے قانونِ ربوبیت کی مخالفت سے بچو (نزولِ مائدہ ہو جائیگا)۔

● اِس پر حضرت کے صحابہؓ نے جو نظام ربوبیت کے قیام کیلئے ہمہ تن معروف عمل تھے، عرض کیا کہ مائدہ کے متعلق ہمارا ارادہ یہ ہے:-

قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ
کہا اُنہوں نے ہمارا ارادہ ہے کہ ہم کھائیں بیچ سے اُس کے اور اطمینان پائیں

قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ
دل ہمارے اور ظاہر کریں ہم کہ بیشک سچ کہا تو نے اور ہم ہوں

عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ○ ۱۱۳ الربع
اوپر اُسکے میں سے گواہوں کے

(حواریوں نے کہا ہم سب کا ارادہ یہ ہے کہ ہم سب اُس (دسترخوان) سے مساوی طور پر کھائیں۔ اور (معاشی مسئلہ کی طرف سے) ہم سب کے اذہان مطمئن ہو جائیں۔ اور ہم عملاً ظاہر کردیں کہ آپنے سچ کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ میرا اور تمہارا ایک جیسا رب ہے ($\frac{19}{36} + \frac{3}{51}$) اور ہم سب اِس (منصفانہ مساوی تقسیم رزق پر خود عیسٰیؑ) گواہ ہو جائیں۔

ہموار معاشرہ ہی عید ہے

● اِس پر حضرت مسیحؑ نے حضورِ الٰہی میں نزولِ مائدہ (یعنی ہموار و متوازن معاشی نظام کے قیام) کیلئے دعا فرمائی۔ دعا اپنے آپکو حصولِ مقصد کیلئے سرگرم عمل رہنے کی تحریک ہوتی ہے! اپنے عرض کیا:-

قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ ا
کہا مریمؑ کے بیٹے عیسٰیؑ نے کہ اے اللہ ہم سب کے (ایک

کہا عیسیٰ بیٹے مریم نے اے اللہ رب ہم سب کے نازل کر

عَلَیْنَا مَآئِدَۃً مِّنَ السَّمَآءِ تَکُوْنُ لَنَا عِیْدًا

اوپر ہمارے دسترخوان طرف سے آسمان کے ہوجائے واسطے ہمارے عید

لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰیَۃً مِّنْکَ ۚ وَارْزُقْنَا

واسطے پہلوں ہمارے اور پچھلوں ہمارے اور نشانی طرف سے تیرے اور ہمیں رزق دے

وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ۝ ۱۱۴

حقیقت یہ ہے کہ تو رزق دینے والوں سے بہتر رزق دینے والا ہے

جیسے) اے ہم پر آسمان سے ایسا دسترخوان نازل فرما۔ کہ وہ ہمارے پہلوں اور پچھلوں سب کیلئے عید ہو جائے۔ (یعنی بار بار لوٹ لوٹ کر آنیوالی خوشی بن جائے۔ سب کا معاشی مسئلہ حل ہو جائے) اور وہ تیرے قانونِ ربوبیت کی ظاہر نشانی ہو۔ (یعنی ہمیں، سب کو متوازن و ہموار رزق عطا فرما) حقیقت یہ ہے کہ تو سب رزق دینے والوں سے بہتر رزق دینے والا ہے ۔

● خیر الرازقین کے الفاظ میں یہ بتایا گیا ہے کہ کرۂ ارض پر تقسیمِ رزق کے جتنے بھی نظام ہیں یا ہونگے، اُن سب سے بہتر نظام وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ہے ہموار و متوازن۔

عید کا قرآنی مفہوم

● لفظ عید کا سہ حرفی مادہ ع۔و۔د = عود ہے۔ اِس کا مصدری معنیٰ ہے لَوٹ لَوٹ کر آنا۔ اِسی مادہ سے مشتق ہے لفظ اعادہ۔ عربی ادب میں عید کا بنیادی معنیٰ ہے لَوٹ لَوٹ کر آنیوالی خوشی۔ آیتِ بالا میں چونکہ عید کا لفظ المائدہ یعنی بچھے ہُوئے دسترخوان کے ضمن میں آیا ہے۔ اسلئے یہاں عید کا معنیٰ صِرف وہ خوشی نہیں جو سال کے بعد ایک مرتبہ آئے، بلکہ اس سے مراد وہ لَوٹ لوٹ کر آنیوالی خوشی ہے جو ہر روز ناشتہ، نہار، عصرانہ اور عشائیہ کی صورت میں مسلسل چار مرتبہ لَوٹ لوٹ کر آتی رہے۔ اور یہی صورت، اطمینانِ قلب کی مشاہداتی تفسیر ہے۔ (جبتک معاشی مسئلہ حل نہ ہو، اطمینانِ قلب نصیب نہیں ہوتا)

● آیاتِ بالا سے روایاتی تفاسیر نے یہ تاثر دیا ہے کہ حواریوں کی اِس درخواست پر کہ کیا آپکا رب آسمان سے مائدہ نازل کر سکتا ہے، حضرت مسیح نے حضورِ الٰہی میں نزولِ مائدہ کی دعا فرمائی کہ اُن پر آسمان کا پکا پکایا کھانا نازل ہُوا کرے، حالانکہ جب ۳۵/۴۳ فلن تجد لسنت اللہ تبدیلا کے مطابق اللہ تعالیٰ کی سُنّتِ جاریہ میں تبدیلی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تو کس طرح باور کیا جاسکتا ہے کہ آپکی نزولِ مائدہ کی دعا کا یہ مفہوم ہو کہ باری تعالیٰ اپنی سنّت کو بدل کر آسمان سے روٹیاں نازل کرے)

● حقیقت یہ ہے کہ دُعا اپنے آپکو عمل کی تحریک ہُوتی ہے۔ جب کوئی شخص یہ دعا کرتا ہے کہ بارالہا میرے کھیت کو لہلہاتی فصل کیا تمو بھر دے۔ تو اُسکا یہ مطلب اخذ کرنا عقل سے دوری و مجبوری کی دلیل ہے کہ وہ کھیت میں ہل نہیں چلائیگا، بیج نہیں ڈالیگا، پانی نہیں دیگا، یہ سب کام اللہ تعالیٰ خود کر کے فصل پیدا کر دیگا۔ بلکہ اُسکی دعا کی اصل غرض یہ ہے کہ وہ مقدور بھر سارے کام اللہ کے قانون کے مطابق ہمہ تن مصروفیت کیا تمو کریگا۔

● موجودہ سائنسی دور میں قوانینِ جاریہ کی اہمیت یہانتک اُجاگر ہو چکی ہے کہ جس کھیت سے کل تک دس بارہ من فی

ایک پیداوار میسر آتی تھی، آج اعلیٰ بیج اور عمدہ کھاد اور بھرپور محنت کے ذریعہ ذاتِ باری سے جو معاوضہ طلب کیا جا رہا ہے وہ ساٹھ ستر من فی ایکڑ عطا فرما رہا ہے۔ اِسی طرح حضرت مسیح سلامٌ علیہ نے اپنے حواریوں کیساتھ مل کر نظامِ ربوبیت کے قیام کی انتھک کوشش کے بعد عرض کیا کہ بارِ الٰہا! میں اور میرے حواری تیرے تکوینی قوانین کے مطابق حصولِ رزق کیلئے بھرپور محنت کر رہے ہیں۔ اور اِس محنت کے ماحصل کو تیرے تنزیلی قوانین کے مطابق پورے معاشرہ میں مساوی انداز کیساتھ تقسیم کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تاکہ ہر شخص کا معاشی مسئلہ حل ہو جانے سے اُسے اطمینانِ قلب نصیب ہو۔ اور وہ عملاً ہموار و متوازن تقسیمِ رزق تیری ربوبیتِ عامہ کی ایسی نشانی بنے جو بشکلِ مشہود موجود ہو۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ حرف لفظاً نہ ہو بلکہ عملاً سامنے آجائے۔ یہی ہے وہ عید جس کی طلب حضرت مسیحؑ نے حضورِ خداوندی سے فرمائی۔ جس کے حصول کیلئے انتھک کوشش جاری تھی۔ اِس پر جنابِ باری سے جو جواب مِلا، وہ اٹل قانونِ الٰہی کے مطابق انتہائی غور طلب ہے:۔

قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مُنَزِّلُهَا عَلَیْكُمْ ۚ فَمَنْ

کہا اللہ نے بیشک میں نازل کرنیوالا ہوں اُسے اوپر تمہارے پھر جو

یَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّیْۤ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّاۤ

کفر کریگا بعد کو تم میں سے تو بیشک میں عذاب دونگا اُسے عذاب نہ

اُعَذِّبُهٗۤ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ۝۱۱۵ ع ۱۵ / ۵

کیا میں نے کسی ایک کو میں سے جہانوں کے

(اس پر) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ (تمہاری بھرپور محنت اور انتھک کوشش کی بدولت) میں اُسے (مائدہ یعنی ہموار معاشرہ کو) تم پر نازل کرنیوالا ہوں۔ پھر اُسکے بعد جو کوئی کفر کریگا (یعنی اپنے حصے سے زیادہ لیگا) تو اُسے عذاب دونگا جو جہانوں میں کسی کو نہ دیا گیا ہو۔

● ہموار معاشرہ قائم ہو چکنے کے بعد پھر ذاتی مفاد پرستی کی بدولت اُس میں شگاف پیدا کرنیوالے کی جو سخت ترین سزا بتائی گئی ہے، وہ سزاءِ موت تک ہو سکتی ہے کہ ایسے افراد کو جو متوازن معاشرہ کو پھر ناہموار و غیر متوازن کرنے کی کوشش کریں اُنہیں گولی مار دی جائے۔ اور دوسرے نمبر پر ایسی قوم جو متوازن معاشرہ کو غیر متوازن معاشرہ میں تبدیل کر دے اُسکے لیئے قوانینِ خداوندی میں غلامی اور ذلت کی بدترین سزا ہے۔ آج وہی نصاریٰ جن پر حضرت مسیح اور آپکے حواریوںؓ پر نزولِ مائدہ ہو گیا۔ یعنی ہر فردِ معاشرہ کی ضروریاتِ زندگی کی ضامن حکومتِ وقت ٹھہری تھی اور ہر فردِ معاشرہ اطمینانِ قلب سے مالا مال تھا۔ جب سے یہ قوم ذاتی مفاد پرستیوں میں اُلجھ گئی ہے۔ اُسوقت سے اِس کی حالت یہ ہے کہ دنیا بھر کی نعمتوں کی موجودگی کے باوجود اطمینانِ قلب کی اُس نعمتِ عظمیٰ سے محروم ہو چکی ہے، جس کی خبر تَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا سے عیاں ہے۔ نوعِ انسانی کے افراد سے آگے قوموں کے حقوقِ ربوبیت کی غصب پسندی ہر وقت کانٹوں پر لوٹا رہی ہے۔

● یہود و نصاریٰ ہوں یا مسلمان، خدا تعالیٰ کے قوانین سب کیلئے ایک ہیں۔ حضرت مسیحؑ اور آپکے حواریوںؓ کی

طرح آنحضور مکی سرکار(۱) آپکے صحابہؓ کی کوششوں سے مسلمانوں پر بھی نزولِ مائدہ ہوا۔ یعنی ہر فردِ معاشرہ کی ضروریاتِ زندگی کی ضامن قرآنی حکومت تھی۔ جیسے کہ تاریخ کا مشہور ترین واقعہ اِس پر گواہ ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے کندھوں پر اُٹھا کر آٹا دال ضرورتمندوں کے گھر خود پہنچایا کرتے تھے۔ لیکن جب سے مسلمانوں نے ذاتی مفاد پرستی اختیار کر رکھی ہے، انکی درجنوں اسلامی سلطنتیں بھی دنیا میں پسماندگی کی ذلّت کا شکار ہو چکی ہیں۔

نزول بمعنی انسانی محنت کا بدلہ

● نزول مائدہ کے سلسلے میں سب سے بڑا دھوکا، اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً کے بعد مِّنَ السَّمَآءِ الفاظ سے لگتا ہے کہ جو چیز آسمان سے نازل ہوئی وہ کوئی پکا پکایا کھانا یا روٹی ہی ہو سکتی ہے۔ قرآنِ کریم میں نزول کے مصدری معنے پیدا کرنے کے بھی ہیں۔ اور ایک معنی یہ بھی آیا ہے کہ جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے اپنے مخفی خزانوں میں محفوظ کر رکھی ہیں انسان اُنکی تلاش کرے اور اللہ اُسے عطا فرمائے۔ جیسے کہ وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ ۵۷/۲۵ کا معنیٰ یہ ہے کہ ہم نے لوہا پیدا کیا ہے اور دوسرا معنیٰ یہ ہے:۔ انسان نے ہمارے مخفی خزانوں سے لوہا تلاش کیا اور ہمنے اُسے عطا فرمایا۔

● نزول کے اِن معنوں کی تائید آیتِ ذیل میں موجود ہے:۔ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۱۵/۲۱ اور ہمارے پاس ہر چیز کے خزانے بھرے پڑے ہیں۔ لیکن ہم نازل (یعنی عطا) اُتنا ہی کرتے ہیں، جتنا انسان تلاش کے بعد معلوم کرتا ہے۔ پس آیتِ مجیدہ ۵۷/۲۵ + ۱۵/۲۱ کے مطابق ثابت ہوا کہ نزول کا ایک مصدری معنیٰ انسان کی اپنی محنت کا ظہور بھی ہے۔

نزول من السّمآء کی اصطلاح

● نزول من السّمآء ایک قرآنی اصطلاح ہے، جس سے یہ غلط تصور پیدا کر لیا گیا ہے کہ حضرت مسیحؑ اور آپکے حواریوںؓ پر آسمان سے پکے پکائے کھانے کا طشت نازل ہوتا تھا۔ اور خود نصاریٰ آجتک جھگڑتے چلے آرہے ہیں کہ آسمان سے نازل شدہ خوان کی روٹی خمیری تھی یا فطیری۔ قرآنِ کریم نے نزول من السّمآء کو انسان کے اپنے اعمال کے ثمر کا ظہور بتایا ہے۔ جیسے کہ قوم بنی اسرائیل کی نافرمانیوں اور سرکشیوں کا ذکر کرنے کے بعد ارشاد ہوا ہے:۔ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۲/۵۹ پس ہم نے نافرمانی کرنیوالوں کی نافرمانیوں اور سرکشیوں کی بدولت اُن پر آسمان سے ذلّت نازل فرمائی۔ دیکھئے! جس طرح بنی اسرائیل پر ذلّت اُنکی اپنی نافرمانیوں کا ثمر بتایا گیا ہے کہ وہ بارش کی طرح آسمان سے نہیں برسی تھی۔ اُسی طرح حضرت مسیحؑ اور آپکے حواریوںؓ پر بچھا ہوا دسترخوان (ہموار معاشرہ) آسمان سے نہیں برسا تھا بلکہ اُنکے اپنے اعمال اور جدّ و جہد کا ثمر تھا جسے آسمان سے نازل ہونے کی قرآنی اصطلاح میں بیان کیا گیا ہے۔

● اِس اصطلاح کا صحیح معنیٰ یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ اور آپکے حواریوںؓ کی محنت و کوشش سے معاشرہ میں ایسا متوازن و ہموار معاشی نظام قائم ہوا جو ہر کسی کیلئے بچھے ہوئے دسترخوان کی مانند تھا۔ جس پر سے قیامِ معاشرہ

میں آگے بڑھ کر کام کرنیوالے اوّلین افراد بھی مساوی کے حقدار تھے جنہوں نے اسکے قیام میں تکلیفیں برداشت کیں اور وہ افراد بھی مساوی کے حقدار تھے جو بعد میں شامل ہوئے ۔ یعنی معاشرہ کا اوّل و آخر اور اعلیٰ و ادنیٰ سب کو معاشی لحاظ سے بہرہ یاب ہونے کا قانونی حق حاصل تھا ۔ یہ تھی اُن سب اوّل و آخر اور اعلیٰ ادنیٰ کی بار بار لوٹ کر آنیوالی عید، جس پر سب کے قلوب مطمئن تھے ۔ اور یہ ہموار و متوازن معاشرہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیتِ عالمین کی شکلِ مشہود دکھائی دینے والی نشانی تھی وَاٰيَةً مِّنْكَ ۵/۱۱۴ ۔

● آیاتِ بالا میں متوازن معاشرہ کو اللہ کی نعمت یعنی ہر فردِ معاشرہ کیلئے روزانہ لوٹ لوٹ کر آنیوالی خوشی عید بتانے کے بعد پھر ۵/۱۰۹ میں مذکور قیامت کے دِن تمام رسولوں کو جمع کر لیا جائیگا اور اُن سے جواب طلبی کی جائے گی ، حضرت مسیحؑ سے آپ کی قوم کے متعلق کی جانیوالی جواب طلبی کا نقشہ بالفاظِ ذیل کھینچا گیا ہے :-

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَ

اور جب کہا اللہ نے اے عیسیٰ بیٹے مریم کے کیا

اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ

تُو نے کہا لوگوں کو پکڑو مجھے اور میری ماں کو دو اِلٰہ

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ

سا تھ اللہ کے ۔ کہا تُو پاک ہے نہیں لائق واسطے میرے کہ

اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۤ بِحَقٍّ ۭ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ۭ

کہوں وہ جو نہیں واسطے میرے ساتھ حق ۔ اگر میں نے وہ کہا تو مقرر تو جانتا ہے اُسے

تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ۭ

تو جانتا ہے جو بیچ جی میرے ہے اور نہیں جانتا میں جو بیچ جی تیرے ہے

اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ○ ۱۱۶

بیشک تُو تو ہی بہت بڑھکر جاننے والا ہے غیبوں کا

اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب اللہ کہیگا (قیامت کو) اے عیسیٰ بیٹے مریمؑ کے کیا تُو نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دو اِلٰہ ٹھہرا لو ۔ (عیسیٰ) کہیگا اے اللہ تو (شریکوں سے) پاک ہے میرے لئے یہ لائق نہیں تھا کہ میں وہ کچھ کہتا ، جس کا مجھے حق نہیں ۔ (میرا حق صرف تیرا پیغام پہنچانا تھا) اگر میں نے اُسکے خلاف کچھ کہا تو تُو اُسے جانتا ہے ۔ تُو اُسے جانتا ہے جو میرے جی میں ہے میں نہیں جانتا جو تیرے جی میں ہے ۔ بیشک تُو غیبوں کو بہت بڑھکر جاننے والا ہے ۔

مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ

نہیں کہا میں نے واسطے اُنکے سوائے جو حکم کیا تُو نے مجھے ساتھ اُسکے کہ

اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ

بندگی کرو اللہ کی ۔ رب میرا اور رب تمہارا ۔ اور تھا میں اُوپر اُنکے

میں نے اُنہیں اُسکے سوا نہیں کہا تھا جس کا تُو نے مجھے حکم دیا تھا کہ اللہ (اکیلے) کی فرمانبرداری کرو ۔ جو میرا اور تمہارا ایک جیسا رب ہے ۔ اور میں اُن پر اُسوقت تک نگران تھا جبتک میں اُن میں رہا ۔ پھر جب تُو نے مجھے

شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنتَ
نگران۔ جبتک رہا میں بیچ اُن کے۔ پھر جب تو نے مجھے فوت کر دیا، تھا تو ہی

أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝ ۱۱۷
تو ہی نگران اور اوپر اُنکے۔ اور تو اوپر ہر چیز کے گواہ ہے

فوت کر دیا تو اُن پر صرف اور صرف تو ہی نگران تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ تو اوپر ہر چیز کے خود عینی گواہ ہے۔

إِن تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۖ وَإِن تَغْفِرْ
اگر تو عذاب کرے تو بیشک وہ ہیں بندے تیرے اور اگر تو معاف کرے

لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ ۱۱۸
واسطے اُنکے تو بیشک تو تو ہے غالب حکمت والا

(بارِ الٰہا) اگر تو انہیں عذاب کرے تو وہ تیرے بندے ہیں (جنہوں نے توبہ نہیں کی وہ ضرور عذاب کے مستحق ہیں) اور جنہیں تو معاف کرے (وہ وہی ہونگے جنہوں نے توبہ کر لی) بیشک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔

● اِسکے جواب میں حضورِ خداوندی سے آپکو یہ جواب ملیگا کہ آج کے دِن سچے ہی اپنی سچائی کی بدولت فائدے میں رہینگے:۔

قَالَ اللَّهُ هَٰذَا يَوْمُ يَنفَعُ الصَّادِقِينَ
کہیگا اللہ یہ وہ دن ہے فائدہ دیگی سچوں کو

صِدْقُهُمْ ۚ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا
سچائی اُنکی واسطے اُنکے باغات ہیں چلتی ہیں میں نیچے

الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ رَّضِيَ اللَّهُ
نہریں ہمیشہ رہنے والے اُس میں ہمیشہ۔ راضی ہوا اللہ

عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ ۱۱۹
اُن سے اور راضی ہوئے وہ اُس سے وہی کامیابی ہے بڑی

اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائینگے (کہ ہمارے قانون میں کوئی لچک نہیں ہے) آج کا دن وہ ہے کہ سچے ایمان والوں ہی کو اُنکی صداقت فائدہ دیگی۔ اُنکے لئے ایسے باغات ہیں کہ اُنکی سطح میں نہریں بہتی ہیں۔ وہ اُن میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ (اُنکے نیک اعمال کی بدولت) اللہ اُن پر راضی ہو چکا اور وہ (اُسکے ضابطہ پر عمل کر کے) اُس پر راضی ہو چکے۔ وہ (مذکورہ رضاءِ الٰہی کا حصول ہی) سب سے بڑی کامیابی ہے۔

نصاریٰ کے ہر سہ عقائد کا بطلان

● پیچھے آپ دیکھ چکے ہیں کہ آیت نمبر ۷۲ میں نصاریٰ کے عقیدہ "مسیح عین اللہ" کا بطلان کیا گیا ہے اور آیت نمبر ۷۳ میں عقیدہ تثلیث کو کفر قرار دیا گیا ہے۔ اور اِس آیت نمبر ۱۱۹ میں نصاریٰ کے عقیدہ کفارہ کو غلط ٹھہرا دیا ہے اور اُنکی اُس بنیادی چیز کو ہی افتریٰ محض قرار دیدیا ہے جس پر مروجہ مسیحیت کی بنیاد قائم ہے کہ مسیحؑ کی صلیب پر ایمان لانا جملہ گناہوں کا کفارہ ہے۔ آیت نمبر ۱۱۶ - ۱۱۷ میں خود مسیحؑ ہی کی زبان سے اعلان کرا دیا گیا ہے کہ وہ قیامت کو اُنکی سفارش کرنے کی بجائے یہ اعلان کرینگے کہ جب تک میں اِن میں موجود رہا میں نے انہیں عقیدہ تثلیث ایجاد نہیں کرنے دیا۔ یہ میرے بعد کی پیداوار ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے آیۂ بالا میں اعلان کر دیا ہے کہ قیامت کو صرف سچوں کو اُنکے سچے اعمال ہی فائدہ پہنچا سکینگے، کفارہ کے

عقیدہ کی کوئی حقیقت نہیں ۔ یہ ایجادِ بندہ ہے ۔

● مختلف اُمتوں کے ہاں قیامت کی نجات کیلئے

قیامت کی کامیابی اعمالِ صالح کیساتھ وابستہ ہے

کفارہ اور سفارش کے مختلف عقائد چل رہے ہیں ۔ مگر خود حضور خاتم النبیین رحمۃ للعلمین کے متعلق بھی خداوندِ عالم نے بتادیا ہے کہ قیامت کو آپ بھی اپنی اُمت کا حال دیکھ کر ارشاد فرمائینگے :۔ وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۝ ۲۵/۳۰ اور (قیامت کو رسولِ عربی) کہینگے کہ اے میرے پروردگار میری قوم نے (میرے بعد) اس قرآن کو (چھوڑ دیا تھا) اس طرح پکڑا ہوا تھا جس طرح چھوڑا ہوا ہوتا ہے ۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ سُورہ مائدہ کی آخری آیت ہے جس میں ایسے دو مسائل کا فیصلہ دیدیا گیا ہے جو ہر معاشرہ میں فساد کی جڑ ہیں ۔ پہلا مسئلہ ہے ذاتی ملکیت کا اور دوسرا ہے نیکی اور برائی کا پہلے سے لکھا ہوا ہونا ۔ زمین و آسمان کی ہر چیز کو ملکیت قرار دیا ہے صرف اللہ تعالیٰ کی ۔ اور ہر چیز کے وقوع کیلئے اللہ تعالیٰ نے قوانین متعین کئے ہیں

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

ہے واسطے اللہ کے حکومت آسمانوں کی اور زمین کی

وَمَا فِيْهِنَّ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ۱۲۰ ع

اور جو ہے درمیان اُن دونوں کے اور وہ ہر چیز کے قانون متعین کرنیوالا ہے

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اور وہ بھی جو اُن دونوں کے درمیان ہے، سب کے سب پر اللہ کی حکومت ہے (سب اُسی کی ملکیت ہے) اور وہ ہر چیز کے صحیح صحیح قوانین مقرر کرنیوالا ہے ۔ ع ۱۶ ۵

● اس حقیقت سے کسی بھی حقیقت شناس فرد کی مجالِ انکار نہیں کہ معاشرہ میں ذاتی ملکیت کا تصوّر فساد کی جڑ ہے ۔ اور ہر فردِ معاشرہ کا ضروریاتِ زندگی کا مساوی طور پر حقدار ہونا ضامنِ امن ہے ۔ ذاتی ملکیت کا نامراد تصوّر، زیادہ سے زیادہ مال جمع کرکے عوام کے استحصال کی ایسی راہیں کھول دیتا ہے کہ ہر طرف لوٹ کھسوٹ مچی ہوتی ہے ۔ اِسلئے قرآنِ کریم میں ہر فردِ انسانیہ کا حق بتایا گیا ہے :۔

● وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝ ۲/۳۶ + ۷/۲۴ اور اے نوعِ انسانی تمہارا حق ہے کہ زمین میں تمہارا مکان (بلا کرایہ) اپنا ہو اور زندگی کے آخری سانس تک تمہیں ضروریاتِ زندگی میسّر آتی رہیں ۔ پس خدا تعالیٰ کی رضا یہ ہے کہ ایک ایسا معاشرہ قائم کیا جائے جس میں مکان اور جملہ ضروریاتِ زندگی سے کوئی شخص محروم نہ پایا جائے ۔ اور کسی فردِ معاشرہ کو استحصال کے مواقع میسّر نہ ہوں ۔ اِن حدود میں رہکر معاشرہ سے شرّ و فساد مطلقاً ختم ہوجاتا ہے اور ہر طرف امن ہی امن کی فضا قائم ہوجاتی ہے ۔

● دُوسری چیز جو معاشرہ کو شرّ و فساد سے بھر کر رکھ دیتی ہے وہ ہے یہ عقیدہ کہ اللہ تعالیٰ نے سب کچھ پہلے

سے لکھ دیا ہُوا ہے کہ فلاں مالدار ہوگا اور فلاں بھوکا ننگا۔ اُس نے پہلے ہی لکھ دیا ہے کہ فلاں نیکوکار ہوگا اور فلاں بدکار۔ واضح رہے کہ معاشی ناہمواری کو پہلے ہی سے خود لکھ دینا تو اللہ تعالیٰ کی صفتِ اوّل ربّ العلمین ہی کے خلاف ہے۔ اور ہر فرد کے متعلق پہلے ہی سے لکھ دینے کا نظریہ کہ فلاں نیکوکار ہوگا اور فلاں بدکار خدا تعالیٰ کے پورے قانونِ مکافاتِ عمل کو باطل کر دیتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ خود ہی لکھ کر برائیاں کرواتا ہے اور خود ہی سزا دیتا ہے۔ العیاذ باللہ! دونوں نظریے از روئے قرآنِ کریم غلط ہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ سے جملہ میں اعلان کیا گیا ہے کہ معاشرہ میں معاشی ناہمواری حکومتیں پیدا کرتی ہیں، اللہ نہیں کرتا۔ جیسے کہ ۲۸/۴ میں فرعون کے متعلق بتایا گیا۔ جَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ۔ فرعون نے عوام کو طبقات میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ایک طبقہ کو اُس نے معاشی کمزوری کا شکار کر دیا تھا۔ اِسکے برخلاف انبیاء سلام علیہم نے جو نظام قائم فرمایا اُس میں معاشی طبقات موجود نہیں تھے۔ حقِ ربوبیت کے لحاظ سے جملہ افرادِ معاشرہ ایک ہی سطح کے حقدار تھے صرف تقسیم مدارج اعمال کے لحاظ سے تھی۔ پس ثابت ہُوا کہ معاشی ناہمواری سُنّتِ فرعون ہے۔ اور:۔

مسئلہ جبر و اختیار ● اِس مسئلہ کے ضمن میں کہ ہر کسی انسان کی قسمت میں لکھا ہُوا ہے کہ وہ اتنی چوریاں، اتنی بدکاریاں کریگا۔ اتنے قتل اور اتنے ڈاکے ماریگا، یا یہ کہ نوعِ انسانی کا خدمتگار اور نیکوکار ہوگا۔ نیز یہ کہ ہر انسان اپنے متعلق خدا تعالیٰ کے لکھے پر عمل کرنے کیلئے مجبورِ محض ہے غلط ہے۔ قرآنِ کریم کا فیصلہ یہ ہے کہ انسان اپنی طبعی زندگی میں مجبور اور عملی زندگی میں با اختیار ہے۔ طبعی زندگی میں قانونِ خداوندی کے مطابق موت ہی کی طرف بڑھتا چلا جا رہا ہے اور عملی زندگی میں شِئْتُمْ ۴۱/۴۰ کے مطابق اچھے یا بُرے جیسے بھی عمل کرتا ہے خود کرتا ہے اور جزا سزا کا خود مستحق ٹھہرتا ہے:۔

● مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ○ ۴۱/۴۶ جو کوئی اچھے عمل کریگا خود کریگا اُنکی جزا اُسکے اپنے لئے ہے اور جو کوئی بُرے عمل کریگا، خود کریگا، اُنکی سزا اُسکے اوپر ہے۔ تیرا رب (خود بُرے عمل کروا کر) بندوں پر ظلم کرنیوالا نہیں۔

● حضرتِ انسان کے لئے تو جبر و اختیار کی یہ حدیں مقرر کر دیگئی ہیں۔ مگر اسکے علاوہ کائنات کی ہر چیز کیلئے الگ الگ قوانین مقرر کر دیئے گئے ہیں جن کی زنجیروں میں جکڑی ہُوئی ہر چیز مصروفِ عمل ہے۔ سورہ مائدہ کے آخری جملہ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ میں مذکورہ نظامِ خداوندی کا اعلان کر دیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے صحیح صحیح اندازے پیمانے اور قوانین مقرر کرنیوالا ہے۔ اِس جُملہ کی قرآنی لغت سورہ آلِ عمران میں موجود ہے کہ جنگِ اُحد میں چند صحابہؓ کی غلطی سے شکست ہو گئی تو صحابہؓ نے کہا یہ کہاں سے آگئی تو بتایا گیا ہے:۔

لفظ قدیر کی قرآنی لغت

• اَوَ لَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۳/۱۶۵ = اور کیا جب تمہیں شکست کی مصیبت آئی، حالانکہ تم اس سے دگنی شکست اُنہیں دے چکے ہو۔ تم نے کہا یہ شکست کہاں سے آگئی؟ اے رسولؐ! کہہ دیجئے گا کہ یہ تمہارے افراد کی طرف سے آئی ہے (یونہی نہیں آگئی)۔

• اِس سے آگے آیا ہے اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۳/۱۶۵ = بیشک اللہ تعالیٰ فتح و شکست سمیت ہر چیز کے اندازے، پیمانے اور قانون مقرر کرنے والا ہے۔ (جنگِ بدر میں جب تمہارے عمل ہمارے فتح کے قانون کے مطابق تھے تو فتح ہوگئی تھی، مگر جب جنگِ اُحد میں تمہارا عمل شکست کے قانون کے مطابق ہوا ہے تو شکست ہوگئی ہے۔ ہمارے قانون میں لوچ لچک ہرگز نہیں ہے)۔

• سورہ مائدہ کی آخری آیت مجیدہ میں معاشرہ کی دو بنیادی برائیوں ذاتی ملکیت اور پہلے سے لکھی ہوئی برائیوں کے فساد انگیز نظریہ کی جڑ کاٹ دیگئی ہے کہ ذاتی ملکیت پیدا کرنے اور بڑھانے کیلئے نوعِ انسانی ہر ناجائز طریقے سے مال حاصل کرنے میں لگی ہوتی ہے اور پہلے سے لکھی ہوئی برائیوں کے نظریہ سے انسان برائیوں پر دلیر ہوجاتا ہے کہ یہ سب کچھ میری قسمت میں پہلے سے لکھا ہوا ہے۔ العیاذ باللہ!۔

• رضاءِ الٰہی یہ ہے کہ نوعِ انسانی ناجائز طریقوں سے مال حاصل نہ کرے اور برائیوں سے کنارہ کش ہوجائے تاکہ معاشرہ جنت بدوش ہوجائے اور ہر طرف سلامًا سلامًا کی گونج اُٹھ رہی ہو۔

رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۙ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ۲۳/۹۷-۹۸

بحمد اللہ!

سُورۃُ المَائدہ ختم شُد

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

وَلَا یَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِیْرًا ۝ ۲۵/۳۳

(اے رسولِ مقبولؐ) لوگ آپ کے پاس اُس کی مثل نہیں لائیں گے۔ مگر ہم آپ کے پاس اپنا حق (قرآن مجید) اور اُس کی احسن تفسیر لائے ہیں۔

سُوْرَۃُ الْاَنْعَامِ

فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِیْۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ اِنَّكَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ وَسَوْفَ تُسْئَلُوْنَ ۝ ۴۳/۴۴

ترجمہ:- (اے رسولؐ) تو اس کلام کو جو تیری طرف وحی کیا گیا ہے۔ مضبوطی سے پکڑلے۔ کیونکہ آپ صراطِ مستقیم پر ہیں۔
اور یہ (کلام) آپ کے لئے اور آپ کی قوم کے لئے تذکرہ ہے۔ تم سب سے تمہارے اعمال کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

● یہ خدا تعالیٰ کی کتاب لاریب قرآن مجید کی چھٹی سورہ مجیدہ ہے۔ انعام نام پانے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم ربوبیت عالمین کا علمبردار ہے جو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کے الفاظ یعنی ربوبیتِ عالمین سے شروع ہونا اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ کی آخری سورت پر یعنی ربوبیتِ النّاس پر ختم ہوتا ہے۔ بالفاظِ دیگر قرآن کریم ربوبیتِ عامہ ہی کی دو بڑی کڑیوں میں گھرا ہوا ہے۔ سورہ انعام سے پہلی ملحقہ سورت مجیدہ "المائدہ" یعنی "کھانوں سے چنے ہوئے دسترخوان" کے نام سے موسوم ہے جو ربوبیتِ عامہ ہی سے متعلق ہے۔ اس سورہ مبارکہ انعام نے بھی ربوبیتِ عامہ ہی کی اساس پر اَلْاَنْعَام نام پایا ہے کہ المائدہ یعنی دسترخوان کی بہترین نعمت گوشت ہے جو ان چارہ خور چوپاؤں سے بافراط میسر آتا ہے جن کے حلال ہونے کی خبر سورہ مائدہ کی ابتدا ہی میں دیدی گئی ہے اُحِلَّتْ لَکُمْ بَھِیْمَۃُ الْاَنْعَامِ ۵/۱ -

● واضح رہے کہ قرآن مجید کی پانچ سورتیں ایسی ہیں جو حمد باری یعنی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کے الفاظ سے شروع ہوتی ہیں۔ سورہ فاتحہ ۱/۲، سورہ انعام، سورہ کہف ۱۸/۱، سورہ سبا، اور سورہ فاطر ۳۵/۱ - بالفاظ دیگر پورا قرآن مجید پانچ حمدوں کے پانچ حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے نمبر پر تو سارے کا سارا قرآن مجید ابتدا ہی سورہ فاتحہ کی ابتدا میں آمدہ حمدِ اول اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کی تفسیر و تفصیل ہے۔ اور دوسرے نمبر پر قرآن کریم کی پانچ سورتوں کی ابتدا میں انہی مقدس الفاظ کا اعادہ کر دیا گیا ہے۔ بالفاظِ دیگر جہاں خدا تعالیٰ کی فعلی کتاب کائنات کا گوشہ گوشہ بزبانِ حال خدا تعالیٰ کی حمد و ستائش میں ہر لحظہ مصروف عمل ہے، اسی طرح اسکی قولی کتاب کا ہر حصہ اپنے قاری کے ذریعہ بزبانِ قال مصروف حمد ہے۔

● آگے بڑھنے سے پہلے قرآن مجید کی پانچوں سورتوں کی ابتدائی حمد کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں پہلی سورت کی حمد یہ ہے:-

● اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۱/۱ - سب اچھی تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جو تمام کے تمام جہانوں کی ربوبیت کا سامان مہیا کرنے والا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ اسلئے لائق حمد و ستائش ہے کہ وہ عالمین کیلئے سامانِ نشو و نما مہیا کرنے کا ضامن ہے)۔ قرآن کریم میں نازل کردہ حمدِ ثانی سورہ انعام کی ابتدا میں بالفاظِ ذیل مذکور ہے:-

● ۲ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۶/۱ سب اچھی تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے (اس عظیم کائنات میں سب کے سب) آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا ـــــ تیسری حمد سورہ کہف کے ابتدائی الفاظ ذیل میں نازل فرمائی گئی :-

● ۳ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ؕ سکتہ ۱۸/۱ سب اچھی تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے اپنے بندے (محمد رسول اللہ) پر (۴۷/۲) اپنی کتاب نازل فرمائی اور اُس میں کوئی ٹیڑھ پن نہیں رکھا - (نوعِ انسانی کی رشد و ہدایت کیلئے ایک متوازن ضابطۂ حیات عطا کر دیا ہے ـــــ چوتھی حمد سورہ سبا کی ابتدا میں آئی ہے :-

● ۴ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ ۳۴/۱ = سب اچھی تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جو وہ عظیم الشان ذات ہے کہ جو کچھ بھی پورے کے پورے آسمانوں اور پوری زمین میں ہے سب کا سب اُسی کی ملکیت ہے اور آخرت میں بھی صرف اُسی کے لئے حمد و ستائش ہے اور وہ بہت بڑا حکمت والا اور بہت بڑھ کر صحیح صحیح خبریں رکھنے والا ہے ـــــ پانچویں حمد سورہ فاطر میں آئی ہے :-

● ۵ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۳۵/۱ سب اچھی تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جو سب کے سب آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنیوالا ہے ـــــ اِن پانچوں حمدوں کا خلاصہ یہ ہے کہ سب کی سب حمد و ستائش کا سزاوار صرف اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ وہی آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنیوالا ہے ۶/۱ + ۳۵/۱ اِس پوری کائنات کی جملہ موجودات کا حال وہی اکیلا جاننے والا ہے ۳۴/۱ اور وہی ایک اکیلا ہے جو پوری کائنات کے پورے عالمین کیلئے سامانِ نشوونما مہیا کرنیوالا ہے ۱/۱ اور وہی عظیم الشان ذات ہے جس نے نوعِ انسانی کیلئے ایک ہی متوازن ضابطۂ حیات سابقہ انبیاؑ پر نازل فرمایا ۲۶/۱۹۶ - اور اسی کو آخری بار اپنے پاکیزہ بندے جناب محمد رسول اللہ کے ذریعہ عطا فرمادیا ۱۸/۱ -

● سورۂ انعام میں تخلیقِ کائنات، وحدتِ باری، فرائضِ رسالت معہ آنحضور سلام علیہ کے دائرۂ اختیارات کی وضاحت، کفایتِ قرآن اور ملتِ ابراہیمؑ کی توضیح، آنحضور سلام علیہ کا خالص قرآن کریم کا متبع ہونا، لوگوں کے ایمان نہ لانے کی بدولت آپکے رنجیدہ خاطر رہنے پر خدا تعالیٰ کی طرف سے تسلی و تشفی، روزِ مکافات اور جملہ انبیاء سلام علیہم پر بھی قانونِ مکافاتِ عمل کے لاگو ہونے کی وضاحت وغیرہ بہت سے مسائل کی تفصیل و تشریح کر دی گئی ہے - اِسی سورہ مجیدہ میں خبر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر رحمت فرمانا اپنے ذمہ فرض قرار دے رکھا ہے کیونکہ وہ غفور رحیم ہے - لیکن چونکہ اُس نے نوعِ انسانی کو اعمال کے لحاظ سے صاحبِ اختیار و ارادہ بنایا ہے، اسلئے جب انسان سرکشی اور نافرمانی کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اپنی بے پایاں رحمت کی بدولت توبہ اور اصلاح کی گنجائش رکھدی ہے - لیکن جب انسان نافرمانیوں اور سرکشیوں پر استقامت کر کے اپنے لئے توبہ کا دروازہ خود بند کر لیتا ہے تو گویا وہ رحمتِ خداوندی سے اپنے آپکو خود محروم کر لیتا، اور خود ہی عقوبتِ خداوندی کا مستحق ٹھہرتا ہے - چنانچہ یہ سورہ مجیدہ حمدِ باری سے شروع ہو کر متعدد مسائل کی تشریح، اچھے اور بُرے لوگوں کے حالات بیان کرتی ہوئی اِس عنوان پر آکر ختم ہوتی ہے کہ انسان خود ہی رحمتِ باری کا مستحق ٹھہرتا ہے اپنے اچھے عملوں کیساتھ اور خود ہی

اُسکی عقوبت و سزا کا مستحق بنتا ہے اپنے برے عملوں کیساتھ۔ اللہ تعالیٰ انسان کو اُسکے اپنے ہی اچھے اور برے عملوں کا بدلہ دیتا ہے۔ اسطرح وہ سریع العقاب بھی ہے اور غفور رحیم بھی ہے اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ٦/١٦٦

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
سب تعریفیں واسطے اللہ کے جس نے پیدا کیا آسمانوں
وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۥ ثُمَّ
اور زمین کو اور ٹھہرایا اندھیرا اور روشنی پھر بھی
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ۝ ١
جو لوگ انکار کرتے ہیں ساتھ رب اپنے کے برابر کرتے ہیں

(کائنات کے ہر گوشے میں) سب کی سب حمد و ستائش صرف اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا۔ اور (اُن میں نظامِ شمسی اور قمری قائم کر کے) اندھیرے اور روشنی پیدا فرمائی؎۱ (اِن اندھیروں اور روشنی کے ذریعہ وہ ربوبیتِ عالمینی کے لیئے فصلیں اور پھل پیدا کرتا ہے) پھر بھی حقائق کا انکار کرنے والے (اوروں کو) اپنے ربوبیت کرنے والے کے برابر قرار دیتے ہیں۔

● ؎۱ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ سے غلط عقائد اور توہمات کے اندھیرے اور اُنکے مقابلے پر قرآنی رشد و ہدایت کی روشنی بھی مراد ہے، لیکن چونکہ عین متصل ماقبل ذکر ہے آسمانوں اور زمین کی تخلیق کا، اسلیئے یہاں سر فہرست وہ اندھیرا اور روشنی مراد ہے جو تخلیقِ ارض و سماوات سے متعلق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نظامِ شمسی اور قمری کے قیام اور زمین کی محوری گردش کے ذریعہ ایسا نظام قائم کر دیا ہے، جس کی بدولت سورج کے سامنے والے حصۂ زمین پر روشنی ہوتی ہے اور جو حصہ سورج کے سامنے سے گزر جاتا ہے وہاں اندھیرا ہوتا ہے۔ رات کے وقت چاند کی روشنی بھی سورج کی ہے چاند کی نہیں پھر ظلمت کا لفظ چونکہ بصیغہ جمع آیا ہے اسلیئے واضح کر دیا گیا ہے کہ اسکے علاوہ اور بھی بہت سے مجازی اندھیرے ہیں جو کفر، شرک، منافقت، باطل رسومات اور خود ایجاد کردہ توہمات کی پیداوار ہیں۔ لوگ اُنہیں روشنی ٹھہراتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں اندھیرے قرار دیا ہے، جن میں نوعِ انسانی ٹھوکریں کھا رہی ہے۔

اندھیرے بہت سے مگر روشنی ایک

● لیکن یاد رہے کہ ظلمٰت بصیغہ جمع کے مقابلے پر النّور بصیغہ واحد لا کر اعلان کر دیا گیا ہے کہ النّور صرف اور صرف قرآن اکیلا ہے جس کے مقابلے پر کفر، شرک، بدعت، باطل آبائی رسومات اور ہر قسم کے توہمات کے سب اندھیرے کافور ہو جاتے ہیں۔ باری تعالیٰ نے قرآن کریم کو متعدد مقامات پر رشد و ہدایت دینے والا النور قرار دیا ہے :-

١- يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ۝ ٤/١٧٥ اے نوعِ انسانی! بلاشبہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دلیلِ قاطعہ آ گئی ہے یعنی ہم نے تمہاری طرف واضح نور نازل کر دیا ہے۔

٢- فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

~~۱۵۷~~ پس جو لوگ اُس (ہمارے رسول پر سلام علیہ) پر ایمان لائیں اور اُسکی تعظیم کریں اور اُسکی مدد کریں اور اُس نور کی اتباع کریں جو اُسکے ساتھ نازل کیا گیا ہے وہی لوگ کامیاب ہونیوالے ہیں۔

۳- فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا ~~۶۴/۸~~ پس ایمان لاؤ اللہ کیساتھ اور اُسکے رسول (محمد عربی) کیساتھ اور اُس نور کیساتھ جو ہمنے نازل فرمایا ہے ——— دیکھئے! ان آیات کریمات میں اُس چیز کو نور بتایا گیا ہے جو آنحضور نبی اکرم پر نازل فرمایا گیا ہے اور وہ ہے صرف قرآنِ کریم ~~۴۷/۲~~ پس حصولِ رُشد و ہدایت کیلئے قرآنِ کریم نور ہے - روشنی ہے اور یہی واجب الاتباع ہے۔

رجوع الی المطلب • سلسلۂ درس کی آیت اوّل ~~۹/۱~~ میں تخلیقِ کائنات کا ذکر کرنے کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں انسانی تخلیق کا تذکرہ لایا گیا ہے کہ اللہ نے انسان کی ابتدا مٹی سے کی اُسکے بعد نطفہ سے پیدا کرکے موت کے حوالے کر رہا ہے :-

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰٓی وہی ہے جس نے پیدا کیا تمکو ہیں سے گیلی مٹی کے پھر مقرر کردی اَجَلًا ؕ وَاَجَلٌ مُّسَمًّی عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ میعاد - اور میعاد ہے نام رکھی گئی اُسکے ہاں پھر تم تَمْتَرُوْنَ ۝۲ شک کرتے ہو	(اللہ ہی) وہ عظیم الشان ذات ہے جس نے (اے نوعِ انسانی!) تمہیں گیلی مٹی سے پیدا کیا - پھر (تمہاری طبعی زندگی کی) میعاد بھی مقرر کردی - اور اُسکے ہاں (مکافاتِ عمل کیلئے) نام رکھی ہوئی (یعنی قیامت کی) میعاد بھی مقرر کردی گئی ہے - پھر بھی تم ہو کہ (اعمال کی جوابدہی میں) شک کرتے ہو۔

• ~~۱~~ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ سے مراد یہ نہیں کہ اوّلین انسان کا بُت بنایا گیا تھا - بلکہ مِنْ طِیْنٍ کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ نوعِ انسانی کو گیلی مٹی سے یعنی زمین میں سے پیدا کیا گیا تھا - جیسے کہ قرآنِ کریم کے چار مقامات پر اسکی تصریح کی گئی ہے :-

۱- هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِیْهَا ~~۱۱/۶۱~~ اُس نے تمہیں زمین میں سے پیدا کیا اور اسی میں تمہیں آباد کر دیا۔

۲- وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ~~۷۱/۱۷~~ اور اللہ نے تمہیں زمین میں سے پیدا کیا ٹھیک ٹھیک پیدا کرنا۔

۳- هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ~~۵۳/۳۲~~ وہ تمہیں خوب جانتا ہے جب اس نے تمہیں زمین میں سے پیدا کیا تھا

۴- مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِیْهَا نُعِیْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰی ۝ ~~۲۰/۵۵~~ ہمنے تمہیں اس (زمین) میں سے پیدا کیا ہے اور اسی میں تمہیں لوٹا دیتے ہیں اور اسی میں سے (قیامت کو) تمہیں دوبارہ نکال لینگے۔

• دیکھئے آیاتِ کریمہ مذکورہ بالا میں بار بار بتایا گیا ہے کہ نوعِ انسانی کو زمین میں سے پیدا کیا گیا ہے - (مزید وضاحت کیلئے تفسیر القرآن بالقرآن کی جلد دوم کا صفحہ ۱۷۵ کی نیچے سے دوسری سطر مع صفحہ ۱۷۶ ملاحظہ فرمائیں۔

• ~~۲~~ ثُمَّ قَضٰٓی اَجَلًا سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مستقل قانون بنایا ہے کہ ہر فردِ بشر زندگی گزار کر بالآخر مرجاتا ہے

یہاں اجل کا معنیٰ ہے عمر کی انتہا۔ اب رہا یہ سوال کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی الگ الگ عمر لکھ دی ہے کسی کی ایک دن یا ایک گھڑی اور کسی کی ایک سال اور کسی کی سو سال ؟

انسان کی طبعی عمر

● انسان کی طبعی عمر کی وضاحت سورۂ حج میں کر دی گئی ہے بڑھاپے تک۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے :۔ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّ غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ وَ نُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۲۲/۵

(مفہوم) بیشک ہم نے تمہاری ابتدائی پیدائش مٹی سے کی۔ پھر افزائش نسل نطفہ سے ٹھہرائی۔ پھر رحم مادر میں جمے ہوئے خون سے، پھر گوشت کے لوتھڑے سے نقش نمایاں اور غیر نمایاں سے تاکہ ہم تم پر واضح کر دیں (کہ ہم اربوں کھربوں صورتیں ایک دوسری سے مختلف بنا سکتے ہیں) اور ہم اپنے قانون مشیت کے مطابق تمہیں ایک مقررہ مدت کیلئے مادر کے رحم میں رکھتے ہیں۔ پھر تمہیں ہم بچے کی صورت میں پیدا کرتے ہیں تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچو۔ پھر تم میں سے بعض ایسے ہیں جو (حوادثات کے ہاتھوں طبعی عمر تک پہنچنے سے) روک لئے جاتے ہیں۔ اور بعض ایسے ہیں جو (اپنی طبعی عمر یعنی) ناکارہ عمر تک پہنچ جاتے ہیں تاکہ وہ علم کے باوجود کچھ نہ جانیں۔

● دیکھئے! اس آیت مجیدہ میں انسان کی طبعی عمر بتائی گئی ہے وہ وقفہ جس میں انسان ایک عالم فاضل ہوتے ہوئے سب کچھ بھول جاتا ہے۔ اگر اس سے پیشتر کوئی بیماری، حادثہ، ایکسیڈنٹ وغیرہ پیش آجائے تو اسے مَنْ يُّتَوَفّٰى کے الفاظ میں بصیغہ مجہول مَالَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهٗ بیان کیا گیا ہے۔ ان بیماریوں اور حادثوں پر قابو پانا انسانی فریضہ ہے تاکہ ہر انسان اپنی طبعی عمر پا سکے۔ حادثات پر قابو پانے کیلئے چوکوں میں سپاہی کھڑا کرنا، تاکہ مخالف سمتوں سے آنیوالی گاڑیاں ٹکرانے نہ پائیں، یہ بھی ہر انسان کے طبعی عمر تک پہنچنے میں ایک صحیح پیش رفت ہے، نیز سڑکوں اور ریل کی لائنوں کو ڈبل کر کے حادثات کو روکنا بھی اسی سمت کا ایک اہم اقدام ہے۔

● اسکے علاوہ بیماریوں پر قابو پانے کیلئے ماڈرن تشخیص گاہوں میں اعلیٰ ترین آلات نصب کرنا بھی اسی سمت کو اہم پیش رفت ہے اور ہر پیدا ہونیوالے بچے کو ہر بیماری کے کامیاب ٹیکے لگانا بھی انسان کو اسکی طبعی عمر تک پہنچنے کی راہ سے رکاوٹیں دور کرنے کا قابل قدر اقدام ہے۔ جیسے کہ چیچک کے کامیاب ٹیکوں کی بدولت ۱۹۷۸ء سے اشتہار دیدیا گیا ہے کہ چیچک کا ایک بیمار دکھاؤ اور پانچ ہزار روپیہ انعام پاؤ۔ ٹی بی کا علاج ایجاد ہو چکا ہے، کینسر، دمہ اور فالج وغیرہ جو مَنْ يُّتَوَفّٰى کے فاعلوں میں سے ہیں ان امراض اور حوادثات پر قابو پالینا انسان پر لازم ہے۔ جب ایسا کر لیا گیا تو ہر شخص طبعی عمر کو پہنچیگا لیکن یاد رہے کہ موت کا علاج کوئی نہیں، ہر کسی کو یقیناً یقیناً موت کا مزہ چکھنا ہے كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۳/۱۸۵ ، ۲۱/۳۵ ، ۲۹/۵۷ -

● اَجَلٌ مُّسَمًّى سے مراد ہے نام رکھا ہوا وقفہ، جیسے قرآن مجید میں يَوْمُ الْقِيٰمَةِ، يَوْمُ الْاٰخِرَةِ اور يَوْمُ الدِّيْنِ کے متعدد

ناموں سے مسمّٰی کیا گیا ہے۔ لفظ اجل کا معنیٰ ہے مدت، میعاد، عمر کی انتہاء اور اس زندگی کے اعمال کا انجام، جس کا فیصلہ قیامت کی عدالتِ عالیہ میں سنایا جائیگا۔ اُس عدالت میں کسی مجرم کا کوئی جرم کسی بھی صورت میں چھپا نہیں رہیگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر مجرم کے جرم کا خود عینی گواہ ہے۔ وہ ہر جگہ حاضر ناظر ہے اور وہ ہمارے مخفی اور ظاہر جملہ اعمال کو خوب خوب جانتا ہے۔ چنانچہ اگلی آیتِ مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے:۔

وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ۗ
اور وہ اللہ ہے بیچ آسمانوں کے اور بیچ زمین کے

يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ۝ ۳
وہ جانتا ہے پوشیدگی تمہاری اور ظاہر تمہارا اور وہ جانتا ہے جو تم عمل کرتے ہو

اور وہ اللہ (موجود) ہے سارے کے سارے آسمانوں میں بھی اور (ہر جگہ) زمین میں بھی۔ اور وہ جانتا ہے اُن اعمال کو بھی جو تم چھپ کر کرتے ہو اور اُن اعمال کو بھی جو تم ظاہر اً کرتے ہو۔ اور وہ جانتا ہے جو تم کسب کرتے ہو۔

نظریۂ وحدتُ الوجود

● ۱ـ هُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ کے الفاظ سے یہ تصور اخذ کرنا کہ اللہ کے سوا کوئی چیز موجود ہی نہیں ہر چیز اللہ کا نظریۂ "وحدت الوجود" مطلقاً غلط ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے ارادے سے مادہ کو خود عالمِ وجود میں لایا۔ پھر مادہ سے کائنات کے متعدد عناصر پیدا کئے۔ انسان کو پیدا کر کے مادہ کے جملہ عناصر اسکے حوالے کر دیئے، جنہیں یہ تصرف میں لا کر آئے دن محیّر العقول ایجادات کو عالمِ وجود میں لا رہا ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے خود اعلان فرمایا ہے کہ انسانوں میں بھی ایسے صنعت کار موجود ہیں جو مادہ کے مختلف عناصر سے حسین و جمیل مصنوعات تیار کرتے چلے جا رہے ہیں۔ لوہے سے، لکڑی سے، تانبے۔ یورینیم وغیرہ سے عمدہ سے عمدہ چیزیں تیار کر رہے ہیں۔ وہ اپنی مصنوعات کے خالق ہیں۔ لیکن احسن الخالقین اللہ تعالیٰ ہے جس نے مادہ اور اُسکے جملہ عناصر پیدا کئے ہیں۔ انسان لوہے، لکڑی، تانبے اور یورینیم وغیرہ کی مصنوعات تو بنا سکتا ہے لوہا، لکڑی، تانبہ اور یورینیم وغیرہ نہیں بنا سکتا۔

● پس احسن الخالقین کی قرآنی خبر کے مطابق نہ صرف یہ کہ اللہ کے سوا اور وجود اس کائنات میں موجود ہیں، بلکہ وہ مادہ کے مختلف عناصر پر صنعت کاری کر کے اپنی مصنوعات کے محدود خالق بھی ہیں۔ اِسکے علاوہ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کیلئے آیا ہے وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۷/۱۵۱ ـ اور تو رحم کرنیوالوں سے بہت بڑھ کر رحم کرنیوالا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان میں رحم کی صفت بھی رکھدی ہے۔ بہت سے انسان جذبۂ انتقام پر قابو پا کر شدید ترین مخالفوں تک کو معاف کر دیتے ہیں، جیسے کہ فتح مکہ کے موقع پر آنحضور ﷺ نے شدید ترین مخالفت کا ارتکاب کرنیوالوں پر رحم کر کے معاف کر دیا تھا۔

● اِسکے علاوہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ میں نے آسمانوں اور زمین کو بنایا، میں نے انسانوں کو پیدا کیا، حیوانوں کو پیدا کیا، نباتات و جمادات کو پیدا کیا۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے، کیا اللہ تعالیٰ نے غلط دعویٰ کیا ہے؟ اور کیا اُسکے پیدا کردہ وجود موجود نہیں جو وحدت الوجود کے قائل حضرات کی آنکھوں کے سامنے ہیں؟ پس از روئے قرآن نظریۂ وحدت الوجود یکسر غلط اور ذاتِ باری کی پاک شان کے خلاف ہے۔ کیونکہ نظریۂ وحدت الوجود کو مشاہدات کی کسوٹی پر پرکھنے سے جو چیز سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ

دنیا میں قاتل بھی موجود ہیں اور مقتول بھی موجود ہیں۔ ظالم بھی موجود ہیں اور مظلوم بھی موجود ہیں۔ کاذب بھی موجود ہیں اور مکذوب بھی موجود ہیں تو اس طرح اگر سب کے سب کو اللہ تعالیٰ ہی کا وجود تسلیم کر لیا جائے تو ماننا پڑیگا کہ اس کائنات میں معاذ اللہ معاذ اللہ! قاتل بھی اللہ ہے اور مقتول بھی اللہ ہے۔ ظالم بھی اللہ ہے اور مظلوم بھی اللہ ہے۔ کاذب بھی اللہ ہے اور مکذوب بھی اللہ ہے۔ موسیٰ بھی اللہ تھا اور فرعون بھی اللہ تھا۔ آنحضور بھی اللہ تھے اور ابوجہل بھی اللہ تھا۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ مِنْ هٰذِهِ الْخُرَافَاتِ۔

● سلسلۂ درس کی اگلی دو آیاتِ مجیدہ میں رب تعالیٰ کی آیاتِ مبارکہ کا انکار کرنیوالوں کے متعلق خبر دیگئی ہے کہ وہ نہ صرف یہ کہ اُنکا انکار کرتے ہیں۔ بلکہ اُن کا مذاق بھی اُڑاتے ہیں۔ یاد رہے کہ قرآن مجید میں جس جگہ اللہ تعالیٰ کی آیات کے انکار کا ذکر ہو، وہاں اُسکی نازل کردہ عام اُمتوں کا انکار مقصود ہوتا ہے اور جہاں رب تعالیٰ کی آیاتِ مبارکہ کے انکار کا ذکر ہو، وہاں اُسکی نازل کردہ اُن اُمتوں کا انکار مقصود ہوتا ہے جن میں پوری نوعِ انسانی کا متوازن حقِ ربوبیت مذکور ہو دیکھئے ارشادِ باری ہے۔

وَمَا تَأْتِيهِم مِّنْ آيَةٍ مِّنْ آيَاتِ
اور نہ آئی پاس اُنکے کوئی آیت میں سے آیتوں

رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ۝٤
رب اُنکے۔ مگر ہیں وہ اُس سے اعراض کرنیوالے

اور اُن کے پاس کوئی بھی آیت اُن کے رب کی طرف سے (ربوبیتِ عامہ کی تاکید میں) نہیں آئی کہ اُنہوں نے اُس کا انکار نہ کیا ہو۔

فَقَدْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ
پس جھٹلایا حق کو جب پاس آیا اُنکے

فَسَوْفَ يَأْتِيهِمْ أَنبَاءُ مَا كَانُوا بِهِ
پس ضرور آئینگی پاس اُنکے خبریں جو تھے وہ ساتھ اُسکے

يَسْتَهْزِئُونَ ۝٥
مذاق اُڑایا کرتے

پھر جب اُن کے پاس حق آگیا ہے تو اُنہوں نے جھٹلا دیا ہے۔ پھر یہ لوگ خبردار ہو جائیں۔ (بگوشِ ہوش سُن لیں) کہ جس انقلابِ ربوبیت کا) یہ لوگ مذاق اُڑاتے ہیں۔ (اُس کے بشکلِ مشہود واقع ہونے کی) خبریں اُن کے پاس آکر رہینگی۔

نظامِ ربوبیت کے قیام کی پیشگوئی

● اِن آیاتِ مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ آنحضور کے مدِمقابل قیامِ نظامِ ربوبیتِ عامہ کو جھٹلانے کے بعد اُس کا یہ کہہ مذاق اُڑاتے ہیں کہ کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ عوام و خواص، سب ایک سطح پر آجائیں، مالک و مملوک اور اعلیٰ و ادنیٰ سب کے حقوق مساوی قرار پا جائیں؟ مگر پیشگوئی کر دی گئی ہے کہ ایک دن آنیوالا ہے کہ آنحضور کے ہاتھوں ایسا نظام قائم ہو جائیگا کہ اُس میں نہ صرف یہ کہ سب کے حقوق مساوی قرار دیئے جائیں گے بلکہ مالک و مملوک اور اعلیٰ و ادنیٰ کی تمیز یکسر اُٹھا دی جائیگی۔ اور یہ خبر تمہارے کانوں

تک ضرور ضرور پہنچ جائیگی۔ چنانچہ اس بوڑھے آسمان نے دیکھ لیا کہ آنحضورؐ کے قائم کردہ نظامِ معاشرہ میں وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ ۱۷/۷۰ کے قرآنی اعلان کے مطابق اعلیٰ وادنیٰ کا تصور ختم کر دیا گیا۔ اور نیز وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۲/۳۶ + ۷/۲۴ کی قرآنی خبر کے مطابق ہر فردِ معاشرہ کو زمین میں بلا کرایہ اپنے مکان اور زندگی کے آخری سانس تک ضروریاتِ زندگی باقاعدہ ملتے رہنے کا صرف اعلان کر دیا گیا تھا، بلکہ اُسے عملاً نافذ کر دیا تھا۔ یعنی مملکتِ مصطفوی میں نہ کوئی کرایہ دار تھا اور نہ ضروریاتِ زندگی کے مساوی اور متوازن حق سے محروم۔ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ۔ سَلٰمٌ عَلٰى خَاتَمِ النَّبِيّٖنَ۔ سَلٰمٌ عَلٰى رَحْمَةٍ لِّلْعٰلَمِيْنَ۔

آنحضورؐ کے مخالف ہلاک کر دئیے گئے تھے

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں یہ پیشگوئی بھی موجود ہے کہ آنحضورؐ کے وہ مخالف جو مخالفت پر ڈٹے رہے وہ اُسی طرح ہلاک کر دئیے جائینگے جسطرح سابقہ انبیاءؑ کی مخالف قومیں ہلاک کر دی گئی تھیں:۔

اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ
کیا اُنہوں نے غور نہیں کیا کتنے ہلاک کیے ہمنے ان سے پہلے میں سے

قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ
زمانے۔ اقتدار دیا ہمنے انہیں بیچ زمین کے جو نہیں اقتدار دیا ہمنے تمہیں

وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ
اور بھیجا ہمنے آسمان اُوپر اُنکے موسلا دھار اور بنائیں ہمنے نہریں

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ
چلتی میں سے ماتحت اُنکے۔ پھر ہلاک کیا ہمنے اُنکو بسبب گناہوں اُنکے

وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝ ۶
اور پیدا کیا ہمنے میں سے بعد اُنکے زمانہ دوسرا

کیا اُنہوں نے غور نہیں کیا (یعنی اُنہیں غور کرنا چاہیئے) کہ ہمنے اُن سے پہلے کے کتنے زمانوں کے لوگوں کو ہلاک کر دیا جنہیں ہمنے (اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق) اسقدر اقتدار دیا تھا جو تمہیں نہیں دیا گیا اور ہمنے اُن پر (اپنے قانون کے مطابق) پے در پے بارشیں برسائیں۔ اور ہم نے پایا کہ اُن کے ماتحت نہریں بہتی تھیں (یعنی نہروں پر اُن کا کنٹرول تھا، جب چاہتے تھے بہا لیتے تھے اور جب چاہتے تھے بند کر دیتے تھے، اُنکا رُخ دوسری طرف کر دیتے تھے) پھر ہمنے اُنہیں اُنکے گناہوں (عدمِ قیامِ نظامِ ربوبیّت) کی بدولت ہلاک کر دیا اور اُنکی جگہ دوسرے زمانہ کے لوگوں کو پیدا کر لیا۔ (اسی طرح اُنہیں بھی ہلاک کر دیا جائے گا اور ربوبیّت کے حامی دوسرے زمانہ کے لوگ لے آئے جائیں گے۔

● مَا مَكَّنّٰهُمْ میں مشیّت محذوف ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنا ہر کام اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق کرتا ہے۔ حکومت اُس قوم کو ملتی ہے جو ایسے عمل کرے جن کے مطابق حکومت میسّر آسکتی ہے۔ حصولِ حکومت کے دو ذرائع ہیں:۔

۱۔ پہلا ہے **عوامی اتحاد اور مادی اسباب کی قوت**۔ یہ وہ طاقت ہے جس کیساتھ حضرات موسیٰ، داؤد، مسیح اور محمد سلام علیہم نے حکومت حاصل کی تھی۔ یہ حکومتِ الٰہیہ ہے جس میں ربوبیّت کی رُو سے صدر و عوام ایک ہی سطح کے افراد ہوتے ہیں۔

۲۔ اور دوسرا ہے **ذاتی استبداد اور مادی اسباب کی قوت**۔ یہ وہ طاقت ہے جس کیساتھ فرعون، ہامان اور چنگیز و

ہلاکو جیسے مفسدین نے حکومت حاصل کی تھی۔ یہ حکومت شیطانیہ ہے جس میں بالادست افراد کے ہاں نعماءِ خداوندی کی فراوانی ہوتی ہے اور عوام ضروریاتِ زندگی تک سے محروم پائے جاتے ہیں۔

(نوٹ) یہ ایک لمبا مضمون ہے اسکی تفصیل تُؤْتِي الْمُلْكَ مَن تَشَاءُ وَتَنزِعُ الْمُلْكَ مِمَّن تَشَاءُ ۳/۲۶ کی وضاحت تفسیر القرآن بالقرآن جلد دوم کے صفحہ ۲۲ - ۲۳ پر ملاحظہ فرمائیں۔

● ۲ أَرْسَلْنَا السَّمَاءَ کا لفظی معنیٰ یہ ہے کہ ہم نے آسمان کو بھیجا۔ ارسالِ سماء ایک عربی محاورہ ہے، جس کا مفہوم ہے بارشوں کا پے در پے اور موسلا دھار برسنا۔ گویا کہ آسمان ہی کو بھیج دیا گیا ہے۔

● ۳ جَعَلْنَا الْأَنْهَارَ میں فعل جعل کا مصدری معنیٰ پایا ہے۔ وہ نہریں جو حکومت کے ماتحت چلتی ہیں، یعنی جن پر حکومت کا کنٹرول ہوتا ہے کہ جب اور جس طرف کو چاہیں بہالیں۔ انہیں حکومتیں خود کھودتی ہیں اور اُن پر ہیڈ اور بیراج بناکر کنٹرول کرتی ہیں۔ (فعل جعل کی مفصّل توضیح تفسیر القرآن بالقرآن جلد اوّل کے صفحہ ۱۰۵ دیباچہ پر ملاحظہ فرمائیں)۔

● ۴ فَأَهْلَكْنَاهُم بِذُنُوبِهِمْ کے الفاظ میں جو بتایا گیا ہے کہ ہم نے انہیں اُنکے گناہوں کی بدولت ہلاک کر دیا۔ اس کے ضمن میں یاد رہے کہ ہلاکت اِن گناہوں کی بدولت لازم نہیں آتی ہے کہ کوئی قوم خدا کو نہیں مانتی، یا شراب وکباب کی عادی ہے۔ بلکہ ہلاکت اور ضیاعِ حکومت اِس گناہ پر لازم ہو جاتی ہے کہ عوام کو ضروریاتِ زندگی سے محروم کر دیا جائے۔ قرآن کریم میں فراعنۂ مصر کی حکومت کا ذکر موجود ہے، جو قرآنی خبر کے مطابق حضرت یوسف سلام علیہ کے زمانہ سے قائم تھی، مگر حضرت موسیٰ سلام علیہ کے زمانہ میں چھینی گئی۔ یہ کئی ہزار سالہ حکومت قائم کیوں رہی؟ اسلئے کہ اسکے حکمرانوں نے عوام کے حقوقِ ربوبیّت کو کسی نہ کسی حد تک قائم رکھا۔ قرآنی خبر کے مطابق دورِ یوسفی والے فرعون کو جب سات دُبلی گائیوں کے سات موٹی گائیوں کو کھا جانے کی خواب آئی اور سات ہرے سِٹّے اور سات سِٹّے خشک دیکھے۔ تو چونکہ سِٹّوں کا تعلق اناج کیساتھ ہے اور اناج کا تعلق ربوبیّتِ عامہ کیساتھ ہے اسلئے وہ بیقرار ہو گیا۔ اپنے دانشوروں سے خواب کی تعبیر دریافت کی، مگر بات کسی کی سمجھ میں نہ آئی۔ آخر جب حضرت یوسف سلام نے خواب کی صحیح تعبیر بتائی تو اُس نے آپ ہی کو غلّے کے اس چودہ سالہ کنٹرول کا ناظمِ اعلیٰ بننے کی دعوت دیدی۔ اور جب حضرت سلام مصر کے سیاہ و سفید کو آپکے حوالے کر دینے کے متعلق ارشاد فرمایا تو خزانہ سمیت سلطنتِ مصر کے جملہ اختیارات آپ کے قدموں میں ڈالدیئے گئے۔

● اُس نے نہ صرف آپکو غلّے کے چودہ سالہ کنٹرول کا ناظمِ اعلیٰ بنادیا، بلکہ آپکو ایسا عزیزِ مصر قرار دیا کہ خود بھی آپکے ماتحت ہو گیا۔ تو یاد رہے کہ ایسے ربوبیتِ عامہ کے خدمتگار حاکموں کو نہ ہلاک کیا جاتا ہے نہ اُن سے حکومت چھینی جاتی ہے اگرچہ وہ خدا کو بھی نہ مانتے ہوں اور شراب وکباب کے بھی عادی ہوں۔ لیکن جب اِسی ملک مصر کے خاندانِ فراعنہ ہی کے ایک فرعون نے دورِ موسوی میں عوام کو اُن کے حقوقِ ربوبیّت سے یکسر محروم کر دیا، تو حکومت بھی چھین لی گئی اور ہلاک بھی کر دیا گیا۔ اِسی مسئلہ کے ضمن میں دورِ حاضرہ ۱۹۷۹-۸۰ء کے مشاہدات گواہ ہیں کہ جن ممالک میں عوام کے مزدوروں کو معقول اُجرتیں دی جاتی ہیں چونکہ

اُنکے حقوقِ ربوبیّت اس اقدام کی بدولت بآسانی میسّر آتے ہیں، اُن ملکوں کے حکمران اگرچہ خدا تعالیٰ کے منکر ہیں یا تین خدا مانتے ہیں اور شراب کباب کے بھی دائمی عادی ہیں اُنکی حکومتیں امن و سکون کیساتھ چل رہی ہیں۔ اور جن ملکوں میں مزدوروں کو اُجرت صرف اتنی دی جاتی ہے کہ وہ کل کی مزدوری کیلئے زندہ رہ سکیں، اُن ملکوں میں آئے دن حکمران ہلاک اور حکومت کے تختے اُلٹتے رہتے ہیں۔ خواہ وہ حکمران مسلمان بھی کہلاتے ہیں اور اللہ و رسولؐ پر ایمان بھی رکھتے ہیں۔

● المختصر! آیت زیرِبحث ۶/۶ میں نظامِ ربوبیّتِ عامہ کے مخالفوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ غور کریں، جس طرح عوام کے حقوقِ ربوبیّت کے سابقہ مخالفوں کو ہلاک کر دیا جاتا رہا ہے تمہیں بھی ہلاک کر دیا جائیگا۔ چنانچہ ہوا یہ کہ آنحضورؐ کے مخالف آپکی زندگی میں ہلاک کر دیئے گئے۔ فَاعْتَبِرُوْا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ ۵۹

لکھی ہوئی کتاب کے نزول کا مطالبہ

● سلسلۂ درس کی اگلی آیاتِ مجیدہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضورؐ کے مخالفوں کا ایک مطالبہ یہ تھا کہ آپ پر لکھی لکھائی کتاب نازل ہوئی اور آپ پر اُن کا کوئی ذہنی ملک کیوں نازل نہیں ہوا۔ اسکا اوّلین جواب تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے قانون اور سُنّت کو کبھی نہیں بدلتا ۵/۲۹ + ۳۵/۴۳ اور عوام کے ذہنی ملائکہ جو بقول اُنکے اپنی نوع تبدیل کر لیتے ہیں، اپنی شکلوں میں دکھائی نہیں دیتے تو جب وہ انسانی شکل میں آئیں تو پھر بھی یہ لوگ یہی کہینگے کہ یہ تو بشر ہے ملک نہیں۔ ان لوگوں کا نوعیں بدل جانے کا عقیدہ ہی از روئے قرآن غلط لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۳۰/۳۰۔ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کیلئے بدلنا ہے ہی نہیں۔ اب ملاحظہ فرمائیں ارشادِ باری :-

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ

اور اگر نازل کرتے ہم اُوپر تیرے کتاب بیچ کاغذ کے

فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا

پھر وہ چھوتے اُسے ساتھ ہاتھوں اپنے کے البتہ کہتے، جو لوگ کافر ہوئے

اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ ۷

نہیں ہے یہ مگر جھوٹ ہے کھلا

(یہ لوگ کاغذ پر لکھی ہوئی کتاب کا مطالبہ کرتے ہیں) اگر ہم کاغذ پر لکھی ہوئی کتاب نازل کرتے۔ پھر یہ لوگ اُسے اپنے ہاتھوں کے ساتھ چھو لیتے، تو انکار کرنیوالے پھر بھی (اُسکے مندرجات کو) کہتے کہ یہ کھلا جھوٹ ہے ۷

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ

اور وہ کہتے ہیں کیوں نہیں نازل ہوا اوپر اسکے ملک

وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا

اور اگر نازل کرتا ہم ملک، البتہ فیصلہ ہوتا تمام۔ پھر نہ

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس (مدّعیِ رسالتؐ) پر (اسکی مدد کے لئے اور لوگوں کو ڈرانے کے لئے ۲۵/۷) کوئی ملک کیوں نازل نہیں ہوا۔ اور اگر ہم اپنا کوئی ملک (یعنی اپنی کوئی کائناتی قوت آندھی یا بجلی وغیرہ) نازل کر دیں تو اُن کا کام ہی تمام کر

يُنْظَرُوْنَ ۝ ۸
وہ مہلت دئیے جائیں

دیا جائے۔ پھر ان (مجتبیاں کرنے والوں کو مہلت نہ دی جائے

● ۱ سحر کا معنیٰ جادو نہیں کیونکہ جادو کا تو دنیا میں وجود ہی موجود نہیں۔ سحر کا معنیٰ ازروئے قرآنی تصریف آیات جھوٹ ہے۔ قرآنی دلائل کیلئے دیکھئے تفسیر القرآن بالقرآن جلد اوّل کے شروع میں دئیے گئے دیباچہ کا صفحہ ۵۵۔

● ۲ آیت نمبر ۸ میں ملائکہ کے متعلق فیصلہ کر دیا گیا ہے کہ اگر کوئی ملک نازل کر دیا جائے تو نزولِ ملک کے طلبگاروں کو مہلت نہیں دی جاتی، فوراً ہلاک کر دئیے جاتے ہیں۔ ملک کا لفظی معنیٰ ہے ایک ہی نہج پر عمل کرنیوالا ایک ہی منکا کا مالک۔ کائناتی قوتیں بجلی آندھی زلزلہ وغیرہ مہلک ملک ہیں کہ جب وہ کسی مجرم قوم پر نازل کئے جائیں تو پھر اُسے مہلت نہیں دی جاتی۔ اُسکا کام تمام کر دیا جاتا ہے۔ (ملائکہ کی تفصیل وضاحت کیلئے دیکھئے تفسیر القرآن بالقرآن جلد دوم کا صفحہ ۱۰۱ تا ۱۰۸)

● آیت بالا میں آپنے دیکھ لیا ہے کہ باری تعالیٰ نے ملائکہ کی حقیقت تو بیان کر دی ہے۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں نوع بدلنے والے لوگوں کے ذہنی ملائکہ کے نزول کا مطالبہ کرنے والوں کی بے عقلی نمایاں کیگئی ہے کہ اگر بفرضِ محال ہم اپنے ملک کو اُنکا ذہنی ملک بنا کر آنحضور پر نازل کریں، تو چونکہ اُنکے عقیدہ کے مطابق وہ پھر ایک انسان کی شکل والا ہوگا۔ تو بات پھر بھی نہ بنی وہ اِنکے سامنے انسانی شکل ہی میں آئیگا۔ اور یہ لوگ پھر شبہ میں پڑ کر کہینگے یہ تو بشر ہے ملک نہیں:۔

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا
اور اگر بناتے ہم اُسے ملک البتہ بناتے اُسے آدمی

وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝ ۹
اور مشتبہ کر دیتے ہم اُن پر اُسکے جسے وہ خود مشتبہ کرتے ہیں۔

اگر ہم اُس کو (یعنی اپنے کسی ملک کو انکا ذہنی) ملک بنا دیں تو (انکے تصور کے مطابق) اُسے آدمی بنا دیں۔ پھر ہمنے اُسے اُنکے لئے مشتبہ کر دیا، جیسے وہ مشتبہ کرتے ہیں۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ
اور البتہ تحقیق مذاق اُڑایا گیا ساتھ رسولوں کے پہلے تیرے سے

فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا
پھر گھیر لیا اُنکو جو لوگ مذاق کرتے تھے اُن میں سے جو تھے

بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ ۱۰ ع
ساتھ اُسکے مذاق کرتے

اور بیشک اے رسولؐ! آپ سے پہلے رسولوں کیساتھ تمسخر کیا گیا تھا پھر اُن میں سے جو لوگ تمسخر کرتے تھے، اُنہیں اُسی (بُرے عمل کے بُرے نتائج) نے گھیر لیا، جس کیلئے وہ (رسولوں سے) تمسخر کیا کرتے تھے۔

● ۱ جعلنٰہُ اور لجعلنٰہُ میں ہٗ کی دونوں ضمیریں اُس ملک کی طرف پھرتی ہیں جس کا ذکر پچھلی آیت میں گزر چکا ہے کہ وہ تو نافرمانوں کو ہلاک کرنے والا ہے آندھی، بجلی، زلزلہ وغیرہ کہ جب اُسے بطورِ عذاب بھیجا جائے پھر نافرمانوں کو مہلت ہرگز ہرگز

نہیں دی جاتی۔ بمگر:۔

● مہ اِس لفظ مَلَکًا سے عوام کا ذہنی مَلَک مُراد ہے۔ کیونکہ مَلَک کو مَلَک بنانے کا کیا مطلب؟ دیکھئے اُن آیات مجیدہ نمبر ۸ و ۹ میں کھل کر واضح کر دیا گیا ہے کہ اللہ کے مَلَک اُسکی کائناتی قوّتیں ہیں کہ جب خدا تعالیٰ کی طرف سے بصُورتِ عذاب بھیجی جاتی ہیں تو پھر نافرمانوں سرکشوں کو ڈھیل نہیں دی جاتی، اُنہیں اپنے ملائکہ کے ذریعے ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ اور وُہ ملائکہ جن کے متعلق یہ نظریہ چل رہا ہے کہ وہ اپنی نوع بدل لیتے ہیں، وہ عوام کے ذہنی ملائکہ ہیں۔ قانونِ خداوندی میں تو کسی نوع کے تبدیل ہو جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا $\frac{30}{30}$ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ۔

● مہ یہاں بِه کی ضمیر اُس بُرے فعل کی طرف پھرتی ہے جس سے انبیاء سلامٌ علیہم لوگوں کو منع کرتے تھے اور لوگ یہ کہہ کر رسولوں کا مذاق اُڑاتے تھے کہ ان اعمال پر ہمنے اپنے باپ دادا کو پایا ہے $\frac{7}{28}$ $\frac{21}{43}$ لیکن ہونا یہ تھا کہ اُنہی کے بُرے عملوں کا بُرا انجام اُنہیں گھیر لیتا تھا۔ بُرے اعمال کی بُری خبر دینے کے بعد اگلی آیتِ مجیدہ میں ارشاد ہُوا کہ اے رسُولؐ! سب لوگوں سے کہہ دیجئیگا کہ زمین میں چل پھر کر خود دیکھ لو کہ خداوندی حقائق کو جھٹلانیوالوں کا بالآخر انجام کیا ہُوا تھا:۔

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا

کہہ دیجئیگا! پھرو بیچ زمین کے پھر دیکھو

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ○ ۱۱

کیا ہُوا انجام جھٹلانیوالوں کا

کہہ دیجئیگا (اے رسُولؐ!) سیر کرو زمین میں، پھر (بچشمِ خود) دیکھ لو کہ (خداوندی حقائق کو) جھٹلانیوالوں کا کیا انجام ہُوا تھا (بڑی بڑی قوموں کے عالیشان محلّات کے کھنڈرات اُن کی تباہی و بربادی کی مُنادی کر رہے ہیں)۔

انبیاء سلامٌ علیہم کا نہ کوئی قلعہ تھا نہ محل تھا، نہ دیوانخانہ

● زمین پر چل پھر کر دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ جتنے بڑے بڑے قلعے، اُونچے اُونچے محل اور نفیس دیوانخانے اُجڑے پڑے ہیں، اُن میں سے کوئی بھی نہ کسی نبیؐ رسولؐ کا کوئی قلعہ ہے نہ محل ہے نہ دیوانخانہ، بلکہ سب کے سب اُن سرکش حکمرانوں کے ہیں جن کے عوام کو نہ صرف یہ کہ رہنے کی معقول سی جھونپڑی میسّر نہیں تھی، بلکہ اُنہیں ضروریاتِ زندگی بھی بافراغت مہیّا نہیں تھیں۔ آیتِ بالا میں اِس چیز کی طرف توجّہ دلائی گئی ہے کہ بچشمِ خویش دیکھ لو کہ جتنے بھی آثار پائے گئے ہیں سب مکذّبینِ ربوبیّت کے ہیں۔ سر بفلک محلّات، نفیس دیوانخانے، اُونچے اُونچے مقبرے جن میں آج سانپ بچھوؤں حشرات الارض، چیل کوؤں اور اُلّوؤں کا بسیرا ہے، سب کے سب اُن لوگوں کے تعمیر کردہ ہیں جنہوں نے خدا تعالیٰ کی زمین پر ذاتی ملکیّت کی لکیریں کھینچیں، عوام کے حقوقِ ربوبیّت کو دبا کر اُنکے بال بچّوں کے پیٹ کاٹے اور اپنے لئے سر بفلک محلّات کھڑے کر لئے۔ اپنے مُردوں کی لاشوں پر لاکھوں روپوں کی عمارتیں بنائیں اور یہ تک نہ دیکھا کہ لاکھوں زندہ جانیں کچّی جھونپڑی سے بھی محروم ہیں۔ دُنیا کے مال نے اسقدر اندھا اور عقل سے کورا کر دیا کہ مکانوں کی ضرورت زندوں کو ہوتی ہے مُردوں کو نہیں ہوتی۔ اللہ کے رسولؐ اور اُنکے متبع چونکہ ربوبیّتِ عامہ کے علمبردار تھے، اسلئے زمین پر اُنکا نہ کوئی قلعہ ملیگا نہ محل نہ مقبرہ۔ اُنکی یادگار ربوبیّت

عامہ کی علمبردار صرف اور صرف مسجدیں بلکہ مسجد سلیمانی بیت المقدس اور مسجد نبوی مدینہ منورہ۔ المختصر! سیروا فی الارض کے الفاظ اس چیز کی دعوت دی گئی کہ لوگو! بچشم عبرت دیکھ کر غور کرو کہ جن قلعوں اور محلوں میں کل باادب باملاحظہ ہوشیار! عالم پناہ تشریف لاتے ہیں کے غلغلے بلند ہوتے تھے آج وہاں اُلو بول رہے ہیں۔ کہاں ہیں وہ جو اللہ کی زمین کے مالک بنے ہوئے تھے۔ زمین و آسمان کا مالک تو اکیلا خلاق عالم ہے۔ اسی چیز کو سلسلۂ دروس کی اگلی آئت مجیدہ میں استفہامی حصر کے ساتھ بیان کیا گیا ہے:

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

کہہ واسطے کس کے ہے جو بیچ آسمانوں اور زمین کے ہے

(اے رسولؐ! غاصبین ربوبیت سے) پوچھئے گا کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ کس کی ملکیت ہے۔ آپ ہی جواب بھی خود دے دیجئے گا کہ سب کا سب صرف اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے ؏

قُلْ لِّلّٰهِ ؕ ......

کہہ واسطے اللہ کے ہے

● لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ کی بحث تفسیر القرآن بالقرآن کی جلد دوم میں سورہ نساء کی آیات مجیدہ ۱۲۶۔۱۳۱، ۱۳۲ کے تحت صفحہ ۳۱۸۔۳۱۹ پر گزر چکی ہے کائنات کی ہر چیز کا حق ملکیت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ اُسکے اس حق میں کوئی شریک نہیں لیکن چونکہ نعماء ارضی وسماوی کے استعمال کی اُسے مطلقاً ضرورت نہیں اور وہ رب العٰلمین ہے اس لئے ارض وسماء کی ہر چیز پورے عالمین کی ضروریات زندگی کیلئے ہیں۔ نوع انسانی کے ہر فرد بشر کا اِن میں مساوی حق ہے۔ یہ نہیں کہ بالادست اور استحصال پسندوں کے ہاں اِنکی فراوانی ہو اور زیردست بیچارے استحصال کا شکار بن کر محروم محض بنے رہیں۔ چنانچہ اسی چیز کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت پوری نوع انسان کیلئے عام ہے جو لوگ اس پر بند باندھ کر عوام کے حقوق ربوبیت پر ڈاکہ ڈالینگے وہ اپنے آپکو خود اُخروی خسارے کا مستحق بنا لینگے۔ قیامت کو انہیں جوابدہی کے لئے جمع کر لیا جائے گا۔

كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ

لکھا اُس نے اوپر اپنے آپکے رحمت کرنا۔ ضرور جمع کریگا تم کو

اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا

بیچ دن قیامت کے نہیں شک بیچ اُسکے۔ جنہوں نے خسارہ دیا

اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۱۲

اپنے آپکو پس وہی ایمان نہیں لاتے

اللہ تعالیٰ نے رحمت فرمانا اپنے آپ پر فرض کر رکھا ہے (پھر اے لوگو اُسکی رحمت یعنی نعماء خداوندی سے عوام کو محروم کرنے والو!) تمیں اللہ تعالیٰ جوابدہی کیلئے قیامت کے دن میں ؏ ضرور ضرور جمع کر لیگا جس کے واقع ہونے میں کوئی شک نہیں۔ جن لوگوں نے (ربوبیت عامہ میں تمیز کر کے) اپنے آپکو خسارہ دیا ہے وہی ہیں جو (ربوبیت وقیامت پر) ایمان نہیں لاتے۔

● ؏ یہاں اِلٰی بمعنی فی ہے۔

● اگلی آئت مجیدہ قیامت ہی سے متعلق ہے کہ اُس دن کوئی مجرم اپنے جرم چھپا نہیں سکیگا کیونکہ رات کے اندھیروں

اور دن کے اُجالوں میں جو کچھ بھی واقع ہوتا ہے' اللہ ہر بات کو خُوب خُوب سُننے والا ہے اور ہر چیز کو خُوب خُوب جاننے والا ہے :-

وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ
اور واسطے اُس کے ہے جو واقع ہو بیچ رات کے اور دن کے

وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ ۱۳
اور وہ خوب خوب سُننے والا اور خوب خوب جاننے والا ہے

اور رات کے اندھیروں اور دن کے اُجالوں میں جو کچھ بھی واقع ہوتا ہے۔ وہ اُس اللہ ہی کیلئے ہے (اُس سے پوشیدہ نہیں) کیونکہ وہ خُوب خُوب سُننے والا ہے نیز خوب خوب اور صحیح صحیح جاننے والا ہے۔

● لہ لَهٗ جار مجرور برائے حصر واقع ہوتا ہے۔ یہاں اسکا مفہوم یہ ہے کہ رات کے اندھیروں میں لوگ جو کام چھُپ چھُپ کر کرتے ہیں یا دن کی روشنی میں کھُلے بندوں کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں۔

● لہ مَا سَكَنَ کا لفظی معنیٰ ہے جو ٹھہرا۔ یہاں آیتِ مجیدہ کے آخری جُملہ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ کے مطابق مفہوم یہ ہے جو کچھ رات کے اندھیرے یا دن کے اُجالے میں واقع ہوتا ہے، اُس سے مخفی نہیں۔ سب کچھ اُسکے لئے ہونا محلِ نظر ہے۔ کیونکہ نیک کاموں اور نیک لوگوں کا اُسکے لئے ہونا تو صحیح ہوا۔ لیکن بُرے لوگوں اور بُرے کاموں کا اُسکے لئے ہونا تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

● لہ سمیع اور علیم دونوں الفاظ فعیل کے وزن پر صفت مُشبّہ ہیں۔ اسلئے ان کے معنے یہی ہیں کہ وہ اللہ خُوب خُوب سُننے والا ہے اور خُوب خُوب اور صحیح صحیح جاننے والا ہے۔ نہ اُسکے سُننے میں کسی ابہام کا گزر ہو سکتا ہے نہ اُسکے جاننے میں۔ بلکہ وہ تو علیمٌ بذات الصّدور ہے۔ یعنی کسی بات یا کسی فعل کے کرنے سے پہلے جو کچھ لوگوں کے اذہان میں موجود ہوتا ہے وہ اُسے بھی جانتا ہے۔

ربوبیّت عامہ کا قرآنی تصوّر

● یہاں پہنچ کر ہو سکتا ہے کہ قارئینِ کرام کے اذہان میں یہ تصوّر کروٹیں لے رہا ہو کہ یونہی ربوبیّت عامہ کی رٹ لگائی جا رہی ہے، حالانکہ آیاتِ بالا میں ربوبیّت کیلئے کوئی واضح الفاظ موجود نہیں۔ جواباً عرض ہے کہ اوّل تو قرآن مجید شروع ہی ربوبیّتِ عالمینی سے ہوتا ہے، اس لئے اس کی ساری تعلیم ربوبیّتِ عامہ ہی کی اساس پر قائم ہے۔ پھر دوسرے نمبر پر یہ کہ سورہ مجیدہ زیرِ بحث سورہ انعام کی آیتِ اوّل ہی میں ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ کے الفاظ میں ربوبیّتِ عامہ ہی کے منکروں کا ذکر لایا گیا ہے۔ اور درحقیقت ہم بارہا اُجاگر کر چکے ہیں کہ قرآن مجید میں جہاں اللہ کے انکار کا ذکر ہو وہاں اُسکی ہستی کا انکار مقصود ہوتا ہے اور جہاں رب کا انکار مذکور ہو وہاں اُسکی ربوبیّتِ عامہ کے انکار کی خبر دی جا رہی ہوتی ہے۔ اب اس امر کے ثبوت میں کہ آیاتِ بالا میں ربوبیّت عامہ کا تذکرہ چل رہا ہے، خداوندِ عالم نے ذہنوں میں اُٹھنے والے وسوسوں کا جواب اگلی آیت میں بالفاظِ ذیل دیدیا ہے :-

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ
کہہ کیا سوا اللہ پکڑوں میں کوئی مددگار پیدا کرنیوالا

کہہ دیجئیگا (اے رسولؐ!) کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور مددگار

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ؕ
آسمانوں کا اور زمین کا ۔ اور وہ کھلاتا ہے اور نہیں کھلایا جاتا

ٹھہرا لوں، شروع سے بنانیوالا آسمانوں کو اور زمین کو۔ اور اُسکی شان یہ ہے کہ وہ کھلاتا ہے[۱] کھلایا نہیں جاتا۔ (خود نہیں کھاتا)

● ۱ اب یُطْعِمُ کے مفہوم پر غور فرمائیں کہ وہ کھلاتا ہے۔ کیا اُسکے کھلانے کے دائرہ میں صرف بالادست افراد ہی آتے ہیں یا زیردست بھی اس میں برابر کے شریک ہیں؟ یاد رہے کہ زمین کا طبقاتی نظام جس میں مالک جامِ صحت نوش کرتا اور نوکر خونِ جگر پیتا ہے۔ مالک آموں کے ٹوکروں سے لُطف اندوز ہوتا اور ملازم چھلکے باہر پھینکنے کی خدمت بجالاتا ہے۔ اگر اسے هُوَ يُطْعِمُ کی تفسیر مانا جائے تو اللہ ربّ العٰلمین نہیں رہتا۔ اور قرآن کریم کا پہلا سبق اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ہی مشاہدات کی کسوٹی پر غلط ہو جاتا ہے اس لئے یہ سرمایہ دارانہ طبقاتی نظام تو هُوَ يُطْعِمُ کی تفسیر ہو نہیں سکتا۔ ہاں حضرت عمرؓ کے یہ تاریخی الفاظ اِس کی عملی تفسیر ہو سکتے ہیں کہ دریائے فرات پر اگر کوئی کتیا بھی بھوکی رہ گئی تو قیامت کو مجھے جوابدہ ہونا پڑیگا۔ المختصر! هُوَ يُطْعِمُ کے الفاظ نے ثابت کر دیا ہے کہ ابتداءِ سورت ہی سے ربوبیّتِ عالمینی زیرِ بحث ہے۔ اور مسئلہ ہی سارا ربوبیّتِ عالمینی یعنی مساوی تقسیم رزق کا ہے چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں اِسی هُوَ يُطْعِمُ کی عملی تفسیر یعنی مساوی تقسیم رزق ہی کو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری بتایا گیا ہے:۔

قُلْ اِنِّیْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ[۱]
کہہ بیشک میں، میں حکم دیا گیا ہوں کہ ہو جاؤں میں پہلا
مَنْ اَسْلَمَ[۲] وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ[۳] ○
جو فرمانبردار ہُوا اور نہ ہونا تو میں سے مشرکوں کے ۱۴

کہہ دیجئے گا (اے رسولؐ!) بیشک میں یہ حکم دیا گیا ہوں کہ میں (مذکورہ بالا حکم مساوی تقسیم کا) پہلا اور اوّل[۱] نمبر کا فرمانبردار بنوں[۲]۔ (اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ) تو (ناہموار تقسیم رزق پر عامل ہو کر) مشرکوں میں سے نہ ہو جانا[۳]۔

● ۱ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ کے الفاظ میں لفظ اوّل کے بیک وقت دو مفہوم ہیں، پہلا شخص اور عمل کے لحاظ سے پہلے نمبر پر آنیوالا، یعنی عمل کے لحاظ سے آپ اپنے دور کے اللہ تعالیٰ کے چوٹی کے فرمانبردار تھے، اور پہلے فرمانبردار تھے۔

● ۲ مَنْ اَسْلَمَ کا لفظی معنیٰ یہ ہے جو فرمانبردار ہُوا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں ہمہ تن مستغرق ہو جانا مقصود ہے مگر جو حکم قریب کے الفاظ بالا هُوَ يُطْعِمُ سے عیاں ہے وہ سرِ فہرست رہیگا۔ کہ آنحضورؐ کو حکم دیا گیا تھا کہ آپ نظامِ ربوبیّت قائم کرنے میں اوّل درجے کے فرمانبردار بنیں۔ چنانچہ آنحضورؐ نے مندرجہ بالا حکم اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ کے مطابق اوّل نمبر کے فرمانبردار بن کر دکھایا۔ اور ایسا نظامِ ربوبیّت قائم کیا جس میں نہ کوئی بھوکا تھا نہ ننگا۔ نہ کوئی بے علاج تھا نہ بے مکان سلٰمٌ علیٰ محمدؐ۔

● ۳ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ، جو اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ کی ضد کے طور پر آیا ہے، اس سے ثابت ہُوا کہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ نظامِ ربوبیّت کے خلاف طبقاتی نظام قائم کرنا شرک ہے اور ایسا نظام قائم کرنیوالے مشرکوں کے زمرہ میں شمار ہوتے ہیں۔ واضح رہے کہ مساویانہ نظامِ ربوبیّت وہ خداوندی نظام ہے جسے جملہ انبیاء سلامٌ علیہم

نے اپنے اپنے دور میں بحکم خداوندی قائم کیا تھا مگر طبقاتی نظام فرعونی ہے، جیسے کہ سورۂ قصص کی ابتدا میں آیا ہے:۔ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ ۲۸/۴ بیشک فرعون نے (مصر کی) زمین میں سرکشی اختیار کی اور اپنی رعیت کو طبقات میں تقسیم کر دیا، اُن میں سے ایک طبقے کو کمزور کر دیا۔۔۔ پس عوام کو طاقتور اور کمزور یعنی امیر وغریب کے حصوں میں بانٹ دینا فرعونی نظام ہے۔ سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں آنحضورؐ کا اعلان درج ہے کہ اگر میں مساویانہ نظام قائم نہ کر کے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کروں تو میں بھی بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں:۔

قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّیْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ ۱۵

کہہ بیشک میں ڈرتا ہوں، اگر نافرمانی کروں میں اپنے رب کی عذاب دن بڑا

(اے رسولؐ!) کہہ دیجئے گا، اعلان کر دیجئے گا کہ اگر میں بھی اپنے رب کی نافرمانی (یعنی نظام ربوبیت قائم نہ) کروں تو بیشک میں بھی بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں ۲؎

● ۱؎ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّیْ کے الفاظ میں رب کی نافرمانی سے مراد نظام ربوبیت کا اِنکار اور عدم قیام ہے۔

● ۲؎ اِنِّیْٓ اَخَافُ ...... عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ کے الفاظ میں اس امر کا اعلان کیا گیا ہے کہ قیامت کی عدالت خداوندی میں کسی نبی رسولؐ کے ساتھ بھی کوئی رعائت نہیں برتی جائیگی۔ سورۂ اعراف میں قیامت کی پرسش اعمال کے متعلق ارشاد ہوا:۔ فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ ۶/۷ پس ہم ضرور ضرور سوال کرینگے اُن سے بھی جن کی طرف رسولؐ بھیجے گئے تھے اور ہم ضرور ضرور سوال کرینگے اُن سے بھی جنہیں (رسول بنا کر) بھیجا گیا تھا۔ اور بہتر نتیجہ کی خبر سلسلۂ درس کی اگلی آئت میں مذکور ہے:۔

مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ۚ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ۝ ۱۶

جو کوئی کردہ پھیر دیا گیا اُس سے اُس دن تو بیشک اُس نے رحم کیا اُس پر اور یہ مذکورہ بالا ہی ہے کامیابی کھلی

(حقیقت یہ ہے کہ جس کسی سے اُس دن (قیامت کو) وہ (عذاب) پھیر دیا گیا تو بلاشبہ اُس پر اُس (اللہ) نے رحم کیا۔ اور وہ مذکورہ (عذاب کا پھیرا جانا) ہی کھلی کامیابی ہے۔

● واضح رہے کہ قیامت کے عذاب کے مقابلے پر دُنیا میں جائز ناجائز جاگیروں اور جائدادوں کی فراہمی اور دُنیوی عیش پسندی کو کھلی کامیابی قرار نہیں دیا گیا۔ سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں دُنیا اور آخرت کے عذاب وثواب کا قانون اسی کے ماتحت بنایا گیا ہے۔ اور خود آنحضورؐ کو مخاطب کر کے وضاحت کر دی گئی کہ آپکو بھی عسر یا راحت ہمارے قانون کے مطابق ہی میسر آئے گی ہمارے ہاں کسی کے لئے کوئی رعائت مقرر نہیں کی گئی۔ ہم ہر چیز کے قانون مقرر کرنیوالے ہیں اور ہم خود اُسی کے خلاف ہرگز ہرگز نہیں کرتے:۔

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ
اور اگر مس کرے تجھے اللہ ساتھ ضرر کے تو نہیں کھولنے والا

لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۭ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰي
واسطے اُسکے سوائے اُسکے اور اگر وہ مس کرے تجھے ساتھ خیر کے پس وہ اوپر

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ۱۷
ہر چیز کے قانون بنانیوالا ہے

اور (اے رسول[۳]!) اگر اللہ تعالیٰ (اپنے قانون کے مطابق) آپکو بھی ضرر پہنچائے تو اُسے دفع کرنیوالا کوئی نہیں ہے سوائے اُسکے (یعنی ضرر اُس کے قانون کے مطابق ہی دفع ہوسکتا ہے) اور اگر وہ آپکو (اپنے قانون کے مطابق) کوئی بھلائی پہنچائے (تو اُسکے خلاف کوئی روکنے والا نہیں) کیونکہ وہ (اللہ) ہر چیز کے اندازے پیمانے اور قانون مقرر کرنیوالا ہے۔

● ۱ یَمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ میں اللہ تعالیٰ کے قانون کا ذکر محذوف ہے۔ جیسے کہ $\frac{۴۲}{۳۰}$ میں ضمنی فیصلہ دیدیا گیا ہے:۔ وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۝ (اے نوعِ انسانی!) تمہیں جو بھی مصیبت آتی ہے تو وہ (اللہ کے قانون کے مطابق) تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہوئی ہوتی ہے۔ حالانکہ اللہ تو اپنے قانون کے مطابق تمہاری بہت سی غلطیوں کو معاف کرتا چلا جاتا ہے۔

● آیتِ بالا میں خود آنحضور سلام علیہ کو بھی قانون کے دائرے سے آزاد نہیں ٹھہرایا گیا ہے، جس کی عملی صورت جنگِ اُحد کے ذکر میں بیان کیگئی ہے کہ جب صحابہ کرام رضی کے ایک دستے کی غفلت سے عقبی درہ غیر محفوظ ہوگیا تو دشمن نے لشکرِ اسلام پر پیچھے کی طرف سے حملہ کر دیا اور اس اپنی ہی غفلت کی بدولت شکست ہوگئی جس کا ذکر سورہ آلِ عمران میں بالفاظِ ذیل موجود ہے:۔

● اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ $\frac{۳}{۱۶۵}$ = اور کیا جب تمہیں شکست کی تکلیف پہنچی، حالانکہ تم اُنہی کو (جنگِ بدر میں) دوگنی شکست دے چکے تھے۔ تو تم نے کہا یہ شکست کہاں سے آئی۔ کہہ دیجیئے گا یہ تمہارے اپنے ہی افراد (کی غفلت) کی بدولت آئی ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ (فتح و شکست سمیت) ہر چیز کے قانون متعین کرنیوالا ہے۔ (ہمارے قانون کے مطابق جنگِ بدر میں تمہاری ہی استقامت کی بدولت فتح ہوئی تھی اور جنگِ اُحد میں تمہاری ہی غفلت کی بدولت شکست ہوگئی ہے۔ ہمارے قانون میں کوئی لوچ لچک موجود نہیں ہے) — قانون کی بالادستی ہی کی خبر اگلی آیتِ مجیدہ میں مذکور ہے کہ کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے قانون سے مستثنیٰ نہیں:۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ[۱] فَوْقَ عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ
اور وہ غالب ہے اُوپر بندوں اپنے اور وہ

الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝ ۱۸
بڑا حکمت والا بڑا خبر والا ہے

حقیقت یہ ہے کہ وہ (اللہ تعالیٰ) اپنے سب کے سب بندوں پر غالب ہے[۱] (اُسکے قانون کے دائرہ سے کوئی بھی خارج نہیں) اور اُس کا غلبہ کسی آمریت کی بنا پر نہیں بلکہ حکمت و علم کی بنا پر ہے کیونکہ وہ بہت بڑھکر حکمت والا اور خوب خوب خبر رکھنے والا ہے۔

● ۱ یہاں پر لفظ قاہر کا معنیٰ عوامی تصوّر کے مطابق قہر، غضب اور ظلم کرنیوالا نہیں۔ بلکہ غالب ہے کیونکہ عربی ادب

ہیں مادہ ق۔ ہ۔ ر۔ قہر کا بنیادی معنیٰ ہے، اوپر پکڑ لینا۔ غالب آنا۔ مجرم کو واقعی سزا دینا وغیرہ، یہ مادہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو تو اسکے مذکورہ معنے مقصود ہوتے ہیں اور اگر بندوں کی طرف منسوب ہو تو اسکے معنے ناجائز غلبہ یعنی ظلم زیادتی ہوتے ہیں۔ جیسے کہ ۹۳/۹ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ، پھر جو یتیم ہے اس پر کسی بھی قسم کی زیادتی نہ کرنا۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ نمبر ۱۹ کا ربط آیت نمبر ۱۴ کیساتھ ہے جس میں آنحضورؐ سے اعلان کرادیا گیا ہے کیا میں آسمانوں اور زمین کو نئے سرے سے بنانیوالے کے سوا کسی اور کو کارساز ٹھہرالوں کہ اسکی شان یہ ہے کہ وہ کھلاتا ہے خود نہیں کھاتا، کھانے پینے کی احتیاج سے صد فیصد بری ہے۔ کھلاتا ہے، يُطْعِمُ کی تفسیر آیت نمبر ۱۴ میں تفصیلاً گزر چکی ہے کہ اللہ کے کھلانے کا دائرہ اسقدر وسیع ہے کہ اس میں اعلیٰ و ادنیٰ سب شامل ہیں یعنی حقِ طعام میں، سب لوگ برابر کے شریک ہیں، لیکن سرمایہ دارانہ اذہان اس مساوات کو تسلیم نہیں کرتے، حتیٰ کہ سابقہ خداوندی کتابوں میں نظریۂ قسمت کے ذریعہ سرمایہ دارانہ نظام داخل کرکے ناہموار نظام کی خدائی سند حاصل کرلی گئی تھی، جو اسلام میں بھی درآمد کی جاچکی ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے کسی کی قسمت میں بھوک ننگ لکھ رکھی ہے اور کسی کی قسمت میں عیش و عشرت۔ کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو کارساز ٹھہرالوں کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ لوگوں نے اللہ کے سوا بھی کارساز ٹھہرا رکھے تھے۔

● جب آنحضورؐ نے قرآن مجید کا نظریۂ ربوبیت و وحدت پیش کیا تو قرآن کے پیش کردہ ضابطے کے مقابلے پر اپنے بزرگوں کی سند پیش کیگئی کہ وہ غیر اللہ کو کارساز ٹھہراتے تھے۔ اللہ کی کتاب کے مقابلے پر کسی اور کی سند لانے کو اللہ کیساتھ شریک قرار دیا گیا ہے چنانچہ اگلی آیت میں چار مرتبہ کے قُلْ کے تکرار کیساتھ اعلان کرادیا گیا ہے کہ قرآن مجید وحیِ الٰہی ہے اس کے سوا کسی اور کو سند قرار دینا شرک ہے:-

قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً ۭ قُلِ اللّٰهُ ۣ
کہہ کونسی چیز سب سے بڑی شہادت کی رو سے۔ کہہ اللہ ہے

شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ ۣ وَاُوْحِیَ اِلَیَّ
سب سے بڑا گواہ درمیان میرے اور درمیان تمہارے شان یہ ہے کہ وحی کیا گیا طرف میری

هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ۭ
یہ قرآن تاکہ میں ڈراؤں تمہیں ساتھ اسی کے اور جس کو پہنچے

اَىِٕنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً
کیا بیشک تم البتہ گواہی دیتے ہو کہ بلاشبہ ساتھ اللہ کے الٰہ ہیں

اُخْرٰی ۭ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ
دوسرے کہہ نہیں گواہی دیتا میں۔ کہہ سوائے اسکے نہیں وہ الٰہ ایک ہے

(اے رسولؐ! منکرینِ ربوبیت سے) پوچھئے گا کہ گواہی کی رو سے کونسی چیز بڑی ہے۔ آپ ہی کہہ دیجیئے گا کہ شہادت کی رو سے اللہ تعالیٰ سب سے بڑا گواہ ہے[۱] اور شان یہ ہے کہ میری طرف (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) یہ قرآن وحی کیا گیا ہے[۲] (اسکی وحی کی غرض یہ ہے کہ) میں تمہیں اسی کیساتھ تمہارے فرائضِ منصبی سے آگاہ کروں[۳]۔ اور جس جس تک یہ پہنچے (وہ بھی اسی کے ساتھ لوگوں کو فرائضِ منصبی سے آگاہ کرے[۴])۔ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ بیشک اللہ کے ساتھ اور بھی فرمانبرداری کے قابل ہیں[۵]۔ کہہ دیجیئگا کہ میں ایسی گواہی ہرگز نہیں دیتا۔ کہہ دیجیئگا سوائے اسکے اور کوئی بات نہیں کہ وہ اللہ ہی ایک اکیلا فرمانبرداری کے لائق ہے[۶]۔

وَاِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ ۞ ۱۹
اور بیشک بری ہوں اُس سے جو تم شریک ٹھہراتے ہو

اور بیشک میں اُن سے بری (بیزار) ہوں جن کو تم اللہ کیساتھ شریک کرتے ہو۔ ےک

● ۱ قل الله شهيدٌ بيني وبينكم کے قُل کے الفاظ میں آنحضور کو حکم ہُوا کہ کہدیجیئگا کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ سب سے بڑا گواہ ہے۔ اس سے ثابت ہُوا کہ آنحضور صلعم کے مدِ مقابل خدا تعالیٰ کی ہستی کے مُنکر نہیں تھے بلکہ اُن لوگوں نے اپنے بزرگوں کو اللہ کے حکم میں شریک بنا رکھا تھا۔ جیسے کہ آگے نمبر ۶ میں بتا دیا گیا ہے کہ وُہ مشرک تھے۔

● ۲ وَاُوْحِیَ اِلَیَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ کے الفاظ سے عیاں ہے کہ آنحضور صلعم پر صرف قرآن وحی کیا گیا تھا اور اُسکا نسخہ امام ہر وقت آپکے پاس موجود ہوتا تھا جس کی طرف آپ اشارہ کو کے فرمایا کرتے تھے اُوْحِیَ اِلَیَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ کہ میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے

● ۳ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ میں آمدہ ضمیر بِهٖ نے حصر پیدا کر دیا ہے کہ اس کا غرضِ وحی و نزول یہ ہے کہ میں اسی کتابِ خداوندی کیساتھ انذار کروں، تمہارے فرائضِ منصبی سے تمہیں آگاہ کرتا رہوں۔

● ۴ وَمَنْۢ بَلَغَ بھی حصر کے ماتحت آیا ہے کہ جس جس تک یہ قرآن پہنچے وُہ بھی اسی کیساتھ لوگوں کو اُنکے فرائضِ منصبی سے آگاہ کرے

● ۵ اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى کے الفاظ سے عیاں ہے کہ آنحضور صلعم کے مخالفین نے اللہ تعالیٰ کیساتھ اور الٰہ فرمانبرداری کے قابل قرار دے رکھے تھے، قرآن کریم کی تعلیم چونکہ اُنکے بزرگوں کی تعلیم اور اُن کے تواتر کے خلاف تھی، اسلئے وہ قرآن کریم کو اللہ کی طرف سے وحی کردہ کتاب تسلیم نہیں کرتے تھے۔

● ۶ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ کے قُل کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ آنحضور صلعم سے ایک اکیلے الٰہ کی فرمانبرداری کیئے جانے کا اعلان کرا دیا گیا تھا کہ لوگ اگر بہت سے الٰہ فرمانبرداری کے لائق تسلیم کرتے ہیں تو آپ ایک الله کا اعلان کر دیجیئگا۔

● ۷ وَاِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ کے الفاظ میں وضاحت کر دیگئی ہے آنحضور صلعم کے مدِ مقابل اللہ تعالیٰ کی ہستی کے قائل تو تھے مگر اُسکے حکموں میں اپنے بزرگوں کو شریک کر رکھا تھا۔ نوعِ انسانی کا یہ بہت پُرانا قاعدہ ہے کہ اپنے بزرگوں کی لکھی ہُوئی کتابوں یا اُنکے بعد کے جمع کیئے ہُوئے اُنکے ملفوظات کو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابوں پر حاکم قرار دے لیتے تھے۔ یہودیوں کے ہاں تالمود نامی وہ کتاب ہے جس میں حضرت موسیٰ کی طرف منسوب کردہ اقوال درج ہیں۔ اسے اللہ تعالیٰ کی کتاب پر حاکم ٹھہرا کر کتابِ خداوندی میں تحریف لفظی تک کر رکھی ہے۔ اور نصاریٰ کی اناجیل تک میں حضرت مسیح کی طرف منسوب کردہ اقوال بھر دیئے گئے ہیں۔

● آنحضور صلعم انہی لوگوں کے اندر پیدا ہُوئے، بڑھے، جوان ہُوئے، اُنہی سے مُحمّد کہلایا یعنی تعریف در تعریف کیا ہُوا۔ آپ اُنکے لئے اجنبی نہیں تھے۔ وہ لوگ جانتے تھے کہ اس شخص نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، کبھی دھوکا فریب نہیں کیا۔ چنانچہ ۱۰/۱۶ میں آنحضور صلعم سے چیلنج دلوایا گیا ہے فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۞ پھر بلا شبہ میں نے تمہارے درمیان ایک عمر گزاری ہے، پھر تم کیوں عقل نہیں کرتے۔ دکیا میں نے کبھی جھوٹ بولا تھا کہ میں نے قرآن کریم کو خود گھڑ کر اللہ کے ذمہ لگا دیا تھا

حسب عادت بولا ہو)۔ اسکے جواب میں تاریخ شاہد ہے نہ کسی طرف سے کوئی جواب ہی آیا اور نہ ہی آپکی پوری زندگی پر کوئی انگلی ہی اُٹھ سکی۔ آنحضورؐ کی اِسی جان پہچان کے متعلق سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں محاورہ کے طور پر مندرجہ ذیل الفاظ لائے گئے ہیں :-

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا
وہ لوگ جنہیں دی ہم نے اپنی کتاب وہ پہچانتے ہیں اسے جیسے

یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ
وہ پہچانتے ہیں بیٹوں اپنوں کو۔ جن لوگوں نے خسارہ دیا اپنے آپ کو

فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝۲۰ ع ۲/۸ ۱۰
پس وہ ہی نہیں ایمان لاتے

وہ لوگ جنہیں ہمنے اپنے (رسولوں کی معرفت) کتاب دی ہے (یہود و نصاریٰ کو) وہ اسے (ہمارے مکّی نبیؐ کو) اسطرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں (مگر پھر بھی یقین نہیں کرتے کہ یہ سچا ہے) جو لوگ (خداوندی ہدایت نامہ آجانے کے باوجود محروم ہدایت رہے) اُنہوں نے خود اپنے آپکو خسارے میں رکھا پس وہی لوگ (متوازن ضابطۂ حیات قرآن کریم پر) ایمان نہیں لاتے۔

● آئتِ بالا میں جہاں ہدایتِ الٰہی پر ایمان نہ لانیوالوں کو اپنے آپکو خسارہ پہنچانیوالے قرار دیا ہے، وہاں ساتھ ہی اگلی آئت مجیدہ میں جھوٹے مدعیانِ نبوّت اور اللہ تعالیٰ کی آئتوں کو جھٹلانیوالوں، دونوں کو سب سے بڑھ کر ظالم اور غیر فلاح یافتہ ٹھہرایا ہے :-

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا
اور کون ہے بڑھ کر ظالم اُس سے جو باندھے اوپر اللہ کے جھوٹ

اَوْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۲۱
یا جھٹلائے آئتیں اُسکی بیشک وہ نہیں کامیاب ٹھہراتا ظالموں کو

اور اُس سے بڑھ کر کون ہے ظالم جو اللہ پر جھوٹ کا بہتان باندھ (کہ مجھ پر وحی ہوتی ہے) اور وہ بھی جو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آئتوں کو جھٹلائے (دونوں ظالم ہیں) بیشک وہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو کامیاب نہیں ٹھہراتا۔

● اگلی آئت مجیدہ میں قیامت کی عدالتِ عالیہ میں سب کو حاضر کرنے اور اپنے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کو سامنے لانے کی وعید سنائی گئی ہے :-

وَیَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ
اور جس دن ہم جمع کریں گے اُن سب کو پھر ہم کہیں گے واسطے ان لوگوں کے

اَشْرَكُوْۤا اَیْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِیْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝۲۲
کہ شریک ٹھہراتے تھے کہاں ہیں شریک تمہارے ٹھہرائے ہوئے جنہیں کہ تم گمان کرتے

اور وہ دن قابلِ ذکر ہے جب ہم (قیامت کو) سب کے سب شریک ٹھہرانے والوں کو جمع کرینگے پھر ہم انہیں کہینگے کہاں ہیں تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریک جنہیں تم اپنے زعم باطل میں ہمارے شریک سمجھا کرتے تھے۔

ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْا
پھر نہیں ہوگا اظہار اُن کا مگر یہ کہ کہیں گے

پھر نہیں ہوگا اظہار (یعنی بیان) اُن کا، سوائے اِسکے کہ وہ یہ کہینگے

وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ﴿۲۳﴾

قسم ہے اللہ رب ہمارے کی نہیں تھے ہم شرک کرنیوالے

ہمارے رب تعالیٰ کی قسم ہے کہ ہم مشرک نہیں تھے ۲ (ہم شرک تو نہیں کیا کرتے تھے)

● ۱ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ میں فتنۃ کا لفظ مادہ ف۔ت۔ن ۔ فتن سے مشتق ہے۔ اسکا بنیادی معنٰی ہے ظاہر کرنا۔ چنانچہ سونا پرکھنے کی کسوٹی کو فتّانہ کہتے ہیں، جو سونے کے متعلق ظاہر کر دیتی ہے کہ اس میں اتنا کھوٹ ہے۔ بزرگوں کو خدا کے شریک ٹھہرانے والے اس عمل کو نہ شرک مانتے ہیں نہ شرک کہتے ہیں، بلکہ اُن کا زعم باطل یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود اُن بزرگوں کو یہ اختیار عطا کر رکھے ہیں کہ وہ مشکلیں حل کر سکتے ہیں، غائبانہ مدد کر سکتے اور مرادیں پوری کر سکتے ہیں، اُنکے ارشادات مطلقاً واجب الاطاعت ہوتے ہیں۔ اُنکے فرمودات و ملفوظات کو اللہ تعالیٰ کی کتاب پر پرکھنے کی ضرورت نہیں۔ خواہ وہ کتابِ خداوندی کے مخالف ہی کیوں نہ ہوں، اُن پر بلا حیل و حجت عمل کرنا لازم ہوتا ہے۔ چنانچہ اس جھوٹے عقیدے کے مطابق ایسے لوگ قیامت کی عدالتِ عالیہ میں بھی اللہ اور رب تعالیٰ کی قسمیں کھا کھا کر کہینگے کہ باری تعالیٰ ہم شرک تو نہیں کیا کرتے تھے۔ اِس پر ارشاد ہوا ہے:۔

اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

غور کر کس طرح جھوٹ بولینگے اوپر اپنے آپکے حالانکہ گم ہو جائیگا اُن سے جو تھے اِفترا کیا کرتے

(اے مخاطب!) غور کر کہ وہ کس طرح اپنے آپ پر (مزید بوجھ ڈالتے ہوئے) جھوٹ بولینگے (کہ زندگی بھر غیروں کو اللہ کا شریک قرار دئیے رکھا مگر قسمیں کھا کھا کر کہینگے کہ ہم شرک نہیں کیا کرتے تھے) حالانکہ (قیامت کو) اُن سے گم ہو جائینگے جن کا وہ افترٰی کیا کرتے تھے ۲

● ۱ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ میں جو حرفِ جار علٰی آیا ہے اِسکے مطابق یہ معنٰی صحیح ہے کہ وہ اپنے آپ پر مزید بوجھ ڈالتے ہوئے جھوٹ بولینگے۔ کیونکہ قرآن مجید میں حرفِ جار لِ جزا کیلئے آتا ہے اور علٰی سزا، بوجھ اور وبال کیلئے آتا ہے، جیسے کہ ۴۱/۴۶ میں آیا ہے:۔ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا، جو کوئی صلاحیت بخش عمل بجا لایا اُن کی جزا اُس کے اپنے لئے ہے اور جس نے بُرے عمل کئے اُنکی سزا، اُنکا بوجھ، اُن کا وبال اُسکے اپنے آپ پر ہوگا۔

● زندگی بھر تو غیروں کو اللہ کیساتھ حاجت روا، مشکلکشا ٹھہرایا، اُنہیں اللہ تعالیٰ کی طرح حاضر و ناظر مان کر، غیب دان اور مختارِ کل جان کر اُن سے زندگی بھر مدد و مرادیں مانگتے رہے، مگر ان افعال کو زندگی بھر شرک تسلیم نہ کیا۔ یہاں تک کہ قیامت کے متعلق بھی یہ عقیدہ قائم کر لیا کہ ہم اپنے بزرگوں کا دامن تھام کر جنّت میں پہنچ جائینگے، اِس باطل تصوّر کا بُطلان ان الفاظ میں مکمل کر دیا گیا ہے وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ، حالانکہ قیامت کی عدالتِ عالیہ میں وہ لوگ جن کے متعلق اُنہوں نے افترٰی باندھ رکھا تھا کہ وہ قیامت کے دن مدد کیلئے پہنچ جائینگے اپنا دامن تھما کر جنّت میں لے جائینگے، وہ گم ہو جائیں گے کوئی بھی مدد کو نہیں پہنچیگا مگر پھر بھی یہ لوگ حضورِ الٰہی میں اُسی کو اللہ اور رب کہہ کر اُسی کی جھوٹی قسمیں کھا کھا کر کہہ رہے ہوں گے کہ ہم مشرک نہیں تھے۔ یہ اِتنا بڑا دھوکا اُسی باطل عقیدے ہی سے لگتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے نبیوں اور ولیوں کو حاضر

ناظر غیب دان، مشکلکشا اور مختارِ کل بنایا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے پاکیزہ نبیوں کی دعاؤں سے قرآن مجید بھرا پڑا ہے، مشکل وقت پر حضرت نوح نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت یعقوب، حضرت ایوب سب نے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگی، حضراتِ ابراہیم و زکریا حصولِ اولاد کیلئے حضورِ الٰہی میں گڑگڑائے، ان قرآنی شواہد سے کھل کر ثابت ہوتا ہے کہ اگر وہ مختارِ کل اور مشکل کشا ہوتے تو خود مشکلوں میں کیوں گرفتار ہو جاتے اور اپنی مشکلوں میں حضورِ الٰہی میں کیوں دستِ بدعا ہوا کرتے۔ خود خاتم النبیین کی دعائیں قرآن مجید میں موجود ہیں رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرمائیو۔

قربِ الٰہی

• سورہ زمر میں آیا ہے کہ غیر اللہ کو مددگار قرار دینے والے یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم ان بزرگوں کی فرمانبرداری اسلئے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى $\frac{39}{3}$ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قربت کا ایک ہی نسخہ بتایا ہے:۔ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ $\frac{96}{19}$ (اے قربتِ الٰہی کے طلبگار!) اللہ تعالیٰ کا پورا پورا فرمانبردار ہو اور قریب ہو جا۔ یہ عقیدہ بھی عجیب و غریب ہے کہ بزرگوں کے اقوال و ملفوظات کو کلام الٰہی قرآنِ کریم سے بالا و برتر سمجھا جائے، یعنی یہ نہ دیکھیں کہ کیا بزرگوں کے اقوال قرآن کریم کے خلاف تو نہیں۔ اگر خلاف ہیں تو ہو سکتا ہے وہ بزرگوں کے قول نہ ہوں، انکی طرف غلط طور پر منسوب ہو چکے ہوں۔ تو اس طرح کلامِ خداوندی کی مخالفت بھی ہو رہی ہو اور اللہ تعالیٰ کا قرب بھی میسّر آ جائے۔ یا للعجب!

• قربِ خداوندی کے متعلق کھلے لفظوں میں وضاحت کر دی گئی ہے:۔ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ $\frac{50}{16}$ ہم تو اس (انسان کے ہر ایک فرد) کی شاہ رگ سے بھی قریب ہیں۔ یہ خود اللہ تعالیٰ سے دُور رہتا ہے۔ اسے چاہیئے کہ یہ خود اسکے قریب ہو جائے جس کا ایک ہی قرآنی طریقہ اوپر بیان ہو چکا ہے وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ $\frac{96}{19}$ اللہ تعالیٰ کا پورا پورا فرمانبردار ہو اور اسکے قریب ہو جا۔ جتنا کوئی شخص اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہے اتنا ہی وہ اسکے قریب ہے۔

• قربِ الٰہی کے اس طریقے کی وضاحت سورہ بقرہ کے ان الفاظ میں کھل کر کر دی گئی ہے:۔ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ ۭ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ۝ $\frac{2}{186}$ اے رسول! جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق سوال کریں (کہ کیا وہ قریب ہے) تو (آپ کہہ دیجئے گا کہ وہ کہتا ہے) میں قریب ہوں (اتنا قریب کہ) جب بھی کوئی دعا کرنے والا مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں اسے (اپنے قانونِ جاریہ کی زبان میں اسی وقت) جواب دیتا ہوں (کہ میرے قانون کے مطابق حصولِ مقصد کیلئے سرگرم عمل ہو جا، تیری مراد پوری ہو جائے گی)۔ پس چاہیئے کہ وہ میرے جواب کو عملاً قبول کریں اور مجھ پر ایمان لائیں (کہ میں نے ہر چیز کے حصول کے لئے قوانین متعین کر دیئے ہیں، ان پر عمل کریں) تاکہ وہ صحیح راہ پا سکیں۔ اس آیت مجیدہ میں بالتفصیل بتا دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ صرف اس کی فرمانبرداری ہے اور اسکے قانونِ جاریہ پر ہمہ تن مصروفِ عمل ہو جانا ہے۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں آنحضورؐ کے مدِّ مقابلین کے ایک گروہ کے متعلق خود آنحضورؐ کو مخاطب کرکے ذیل کی خبر دی گئی ہے:-

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۲۵

اور ان میں سے ایک جو کان لگاتے ہیں طرف تیری اور پایا ہمنے اُوپر اذہان انکے پردہ کر وہ نہ سمجھیں اُسے اور بیچ کانوں انکے بوجھ ہے اور اگر دیکھیں تمام نشانیاں نہ ایمان لائیں ساتھ انکے یہانتک کہ جب آتے ہیں پاس تیرے جھگڑتے ہیں تجھ سے کہتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے انکار کیا نہیں یہ مگر کہانیاں ہیں پہلے لوگوں کی

اور اُن (آپکے مخالفوں) میں سے بعض وہ ہیں جو آپکا کلام سُننے کیلئے آپکی طرف کان لگاتے ہیں لیکن ہمنے اُن کے ذہنوں پر عدم تدبّر کے پردے پڑے ہوئے پائے ہیں، اسلئے وہ ضابطۂ خداوندی (قرآن مجید کو) نہیں سمجھتے۔ اور اُنکے کانوں میں بوجھ ہے وہ (سُنتے ہی نہیں)۔ اور اُنکی (مخالفت برائے مخالفت کی) حالت یہ ہے کہ اگر وہ تمام دلائل دیکھ بھی لیں تو پھر بھی اس قرآن کیساتھ ایمان نہیں لائیں گے۔ یہاں تک کہ جب وہ لوگ آپکے پاس آتے ہیں جنہوں نے ضابطۂ الٰہی کا انکار کردیا ہے، تو وہ آپ سے جھگڑتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن تو صرف پچھلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔

● یہ واضح رہے کہ ایسے افعال جن کے مروجہ ترجمہ سے یہ تصوّر برآمد ہو، کہ اللہ تعالیٰ ذہنوں پر مُہریں لگادیتا ہے یا اُن پر پردے ڈالدیتا ہے کہ وہ ہدایت پر نہ آسکیں، ایسے افعال میں خاصہ وجدان موجود ہوتا ہے، جیسے کہ آیت بالا میں آیا ہے جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً، اِسکا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ ہمنے یعنی اللہ تعالیٰ نے اُنکے ذہنوں پر پردے ڈالدئے ہیں کہ وہ نہ سمجھ سکیں۔ بلکہ خاصہ وجدان کے مطابق اسکا صحیح مفہوم یہ ہے کہ ہمنے اُنکے ذہنوں پر عدم تدبّر کے پردے پڑے ہوئے پائے ہیں، اِس سبب سے وہ قرآن کو نہیں سمجھتے — اگلی آیت مجیدہ میں اُنکی اِس روش کی غرض بتائی گئی ہے کہ خود بھی نہ ماننا اور لوگوں کو بھی اس سے روکنا:-

وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْــــَٔـوْنَ عَنْهُ ۚ وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۲۶

اور وہ روکتے ہیں اس سے اور خود بھی رکتے ہیں اُس سے اور نہیں ہلاک کرتے وہ کسی کو مگر اپنے آپکو اور وہ نہیں شعور رکھتے

اور وہ (قرآنِ کریم کو پرانے لوگوں کی کہانیاں بتاکر لوگوں کو بھی اس سے روکتے ہیں اور خود بھی اِس سے رُک رہتے ہیں اور وہ نہیں ہلاک کرتے مگر اپنے آپکو) لیکن وہ اس چیز کا شعور نہیں رکھتے — اگلی آیت میں انہی کا قیامت کا نقشہ پیش کیا گیا ہے:-

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَي النَّارِ فَقَالُوْا

اور تو دیکھے جب کھڑے کئے جائیں اوپر آگ کے پھر وہ کہیں گے

اور (اے مخاطب!) کاش کہ تو تصور کی نگاہ سے دیکھے جب وہ آگ (کے کنارے پر) کھڑے کئے جائینگے پھر وہ کہیں گے

يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا

کاش ہم لوٹائے جائیں اور نہ ہم جھٹلائیں گے ساتھ آئتوں رب اپنے

وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷﴾

اور ہم ہوں گے ہیں سے مومنوں کے

کاش کہ ہم واپس بھیج دیئے جائیں۔ اسکے بعد ہم اپنے رب کی آئتوں کو نہیں جھٹلائیں گے اور ہم مومنوں میں سے ہو جائیں گے۔

● اِس سے اگلی آئت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ اِن لوگوں کی یہ تمنّا بھی جھوٹ ہے محض اُنکا یہ کہنا بھی غلط ہے۔ بلکہ:۔

بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ

بلکہ ظاہر ہوا واسطے اُنکے جو تھے چھپاتے سے پہلے اِسکے

وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ

اور اگر لوٹائے جائیں البتہ اعادہ کریں واسطے اسکے جو منع کئے گئے اُس سے

وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۲۸﴾

اور بیشک وہ البتہ جھوٹے ہیں

(اُنکی اس بات میں کوئی صداقت نہ ہوگی) بلکہ اس سے پہلے جو کچھ وہ چھپا کر عمل کرتے تھے وہ ظاہر ہو چکے ہیں۔ اور اگر وہ واپس لوٹائے جائیں تو پھر بھی وہی اعمال کریں گے جن سے وہ منع کئے گئے ہیں۔ اور بلا شبہ وہ جھوٹے ہیں۔

وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَ

اور کہتے ہیں، نہیں وہ مگر زندگی دُنیا کی اور

مَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۲۹﴾

نہیں ہم ساتھ اُٹھائے جانے والے

حقیقت یہ ہے کہ وہ تو یہ کہتے ہیں کہ ہماری صرف دُنیا ہی کی زندگی ہے (خوب استعمال اور نفع اندوزی کرنی چاہیئے) حقیقت یہ ہے کہ ہم عملوں کی جوابدہی کے لئے ہرگز اُٹھائے جانیوالے نہیں۔

● اس سے اگلی آئت میں پھر نگاہِ تصوّر کے ساتھ اسی منظر کو دیکھنے کا حکم دیا گیا ہے کہ جب وہ اللہ کے حضور کھڑے کئے جائینگے:۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ

اور کاش دیکھے تُو جب وہ کھڑے کئے جائینگے سامنے رب اپنے

قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا

کہے گا کیا نہیں یہ ساتھ حق کہیں گے ہاں اور قسم ہے رب ہمارے کی

قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۰﴾

کہیگا پس چکھو عذاب کو بسبب اسکے تھے تم انکار کرتے

اور (اے مخاطب کاش کہ تُو تصوّر کی نگاہ سے (دوبارہ) دیکھے جب وہ اپنے رب (یعنی نظامِ ربوبیّت کا حکم دینے والے) کے حضور کھڑے ہوں گے۔ وہ کہے گا کیا (یہ روزِ مکافات) سچا نہیں ہے۔ وہ کہینگے ہاں قسم ہے رب ہمارے کی سچا ہے وہ کہے گا اب مزہ چکھو عذاب کا بسبب اس کے کہ تم اپنے رب یعنی نظامِ ربوبیت کا انکار کرتے تھے۔

● اگلی آئت مجیدہ میں قیامت کو جھٹلانے والوں کے متعلق بتایا گیا ہے:۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰٓى بیشک گھاٹا پایا، جنہوں نے جھٹلایا کو حاضری اللہ کی یہاں تک کہ اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا جب آئیگی اُنکے پاس قیامت اچانک کہینگے اے افسوس ہمیں عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَ اوپر اسکے جو کمی کی ہم نے بیچ اسکے اور وہ اُٹھائیں گے بوجھ هُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ۝۳۱ اپنا اُوپر پیٹھوں اپنی کے خبردار بُرا ہے جو وہ اٹھائینگے	بلاشبہ وہ لوگ خسارے میں رہے جنہوں نے اعمال کی جوابدہی کے لئے) اللہ کے حضور حاضر ہونے کو جھٹلایا۔ حتیٰ کہ جب اُنکے پاس قیامت کی گھڑی اچانک آجائیگی تو وہ کہینگے افسوس ہے ہم پر کہ اسکی تیاری میں ہمنے کمی کی۔ حالت یہ ہو گی کہ وہ اپنے گناہوں کا بوجھ اپنی پیٹھوں پر اُٹھائے ہوئے ہوں گے۔ (قیامت کو کوئی کسی کا بوجھ نہیں اُٹھائیگا) خبردار (بگوش ہوش سُن لو کہ) کتنا بُرا ہے وہ بوجھ جو وہ اُٹھائے ہوئے ہونگے۔

● ۳۱ لِقَآءِ اللّٰهِ سے مُراد اللہ کا دیدار نہیں، بلکہ اس زندگی کے اعمال کی جوابدہی کیلئے قیامت کے دن اُس کے حضور حاضر ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دیدار یعنی اُسکے دیکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جیسے کہ ارشادِ باری ہے:۔ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ز وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۶/۱۰۳ اُسے نہ کوئی آنکھ دیکھ سکتی ہے نہ کوئی عقل اُسے پاسکتی ہے، وہ ہر آنکھ کو دیکھتا ہے اور ہر عقل کو پاتا ہے۔ حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی دُعا فرمائی رَبِّ اَرِنِیْ لیکن جواب ملا لَنْ تَرٰىنِیْ ۷/۱۴۳ تو مجھے ہرگز نہیں دیکھیگا۔ اللہ تعالیٰ کو دیکھنے یا دکھا سکنے کا دعویٰ کرنے والوں کو حضرت موسیٰ سلامٌ علیہ کے واقعہ سے غلط فہمی دور کرلینی چاہیئے۔

● قرآن مجید میں لِقَآءَنَا، لِقَآءِیْ اور لِقَآءَ یَوْمِهِمْ هٰذَا اور لِقَآءَ یَوْمِكُمْ هٰذَا کے الفاظ صرف اپنے اس زندگی کے اعمال کی جوابدہی کیلئے اللہ تعالیٰ کیساتھ ملاقات کرنے کے معنوں میں آئے ہیں۔ جن لوگوں کے متعلق آیا ہے کہ لِقَآءَ اللّٰهِ اور بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ کی اُمید نہیں رکھتے، اس سے مُراد یہ ہے کہ وہ قیامت کی باز پُرس کے منکر ہیں۔ جیسے کہ سورہ سجدہ میں ایسے ہی لوگوں کا قول اور اللہ تعالیٰ کا جواب درج ہے:۔ وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ؕ بَلْ هُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ۝ ۳۲/۱۰ اور وہ کہتے ہیں کیا جب ہم (مرنے کے بعد گل سڑ کر) زمین میں گم ہو جائینگے تو کیا ہم نئی زندگی کیساتھ زندہ کئے جائینگے؟ (اُنکا یہ سوال یونہی نہیں) بلکہ وہ اپنے رب کے حضور اعمال کی جوابدہی کے مُنکر ہیں۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں دُنیا کی زندگی اور اُخروی زندگی کا تقابل پیش کر کے اِسی چیز کی وضاحت کر دی گئی ہے:۔

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ اور نہیں زندگی دُنیا کی کھیل اور غفلت	اور حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی زندگی (میں مستغرق ہو جانا) نہیں ہے کچھ بھی مگر محض کھیل اور فرائض منصبی سے غفلت ہے۔ اور

وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ
اور البتہ گھر آخرت کا اچھا ہے واسطے انکے جو بچتے ہیں

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۳۲
کیا پھر نہیں تم عقل کرتے

یقیناً یقیناً (اس زندگی کے اچھے عملوں کے) انجام کا گھر اُن لوگوں کے لئے اچھا ہے جو خدا تعالیٰ کی نافرمانی سے بچتے ہیں۔ کیا پھر تم کیوں عقل سے کام نہیں لیتے (کیوں نیک اعمال کے ذریعہ قیامت کی تیاری نہیں کرتے ؟)۔

● اگلی آیت مجیدہ سے پتہ چلتا ہے کہ لوگوں کے انکار کرنے پر آنحضور غمگین ہو جاتے تھے۔ اسلئے آپکی تسکین و تسلّی کے لئے ارشاد فرمایا:۔

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ
بیشک ہم جانتے ہیں بیشک وہ البتہ غمگین کرتا ہے آپکو جو وہ کہتے ہیں

فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ
پس بیشک وہ نہیں جھٹلاتے آپ کو اور لیکن وہ ظالم ساتھ آیتوں کے

اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝۳۳
اللہ کی جھگڑا کرتے ہیں

(اے رسولؐ!) بیشک ہم جانتے ہیں کہ بلا شبہ آپ کو وہ چیز غمگین کرتی ہے جو وہ کہتے ہیں (کہ یہ قرآن، مُدّعیِ رسالت نے خود گھڑ لیا ہے) پس بیشک وہ آپکو نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ ظالم اللہ کی آیتوں کے ساتھ جھگڑتے ہیں (کیوں کہ یہ اُن کے آبائی عقائد و اعمال کی مخالفت کرتی اور اُن کے مفاد سے ٹکراتی ہیں۔

ضابطۂ الٰہی، ہر استحصالی گروہ کے ذاتی مفاد سے ٹکراتا ہے

● قرآن کریم چونکہ نہ علماء و مشائخ کے اِس مفاد کے حق میں ہے کہ لوگ کمائیں اور یہ بیکار بیٹھے کھائیں، نہ سُود خور کو اجازت دیتا ہے کہ وہ قرضدار کا خون چوستا رہے، نہ اپنے نفع خواہ کے حق میں ہے کہ وہ عوام کے گاڑھے پسینے کی کمائی ضروریاتِ زندگی کا ذخیرہ کرکے کئی گنا نفع کی صورت میں بٹورتا رہے۔ نہ جاگیردار کو اجازت دیتا ہے کہ اُسکے پاس ضرورت سے زائد مکان ہوں اور وہ کرایہ کے نام پر سُودخوری کرتا رہے۔ نہ زمیندار کو اجازت دیتا ہے کہ سر سے لیکر پیروں تک پسینے میں شرابور ہوکر کاشت تو کریں مزارعے، مگر فصل پکنے پر غلّے کی بوریاں اُسکے ہاں پہنچ جایا کریں۔ اور اسی طرح نہ سلطان و سربراہ کو یہ چھٹی دیتا ہے کہ مُلک کی دولت، جو مُلکی عوام ہی کا مال ہے اُس میں سے وہ اور اُسکے کارندے تنخواہوں اور سفرخرچوں کی صورت میں لُوٹ کا ساحصّہ پائیں، مگر مُلکی عوام ضروریاتِ زندگی خوراک لباس اور علاج سے محروم پائے جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب قرآن کریم نے اپنے اوّلین منشور کا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے الفاظ میں اعلان کیا تو چونکہ ربوبیّتِ عالمینی کا تصوّر مندرجہ بالا تمام گروہوں کے مفاد سے ٹکراتا ہے۔ اسلئے سب کے سب بیک وقت اُس کی مخالفت پر اُتر آئے۔ اِس کے برعکس حضور پاکؐ کو تو سب لوگ قبل نبوّت ہی سے بے لوث کردار کا حامل تسلیم کرتے تھے۔ اسلئے آیت بالا ۶/۳۳ میں آنحضورؐ کو مخاطب کرکے ارشاد ہُوا ہے کہ یہ ظالم غاصبینِ ربوبیّتِ عامہ آپ کو نہیں جھٹلا بلکہ آیاتِ قرآنیہ کو جھٹلاتے ہیں جو اُن کی گدیوں، اجارہ داریوں، سُود خواریوں، من مانی نفع اندوزیوں اور ناجائز جمع مال کے قدیمی نظریات پر برق بن کر گرتی اور جلا کر راکھ کر دیتی ہیں۔ اس سے اگلی آیت مجیدہ میں بھی آنحضورؐ کو تسلّی دیگئی

ہے کہ ان گروہوں کی طرف سے یہ اندازِ تکذیب کوئی نیا نہیں، آپ سے پہلے جملہ انبیاء کرام کو اسی طرح جھٹلایا گیا تھا۔

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوا
اور بیشک جھٹلائے گئے رسول سے پہلے آپکے پس ثابت قدم رہے
عَلَىٰ مَا كُذِّبُوا وَأُوذُوا حَتَّىٰ أَتَاهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَ
اوپر جو جھٹلائے گئے اور ستائے گئے حتی کہ آئی اُن کے پاس مدد ہماری اور
لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ۚ وَلَقَدْ جَاءَكَ مِنْ نَبَإِ
نہیں کوئی بدلنے والا کلمات اللہ کو اور بیشک آئی پاس تیرے خبر
الْمُرْسَلِينَ ۝ ۳۴
رسولوں کی

اور (اے رسولؐ!) بیشک آپ سے پہلے بھی ہمارے رسولؐ جھٹلائے گئے تھے۔ اور ایذا دئیے گئے تھے۔ پھر وہ سب اُس ضابطۂ حیات پر ثابت قدم رہے جس کی بدولت وہ جھٹلائے گئے۔ یہاں تک کہ اُن کے پاس ہماری مدد آگئی (یقیناً آپ کی بھی مدد و نصرت کی جائے گی) کیونکہ ہمارے کلمات (ہمارے وعدوں) کو کوئی بدلنے والا نہیں ہے۔ اور بیشک آپکے پاس ہمارے رسولوں کی (مدد کی) خبر پہنچ چکی ہے۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں مادی معجزات کی نفی کرتے ہوئے آنحضورؐ کو ارشاد ہوا ہے کہ اگر آپکو اپنے مخالفین کا حقائق سے انکار کرنا ناگوار گزرتا ہے اور آپ اس سے غمگین ہوتے اور اندر ہی اندر مضطرب و بیقرار رہتے ہیں تو اُن کے لئے یہ معجزہ لے آئیے۔

وَإِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ فَإِنِ
اور اگر ہے گراں اوپر تیرے مُنہ موڑنا اُنکا۔ پھر اگر
اسْتَطَعْتَ أَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْأَرْضِ أَوْ سُلَّمًا
طاقت ہے تجھ کہ تو تلاش کرے کوئی سُرنگ بیچ زمین کے یا کوئی سیڑھی
فِي السَّمَاءِ فَتَأْتِيَهُمْ بِآيَةٍ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَمَعَهُمْ
بیچ آسمان کے پھر لے آئے اُنکے پاس کوئی معجزہ اور اگر زبردستی چاہتا اللہ ضرور جمع کرتا انہیں
عَلَى الْهُدَىٰ ۚ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ
اوپر ہدایت کے، پس تو نہ ہو میں سے
الْجَاهِلِينَ ۝ ۳۵ (النصف)
بے خبروں کے

اور (اے رسولؐ!) اگر آپ پر انکار و گردانی کرنا گراں گزرتا ہے تو پھر اگر آپ میں طاقت ہے کہ آپ زمین میں کوئی سُرنگ یا آسمان میں کوئی سیڑھی تلاش کر لیں پھر اُن کے لئے کوئی معجزہ بھی لے آئیں اور اگر اللہ تعالیٰ (انسان کا اختیار و ارادہ سلب کر کے معجزات کے ساتھ مومن بنانا) چاہتا تو سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا۔ پھر (جب اُس نے اختیار و ارادہ ہی کے ساتھ ایمان لانا پسند فرمایا ہے تو) آپ بے خبروں میں سے نہ ہو جانا (جو یہ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ سب کو راہ راست پر کیوں نہیں لے آتا)۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں اسی چیز کی تاکید کی گئی ہے کہ تبلیغ قرآنی کو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو غور سے سنتے ہیں، لیکن جو مُردہ ذہن ہیں چونکہ وہ قرآن کریم کو بغور سُنتے ہی نہیں، اسلئے ایمان نہیں لاتے، وہ دوسری زندگی میں

حضور الٰہی میں حاضر کئے جائیںگے:-

اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ؕ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۶﴾

سوائے اِسکے نہیں قبول کرتے ہیں وہ لوگ جو غور سے سُنتے ہیں۔ اور جو مُردہ ذہن ہیں اٹھائیگا اُنہیں اللہ پھر طرف اُسی کے وہ پھیرے جائیں گے

سوائے اِسکے اور کوئی بات نہیں کہ (آپ کی دعوت کو) وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو (خالی الذہن ہوکر) سُنتے ہیں۔ اور جو مُردہ ہیں (یعنی خالی الذہن ہوکر سُنتے ہی نہیں وہ ایمان نہیں لاتے) اُنہیں اللہ تعالیٰ اُٹھائیگا (مرنے کے بعد) پھر وہ جوابدہی کیلئے اُسی کی طرف لوٹائے جائینگے۔

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۷﴾

اور وہ کہتے ہیں کیوں نہیں نازل کیا گیا اوپر اُسکے کوئی معجزہ طرف سے رب اُسکے۔ کہہ بیشک اللہ قانون بنانیوالا اوپر اسکے کہ نازل کرے کوئی معجزہ اور لیکن اُن کی اکثریت نہیں جانتی

اور وہ کہتے ہیں کہ اس (مُدعیٔ نبوّت) پر کوئی معجزہ اُسکے رب کی طرف سے کیوں نہیں نازل کیا گیا۔ (اے رسُول!) آپ کہہ دیجئیگا کہ بیشک اللہ تعالیٰ اِسکے (یعنی معجزے نازل کرنے کے) قانون بنانیوالا ہے، اور لیکن اِنکی اکثریت نہیں جانتی (کہ اُس نے معجزات نازل کرنےکا کوئی قانون نہیں بنایا)

● آیاتِ بالا میں انسان کے اختیار و ارادہ کی خبر دینے کے بعد اگلی آیتِ مجیدہ میں باقی سب جانداروں پرندوں وغیرہ کے متعلق بتا دیا گیا ہے کہ اگرچہ وہ بھی تمہاری طرح کی الگ الگ قومیں ہیں، لیکن اُنہیں صاحبِ اختیار و ارادہ نہیں بنایا گیا۔ وُہ اپنی الگ الگ جس جس فطرت پر پیدا کئے گئے ہیں، وہ اُسی کے گرد جمع رہتے اور اُسی کے مطابق زندگیاں بسر کر رہے ہیں:-

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِى الْكِتٰبِ مِنْ شَىْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۸﴾

اور نہیں میں سے کوئی جاندار بیچ زمین کے اور نہ پرندے اڑتے ہیں ساتھ اپنے پروں کے مگر قومیں ہیں مثل تمہارے ہی نہیں کمی کی ہم نے بیچ کتابِ فطرت سے کسی چیز کی پھر طرف رب اپنے کے وہ جمع کر دے گئے ہیں

اور نہیں ہیں زمین میں جتنے بھی جاندار اور پرندے جو اپنے دونوں بازوؤں کیساتھ اُڑتے ہیں مگر (تخلیق کے لحاظ سے) سب تمہاری طرح الگ الگ قومیں ہیں۔ ہم نے کتابِ فطرت میں کسی ضروری چیز میں کمی نہیں چھوڑی (یعنی سب کو صحیح صحیح فطرت ودیعت کر دی ہے۔ اُنہیں صاحبِ اختیار و ارادہ نہیں بنایا) پھر وہ سب اپنے رب کی طرف (یعنی اُسکی عطا کردہ فطرت پر) جمع کر دئے گئے ہیں۔

● یہاں الکتٰب سے مُراد اسلئے کتابِ فطرت صحیفۂ کائنات ہے، چونکہ ما قبل زمین کے جانداروں اور پرندوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ قرآن کریم میں کتٰب کے ذیل کے چھ معنے مذکور ہیں :-

۱- الکتٰب بمعنی قرآنِ کریم ۔ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۱۶/۸۹ اور (اے رسُولؐ!) ہمنے آپ پر اپنی کتاب نازل فرمائی ہے جو مسائلِ دین کی ہر چیز کو کھول کھول کر بیان کرنیوالی ہے ۔ نیز دیکھئے آیتِ ذیل ۶/۱۱۵ - ۲۶/۲ - ۲۹/۴۷ - تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۝ ۲۷/۱ مذکورہ آیتیں قرآن مجید یعنی خود بیان کرنیوالی کتاب کی ہیں ۔ ۱۵/۱

۲- کتٰب بمعنی کتابِ فطرت ۔ کتابِ کائنات ۔ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۹/۳۶ ، بلاشبہ کتابِ کائنات میں اللہ تعالیٰ کی مقرّر کردہ مہینوں کی گنتی اُسی دن سے بارہ ہے جب اُس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تھا ۔

۳- کتٰب مّبین بمعنی علمِ الٰہی ۔ عٰلِمِ الْغَيْبِ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ ۳۴/۳ اللہ عالم الغیب ہے ۔ اُس سے کوئی ذرّہ بھر چیز بھی خواہ وہ آسمانوں میں ہو یا زمین میں ہو، پوشیدہ نہیں ۔ اس سے چھوٹی ہو یا بڑی ہو مگر وہ کتابِ مُبین (علمِ الٰہی) میں موجود ہے ۔

۴- کتٰب بمعنی کتاب ۔ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ ۲۹/۴۸ اور اے رسُولؐ! آپ نزولِ قرآن سے پہلے (کسی بھی مسلک کی) کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے ۔ یہاں مَا كُنْتَ تَتْلُوْا ماضی استمراری لاکر نزولِ قرآن سے پہلے کوئی کتاب پڑھنے کی نفی کردی گئی ہے ۔

۵- کتٰب بمعنی چٹھی ۔ اِنِّيْٓ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ۲۷/۲۹ بلاشبہ میری طرف ایک معزز چٹھی بھیجی گئی ہے ۔

۶- کتٰب بمعنی قانون ۳۵/۱۱ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ط اور نہیں بڑھتی کسی عمر والے کی عمر اور نہ اُس کی عمر میں سے کچھ کم ہوتا ہے مگر وہ اللہ کے قانون میں ہے ۔

انسان کے سوا کوئی بھی نوع صاحبِ اختیار و ارادہ نہیں

● آیتِ بالا ۶/۳۸ زیرِ بحث میں الکتٰب سے مُراد کتابِ کائنات ہے جس میں ہر قسم کے جاندار پرندے پیدا کر دیئے گئے ہیں اور اُن میں کسی قسم کی کمی نہیں چھوڑی ۔ نیز صاحبِ اختیار و ارادہ صرف انسان ہے جو اپنے اختیار و ارادہ کیساتھ علیٰ وجہ البصیرت ضابطۂ خداوندی پر ایمان لانے کا مکلّف ہے ۔ باقی سب نوعیں مکلّف نہیں ۔ وہ سب کی سب اپنی اپنی فطرت پر مجبورِ محض پیدا کیگئی ہیں ۔ گھوڑا مجبور ہے کہ گھاس دانہ کھائے اور دن بھر تانگہ کھینچتا رہے ۔ گائے بھینسیں مجبور ہیں کہ چارہ کھائیں اور دُودھ دیں ۔ بھیڑ بکریاں مجبور ہیں کہ جنگل میں چریں اور انسان کی گوشت کی ضروریات پُوری کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ بچے پیدا کر کے زیادہ سے زیادہ گوشت مہیا کرتی رہیں ۔ گدھا مجبور ہے کہ خشک سے خشک چارہ کھا کر دن بھر بوجھ اُٹھاتا رہے ۔ اُونٹ مجبور ہے کہ ہفتہ ہفتہ چارے اور پانی کے بغیر ریگستانوں میں سفر کیا کرے ۔ علیٰ ہٰذا القیاس چھوٹے جنگلی جانور اور پرندے مجبور ہیں کہ شکار ہُوا کریں اور شیر چیتا اور باز شکرا وغیرہ مجبور ہیں کہ شکار کیا کریں ۔ حتیٰ کہ گِدھ مجبور ہے کہ چار چار پانچ پانچ من کی گھوڑے گدھے کی لاش چٹ کر کے قریباً ڈھائی تولے کی بیٹھ میں منتقل کرتی رہے ۔ یہ سب کی الگ الگ فطرت ہے اور جو چیز جس کام کے لئے پیدا

کی گئی ہے اُس کی فطرت میں مطلقاً کوئی کمی نہیں چھوڑی گئی۔ اور اسی چیز کے متعلق ارشاد ہوا ہے مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ = ہم نے کتاب کائنات میں کسی چیز کی کمی نہیں رکھی۔

● ۳۔۲ اب صفحہ ۱۵۶ پر درج آیت مجیدہ ۶/۳۸ کے ضمنی نوٹ ۳۔۲ ملاحظہ فرمائیں۔ آیت مجیدہ میں جو آیا ہے ثُمَّ إِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ۔ یہاں ھِمْ کی ضمیر روئے زمین کے دابۃ اور طائر کی طرف جاتی ہے۔ لیکن چونکہ انسان کے سوا روئے زمین کی کوئی مخلوق نہ مکلّف ہے نہ صاحب اختیار وارادہ ہے اسلئے اِلٰی رَبِّهِمْ میں اِلٰی بمعنی پر ہے اور رب بمعنی رب کی عطا کردہ فطرت ہے۔ اور یُحْشَرُوْنَ مضارع مجہول جمع برائے حال ہے برائے استقبال نہیں۔ اور مفہوم یہ ہے کہ وہ سب کے سب اپنے رب کی عطا فرمودہ فطرت پر جمع کر دیئے گئے ہیں کہ وہ کبھی بھی اپنی فطرت بدل نہیں سکتے۔ شیر سرسبز تازہ گھاس کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتا اور بکری تر و تازہ گوشت کو سونگھتی تک نہیں۔

● اب رہا سوال یہ کہ رب کا معنیٰ رب تعالیٰ کی عطا فرمودہ فطرت کس طرح لیا جا سکتا ہے؟ جواباً عرض ہے کہ قرآن کریم میں اس کی مثالیں موجود ہیں، ۱۶/۲۶ میں لفظ اللہ کا معنیٰ اللہ کا مقرر کردہ عذاب ہے:۔ قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ٥ ۱۶/۲۶ بیشک اُن سے پہلے جن لوگوں نے بُری تجویز کی۔ اُن کی عمارتوں پر بُنیادوں سے اللہ کا مقرر کردہ عذاب آیا پھر اُنکے اُوپر سے اُن پر چھت آپڑے اور اُن پر اُس طرف سے اللہ کا عذاب آیا جس کا وہ شعور بھی نہیں رکھتے تھے۔

● غور فرمائیگا آیت مجیدہ ۱۶/۲۶ میں متن کے خط کشیدہ الفاظ فَاَتَى اللّٰهُ جس کا لفظی ترجمہ ہے پھر اللہ آیا مگر ان الفاظ کے صحیح معنے، ترجمہ کے خط کشیدہ الفاظ ہیں "اللہ کا مقرر کردہ عذاب آیا" جس نے اُنکے مکانوں کی بُنیادیں متزلزل کر دیں اور چھت اُنکے اوپر آ گرے۔ جس طرح یہاں لفظ اللہ بمعنیٰ اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا عذاب ہے۔ اُسی طرح ۶/۳۸ میں رب بمعنی رب تعالیٰ کی عطا فرمودہ فطرت ہے۔ اس حقیقت کے خلاف بعض سابقہ تفسیروں نے رَبِّهِمْ کی ضمیر کا مرجع قریب ترک کر کے نوعِ انسانی کو اسکا مرجع قرار دیدیا ہے اور جنہوں نے صحیح مرجع قریب "دابۃ" اور طائر کو قرار دیا ہے، اُنہوں نے نوعِ انسانی کیساتھ ساتھ باقی تمام نوعوں کو بھی اعمال کی جوابدہی کیلئے حضورِ الٰہی میں حاضر کئے جانے کا مضحکہ خیز تصور پیش کیا ہے۔ تصریفِ آیات اور سیاق و سباق کے مطابق حقیقت اُوپر بیان کر دی گئی ہے۔ ماعلینا الا البلاغ۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ نمبر ۳۹ واؤ عاطفہ سے شروع ہوتی ہے۔ اِسکا عطف آیت نمبر ۳۷ پر ہے جس میں کہا گیا ہے کہ لوگ معجزات مانگتے ہیں لیکن اُنکی اکثریت اس چیز سے بے خبر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے معجزوں کے ذریعہ مومن بنانے کا قانون ہی نہیں بنایا۔ ایمان لانا یا نہ لانا ہر شخص کے اپنے اپنے اختیار و ارادہ پر منحصر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق نوعِ انسانی کو سمع، بصر اور فواد یعنی کان، آنکھ اور دماغ کی نعمتوں سے نوازا اور اپنے رسولوں کے ذریعہ اپنا ہدایت نامہ نوعِ انسانی کو پہنچا دیا۔ اب ہر کسی کا اپنا فرض ہے کہ علیٰ وجہ البصیرت ایمان لائے۔ چنانچہ ایمان نہ لانے والوں کے متعلق

ارشاد ہوا ہے:۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِى الظُّلُمٰتِ

اور جو لوگ جھٹلائیں کو آئتیں ہماری بہرے اور گونگے ہیں بیچ اندھیروں

مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ۗ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ

جسے مطابق قانون مشیت اللہ گمراہ ٹھہراتا ہے اور جسے مطابق قانون مشیت ٹھہراتا ہے اسے

عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ۳۹

اوپر راستے سیدھے

اور جو لوگ ہماری آئتوں کو جھٹلاتے ہیں وہ (باطل عقائد کے) اندھیروں میں بہرے اور گونگے ہیں (آیات کریمات کو خالی الذہن ہو کر سُننے ہی نہیں اس لئے ایمان نہیں لاتے)۔ پس اللہ تعالیٰ قانونِ مشیت کے مطابق اُسے ہی گمراہ قرار دیتا ہے جو خود گمراہ ہو جاتا ہے ۱۰/۱۰۸ اور اُسے ہی سیدھی راہ پر قرار دیتا ہے جو خود ہدائت قبول کرتا ہے ۱۰/۱۰۸ - ۲۶/۹۲ - ۳۹/۴۱ نیز:۔

● واضح رہے مندرجہ ذیل کی آیات مجیدہ ۱۰/۱۰۸ ۱۸/۲۹ ۷۳/۱۹ اور ۷۶/۲۹ سے بھی ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو گمراہ نہیں کرتا جو گمراہ ہوتا ہے خود ہوتا ہے اور جو ہدائت پاتا ہے خود پاتا ہے:۔

● ۱۰/۱۰۸ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِىْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق قرآن آگیا ہے۔ پھر جو کوئی خود ہدائت پائے تو وہ اُسکے اپنے لئے ہے اور جو کوئی خود گمراہ ہو جائے اُسکا وبال اُسکی اپنی جان پر ہوگا ۳۹/۴۱ میں بھی متن کے یہی الفاظ آئے ہیں۔

● ۱۸/۲۹ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۗ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ اور کہہ دیجیئگا! (اَے رسولؐ!) حق قرآن تمہارے رب کی طرف سے آیا ہے۔ پس جو کوئی خود چاہے ایمان لائے اور جو کوئی خود چاہے کُفر کرے۔

● ۷۳/۱۹ + ۷۶/۲۹ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ۝ بیشک یہ قرآنِ کریم کی آیات مجیدہ نصیحت نامہ ہیں جو کوئی خود چاہے اسکے ذریعہ اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کرے۔

جو کوئی ہدائت پاتا ہے خود پاتا ہے اور جو کوئی گمراہ ہو جاتا ہے خود ہو جاتا ہے

● آیاتِ بالا کے واضح شواہد کے مطابق اللہ تعالیٰ کسی کو گمراہ نہیں کرتا۔ اِس لئے خود تصریف آیات قرآنیہ کی شہادت کے مطابق آئتِ بالا ۶/۳۹ کا جو مفہوم لکھا ہے یہی صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو گمراہ کرتا نہیں، البتہ جو لوگ خود گمراہ ہو جائیں اُنہیں گمراہ قرار دیتا ہے اور جو لوگ خود صراطِ مستقیم اختیار کریں اُنہیں صراطِ مستقیم پر قرار دیتا ہے، جیسے کہ اگلی آئت مجیدہ میں گمراہ ہو جانیوالوں کو کہا گیا ہے:۔

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ

کہہ کیا تم نے غور کیا ہے / اگر آوے تم کو عذاب اللہ کا یا آجائے تم پر

السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ ۴۰

مشکل گھڑی کیا تم غیر اللہ کو پکارتے ہو اگر ہو تم سچے

(اَے رسولؐ!) کہیئگا! کیا تم نے غور کیا ہے کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب آجائے یا تم پر کوئی مشکل گھڑی آجائے تو اگر تم اس بات میں سچے ہو (کہ تمہارے ٹھہرائے ہوئے کارساز مدد کو پہنچتے ہیں تو بتاؤ) کیا تم غیر اللہ کو پکارتے ہو؟ ؏

بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ
بلکہ اُسی کو پکارتے ہو تم۔ پھر وہ کھول دیتا ہے جو پکارتے ہو تم طرف اُسکے
اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ۝ ۴۱
اگر وہ چاہتا ہے اور بھول جاتے ہو جسے تم شریک کرتے ہو ع

(یہ ہرگز نہیں) بلکہ تم اُسی اللہ کو پکارتے ہو۔ اور جنہیں تم نے اُسکے شریک بنایا ہے اُنہیں بھول جاتے ہوئے پھر اللہ اپنے قانونِ مشیت کے مطابق تمہاری اُس مشکل کی گرہ کھول دیتا ہے، جس کے لئے تم اُسے پکارتے ہو۔

● ۱ سورۂ لقمان میں آیا ہے کہ غیر اللہ سے مرادیں مانگنے والے جب کشتی پر سوار ہوں اور اُنہیں دریا کی لہریں سائبان کی طرح ڈھانپ لیں تو وہ اُسوقت اپنے خود ساختہ مشکلکشاؤں کو بھول جاتے ہیں اور خالص اللہ سے دُعا کرتے ہیں ۔ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۳۱/۳۲

اِنْ شَآءَ کا قرآنی مفہوم

● ۲ آیتِ بالا میں آیا ہے فَيَكْشِفُ ...... اِنْ شَآءَ جس کا لفظی اور مروّجہ ترجمہ یہ ہے، پھر اگر اللہ چاہتا ہے تو تمہاری مصیبت دُور کر دیتا ہے۔ عرض ہے کہ اسے استثنے کو شرط بالمشیت کہا جاتا ہے۔ غور طلب یہ امر ہے کہ مصیبت آتی کیوں ہے اور اُسے اللہ تعالیٰ رفع کسطرح کرتا ہے؟ ۔ واضح رہے کہ جن اسباب سے کوئی مصیبت آتی ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے قوانینِ مشیت ہیں اور جن اسباب سے مصیبت دُور ہوتی ہے وہ بھی اُسکے قوانینِ مشیت ہیں جیسا کہ شوریٰ میں ارشاد ہوا ہے ۔

● وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۝ ۴۲/۳۰ اور اے نوعِ انسانی اِنہیں جو بھی مصیبت آتی ہے وہ تمہارے اپنے ہاتھوں سے لائی ہوئی ہوتی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ تو اپنے قانونِ مشیت کے مطابق تمہاری بہت سی خطاؤں کو معاف کرتا رہتا ہے ــــ آپ دیکھتے ہیں کہ بعض علاقوں میں آئے دن موسمِ برسات میں سیلاب آتے رہتے ہیں۔ اور جب ہم سیلاب کی راہ میں بند باندھ کر پانی کا رُخ موڑ دیتے ہیں تو وہ رُک جاتے ہیں۔ اِسطرح سیلاب کا آنا بھی مشیتِ الٰہی ہے اور اُسکا رُک جانا بھی مشیتِ خداوندی ہے۔ اِسی طرح جب کوئی شخص سنکھیا کھا لیتا ہے تو موت سامنے آکھڑی ہوتی ہے۔ لیکن اگر فوراً قے کروا کر سنکھیا معدے سے خارج کر دیا جائے تو موت کا حملہ رُک جاتا ہے۔ پس یاد رہے کہ ہر مصیبت کے دونوں پہلو، یعنی انسانی غفلت کی بدولت اُسکا آنا اور مناسب انسداد کیساتھ اُسکا رُک جانا مشیتِ خداوندی ہے۔ اور یہ دونوں صورتیں "اِنْ شَآءَ" میں داخل ہیں۔ مصیبت کے لانے میں بھی انسانی اعمال کا عمل دخل ہے اور اسکے رفع کرنے میں بھی اسکی صحیح کوشش کا حصہ موجود ہے۔

● اسکے برعکس یہ نظریہ قطعاً غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تو فلسطین کے چند لاکھ یہودیوں کو بیت المقدس پر غلبہ عطا کر دیتا ہے اور نوّے کروڑ مسلمانوں کی دعائیں نامنظور کر کے یہودیوں کا غلبہ برقرار رکھتا چلا جاتا ہے۔ قانونِ مشیت یہ ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کے مغضوب یہودی غلبہ کے اسباب مہیا کر کے اُنہیں استعمال کرتے ہیں تو وہ اُنہیں غالب کر دیتا ہے اور اگر مسلمان غلبہ کے اسباب سے غفلت برتتے ہیں تو وہ مغلوب ہو جاتے ہیں۔ قرآن فہمی کیلئے مشیتِ خداوندی کے قرآنی مفہوم کا سمجھنا بےحد ضروری

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ آنحضورؐ سے پہلی اُمتوں کی طرف بھی رسولوں کے ذریعہ ہدایت بھیجی گئی تھی:-

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ۝ ۴۲

اور (اے رسولؐ!) بیشک ہم نے آپ سے پہلے تمام اُمتوں کی طرف (اپنے رسول) بھیجے ۲۵/۲۴ (لیکن جب وہ بڑی نافرمانی کرتے) تو ہم اُنہیں عذاب اور ضرر کیساتھ پکڑ لیتے تھے تاکہ وہ غلط روش ترک دیں ۔۱

فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ۴۳

پھر کیوں نہ ایسا ہوا کہ جب اُنکے پاس ہمارا عذاب آتا تو وہ (اُس سے عبرت حاصل کرکے) فرمانبردار ہو جاتے مگر اُن کے اذہان سخت ہو جاتے اور شیطان (یعنی اُنکا مقتدا یا مددگار)۲ اُنکے لئے اُنکے اعمال کو خوبصورت کر دیتا جو وہ نافرمانیاں کیا کرتے تھے۔

● ۱؎ يَتَضَرَّعُوْنَ کا سہ حرفی مادہ ض۔ ر۔ ع = ضرع ہے اسکا مصدری معنیٰ ہے فرمانبردار ہو جانا۔ عاجزی اختیار کرنا۔ خدمت گزار ہونا۔ مطیع ہو جانا وغیرہ۔

● ۲؎ سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۴ میں آیا ہے وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۲/۱۴ جب وہ اپنے شیطانوں کی خلوتگاہوں میں جاتے ہیں۔ یہی وہ شیطان ہیں جو اپنی نذریں وصول کرکے لوگوں کے بُرے اعمال کو مزیّن کر دکھاتے ہیں۔ جب وہ حرام کے مال میں سے نذریں قبول کرکے خوش ہو جاتے ہیں، تو چونکہ اُن خلوت نشینوں کی خوشی کو خدا تعالیٰ کی خوشی تسلیم کیا جا چکا ہے اسلئے وہ اعمالِ بد جن کے ذریعہ حرام مال کمایا جاتا ہے اُنکے جواز کی سند میسّر آجاتی ہے۔ اگرچہ وہ مال ربوبیّت عالمینی کے خلاف عوام کا گلا گھونٹ کر ہی حاصل کیا گیا ہو۔

قوانینِ جاریہ میں کافر مومن کی کوئی تمیز نہیں

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قوانینِ جاریہ پر عمل کرنے کے نتیجے میں کوئی تمیز روا نہیں رکھی۔ خدا تعالیٰ کے منکر اور غاصبینِ ربوبیّت بھی جب قوانینِ جاریہ کیمطابق عمل کرتے ہیں تو اُس کے نتیجے سے اُنہیں بھی پورا پورا حصّہ ملتا ہے چنانچہ ارشادِ مجیدہ ہے:-

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا

پھر جب وہ (سخت ذہنوں والے اُس نصیحت کو بھول جاتے جو (نظامِ ربوبیّت کی) کیجاتی تو (اُنکی محنت کی بدولت) ہم اُنپر

عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ۭ حَتّٰٓي اِذَا فَرِحُوْا
اوپر انکے دروازے ہر چیز کے یہانتک جب وہ اترائے
بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ
ساتھ اسکے جو دئیے گئے پکڑ لیا ہم نے انہیں اچانک پھر اسوقت وہ
مُّبْلِسُوْنَ ۝ ۴۴
ناامید ہو گئے

چیز کے دروازے کھول دیتے۔ یہانتک کہ پھر جب وہ (نعماءِ خداوندی پر غاصبانہ قبضہ کرکے) اترانے لگتے ہیں تو ہم (ان کی سرکشی کی بدولت) انہیں پکڑ لیتے (عذاب میں مبتلا کر دیتے ہیں) تو اُس وقت وہ مایوس ہو جاتے۔

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۭ
تو کاٹ دی گئی جڑ اس قوم کی جو ظلم کرتے
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ۴۵
اور سب طرح کی تعریفیں ہیں واسطے اللہ پالنے والے جہانوں کے

پھر (ہماری گرفت کی بدولت) بے ٹھکانہ کام کرنیوالی قوم (یعنی عوام کے حقوقِ ربوبیت کے غاصبوں) کی جڑ کاٹ دی جاتی اور (ہمارے رسول قیامِ ربوبیت کا عملی اعلان کرنے کہ) جملہ حمد و ستائش اللہ تعالیٰ کیلئے ہے جو بلا تمیز اعلیٰ و ادنیٰ سب کی ربوبیت کے سامان مہیا کرنے والا ہے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ● غور فرمائیگا کہ آیت مجیدہ کا آخری جملہ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کسطرح کھل کر اعلان کر رہا ہے کہ اَلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا سے مراد وہ لوگ ہیں جو رب تعالیٰ کی ربوبیتِ عالمینی کی عملاً مخالفت کرنیوالے ہیں۔ انہیں اللہ کے رسول درسِ ربوبیت دیتے تھے۔ واضح رہے کہ ۶/۴۴ کے الفاظ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ کا یہ معنی ہرگز نہیں ہے کہ اُن پر اللہ تعالیٰ کی نصیحت کو بھلا دینے کی بدولت نعمتوں کے دروازے کھول دئیے جاتے تھے اور ہر زمانے میں کھولدئیے جاتے ہیں۔ بلکہ نعماءِ خداوندی کے دروازے اُن قوانینِ جاریہ پر عمل کرنے کی بدولت کھولے جاتے تھے اور ہر دور میں کھولے جا رہے ہیں جو حصولِ نعماء کیلئے خود اللہ تعالیٰ نے مقرر فرما رکھے ہیں۔ جیسے کہ:۔

● دورِ حاضرہ میں بھی نعماءِ خداوندی کی فراوانی اُن قوموں کے ہاں ہے جو انکے حصول کے اُن قوانینِ جاریہ پر زیادہ سے زیادہ بہتر عمل کرتی ہیں جو رب تعالیٰ کے خود مقرر کردہ ہیں۔ حصولِ رزق کے قوانینِ خداوندی پر بڑھ چڑھ کر عمل کرنے والی قومیں نہ صرف اپنی داخلی ضروریات کے لحاظ سے کفیل ہیں بلکہ وہ دوسری محتاج قوموں کے ہاں بھی غلے کے جہازوں کے جہاز بھر کر بھیجتی رہتی ہیں۔ اسی طرح باقی جملہ ضروریاتِ زندگی، سامانِ آرائش، اسبابِ نقل و حمل کی فروانی انہی اقوام کے ہاں ہے جو خدا تعالیٰ کے متعینہ صنعتی قوانین پر کما حقہٗ عمل کرتی ہیں۔

● یہی حال سابقہ اقوام کا تھا کہ قوانینِ خداوندی پر عمل کی بدولت اُن پر ہر چیز کے دروازے کھلے ہوئے ہوتے مگر جب وہ ظلم کرتے یعنی نعماءِ خداوندی پر غاصبانہ قبضہ کرکے عوام کے حقوقِ ربوبیت دبا لیتے تو عذابِ الٰہی آجاتا اور اُنکی جڑ کٹ جاتی۔

● آیت مجیدہ کا آخری جملہ جو اَرْسَلْنَآ اِلٰٓی اُمَمٍ کے تحت آیا ہے وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو بھیجتا رہا اور وُہ الحمد للہ رب العالمین یعنی ربوبیتِ عالمینی کا اعلان کرتے رہے۔ اِسکا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ الحمد للہ رب العلمین کے الفاظ کو رٹا جائے، اُنکا وِرد کیا جائے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ ربوبیتِ عالمینی کو عملاً بروئے کار لایا جائے۔ چنانچہ اللہ کے نبی رسولؑ اِس پر عمل کی تاکید کرتے رہے مگر قومیں نعماءِ خداوندی کی فراوانی پر اِتراتی رہتیں۔ حصولِ نعماء کے خداوندی قوانین میں فرمانبردار اور نافرمان افراد و اقوام کی تمیز موجود نہیں جیسے کہ انبیاء سلام علیہم اور اُن کی نافرمان قوموں کے حالات ہمارے سامنے موجود ہیں۔ مثلاً :-

قومِ نوحؑ ● حضرت نوحؑ کی تبلیغ کا اُنکی قوم پر کوئی اثر نہ ہُوا۔ اگرچہ قوم پُوری پُوری مخالفت کر رہی تھی مگر اُنکی مادی کوششوں کی بدولت اُن پر ہر چیز کے دروازے کھلے ہُوئے تھے۔ اُنہوں نے اعلیٰ و ادنیٰ کی تمیز اور محتاج و امیر کے طبقات قائم کر رکھے تھے، حتیٰ کہ جو لوگ حضرت نوحؑ پر ایمان لائے قوم کے سرداروں نے اُنکے متعلق کہا ھُمْ اَرَاذِلُنَا ۱۱/۲۷ وہ ہم میں سے رذیلے لوگ ہیں۔ پس اس طبقاتی اور معاشی ناہمواری کے جُرم میں اُن پر سیلاب کی صُورت میں عذاب نازل ہُوا، انسانی اور معاشی مساوات کے منکروں کی جڑ کٹ گئی۔ جب پانی اُترا تو اللہ کے نبی حضرت نوحؑ نے انسانی مساوات اور نظامِ ربوبیت کی اساس پر متوازن نظام قائم کر کے عملاً اعلان فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

قومِ عاد ● اِسی طرح قومِ عاد ایک طرف تو حضرت ھُودؑ کی مخالفت، انسانی مساوات اور ربوبیتِ عالمینی کی عملاً تکذیب کر رہی تھی اور دُوسری طرف اُنکی مادی کوششوں کی بدولت اُن پر نعماءِ خداوندی کی بارشیں برس رہی تھیں۔ اُن پر شدید آندھی کی صُورت میں عذابِ الٰہی نازل ہُوا۔ پُوری قوم کے نافرمانوں کی جڑ کٹ گئی۔ اور حضرت ھودؑ نے انسانی مساوات اور ربوبیتِ عالمینی کی اساس پر متوازن نظام قائم کر کے عملاً اعلان فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

قومِ ثمود ● قومِ ثمود نے بھی انسانی مساوات اور ربوبیتِ عالمینی کی مخالفت کر کے پانی کے چشموں اور عوامی چراگاہ پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا تھا۔ لیکن مادی کوششوں کے ثمر کی صُورت میں اُن پر نعمتوں کے دروازے کھلے ہُوئے تھے۔ بالآخر انسانی مساوات اور ربوبیتِ عالمینی کی عملی مخالفت کی بدولت ایک تیز چیخ کی صورت میں عذابِ الٰہی وارد ہُوا۔ قوم کے نافرمانوں کی جڑ کٹ گئی اور حضرت صالحؑ نے انسانی مساوات اور ربوبیتِ عالمینی کی اساس پر متوازن نظام قائم کر کے عملاً اعلان فرمایا:-
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

قومِ فرعون ● فرعون اور قومِ فرعون نے بنی اسرائیل کے حقوقِ ربوبیت پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا تھا۔ لیکن اسکے باوجود اُنکی مادی کوششوں کی بدولت، اگرچہ وُہ محنت محرومِ ربوبیت افرادِ بنی اسرائیل ہی سے لی جاتی تھی اُن پر رزق کے دھارے بہہ رہے تھے۔ بالآخر حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کی انقلابی جماعت سے ہجرت کروادی۔ فرعون نے لشکر سمیت اُنکا تعاقب کیا لیکن عذابِ الٰہی نے اُسے لشکروں سمیت پانی کی لہروں میں غرق کر کے غاصبینِ حقوقِ انسانیت و ربوبیت کی جڑ کاٹ دی۔

فرعون کے بھرے خزانے، نفیس محلّات، بہتے چشمے، لدے پھدے باغات اور لہلہاتے کھیت بنی اسرائیل کے قبضے میں آئے ۷/۱۳۷ + ۲۶/۵۸ + ۴۴/۲۶۔ حضرت موسٰی علیہ السلام نے ہموار و متوازن نظام قائم کر کے عملاً اعلان کر دیا الحمد للہ رب العٰلمین۔

● علیٰ ھٰذا القیاس جملہ انبیاء کرام سے ہوتا ہوا یہی سلسلہ آنحضور سلام اللہ علیہ تک قائم رہا۔ ہر نبی رسُول نے الحمد للہ رب العٰلمین کے بُنیادی جملہ سے اپنی قوم کو اپنی تحریکِ مساوات و ربُوبیّت سے متعارف کرایا۔ ہر قوم کے سرداروں نے مخالفت کی، جو لوگ ایمان لائے اُنہیں رذیلے اور ادنے کہہ کر اُنکا مذاق اُڑاتے رہے۔ لیکن مشیّتِ خداوندی نے عذاب بھیج کر سرکشوں کی جڑ کاٹ دی اور ہر نبی نے انسانی مساوات اور ربُوبیّتِ عالمینی کی اساس پر متوازن نظام قائم کر کے عملاً اعلان کر دیا:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

تعریفِ آیات کا مخصوص قرآنی اسلوبِ بیان

● واضح رہے کہ خدا تعالیٰ کی کتاب لاریب قرآنِ کریم الحمد للہ ربّ العٰلمین کے جملہ مخصوصہ سے شروع ہوئی ہے، نیز سُورہ انعام بھی اس جملہ کے ابتدائی حصّہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سے شروع ہوئی ہے۔ اور یہاں آیتِ مجیدہ نمبر ۴۵ میں پھر اُسی پُورے جملے کو پھیر کر لایا گیا ہے۔

الحمد للہ کا جملہ گیارہ مرتبہ اور الحمد للہ رب العٰلمین کا پُورا جملہ ۱/۱ ۶/۴۵ ۱۰/۱۰ ۳۷/۱۸۲ ۳۹/۷۵ قرآن مجید میں پانچ مرتبہ آیا ہے۔ یہ بار بار کی تعریف حادثاتی نہیں بلکہ اعلانِ ربُوبیّت کا مخصوص مقصد ہے۔ سلسلۂ درس کی سابقہ آیاتِ مجیدہ میں غاصبینِ ربُوبیّت کی جڑ کاٹ دینے کی سُنّتِ جاریہ کا اعلان کرنے کے بعد اگلی آیتِ مجیدہ میں آنحضور صلعم کو حکم دیا گیا ہے کہ غاصبینِ حقوقِ انسانیت و ربُوبیّت سے کہہ دیجئیگا کہ غور تو کرو کہ یہ کان، آنکھیں اور دماغ جن کی مدد سے تم حصولِ نعماءِ خداوندی کرتے ہو یہ کس کے عطا کردہ ہیں؟ اگر وہ تم سے یہ چیزیں چھین لے تو کیا کوئی ہے جو تمہیں یہ چیزیں دیدے؟ لہٰذا تمہارا کمایا ہوا مال اُسکا ہے جس نے تمہیں یہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ پس چاہئیے کہ اللہ تعالیٰ کے عطا فرمودہ ان اوزاروں کے ذریعہ کمائے ہوئے مال سے الحمد للہ رب العٰلمین کی عملی صورت، ربُوبیّتِ عالمینی کو بروئے کار لاؤ:۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَ
کہہ کیا تم نے غور کیا ہے، اگر لے جائے اللہ کان تمہارے اور

اَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ
آنکھیں تمہاری اور مہر کر دے اوپر اذہان تمہارے کون ہے حاکم سوائے

اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ
اللہ کے، لا دے پاس تمہارے ساتھ اسکے غور کر کس طرح ہم پھیر پھیر کر لاتے ہیں

الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ۝ ۴۶
اپنی آیتیں، پھر وہ اعراض کرتے ہیں

(اے رسُول! ان غاصبینِ حقوقِ انسانیت و ربُوبیّت سے) کہہ دیجئیگا کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے کان، آنکھیں اور دماغ (جن کی مدد سے تم مال کماتے ہو وہ اُن میں سے) کان اور آنکھیں لے جائے اور تمہارے دماغوں کو بیکار کر دے تو پھر اللہ کے سوا کوئی الٰہ (یعنی یہ چیزیں دینے والا) ہے جو تمہیں یہ چیزیں لا دے۔ (کوئی نہیں) اے مخاطب! غور کر ہم کس طرح اپنی آیتوں کو پھیر پھیر کر لاتے ہیں۔ پھر یہ لوگ (تعریفِ آیات کے قرآنی اندازِ قرآن فہمی سے) اعراض کرتے ہیں۔ ۱

● ؎ وَهُمْ يَصْدِفُوْنَ کی تنبیہ اُنظر کیف نصرّف الآیٰت پر داخل ہوئی ہے۔ یعنی ارشاد ہوا ہے کہ اے مخاطب غور کر کہ ہم کس طرح اپنی آیتوں کو پھیر پھیر کر لاتے ہیں مگر یہ لوگ اس سے اعراض کرتے ہیں۔ یصدفون کا مادہ صدف ہے جس کا معنی ہے کترا جانا۔ اسی سورت مجیدہ میں آگے آیت نمبر ۶۵ میں اسی عنوان کو بالفاظِ ذیل بیان فرمایا ہے :-

تفقہ فی القرآن بذریعہ تصریفِ آیات

● اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ٥ ۶/۶۵ اے مخاطب غور کر کہ ہم کسطرح اپنی آیتوں کو پھیر پھیر کر لاتے ہیں تاکہ لوگ قرآن میں تصریفِ آیات کیساتھ تفقّہ کیا کریں۔ یعنی ایک عنوان کی ساری آیتیں جو قرآن بھر میں پھیر پھیر کر لائی گئی ہیں، مسئلہ زیرِ غور پر اُن کی مدد کیساتھ تفقّہ کیا جائے، نہ کہ قرآنی آیات مجیدہ پر تفقّہ غیر قرآن کتابوں کے ذریعہ کی جائے۔

آنحضور کا طریقہ درسِ قرآن بھی بذریعہ تصریفِ آیاتِ قرآنیہ تھا

● اسی سورہ مجیدہ الانعام میں آگے آیت نمبر ۱۰۶ میں آنحضور صلعم کو بھی تصریفِ آیاتِ قرآنیہ کیساتھ درسِ قرآن دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اسی طریقہ درس کو صحیح طریقہ تفہیمِ قرآن قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد ہوا ہے :-

● وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ٥ ۶/۱۰۶ اور (اے رسول صلعم!) اسی طرح ہم اپنی آیتوں کو پھیر پھیر کر لاتے ہیں تاکہ (آپ تصریفِ آیات کے ذریعہ درسِ قرآن دیا کریں اور لوگ) کہا اُٹھیں کہ آپ نے خوب سمجھا دیا ہے۔ اور (دوسری غرض تصریفِ آیات کی یہ ہے) تاکہ اُن لوگوں کیلئے جو جانتے ہیں (کہ اس کتاب کی تبیین خود کتاب والے کے ذمّہ ہے) قرآنِ کریم کی تبیین ہم خود کر دیں ـــــ المختصر! زیرِ نظر ۶/۴۶ میں اللہ تعالیٰ کے اپنے مخصوص اسلوبِ بیان تصریفِ آیات کی خبر دی گئی ہے۔ چنانچہ اسی اسلوب کے مطابق سلسلۂ درس کی اگلی آیت میں ۶/۴۷ والا عنوان دوبارہ پھیر کر لایا گیا ہے :-

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ کہہ کیا غور کیا تم نے اگر آئے طرف تمہاری عذاب اللہ کا بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ اچانک یا ظاہر طور پر نہیں ہلاک کی جاتی مگر قوم الظّٰلِمُوْنَ ○ ۴۷ ظالموں کی	(اے رسول صلعم!) کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے پاس اللہ کا عذاب اچانک آجائے یا (تمہاری آنکھوں کے سامنے) ظاہر طور پر آجائے۔ (تو کون ہے جو تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا سکے) نہیں عذاب آتا مگر بے ٹھکانہ کام کرنیوالوں (غاصبینِ رگوبیت) ہی پر آتا ہے۔ عذاب بُرے عملوں کا نتیجہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ بلاوجہ عذاب نہیں لاتا) ؎

● اگلی آیت مجیدہ میں اسی چیز کی وضاحت کو دی گئی ہے کہ ہم اپنے رسولوں صلعم کو بھیجتے رہے ہیں جو لوگوں کو اُنکے اصلاحی کاموں کی اچھی جزا کی خوشخبری دینے والے تھے اور لوگوں کے بُرے اعمال کی بُری سزا سے ڈرانیوالے تھے۔ جو کوئی اُن پر ایمان لائے اور اصلاح کے کام کرے اُن پر نہ مستقبل کا خوف ہے اور نہ ماضی کا کوئی غم۔ دیکھئے ارشاد ہوا ہے :-

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ
اور نہیں ہمنے بھیجا رسولوں کو مگر خوشخبری دینے والے
وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ
اور ڈرانے والے پھر جو کوئی ایمان لایا اور اصلاح کرلی پھر نہیں ڈر
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ ۴۸
اوپر اُنکے اور نہیں وہ غم کھائیں گے

اور نہیں بھیجے ہمنے اپنے رسول[1] مگر اچھے کاموں کے اچھے اجر کی خوشخبری دینے والے اور بُرے کاموں کے بُرے انجام سے ڈرانیوالے بنا کر بھیجے تھے۔ پھر جو کوئی ایمان لایا اور اصلاح معاشرہ کے کام کئے وہ ہیں کہ نہ انہیں آئندہ کیلئے کوئی خوف لاحق ہوگا اور نہ وہ اپنے ماضی کے افعال کے متعلق غمگین ہونگے۔

● [1] نُرْسِلُ فعل مضارع ہے جس کا معنیٰ یہ ہے کہ ہم بھیجتے ہیں۔ اِن معنوں سے یہ تصوّر پیدا ہوتا ہے کہ نبیوں اور رسولوں کے بھیجنے کا سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ مگر چونکہ ۳۳/۴۰ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ کے مطابق نبیوں اور رسولوں کی آمد بند ہوچکی ہوئی ہے اسلئے نُرْسِلُ مضارع حکائی ہے اور یہاں نُرْسِلُ کا معنی ہم بھیجتے ہیں نہیں، بلکہ ہمنے بھیجے تھے ٹھیک ہے۔ قرآن مجید میں مضارع حکائی کی مثال سورہ یوسف[12] میں اسطرح آئی ہے کہ جب حضرت یوسف[ع] کو ملک مصر میں اقتدار عطا کیا گیا تو ارشاد ہوا وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۚ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ ۱۲/۵۶ اس آئت مجیدہ میں دونوں خط کشیدہ الفاظ يَتَبَوَّاُ اور يَشَآءُ مضارع حکائی ہیں۔ اور آئت مجیدہ کا معنی بصورت ماضی صحیح ہے کہ وہ۔ ہمنے یوسف[ع] کو اس طرح مصر کی زمین میں اقتدار عطا فرمایا تھا وہ جہاں چاہتا تھا قیام کرتا تھا۔ جس طرح یہاں یہ معنی غلط ہے کہ وہ جہاں چاہتا ہے قیام کرتا ہے۔ اُسی طرح آئت بالا زیر بحث ۶/۴۸ میں یہ معنی غلط ہے کہ ہم رسول بھیجتے ہیں۔ کیونکہ ۳۳/۴۰ کے مطابق رسل انبیاء کی آمد ختم ہوچکی ہے۔ اور مَا نُرْسِلُ کا یہی معنی صحیح ہے کہ نہیں بھیجے تھے ہم نے اپنے رسول مگر خوشخبری دینے اور ڈرانیوالے۔

● سلسلۂ درس کی آئت بالا ۶/۴۸ میں ایمان لانیوالوں اور اصلاح کرنیوالوں کی خوشخبری دینے کے بعد اگلی آئت میں جھٹلانیوالوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ
اور جنہوں نے جھٹلائیں ہماری آئتیں مس کریگا اُن کو
الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ○ ۴۹
ہمارا عذاب بسبب اسکے کرتے حدیں پھاندتے

اور جن لوگوں نے ہماری آئتوں کو جھٹلایا (یعنی انسانی مساوات اور ربوبیت عالمینی کی عملاً مخالفت کی) انہیں ہمارا عذاب مس کریگا (وہ مبتلاء عذاب ہوں گے) اس سبب سے کہ وہ (اللہ تعالیٰ کی) حدیں پھاندا کرتے تھے [1]

● [1] يَفْسُقُوْنَ مضارع ہے مگر چونکہ اس پر فعل ناقص كَانُوْا داخل ہوا ہے، اسلئے عربی قواعد کے مطابق ماضی استمراری بن گیا ہے اور بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ کا یہ معنی ہے:۔ بسبب اسکے کہ وہ فسق کیا کرتے تھے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی حدیں پھاندا کرتے تھے۔ اسلئے عذاب آیا تھا۔

● سلسلۂ درس میں اگلی آئت مجیدہ کا ربط آئت نمبر ۴۰ کیساتھ ہے جس میں گزر چکا ہے کہ غیر اللہ سے مدد مانگنے والے مصیبت کے وقت پر صرف اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں۔ کیونکہ وُہی ان کی مشکلیں حل کرتا ہے۔ اب اس شبہ کے ازالہ کیلئے کہ کیا رسولِ اکرم ﷺ بھی مشکلیں حل کرنیوالے ہیں یا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے الفاظ میں خود آنحضور ﷺ سے اعلان کرا دیا ہے:-

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ
کہہ نہیں میں کہتا واسطے تمہارے میرے پاس ہیں خزانے اللہ کے
وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ
اور نہ میں جانتا ہوں غیب، اور نہ کہتا ہوں میں واسطے تمہارے بیشک میں
مَلَكٌ[1] ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۭ قُلْ
ملک نہیں پیروی کرتا میں مگر جو وحی کیا جاتا ہے طرف میری۔ کہہ
هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۭ اَفَلَا
کیا برابر ہے اندھا اور دیکھنے والا کیا پھر نہیں
تَتَفَكَّرُوْنَ ۝ ۵۰ ع ۹/۵ ۱۱
تم غور کرتے

(اے رسول ﷺ) فرما دیجئیگا کہ (اے لوگو!) میں تمہیں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔ اور نہ ہی میں غیب جانتا ہوں (غیب کو تو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے ۶/۵۹) اور نہ میں تمہیں یہ کہتا ہوں کہ میں مَلک ہوں (یعنی صاحبِ اختیار و ارادہ نہیں۔ یعنی میں اپنے ارادے سے کوئی عمل نہیں کرتا، بلکہ اپنے اختیار و ارادہ ہی کیساتھ[1] صرف اس ضابطہ کی اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے۔ فرما دیجئیگا کہ کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہوتے ہیں۔ پھر کیا تم سوچ بچار نہیں کرتے۔

● [1] لفظ ملک کی بحث تفسیر القرآن بالقرآن جلد دوم کے صفحہ ۱۰۱ تا ۱۰۶ پر ملاحظہ فرمائیں۔ ایک ہی نہج پر کام کرتے چلی جانیوالی باری تعالیٰ کی پیدا کردہ کائناتی قوتیں سب مَلک ہیں۔ وُہ صاحبِ اختیار و ارادہ نہیں، جس جس کام کیلئے پیدا کی گئی ہیں وہی کام کرتی چلی آ رہی ہیں اور وہی کام کرتی چلی جائینگی۔ چونکہ صاحبِ اختیار و ارادہ صرف حضرتِ انسان ہے اسلئے اِس نوع کے نبی رسول بھی صاحبِ اختیار و ارادہ ہیں۔ آئتِ بالا میں اسی امر کا اعلان کیا گیا ہے کہ آنحضور ﷺ ملک نہیں تھے بلکہ اُس صاحبِ اختیار و ارادہ نوع کے رسول تھے، جو قیامت کو اپنے اعمال کی جوابدہی کی مکلف اور خداوندی رہنمائی کی محتاج ہے۔

قابلِ اتباع و انذار صرف قرآنِ حکیم ہے

● واضح رہے کہ آئتِ بالا میں اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ کے نفی اثبات کے حصر کیساتھ ثابت کیا گیا ہے کہ آنحضور ﷺ صرف اور صرف وحی الٰہی کے متبع تھے۔ کیونکہ اس حصریہ جملے میں اِنْ نافیہ آیا ہے اور اِلَّا اثبات کا۔ بالکل اُسی طرح جیسے کلمہ طیبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ میں لا نافیہ اور اِلَّا اثبات کا ہے اور جس طرح اسکا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ ہی نہیں۔ اُسی طرح اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰى کا مفہوم یہ ہے کہ میں وحی الٰہی کے سوا اور کسی چیز کی ہرگز ہرگز اتباع و پیروی نہیں کرتا۔ اگلی آئت مجیدہ میں آنحضور ﷺ کو حکم دیا گیا

ہے کہ جس مقدس ضابطے کی آپ خود پیروی کرتے ہیں اُسی کیساتھ نوعِ انسانی کو اُنکے فرائضِ منصبی سے آگاہ کر کے اُنہیں اُسی کے پیرو بنائیں:۔

وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ
اور تو ڈرا ساتھ اسی کے انہیں جو ڈرتے ہیں کہ
يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ
وہ جمع کئے جائینگے طرف رب اپنے کے نہیں واسطے انکے سوائے اُسکے
وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ (۵۱)
کوئی مددگار اور نہ کوئی شفاعت کرنیوالا تاکہ وہ بچ جائیں

اور (اے رسولؐ!) آپ اُسی وحی الٰہی کیساتھ ہی اُن لوگوں (یعنی مومنوں) کو اُنکے فرائضِ منصبی سے آگاہ کیا کریں جو اِس امر سے خوف کرتے ہیں کہ وہ اپنے ربوبیت کرنیوالے کے حضور (اِس زندگی کے اعمال کی جوابدہی کیلئے) اکٹھے کئے جائینگے (اُنہیں جان لینا چاہیئے کہ) اُن کیلئے اُس اللہ کے سوا نہ کوئی مددگار ہے نہ شفاعت کرنیوالا ہے۔ تاکہ وہ (قیامت پر یقین کی بدولت نیک اعمال بجا کر اُخروی عذاب سے) بچ جائیں۔

جماعت صرف سچے اور سچے مومنوں ہی کیساتھ بنتی ہے

● اِس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں آنحضورؐ کو حکم دیا گیا ہے کہ جملہ صحابہؓ کرام جن کی تعریف یہ ہے کہ وہ پاکباز بھی ہیں اور دین کے بھی کھرے ہیں نیز اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے اسکے حضور میں صبح شام دعائیں بھی کرتے ہیں، آپ انہیں اپنے پاس سے دور نہ کرنا۔ جماعت ایسے پاکیزہ افراد سے ہی بنتی ہے:۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ
اور نہ دور کرنا اُنہیں جو دعا کرتے ہیں رب اپنے سے
بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ
وقت صبح کے اور پچھلے حصے دن میں، وہ چاہتے ہیں رضا اُسکی
مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ
نہیں ذمہ تیرے میں سے حساب اُن کے سے کوئی چیز اور نہیں میں سے حساب تیرے
عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ
اوپر اُنکے سے کوئی چیز، پھر تو دور کرے انہیں تو تُو ہو جائیگا میں سے
الظّٰلِمِيْنَ ○ ۵۲
ظالموں کے

اور (اے رسولؐ!) اُن (سچے مومنوں) کو اپنے سے دور نہ کر دینا جو صبح اور دن کے پچھلے حصے میں اپنے رب کے حضور دعا کرتے ہیں۔ وہ اُسکی رضا چاہتے ہیں۔ یعنی دین کے ایسے کھرے کہ اُنکے حساب میں آپکے ذمہ کچھ باقی نہیں۔ اور آپکے حساب میں اُنکے ذمہ کچھ باقی نہیں۔ پھر (اسکے باوجود اگر) آپ انہیں اپنے سے دور کر دیں تو پھر آپ بے ٹھکانہ کام کرنیوالوں میں سے ہو جائینگے۔ (ایسے لوگوں کو اپنے ساتھ ملاتے جائیں تاکہ آپکے ساتھ آپکے پاکیزہ ساتھیوں کی جماعت قائم ہو جائیگی (جو کافروں پر سخت اور آپس میں رحیم و کریم ہونگے ۴۸/۲۹)۔

وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا
اور اسی طرح الگ کر دیا ہمنے بعض اُنکے کو سے بعض کے تاکہ وہ کہیں

اور اسی طرح ہمنے بعض کو جو (دین دین کے کھرے تھے) بعض سے جو (دین دین کے کھوٹے یعنی منافق تھے) متمیز کر دیا تاکہ وہ (مخالفت

اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ○ ۵۳

کیا یہ ہیں احسان کیا اللہ نے اوپر ان کے ہیں درمیان ہمارے کیا نہیں ہے اللہ جاننے والا کو شکر کرنیوالوں

کے کھوٹے منافق، معاملات کے کھرے مومنوں کو طعن کے طور پر کہیں۔ کیا یہ ہیں جن پر ہم میں سے اللہ نے احسان کیا ہے۔ آپ فرما دیجیئے کیا اللہ تعالیٰ شکر گزاروں (سچے مومنوں) کو نہیں جانتا۔

● آیتِ بالا میں غلط معاشرہ کے اس قاعدہ کلیہ کی وضاحت کردی گئی ہے کہ دین کے کھوٹے غلط کار لوگ ہمیشہ ہی سے تقویٰ شعاروں کا مذاق اڑاتے چلے آرہے ہیں کہ یہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ لوگ ہیں۔ اور نیکو کاروں کو ہمیشہ ادنےٰ اور رذیل خیال کیا جاتا رہا ہے۔ جیسے کہ سورۂ ھود میں صحابۂ نوح کے متعلق خبر دی گئی ہے کہ آپکی قوم کے مالدار لوگ آپ سے کہتے تھے :۔ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا ...... ۱۱/۲۷ اے نوح! ہم آپکو نہیں دیکھتے مگر آپ ہمارے ہی جیسے ایک بشر ہیں اور ہم نہیں دیکھتے کہ آپکی اتباع کسی نے کی ہو مگر انہی لوگوں نے کی ہے جو ہم میں سے رذیل لوگ ہیں۔ حضرت نوح نے انہیں بھی یہی جواب دیا جو آیت ماقبل میں آنحضور کو سچے اور سچے مومنوں کو اپنے سے دور نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے :۔

● وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ...... ۱۱/۲۹ (تم ان سے کراہت کرتے ہو ۱۱/۲۸) مگر میں ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں اپنے سے دور کرنیوالا نہیں ہوں۔ المختصر! جملہ انبیاء علیہم السلام کو یہی حکم دیا گیا تھا کہ معاملات کے سچے اور سچے مومنوں کو جنہیں معاشرہ کے مالدار رذیل و حقیر جانتے تھے اپنے آپ سے دور نہ کرنا۔ اور انہی لوگوں کے متعلق آنحضور کو ایک مختصر اور جامع تبلیغ کا حکم دیا گیا ہے :۔

وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ ۙ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ ۵۴

اور جب آئیں آپ کے پاس جو ایمان لاتے ہیں ساتھ آیتوں ہماری تو فرمائیے سلام ہے اوپر تمہارے فرض کیا رب تمہارے نے اوپر اپنے آپ کے رحمت فرمانا بیشک وہ جو کوئی عمل کرے برا ساتھ نادانی کے پھر توبہ کرے پیچھے اسکے اور اصلاح کرے۔ پھر بیشک وہ بخشنے والا بڑا مہربان ہے

(اے رسولؐ!) جب آپکے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے ہوں تو آپ ان سے کہا کریں سلٰمٌ علیکم تم پر سلام ہو۔ تمہارے ربوبیت کرنیوالے نے تم پر رحمت فرمانا اپنے ذمہ خود فرض کر رکھا ہے۔ شان یہ ہے کہ تم میں سے جس کسی نے نادانی کے ساتھ کوئی ناروا کام کیا ہو تو وہ توبہ کرکے اپنی اصلاح کرلے تو وہ حفاظت عطا فرمانے والا بے حد مہربان ہے۔

السلام مسنون!

● اس آیت مجیدہ میں دو امر قابلِ غور ہیں۔ پہلا یہ کہ آنحضور کو حکم ہوا ہے کہ جب آپکے پاس مومن آیا کریں

تو آپ انہیں سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ ...... الخ فرمایا کریں۔ اسطرح چونکہ آنحضورؐ کے متعلق یہ تصوّر بھی نہیں کیا جاسکتا کہ آپنے اس حکم ربّانی کی تعمیل نہ فرمائی ہو لہذا ثابت ہُوا کہ سلامِ مسنون بحکمِ ربّانی سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ ہے اور السّلام علیکم اور وعلیکم السلام بعد کی پیداوار ہے۔ آنحضورؐ نے حکمِ باری کے مطابق سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ کو عملاً رائج فرمایا اور بطورِ سُنّتِ مبارکہ اپنے بعد باقی چھوڑا۔ اگر ان حکم فرمودہ قرآنی الفاظ کو سُنّتِ رسولؐ تسلیم کیا جائے تو آنحضورؐ پر طعن آتا ہے کہ تحیّۃ کے ضمن میں جن الفاظ کی ادائیگی آپ پر حکماً فرض کیگئی تھی آپنے اُنہیں ترک کردیا اور اپنے پاس سے متبادل الفاظ رائج کرکے اُن الفاظ کو بطورِ سنّت چھوڑ گئے جن الفاظ کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ واضح رہے کہ اس قسم کی اور بھی بہت سی چیزیں ہیں جو زمانۂ رسالت اور دورِ صحابہؓ کے بعد آنحضورؐ اور صحابہ کرام کی طرف منسوب ہوکر فروغ پاچکی ہیں۔ مثلاً لونڈی غلام کا جواز، ناہموار تقسیمِ رزق، زمینداری، سرمایہ داری، جاگیرداری وغیرہ کے علاوہ خانقاہیت اور ملوکیت بھی صحابہؓ کرام کی طرف منسوب ہوچکی ہے کہ دونوں چیزیں صحابہؓ کرام ہی کے دور میں موجود ہوگئی تھیں۔ حالانکہ یہ وہ چیزیں ہیں جن کے مکمل خاتمہ کیلئے آنحضورؐ مبعوث فرمائے گئے تھے۔ اور نہ صرف یہ کہ انہیں آنحضورؐ نے خود اپنے دور میں عرب بدر کردیا تھا بلکہ دورِ صحابہؓ میں بھی یہ ننگِ انسانیت تصوّرات اسلام میں راہ نہ پاسکے تھے۔ آنحضورؐ نے اپنے زمانہ کے حکمرانوں کے نام جو تبلیغی پیغام ارسال فرمائے تھے اُن میں سلامٌ علیکَ اور سلامٌ علٰی مَنِ اتّبعَ الھدٰی کے الفاظ موجود ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں مولوی محمد صالح صوفی صاحب کی مصنفہ سوانح حیاتِ رسولِ مقبولؐ کے صفحات ۱۱۹ تا ۱۳۲۔ نمونہ کے طور پر ۱۲۶ صفحہ پر مقوقش شاہِ مصر کے نام آنحضورؐ کے تبلیغی خط میں سَلٰمٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی باندازِ ذیل موجود ہے:۔

● بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ مِنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ وَرَسُوْلِهٖ اِلَی الْمُقَوْقَسِ عَظِیْمِ الْقِبْطِ سَلَامٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی۔ اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّیْ اَدْعُوْکَ بِدِعَایَةِ الْاِسْلَامِ ...... (ترجمہ) اللہ رحمان ورحیم کے نام کیساتھ محمد بن عبداللہ اور اللہ کے رسول کی طرف سے مقوقش قبطیوں کے بادشاہ کی طرف ۔ سلامٌ علٰی مَنِ اتّبعَ الھدٰی۔ سلام ہو اُس پر جو ہدایت (قرآن) کی اتّباع کرے۔ اسکے بعد میں تمہیں دعوتِ اسلام کی طرف بلاتا ہوں۔ آنحضورؐ کے اس خط میں آپکا سلام، سلامٌ علٰی مَنِ اتّبعَ الھدٰی مذکور ہے۔

● اسکے بعد صفحہ ۱۲۸ پر منذر بن ساوے کے نام آنحضورؐ کا خط بدیں الفاظ درج ہے:۔

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللهِ اِلَی الْمُنْذِرِ بْنِ سَاوٰی سَلَامٌ عَلَیْکَ فَاِنِّیْ اَحْمَدُ اِلَیْکَ اللهَ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ ......

(ترجمہ) اللہ رحمان و رحیم کے نام کیساتھ محمد اللہ کے رسول کی طرف سے منذر بن ساوی کی طرف ۔ سلامٌ علیکَ تجھ پر سلام ہو۔ بیشک میں تیری طرف اللہ کی بے حد تعریف کرتا ہوں، جس کے سوا کوئی فرمانبرداری کے لائق نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی فرمانبرداری کے لائق نہیں۔ دیکھئے:۔

• آنحضورؐ کے اس خط میں آپکی طرف سے قرآنی سلام موجود ہے سَلٰمٌ عَلَیْكَ۔ قرآن مجید میں ذیل کے سلام مذکور ہیں:۔

• اجنبیوں کیلئے سلام۔ سَلٰمًا۔ سَلٰمٌ۔ حضرت ابراہیمؑ کے پاس اللہ کے رسول آئے۔ وہ ایکدوسرے کیلئے اجنبی تھے۔ انہوں نے آپ سے کہا سَلٰمًا۔ آپ نے جواب دیا سَلٰمٌ ۱۱/۶۹

• غیر مسلموں کیلئے سلام، سَلٰمٌ عَلَیْكَ، وَالسَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی۔ حضرت ابراہیمؑ نے آزر سے کہا سَلٰمٌ عَلَیْكَ ۱۹/۴۷ اور حضرت موسیٰؑ نے فرعون سے کہا وَالسَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی ۲۰/۴۷۔

• مومنوں کیلئے سلام، سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ۔ آنحضورؐ کو حکم ہوا کہ جب آپکے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آئتوں پر ایمان لائے ہیں تو آپ ان سے کہا کریں سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ۔ فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ ۶/۵۴۔

• سورہ نور میں ارشاد ہوا ہے:۔ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِكُمْ تَحِیَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَیِّبَةً ۲۴/۶۱ جب تم کسی گھر میں داخل ہو تو اہلِ خانہ پر سلام کہو وہ سلام جو اللہ کا حکم کردہ برکت والا اور پاکیزہ ہے۔ اس خداوندی حکم کے مطابق آنحضورؐ اللہ تعالیٰ کے حکم کردہ سلام سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ ہی کے عامل تھے۔ اور یہی مبارک وطیب سلام ہی آنحضور کی سنتِ مبارکہ ہے۔

۲۔ بلا توبہ واصلاح مغفرت نہیں

• دوسرا امر آئتِ بالا میں یہ غور طلب ہے جو آئتِ مجیدہ کے الفاظ ذیل سے عیاں ہے:۔ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۶/۵۴ نشان یہ ہے کہ تم میں سے جو کوئی نادانی کیساتھ کوئی ناروا کام کر بیٹھے تو اگر وہ اسکے بعد توبہ کر کے اپنی اصلاح کرلے تو پھر اللہ تعالیٰ غفورٌ رحیم ہے۔ اسی مضمون کو مزید وضاحت کیساتھ سورہ نحل میں بالفاظِ ذیل بیان کیا گیا ہے:۔

• ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِیْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۱۶/۱۱۹ پھر بلاشبہ اے رسولؐ! تیرا نشوونما دینے والا واسطے اُن لوگوں کے جو نادانی کیساتھ ناروا عمل کر بیٹھیں، پھر اسکے بعد توبہ کریں اور اپنی اصلاح کرلیں تو بیشک تیرا رب اسکے بعد غفورٌ رحیم ہے۔

• پس ثابت ہوا کہ ہر دو آیاتِ بالا ۶/۵۴ + ۱۶/۱۱۹ کے مطابق بخشش مشروط ہے توبہ اور اصلاح کیساتھ۔ نیز ناروا کاموں پر بھی شرط موجود ہے بِجَهَالَةٍ کی۔ یعنی ناروا کام مجہول کرکے ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ جان بوجھ کر دودھ میں پانی ڈالا جارہا ہو۔ جان بوجھ کر ترازو کی ڈنڈی کانی اور باٹ ہلکے رکھے ہوئے ہوں۔ ملاوٹ کی عادت دائمی ہو۔ تو یہ صورت ان آیات کی رُو سے مغفرت اور بخشش کے ضمن میں نہیں آتی۔

• اسی عنوان کو خدا تعالیٰ نے سورہ نساء میں بھی مزید وضاحت کیساتھ بالفاظِ ذیل بیان کردیا ہے تاکہ معاشرہ سے برائیوں کا مطلقاً خاتمہ ہوجائے۔ دیکھئے! ارشادِ باری ہے:۔

● اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ○ ۴/۱۷ سوائے اسکے نہیں ہے کہ توبہ قبول کرنا اللہ کے ذمہ اُن لوگوں کیلئے ہے جو ناروا کام کریں نادانی کیساتھ پھر جلدی توبہ کر لیتے ہیں۔ پس وہی لوگ ہیں جن پر اللہ رجوع بر حمت ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت بڑھ کر جاننے والا اور بہت بڑھ کر حکمت والا ہے ـــ اس سے آگے ارشاد ہُوا ہے :۔

● وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ○ ۴/۱۸ اور نہیں واسطے اُن لوگوں کے کہ (اللہ اُن کی توبہ قبول کرے) جو بُرے کام کرتے ہیں حتّٰی کہ اُن میں سے کسی پر موت حاضر ہو جائے اور وہ یہ کہے کہ مَیں اب توبہ کرتا ہوں اور نہ (اُن کی توبہ قبول ہوتی ہے) جو ضابطۂ خداوندی کے انکار ہی کی حالت میں مر جائیں۔ یہ وُہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے لئے درد ناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

● دیکھا آپ نے توبہ نہ اُنکی قبول ہے جو زندگی بھر جان بُوجھ کر بُرے عمل کرتے رہیں اور جلدی توبہ نہ کریں اور نہ اُنکی توبہ قبول ہوتی ہے جو مرنے کے وقت پھر توبہ کریں۔ نیز شفاعت کا تصوّر بھی ان آیاتِ بالا کے مطابق ختم ہو جاتا ہے۔ جس کے متعلق خود آنحضور کی زبان مُبارک سے اعلان کرا دیا گیا ہے :۔ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ○ ۳۹/۴۴ اَے رسُول! اعلان کر دیجئیے گا کہ شفاعت کا حق سارے کا سارا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو ہے (اسکے سوا کسی کو شفاعت کا حق ہے ہی نہیں)۔ سُورہ یونس میں اُن لوگوں کو اللہ کے شریک قرار دیا گیا ہے جنہیں لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں شفیع ٹھہرائیں۔ دیکھئے ارشادِ باری :۔

● وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِى السَّمٰوٰتِ وَلَا فِى الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ ۱۰/۱۸ اور وُہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے شفیع ہیں۔ (اَے رسُول!) فرما دیجئیے گا کیا تم (اللہ کو بے خبر جانتے ہو کر) اللہ تعالیٰ کو اُس چیز کی خبر دیتے ہو جسے آسمانوں اور زمین میں گویا کہ وہ جانتا ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ اُس سے پاک اور بلند و بالا ہے جو تم اُس کیساتھ شریک کرتے ہو۔

● اب مسئلہِ شفاعت سے متعلقہ وہ شبہ دُور کرنا ضروری ہے جو مَنْ ذَا الَّذِىْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ[1] ؕ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۲/۲۵۵ سے پیدا ہوتا ہے :۔ کون ہے جو اللہ کے حضور اُس کے قانون[1] کے بغیر شفاعت کرے، وہ اللہ تو مجرموں کے آگے پیچھے کو خود اچھی طرح جانتا ہے (اُسے کسی شفیع کی کیا ضرورت ہے جو اُسے یہ بتائے کہ ملزم قصوروار ہے یا نہیں)؟

● [1] اِلَّا بِاِذْنِهٖ میں اِذن بمعنی قانون ہے قانون کی قرآنی سند دیباچہ کے صفحہ ۵۵ پر ملاحظہ فرمائیں۔ واضح رہے کہ مسئلہ شفاعت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنے قانون کا حتمی اعلان خود آنحضور کی زبانِ مبارک سے کرا دیا ہے قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ۳۹/۴۴ اَے رسُول! فرما دیجئیگا کہ شفاعت ساری کی ساری صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہے۔ نیز ۱۰/۱۸ میں غیر اللہ شفاعت کو شرک قرار دیدیا ہے مسئلہ شفاعت کی مکمل بحث تفسیر القرآن بالقرآن جلد اوّل کے صفحہ ۲۰۸-۲۰۹ پر آیتِ مجیدہ ۲/۲۵۵ کی تفسیر قرآنی میں بالتفصیل گزر چکی

ہے۔ (ماعلینا الا البلغ)

● مسئلۂ نجات کے سلسلہ میں اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے جو یہ کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے وہ سب گناہ بخش دیگا اور اُس پر آئت ذیل بطور دلیل لائی جاتی ہے:- قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝ ۳۹/۵۳

(مفہوم) اے رسول! فرما دیجئیگا کہ (اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ) اے میرے بندو! جنہوں نے اپنے آپ پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ سب کے سب گناہ معاف کر دیگا۔ بیشک وہ معاف فرمانے والا بہت بڑھ کر مہربان ہے ــــ اس آئت مجیدہ کے ٹکڑا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا سے بلا قید و شرط یہ تصوّر لیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کے سب گناہ بخش دیگا۔ اور ۶/۵۳ + ۱۶/۱۱۹ + ۴/۱۷ + ۴/۱۸ میں جو اللہ تعالیٰ نے شرطیں عائد کی ہیں انہیں نظرانداز کر دیا ہے۔ حالانکہ اسی آئت مجیدہ ۳۹/۵۳ سے آگے متصلاً آئت نمبر ۳۹/۵۴ میں وہی شرطیں عائد کر دگئی ہیں:-

● وَاَنِیْبُوْٓا اِلٰی رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ ۳۹/۵۴ اور (اللہ تمہارے سارے گناہ اس طرح بخش دیگا کہ) تم اپنے رب کی طرف رجوع (یعنی توبہ) کرو اور اُسکے پُورے پُورے فرمانبردار ہو جاؤ (اپنی اصلاح کرلو) اُسوقت سے پہلے پہلے کہ تم پر عذاب آجائے۔ پھر (عذاب آنے کے بعد) تمہاری کوئی مدد نہیں کی جائیگی ـــــ دیکھا آپنے! کہ یہاں بھی توبہ اور اصلاح کی شرط قائم کر دگئی ہے ـــــ پس یاد رکھیگا کہ مغفرت کیلئے گناہوں سے توبہ اور اصلاح یعنی آئندہ کیلئے برے اعمال کو چھوڑ کر نیک اعمال پر صد فیصد عامل ہو جانے کے سوا ہرگز کوئی چارہ نہیں۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں اعلان کیا گیا ہے:-

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ وَلِتَسْتَبِیْنَ
اور اسی طرح ہم مفصل بیان کرتے ہیں آئتیں اور تاکہ نمایاں ہو

سَبِیْلُ الْمُجْرِمِیْنَ ۝ ۵۵ ع ۶/۵/۱۲
راستہ مجرموں کا

اور اسی طرح ہم اپنی آئتوں کو کھول کھول کر بیان کرتے ہیں تاکہ مجرموں کی (سزا کا) طریقہ پوری طرح نمایاں ہو جائے۔

جسکی عبادت اُسی سے دُعا ● سلسلۂ درس کی اگلی مجیدہ میں مجرموں کے ایک مخصوص جرم کی خبر دی گئی ہے کہ جو لوگ غیر اللہ سے مرادیں مانگتے ہیں اور ان سے دعا کرتے ہیں وہ ان کی عبادت کرتے ہیں۔ سورہ فاتحہ ۱/۴ میں وعدہ لیا گیا ہے اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ بالفاظ دیگر قرآن مجید کی پہلی ہی سُورت مجیدہ میں قرآنِ کریم کے قاری سے اِس چیز کا اقرار کرا لیا جاتا ہے کہ عبادت اور استعانت صرف اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہے۔ چنانچہ اسی چیز کی مخالفت کا اعلان آنحضورؐ کی زبان مبارک سے کرا دیا گیا ہے:-

عبادت اور دعا باہم مترادف چیزیں ہیں

● سلسلۂ درس کی پچھلی آیت نمبر ۶/۵۴ میں مغفرت کا ایک ہی ذریعہ بیان کرنے کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں اس چیز کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ غیر اللہ سے مدد مرادیں مانگنا یعنی غیر اللہ کو غائبانہ مدد کے لئے پکارنا گویا اسکی عبادت کرنا ہے۔ جو لَا تَعْبُدُوْا اِلَّا اللّٰہ کی کھلی مخالفت ہے بالفاظِ دیگر کھلا ارتکاب شرک ہے:۔

● قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ
کہہ بیشک میں منع کیا گیا ہوں کہ میں عبادت کروں ان کی

تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَتَّبِعُ
پکارتے ہو تم جنہیں ہیں سے ساتھ اللہ کے۔ کہہ نہیں اتباع کرتا میں

اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ
خواہشوں تمہاری کی بیشک گمراہ ہوا میں اسوقت اور نہیں ہیں میں سے اسوقت

الْمُهْتَدِیْنَ ۝۵۶
ہدایت پانیوالوں کے

(اے رسولؐ!) فرما دیجئے گا بیشک میں منع کر دیا گیا ہوں کہ میں عبادت کروں اُن لوگوں کی جنہیں اللہ کے ساتھ ملا کر پکارتے ہو[1] (نیز یہ بھی اعلان فرما دیجئے گا کہ) میں نہیں پیروی کرتا تمہاری خواہشات کی (تم غیر اللہ کو اللہ کیساتھ ملا کر پکارتے ہو۔ غائبانہ مدد مانگتے ہو اگر میں ایسا کروں) تو بیشک اُسوقت میں گمراہ ہو جاؤں گا۔ اور ہدایت پانیوالوں میں سے نہیں ہوں گا۔

● [1] مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کے معنے سوائے اللہ کے بھی قرآن مجید میں مذکور ہیں اور اللہ کے ساتھ ملا کر بھی موجود ہیں جیسے کہ سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۱۱۶ کی تفسیر القرآن میں پیچھے صفحہ ۱۲۳ پر گزر چکا ہے وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۵/۱۱۶ وہ وقت قابلِ ذکر جب (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ کہیگا کہ اے مریم کے بیٹے عیسیٰ کیا تُو نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کیساتھ دو الٰہ اور ملا کر (تین الٰہ) بنا لو۔ پوری تفصیل پیچھے صفحہ ۱۲۳ پر ملاحظہ فرمائیں۔

حکم بھی صرف اللہ تعالیٰ کا ہے اور غیب کی چابیاں بھی صرف اُسی کے پاس ہیں

● اللہ کیساتھ ملا کر کسی غیر سے مدد مرادیں مانگنے کو غیر اللہ کی عبادت قرار دینے کے بعد اسی امر کی دلیل کا اگلی تین آیات کریمات میں آنحضورؐ کی زبان مبارک سے اعلان کروایا گیا ہے کہ غیب کی چابیاں بھی صرف اللہ کے پاس ہیں اور اُسکے حکم میں بھی اُسکا کوئی شریک نہیں:۔

قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَكَذَّبْتُمْ
کہہ بیشک میں ہوں اوپر دلائل کے طرف سے رب اپنے کے اور جھٹلایا تم نے

بِهٖ ؕ مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ
کو اسکے نہیں پاس میرے جس کی تم جلدی کرتے ہو ساتھ اسکے نہیں ہے

(اے رسولؐ!) فرما دیجئے گا کہ بیشک میں اپنے نشوونما دینے والے کی طرف سے (اُسکی نازل کردہ کتاب قرآن حکیم کے) دلائل قاطعہ پر ہوں مگر تم نے اسے جھٹلا دیا ہے۔ جس چیز (یعنی عذاب) کے لئے تم جلدی کرتے ہو وہ میرے پاس نہیں (وہ میرے حکم میں

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ ۝ ۵۷

حکم مگر صرف اللہ کیلئے بیان کرتا ہے سچ ۔ اور وہ ہے بہتر فیصلہ کرنیوالوں ہے

نہیں، حکم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا ہے وہ حق حق بیان کرتا ہے۔ اور وُہی ہے جو بہتر (صحیح صحیح مبنی بر انصاف) فیصلے دینے والا ہے۔

قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ ۵۸

کہہ اگر ہوتا بیشک پاس میرے جو جلدی کرتے ہو تم ساتھ اسکے البتہ فیصلہ ہو چکتا معاملہ درمیان میرے اور درمیان تمہارے اور ہے اللہ خوب جاننے والا کو ظالموں

(اے رسولؐ (مزید) فرما دیجئے گا کہ جس (عذاب) کیلئے تم جلدی کرتے ہو۔ اگر وُہ میرے قبضے میں ہوتا تو اس امر کا میرے اور تمہارے درمیان (کب کا) فیصلہ ہو گیا ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ ہی ظالموں کو (جو عذاب کے لائق ہیں) خوب خوب بہت بڑھ کر جاننے والا ہے۔

● ۱؎ یہاں وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ میں آمدہ بِا کا معنی ہے کو۔

غیب کی کنجیاں اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں اور ہر خشک و تر چیز اسکے علم میں موجود ہے

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں آنحضورؐ کی زبانِ مبارک سے اعلان کرا دیا گیا ہے کہ غیب اللہ کے سوا کسی کو نہیں، غیب کی چابیاں صرف اسی کے پاس ہیں اور کائنات بھر کی ہر حاضر و غائب اور خشک و تر چیز صرف اور صرف اُس کے علم میں موجود ہے۔

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ ۵۹

اور پاس اسی کے ہیں چابیاں غیب کی نہیں جانتا اسے مگر وہی اور وہ جانتا ہے جو بیچ خشکی کے اور سمندر کے اور نہیں گرتا میں سے کوئی پتہ مگر وہ جانتا ہے اسے اور نہ ہے کوئی دانہ بیچ اندھیروں زمین کے اور نہیں ہے کوئی تر اور نہ خشک مگر بیچ کتاب ظاہر علم الٰہی کے

اور (اے رسولؐ فرما دیجئے گا کہ) غیب کی چابیاں صرف اُس (اللہ) کے پاس ہیں۔ غیب کو اسکے سوا مطلقاً کوئی نہیں جانتا۔ اور وُہی جانتا ہے جو کچھ خشکی میں ہے اور جو کچھ سمندروں میں ہے۔ اور نہیں گرتا کوئی پتہ (کسی بھی درخت پودے یا بیل سے) مگر وُہ اُسے جانتا ہے۔ اور نہیں کوئی دانہ (چھوٹا سا) زمین کے اندھیروں میں (یعنی مٹی کے اندر) وہ اُس کے علم میں ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نہیں ہے کوئی بھی تر یا خشک چیز مگر وہ سب کتابِ مبین (علمِ الٰہی) میں موجود ہے۔

● ملے کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ کا معنی یہاں علمِ الٰہی ہے قرآنی لغت کے مطابق کِتٰب بمعنی علمِ الٰہی کے قرآنی دلائل پیچھے صفحہ ۵۷ اپر آئت نمبر ۳۸ کی تفسیر القرآن بالقرآن میں گزر چکے ہیں۔ وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں پر اس ترجمہ کی صحت کی دو واضح دلیلیں موجود ہیں۔ پہلی دلیل تو یہ ہے اِس آئت مجیدہ زیرِ بحث $\frac{6}{59}$ کے سارے کے سارے داخلی الفاظ کی شہادت کہ پوری کی پوری آئت کریمہ میں علمِ الٰہی ہی کی وضاحت کیگئی ہے کہ وہ خشکی اور تری کی ہر چیز کو خوب خوب جانتا ہے :۔ یَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ۔ نیز کرّہ ارض یا دُوسرے کُرّوں، اجرامِ فلکی، سیّاروں اور ستاروں میں جہاں جہاں کوئی پتّہ گرتا ہے اُسکے علم میں ہوتا ہے :۔ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا یَعْلَمُهَا۔ نیز ارشاد ہوا ہے کہ وہ کسی بیج تک سے بھی بے خبر نہیں۔ زمین کے اندھیروں میں بیجوں کی جو ایٹمیں پھٹتی اور اُن سے انگوریاں نکلنے میں جو کیمیائی عمل ہوتا ہے سب اُسکے علم میں ہے :۔ وَلَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ۔ اور نہ کوئی بھی بیج جو اندھیروں میں زیرِ عمل ہوتا ہے اُس سے پوشیدہ ہے۔ اِسکے بعد لایا گیا ہے وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ، جس سے صراحتًا ثابت ہوتا ہے کہ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ سے مراد یہاں علمِ الٰہی ہے۔ اور دُوسری دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم میں دُوسرے دو مقامات $\frac{10}{61}$ + $\frac{34}{3}$ میں تصریفِ آیات کیساتھ اسی آئت کی متبادل آئت آئی ہے عٰلِمِ الْغَیْبِ لَا یَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ۝ $\frac{34}{3}$ اللہ عالم الغیب ہے اُس سے کوئی ذرہ بھر چیز پوشیدہ نہیں آسمانوں اور زمین میں نہ اُس (ذرہ) سے کوئی چھوٹی چیز پوشیدہ ہے نہ اس سے بڑی، سب کی سب کتاب مبین علم الٰہی میں موجود ہیں۔

صفحہ ۱۵۷ پر آئت نمبر ۲۸ کی تفسیر میں پیچھے دیکھئے ــــ سلسلہ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں نیند کو عین موت نہیں بلکہ موت کی مثل بتایا گیا ہے :۔

وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّیْلِ وَیَعْلَمُ
اور وہی ہے جو فوت کرتا ہے تمہیں وقت رات کے اور جانتا ہے

مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ یَبْعَثُكُمْ فِیْهِ
جو کام کرتے ہو تم وقت دن کے پھر اٹھا لیتا ہے بیچ اسکے

لِیُقْضٰۤی اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَیْهِ
تمہاری زندگی کی جانچنے کی مہلت تا کہ مقرر کی ہوئی پھر طرف اسی کے ہے

مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ یُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ
لوٹ جانے کی جگہ تمہاری، پھر وہ خبر دیگا تمہیں ساتھ اسکے جو تم

تَعْمَلُوْنَ ۝ ۶۰
عمل کیا کرتے تھے

ع $\frac{7}{5}$ ۱۳

اور وہ اللہ ہی وہ عظیم الشان ذات ہے جو تم پر رات کیوقت پر (نیند غالب کرکے مجازی صورت میں ملے) تمہیں فوت کر دیتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے تم دن کے وقت جو کام کرتے ہو کام کے بعد آرام لازم ہے۔ اسلئے تمہیں نیند کے ذریعہ تازہ دم کرکے صبح کے وقت اس (یعنی دن) میں پھر اٹھا لیتا ہے ملے تا کہ لیل و نہار کی اسی گردش میں عمر کا (نام رکھا ہوا ملے وقفہ) پورا ہو جائے۔ پھر (حقیقی موت کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے کے بعد اعمال کی جوابدہی کیلئے) تمہارے لوٹ کر جانے کی جگہ اُسی کی طرف ہے $\frac{23}{16}$۔ پھر وہ تمہیں خبر دیگا جو عمل تم کیا کرتے تھے ۔ ۵ ۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ وہ غالب ہے اوپر بندوں اپنوں کے اور بھیجتے ہیں عَلَيْكُمْ حَفَظَةً حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ اوپر تمہارے محافظ اپنے یہاں تک کہ جب آتی ہے کسی تمہارے پر الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا موت، فوت کرتے ہیں اسے بھیجے ہوئے ہمارے اور وہ نہیں يُفَرِّطُوْنَ ۝٦١ وہ کوتاہی کرتے	وہ (اللہ) اپنے سارے بندوں پر غالب ہے (اُسکے قانونِ موت وحیات کے دائرہ سے کوئی نکل نہیں سکتا) اُس نے تم پر اپنی محافظ[٦] قوتیں بھیجی ہوئی ہیں (یعنی بصورتِ قانون متعین کر رکھی ہیں) یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی پر موت کا وقت آتا ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے (اسباب موت[٦]) اُسے فوت کر دیتے ہیں۔ اور وہ اپنے کام میں ہرگز کوتاہی نہیں کرتے۔

● ١ نیند میں انسان مرتا نہیں۔ سو یا مرا ایک برابر کے انداز میں اسے مجازی وفات قرار دیا گیا ہے۔

● ٢ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ اور ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ سے کھل کر ثابت ہے کہ رات کو فوت کر دینا اور دن کے وقت اُٹھا لینا حقیقی موت نہیں، مجازی وفات وبعثت ہے۔ کیونکہ حقیقی موت کے بعد کی بعثت قیامت کو ہوگی۔

● ٣ لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى کے الفاظ میں اَجَلٌ مُّسَمًّى سے مراد عمر کا وقفہ ہے جو لیل ونہار کی گردش ہی میں ختم ہو جاتا ہے۔

● ٤ ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ کا معنی یہ ہے کہ پھر تمہارے لوٹ کر جانے کا مقام اللہ ہی کی طرف ہے۔ ان الفاظ میں موت کے بعد کی بعثت کی غرض بتائی گئی ہے کہ پھر تمہیں اِس زندگی کے اعمال کی جوابدہی کیلئے قیامت کی عدالتِ عالیہ میں حاضر ہونا ہے۔

● ٥ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ تم جو بھی عمل کرتے ہو، خواہ ظاہراً کرتے ہو یا چھپ چھپا کر، اللہ تعالیٰ تمہارے ہر ایک عمل کو جانتا ہے اور قیامت کو تمہیں ہر عمل کی خبر دیگا۔ اور خبر دینے کا مطلب یہ ہے کہ ہر اچھے عمل کی تم کو جزا ملیگی اور ہر بُرے عمل کی سزا پاؤ گے۔ پیچھے آیت نمبر ٥٤ کی تفصیل میں صفحہ $\frac{171}{173}$ تا پر بُرے عملوں کی سزا سے بچنے کیلئے بتا دیا گیا ہے توبہ اور اصلاح۔ یعنی آئندہ کیلئے بُرے اعمال سے صد فیصد کنارہ کشی اختیار کی جائے اور ایسے عمل کئے جائیں جن سے معاشرہ میں اصلاح ہوتی چلی جائے۔

● ٦ یہاں يُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً کا مفہوم یہ ہے کہ اُس نے تمہارے لئے محافظ قانون مقرر کر رکھے ہیں جن کے مطابق حفاظت میسر آتی ہے۔ یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ محافظ تو بھیجتا ہے مگر اُن کی غفلت سے آئے دن ٹانگوں، بسوں، لاریوں اور ریل گاڑیوں کے ایکسیڈنٹ بھی ہوتے رہتے ہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے حفاظت کے قانون متعین کر دیئے ہیں جن کی مخالفت سے حادثات واقع ہوتے ہیں، کسی کی ٹانگ ٹوٹ جاتی ہے اور کسی کی آنکھ پھوٹ جاتی ہے۔

● قرآن مجید میں يُرْسِلُ متعدد مقامات پر قوانینِ جاریہ کے تعین کیلئے آیا ہے۔ مثلاً:-

● يُرْسِلُ الرِّيٰحَ $\frac{30}{48}$ کا لفظی معنی ہے وہ ہوائیں بھیجتا ہے۔ مگر اسکا مفہوم یہ ہے کہ اس نے ہواؤں کے چلنے کا قانون متعین کر رکھا ہے۔

● يُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ $\frac{13}{13}$ کا لفظی معنی ہے وہ بجلیاں بھیجتا ہے۔ مگر مفہوم یہ ہے کہ اُس نے بجلی کا قانون مقرر کر دیا ہے۔ اِسی طرح:-

● یُرْسِلُ عَلَیْکُمْ حَفَظَۃً کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری حفاظت کے قوانین متعین کر رکھے ہیں۔ انکی متابعت سے خداوندی حفاظت میسّر آتی ہے اور انکی مخالفت سے اللہ تعالیٰ کی حفاظت اٹھ جاتی ہے۔

● ۳۲ حَتّٰی اِذَا جَآءَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْہُ رُسُلُنَا کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی پر موت آتی ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے کارندے اُسے فوت کر دیتے ہیں۔ انہی میں سے ہر کارندے کو ملک الموت فرمایا ہے ــــ اب مشاہدات میں دیکھئے گا کہ وہ خداوندی کارندے کون کونسے ہیں جن میں سے ہر ایک ملک الموت $\frac{۳۲}{۱۱}$ ہے۔ آگ، پانی، بجلی، آندھی، بیماری تیز دھار آلہ، پستول یا بندوق کی گولی، ایٹم بم جو ناگاساکی اور ہیروشیما کے ہزار ہا انسانوں کو ایک سیکنڈ میں موت کے گھاٹ اتار دے سب الگ الگ خداوندی کارندے اور الگ الگ ملک الموت ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے محافظ بھی اپنا اپنا فرض ساتھ کیساتھ انجام دیتے رہتے ہیں۔ جیسے کہ آنکھوں کی پلکیں انکی حفاظت کیلئے انسان کے ارادے کے بغیر ایک ایک سیکنڈ میں کئی کئی مرتبہ جھپک جاتی ہیں۔ کسی تنگ منڈیر پر چلتے ہوئے جب ہم دائیں طرف گرنے لگتے ہیں تو بایاں بازو خود بخود اُدپر کو اٹھ جاتا اور گرنے سے بچا لیتا ہے۔ انسان بیمار ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی محافظ دوائیں حفاظت کرتی ہیں لیکن جب خدائی کارندوں کا حملہ شدید ہو تو موت واقع ہو جاتی ہے۔ موت کے قانونِ خداوندی سے کوئی فردِ بشر مستثنےٰ نہیں۔ کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ $\frac{۳}{۱۸۵}$ + $\frac{۲۱}{۳۵}$ + $\frac{۲۹}{۵۷}$۔

● ۳۳ وَھُمْ لَا یُفَرِّطُوْنَ کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اپنے فرض کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کرتے۔ ہارٹ فیل ہونے کی صورت میں یہ خداوندی کارندہ آناً فاناً موت وارد کر دیتا ہے۔ دمہ، ٹی بی وغیرہ کی صورت میں یہ خدائی کارندے حالات کے مطابق وقت لیتے ہیں۔ کسی پتھر کے نیچے آنے یا ریل گاڑیوں کے حادثات میں لاش کے گوشت کی بوٹیاں اڑ جاتی ہیں۔ وَھُمْ لَا یُفَرِّطُوْنَ وہ حسب حال پورا کام کرتے ہیں نہ کم نہ زیادہ۔

● آیت نمبر ۶۱ زیرِ بحث میں موت کا ذکر لانے کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں حضورِ خداوندی میں جوابدہی کیلئے حاضری کی خبر دیگئی ہے:۔

ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَی اللّٰہِ مَوْلٰىھُمُ الْحَقِّ

پھر لوٹائے جائینگے طرف اللہ کی جو مولا ہے ان کا سچا

اَلَا لَہُ الْحُکْمُ وَھُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِیْنَ ﴿۶۲﴾

خبردار واسطے اُسی کے ہے حکم اور وہ ہے جلد حساب کرنیوالا

پھر انہیں (موت کے بعد بعثت اور بعثت کے بعد مکافاتِ عمل کیلئے) انکے حقیقی مددگار و مشکلکشا کی طرف لوٹایا جائیگا خبردار! حکم اُسی کا ہے اور وہ (قیامت کو) جلد حساب لینے والا ہے ۳۴۔

● ۳۴ اَسْرَعُ الْحٰسِبِیْنَ کا ایک معنی یہ بھی بنتا ہے کہ اللہ تعالیٰ موت کے بعد ہر کسی کا فوراً حساب لے لیتا ہے۔ مگر یہاں یہ مفہوم ازروئے تصریفِ آیات فٹ نہیں آتا۔ کیونکہ موت کے بعد ایک مخصوص وقفہ مقرر کیا گیا ہے جیسے یوم الدین، یوم القیامۃ اور یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ $\frac{۱۴}{۴۱}$ کے الفاظ میں جس کی یہ تعریف بتائی گئی ہے کہ اُس دن، اس وقفہ میں حساب قائم ہوگا، اور اس

دن پہلے پچھلے سب لوگوں کو جمع کر لیا جائیگا۔ سورہ واقعہ میں ارشاد ہوا ہے :۔

● قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ۙ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ○ ۵۶/۴۹-۵۰ (اے رسول!) اعلان فرما دیجئے کہ بیشک اس مقررہ دن (قیامت) میں اوّلین و آخرین، پہلے پچھلے سب جمع کر لئے جائیں گے ـــــ اب رہا اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ یا سَرِيْعُ الْحِسَابِ کا مفہوم۔ اسکے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ ہمنے ہر کسی کا اعمالنامہ اس کے گلے میں باندھ دیا ہے۔ ہر شخص خواہ وہ خواندہ ہو یا ناخواندہ یہاں دنیا میں بھی اپنا اعمالنامہ پڑھ سکتا ہے اور قیامت کو بھی پڑھ لیگا ارشاد ہوا ہے :۔

● وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ؕ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ○ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ○ ۱۷/۱۳-۱۴ اور ہمنے ہر انسان کا اعمالنامہ اس کی گردن میں باندھ دیا ہے۔ اور اسے ہم قیامت کے دن اس کے لئے کھلی کتاب کی شکل میں سامنے پیش کر دینگے اور ہر کسی کو کہا جائیگا کہ اپنا اعمالنامہ پڑھ لے، آج کے دن تیرے حساب کیلئے تیرا اعمالنامہ ہی کافی ہے۔ ہر شخص کا حساب پہلے ہی سے بنا بنایا ہر وقت تیار ہے اور ایسا مکمل کہ سب لوگ اسکے متعلق کہینگے :۔

● وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ○ ۱۸/۴۹ اور کہینگے۔ ہم پر افسوس ہے۔ یہ کیسی کتاب ہے کہ اس نے نہ ہمارا کوئی چھوٹا عمل چھوڑا ہے نہ بڑا مگر اس نے سب کو محفوظ کر لیا ہے۔ اور انہوں نے جو بھی عمل کیا ہے (چھوٹا بڑا) سب کو اس میں موجود پائینگے۔ اور تیرا پروردگار کسی ایک پر بھی ظلم نہیں کریگا (سب کو پورا پورا بدلہ عطا فرمائیگا)۔

● پس ہر شخص کا حساب اسکے اعمالنامہ میں تیار موجود ہوگا۔ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ہر کسی کا حساب ساتھ کے ساتھ سب کے اعمالناموں میں محفوظ کرتا چلا جاتا اور موازنہ بھی کرتا چلا جا رہا ہے۔ پس اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ اور سَرِيْعُ الْحِسَابِ کے الفاظ سے یہ تصوّر پیدا کرنا غلط ہے کہ جو مر گیا اس کی قیامت آگئی۔ قیامت کا دن حق ہے جب سب کے سب مُردوں کو زندہ کر کے سب کو پوری پوری جزا اور پوری پوری سزا دی جائیگی۔

جملہ مصائب سے نجات دہندہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے

● سلسلۂ درس کی اگلی آیاتِ مجیدہ میں آنحضورؐ کو حکم ہوا ہے کہ ان غیر اللہ سے مدد مانگنے والوں سے پوچھیئے کہ جب تم خشکی یا سمندر کے اندھیروں کے مصائب میں گرفتار ہو جاتے ہو تو کون ہے جو تمہیں ان سے نجات دیتا ہے۔ تم ایسے وقت پر صرف اسی کو تو پکارتے ہو۔

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ

کہہ کون نجات دیتا ہے تمہیں سے اندھیروں خشکی کے اور

(اے رسول!) ان سے پوچھیئے کہ کون ہے جسے تم عاجزی کیساتھ اور خفیہ طور پر پکارتے ہو اور وہ تمہیں خشکی اور پانیوں کے

تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً لَئِنْ
سمندر کے تم پکارتے ہو اُسے عاجزی کیساتھ اور پوشیدہ کر اگر
اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۳﴾
نجات دے ہمیں سے اسکے ضرور ہونگے ہم میں سے شکر گزاروں کے

اندھیروں میں (مصائب و مشکلات سے) نجات دیتا ہے۔ تم کیسے ہو کہ اگر تو نے ہمیں ان مصائب سے نجات دی تو ہم ضرور ضرور تیرے شکر گزار بن جائیں گے۔

قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ
کہہ اللہ نجات دیتا ہے تمہیں اس سے اور سے ہر
كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۶۴﴾
مصیبت، پھر تم شرک کرتے ہو

(آپ ہی) فرما دیجئے گا کہ تمہیں اللہ ہی اُن مصائب سے بھی اور ہر مشکل سے بھی نجات دیتا ہے۔ پھر بھی تم اُس کے ساتھ اوروں کو شریک کرتے ہو (کسقدر ناشکرے ہو تم)۔

● اس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے کہ یہ بھی اللہ کا قانون ہے کہ تمہاری نافرمانیوں کی بدولت تم پر اُوپر سے، نیچے سے اور تمہاری آپس کی پھوٹ کے ذریعہ عذاب آجاتا ہے۔ ذاتی منفعت کوشیاں ہی باہمی پھوٹ کو جنم دیتی ہیں جو عذاب بن کر چھا جاتی ہیں:-

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ
کہہ وہ ہے قانون بنانیوالا اور پھر اسکے کر لے آئے
عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ
اوپر تمہارے عذاب سے اوپر تمہارے یا سے نیچے
اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ
پیروں تمہارے یا ملا دے تم کو فرقے فرقے اور چکھا دے
بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ
بعض تمہارے کو عذاب بعض کا۔ غور کر کس طرح ہم پھیر پھیر کر لاتے ہیں
الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾
آیتیں تاکہ وہ تفقہ کریں

(اے رسولؐ!) فرما دیجئے گا کہ اللہ تعالیٰ اس چیز کے قانون بنانیوالا ہے (اُس نے ایسے قانون بنا رکھے ہیں) کہ وہ تم پر تمہارے اُوپر سے عذاب لے آئے (اگر تمہارے اُوپر والے صاحبِ اقتدار نافرض شناس ہو جائیں) اور تمہارے پیروں تلے سے عذاب لے آئے (اگر تمہارے عوام قانون شکن ہو جائیں) یا تمہیں فرقوں میں بانٹ دے (اگر تمہارے اندر انتشار پیدا ہو جائے) اور اس طرح تمہارے بعض آپس میں ایکدوسرے سے عذاب چکھا کریں۔ (اے مخاطب!) غور کر کہ ہم کس طرح اپنی آیتوں کو پھیر پھیر کر لاتے ہیں تاکہ لوگ آیتوں پر آیتوں کی سند لا کر (قرآن مجید میں) تفقہ کیا کریں۔

● اِس آیتِ مجیدہ میں عذاب کی مختلف صورتوں کی نشاندہی کر دی گئی ہے جو آیتِ ذیل کے مطابق انسان کا خود اپنا ہی لایا ہوا ہوتا ہے وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ ۴۲/۳۰ اور تمہیں جو بھی مصیبت آتی ہے وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی لائی ہوئی ہوتی ہے۔ حکام کا نافرض شناس ہونا بھی عذاب ہے اور عوام کا قانون شکن ہو جانا بھی عذاب ہے اور باہمی انتشار خواہ وہ سیاسی ہو یا مذہبی یہ بھی عذاب ہی کی ایک قسم ہے۔ اِن عذابوں کی خبر دینے کے بعد آیتِ مجیدہ کے آخر میں ارشاد ہوا ہے

ہے کہ ہمنے اپنی آئتوں کو پھیر پھیر کر لانے کا اعلیٰ ترین اسلوب بیان اسلئے اختیار کر رکھا ہے کہ لوگ تصریف آیات کے ذریعہ تفقہ کیا کریں۔ یعنی مسائل کا انحصار قرآنی فقہ پر رکھا جائے۔

روائتی تفسیر ● آئتِ بالا کا مفہوم جو قوموں کے عروج و زوال سے متعلق ہے وہ اوپر بیان کر دیا گیا ہے لیکن اگر لفظی معنے بھی لئے جائیں اوپر سے عذاب اولوں اور بجلی کے علاوہ بموں اور میزائیلوں کا بھی ہو سکتا ہے اور پیروں کے نیچے سے زمین کے پھٹ جانے اور بارودی سرنگوں کا بھی ہو سکتا ہے۔ اور پارٹی بازی خواہ وہ سیاسی ہو یا مذہبی قسم کی فرقہ بندی ہو ایسا عذاب ہے جو ترقی کی راہ میں سدِ سکندری بن جاتا ہے۔ لیکن آئتِ بالا کی روائتی تفسیر بھی ملاحظہ فرمائیں۔ بخاری شریف جلد دوم شائع کردہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی کے صفحہ ۷۱۸ پر اس طرح درج ہے کہ:۔ ابو النعمان حماد بن زید، عمرو بن دینار حضرت جابر بن عبد اللہ سے روائت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ جس وقت یہ آئت قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓی اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْکُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِکُمْ نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اَعُوْذُ بِوَجْهِكَ .... الخ یعنی میں پناہ لیتا ہوں تیری ذات کی۔ یعنی اس عذاب کی بابت آپنے معافی چاہی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِکُمْ۔ آپنے اس سے بھی پناہ مانگی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَوْ یَلْبِسَکُمْ شِیَعًا .... الخ تو آپنے فرمایا، ہاں یہ اس سے آسان ہے کہ ان پر (یعنی میری اُمت پر) مسلط کر دیا جائے۔ گویا اس روائت کی رُو سے اُمت میں فرقہ بندی کو خود آنحضورؐ نے پسند فرمایا تھا۔ حالانکہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے:۔ اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَکَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ ۶/۱۵۹ بیشک جو لوگ اپنے دین میں تفریق پیدا کریں اور فرقہ فرقہ ہو جائیں (اے رسولؐ!) اُن کیساتھ آپکا کوئی تعلق نہیں۔ — اس سے اگلی آئت مجیدہ میں آنحضورؐ کی قوم میں سے آپکے مخالفین کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ اسی قسم کے لوگ تھے:۔

وَکَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ؕ

اور جھٹلایا کو اسے قوم تیری نے حالانکہ وہ حق ہے

اور (اے رسولؐ!) آپکی قوم کے (منکرینِ وحدتِ ربوبیت) نے اس (قرآن) کو جھٹلایا۔ حالانکہ وہ سچی کتاب ہے۔ آپ فرما دیجئے گا کہ میں تم پر کوئی داروغہ نہیں (میرا کام اللہ کا پیغام پہنچانا ہے ۵/۹۷ زبردستی منوانا نہیں)۔

قُلْ لَّسْتُ عَلَیْکُمْ بِوَکِیْلٍ ۝۶۶

کہہ نہیں ہوں میں اوپر تمہارے داروغہ

لِکُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۫ وَّسَوْفَ

واسطے ہر خبر کے ایک مقام ہے (وقت ہے) اور ضرور

ہر خبر (جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی جاتی ہے) اُسکے لئے ایک مقام (اور وقت) ہے اور (تم عذاب کیلئے جلدی کرتے ہو) تم جلدی جان لوگے (حقیقت یہ ہے کہ عذاب تب آتا ہے جب کسی قوم کے جرائم کی سزا اللہ تعالیٰ کے ہاں مرتب ہو جاتی ہے)۔

تَعْلَمُوْنَ ۝۶۷

تم جان لوگے

● قرآنِ کریم میں سابقہ نافرمان اقوام کے متعلق خبر دیگئی ہے کہ وہ آمدِ عذاب کیلئے جلدی کرتے تھے مگر اللہ تعالیٰ

اپنے مستقل قانون کے مطابق اتمام حجت کیلئے پوری مہلت دیتا رہا اور جب پوری مہلت کے بعد اتمام حجت ہو جاتی تو پھر عذاب آتا تھا۔ یہی حال آنحضور کی قوم کا تھا۔ کہ عذاب کیلئے جلدی کرتے تھے۔ مگر واضح کر دیا گیا ہے کہ عذاب قانون خداوندی کے تقاضے پورے ہو جانے کے بعد آتا ہے۔

آیاتِ قرآنیہ کی تضحیک کرنیوالوں سے اعراض کرو

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضورؐ کے مخالفین آیاتِ قرآنیہ کی تضحیک کیا کرتے تھے۔ اسلئے آنحضور کو اُن سے اعراض کرنے کا حکم دیا گیا ہے:۔

وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا
اور جب دیکھے تو انہیں جو عیب نکالیں بیچ آئتوں ہماری

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ
پس تو اعراض کر اُن سے حتیٰ کر کلام کریں بیچ بات سوا اس کے

وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰی
اور اگر بھلا دے آپکو یاد داشت تو نہ بیٹھنا پیچھے یاد آجانے کے

مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝ ۶۸
ساتھ قوم ظالموں کے

اور (اے رسولؐ!) جب آپ اُن لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آئتوں میں عیب نکالنے کیلئے بحث کرتے ہیں تو آپ اُن سے اعراض کر جائیں (اُن سے چلے جائیں) حتیٰ کہ وہ (ہماری آئتوں) کے سوا کسی اور بات پر بحث کرنے لگیں۔
اور اگر آپکو نسیان بھلا دے تو یاد آجانے کے بعد آپ (ہماری آئتوں کی تضحیک کرنیوالے) ظالموں کے پاس نہ بیٹھیں گا۔

● ۱؎ یہاں اَلشَّیْطٰن کا معنیٰ ہے نسیان (یعنی کسی بات کا کسی وقت یاد نہ رہنا) ـــــ آیاتِ قرآنیہ میں عیب جوئی کرنیوالوں کے پاس نہ بیٹھنے کا یہی حکم ۴/۱۴۰ میں مومنوں کے نام گزر چکا ہے کہ جو لوگ ہماری آئتوں سے استہزا کر رہے ہوں اُنکے پاس مت بیٹھو۔ اگر تم بیٹھو گے تو تم بھی انہی ستہزا کرنیوالوں میں شمار کئے جاؤ گے۔ آیت مجیدہ معہ تفصیل تفسیر القرآن بالقرآن جلد دوم کے صفحہ ۲۷۶ پر ملاحظہ فرمائیں ـــــ سلسلۂ درس کی اگلی آیت میں اُن سے الگ ہو جانیوالوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔

وَمَا عَلَی الَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ
اور نہیں اوپر اُن کے جو بچ جائیں میں سے حساب اُن کے

مِّنْ شَیْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰی لَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ ۝ ۶۹
سے کوئی چیز اور لیکن نصیحت ہے تاکہ وہ بچ جائیں

اور (اُوپر) اُن لوگوں کے جو (تضحیک کرنیوالوں سے) بچ جائیں (اعراض کر جائیں) اُن پر (عذاب میں سے) کچھ بھی نہیں اور لیکن نصیحت (کر دینی) ہے تاکہ وہ (آیاتِ قرآنیہ کی تکذیب و تضحیک کرنیوالوں سے) بچے رہیں۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں دین کو کھیل تماشا بنانیوالوں کو نصیحت کرنے اور انہیں انکے حال پر چھوڑ دینے کا حکم دیا گیا ہے:۔

وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّ
اور چھوڑ دے انکو کہ پکڑا انہوں نے دین اپنا کھیل اور

لَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ
تماشا اور دھوکا دیا انہیں زندگی نے اور نصیحت کر ساتھ اسکے

اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ لَيْسَ لَهَا
ایسا نہ ہو کہ سزا پائے کوئی جان ساتھ اسکے جو کمایا اس نے نہیں واسطے اسکے

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ وَاِنْ تَعْدِلْ
سے سوائے اللہ کے کوئی مددگار اور نہ کوئی شفیع اور اگر وہ فدیہ دے

كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا
تمام فدیہ نہ لیا جائیگا اس سے وہی ہیں کہ سزا پائیں گے

بِمَا كَسَبُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌ
ساتھ اسکے جو کمایا واسطے انکے پینا ہیں سے گرم اور سزا ہے دردناک بوجہ

بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۔ ۷ ع ۱۰ / ۱۴
اسکے جو تھے وہ انکار کرتے

اور (اے رسولؐ!) اُن لوگوں کو چھوڑ دیجئے جنہوں نے (اپنے اختیار کردہ) دین کو کھیل تماشا قرار دے رکھا ہے (یعنی اُن کے ہاں کوئی قانون نہیں) حقیقت یہ ہے کہ انہیں دنیا کی (دغا و پرستانہ) زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ لیکن آپ انہیں نصیحت کرتے رہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص اپنے کئے کی بدولت سزا پا جائے (نصیحت کرنا آپکا فریضہ ہے ۵/۶۷ نصیحت حاصل کرنا لوگوں کا اپنا کام ہے۔ جو لوگ نصیحت حاصل نہیں کرتے) اُنکے لئے نہ کوئی مددگار اور نہ کوئی شفیع شفاعت کرنیوالا ہے * اور اگر (کوئی نافرمان شخص اپنی نافرمانیوں کے عوض) ہر قسم کا فدیہ دیگا تو اس سے نہیں لیا جائیگا۔ مذکورہ لوگ وہ ہیں کہ اپنے کئے کی سزا پائیں گے انکے لئے اسکی بدولت جو وہ آیاتِ الٰہیہ کا انکار کرتے تھے گرم مشروبات اور دردناک عذاب ہوگا۔

* شفیع کی بحث پیچھے صفحہ ۱۷۲ پر گزر چکی ہے۔

● ۱۔ ۲۔ واؤ کا معنی حقیقت یہ ہے نیز بمعنی لیکن اور کیونکہ ۴/۱۰۸ میں آیا ہے:۔ يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ۴/۱۰۸ وہ لوگوں سے تو چھپ سکتے ہیں لیکن اللہ سے نہیں چھپ سکتے۔ کیونکہ وہ اُسوقت بھی انکے ساتھ ہوتا ہے جب وہ رات کے وقت چھپ کر ایسی باتیں کرتے ہیں جنہیں وہ پسند نہیں کرتا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ جو بھی عمل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں گھیرے ہوئے ہے۔

● ۳۔ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ سے مراد پینے کا گرم پانی۔ سورہ دخان میں آیا ہے:۔ اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ طَعَامُ الْاَثِيْمِ كَالْمُهْلِ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ۴۴/۴۳ تا ۴۶ گنہگاروں کا کھانا تھوہر کا کڑوا درخت ہوگا۔ پگھلے ہوئے تانبے کی مانند گرم وہ کھولتے ہوئے پانی کی طرح پیٹوں میں کھولیگا۔ دیکھئے كَالْمُهْلِ اور كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ کے الفاظ میں دو مرتبہ کاف تشبیہ آیا ہے۔ حرفِ تشبیہ مشابہت کیلئے آتا ہے حقیقت کیلئے نہیں آتا۔ پس ان الفاظ سے مجرموں کا کھانا نہ پگھلا ہوا تانبہ ثابت ہوتا ہے نہ کھولتا ہوا پانی۔ بلکہ انکی ذہنی کیفیت کا اظہار کیا گیا ہے کہ انکا کھانا گویا کہ تھوہر کی طرح کڑوا اور پگھلے ہوئے تانبے کی طرح گرم ہوگا۔ عام قاعدہ ہے کہ ذہنی کوفت جس قدر شدید ہوتی ہے، کھانے پینے کی چیزیں اُسی قدر بدمزہ اور بدذائقہ ہو جاتی ہیں۔ پھر گنہگاروں کو ایسے مقامات پر رکھا جائیگا جہاں تھوہر کے سوا کچھ پیدا

نہ ہوگا اور گرم آب و ہوا کی بدولت پانی گرم ہی میسر آئیگا۔

کڑوا کھانا اور گرم پانی سزا ہے غیر اللہ سے مدد مرادیں مانگنے کی ● آیت بالا ۷۰ میں گرم پانی کی جو سزا مقرر کیگئی ہے اگلی آیت میں اس جرم کی وضاحت کیگئی ہے کہ وہ غیر اللہ سے مدد مرادیں مانگنا ہے۔

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَنْفَعُنَا کہ کیا ہم بلائیں سے سوائے اللہ کے جو نہیں نفع دیتے ہمیں وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ اور نہیں ضرر دیتے ہمیں اور ہم لوٹ جائیں پاؤں پر ایڑیوں اپنی پیچھے، جب هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ ہدایت دی ہمیں اللہ نے مانند اسکے خواہشوں پیچھے لگایا اُسے گمراہوں نے فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى بیچ زمین کے حیران، واسطے اسکے ساتھی ہیں بلاتے اُسے طرف الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ ہدایت آطرف ہماری۔ کہ بیشک ہدایت اللہ کی وہی ہدایت ہے وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿لا﴾ ۷۱ اور حکم دیے گئے ہیں ہم کہ ہم فرمانبردار ہوجائیں واسطے رب جہانوں کے	(اے رسول!) فرما دیجئیگا۔ کیا ہم (یعنی میرے صحابہؓ) اللہ کے سوا اُس سے دعا کریں (اس سے مدد مرادیں مانگیں) جو نہ ہمیں نفع دے سکتا ہے اور نہ ہمیں نقصان پہنچا سکتا ہے۔ یعنی اس کے بعد کہ اللہ نے ہماری رہنمائی کر دی ہے اُس شخص کی طرح باطل مذہب پر لوٹ جائیں جس سے غلط رہنمائی کرنیوالوں سرکشوں نے خواہشات کی پیروی کرائی ہے زمین میں حیران کر دیا ہے۔ اُس کے لئے اُس کے ساتھی ہیں جو اُسے یہ کہہ کر ہدایت کی طرف بلاتے ہیں کہ ہماری طرف آجا۔ (اے رسولؐ) فرما دیجئے گا کہ بیشک اصل ہدایت وہی ہے جو اللہ کی ہدایت ہے (یعنی جو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں محفوظ ہے) اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم رب العالمین کے فرمانبردار ہو جائیں (یعنی نظامِ ربوبیت قائم کریں) ۱
وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ؕ وَ اور یہ کہ قائم کرو اجتماعی نظام اور بچ جاؤ اس سے اور هُوَ الَّذِىْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وہی ہے جو طرف اسکے تم اکٹھے کئے جاؤ گے	اور (ایمان والو!) اجتماعی نظام قائم کرو ۲ اور اُس (اللہ کی مخالفت) سے بچ جاؤ۔ اور وہی ہے جس کی طرف (اعمال کی جوابدہی کیلئے) اکٹھے کئے جاؤ گے۔

● ۱ لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کا معنیٰ قرآن کریم کے درسِ اول اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے مطابق، جس کا ہم سے وعدہ لیا گیا ہے کہ ہم ربّ العٰلمین کے فرمانبردار ہو جائیں، یعنی نظامِ ربوبیت قائم کریں۔ ربّ العٰلمین کی فرمانبرداری کا عملی ثبوت پیش کرکے اسکی مخالفت سے بچ جائیں۔

● ۲ لفظ صلوٰۃ کا سہ حرفی مادہ ص۔ ل۔ و = صلو ہے جس کا مصدری معنیٰ ہے پیچھے آنا، جس سے اجتماعی نظام قائم ہوتا ہے۔ اِس مادہ کا معنیٰ قرآن کریم میں فرمانبرداری کرنا مذکور ہے۔ جیسے کہ سورہ قیامت میں صلوٰۃ کو نافرمانی کی ضد بتایا

گیا ہے:۔ فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ۙ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۙ ۷۵ / ۳۱-۳۲ — اُس نے نہ تصدیق کی اور نہ فرمانبرداری کی اور لیکن تکذیب کی اور نافرمانی کی۔ یہاں صَلّٰى کی ضد تَوَلّٰى لائی گئی ہے، جس سے کھل کر ثابت ہوا کیونکہ تَوَلّٰى کا مصدری معنی نافرمانی کرنا ہے اسلئے صَلّٰى کا مصدری معنی نافرمانی نہ کرنا ہے۔ تو اس طرح جب سب لوگ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہو کر اس کے قانون کے پیچھے چلینگے تو ایک اجتماعی نظام قائم ہو جائیگا، جس میں جملہ افرادِ معاشرہ جسدِ واحد کے اعضا کی صورت میں ہونگے کہ جب جسم کے کسی ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم بیقرار ہو جاتا ہے، ایسے اجتماعی نظام کیلئے اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ کا تکراری حکم بار بار دیا گیا ہے۔ صلوٰۃِ موقّت اسی اجتماعی نظام کے نمونہ کی شکل ہے کہ صلوٰۃ کے ہر اجتماع میں اجتماعی مظاہرہ کیا جاتا ہے۔

● وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے الفاظ میں آنحضورؐ اور آپکے صحابہؓ کرام کا اعلان ہے کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم رب العلمین کے فرمانبردار ہو جائیں۔ اور اسکے بعد متصلاً حکم وارد ہوا ہے اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ کہ اجتماعی نظام قائم کرو۔ اس سے ثابت ہے کہ اجتماعی نظامِ ربوبیت قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے جسکی ابتدا صلوٰۃِ موقّت (نماز) کے اجتماعات ہیں۔

● واضح رہے کہ صلوٰۃ کا اجتماعی نظام ہی دنیوی عذاب کا بھی واحد حل ہے اور اُخروی عذاب کا بھی۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنیوالے کی خبر دینے کے بعد قیامت کی عدالتِ عالیہ کی یاد دہانی کروائی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اور وہی ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو بِالْحَقِّ ۭ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ ۷۳ ساتھ حق کے اور قیامت کے دن کہیگا ہو جا پھر وہ ہو جائیگا	اور وہ (اللہ ہی) وہ عظیم الشان ذات ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک ٹھیک پیدا فرمایا ہے۔ اور وہ (قیامت کے) دن کہے گا برپا ہو جا، وہ برپا ہو جائیگا۔
قَوْلُهُ الْحَقُّ ۭ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي بات اسکی سچی ہے اور واسطے اسی کے حکومت ہے جس دن پھونکا جائیگا بیچ الصُّوْرِ ۭ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ صور کے جاننے والا پوشیدہ کا اور موجود کا اور وہ ہے بڑا حکمت والا الْخَبِيْرُ ۝ ۷۴ بڑا خبر والا	اُسکا قول سچا ہے (روزِ مکافات ضرور آنیوالا ہے) جس دن مکافاتِ عمل کیلئے (کن کا) صور پھونکا جائے گا۔ (اُس دن انسان سے حکومت چھن جائیگی۔ اُس دن یہ مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا ہوگا۔) اُسدن حکومت اکیلے اللہ کی ہوگی۔ (اس کے لئے اتنی بڑی عدالت کچھ مشکل نہیں کیونکہ) وہ ساری مخلوق کے پوشیدہ اور ظاہر اعمال کو جاننے والا ہے کر صاحبِ حکمت و صاحبِ خبر ہے۔

کُن فیکون اور نفخِ صُور ● آیاتِ بالا میں تخلیقِ ارض و سماوات کی خبر کے بعد آیا ہے يَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ۔ اور اسکے بعد آیا ہے يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ۔ واضح رہے کہ یہاں كُنْ فَيَكُوْنُ کا بدل آیا

ہے نفخِ صُور، کیونکہ دونوں کیساتھ یومِ قیامت کا لایا گیا ہے۔ اِس مسئلہ کو سمجھنے کیلئے پہلے کُن فیکُون کے ارشادِ خداوندی کی حقیقت کا جاننا ضروری ہے۔

● سورہ بقرہ میں ارشاد ہوا ہے:۔ بَدِيۡعُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اِذَا قَضٰٓى اَمۡرًا فَاِنَّمَا يَقُوۡلُ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ ○ ۲/۱۱۷ وہ آسمانوں اور زمین کو از سرِ نو بنانیوالا ہے۔ جب وہ کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو سوائے اسکے نہیں کہ وہ بزبانِ قانون کہتا ہے ہو جا تو وہ اُسکے اپنے متعین کردہ قوانین کی منزلیں طے کرکے انجام پذیر ہوتا ہے۔

● سورہ آل عمران میں آیا ہے:۔ يَخۡلُقُ مَا يَشَآءُ اِذَا قَضٰٓى اَمۡرًا فَاِنَّمَا يَقُوۡلُ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ ○ ۳/۴۷ وہ پیدا کرتا ہے اپنے قانونِ مشیت کے مطابق پیدا کرتا ہے۔ جب کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو سوائے اسکے نہیں کہ اُسے اپنے قانون کی زبان سے کہتا ہے ہو جا تو وہ اُسکے متعین کردہ قوانین کی منزلیں طے کرکے ہو جاتا ہے۔

● سورہ نحل میں ارشاد ہوا ہے:۔ اِنَّمَا قَوۡلُنَا لِشَىۡءٍ اِذَاۤ اَرَدۡنٰهُ اَنۡ نَّقُوۡلَ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ ○ ۱۶/۴۰ سوائے اسکے نہیں کہ کسی چیز کیلئے ہمارا قول یہ ہے کہ جب ہم اُسکا ارادہ کرتے ہیں تو ہم اُسے اپنے قانون کی زبان میں کہتے ہیں، ہو جا تو وہ ہمارے قانون کی منزلیں طے کرکے انجام پذیر ہو جاتا ہے۔

● سورہ یٰسین میں بتایا گیا ہے:۔ اِنَّمَاۤ اَمۡرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَيۡـئًا اَنۡ يَّقُوۡلَ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ ○ ۳۶/۸۲ سوائے اُس کے نہیں کہ اُس کا امر یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اُسے بزبانِ قانون کہتا ہے ہو جا تو وہ اس کے قانون کی منزلیں طے کرکے انجام پذیر ہو جاتا ہے۔

● سورہ مومن میں ارشاد ہوا ہے:۔ هُوَ الَّذِىۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ تُرَابٍ ثُمَّ مِنۡ نُّطۡفَةٍ ثُمَّ مِنۡ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخۡرِجُكُمۡ طِفۡلًا ثُمَّ لِتَبۡلُغُوۡۤا اَشُدَّكُمۡ ثُمَّ لِتَكُوۡنُوۡا شُيُوۡخًا ۚ وَمِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّتَوَفّٰى مِنۡ قَبۡلُ وَلِتَبۡلُغُوۡۤا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّلَعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ هُوَ الَّذِىۡ يُحۡىٖ وَيُمِيۡتُ ۚ فَاِذَا قَضٰٓى اَمۡرًا فَاِنَّمَا يَقُوۡلُ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ ○ ۴۰/۶۷-۶۸ وہ اللہ وہ عظیم الشان ذات ہے کہ جس نے اے نوعِ انسانی تمہیں ابتداءً مٹی میں سے پیدا کیا۔ پھر افزائشِ نسل نطفہ سے پھر خون کے لوتھڑے سے ٹھہرائی۔ پھر تمہیں بچے کی صورت میں رحمِ مادر سے نکالتا ہے تاکہ تم جوانی کو پہنچو۔ پھر تاکہ تم بوڑھے ہو جاؤ۔ اور تم میں بعض ایسے ہیں جو (کسی قسم کے حادثے کے ہاتھوں جوانی اور بڑھاپے سے) پہلے فوت کر دئیے جاتے ہیں۔ اور تاکہ تم نام رکھی ہوئی میعادِ (موت) کو پہنچو اور تاکہ تم عقل سے کام لو (کہ کیوں کوئی فرد جوانی اور بڑھاپے سے پہلے مر جاتا ہے) وہ اللہ ہی زندگی دیتا اور موت دیتا ہے۔ پھر جب وہ (زندگی یا موت میں سے کسی) کام کا فیصلہ کرتا ہے تو (اپنے قانون کی زبان سے) کہتا ہے ہو جا۔ تو وہ (اس کے قانون کی منزلیں طے کرکے) ہو جاتا ہے۔

● اللہ تعالیٰ کا نہ جسم ہے نہ زبان ہے کہ اُسکا قول با آواز ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اُس کی وحی انبیاءؑ کرام کے کانوں

پر نہیں بلکہ انکے اذہان پر بے آواز نازل ہوتی تھی۔ سورہ بقرہ میں ارشاد ہوا ہے فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۲/۹۷ پس بیشک وہ جبریل اُسنے (قرآن کو) اللہ کے قانون کے مطابق آپکے پاکیزہ ذہن پر نازل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی زبانِ بے زبانی، اور بے زبان زمین و آسمان کے کلام کی مثال سورہ سجدہ میں بیان ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین کو بنانے کے بعد آسمان کی طرف متوجہ ہوا۔

● ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ۝ ۴۱/۱۱ پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا وہ اُس وقت دھواں ہی دھواں تھا۔ پھر اس نے انہیں (آسمانوں) اور زمین کو (اپنے قانون کی زبان میں) کہا آجاؤ خوشی سے یا ناخوشی سے۔ اُن دونوں نے (بزبانِ حال) کہا کہ ہم دونوں خوشی کیساتھ آگئے ہیں۔

● آیت بالا میں قول بزبانِ قانون اور قول بزبانِ حال کی وضاحت کے بعد اب آیئے کُن فیکون کی طرف۔ اسکے متعلق یہ عوامی تصور از روئے قرآنِ کریم غلط ہے کہ ادھر اللہ تعالیٰ نے کُن کہا اور ادھر کام ہو گیا۔ کیونکہ فیکون کی فا میں وقفہ محذوف ہے جو اُس کام کے انجام ہونے کے قوانینِ خداوندی کے مطابق لازم ہے۔ جیسے کہ عربی محاورہ ہے، نَكَحَ زَيْدٌ فَلَهٗ وَلَدٌ۔ یہاں فَلَهٗ کی فا میں وقفۂ حمل محذوف ہے اور اس جملے کا معنیٰ یہ ہے کہ زید نے نکاح کیا پھر اسکے ہاں (مدتِ حمل پورا ہونے کے بعد) بیٹا پیدا ہوا۔

● اب غور فرمائیں کہ فیصلۂ خداوندی کے مطابق کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اُسے کہتا ہے ہو جا پھر وہ ہو جاتا ہے۔ اِس طرح جب اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمان کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو انہیں کہا کُن۔ اس پر فیکون کی فا کا وقفہ چھ ہزار سال بتایا گیا ہے۔ سورہ سجدہ میں ارشاد ہوا ہے:۔

● اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۳۲/۴ اللہ تعالیٰ وہ عظیم الشان ذات ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ اُن دونوں میں موجود ہے چھ دنوں میں پیدا کیا ـــــ اِس پر غور فرمائیں کہ آسمانوں اور زمین اور ان کی جملہ موجودات کیلئے فیکون کی فا کی مدّت بتائی گئی ہے چھ دِن۔ مگر اللہ تعالیٰ کے دن کی بھی مدت ملاحظہ فرمائیں۔ اِسی سورہ سجدہ میں ارشاد ہوا ہے:۔

● يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ[1] اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۳۲/۵ وُہ اللہ تدبیر کرتا ہے کام کی آسمان سے زمین کی طرف، پھر وُہ اُسکی طرف چڑھتا ہے (یعنی مکمل ہوتا ہے) ایک دِن میں جس کی مقدار ایک ہزار سال ہے جو تم شمار کرتے ہو۔

● [1] يَعْرُجُ اِلَيْهِ ...... الخ کا مفہوم یہ ہے کہ جس کام کی اللہ تعالیٰ تدبیر کرتا ہے وہ اُسکے متعین کردہ قوانین کی منزل طے کر کے مکمل ہوتا ہے ایک دن میں جسکی مقدار ایک ہزار سال ہے ـــــ یہاں تک اِس امر کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ اللہ

تعالیٰ کے سب کام کُن فیکون کے ماتحت ہورہے ہیں۔ ہرکام کیلئے اللہ تعالیٰ نے قانون مقرر کردیئے ہیں۔ سب کام عین اُن کے مطابق سرانجام ہورہے ہیں۔ حتیٰ کہ زندگی اور موت تک کا کوئی مرحلہ ذاتِ باری کے خود متعین کردہ قوانین کے خلاف نہیں ہوسکتا بالفاظِ دیگر آیتِ مجیدہ کن فیکون میں خدا تعالیٰ نے اپنے متعینہ قوانین کی محکمیّت کا اعلان کردیا ہے۔

نفخ صُور ● اب آئیے نفخ صُور کی طرف! اوپر عرض کیا جاچکا ہے کہ آیتِ مجیدہ زیر بحث ۶/۷ میں یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ بدل ہے یَوْمَ یَقُوْلُ کُنْ فَیَکُوْنُ کا۔ بالفاظِ دیگر قیامت کُن فیکون کی عملی صورت بنائی گئی ہے نفخ صُور گویا اللہ تعالیٰ فرمائیگا کُن اور قیامت برپا ہوجائیگی۔ اِسی کُن کیلئے متبادل تفسیری الفاظ لائے گئے ہیں یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ جس دن صُور میں پھونک ماری جائیگی تو قیامت برپا ہوجائیگی۔ واضح رہے کہ پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ قرآن مجید میں قیامت کے دو نفخ صُور بتائے گئے ہیں۔ پہلا وہ جس میں زمین کے اُوپر کی ہر چیز ختم کردی جائیگی اور دوسرا وہ جس کے ساتھ صرف نوعِ انسانی کے جُملہ افراد کو زندہ کر کے عملوں کی جزا سزا کے لئے اپنے حضور میں حاضر کرلیا جائیگا۔

نفخ اوّل ● نفخ اوّل کا کیا نتیجہ ہوگا؟ اُسکے لئے ذیل کے متعدّد الفاظ وارد ہُوئے ہیں:۔

● **اَلزَّلْزَلَۃُ**۔ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ ۲۲/۱ اے نوعِ انسانی! اپنے نشوونما دینے والے کی مخالفت سے بچ جاؤ۔ بلاشبہ زلزلۂ قیامت بہت بڑی چیز ہے۔ بالفاظِ دیگر قیامت کے نفخ اوّل کا نتیجہ بہت بڑا زلزلہ ہوگا۔

● **اَلْقَارِعَۃُ**۔ اَلْقَارِعَةُ مَا الْقَارِعَةُ ۱۰۱/۲ کھٹکھٹانیوالی۔ کیا ہے وُہ کھٹکھٹانیوالی۔ اِن الفاظِ قرآنیہ سے ثابت ہُوا کہ نفخ اوّل سے جو عظیم زلزلہ آئیگا، اُسکی بدولت زمین بھرکی ہر چیز کھٹکھٹانے لگ جائے گی۔

● **اَلصَّآخَۃُ**۔ فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ وَ اُمِّهٖ وَ اَبِیْهِ وَ صَاحِبَتِهٖ وَ بَنِیْهِ ۸۰/۳۳ تا ۳۶ پھر جب بہرہ کردینے والی آئیگی۔ اُس دن آدمی اپنے بھائی سے بھاگ جائیگا، اپنی ماں سے اور باپ سے، اپنی بیوی اور بیٹے سے بھاگ جائیگا۔ اس آیتِ مجیدہ سے پتہ چلتا ہے کہ نفخ صور اوّل سے عظیم زلزلہ کیساتھ مہیب آواز بھی پیدا ہوگی جس سے کان بہرے ہوجائینگے۔

● **اَلْوَاقِعَۃُ**۔ اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ لَیْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا وَّ بُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۵۶/۱ تا ۵ جب واقعہ ہونیوالی واقعہ ہوجائیگی۔ اُسکے واقعہ ہونے میں کوئی جھوٹ نہیں۔ جب زمین شدید حرکت کیساتھ ہلائی جائیگی اور پہاڑ ٹوٹ پھوٹ کر ریزہ ریزہ ہوجائیں گے۔

● **اَلسَّاعَۃُ**۔ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰىهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ لَا یُجَلِّیْهَا لِوَقْتِهَاۤ

اِلَّا هُوَ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۰ ۷/۱۸۷ لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں اَلسَّاعَۃ (قیامت کے نفخ اوّل) کے متعلق کہ اُس کا واقعہ ہونا کب ہوگا۔ آپ کہدیجیئگا سوائے اسکے اور کوئی بات نہیں کہ نہیں ظاہر کریگا اسے اُسکے وقت پر مگر صرف وہی ظاہر کریگا۔ وہ ساعت آسمانوں اور زمین میں بہت بھاری ہے، وہ نہیں آئیگی تمہارے پاس مگر اچانک لوگ آپ سے اس طرح پوچھتے ہیں جیسے کہ آپ اُس میں بخل کرنیوالے ہیں۔ کہدیجیئگا، سوائے اسکے اور کوئی بات نہیں کہ اسکا علم اللہ کے پاس ہے اور لیکن (اس حقیقت کو) اکثر لوگ نہیں جانتے۔

● اَلصَّاعِقَۃ۔ سورہ زمر میں ارشاد ہوا ہے وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ۰ ۳۹/۶۸ اور صُور میں پھونک ماری جائیگی پھر ہر جاندار جو زمین میں ہے اور جو آسمانوں میں ہے سب بے ہوش ہوکر مرجائینگے سوائے اُسکے جو اللہ کے قانون مشیت میں مُستثنےٰ ہو۔ (اس اِلّا کو استثنےٰ بالمشیت کہتے ہیں جو ماقبل مذکور کی تاکید کیلئے آتا ہے یعنی یقیناً سب مرجائیں گے) اور پھر صُور میں دوسری پھونک ماری جائے گی تو اُس وقت زندہ ہوکر کھڑے ہو جائیں گے۔ ایک دوسرے کو دیکھتے ہوں گے۔

● یہانتک آپنے نفخ اوّل کے متعلق جان لیا ہے کہ اُس سے ایک عظیم زلزلہ برپا ہوگا ۲۲/۱ اور ہر چیز کھٹکھٹانے لگیگی ۱۰۱/۱ ساتھ ہی اتنی زور کی آواز پیدا ہوگی کہ لوگ بہرے ہوکر ۸۰/۳۳ مرجائینگے ۳۹/۶۸ زمین شدت کیساتھ ہلائی جائیگی ۹۹/۱ پہاڑ ریزہ ریزہ ہوجائینگے ۵۶/۵ کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۵۵/۲۶ اور كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ ۲۸/۸۸ میں فانٍ اور ھالِکٌ دونوں اسم فاعل ہیں، جن سے ثابت ہے کہ کائنات میں ہر آن ہلاکت وفنا یعنی توڑ پھوڑ کا عمل جاری ہے جسکی تصدیق سائنس کرچکی ہے۔

سائنسدانوں کے سوال کا جواب ● یہاں پہنچ کر سائنسدان سوال کرسکتے ہیں کہ جب خدا تعالیٰ کا کُن اُسکے متعیّنہ قوانین کے مطابق انجام پذیر ہوتا ہے تو بتایا جائے کہ نفخ صُور کی عملی شکل کیا ہوگی اور کن قوانینِ خداوندی کے مطابق الزلزلۃ، القارعۃ اور الصّاخۃ وغیرہ بروئے عمل آسکیں گی۔ اس اہم سوال کا جواب عالمی مشاہدات کے مطابق لفظ زلزلہ کے اندر موجود ہے۔ زلزلہ قیامت کو اللہ تعالیٰ نے عظیم زلزلہ بتایا ہے۔ مگر عام زلزلے تو ابتداءِ آفرینش ہی سے آرہے ہیں۔

● زلزلے کیوں آتے ہیں؟ اس کیوں کا جواب خود سائنسدان حضرات کے ہاں مسلّمہ ہے کہ زمین کے بطن میں ہر آن عظیم لاوا کھول رہا ہے جو ہر وقت باہر نکلنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ بعض دفعہ یہی لاوا کسی چٹان کی چوٹی کو پھاڑ کر باہر نکل آتا ہے اس طرح زمین سے شکمی لاوے کا یہ عمل ایک طرف تو اپنے دائرۂ عمل تک زمین میں زلزلہ پیدا کرتا ہے اور دوسرے یہ کہ چٹان کے جس مقام پر سوراخ کرکے زور سے نکلتا ہے وہاں زوردار آواز بھی پیدا کرتا ہے۔ بعض دفعہ آواز کی شدت سے

وہاں کے لوگ بہرے ہو جاتے ہیں۔ اور تیسرے یہ کہ وُہی لاوا جب ٹھنڈا ہوتا ہے تو سائنسدان حضرات یہ معلوم کرنے ہیں کامیاب ہوتے ہیں کہ زمین کے اندر کون کونسے عناصر موجود ہیں جن کے آمیزے سے زمین کے بطن میں ہر آن لاوا کھولتا رہتا ہے۔

● یہ تو ہُوا زلزلہ کی آمد کا ایک سبب کہ لاوا کسی مقام پر زور کیساتھ باہر آ کر زلزلے کا موجب بنتا ہے۔ اور زلزلے کا دوسرا سبب یہ ہے کہ کسی وقت زمین کے شکمی لاوے میں کسی مقام پر آتش گیر عناصر کے ذخیروں کا اتصال ہوتا ہے اور زمین کے اندر ایک عظیم دھماکہ پیدا ہوتا ہے۔ جس کی بدولت زمین کے اُس حصے میں مذکورہ دھماکے کی شدت کے مطابق بڑا یا چھوٹا زلزلہ آتا ہے، اگر وہ زمینی لاوے کا شکمی دھماکہ بڑی مقدار کا ہو تو بستیوں کی بستیاں غرق کر دیتا ہے۔ بھارت میں کانگڑہ اور پاکستان میں کوئٹہ کی تباہی زمین کے شکمی دھماکے کا زندہ ثبوت ہے

● پس اگر معمولی سا غور بھی کیا جائے تو یہ حقیقت نکھر کر عیاں ہو جاتی ہے کہ ہماری زمین اور جملہ کُرہ ہائے سماوی کے شکموں میں ہر آن لاوا کھول رہا ہے جو کُرّوں کے ہر مقام پر ہر آن باہر نکلنے کی کوشش میں مصروف ہے۔ نفخ اوّل کے وقت اس اندرونی لاوے میں اندرونی آتشگیر ذخیرے جو الگ الگ محوِ عمل ہیں، اُن کے باہمی اتصال کی بدولت (جو اس قانون کے مطابق عمل میں آئیگا کہ وہ ذخیرے ہر آن باہر نکلنے کی کوشش میں ہیں) بہت عظیم دھماکوں کا موجب ہونگے۔ لاوا جگہ جگہ سے پہاڑوں کی چوٹیوں کو پھاڑ کر باہر نکل آئیگا۔ جس کی بدولت ہزاروں لاکھوں زلزلے بیک وقت پیدا ہوں گے، سارے کے سارے کرّے بیک وقت شدید حرکت کیساتھ کھٹکھٹانے لگینگے اور پوری کائنات میں القارعہ کی حالت پیدا کر دینگے۔

● اور اسکے ساتھ ہی لاوے کے زوردار اخراج کی بدولت اَلصَّاخَّۃُ کی عملی صُورت پیدا ہو گی۔ اتنی زور کی عالمگیر آواز جو کانوں کو بہرہ کر دیگی۔ پہاڑوں کی چٹانوں میں شدید دھماکوں کی بدولت چھوٹے بڑے سب پہاڑ اُڑ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ۙ وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا کی عملی شکل پیدا ہو جائیگی۔ اِسی عین قانونی عمل کو قرآن کریم نے اِس کے وقوع کو شک وشبہ سے پاک کرنے کیلئے ارشاد ہُوا ہے لَیْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ۔

● اور یہی وُہ زلزلۂ عظیم ہے جسے صاعقہ کے نام سے بھی موسوم کیا گیا ہے۔ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ ۳۹/۶۸ اور صُور میں پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمین میں سب جاندار مر جائیں گے۔ بالکل ایسا ہی ہو گا۔ تیرے پروردگار کی مشیت یہی ہے۔ اس آیت مجیدہ میں آمدہ الفاظ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ سے کھل کر ثابت ہوتا ہے کہ زلزلہ، قارعہ، صاعقہ اور صیحہ کی مصدری عملی حالت قیامت کو صرف زمین ہی میں نہیں ہو گی بلکہ جملہ کرّہ جات سماوی کے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائینگے

اور تمام جاندار مر کر ختم ہو جائیں گے۔

صُور کیا ہے؟

• مندرجہ بالا صُور کے نفخِ اوّل کی پُوری بحث میں، لفظ صُور کا معنیٰ و مفہوم بیان نہیں ہُوا۔ یہ معمہ تا حال حل نہیں ہو سکا کہ وہ صُور کیا چیز ہے جس میں قیامت کو پھونک ماری جائیگی۔ روائتی تفاسیر میں اسکے متعلق یہ مذکور ہے کہ خدا تعالیٰ نے اسرافیل فرشتے کو روزِ آفرینش ہی سے نرسنگھا دے کر کھڑا کر دیا ہے، وُہ نرسنگھے سے مُنہ لگائے منتظر کھڑا ہے کہ جب اُسے حکم دیا جائیگا تو وہ اُس میں پھونک مار دے گا۔ اُس نرسنگھا کی آواز اتنی ہیبت ناک ہو گی کہ پُوری زمین زلزلہ آ جائیگا، پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ اور پُورے جاندار موت کے گھاٹ اُتر جائیں گے۔

• لیکن خدا تعالیٰ کی فعلی کتاب صحیفۂ فطرت کی آیاتِ مبارکہ کے مطالعہ سے، یہ کائناتی شہادتیں روزِ آفرینش سے آپکے سامنے موجود ہیں، جن کا انکار دن کو رات اور سُورج کو تاریک قرار دینے کے مصداق ہے، وہ یہ کہ زمین کا پیٹ لاوے سے بھرا پڑا ہے، جب اُس لاوے میں کوئی شکمی دھماکہ پیدا ہوتا ہے تو زلزلہ آتا ہے اور یا وہ کسی پہاڑ کی چٹان میں سُوراخ کر کے زور سے نکلتا ہے تو زلزلہ بھی آتا ہے، کانوں کو بہرہ کرنیوالی ہیبتناک آواز بھی پیدا ہوتی ہے۔ دروازے اور کھڑکیاں بھی کھٹکھٹانے لگتی ہیں، اور اگر زلزلہ شدید ہو تو بستیوں کی بستیاں غرق بھی ہو جاتی ہیں اور ہزاروں لاکھوں جاندار بھی موت کے آغوش میں پہنچ جاتے ہیں۔

• سابقہ صفحات میں پیش کیگئی صحیفۂ کائنات کی آیاتِ مبارکہ کی زندہ شہادتوں کے مطابق جب زمین سمیت جُملہ کُرہ جات کا لاوا زلزلۂ عظیم کی صُورت میں نمودار ہو گا تو قرآن کریم کے الفاظ کے مطابق السّاعۃ، القارعۃ، الصّاخہ، یعنی القیامۃ برپا ہو جائیگی، پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے ارض و سماوات کے سب جاندار مر جائینگے۔ پس صحیفۂ کائنات کے اِن ناقابلِ انکار دلائلِ قاطعہ کے مطابق صُور (نرسنگھا) وہ سُوراخ ہونگے جن کے راستے زور کا لاوا نفخ کرتا ہُوا، مذکورہ سُوراخوں میں پھونک مارتا ہُوا نمودار ہو گا اور يَوۡمَ تَاۡتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيۡنٍ ۙ ۴۴/۱۰ کی قرآنی خبر کے مطابق سارے آسمان دھوئیں سے بھر جائینگے۔

ایک علمی نکتہ

• واضح رہے کہ نفخِ صُور قرآن مجید میں افعال ماضی یا افعال مضارع میں حرف بصورتِ فعل مجہول مَا لَمۡ يُسَمَّ فَاعِلُهٗ آیا ہے۔ یعنی فعل ماضی مجہول میں نُفِخَ فِي الصُّوۡرِ ۱۸/۹۹ ۲۳/۱۰۱ ۳۶/۵۱ ۳۹/۶۸ ۵۰/۲۰ اور ۶۹/۱۳ میں آیا ہے۔ اور فعل مضارع مجہول میں يُنۡفَخُ فِي الصُّوۡرِ ۶/۷۳ ۲۰/۱۰۲ ۲۷/۸۷ اور ۷۸/۱۸ میں آیا ہے اور اس امر میں بھی اہلِ علم کو مجالِ انکار نہیں کہ افعال مجہول میں فاعل کی تلاش کلام کے سیاق و سباق اور مشاہداتی قرائن کے مطابق کرنا ہوتی ہے۔ پس مشاہداتِ صحیفۂ فطرت کے مطابق جسطرح روزِ آفرینش ہی سے خدا تعالیٰ کے غیر متبدل قوانین کے مطابق زلزلوں کا سبب زمین کے شکمی لاوے کی تبخیر ہے تو خدا تعالیٰ کے اسی قانونِ جاریہ کے مطابق

قیامت کے زلزلۂ عظیم کا سبب بھی مذکورہ لاوا ہی ہوگا۔ اور اَلصُّوْر اُن سوراخوں کا نرسنگھا یا بگل ہوگا جو لاوے کی شکلی تبخیر کے زور سے زمین سمیت جملہ کرّہ جات سماوی کے پہاڑوں کی چوٹیوں میں ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں قانونِ خداوندی کے مطابق پیدا ہو کر شورِ قیامت برپا کر دینگے۔

نفخِ ثانی

• نفخِ اوّل کا عمل وراۤمد ہو چکنے کے بعد نفخِ ثانی میں لاوے کا زور ٹوٹ چکا ہوگا۔ اور مخصوص گیسوں سے معمور پانی کی بارش برسائی جائیگی جس سے نوعِ انسانی زندہ ہو کر اُٹھ کھڑی ہو گی۔ سورہ زُمر میں نفخِ اوّل کا ذکر کرنے کے بعد نفخِ ثانی کے متعلق ارشاد ہوا ہے :۔ ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ○ ۳۹/۶۸ پھر اس میں دُوسری پھونک ماری جائیگی۔ پھر اچانک کھڑے ہو جاتا ہے، دیکھتے ہونگے۔

• سُورہ یٰسٓ میں ارشاد ہُوا ہے :۔ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ○ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ○ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ○ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ ۳۶/۵۱ تا ۵۴۔

(مفہوم) اور صور میں پھونک ماری جائیگی، پھر وہ اچانک اپنی قبروں سے اپنے رب کی طرف بھاگ کر آجائیں گے۔ کہینگے افسوس کہ ہمیں ہماری خوابگاہوں سے کس نے اٹھا دیا ہے۔ (یہ وہ دن ہے) جس کا رحمان نے وعدہ دیا تھا اور اللہ کے رسُولوںؑ نے سچ کہا تھا۔ نہیں ہو گی وہ صرف ایک ہی آواز۔ پھر وہ سب کے سب اچانک ہمارے حضور حاضر ہو جائینگے۔ پھر اُس دن کسی جان پر ذرّہ بھر بھی ظلم نہیں کیا جائیگا۔ تم نہیں دیئے جاؤگے (اچھا یا بُرا) بدلہ مگر اُنہی عملوں کا جو تم (اچھے یا بُرے) اعمال خود بجالاتے تھے۔

• سورۂ نبا میں ارشاد ہُوا ہے :۔ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ۷۸/۱۸ جس دن صُور میں پھونک ماری جائے گی تو (اے نوعِ انسانی) تم گروہ در گروہ (ہمارے پاس) آؤ گے۔

• سُورہ مومنون میں بتایا گیا ہے :۔ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَاۤ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ○ ۲۳/۱۰۱ پھر جب صُور میں پھونک ماری جائیگی تو اُس دن اُن (نوعِ انسانی) کے درمیان کوئی حسب نسب نہیں ہوگا اور نہ ہی اُس دن یہ سوال کیا جائیگا کہ تو کس خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔

ایک اہم اعتراض کا جواب

• ہوسکتا ہے کہ یہاں پہنچ کر کسی ذہن میں یہ سوال کروٹیں لے رہا ہو کہ اُوپر پیش کی گئی آیتوں میں نہ نفخِ اوّل کے متعلق صاف لفظوں میں بتایا گیا ہے کہ سب لوگ مر جائیں گے۔ بلکہ بیہوش ہو جانے کے الفاظ آئے ہیں اور نہ نفخِ ثانی کے ضمن میں صاف لفظوں میں بتایا گیا ہے کہ مُردے جی اٹھینگے۔ کیونکہ نفخِ اوّل کیلئے ذیل کے الفاظ آئے ہیں :۔ القیامۃ کا مصدری معنی ہے اچانک اُٹھ کھڑا ہونا۔ السّاعۃ کا معنی ہے ایک مخصوص

گھڑی الواقعة کا معنی ہے واقعہ ہونیوالی۔ القارعة کا معنی ہے کھٹکھٹانیوالی۔ الصیحة کا معنی ہے زور کی آواز چیخ و پکار وغیرہ۔ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ ۳۹/۶۸ کا معنی ہے آسمانوں اور زمین کے سب جاندار بے ہوش ہو جائینگے۔ کسی بھی لفظ کا یہ معنی نہیں ہے کہ سب مر جائینگے۔

● اور اسی طرح نفخ ثانی کیلئے بھی یہ الفاظ نہیں آئے کہ مُردے جی اُٹھینگے۔ اسکے ضمن میں یہ الفاظ آئے ہیں فَاِذَا هُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ۔ ۳۶/۵۱ وہ اچانک اپنے رب کی طرف بھاگ کھڑے ہونگے۔ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ۷۸/۱۸ کا معنی یہ ہے کہ تم اُس دن فوج در فوج (ہمارے پاس) آؤ گے وغیرہ وغیرہ۔

● جواباً عرض ہے کہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اس عنوان کو اختصار و جامعیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ صرف دو مقامات پیش کئے جاتے ہیں:۔

ا۔ سورہ بقرہ میں ارشاد ہوا ہے:۔ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۔ ۲/۲۸ (اے نوعِ انسانی!) تم اللہ تعالیٰ کا انکار کس طرح کرتے ہو جبکہ تم نیست تھے۔ پھر تمہیں زندگی دی۔ پھر تمہیں موت دے گا اور پھر تمہیں زندہ کرے گا (قیامت کو) پھر تم (اعمال کی جوابدہی کیلئے) اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ——— اِس آیت میں ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ کے الفاظ میں قیامت کو زندگی دینے یعنی مُردوں کو زندہ کرنے کی خبر دیگئی ہے۔

ب۔ اِسی طرح سورہ طٰہٰ میں ارشاد ہوا ہے:۔ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى۔ ۲۰/۵۵ (اے نوعِ انسانی!) ہمنے تمہیں ابتداء میں زمین میں سے پیدا کیا اور تم کو ہم (قیامت کو) دوسری مرتبہ بھی اسی زمین سے نکال لینگے۔ اس آیت مجیدہ میں بھی موت کے بعد دوسری مرتبہ زمین میں سے نکالنے زندہ کرنے کے متعلق مطلع کیا گیا ہے۔

ج۔ سورہ المومنون میں ارشاد ہوا ہے (ترجمہ) اے نوعِ انسانی! ہمنے تمہاری ابتدائی پیدائش مٹی کے جوہر سے کی۔ پھر تمہاری افزائش نسل رحم مادر میں نطفہ سے ٹھہرائی پھر ہم اُسے جمے ہوئے خون میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ پھر اُسے گوشت کا لوتھڑا بنا دیتے ہیں۔ پھر ہم اس میں ہڈیاں پیدا کرتے ہیں۔ پھر ہم ہڈیوں پر گوشت چڑھاتے ہیں اور پھر ہم آخری حالت یعنی بچے کی صورت میں پیدا کر دیتے ہیں۔ بابرکت ہے اللہ تعالیٰ جو احسن الخالقین ہے (احسن تخلیق پیدا کرنیوالا ہے) ۲۳/۱۲ تا ۱۴

● انسان کی اس ابتدائی اور رحمی تخلیق کی وضاحت کے بعد ارشاد ہوا ہے:۔ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ۔ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ۔ ۲۳/۱۵-۱۶ پھر بیشک تم پیدا ہونے کے بعد (زندگی گزار کر) مر جاتے ہو۔ پھر بیشک تم (مرنے کے بعد) قیامت کے دن زندہ کئے جاؤ گے ——— اِن جملہ آیاتِ مقدسہ میں مرنے کے بعد

دوبارہ قیامت کے دن زندہ کئے جانے کی یقینی خبر دی گئی ہے۔ جو لوگ قیامت کے قریب پہلے، یا دور پہلے کے مرے ہوئے ہونگے انکی بھی قیامت کو بعثت ہو جائیگی اور جو لوگ زلزلۂ قیامت کیساتھ قیامت کے دن مرینگے وہ بھی زندہ کرلئے جائیں گے۔ اِس کی وضاحت بھی قرآن مجید کے متعدد مقامات پر موجود ہے۔ صرف دو ایک مقامات حاضر خدمت ہیں:۔

● سورہ قیامت میں ارشاد ہوا ہے:۔

الف۔ اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَہٗ ؕ بَلٰی قٰدِرِیْنَ عَلٰۤی اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَہٗ ۝ ۷۵/۳-۴ کیا انسان گمان کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو جمع نہیں کرینگے۔ ہاں ہم تو اس امر کا بھی قانون بنانیوالے ہیں کہ اسکے پورے پورے کو صحیح سالم کریں۔

ب۔ سورہ یٰس میں منکرِ قیامت کا قول درج ہے اور اُسکا جواب خود آنحضور صلعم سے دلوایا گیا ہے:۔ قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَ ہِیَ رَمِیْمٌ ۝ قُلْ یُحْیِیْہَا الَّذِیْۤ اَنْشَاَہَاۤ اَوَّلَ مَرَّۃٍ ؕ ۳۶/۷۸-۷۹ (قیامت کا منکر) کہتا ہے کہ (برسوں کی گلی سڑی) ہڈیوں کو کون زندہ کریگا۔ اے رسول صلعم! کہدیجئے گا کہ انہیں وہی زندہ کریگا جس نے انہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا۔

ج۔ سورہ واقعہ میں استحصالی مجرموں کا قول درج ہے اور اُسکا جواب خود آنحضور صلعم کی زبان مبارک سے دلوایا گیا ہے:۔ اِنَّہُمْ کَانُوْا قَبْلَ ذٰلِکَ مُتْرَفِیْنَ ۚۖ وَ کَانُوْا یُصِرُّوْنَ عَلَی الْحِنْثِ الْعَظِیْمِ ۚ وَ کَانُوْا یَقُوْلُوْنَ ۬ۙ اَئِذَا مِتْنَا وَ کُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۙ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ۝ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِیْنَ وَ الْاٰخِرِیْنَ ۙ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۬ۙ اِلٰی مِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ ۵۶/۴۵ تا ۵۰

(مفہوم) بیشک وہ اِس سے پہلے دُوسروں کی کمائی کھانیوالے تھے۔ اور وہ اِس گناہِ عظیم پر اصرار کیا کرتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے کہ کیا جب ہم مر جائینگے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائینگے تو کیا ہم دوبارہ زندہ کرلئے جائیں گے۔ (اے رسول صلعم) کہدیجئیگا بیشک پہلے اور پچھلے سب کے سب مقررہ معلومہ دِن کو (زندہ کر کے) جمع کرلئے جائینگے۔

خلاصہ کلام ● حاصل کلام یہ کہ:۔

سابقہ صفحات سے کھل کر ثابت ہو چکا کہ قیامت کے دن قانونِ خداوندی کے مطابق زمین سمیت جملہ کرہ جات کا شکمی لاوا پہاڑوں کی چٹانوں سے اُسی طرح پھٹ پڑیگا جس طرح روزِ آفرینش سے آتش فشاں پہاڑ پھٹتے رہتے ہیں۔ اور زلزلے پیدا کرتے ہیں۔ قیامت کے زلزلۂ عظیم کے ذریعہ تمام کروں میں کائنات خیز زلزلہ آئیگا۔ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور ارض و سماوات کے جاندار سب مر جائیں گے۔

● اخیر پر اِس امر کی وضاحت بھی لازم ہے کہ زلزلۂ قیامت سے زمین اور آسمان ختم نہیں ہونگے، اُن پر موجود جاندار مر جائینگے۔ عمارتیں اور پہاڑ اُڑ اُڑ کر ریزہ ریزہ ہو جائینگے۔ زمین و آسمان اُسوقت ختم کئے جائیں گے جب

اہلِ جنت کی جزا اور اہلِ دوزخ کی سزا کا وقفہ پورا ہو جائیگا۔ سورہ ہود میں اہلِ نار کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔

● فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّ شَهِيْقٌ ۙ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۱۱/۱۰۶-۱۰۷ پھر جو شقی ہونگے، پس وہ آگ میں ہونگے۔ انکے لئے اس میں چیخنا اور چلانا ہے۔ وہ اس میں اس وقت تک ہمیشہ رہینگے جب تک کہ آسمان اور زمین موجود ہیں۔

● اسی طرح اہلِ جنت کے متعلق بھی ارشاد ہوا ہے:۔ وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۱۱/۱۰۸ اور جو نیک لوگ ہونگے وہ جنت میں ہونگے۔ وہ اس میں اس وقت تک رہیں گے جب تک کہ آسمان اور زمین موجود ہیں ـــــ ان آیات مجیدہ سے ثابت ہوا کہ قیامت کے عظیم زلزلوں سے زمین اور آسمان تباہ و فنا نہیں ہونگے، بلکہ کرہ جات کے اوپر کی چیزیں ختم ہو جائینگی۔ جیسے کہ سورہ الرحمٰن میں ارشاد ہوا ہے كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۵۵/۲۶ جو کچھ زمین کے اوپر موجود ہے، زلزلۂ قیامت سے وہ سب فنا ہو جائیگا۔ آسمان اور زمین تباہ نہیں ہونگے۔

● اہلِ جنت کے وقفۂ جنت میں جو انکے متعلق سورہ نساء میں بتایا گیا ہے وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ۵ ۴/۵۷ اور ہم انہیں گھنے سایوں میں داخل کرینگے۔ سایوں کی موجودگی سورج کی موجودگی کی مُخبر ہے اور اس کے طلوع و غروب کے نظامِ شمسی کے قیام کی بھی دلیلِ قاطع ہے ـــــ مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ کے جملہ مبارکہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ زمین و آسمان ہمیشہ نہیں رہینگے اور نہ اہلِ نار و اہلِ جنت اللہ تعالیٰ کی طرح ہمیشہ زندہ رہینگے۔ بلکہ اپنے وقت پر زمین و آسمان بھی فنا کر دیئے جائینگے اور اہلِ جنت و اہلِ نار بھی اپنی اپنی جزا سزا پا چکنے کے بعد ختم کر دیئے جائینگے۔ قیام و بقا صرف اور صرف ذاتِ باری کیلئے ہے:۔ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ۲۸/۸۸ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا ہر چیز فنا ہو جانیوالی ہے۔

نفخِ ثانی کے متعلق سائنسدانوں کا ایک اہم مشاہداتی سوال

● جس طرح قیامت کے نفخِ اوّل کے متعلق سائنسدانوں کے اعتراض کا جواب پیچھے گزر چکا ہے کہ قیامت کا زلزلۂ عظیم کس قانونِ خداوندی کے مطابق آئیگا اور وہ صُور کیا چیز ہے جس میں پھونک ماری جائیگی اور کس قانونِ خداوندی کے مطابق ماری جائیگی۔ اسی طرح قیامت کے نفخِ ثانی کے متعلق بھی سائنسدان حضرات کا سوال ہے کہ کس قانونِ خداوندی کے مطابق کروڑہا سال کے مُردے زندہ ہو جائینگے۔ کتابِ لاریب میں اللہ تعالیٰ کے کئے گئے دعوے ہرگز ہرگز جھوٹے نہیں ہیں۔ اس نے اپنے متعینہ قوانین کے متعلق اعلان کر رکھا ہے:۔

● لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۱۰/۶۴ اللہ تعالیٰ کے قوانین کیلئے بدلنا ہے ہی نہیں۔

● لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۶/۱۱۶ اس کے (اللہ تعالیٰ کے) قوانین کو کوئی بدلنے والا ہی نہیں۔

● مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ۝ ۵۰/۲۹ میرا قول خود میری طرف سے بھی نہیں بدلا جاتا اور نہ ہی میں اپنے قول کو بدل کر بندوں پر ظلم کرنیوالا ہوں ۔۔۔ اُس نے ہر چیز کے غیر متبدل قوانین متعین فرما دیئے ہیں :۔

● وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا ۝ ۲۵/۲ اور اُس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور اُسکے لئے صحیح صحیح اندازے پیمانے اور قانون مقرر کر دیئے ہیں۔

● اِس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اُس نے قیامت کے دن مُردوں کے زندہ ہونے کا قانون مقرر کر رکھا ہے ؟ اِس کا عقلی جواب تو یہ ہے کہ جب باری تعالیٰ نے ہر چیز کیلئے قانون متعین کرنے کا اٹل دعویٰ فرمایا ہے تو پھر کس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ جب اُس نے قیامت کے دن مردوں کے زندہ ہونے کی خبر دیدی ہے تو اُسکے لئے قانون متعین نہ فرمایا ہو ؟ اسکا ایک ہی جواب ہے کہ ضرور ضرور متعین فرمایا ہے۔

● اور نقل کی رُو سے یعنی اسکا قرآنی جواب سورہ قٓ میں بالفاظ ذیل دیا گیا ہے :۔ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُّبَارَكًا فَأَنبَتْنَا بِهِ جَنَّاتٍ وَحَبَّ الْحَصِيدِ ۝ وَالنَّخْلَ بَاسِقَاتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيدٌ ۝ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۖ وَأَحْيَيْنَا بِهِ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ كَذَٰلِكَ الْخُرُوجُ ۝ ۵۰/۹ تا ۱۱

(مفہوم) اور ہم آسمان سے برکت والا پانی نازل کرتے ہیں۔ پھر ہم اُسکے ساتھ باغات اور کاٹا جانے والا اناج پیدا کرتے ہیں۔ اور تہ بہ تہ گابھے والی لمبی لمبی کھجوریں پیدا کرتے ہیں۔ جو بندوں کیلئے رزق ہے۔ اور ہم اُس برکت والے پانی کیساتھ مُردہ زمین کو زندہ کرتے ہیں۔ (جسطرح ہم برکت والے پانی کیساتھ مردہ زمین کو زندہ کرتے ہیں) اسی طرح ہے (مُردوں کا زندہ ہو کر زمین میں سے) نکلنا ۔۔۔ اِسی سورت مجیدہ میں مزید ارشاد ہوا ہے :۔

● يَوْمَ يَسْمَعُونَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۚ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوجِ ۝ ۵۰/۴۲ جس دن لوگ (قیامت کی) چیخ کو حق کے ساتھ سُنیں گے یہ (زمین سے زندہ ہو کر) نکلنے پڑنے کا دن ہے ۔۔۔ اِسی خروج یعنی مُردوں کے زندہ ہو کر زمین سے نکلنے کی خبر سورہ طٰہٰ میں بالفاظ ذیل دی گئی ہے :۔

● مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ ۝ ۲۰/۵۵ (اے نوعِ انسانی!) ہمنے تمہیں پہلی مرتبہ زمین میں سے پیدا کیا تھا، اور (تمہارے مرنے کے بعد) ہم تمہیں اِسی زمین کو لوٹا دیتے ہیں۔ اور (قیامت کو) ہم تمہیں اِسی زمین میں سے نکال لیں گے۔

کس قانون کے مطابق نکال لینگے

● قیامت کو مُردوں کو زندہ کرنے کا قانون كَذَٰلِكَ الْخُرُوجُ ۵۰/۱۱ کے الفاظ میں بیان کر دیا ہے کہ جس طرح آسمان سے مَاءً مُّبَارَكًا برکت والا پانی نازل کر کے مُردہ زمین کو زندہ کیا جاتا ہے اُسی طرح مَاءً مُّبَارَكًا نازل کر کے قیامت کے دن مُردوں کو زندہ کر کے زمین میں سے نکال لیا جائیگا۔ سورہ قٓ کی آیت بالا ۵۰/۹ میں نَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُّبَارَكًا کے الفاظ میں مُردہ زمین کو زندہ کرنے کیلئے جو صرف مَاءً کا

لفظ نہیں لایا گیا بلکہ اس کے ساتھ مُبٰرَکًا کی تخصیص عائد کر دی ہے۔ تو ثابت ہُوا کہ اللہ تعالیٰ کا خود متعین کردہ قانون یہ ہے کہ زمین جب بار بار فصلیں پیدا کر کے اور خشک سالی کی بدولت مرجاتی ہے فصلیں پیدا کرنے کے قابل نہیں رہتی اُسے مَآءً مُّبٰرَکًا کیساتھ زندہ کیا جاتا ہے۔

مَآءً مُّبٰرَکًا کیا ہے ۹

● زمین کس طرح مُردہ ہو جاتی ہے؟ اس کا جواب صحیفۂ فطرت خدا تعالیٰ کی کتاب کائنات کی تجزیاتی آیات مجیدہ کی رُو سے یہ ہے کہ اُس میں امونیا، ہائڈروجن سلفائڈ اور کاربن ڈائی اکسائڈ ختم ہو جاتی ہیں۔ اُدھر اللہ تعالیٰ نے اپنے قانون جاریہ کے مطابق ہوا میں مذکورہ معدنی اور نامیاتی گیسیں پیدا کر رکھی ہیں جو مُردہ اور ذبح کردہ جانوروں، انسانی و حیوانی بول و براز اور گلے سڑے کوڑا کرکٹ وغیرہ سے پیدا ہوتی ہیں اور ہوا میں مل کر اُڑ چلی جاتی ہیں۔ بارش کے قطرے اِن گیسوں کو اپنے اندر جذب کرنے کے قانونِ جاریہ کے ذریعہ ہر آن معروفِ عمل رہتے ہیں۔ اِسطرح بارش کا وہ پانی جس نے اپنے اندر مذکورہ بالا معدنی اور نامیاتی گیسوں کو جذب کر رکھا ہوتا ہے، قرآنِ کریم نے اُسے مَآءً مُّبٰرَکًا کہا ہے۔ جب مذکورہ گیسوں سے معمور مبارک پانی مردہ زمین پر برستا ہے تو اُسکی کمی پوری کر کے اُسے زندہ کر دیتا ہے۔

● خداوند تعالیٰ نے قیامت کے دن مُردوں کو زندہ کر کے زمین سے نکالنے پر سُورہ قٓ کی آیتِ بالا بطورِ مثال پیش کی ہے۔ واضح رہے کہ مُردہ زمین کو مَآءً مُّبٰرَکًا کیساتھ زندہ کرنے کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے کَذٰلِکَ الۡخُرُوۡجُ ۵۰/۱۱ اہلِ قواعد سے مخفی نہیں کہ کَذٰلِکَ میں کاف حرفِ تشبیہ ہے، مبارک پانی (یعنی امونیا، ہائڈروجن سلفائڈ اور کاربن ڈائی اکسائڈ سے معمور پانی کیساتھ مُردہ زمین کو زندہ کرنا مشبّہ بہٖ ہے اور اَلۡخُرُوۡجُ مشبّہ ہے۔ بالفاظِ دیگر مُردہ زمین کے زندہ ہونے کے ناقابلِ انکار مشاہدے کی مثل ہو گا مُردوں کا زمین سے زندہ ہو کر خارج ہونا۔ اسکے ساتھ ہی ایک اور مسلّمہ حقیقت کو بھی نگاہ میں رکھیئے گا۔

● وہ یہ کہ مثال مثال ہوتی ہے، اصل و عین تو ہوتی نہیں مگر جس چیز کی مثال دی جاتی ہے اُسکے ساتھ اُسکا خصوصی تعلق ہوتا ہے۔ ۵۰/۱۱ کی مثال کَذٰلِکَ الۡخُرُوۡجُ میں مَآءً مُّبٰرَکًا کا تعلق خصوصی ہے۔ بالفاظِ دیگر یہ کہ جس طرح مذکورہ گیسوں سے معمور پانی کیساتھ مُردہ زمین کو زندہ کر لیا جاتا ہے، اُسی طرح اُن گیسوں سے معمور پانی کیساتھ مُردوں کو زندہ کر کے زمین سے نکال لیا جائیگا جو انسانی مُردوں کو زندہ کرنے کیلئے قوانینِ خداوندی میں متعین ہو چکی ہوئی ہیں۔

● آگے پڑھنے سے پہلے سُورہ طٰہٰ کی آیت نمبر ۲۰/۵۵ پر ایک مرتبہ پھر غور فرمائیں:۔ مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ وَفِيۡهَا نُعِيۡدُكُمۡ وَمِنۡهَا نُخۡرِجُكُمۡ تَارَةً اُخۡرٰى ۰ ۲۰/۵۵ ہمنے تمہیں زمین میں سے پہلی مرتبہ پیدا کیا (نکالا تھا) پھر ہم تمہیں اِسی میں لوٹا دیتے ہیں اور دوسری مرتبہ بھی اِسی میں سے نکالینگے ـــــ اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کی پہلی تخلیق کے وقت

بھی آسمان سے اُن گیسوں سے معمور بارش برسائی گئی تھی جو نوعِ انسانی کی پیدائش کیلئے کائناتی قوانین میں ذاتِ باری نے خود متعین فرمائی تھیں۔ وہ گیسیں کون کونسی ہیں۔ اِسکا علم صرف اور صرف ذاتِ باری کو ہے، کیونکہ زندگی کو عالمِ وجود میں لانے والا بھی وُہی ہے اور قیامت کو مُردہ انسان کو دوبارہ زندگی دینا بھی صرف اور صرف اُسی کا کام ہے۔ انسان کیلئے ناممکن ہے کہ مُردوں کو زندہ کر سکے۔ یعنی وہ گیسیں معلوم کر سکے جو انسانی مُردوں کو زندہ کرنے کیلئے متعین کیگئی ہیں۔

● حاصل کلام یہ کہ $\frac{۵۰}{۱۱}$ کی قرآنی سند کے مطابق انسان کی مُردہ ہڈیوں کو اُسی طرح قیامت کو زندہ کیا جائیگا جس طرح مُردہ زمین کو مَاءً مُّبٰرَكًا یعنی امونیا، ہائڈروجن سلفائڈ اور کاربن ڈائی اکسائڈ کو جذب کردہ پانی کے ساتھ زندہ کرلیا جاتا ہے، اِس سے ثابت ہُوا کہ انسان کی ہڈیوں کو زندہ کرنے کیلئے بھی خدا تعالیٰ نے ایسی گیسیں متعین کر رکھی ہیں کہ قیامت کو اُن سے معمور مُبارک پانی برسا کر ہڈیوں کو زندہ کرلیا جائیگا۔ واضح رہے کہ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا $\frac{۲۵}{۲}$ کیمطابق اللہ تعالیٰ نے اپنی ہر تخلیق کیلئے بھی قوانین متعین فرما رکھے ہیں۔ انسان کا انہیں معلوم نہ کر پانا ان کے عدم کی دلیل نہیں۔

شعور کی واپسی

● اِس مقام پر پہنچ کر اس اعتراض کا جواب دینا بھی لازم ہے جو نوعِ انسانی کے بعض حلقوں میں یہ تصوّر جگر نگار رہا ہے کہ اگر مُردہ ہڈیوں کو زندہ کر کے انسانی جسم کو صحیح سالم کر لینا تسلیم کر لیا جائے تو شعور کسطرح واپس آجائیگا۔ اگر واپس آجائیگا تو ماننا پڑیگا کہ وہ جسم سے الگ ہے جس پر موت کا اثر نہیں ہوتا۔ واضح رہے کہ شعور کا جسم سے الگ ہونا قرآن مجید میں مذکور نہیں۔ بلکہ انسانی جسم میں شعور کا وجود آٹومیٹک انداز سے موجود ہے۔ ایک تو عالمگیر غلط فہمی یہ ہے کہ شعور یا عقل و بصیرت دل کے اندر ہے، حالانکہ دل تو محض ایک پمپ ہے جو جسم کے ہر حصّے میں ہر آن خون پہنچانے کی خدمت پر مامور ہے۔ پلاسٹک کا دل بنا کر اُس سے پمپنگ کی خدمت لی جا چکی ہے اور اس دوران میں مریض کے اندر شعور موجود ہوتا ہے کیونکہ وُہ دل میں نہیں بلکہ دماغ میں ہے۔ دماغ کے متعدد حصّوں شعبوں میں صرف ایک شعبہ ہے حافظہ کا۔ اِس حصّے میں بچپن سے لیکر موت تک کے واقعات محفوظ ہوتے چلے جاتے ہیں۔ یہ ریکارڈ روم دماغ کے متعدد خانوں میں سے صرف ایک خانہ ہے۔ دماغ کی متعدد قوتوں میں سے صرف ایک قوت، قوتِ حافظہ کو موت سے الگ کسطرح رکھا جا سکتا ہے۔ اسکی باقی قوتیں، قوتِ متفکرہ، مدبّرہ، قوتِ مصوّرہ، متخیّلہ اور قوتِ فیصلہ یعنی پیش آمدہ امور پر غور و فکر کرنے کا خانہ الگ ہے۔ اور غور و فکر کے بعد قوتِ فیصلہ ایک الگ قوت ہے۔ بعض افراد میں غور و فکر کی قوت تو ہوتی ہے مگر انکی قوتِ فیصلہ نابود یا کمزور ہوتی ہے۔ پھر قوتِ نافذہ کا الگ خانہ ہے جو ہر خطرے کے وقت انسانی اعضاء کو حکم دیتی ہے اور وُہ فوراً عمل در آمد کرتے ہیں۔ مثلاً جب انسانی جسم کسی وجہ سے دائیں طرف گرنے لگتا ہے تو قوتِ نافذہ بائیں بازو کو حکم دیتی ہے وُہ فوراً اُٹھ جاتا ہے اور جسم کا توازن صحیح کر دیتا ہے۔ اِسی طرح اگر انسانی جسم کسی وجہ سے بائیں طرف گرنے لگتا ہے تو قوتِ نافذہ دائیں بازو کو حکم دیتی ہے وہ فوراً اُٹھ جاتا ہے اور جسم کو گرنے سے بچا لیتا ہے۔ جسم پر کوئی ضرب یا خراش آجائے تو قوتِ نافذہ دل کو

حکم دیتی ہے، وہ زور زور سے چلنا شروع ہو جاتا ہے تاکہ گردشِ خون جلد از جلد بحال ہو جائے۔ الحاصل یہ کہ دماغ کی متعدد قوتوں میں سے صرف قوتِ حافظہ کو زندہ رکھنے کی کیا تُک ہے۔ اصل غلطی یہ لگی ہے کہ انسانی جسم کو ایک ناکارہ چیز قرار دیکر بعض لوگوں نے اصل چیز قرار دیا روح کو، اور اسے موت سے بچا لیا گیا ہے۔ بعض نے شعور کو اصل چیز ٹھہرا کر اسے موت سے بری کر دیا ہے۔ اسی ضمن میں ایک تصور انسانی ذات کا بھی ہو چکا ہے، جسے غیر فانی اور زندگی کو مسلسل جاری سمجھ لیا گیا ہے۔ حالانکہ مخلوق کی کسی بھی چیز کو غیر فانی قرار دینا، اُسے نصف اللہ ٹھہراتا ہے العیاذ باللہ! ۔ وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ ہمیشہ تک رہیگا۔ مگر روح، شعور یا نام نہاد انسانی ذات ہمیشہ ہمیشہ سے تو ہیں نہیں، مگر رہینگی ہمیشہ ہمیشہ تک۔ مُعاذ اللہ!

● واضح رہے کہ بات کو سمجھنے والی چیز صرف شعور ہے، نہ آنکھ ہے نہ کان نہ زبان نہ بازو نہ ٹانگ وغیرہ کوئی چیز بھی بات کو سمجھنے والی نہیں۔ قرآنِ کریم ۲/۲۸ میں آیا ہے فَاَحْیَاکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ۔ اللہ نے تمہیں زندگی دی پھر تمہیں موت دیتا ہے دیکھئے اس خطاب کا مخاطب وہی ہے جو اسے سمجھتا ہے۔ اب ظاہر ہے خطاب کو سمجھتا ہے صرف شعور، تو ظاہر ہے کہ شعور کو براہ راست کہا گیا ہے کہ اللہ تجھے مار ڈالیگا۔ اور جسم کے باقی حصوں کو بالواسطہ موت کی اطلاع دیگئی ہے، بس ثابت ہُوا کہ اس خطاب کا براہ راست مخاطب شعور بھی مرنے والا ہے اور بالواسطہ مخاطب جسم بھی مرنے والا ہے۔ اور اسی چیز کا مشاہدہ ہر آن موجود ہے کہ پورے کا پورا جسم مع شعور مر جاتا ہے۔ اور اسی طرح اگر جسم کو محض مٹی کا ڈھیر قرار دیکر اصل انسان روح یا کسی انسانی ذات کو تسلیم کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے براہ راست خطاب ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ کے مخاطب وہی ہیں، جو یقیناً یقیناً مر جاتے ہیں۔ اِن میں سے زندہ رہنے والا یعنی نصف اللہ کوئی بھی نہیں۔

● عرض کیا جا رہا ہے کہ انسانی جسم کو ناکارہ اور غیر مقصود چیز قرار دینا ہی وہ ابتدائی غلطی ہے جسکی بدولت قرآنِ کریم کی مخالفت کا ارتکاب ہُوا ہے۔ ورنہ اس بھری کائنات میں انسانی جسم ہی اللہ تعالیٰ کا وہ شاہکارِ عظیم ہے کہ اسکے ایک ایک عضو پر ابتداءِ آفرینش ہی سے ریسرچ ہوتی چلی آرہی ہے اور قیامت تک ہوتی چلی جائیگی۔ آج اِسی شاہکارِ خداوندی کے الگ الگ اعضاء کے الگ الگ ڈاکٹر متعیّن کرنے پڑرہے ہیں۔ آنکھوں کا الگ، دانتوں کا الگ، دل کا الگ، خون کا الگ اور ہڈیوں کا الگ وغیرہ وغیرہ۔

● قرآنِ کریم کی رہنمائی میں یہی ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کو اِس پُورے جسم کو دوبارہ زندہ کر لیا جائیگا۔ جس میں جسم کے پُورے اعضاء اور دماغ کے پُورے حصے قوتِ متصورہ، متخیلہ، مدبرہ، متفکرہ، قوتِ فیصلہ، نافذہ اور حافظہ کیساتھ زندہ کر لئے جائینگے۔ انسانی جسم ہی وُہ چیز ہے کہ ہر حِس اسی مجسمہ گوشت کے اندر موجود ہے۔ ڈاکٹر حضرات سے مخفی نہیں کہ دماغ کے مذکورہ تمام حصے مغز ہی کے لوتھڑے ہیں جو الگ الگ کام کرتے ہیں۔ قوتِ متخیلہ مختلف خیالات کو جنم دیتی ہے، قوتِ متصورہ اَن دیکھی چیزوں کی تصوراتی تصویریں بنا کر سامنے لے آتی ہے۔ مثلاً اگر آپ لاہور کے متعلق خیال کریں تو قوتِ حافظہ آپکے دیکھے ہوئے حصوں کو سامنے لے آتی ہے۔ لیکن اگر آپ لندن وغیرہ کے متعلق خیال دوڑائیں جسے آپنے دیکھا نہیں، تو قوتِ متصورہ نئے

ہوئے نقشے کیمطابق لندن کی تصوّراتی تصویر بنا کر پیش کر دیتی ہے۔ اور یہ سب کچھ مغز کے لوتھڑوں ہی کا کام ہے، جسم علیحدہ کسی چیز شعور، روح یا انسانی ذات کا کام نہیں۔ اگر روح کوئی پھرنے والی الگ ہیولانی چیز ہے تو اُسے لندن کی اصل تصویر لانی چاہیئے۔ اِسی کے ضمن میں مزید غور فرمائیں کہ آنکھ کیا چیز ہے؟ گوشت ہی کا ایک پُرزہ ہے جو دیکھتا ہے۔ کان کیا ہیں؟ یہ بھی جسمانی گوشت ہی کی مخصوص ساخت کے پُرزے ہیں جو سُنتے ہیں۔ ناک کیا ہے؟ یہ بھی گوشت اور مخصوص ہڈیوں کا بنا ہوا جسمانی مشین کا ایک پُرزہ ہے جو بُو اور خوشبو میں تمیز پیدا کرتا ہے؟ زبان کیا ہے؟ یہ بھی آخر گوشت ہی کا لوتھڑا تو ہے، جو نہایت صحت تلفظ کیساتھ خود بصورت الفاظ بنا کر پیش کرتا ہے۔ دل کیا ہے؟ یہ بھی گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جو پورے جسم میں ہر آن پمپنگ کی خدمت بجالا رہا ہے۔

• اِن مثالوں سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ جسطرح یہ سب گوشت اور ہڈیوں ہی کے بنے ہوئے پُرزے ہیں جو سُنتے ہیں، بولتے ہیں، دیکھتے ہیں، سُونگھتے ہیں، اِسی طرح شعور بھی مغز کے ایک لوتھڑے ہی کا فعل ہے، اِسے کیوں قوت سے مستثنٰے قرار دیدیا جاتا ہے۔ قرآنی رہنمائی کے مطابق پورا جسم قوتِ سامعہ، باصرہ، شامّہ، لامسۂ مُدبّرہ، متفکرہ، متخیلہ، متصوّرہ، فیصلہ، نافذہ اور حافظہ (شعور) سمیت مر جاتا ہے اور قیامت کو پورا جسم اِن جُملہ قوتوں کیساتھ زندہ کر لیا جائیگا، جس کی غرض صرف اور صرف اِس زندگی کے اعمال کی جوابدہی ہے۔ اور اچھے یا بُرے عملوں کی اچھی یا بُری جزا یا سزا پانا ہے تاکہ قیامت کی عدالتِ عالیہ کی حاضری کے خوف سے ہر انسان بُرے اعمال سے پرہیز کرے اور نیکیوں میں سبقت لے جانا اِسکا دائمی شعار ہو جائے۔

قیامت کو صرف انسان زندہ کیئے جائینگے، حیوانات نہیں

• آگے بڑھنے سے پہلے زیرِ نظر بحث سے متعلقہ ایک سوال باقی ہے جس کی وضاحت ضروری ہے۔ وہ یہ کہ قیامت کو صرف انسان زندہ کیئے جائینگے، حیوان کیوں زندہ نہیں کیئے جائینگے؟ اور کس قانون کے مطابق اُن پر زندہ کرنے کا عمل وارد نہیں ہو گا؟

• اِس سوال کے جواب کیلئے حیوانات کی ابتدائی تخلیق پر غور کرنا ہو گا۔ یہ ایک مصدقہ مسلمہ امر ہے کہ کائنات کی ہر چیز انسانی خدمتگار کے طور پر اسکی ضرورت کیلئے ہے جو اسکی پیدائش سے پہلے پیدا کر دیگئی تھی۔ جن میں اِس کی ضرورت کے جملہ حیوانات بھی اسکی تخلیق سے پہلے ہی پیدا کر دئیے گئے تھے۔ یہ سب جنگل میں پھرتے تھے۔ انسان نے گھوڑوں پر سواری کی، گدھوں سے باربرداری کا کام لیا، گائے بھینسوں اور بھیڑ بکریوں سے دُودھ اور گوشت حاصل کیا۔ اِس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جن مختلف مُبارک پانیوں کیساتھ یہ بڑے بڑے قد آور، پھر میانہ قد اور پھر پست قد حیوان پیدا ہوئے اُن کے ساتھ ہی انسان کیوں پیدا نہ ہو سکے؟

• اِس سوال کا جواب انتہائی سادہ اور آسان ہے، بارش کے جس مبارک پانی کیساتھ قد آور نوعوں کے حیوان پیدا فرمائے گئے اس میں وہی گیسیں جذب تھیں جو اُن حیوانوں کی تخلیق کیلئے مقرر کیگئی تھیں۔ نیز میانہ قد نوعوں کے حیوانوں

کی تخلیق کیلئے جو گیسیں خدا تعالیٰ نے متعین فرمائی تھیں، بارش کے پانی سے وہ نوعیں پیدا کی گئیں، جس نے مذکورہ گیسوں کو اپنے اندر جذب کر رکھا تھا۔ اور یہی قانونی اندازِ تخلیق ہر قسم کے الگ الگ حیوانات کی پیدائش میں کارفرما ہوا۔ ایک الگ قانون کیمطابق الگ الگ نوعیں عالم وجود میں لائی گئیں، اِن تخلیقوں کے وقت انسانی تخلیق اسلئے عمل میں نہ آئی کہ ہر تخلیق کیلئے الگ الگ گیسوں سے معمور پانی کا خداوندی قانون متعین ہے مقننِ تخلیق نے ویسے تو ہر تخلیق کے لئے الگ الگ قانون مقرر کیا ہے، مگر ہر عملِ تخلیق میں مشترک عنصر پانی ہے۔ جیسے کہ سورہ نور میں ارشاد ہوا ہے:-

● وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ۭ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ۲۴/۴۵۔

(مفہوم) اور اللہ نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا۔ پھر اُن میں سے بعض پیٹ کے بل رینگتے ہیں۔ اور اُن میں سے بعض دو پیروں پر اور بعض چار پیروں پر چلتے ہیں۔ وہ اپنے قانونِ مشیت کیمطابق پیدا کرتا ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے ٹھیک ٹھیک اندازے پیمانے اور قانون مقرر کرنیوالا ہے۔

● اِس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کو آسمان سے پانی برسا کر پیدا کیا ہے، ہر تخلیق کیلئے الگ الگ جن گیسوں کے جذب کا قانون متعین فرمایا، اُن گیسوں کے جذب کے ذریعہ ہی ہر تخلیق عالمِ وجود میں لائی گئی۔ جس طرح حیوانوں کی الگ الگ ابتدائی تخلیق میں کسی دوسری تخلیق کو دخل نہیں ہوا کیونکہ ہر تخلیق کیلئے الگ الگ گیسوں کے جذب کا قانون مقرر ہے۔ اُسی طرح نوعِ انسانی کی ابتدائی تخلیق اُسوقت عمل میں آئی جب آسمان سے اُن گیسوں سے معمور پانی مَآءً مُّبٰرَكًا نازل کیا گیا، جو انسانی تخلیق کیلئے قانونِ خداوندی میں مقرر ہے۔

● اِسی طرح چونکہ قیامت کو وہ مبارک پانی برسایا جائیگا جو صرف اُن گیسوں سے معمور ہو گا جو قانونِ خداوندی میں صرف تخلیقِ انسانی کیلئے مقرر ہیں۔ اسلئے قیامت کو صرف نوعِ انسانی کے مُردے زندہ کئے جائینگے۔ حیوانوں کے نہیں۔ اور اس کی مخصوص حکمت یہ ہے کہ اِس دُنیا کی زندگی کے اعمال کی جوابدہ صرف نوعِ انسانی ہے باقی حیوان، جوابدہ نہیں۔ اِسی لئے صرف نوعِ انسانی کے مُردے زندہ کئے جائینگے بارش کے اس پانی کیساتھ جس میں وہ گیسیں جذب ہوں گی جو انسانی مُردوں کو زندہ کرنے کیلئے متعین کیگئی ہیں۔

● سلسلۂ درس کی آیت نمبر ۶/۷۳-۷۴ کے ضمن میں نفخِ صُور کی تفسیر میں ہم دُور چلے گئے ہیں نفخِ صُورِ اوّل سے جاندار ہلاک ہو جائینگے اور نفخِ صُورِ ثانی سے انسانی مُردے زندہ ہو جائینگے، اس خبر کی غرض یہ یاد دلانا ہے کہ اے انسان! تو نے اس زندگی کے اعمال کی جوابدہی کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونا ہے، برائیوں سے بچ اور نیکیاں کر۔ اپنے اس پیغام کو لوگوں تک پہنچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء و سلام علیہم کی بعثتِ مبارکہ

کا سلسلہ جاری کر رکھا تھا جو آنحضور ؐ کی ذاتِ گرامی پر ختم کر دیا گیا ہے۔ انبیاءؑ کرام کو اس تبلیغ کے سلسلے میں کٹھن مصائب کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں حضرت ابراہیم سلام علیہ کے حالات بطور مثال پیش کئے گئے۔ آپکی قوم ستارہ پرست بھی تھی اور بُت پرست بھی۔ حضرت ابراہیمؑ کا اندازِ تبلیغ زبانی بھی تھا اور مشاہداتی بھی۔ یعنی جب ستاروں اور بتوں کی الوہیت کی نفی فرماتے تو مشاہدات کو بھی ساتھ کے ساتھ قوم کے سامنے پیش فرمایا کرتے تھے۔ آنحضورؐ پر واضح کیا گیا ہے کہ صرف آپکی قوم ہی نافرمان نہیں حضرت ابراہیمؑ کی قوم بلکہ انکے اب آزر بھی آپ کے مخالف اور راہ راست سے بھٹکے ہوئے تھے۔ چنانچہ آپ نے سلسلۂ تبلیغ گھر ہی سے شروع کیا:۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اور جب کہا ابراہیم نے واسطے باپ اپنے آزر کے اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّىْۤ اَرٰىكَ وَ کیا تو پکڑتا ہے بتوں کو کارساز بیشک میں دیکھتا ہوں تجھے اور قَوْمَكَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ ۷۵ قوم تیری کو بیچ گمراہی ظاہر کے	اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب حضرت ابراہیمؑ نے اپنے اب (باپ یا چچا[1]) آزر کو کہا، کیا تو بتوں کو کارساز ٹھہراتا ہے۔ بیشک میں تجھے اور تیری قوم کو (اس کے ضمن میں) کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں۔

● [1] اہلِ تفاسیر نے آزر کے متعلق یہ بھی لکھا ہے وہ حضرت ابراہیمؑ کا باپ نہیں تھا چچا تھا۔ عربی زبان میں لفظ اَبْ کا معنی باپ بھی ہے اور مجاز کے طور پر یہ لفظ چچا کیلئے بھی آتا ہے اور دادا کیلئے بھی۔ جیسے کہ سورہ بقرہ میں آیا ہے کہ حضرت یعقوبؑ پر جب موت کا وقت آیا تو آپنے بیٹوں سے پوچھا کہ تم میرے بعد کس کی فرمانبرداری کروگے۔ انہوں نے جواب دیا:۔ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ج $\frac{۲}{۱۳۳}$ انہوں نے کہا ہم آپکے الٰہ اور آپکے باپوں ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کے اکیلے الٰہ کی فرمانبرداری کرینگے ـــــ اس آئت میں حضرت یعقوبؑ کے والد اسحاقؑ کو بھی اَبْ کہا گیا ہے اور ان کے چچا اسماعیلؑ اور دادا ابراہیمؑ کو بھی اَبْ کہا گیا ہے۔ اسلئے آزر کو حضرت ابراہیمؑ کا باپ بھی مانا جاسکتا ہے اور چچا بھی۔ لیکن آپکے نسل اَدب کو ملحوظ رکھ کر آزر کو آپکا چچا کہنا بہتر ہے جبکہ عربی اَدب کے لحاظ سے یہ معنی بھی صحیح ہے۔

● حضرت ابراہیمؑ نے اپنے چچا کے سامنے بُت پرستی کے خلاف اپنا حقِ تبلیغ ادا کیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر بُت پرستی کی غلط حقیقت بذریعہ وحی واضح کردی تھی۔ چونکہ آپکی قوم ستارہ پرست بھی تھی، اس لئے سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ اسی طرح حضرت ابراہیمؑ پر ستاروں کی حقیقت بھی نمایاں کردی گئی تھی:۔

وَكَذٰلِكَ نُرِيٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ اور اسی طرح ہم نے دکھائی ابراہیم کو حکومت آسمانوں وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ○ ۷۶ اور زمین کی اور تاکہ وہ ہو ویں سے یقین کرنیوالوں کے	اور جسطرح ہمنے اُس پر بتوں کی حقیقت واضح کردی تھی) اسی طرح ہمنے ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی حکومت بھی سمجھادی (کہ اجرام فلکی اپنے پیدا کرنیوالے کے قوانین کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں، الٰہ نہیں ہیں) تاکہ وہ یقین کرنیوالوں سے ہو

(نوٹ) اِس سے اگلی آیات مجیدہ انتہائی غور طلب ہیں کیونکہ روائتی تراجم و تفاسیر میں اِسکا معنٰی یہ لکھا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے ایک روشن ستارے کو دیکھ کر کہا کہ یہ میرا رب ہے، مگر جب وُہ غروب ہو گیا تو آپنے فرمایا میں غروب ہونیوالوں کو پسند نہیں کرتا۔ اسکے بعد آپنے چاند کو دیکھ کر کہا، یہ میرا رب ہے، جب وہ بھی ڈوب گیا تو آپنے فرمایا اگر میرا رب ہدائت نہ کرے تو میں گمراہوں میں سے ہو جاؤنگا۔ لیکن اسکے باوجود جب آپنے سُورج کو دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے یہ سب سے بڑا ہے۔ یہ تصوّر مطلقًا غلط ہے کیونکہ اُوپر آئت نمبر ۷۶ میں ارشاد ہُوا ہے کہ ہمنے ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمین کی اپنی حکومت سمجھا دی تھی۔ تو اس پر سوال پیدا ہوتا ہے، کیا آپ سمجھانے کے باوجود نہیں سمجھے تھے اور یکے بعد دیگرے ستارہ، چاند اور سُورج کو اپنا رب ٹھہرانے لگ گئے تھے معاذاللہ! استغفراللہ!

تحفظ ناموس رسالت ● اس مسئلہ کی حقیقتِ حال آئت مجیدہ ماقبل کیمطابق یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے ستارے، چاند اور سُورج کو اپنا رب نہیں کہا تھا۔ بلکہ یہ آپکے چچا آزر کے الفاظ تھے جو ستارہ پرست تھا یکے بعد دیگرے اُس نے ستارہ، چاند اور سُورج کو اپنا رب کہا، لیکن جب وُہ غروب ہو جاتے رہے تو آپ اس پر اظہارِ حقیقت کے لئے یہ فرماتے رہے کہ میں غروب ہو جانیوالوں کو پسند نہیں کرتا۔

● واضح رہے کہ کفر و شرک کو انبیاء کرام کی طرف ایک منٹ کیلئے بھی منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ کفریہ قول و عمل کا قائل و عامل کوئی نبی رسُول ہرگز نہیں ہوسکتا۔ مثال کے طور پر سُورہ مومنوں میں ارشاد ہُوا ہے :۔ يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝ $\frac{۲۳}{۵۱}$ اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ۝ $\frac{۲۳}{۵۲}$ فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝ $\frac{۲۳}{۵۳}$

● اِن آیات مجیدہ کا صحیح مفہوم عرض کرنے سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ آئت نمبر $\frac{۲۳}{۵۱}$ + $\frac{۲۳}{۵۲}$ میں انبیاء کی طرف خطاب ہے اور اگلی متصلہ آئت میں ارشاد ہُوا ہے پھر انہوں نے اپنا کام اپنے درمیان قطع کرکے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ ہر گروہ اُس پر خوش تھا جو اُسکے پاس تھا —— چونکہ انبیاء کرام کے متعلق ایسا تصوّر تک نہیں کیا جاسکتا کہ اُنہوں نے قطع امر کرکے ٹکڑے ٹکڑے کردیا ہو کیونکہ جملہ انبیاء کے متعلق اعلانِ باری ہے :۔ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ۝ $\frac{۲۱}{۲۷}$ وہ بات میں بھی اللہ تعالیٰ سے آگے نہیں بڑھتے تھے۔ اور اُس کے حکم کے مطابق عمل کرتے تھے —— فلھذا ثابت ہُوا کہ فَتَقَطَّعُوْٓا .... الخ کی خبر انبیاءؑ کے متعلق نہیں۔ لیکن اِس پر سوال پیدا

ہوتا ہے کہ پھر یہ خبر کن لوگوں کے متعلق دیگئی ہے۔ اسکے لئے سیاقِ کلام پر غور کرنا ہوگا۔ اِس سُورہ مجیدہ میں اِس سے پیچھے آیت نمبر ۲۳ تا ۳۰ تک قومِ نوح کا ذکر ہے۔ آیت نمبر ۳۱ تا ۴۲ میں حضرت نوح کے بعد کے انبیاء کی قوموں کی نافرمانیاں مذکور ہیں اور آیت نمبر ۴۴ میں ارشاد ہوا ہے:۔ ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ۭ كُلَّمَا جَاۗءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ ۔ ۲۳/۴۴ پھر ہمنے پے در پے اپنے رسول بھیجے۔ جب بھی کسی اُمت کی طرف اُسکا رسول آیا، انہوں نے اسے جھٹلایا۔ اس خبر کے بعد آیت نمبر ۴۵ تا ۴۸ میں قوم فرعون کی سرکشی اور اسکے رسُولوں حضرات موسیٰ اور ہارون کا ذکر لایا گیا ہے۔ اسکے بعد آیت نمبر ۴۹ میں دوبارہ حضرت موسیٰ کا اور آیت نمبر ۵۰ میں حضرت مسیح کا ذکر جمیل لانے کے بعد آیت نمبر ۵۱-۵۲ میں ارشاد ہوا ہے:۔

● يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝ وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ۝ ۲۳/۵۱-۵۲ (میں نے اپنے رسُولوں کو کہہ دیا تھا کہ) اے رسُولو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور اصلاح کے کام کرو۔ تم جو بھی عمل بجالاؤ گے اسے خوب اچھی طرح جاننے والا ہوں۔ اور بلاشبہ یہ تمہاری (یعنی نبیوں کی) اُمت ایک ہی اُمت ہے اور میں تمہارا رب ہوں، میری نافرمانی سے بچتے رہنا ——— اسکے بعد آئی ہے یہ آیت جو انبیاء کی طرف منسوب نہیں کی جاسکتی:۔

● فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝ ۲۳/۵۳ یہ خبر انبیاءؑ سے متعلق نہیں بلکہ آیت نمبر ۲۳ تا ۴۸ میں مذکور نافرمان قوموں کے متعلق بتایا گیا ہے کہ ہمنے تو انکی طرف پے در پے اپنے رسول بھیجے مگر:۔ پھر اُنہوں نے اپنے دین کو قطع کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اُنکے پاس جو جو پُرانا آبائی مذہب تھا، وہ اسی پر خوش تھے۔

حاصلِ کلام ● سُورہ مومنون کی آیت مجیدہ ۲۳/۵۳ اگرچہ انبیاء سلامٌ علیہم کے ذکر کے عین بعد آئی ہے مگر چونکہ انکی طرف ازروئے آیات مجیدہ ۲۱/۲۲ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی منسوب نہیں کی جاسکتی، اسلئے مطابقتِ قرآن کو ہم کی رُو سے فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ...... الخ سابقہ مذکور نافرمان قوموں کے متعلق ہے کہ اُنہوں نے انبیاء کی تکذیب کی، اُنکے لائے ہُوئے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور ہر کسی کے پاس جو جو آبائی مذہب موجود تھا، اُسی پر فخر کیا اور خوش رہے۔ ایسا عمل انبیاء کی طرف منسوب کرنا مطلقاً غلط ہے۔

● اب آئیے سلسلۂ درس کی طرف جسطرح ناموسِ انبیاء کی حفاظت کے پیشِ نظر اللہ کے نبیوں کی طرف آباء پرستی منسوب نہیں کی جاسکتی، اِسی طرح سلسلۂ درس کی اگلی آیتوں میں حضرت ابراہیمؑ کی طرف ستارہ پرستی منسوب کرنا مطلقاً غلط ہے۔ اور جسطرح آیت نمبر ۲۳/۵۳ کی خبر انبیاء سلامٌ علیہم کی بجائے انکی نافرمان قوموں کی خبر تسلیم کرنا لازم ہے، اسی طرح آیاتِ ذیل میں ستارہ، چاند اور سُورج کو رب قرار دینا حضرت کے چچا کا فعل ہے جسکا ذکر ماقبل موجود ہے:۔

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ
پھر جب ڈھانپا اوپر اس کے رات نے، دیکھا ستارہ، کہا

هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ۝
یہ ہے رب میرا۔ جب ڈوب گیا کہا نہیں میں پسند کرتا ڈوبنے والوں کو

پھر جب آذر کو رات نے ڈھانپ لیا) اُس نے ایک ستارہ دیکھا۔ تو کہا یہ میرا رب ہے۔ پھر جب وہ غروب ہو گیا تو (حضرت ابراہیم) نے فرمایا کہ میں غروب ہونے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

● واضح رہے کہ یہ حضرت ابراہیم اور آپکے ستارہ پرست چچا کے درمیان ایک اہم مکالمہ ہے، جو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک نوعِ انسانی کی ہدایت کیلئے درجِ قرآن کر رکھا ہے۔ پیچھے آیت نمبر ۷۵ سے یہ مکالمہ شروع ہوا ہے، جس میں حضرت ابراہیم نے اپنے چچا آذر سے فرمایا کہ تم بتوں کو حاجت روا اور کارساز ٹھہراتے ہو۔ اِس کے جواب میں جب رات ہوئی اور ایک روشن ستارہ نمودار ہوا تو اُس نے کہا یہ میرا رب ہے۔ لیکن آپ نے اُس کے غروب ہونے تک انتظار فرمایا اور جب وہ ڈوب گیا تو آپ نے اُس پر واضح کیا کہ میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ میرا رب ہمیشہ ایک ہی شان پر قائم و دائم ہے۔ پھر:۔

فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ
پھر جب دیکھا چاند روشن، کہا یہ ہے رب میرا

فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ
پھر جب وہ ڈوب گیا۔ کہا البتہ اگر نہ ہدایت کرے مجھ کو رب میرا البتہ ہو جاؤں

مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ۝ ۷۸
میں سے قوم گمراہوں کے

پھر جب (چاند نکل آیا اور) اُس (آذر) نے چاند کو دیکھا روشن چمکتا ہوا، تو کہا کہ یہ میرا رب ہے۔ پھر جب وہ غروب ہو گیا۔ تو (حضرت ابراہیم نے) فرمایا کہ اگر میرے رب نے میری رہنمائی نہ کردی ہوتی تو میں (کبھی تیری طرح) ضرور گمراہ قوم میں سے ہو جاتا۔

●۱ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ کے الفاظ میں آیت نمبر ۷۶ کا حوالہ مذکور ہے جس میں بتایا گیا ہے وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۝ ۶/۷۶ اور اسی طرح ہم نے ابراہیمؑ کو اپنی آسمانوں اور زمین کی حکومت سے آشنا کر دیا تھا (کہ آسمانی کُرّے اور زمینی موجودات، سب ہمارے قانون کے پابند ہیں) تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے — خدا تعالیٰ اِس رہنمائی کے مطابق حضرت ابراہیمؑ نے ستارہ اور چاند دونوں کے رب ہونے کو ٹھکرا دیا کہ وہ رب کیا ہو سکتے ہیں وہ تو خود قوانینِ خداوندی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے دن رات اپنے اپنے مدار پر چل رہے ہیں۔ اسکے بعد رات گزری اور دن چڑھا تو آذر نے سورج کو دیکھ کر کہا کہ یہ میرا رب ہے یہ سب سے بڑا ہے:۔

فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ
پھر جب دیکھا سورج چمکتا ہوا کہا یہ ہے رب میرا

پھر جب (آذر نے) چمکتے ہوئے سورج کو دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے۔

هٰذَآ اَكْبَرُ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ یہ ہے بہت بڑا پھر جب وہ ڈوب گیا کہا اے قوم میری بیشک میں	یہ بہت بڑا ہے (بہت زیادہ روشنی دینے والا ہے) پھر جب وہ غروب ہوگیا تو (حضرت ابراہیمؑ نے) فرمایا اے میری قوم میں اُس سے بیزار ہوں جسے تم (اللہ کیساتھ) شریک کرتے ہو۔
بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۷۹ بیزار ہوں اس سے جو تم شرک کرتے ہو	
اِنِّىْ وَجَّهْتُ وَجْهِىَ لِلَّذِىْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ بیشک میں نے متوجہ کی رضا اپنی واسطے اسکے پیدا کیا آسمانوں	بیشک میں نے (اللہ کے دین کو اس کے لئے) خالص کرنیوالا ہو کر اپنی رضا کو اُس ذات کی طرف متوجہ کر لیا ہے جس نے آسمان اور زمین پیدا کئے ہیں اور میں مُشرکوں میں سے نہیں ہوں۔
وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۸۰ اور زمین کو خالص کرنیوالا اور نہیں میں سے مُشرکوں کے	

دیکھا آپنے! ابتداءِ کلام میں ۶/۷۴ میں بھی:۔

حضرت ابراہیمؑ نے اپنے چچا اور اُسکی قوم کے متعلق فرمایا تھا اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۶/۷۴ بیشک میں تجھے اور تیری قوم کو کھُلی گمراہی میں دیکھتا ہوں۔ اور آخری آیت مجیدہ ۶/۷۹ میں بھی قوم کو مخاطب کیا ہے يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۶/۷۹ اے میری قوم میں اُس سے بیزار ہوں جو تم اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہو۔ بالفاظِ دیگر شرک کرتا تھا چچا اور قوم حضرت ابراہیمؑ نے ایک سیکنڈ کیلئے بھی شرک نہیں کیا تھا۔ انبیاء سلام علیہم کی پاک شان یہ ہے کہ اُن میں سے کسی ایک نے بھی قبل نبوت بھی شرک تو کیا، کوئی صغیرہ گناہ تک بھی نہیں کیا تھا —— اب ان آیتوں کی روائتی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

تفسیر موضح القرآن • تفسیر موضح القرآن شاہ عبدالقادرؒ محدث دہلوی مطبوعہ شیخ برکت علی اینڈ سنز کشمیری بازار لاہور کے صفحہ ۱۲۶ پر تفسیر معالم التنزیل کے حوالہ سے لکھا ہے:۔

"معالم التنزیل میں آیا ہے نمرود بیٹا کنعان کا بادشاہ تھا تمام روئے زمین کا۔ بابل میں بیٹھا تھا کہ ایک رات خواب میں دیکھا کہ ایک ستارہ اِس شہر سے نکلا ہے کہ روشنی جمال اُس کے سے نُور چاند سُورج کا نیست و نابود ہوگیا۔ نہایت ڈر سے چونکا اور تعبیر پُوچھی نجومیوں نے تعبیر دینے والوں نے کہا بیچ اِس برس کے بابل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا کہ ہلاکت تیری اور تیری بادشاہت کی اُس کے ہاتھ سے ہوگی اور اب تک وہ لڑکا پُشتِ پدر سے شکم مادر میں نہیں آیا۔ نمرود نے حکم دیا کہ درمیان زن و شوہر جدائی کریں۔ ...... آزر کہ محرموں اور معتبروں نمرود سے تھا، ایک رات عورت کے ساتھ ...... وُہ حاملہ ہوگئی۔ صبح کو نجومیوں نے نمرود سے کہا کہ آج وہ لڑکا شکم مادر میں پہنچا ہے۔ نمرود غصے ہُوا اور حکم دیا کہ ہر حاملہ کے موکل تعینات کریں کہ اگر لڑکا پیدا ہو تو قتل کر دیں۔ حضرت ابراہیمؑ کی ماں کا حمل ظاہر نہ تھا...... وقت جننے کا پہنچا تو...... شہر سے باہر گئی اور پہاڑ کی ایک غار میں حضرت ابراہیمؑ کو جن کر اور ایک کپڑے میں لپیٹ کر کسی جگہ رکھا اور دروازہ غار کا پتھر سے بند کیا...... دوسرے دِن غار میں آئی تو دیکھا کہ ابراہیمؑ دو انگلیاں اپنی چُوستا ہے۔ ایک دِن میں اتنا بڑھتے تھے کہ اور لڑکے اتنا مہینے میں۔ اور ایک مہینے میں مانند ایک برس کے۔ ماں ابراہیمؑ کی غار سے باہر لائی مغرب کے وقت"

● یہ ہے روایت کا بیان کردہ قصہ کہ حضرت ابراہیمؑ غار میں پیدا ہوئے۔ غار ہی میں پرورش پاکر جوان ہوگئے جب غار سے باہر نکلے تو شام کا وقت تھا۔ سب سے پہلے ستارہ دیکھا تو اُسے اپنا رب کہدیا۔ جب وہ ڈوب گیا تو انکار کر دیا۔ اِس کے بعد چاند نکلا تو ستارہ سے روشن دیکھ کر اُسے رب کہدیا۔ وُہ بھی ڈوب گیا تو اُس کا بھی انکار کر دیا۔ پھر جب رات گزری اور سُورج نکلا تو ھٰذَآ اَکْبَرُ کہہ کر اُسے اپنا رب قرار دیا۔ العیاذُ باللہ! لیکن آیات بالا سے وضاحتاً ثابت ہے کہ نہ یہ واقعہ بچپن کا ہے اور نہ محض جوانی کا۔ بلکہ یہ واقعہ اُس وقت کا ہے جب آپکو نبوّت مل چکی تھی۔ اور آپ نے اپنے چچا اور اُس کی قوم سے خطاب شروع کر دیا تھا۔

● حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ بالا آیات مجیدہ زیرِ بحث ۶/۷۴ تا ۶/۸۰ میں پہلے تو چچا بھتیجے کے مکالمہ کو صرف حضرت ابراہیمؑ کے اقوال قرار دے دیا ہے اور پھر اس اعتراض کو رفع کرنے کے لئے کہ اللہ کے نبی رسُول تو قبل نبوّت بھی شرک اور گناہ کی آلائشوں سے پاک ہوتے تھے، آپ کے غار میں پیدا ہونے اور غار ہی میں پل کر جوان ہونے اور شام کے وقت غار سے نکل کر مطالعہ کائنات کا مذکورہ بالا قصہ گھڑ لیا گیا ہے۔ اصل حقیقت اُوپر عیاں ہو چکی ہے کہ جس طرح ۲۳/۵۲ میں انبیاء سلامٌ علیہم کو خدا تعالیٰ کے نازل قرار دے دینا غلط ہے اُسی طرح ۶/۷۵ تا ۶/۷۸ میں ستارہ چاند اور سُورج کو اپنا رب ٹھہرانا حضرت ابراہیمؑ کی طرف منسوب کرنا مطلقاً غلط ہے، مذکورہ بالا شرک آپکے چچا آزر اور اُسکی قوم نے کیا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ نے نہیں۔ (وما علینا الا البلٰغ)

قوم کا حضرت ابراہیمؑ کیساتھ جھگڑا

● اُوپر آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے چچا اور اُس کی قوم کو ستارہ پرستی سے اِس طرح مشاہداتی طور پر روکا کہ رب وہ ہے جس پر کسی قسم کا تغیّر وارد نہیں ہوتا اسے ہمیشہ قیام دوام ہے۔ بار بار نکلنے والے اور ڈوبنے والے رب نہیں ہو سکتے، لیکن قوم نے آپکی تبلیغ کو تسلیم نہ کیا بلکہ اپنے شرک پر جو وہ ستارہ پرستی اور بُت پرستی کے ذریعہ کرتے تھے، آپ سے جھگڑتے رہے :۔

وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ
اور جھگڑی اُس سے قوم اسکی کہا کیا تم جھگڑتے ہو مجھ سے
فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ
بیچ اللہ کے اور بیشک ہدایت دی مجھے اور نہیں ڈرتا میں جو تم شرک کرتے ہو
بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْئًا ؕ وَسِعَ رَبِّیْ
ساتھ اسکے مگر کہ چاہے رب میرا کوئی چیز وسیع کر دی ہے میرے رب نے
كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝۸۰
ہر چیز علم کے مطابق کیا پھر تم نصیحت حاصل نہیں کرتے

اور حضرت ابراہیمؑ کی قوم نے اُن کے ساتھ (ستاروں اور بتوں کو اللہ کے ساتھ شریک کرنے پر) جھگڑا کیا۔ آپ نے فرمایا کیا تم میرے ساتھ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہو۔ حالانکہ بلا شبہ اُس نے میری راہنمائی فرمائی ہے۔ اور میں اُن سے نہیں ڈرتا جن کو تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو سوائے اِس کے کہ کوئی تکلیف مجھے اللہ تعالیٰ کے قانونِ مشیئت کے مُطابق پہنچے۔ میرے رب نے ہر چیز کو علم کی رو سے وسیع کر دیا ہے۔ پھر تم کیوں نصیحت حاصل نہیں کرتے۔

● حقیقت یہ ہے کہ :۔
قوم ابراہیمؑ بتوں اور ستاروں کی پرستش کرتی تھی۔ آپنے واضح کر دیا کہ نہ ان مٹی اور پتھر کی مورتیوں کو کوئی نفع نقصان کا اختیار حاصل ہے اور نہ اجرامِ فلکی کو۔ اسلئے نہ میں ان سے ڈرتا ہوں نہ اُن سے ڈرتا ہوں۔ آپ نے کھلے لفظوں میں ارشاد فرمایا:۔

وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ
اور کیسے میں ڈروں جو شریک کرتے ہو تم اور نہیں تم ڈرتے

اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ
یہ کہ بیشک تم نے شرک کیا ساتھ اللہ کے جو نہیں نازل کی ساتھ اسکے اوپر تمہارے

سُلْطٰنًا ۭ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ
دلیل پھر کونسا گروہ ہے زیادہ حقدار ساتھ امن کے اگر ہو تم

تَعْلَمُوْنَ ۝ ۸۲ وقفِ لازم
تم جانتے

(حضرت نے فرمایا) جن کو تم نے اللہ کے شریک ٹھہرایا ہے میں اُن سے کیوں ڈروں (حالانکہ ڈرنا تو تمہیں چاہیئے مگر) تم اللہ سے نہیں ڈرتے۔ بلاشبہ تم نے اُن چیزوں کو اللہ کے شریک ٹھہرا لیا ہے کہ اُس نے اُن کے حق میں تمہارے لئے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ پھر اگر تم سمجھتے ہو تو بتاؤ کہ دونوں میں سے امن کا حقدار کونسا گروہ ہے (اللہ کے ساتھ غیر اللہ کو شریک ٹھہرانیوالا یا نہ ٹھہرانیوالا؟)

● غور فرمائیں! ۶/۸۰ میں حضرت ابراہیمؑ فرماتے ہیں کہ میں تمہارے ٹھہرائے ہوئے اللہ کے شریکوں سے نہیں ڈرتا اور ۶/۸۱ میں فرمایا ہے کہ ڈرنا تو تمہیں چاہیئے جنہوں نے بلا دلیلِ نزول، غیر اللہ کو اللہ کے شریک ٹھہرایا ہوا ہے۔ اور اس سے آگے مشرکوں پر سوال کیا گیا ہے کہ بتاؤ امن کے حقدار تم ہو یا میں اور میرے ساتھی۔ اسکا جواب اگرچہ آیتِ بالا میں بھی دیا جا چکا ہے کہ شرک کا لازمی نتیجہ خوف ہے اور امن کے علمبردار وہ لوگ ہیں جو خداوندی اختیارات میں غیر اللہ کو شریک نہیں کرتے لیکن تکرار تاکیدی کے طور پر اگلی آیتِ مجیدہ میں اسی امر کا صراحتاً اعلان کر دیا گیا ہے :۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ
جو لوگ ایمان لائے اور نہ ملائیں ایمان اپنے کو

بِظُلْمٍ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ
ساتھ ظلم کے وہی ہیں واسطے ان کے امن ہے اور وہی

مُّهْتَدُوْنَ ۝ ۸۳ ع ۱۴/۱۵
ہیں ہدایت یافتہ

جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں اور اپنے ایمان کو ظلم (شرک[۱]) کیساتھ مخلوط نہ کریں (اللہ تعالیٰ کے ہاں) وہی لوگ ہیں جن کیلئے امن ہے (وہی امن کے علمبردار ہیں) اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔ (مشرک لوگ نہ امن کے علمبردار ہوتے ہیں اور نہ ہی ہدایت یافتہ ہوتے ہیں)۔

● ۱؎ شرک بمعنی ظلم قرآنی لغت کے مطابق سورہ لقمان میں آیا ہے حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت فرمائی :۔
يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝ ۳۱/۱۳ اے میرے بیٹے اللہ کیساتھ شرک نہ کرنا بیشک شرک ظلم

عظیم ہے۔

رجوع الی المقصود • یہانتک ستارہ پرستی کے خلاف ابراہیم سلام علیہ کی تبلیغ کی وضاحت کرنے کے بعد اگلی آیات کریمہ میں متعدد انبیاء کرام کے اسماءِ گرامی لاکر اپنے احکام کو ہر قسم کی لوچ اور لچک سے مبرا ثابت کیا گیا ہے:-

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ
اور مذکورہ ہیں دلائل ہمارے دئیے ہمنے ابراہیم کو مقابلے قوم اس کی

نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ
ہم بلند کرتے ہیں درجے جسے ہم چاہتے ہیں۔ بیشک رب تیرا حکمت والا

عَلِيْمٌ ۝ ۸۴
علم والا ہے۔

اور یہ (مذکورہ بالا) تھے ہمارے دلائل قاطعہ جو ہمنے ابراہیم کو اسکی قوم کے مقابلے پر عطا فرمائے تھے۔ ہم اپنے قانونِ مشیت کے مطابق ہی جسے چاہتے ہیں، اُس کے درجے بلند کر دیتے ہیں بلاشبہ تیرا پروردگار بہت بڑھ کر حکمت والا اور بہت بڑھ کر علم والا ہے۔ (اُسکے ہر کام کی اساس علم وحکمت ہی پر قائم ہے)۔

سب نبیوں کو ایک ہی دین کی رہنمائی کیگئی تھی • اللہ بھی ایک ہے اور اُسکا دین بھی ایک ہے۔ اُس نے اپنے سب کے سب نبیوں کو ایک ہی دین اور اُسکی ایک ہی شرع عطا فرمائی تھی $\frac{42}{13}$ - الگ الگ دین نہیں دیا گیا تھا:-

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ
اور دیا ہمنے واسطے اُسکے اسحاق اور یعقوب۔ سب کو ہدایت دی ہمنے

وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ
اور نوح کو ہدایت دی ہمنے سے پہلے اور میں سے اولاد اسکی داؤد

وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَ
اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور

هٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ ۸۵
ہارون اور اسی طرح ہم جزا دیتے ہیں توازن قائم کرنیوالوں کو

اور ہمنے اُس (ابراہیم) کو اسحاق اور یعقوب عطا فرمائے۔ ہمنے سب کو ہدایت فرمائی۔ اور ان سے پہلے نوح کو بھی ہدایت دی۔ اور اُس (ابراہیم) کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون سب کو ہدایت دی۔ اور اسی طرح ہم احسان کرنے (یعنی معاشرے میں) توازن قائم کرنے والوں کو جزا دیتے ہیں۔ (یہ سب نبی معاشرہ میں توازن قائم کرنیوالے تھے)۔

وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ
اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس سب تھے

مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ ۸۶
میں سے نیکوکاروں کے

اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس سب کے سب معاشرہ میں اصلاح کرنیوالوں میں سے تھے۔

وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ۭ وَكُلًّا
اور اسماعیل اور یسع اور یونس اور لوط اور سب کو

فَضَّلْنَا عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ۝ ۸۷
فضیلت دی ہمنے اوپر جہانوں کے

اور اسماعیل اور یسع اور یونس اور لوط۔ اور ہمنے سب کو جہانوں والوں پر فضیلت عطا فرمائی۔

وَمِنْ اٰبَاۗىِٕهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ
اور میں سے باپوں ان کے اور اولادوں ان کے اور بھائیوں انکے

وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ۸۸
اور پسند کیا ہم نے ان کو اور ہدایت دی ہمنے انکو طرف راستے سیدھے

اور اُنکے باپوں میں سے اور اُن کی اولاد میں سے[1] اور اُن کے بھائیوں میں سے (بعض کو) ہم نے برگزیدہ ٹھہرایا اور ہم نے سیدھے راستے کی طرف اُن کی رہنمائی فرمائی۔

اگر بفرض محال نبی بھی شرک کرتے تو اُن کے اعمال بھی ضائع ہو جاتے

● ع[1] آیاتِ بالا میں انبیاءِ کرام کے باپوں، بیٹوں، بھائیوں میں سے بعض کیلئے وَاجْتَبَيْنٰهُمْ کی خبر آئی ہے جو مِنْ اٰبَاۗىِٕهِمْ میں آمدہ مِنْ بعضیہ سے ثابت ہے۔ جیسے کہ حضرات یوسف، یعقوب، اسحاق، اسماعیل، یحییٰ، اور سلیمان سلامٌ علیہم کے باپ نبی تھے مگر حضراتِ نوح۔ ابراہیم، موسیٰ، ہارون اور داؤد سلامٌ علیہم وغیرہ کے باپ نبی نہیں تھے۔ اور اسی طرح حضرات موسیٰ و ہارون، اسماعیل و اسحاق سلامٌ علیہم کے بھائی بھی نبی تھے۔ انبیاءِ کرام کی اِن گوناگوں فضیلتوں کے باوجود اگلی آیت مجیدہ میں اعلان کر دیا ہے کہ اگر وہ بھی شرک کرتے اُنکے اعمال بھی ضائع ہو جاتے:۔

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ
یہ ہدایت ہے اللہ کی، ہدایت دیتا ہے ساتھ اسکے جسے چاہے

مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا
میں سے بندوں اپنوں اور اگر شرک کرتے البتہ ضائع ہوتا اُن سے جو

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ۸۹
تھے وہ عمل کرتے

مذکورہ بالا ہدایت ہے اللہ تعالیٰ کی، ہدایت کرتا ہے ساتھ اس کے جسے چاہے اپنے بندوں میں سے، ہدایت کرتا ہے اپنے قانونِ مشیّت ہی کے مطابق۔ اور اگر (بفرضِ محال) وہ (اللہ کیساتھ) شرک کرتے تو ضرور ضرور ضائع ہو جاتے (وہ عمل) جو وہ کیا کرتے تھے۔

سلسلۂ انبیاء ختم ہو چکا ہے

● آیتِ بالا میں آمدہ جملہ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ میں يَهْدِيْ اور يَشَاۗءُ دونوں فعل مضارع حال کے صیغے ہیں، جس سے منکرینِ ختمِ انبیاء یہ مفہوم اخذ کرتے ہیں۔ کہ سلسلۂ انبیاء بدستور جاری ہے اور اللہ تعالیٰ اَب بھی جسے چاہتا ہے نبوت عطا کر دیتا ہے۔ لیکن اِس آیت کے آخری جملے میں مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ، بصیغہ ماضی استمراری بعید لاکر وضاحت کر دی گئی ہے کہ انبیاء کا سلسلہ گزر چکا ہے اگر وہ بھی شرک کرتے

تو اُن کے اعمال بھی ضائع ہو جاتے جو وُہ بجالایا کرتے تھے ۔ یاد رہے کہ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ کا یہ معنٰی قواعدِ عرب کی رُو سے کیا ہی نہیں جا سکتا کہ وہ اعمال جو وہ بجالاتے ہیں یا بجالائینگے ۔ پس اِس آیت مجیدہ سے آنحضور سلام علیہ کے بعد نبیوں کے آتے رہنے کا مفہوم اخذ کرنا ایک سو ایک فیصد غلط ہے، جبکہ آیت مجیدہ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ۰ $\frac{۳۳}{۴۰}$ نیز آیت مجیدہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ ۰ $\frac{۱۵}{۹}$ سے بھی اِسی چیز کی تائید ہوتی ہے کہ قرآن کریم کو اپنی آخری کتاب قرار دیکر اِس کی حفاظت کا ذمہ لے لیا گیا ہے کیونکہ آئندہ کیلئے انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے ۔ اَب قیامت تک یہ کتاب محفوظ ہی ہدایت تامہ خداوندی کے طور پر موجود رہے گی ۔

● سوال زیر بحث کا ایک حصہ تو اُوپر آ چکا ہے مگر دوسرا حصہ ابھی باقی ہے ۔ وہ یہ کہ اگر انبیاء کی آمد ختم ہو چکی ہُوئی ہے تو پھر آیت مجیدہ زیر بحث $\frac{۶}{۸۹}$ میں یَھْدِیْ اور یَشَآءُ مضارع حال کے صیغے کیوں آئے ہیں ؟ اِسکا جواب بالکل صاف ہے کہ یہ آیت زمانۂ رسالت میں جناب محمدٌ رّسُول اللہ سلام علیہ پر نازل ہُوئی تھی، آپ نبی تھے اور بقید حیات موجود تھے اِسلئے ارشاد فرمایا کہ جسے ہم نبوّت دیتے ہیں اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق ہی دیتے ہیں ۔ مگر $\frac{۳۳}{۴۰}$ میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ محمّد عربی کے بعد نبیوں کی آمد ختم کر دیگئی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ جب تک سلسلۂ انبیاء کی آمد جاری رہی، سابقہ کسی کتاب کی حفاظت کا ذمہ نہیں لیا گیا ۔ چونکہ اَب کوئی نبی آنیوالا نہیں، اِس لئے اپنی آخری کتاب قرآن مجید کو زمانہ کی دست بُرد سے محفوظ کر دیا گیا ہے ۔ مگر اگلی آیت مجیدہ میں یہ وضاحت کر کے کہ آنحضور سمیت جملہ انبیاء کو ایک ہی کتاب دیگئی تھی ثابت کر دیا ہے کہ قرآن کی صُورت میں تمام سابقہ کتابیں بھی محفوظ کر دیگئی ہیں :-

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحُکْمَ
وہی　لوگ تھے دی ہم نے انکو ایک کتاب　اور　حکم

وَالنُّبُوَّۃَ فَاِنْ یَّکْفُرْ بِھَا ھٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَکَّلْنَا بِھَا
اور نبوّت ۔ پھر اگر انکار کریں ساتھ اِسکے یہ لوگ مقرر کی ہم نے　ساتھ اِسکے

قَوْمًا لَّیْسُوْا بِھَا بِکٰفِرِیْنَ ۝ ۹۰
ایک قوم نہیں ساتھ اِسکے وہ اِنکار کرنیوالے

مندرجہ بالا (گروہِ انبیاء) وہ پاکیزہ لوگ تھے جن کو ہم نے اپنی (ایک اکلوتی) کتاب عطا فرمائی تھی ۔ پھر (اَے رسُول) اگر یہ آپ کے مخالف اِس کتاب کا انکار کریں (تو کوئی بات نہیں) ہم نے اِس کے لئے (مہاجرین و انصار کی) ایک ایسی قوم مقرر کر دی ہے جو اس کا ہرگز انکار کرنیوالے نہیں ہیں ۔

تحفّظِ ناموسِ صحابہ رض ● یہ اِس آیت مجیدہ وَکَّلْنَا بِھَا قَوْمًا لَّیْسُوْا بِھَا بِکٰفِرِیْنَ کے الفاظ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی ناموس کو اُن حضرات کے حملوں سے محفوظ کر دیا گیا ہے جو اُنہیں ایمان تک سے خارج کر کے منافقوں کی صف میں کھڑا کر دیتے ہیں ۔ العیاذ باللہ ! ــــ حالانکہ آیت بالا $\frac{۶}{۸۹}$ کی تائید میں صحابہ کرام رض کے اوّلین و آخرین، مہاجرین و

انصار کو ۸/۷۴-۷۵ میں حقے سچے مومن بتایا گیا ہے۔ اور ۹/۱۰۰ میں انہیں رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کا دائمی سرٹیفکیٹ عطا کر کے اپنی کتاب میں محفوظ کر دیا ہے۔ ۸/۷۲ اور ۴۸/۲۵ میں بتایا گیا ہے فتح مکہ تک بھی، مکہ معظمہ میں مومن مرد اور مومنہ عورتیں موجود تھیں جنہوں نے فتح مکہ تک اپنے ایمانوں کو محفوظ رکھا تھا۔ یعنی وہ کمزور اور ناتوان مومن جو دین اسلام کے لئے نہ ہجرت کر سکے نہ جہاد، فتح مکہ سے پہلے ایمان لانیوالوں سے اُن کے مدارج ۵۷/۱۰ میں کم بتائے گئے ہیں۔ پھر فتح مکہ کے بعد ایمان لانیوالوں کو بھی مومن قرار دیا گیا ہے، منافق نہیں۔

● پھر واضح رہے کہ ۳/۱۷۹ میں بتا دیا گیا ہے کہ ابتداءِ دورِ رسالت میں جو مومن اور منافق باہم مخلوط تھے۔ اُنہیں اِس مخلوط حالت میں ہرگز نہیں رہنے دیا جائیگا حتیٰ کہ منافقوں کو مومنوں سے الگ کر دیا جائیگا۔ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ۔ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ مومنوں کو اُس حالت میں چھوڑ دے جس میں اے مومنوں تم ہو۔ یہانتک کہ ناپاکوں کو پاکوں سے متمیز کر دیا جائیگا۔ اور ۳۳/۶۰ کے مطابق وہ رسُولِ پاک کے ارگرد نہیں رہ سکینگے یا تو ملک چھوڑ کر چلے جائیں گے اور یا ملک کے اندر روپوش ہو جائینگے۔ پھر رسُولِ مقبول کا فرض قرار دیا گیا تھا کہ اُنکی تلاش کی جائے۔ جہاں جہاں پائے جائیں گرفتار کئے جائیں اور قتل کر دیئے جائیں۔ سُورہ احزاب ۳۳/۶۰-۶۱ میں ارشاد ہوا ہے:۔

● لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ۚ مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ۝ ۳۳/۶۰-۶۱۔

(مفہوم) اے رسُول اگر منافق یعنی جن کے اذہان میں نفاق کی بیماری ہے اور وہ بھی جو شہر میں جھوٹی خبریں پھیلاتے ہیں، وہ نفاق سے اور یہ جھوٹی خبریں پھیلانے سے باز نہ آئیں تو ہم آپکو اُن کے پیچھے لگا دینگے (اُنکا تعاقب کرنا آپ کا فرض ہوگا) پھر وہ آپکے ارد گرد اس شہر میں تھوڑا عرصہ کے سوا نہیں رہ سکیں گے۔ جتنا عرصہ رہینگے (راندۂ دربارِ نبوّت) ملعون ہونگے۔ (پس اے رسُول! لازم ہے کہ) وہ جہاں جہاں پائے جائیں، گرفتار کر لئے جائیں اور قتل کر دیئے جائیں۔

● اِن آیاتِ کریمہ سے کھل کر ثابت ہُوا کہ زمانۂ رسالتِ محمدی صلعم میں بحکمِ خداوندی منافقوں کا تعاقب کر کے اُنہیں گرفتار کر لیا گیا تھا اور وہ قتل کر دیئے گئے تھے۔ اِسکے برعکس اگر یہ تصوّر صحیح تسلیم کر لیا جائے کہ آنحضور صلعم نے ۳۳/۶۰-۶۱ پر عمل نہیں کیا گیا تھا اور آپ کی وفاتِ مُبارکہ تک منافق نہ صرف موجود تھے بلکہ آپ کے بعد مسندِ خلافت پر قابض ہو گئے تھے تو معاذ اللہ آنحضور ۳۳/۶۰-۶۱ کے خداوندی حکم کے مُنکر ثابت ہوتے ہیں۔ جو صد فیصد ناممکن ہے۔ آنحضور صلعم نے بحکمِ الٰہی منافقوں کا تعاقب کیا اور گرفتار کر کے قتل کر دیا تھا۔ اور وفاتِ مبارکہ کے وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں کوئی ایک منافق بھی موجود نہیں تھا۔

● سلسلہ درس کی آیتِ مجیدہ ۶/۹ میں صحابۂ رسُول صلعم کی ناموسِ مُبارکہ کو محفوظ کرنے کیساتھ ساتھ

رجُوع الیٰ المقصود آیاتِ بالا ۶/۸۳تا۸۹ میں اٹھارہ نبیوں کے نام لیکر ارشاد ہُوا ہے کہ یہ سب صاحبِ ہدایت تھے ہم نے سب

کو اپنی کتاب و نبوت عطا فرمائی تھی اور کتاب کیساتھ فیصلے کرنے کا حکم دیا تھا اگلی آئت مجیدہ میں آنحضور کو حکم ہُوا کہ آپ بھی مذکورہ انبیاء کی ہدائت کی اقتدا کریں اور اُنہی کی سُنّتِ مُبارکہ کے مطابق آپ بھی اجرِ رسالت طلب نہ کرنے کا اعلان کریں :۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ
(یہی تھے وہ لوگ ہدائت کی اللہ نے پس ساتھ ہدائت کی)
اقْتَدِهْ قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِنْ هُوَ
(تو پیروی کر۔ کہہ نہیں مانگتا میں تم سے اوپر اسکے بدلہ ۔ نہیں وہ)
إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْعَالَمِينَ ○ ۹۱
(مگر نصیحت نامہ واسطے جہانوں کے)

(اے رسُول) مذکورہ بالا وُہ لوگ ہیں کہ اللہ ہی نے انہیں ہدائت فرمائی تھی۔ پس آپ بھی اُنہی کی ہدائت کی پیروی کریں۔ (اور) اعلان کر دیں کہ میں تم سے (قرآن کا) اجرِ تبلیغ نہیں مانگتا۔ نہیں ہے یہ (قرآن) مگر قیامت تک کے تمام لوگوں کیلئے نصیحت نامہ ہے۔ (نصیحت کرنے کی کوئی اُجرت نہیں ہوتی)۔

قرآن کریم کی اِتباع ہی ہدائتِ انبیاءؑ اور ملّتِ ابراہیمؑ کی اِتباع ہے

● ۱ اِس آئت مجیدہ کے الفاظ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ میں آنحضور کو سابقہ انبیاءؑ کی ہدائت کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا ہے ــــ دوسری طرف ۱۶/۱۲۳ میں ارشاد ہُوا ہے کہ ہم آپکی طرف وحی کرتے ہیں کہ آپ ملتِ ابراہیم کی پیروی کریں :۔ ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۱۶/۱۲۳ اور تیسری طرف ۱۰/۱۰۹ میں حکم دیا گیا ہے :۔ وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ اور آپ اُس کی (یعنی قرآنِ کریم کی) پیروی کریں جو آپ کی طرف وحی کیا جاتا ہے ــــ اب چونکہ ۴/۸۲ کے مطابق قرآنِ مجید میں اختلاف نہیں ہے۔ اسلئے ثابت ہُوا کہ ہدائتِ انبیاء کی اتباع، ملّتِ ابراہیمؑ کی اتّباع اور قرآنِ مجید کی اتّباع ایک ہی چیز ہے۔ نیز اِس مسئلہ کی زیادہ گہرائی میں جائیں تو یہ حقیقت نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ اِس وقت ہدائتِ انبیاءؑ اور ملّتِ ابراہیمؑ دونوں کا قائم مقام قرآنِ کریم ہے۔ کیونکہ وہ دونوں بھی بصورتِ قرآنِ کریم موجود ہیں۔ دُوسرے لفظوں میں یہ کہ قرآنِ کریم کی اِتّباع ہی سابقہ انبیاءؑ کی ہدائت کی اتباع بھی ہے اور ملّتِ ابراہیمؑ کی اتّباع بھی ہے۔

● اِسی چیز کی تائید و تصدیق ۸۷/۱۸-۱۹ میں ملتی ہے اور ۲۶/۱۹۶ میں بھی :۔

● إِنَّ هَٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ ۝ صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ ۝ ۸۷/۱۸-۱۹ بیشک یہ (قرآن) پہلے صحیفوں میں ہے یعنی صحفِ ابراہیمؑ اور صحفِ موسیٰؑ میں۔

● وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ ۝ ۲۶/۱۹۶ اور بیشک وُہ (قرآن ہی) پہلی خداوندی کتابوں میں تھا۔ (یعنی اُن سب میں قرآنِ کریم ہی کے احکام درج تھے۔

اجرِ رسالت

● ۲ آئتِ بالا ۶/۹۱ میں کے الفاظ قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا میں مذکور اِس مسئلہ کی وضاحت کے لئے آنحضور سے اعلان کروا دیا گیا ہے کہ میں اجرِ تبلیغ ہرگز نہیں مانگتا۔ کیوں؟ اِس لئے کہ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْعَالَمِينَ

یہ قرآنِ کریم تو صرف اہلِ عالم کیلئے ایک نصیحت نامہ ہے۔ نصیحت کی اُجرت کسی بھی مہذب معاشرہ میں نہیں لی جاتی۔ لیکن اِسی مسئلہ اجرِ رسالت کے متعلق سورہ شوریٰ میں آیا ہے:۔

● قُل لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ۴۲/۲۳ اس آیت سے اخذ کردہ غلط مفہوم کی بدولت یہ عقیدہ چل رہا ہے کہ آنحضورؐ کا اجرِ رسالت یہ ہے کہ آپ کے اہلِ خاندان سے اِس طرح محبت رکھی جائے کہ نذروں نیازوں کا مال قیامت تک کے لئے اُن کے ہاں پہنچایا جاتا رہے۔ کمائی میں سے پانچواں حصہ بدستور اُنہیں ادا کیا جایا کرے۔ اِس پر معترض اعتراض کرسکتا ہے کہ اگر لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا کا یہی مفہوم ہے تو پھر وہ کون سی اُجرت ہے جس کے نہ طلب کرنے کا اعلان کروا دیا گیا ہے جبکہ خاندانِ رسالت کو اُمت کے ہر فرد کی کمائی کا پانچواں حصہ دِلایا جارہا ہو۔ اِس اعتراض کا صحیح جواب اِس کے سوا نہیں ہوسکتا کہ آنحضورؐ نے اپنے دعوے کے مطابق کوئی اجرِ تبلیغ نہ خود لیا تھا اور نہ نذروں نیازوں اور پانچواں حصہ کمائی کی صورت میں اپنے اہلِ خاندان کے لئے مختص فرمایا تھا:۔

● قرآنی فیصلہ کے مطابق آنحضورؐ اللہ کے رسولوں میں سے ایک رسول تھے:۔ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۳۶/۳ آنحضورؐ کا اعلان بھی درجِ قرآن ہے مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ ۴۶/۹ میں کوئی نرالا رسول نہیں۔ (رسولوں جیسا ایک رسول ہوں) سابقہ تمام رسولوں کا بھی یہی اعلان کتابِ لاریب میں موجود ہے کہ میں اجرِ رسالت نہیں مانگتا:۔

اعلانِ نوحؑ
● وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۱۱/۲۹ میرا اجر صرف اللہ کے ذمہ ہے۔
● وَمَآ 〃 〃 مِنْ اَجْرٍ 〃 〃 〃 〃 عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۲۶/۱۰۹ میرا اجر صرف جہانوں کے رب کے ذمہ ہے

اعلانِ هودؑ و صالحؑ
● لَآ 〃 〃 〃 عَلَيْهِ اَجْرًا 〃 〃 〃 〃 فَطَرَنِيْ ۱۱/۵۱ میرا اجر صرف میرے پیدا کرنیوالے کے ذمہ ہے
● وَمَآ 〃 〃 〃 〃 مِنْ اَجْرٍ 〃 〃 〃 〃 رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۲۶/۱۴۵ میرا اجر صرف جہانوں کے رب کے ذمہ ہے

اعلانِ لوطؑ و شعیبؑ
● 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۲۶/۱۶۴ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃
● 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۲۶/۱۸۰ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

● یہ ہیں چند ایک نبیوں کے اعلان:۔
جن میں اجرِ تبلیغ کے عدم طلب اُجرت کے متبادل الفاظ عدم طلبِ مال بھی ۱۱/۲۹ میں موجود ہیں۔ فلہذا اس اَمر کا تصور تک نہیں کیا جاسکتا کہ آنحضورؐ کا اجرِ رسالت سابقہ انبیاء کے خلاف اپنے لئے یا اپنے خاندان والوں کے لئے حصولِ مال ہو۔ جب آنحضورؐ کا وہ اعلان جو ۶/۹۱ میں گزر چکا ہے، جو سابقہ انبیاء کی طرح عدم طلب اجرِ تبلیغ ہے، جیسے قرآنِ کریم میں ذیل کے پانچ مقامات پر بتکرار کثیر دہرایا گیا ہے، اور یہ امر کبھی بھی ممکن نہیں کہ چار آیتوں میں تو عدم حصولِ اجرِ رسالت کا اعلان کروایا ہو اور پانچویں میں حضورؐ کے خاندان کے لئے قیامت تک کے لئے نذروں نیازوں وغیرہ کے لئے حصولِ مال کا سامان کر دیا ہو۔

آنحضورؐ کے اعلانات متعلقہ عدمِ حصولِ اجرِ رسالت

۱- سورہ انعام میں ارشاد ہوا ہے:- قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ۝ ۶/۹۱ = اے رسولؐ! کہہ دیجئے گا کہ میں تم سے تبلیغ قرآن کی اجرت نہیں مانگتا۔ یہ قرآن قیامت تک کی نوعِ انسانی کیلئے ایک نصیحت نامہ ہے۔ (کیا نصیحت کی اجرت لی جاسکتی ہے؟ ہرگز نہیں لی جاسکتی)۔

۲- سورہ صٓ میں ارشاد ہوا ہے:- قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ۝ ۳۸/۸۶ اے رسولؐ کہہ دیجئے گا کہ میں تم سے اس (قرآن کی تبلیغ) پر کوئی اجر نہیں مانگتا۔ اور نہ ہی میں تکلیف دینے والوں سے ہوں۔ (میں تو سُکھ دینے کے لئے آیا ہوں دُکھ دینے کے لئے نہیں آیا)۔

● اسکے بعد اسی ضمن کی وہ آیت مجیدہ ملاحظہ فرمائیں جس میں آنحضورؐ سے اعلان کرادیا گیا ہے کہ میرا اجر تبلیغ تو بلا شُبہ اللہ کے ذمّہ ہے، بس جو کچھ تم سے (بصورت صدقہ زکوٰۃ وصول کرتا ہوں وُہ صرف تمہاری بھلائی کے لئے ہے (یعنی متوازن معاشرہ کے قیام کے لئے) آنحضورؐ اپنی ذات کیلئے کچھ نہیں لیتے تھے۔

۳- سورہ سبا میں ارشاد ہوا ہے:- قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۳۴/۴۷ اے رسولؐ کہہ دیجئے گا کہ میں تم سے جو کچھ مانگتا ہوں وہ صرف تمہارے لئے ہے۔ بیشک میرا اجر تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ اس عطا کے چوتھے نمبر پر اسی عنوان کی وہ آیت مجیدہ ملاحظہ فرمائیں، جس سے اجرِ رسالت کے طور پر آنحضورؐ کے اہلِ خاندان کو نذریں نیازیں دینے، اور ہر فرد امّت کی کمائی میں انہیں حصّہ دار قرار دیا جاتا ہے:-

۴- سورہ شوریٰ میں حکم دیا گیا ہے:- قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ۴۲/۲۳ اے رسولؐ! کہہ دیجئے گا کہ میں تم سے مودۃ فی القربیٰ کے سوا کوئی اجر تبلیغ نہیں مانگتا۔

● اِس آیت مجیدہ کے ترجمہ میں ہمنے مودّۃ فی القربیٰ کے الفاظ کو من وعن رکھا ہے۔ غرض یہ ہے کہ اِسکا مفہوم تعریف آیات اور قرآنی لُغت کے مُطابق خود بخود نکھر کر سامنے آجائے۔ مَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى کیا ہے؟ ۳۴/۴۷ میں آمدہ اسکے متبادل الفاظ فَهُوَ لَكُمْ کے مطابق جو کچھ بھی ہے صرف اُمّت کے مفاد کے لئے ہے آنحضورؐ کے ذاتی مفاد کیلئے نہیں۔ کیونکہ آپکا اجر اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ کے حکم کے مطابق صرف اللہ تعالیٰ کے ذمّہ ہے۔ پس سابقہ جملہ انبیاء سمیت خود آنحضورؐ کے اعلان اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ کی رُو سے لازم آتا ہے کہ اجرِ رسالت کے طور پر اُمّت کی طرف سے ایک پائی بھی نہ آنحضورؐ تک پہنچنی چاہیئے اور نہ آپکے خاندان تک سورنہ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ کا جُملہ جو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی طرح نفی اثبات کے حصر کے ساتھ بیان ہُوا ہے، باطل ہوکر رہ جاتا ہے۔ لیکن افسوس ہے آیت زیرِ بحث کے مروّجہ مفہوم نے اِسے باطل کرکے رکھ دیا ہُوا ہے۔ موّدۃ فی القربیٰ کا مفہوم یہ لیا گیا ہے کہ سادات کے برابر چارپائی پر بیٹھنا ممنوع ہے۔ لاکھوں کروڑوں روپے کی نذریں نیازیں ادا کی جاتی ہیں جو یقیناً یقیناً اُمّت کے کام نہیں آتیں۔ اِسی مال سے جس کی ادائیگی اجرِ رسالت کے طور پر لازم قرار دے دی گئی ہے پیر

صاحب اور اُن کی اولادیں دادِ عیش دیتی ہیں۔ اِسی مال سے تعمیر کردہ مقبرے، صاحبِ مقبرہ کی اولاد کیلئے مستقل آمدنی کا ذریعہ بنتے ہیں، مذکورہ مال دینے والوں کی اولادیں اُس آمدنی سے صد فیصد محروم رہتی ہیں۔ حالانکہ سُورہ سبا کی آیت مجیدہ ۳۴/۴۷ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ کے مطابق اُس مال میں آنحضورؐ اور آپ کے خاندان والوں کا مطلقاً کوئی حصہ ثابت نہیں ہوتا۔ پس ثابت ہُوا کہ جملہ مَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی کے جن معنوں کی رُو سے آنحضورؐ یا آپ کے خاندان والوں تک مال پہنچنے کا تصوّر چل رہا ہے، قرآنی تعریفِ آیات کے مطابق مطلقاً غلط ہے۔

مودّة فی القربیٰ کے متبادل قرآنی الفاظ

● آنحضورؐ کیطرف سے عدمِ طلب اجرِ رسالت کے ضمن میں چار آئتیں اوپر گزر چکی ہیں۔ اب اِسی عنوان کی پانچویں آئت مجیدہ ۲۵/۵۷ ملاحظہ فرمائیں، جس میں اللہ تعالیٰ نے مودّة فی القربیٰ کے متبادل الفاظ لاکر اسکے معنوں کی خود وضاحت کردی ہے، اِس عنوان کی پانچویں آئت مجیدہ ذیل میں گزشتہ آئت نمبر ۴۲/۲۳ کے نیچے عین متقابل انداز میں پیش کی جارہی ہے، ہر لفظ اپنے متقابل لفظ کے عین نیچے لکھا گیا ہے، بغور ملاحظہ فرمائیں:۔

● ۴۲/۲۳ لَآ اَسْــَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی = میں تم سے مودّة فی القربیٰ کے سوا کوئی اجرِ رسالت نہیں مانگتا۔

● ۲۵/۵۷ مَآ اَسْــَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا = اسکے سوا کہ کوئی شخص اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کرے، میں تم سے کوئی اجرِ رسالت نہیں مانگتا۔

● غور فرمائیگا! کہ مَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی کا مفہوم تعریفِ آیات کے قرآنی اسلوب کے مطابق جو کھل کر برآمد ہوتا ہے، وہی لینا لازم ہے۔ اوپر دیکھئے! ۴۲/۲۳ اور ۲۵/۵۷ میں لَآ اَسْــَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا کے متقابل بالکل یہی الفاظ آئے ہیں۔ مَآ اَسْــَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ۔ دونوں میں لَا اور مَا نافیہ ہے۔ دونوں پر اِلَّا استثنائیہ کے مقابلے پر عین یہی لفظ اِلَّا استثنائیہ آیا ہے لیکن مُستثنٰی مِنہُ دونوں کا الگ الگ ہے جو عین متبادل ہے:۔

مَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی ـــــ کا متبادل ہے ـــــ مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

● یہاں پہنچ کر صراحتاً ثابت ہوچکا کہ یہ دونوں مستثنٰی منہ مترادف المفہوم ہیں۔ یعنی مودّة فی القربیٰ کا معنیٰ بھی اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کرنا ہے۔ لفظ مودّة مصدر ہے مادہ و۔د۔د سے۔ جس کا لفظی معنیٰ ہے محبت کرنا۔ اور لفظ القربیٰ کا معنیٰ قرآن بھر میں قرابتدار اور قریبی ہیں، بلکہ المنجد صفحہ ۸۰۷ پر بھی قُربت لکھا ہے، قرابتدار نہیں لکھا۔ لھذا مودّة فی القربیٰ کا معنیٰ ہے... اللہ کے قریب ہونے سے محبت کرنا۔ جو اس کے متقابل و متبادل قرآنی الفاظ مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا کے مصدری مفہوم کے عین مطابق ہے کہ مودّة فی القربیٰ سے مُراد ہے اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کرنا۔ اور یہی ہے قرآنی مفہوم جو تعریفِ آیات قرآنیہ کے مطابق برآمد ہوتا ہے۔

القربیٰ کے متعلق ایک علمی نکتہ

● القربیٰ کا معنیٰ جو قریبی یا قرابتدار لیا جاتا ہے، اوپر عرض کیا جاچکا ہے کہ ازروئے قرآن بھی

غلط اور از روئے لُغت بھی۔ لغت کیا ہے؟ قرآنِ کریم کی خادم ہے۔ قرآنِ کریم میں القُربیٰ کا لفظ تیرہ مقامات پر آیا ہے۔ مگر ہر مقام پر اس پر ذَا، اُولُو، اُولِیٓ میں سے کوئی لفظ داخل کر کے اِس کے معنیٰ قریبی کے لئے گئے ہیں، قرابت والے قرآنِ کریم کے مذکورہ تیرہ مقام یہ ہیں:۔

● ذِی الْقُرْبٰی ۲/۸۳ ۔ وَذِی الْقُرْبٰی ۲/۱۷۷ ۔ اُولُوا الْقُرْبٰی ۴/۸ ۔ ذِی الْقُرْبٰی ۴/۳۶ ۔ ذَا قُرْبٰی ۶/۱۵۲ ۔ ذِی الْقُرْبٰی ۸/۴۱ اُولِیْ قُرْبٰی ۹/۱۱۳ ۔ ذِی الْقُرْبٰی ۱۶/۹۰ ۔ ذَا الْقُرْبٰی ۱۷/۲۶ ۔ اُولِی الْقُرْبٰی ۲۴/۲۲ ۔ ذَا الْقُرْبٰی ۳۰/۳۸ ۔ ذَا قُرْبٰی ۳۵/۱۸ ۔ ذِی الْقُرْبٰی ۵۹/۷ ۔

● یہ ہیں یکے بعد دیگر قرآنِ کریم کی تیرہ شہادتیں کہ:۔

اَلْقُرْبٰی کا معنیٰ قریبی نہیں۔ قربت ہے۔ پس القربیٰ کا معنیٰ قریبی لینا قرآنی لغت سے بے خبری کی دلیل ہے۔

عود الی المقصود ● اجرِ رسالت کی اس قرآنی تشریح و توضیح کے بعد ہم سلسلہ درس کی طرف رجوع فرمائیں۔ سُورۃ الانعام کی آیاتِ مجیدہ نمبر ۸۴ تا ۹۰ میں اٹھارہ نبیوں کے اسماءِ گرامی پیش کر کے بتایا گیا ہے کہ قانونِ خداوندی میں لوچ لچک ہرگز ہرگز موجود نہیں۔ اگر بفرضِ محال وہ بھی شرک کرتے تو اُن کے اعمال بھی ضائع ہو جاتے۔ اور آیت نمبر ۹۱ میں ارشاد ہُوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن سب کو راہِ راست کی رہنمائی کی تھی۔ اَے رسُولؐ! آپ اُن کی ہدایت کی پیروی فرمائیں۔ اور ساتھ ہی حکم دے دیا کہ اَے رسُولؐ! آپ اجرِ رسالت طلب نہ کریں۔ آپ کا اَجر ہمارے ذمّہ ہے۔ اور غرضِ رسالت یہ ہے کہ لوگ اپنے اندر اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے کی محبّت پیدا کریں۔ اُس کے سو فیصدی فرمانبردار بن جائیں۔ اس سے اگلی آیت میں یہودیوں کے اِس دعوے کا جواب دیا گیا ہے جو وہ کہتے تھے کہ آنحضورؐ پر کچھ نازل نہیں ہُوا۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ	اور نہیں قدر کی (یہودیوں نے) اللہ تعالیٰ کی جو حق ہے اُس کی قدر کرنے کا، جب اُنہوں نے یہ کہا کہ اس بندے (محمدؐ) پر اللہ نے کوئی چیز نہیں نازل کی۔ آپ (ان سے) کہئے گا کہ وہ کتاب کس نے نازل فرمائی تھی جو موسٰی لے کر آئے تھے (اُس کتاب) کی شان یہ تھی کہ وہ لوگوں کیلئے نور تھی۔ ہدایت واسطے لوگوں کے (اے یہودیو!) تم اس کا ورق ورق الگ کرتے ہو۔ (اس طرح قلیل حصہ اُسکا) تم ظاہر کرتے ہو اور کثیر حصہ اسکا (غائب کر کے) چھپا لیتے ہو۔ حالانکہ تم اُس کے ساتھ وہ کچھ سکھائے گئے ہو جو نہ تم جانتے تھے نہ تمہارے آباؤ اجداد جانتے تھے۔ کہہ دیجئے گا (اے رسُولؐ! کہ جو کتاب موسٰی پر نازل ہُوئی تھی اُسے بھی)
اور نہیں قدر کی اللہ کی حق قدر اُس کی، جب کہا نہیں	
اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ	
نازل کیا اللہ نے اوپر بندے کوئی چیز کہہ کس نے نازل کی	
الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى	
وہ کتاب جو آیا ساتھ اسکے موسٰی نور اور ہدایت واسطے	
لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِیْسَ تُبْدُوْنَهَا وَ	
لوگوں کے کرتے ہو تم اسے ورق ورق ظاہر کرتے ہو اسے اور	
تُخْفُوْنَ كَثِیْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا	
چھپاتے ہو بہت۔ اور تم سکھائے گئے جو نہیں جانتے تھے تم	

أَنْتُمْ وَلَا آبَاؤُكُمْ ۖ قُلِ اللَّهُ ۖ ثُمَّ ذَرْهُمْ
تم اور نہ بڑے تمہارے، کہہ اللہ نے۔ پھر چھوڑ ان کو

فِي خَوْضِهِمْ يَلْعَبُونَ ○ ۹۲
بیچ فضول بحثوں میں کھیلتے ہیں

وَهَٰذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ
اور یہ کتاب نازل کیا ہم نے اسے برکت والی

مُصَدِّقُ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ أُمَّ
تصدیق کرنیوالی اس کی جو بیچ دو ہاتھ اسکے اور تا کہ ڈرائے تو ماں

الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا ۚ وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ
بستیوں کی اور جو گرد اسکے اور جو لوگ ایمان لائیں

بِالْآخِرَةِ يُؤْمِنُونَ بِهِ ۖ وَهُمْ عَلَىٰ
ساتھ انجام کے، ایمان لاتے ہیں ساتھ اسکے اور وہ اوپر

صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ○ ۹۳
فرضِ منصبی اپنے کے حفاظت کرنیوالے ہیں

اللہ نے نازل کیا تھا۔ آپ انہیں چھوڑ دیں وہ فضول بحثوں میں کھیلتے ہیں (ان سے الگ ہو جائیں)

اور اس کتاب (قرآن مجید) کو ہمنے بابرکت نازل فرمایا ہے جو اُن کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئی تھیں۔ اور (یہ کتاب اس لئے نازل کی گئی ہے کہ اے رسولؐ!) آپ اس کے ساتھ مرکزی بستی (مکہ) والوں کو اور اس کے اردگرد والوں کو اُن کے فرائضِ منصبی سے آگاہ کریں۔ اور جو لوگ اعمال کے انجام پر ایمان لاتے ہیں وہی اس (قرآن) کیساتھ ایمان لاتے ہیں۔ اور وہ اپنے فرائضِ منصبی ۲۴/۱۴ کی ہمیشہ حفاظت کرتے ہیں (اسے باقاعدہ ادا کرتے ہیں)۔

● [1] وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ يُؤْمِنُونَ بِهِ کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ قرآنِ مجید پر صحیح ایمان وہ لوگ لاتے ہیں جو ہر عمل کی آخرت یعنی اُس کے نہ ٹلنے والے انجام پر ایمان رکھتے ہیں۔ یعنی جو لوگ روزمرہ کے مشاہدہ کی بدولت اس حقیقت کو جان کر اُس پر یقین رکھتے ہیں کہ جس طرح ہر چھوٹے بڑے عمل کا نتیجہ نمایاں ہوتا چلا جا رہا ہے، اسی طرح ہمارے اچھے یا بُرے عملوں کا اُخروی نتیجہ ضرور ضرور برآمد ہوگا۔ قرآنِ کریم کی شان ہی یہ ہے کہ وہ اس امر پر یقین واثق پیدا کرتا ہے کہ جن اچھے یا بُرے اعمال کا اچھا یا بُرا بدلہ کسی دُنیوی وجہ سے یہاں نہیں ملا وہ آخرت کو ضرور ضرور مل کر رہیگا۔

● جو لوگ شبانہ روز کے مشاہدات پر نگاہ نہیں رکھتے اور ان سے مکافاتِ عمل پر یقین نہیں لاتے قرآنِ کریم کی میزان میں وہ لوگ ڈنگروں جیسے قرار دئے گئے ہیں:۔ لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا ۚ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ۝ ۷/۱۷۹ اُن کے پاس قلوب ہیں، وہ اُن کے ساتھ غور نہیں کرتے۔ اُن کے پاس آنکھیں ہیں وہ ان کے ساتھ دیکھتے نہیں۔ اُن کے پاس کان ہیں وہ اُن کے ساتھ سنتے ہی نہیں۔ وہ ڈنگروں جیسے ہیں، بلکہ اُن سے بھی گئے گزرے۔ یہی لوگ غافل ہیں۔ بالفاظِ

دیگر بتایا گیا ہے کہ قرآن کریم پر انسان ایمان لاتے ہیں، ڈنگر ایمان نہیں لاتے جو شبانہ روز آیات صحیفۂ فطرت پر سے گزرتے تو ہیں مگر ان کے خالق کو پہنچاتے نہیں وہ ڈنگر ہیں۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں آنحضور سلام علیہ کی صداقت کی خبر اس انداز میں دی گئی ہے کہ آپ نے جھوٹا دعویٰ نہیں کیا کہ میری طرف اللہ کی وحی آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ذمہ جھوٹ لگانے والا بہت بڑا ظالم ہے، جس کی طرف کچھ نازل نہیں ہوتا اور وہ وحی کا دعویٰ کر دے، اسی طرح سچی وحی کو جھٹلانے والا بھی اور وہ بھی بہت بڑا ظالم ہے جو یہ کہے کہ میں بھی ایسا قانون بنا سکتا ہوں جو آنحضور صلعم پر نازل ہوا ہے دیکھئے ارشادِ باری :۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ
اور کون بڑا ظالم اس سے جو باندھے اوپر اللہ کے
کَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْہِ
جھوٹ یا کہے وحی کیگئی طرف میری اور نہ وحی ہوا طرف اس کے
شَیْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ
کچھ۔ اور جو کہے ضرور نازل کرونگا مانند جو نازل کیا
اللّٰہُ ؕ وَلَوْ تَرٰٓی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ
اللہ نے۔ اور کاش تو دیکھے جب ظالم ہوں بیچ سختیوں کے
الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ بَاسِطُوْٓا اَیْدِیْھِمْ ۚ
موت کی، اور ملائکہ ہوں پھیلائے ہاتھوں کو اپنے
اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَکُمْ ؕ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ
نکالو اپنے آپ کو۔ آج تم جزا دیئے جاؤگے سزا
الْھُوْنِ بِمَا کُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰہِ غَیْرَ
رسوائی کی بوجہ اسکے کہ تھے تم کہتے اوپر اللہ کے بغیر
الْحَقِّ وَکُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِہٖ تَسْتَکْبِرُوْنَ ۝ ۹۳
حق اور تھے تم سے آیتوں اسکی تکبر کیا کرتے

اور کون ہے اس سے بڑھ کر ظالم جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے[1] (کسی بھی قسم کا) اور یا وہ یہ کہے کہ مجھ پر وحی کی جاتی ہے (اللہ کی طرف سے) اور ہرگز نہ وحی ہوتی ہوا اسکی طرف کوئی بھی چیز[2] اور (اس سے بڑھ کر بھی کون ظالم ہے) جو یہ کہے کہ جو کچھ اللہ نے نازل کیا ہے، میں اس جیسا نازل کر سکتا ہوں اور کاش کہ آپ ایسے ظالموں کو اس وقت دیکھیں جب وہ موت کی سختیوں[3] میں مبتلا ہوں۔ اور (مرض، نقاہت، درد و کرب اور وحشت و اضطراب) متعدد ملائکہ[4] ہاتھ پھیلائے ہوئے (بزبانِ حال کہہ رہے ہوں، نکالو اپنے آپکو اس عذاب سے[5] (انہیں قیامت کے دن کہا جائے گا کہ) آج تم کو رسوا کن عذاب کی سزا دی جائے گی، اس سبب سے کہ تم اللہ کے ذمہ غیر حق (جھوٹی باتیں) کہا کرتے تھے۔ اور تم اس (اللہ) کی آیتوں سے تکبر کیا کرتے تھے۔

● [1] اللہ تعالیٰ پر کسی بھی قسم کا جھوٹ باندھنا بہت بڑا ظلم ہے، مثلاً کوئی یہ کہے کہ میں اللہ کے ساتھ بذریعہ الہام اور کشف وغیرہ ہم کلام ہوتا ہوں۔ حالانکہ اللہ کی وحی صرف نبیوں پر آتی تھی جو آنحضور صلعم کے بعد ختم ہو چکی ہے۔
● [2] اور یہ کہنا بھی بہت بڑا ظلم ہے کہ نزولِ قرآن کریم کے بعد کوئی شخص یہ کہے کہ مجھ پر وحی ہوتی ہے حالانکہ حضور

خاتم النبیینؐ کے بعد وحی کی آمد مطلقاً بند ہو چکی ہے۔

● ۳؎ نیز یہ دعویٰ کرنا بھی بہت بڑا ظلم ہے کہ میں اللہ کی وحی کی مانند کلام نازل کر سکتا ہوں۔ واضح رہے کہ خدا تعالیٰ کا یہ دعویٰ ہے کہ اگر جن و انسان جمع بھی ہو جائیں تو اس قرآن کی مثل نہیں لا سکتے ۱۷/۸۸ اسکا صرف یہ معنی نہیں ہے کہ کوئی اس جیسی عربی نہیں بنا سکتا۔ بلکہ اسکا مطلب یہ بھی ہے کہ جن و انسان جمع بھی ہو جائیں تو اس قسم کا بے لوث قانون نہیں لا سکتے۔ یہ ایک مشاہداتی حقیقت ہے کہ دنیا کے ہر قانون میں صدر و سربراہ، ملک کے بادشاہ، ملکہ اور شہزادہ کو عدالت کے کٹہرے میں طلب نہیں کیا جا سکتا۔ مگر قرآنی قانون کے مطابق ملک کے صدر و سربراہ اور اسکے خاندان خصوصاً اُسکی بیوی ملکہ کو نہ صرف یہ کہ عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کیا جا سکتا ہے بلکہ ثبوتِ جرم پر دُگنی سزا دی جائیگی۔ جیسے کہ قرآنی ریاست کے صدرِ اوّل یعنی نبی اکرمؐ کی ازواجِ مطہرات کو ۳۳/۳۰ میں مخاطب کیا گیا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی بدکاری کی مرتکب ہوگی تو اُسے دگنی سزا دی جائے گی۔ پس قرآنی قانون میں قیامت تک کیلئے صدرِ ریاست، اُس کی بیوی اور جملہ ارکانِ خاندان کے لئے دگنی سزا کا قانون متعین کر دیا گیا ہے جو دنیا بھر کے بنائے ہوئے دوسرے قوانین میں مطلقاً نابود ہے۔ دنیا کے قوانین میں کوئی ایسا قانون بنا ہی نہیں سکتا۔

● ۴؎ غمرات الموت کے الفاظ میں غمرات بصیغہ جمع لایا گیا ہے مطلب یہ کہ نافرمانوں پر موت کے وقت بہت سی سختیاں دار ہوں گی۔ اسی لفظ کا بدل ملائکہ بھی بصیغہ جمع لایا گیا ہے تفصیل آگے ملائکہ کے عنوان میں آ رہی ہے۔

● ۵؎ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ کے الفاظ میں عوام کے ذہنی ملائکہ کا ذکر نہیں۔ کیونکہ قرآن کریم کی رُو سے اُن کا وجود ہی موجود نہیں۔ کارگاہِ کائنات میں ہر وہ چیز جو اختیار و ارادہ سے عاری خدا تعالیٰ کی عطا کردہ واحد جبلّی نہج پر مصروفِ عمل ہے ملک ہے۔ اسی طرح ہر بیماری، ہر تیز دھار والی چیز، اونچی گھاٹی، ہر عمیق جگہ، ہر زہریلی چیز اور آگ پانی وغیرہ میں مستور قوتیں جن میں مبتلا ہونے سے بالترتیب زخم کھا کر، جل کر اور ڈوب کر موت واقع ہو جاتی ہے۔ اور وہ اپنی نہج کو تبدیل نہیں کرتیں، سب ملک الموت ہیں۔ اسی طرح ہر درندہ، ہر مشین، بجلی کا شارٹ وغیرہ کی مخفی قوتیں بھی جن کا لقمہ بن کر موت واقع ہو جاتی ہے سب کے سب ملک الموت ہیں۔ واضح رہے کہ قرآن کریم میں انسانی جان کیلئے نہ روح کا لفظ آیا ہے نہ نفس کا اور نہ انسانی جان کوئی الگ چیز ہے جو جسدِ خاکی میں داخل ہوتی ہے تو یہ زندہ ہو جاتا ہے اور نہ یہ کہ نکل جاتی ہے تو مر جاتا ہے۔ جان یعنی زندگی ترکیبِ عناصر کا نتیجہ ہے۔ خدا تعالیٰ نے انسانی جسم کے اندر الگ الگ مخصوص مقدار کے مطابق کائنات بھر کی چیزوں مٹی، پانی، آگ، ہوا، لوہا، تانبہ، سونا، چاندی، قلعی، چونا، نمکیات اور تیزابیات وغیرہ کو الگ الگ مخصوص مقداروں کے مطابق ترتیب دے رکھا ہے، انہی اجزا کی مخصوص مقدار اور مخصوص ترتیب کیساتھ زندگی پیدا ہوتی ہے اور انہی کائناتی عناصر میں سے جب کوئی چیز خدا تعالیٰ کی مقررہ مقدار سے بڑھ جاتی ہے یا گھٹ جاتی ہے تو انسان بیمار ہو جاتا ہے اور جب کوئی اہم جزو کسی بیماری یا حادثہ کا شکار ہو کر بیکار ہو جاتا ہے تو موت واقع ہو جاتی ہے انسان کے جسم میں

رواں خون کے اندر سُرخ اور سفید ذرّات سب زندہ جرثومے ہیں اگر زندگی کسی نام نہاد رُوح کی بدولت ہے تو ہر انسان کے اندر ایک روح نہیں بلکہ کروڑوں روحیں موجود ہیں۔ یہی سُرخ سفید ذرّات جب بیمار ہو جاتے ہیں تو انسان فوراً بیمار ہو جاتا ہے۔ اور جب وُہ مرنے لگیں تو یہ بھی مرنے لگتا ہے۔ ملائکہ کے قرآنی معنے وُہ کائناتی قوتیں ہیں جو ایک ہی نہج پر کام کرتی چلی جاتی ہیں، ان کے ملک الموت وہ قوتیں ہیں جن سے موت واقع ہو جاتی ہے۔ مسئلہ ملائکہ کی مکمل بحث تفسیر القرآن بالقرآن جلد دوم کے صفحہ ۱۰۱ پر ملاحظہ فرمائیں۔

● ۲۵ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوٓا اَيْدِيْهِمْ سے وہ مُہلک طاقتیں مُراد ہیں جو انسان کی موت کے وقت بصورت حال ہاتھ پھیلائے ہوئے ہوتی ہیں، مثلاً اگر موت واقع ہو رہی ہے نمونیہ کیساتھ تو نمونیہ کی مُہلک طاقت ہے، گولی یا تیز دھار کا مہلک زخم ہو گیا ہے تو اُن کی مُہلک طاقتیں ملک الموت ہیں جو ہاتھ پھیلائے ہُوئے کھڑی ہوتی ہیں۔

● ۲۶ اَخْرِجُوٓا اَنْفُسَكُمْ سے بزبان حال مُراد ہے کہ وہ حالی طور پر کہہ رہی ہوتی ہیں کہ تم بڑے بڑے بنے پھرتے تھے۔ اگر اب طاقت ہے تو اپنے آپ کو اس حالت سے نکالو۔ لیکن روائتی تفاسیر میں اس کا یہ معنی لیا گیا ہے کہ عوام کے ذہنی فرشتے مرض الموت میں مبتلا افراد سے کہتے ہیں کہ نکالو اپنی جانیں۔ لیکن جب قرآن کریم کی رُو سے جان کوئی داخل ہونے والی اور نکلنے والی چیز ہے ہی نہیں تو مذکورہ روائتی مفہوم از خود غلط ٹھہرتا ہے۔ چنانچہ یہاں اَنْفُسَ کا معنی اپنا آپ ہے۔ جان نہیں جیسے کہ $\frac{۲}{۸۴}$ میں لَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ کا معنی صاف ہے کہ تم اپنے افراد کو اپنے گھروں سے مت نکالنا اَنْفُسَكُمْ کا لفظ اپنے آپ کے لئے $\frac{۲}{۹۰}$ میں آیا ہے:۔ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ، بُری ہے وہ چیز جو وہ اپنے آپ کے لئے خریدتے ہیں نیز $\frac{۲}{۱۸۷}$ میں اس عنوان کو پُوری طرح کھول کر بیان کر دیا گیا ہے کہ نفس معنی اس جسم سے علیحدہ چیز ہرگز نہیں ہے۔ نزول قرآن سے ماقبل رمضان کی راتوں میں میاں بیوی جنسی اختلاط سے پرہیز کیا کرتے تھے۔ یعنی ایکدوسرے کے جنسی حقوق ادا نہیں کرتے تھے۔ ایکدوسرے کے حقوق میں خیانت کرتے تھے۔

● اِس کی خبر بالفاظ ذیل دیگئی ہے:۔ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ $\frac{۲}{۱۸۷}$ اللہ جانتا ہے کہ بیشک تم عدم ادائیگی حقوق زوجیت کیساتھ ایکدوسرے کی خیانت کیا کرتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ تم پر رجوع بر رحمت ہُوا اور تم کو معاف کیا۔ ایمان والو! اب تم رمضان کی راتوں میں بیویوں سے مِلا کرو۔ اِس آیت میں اَنْفُسَكُمْ سے مُراد نہ روح ہے نہ جان، بلکہ نفس کا لفظ آپس میں ایکدوسرے کیلئے استعمال ہُوا ہے۔

● ذہنی ملائکہ کی بحث بھی نہایت اہم ہے کہ عوام میں قرنہا قرن سے یہ تصوّر چلا آ رہا ہے کہ ملائکہ نامی ایک نوری مخلوق ہے جو شکلیں بدل کر انسانوں کے پاس آتے ہیں۔ سُورہ انعام میں لوگوں کے ذہنی ملائکہ کی اس طرح خبر دیگئی ہے کہ آنحضورؐ کے مدّمقابل کہتے تھے:۔ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۗ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۝ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝ $\frac{۶}{۸-۹}$ کیا انہوں نے کہ اس مدعیٔ رسالت پر

کوئی ملک نازل کیوں نہیں کیا گیا ۔ اور اگر ہم کوئی ملک (اپنی کائناتی قوت بجلی، آندھی، زلزلہ وغیرہ نازل کریں تو ان کا فیصلہ ہی کر دیں پھر انہیں مہلت نہ دی جائے (فوراً ہلاک کر دئیے جائیں) اور اگر اسے (ہم انکا ذہنی ملک بنائیں تو انکے ذہنی تصور کے مطابق) اسے آدمی بنائیں، تو ہم ان پر اسے مشتبہ کر دیں، جیسے یہ لوگ خود مشتبہ کرتے ہیں۔ (کہ آدمی کی شکل میں وہ آدمی دکھائی دیگا، تو پھر یہ لوگ کہیں گے کہ یہ ملک نہیں یہ تو آدمی ہے)

● وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ کے جملہ میں لفظ مَلَكًا سے مراد خدا تعالیٰ کا حقیقی ملک ہے یعنی کوئی کائناتی قوت کہ اسے نازل کیا جائے تو بجلی آندھی زلزلہ وغیرہ کیساتھ انہیں فوراً ہلاک کر دیا جائے۔

● وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا کے الفاظ میں ہُ کی ضمیر راجع بسوئے ماقبل مذکورہ اصلی ملک ہے اور یہاں جَعَلْنٰهُ مَلَكًا سے مراد عوام کا ذہنی ملک ہے جن کے متعلق مشہور کیا گیا ہے کہ وہ شکلیں بدل کر آدمی بن جاتے ہیں۔ ورنہ اگر عوام کے ذہنی ملائکہ فی الحقیقت کوئی مخلوق ہے تو جَعَلْنٰهُ مَلَكًا کے الفاظ میں ملک کو ملک بنانے کا کیا مطلب؟ بلکہ اصلی ملک کو عوام کا ذہنی ملک بنانا مذکور ہے جو عوامی غلط تصور کے مطابق آدمی کی شکل میں دکھائی دے گا مگر مشتبہ ہو جائیگا کہ جو آدمی دکھائی دیتا ہے اسکے متعلق انکے ذہنی ملک ہونے کا کیا ثبوت ہو گا۔

● اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ میں الیوم سے مراد قیامت کا دن ہے اس سے پہلے بلا حساب کتاب قبر میں عذاب ثواب دینے کا تصور کئی وجہوں سے غلط ہے:۔

ا۔ پہلے نمبر پر خدا تعالیٰ نے قرآن کریم کی اولین سورت مجیدہ میں جزا سزا کیلئے یوم الدین کی خبر دی ہے اور اسی دن کے متعلق سورہ مومنون میں بتایا گیا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے تو ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ۔ $\frac{23}{16}$ پھر تم قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے ۔۔ اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ موت کے بعد جبکہ ابھی بعثت ہوئی ہی نہیں تو قیامت سے پہلے قبر میں عذاب ثواب کا کیا معنی؟

ب۔ دوسرے نمبر پر اسی یوم الدین کے متعلق بتکرار کثیر ارشاد ہوا ہے:۔ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا $\frac{4}{122}$ + $\frac{6}{129}$ + $\frac{34}{40}$ + $\frac{25}{17}$ + $\frac{1}{55}$ + $\frac{15}{25}$ اس دن اللہ تعالیٰ سب کو اکٹھا کر لیگا۔ تو اس طرح جب حشر نشر کے لئے ایک دن مقرر کر دیا گیا ہے تو دیگر تاریخ سے پہلے بلا حساب کتاب قبر میں آتشیں گرزوں کی سزا کا کیا مطلب، جبکہ مقرر کردہ تاریخ سے پہلے کسی قسم کی کاروائی کرنا عقل و دانش اور عدل و انصاف دونوں کے صد فیصد خلاف ہے۔

ج۔ تیسرے نمبر پر خدا تعالیٰ کی مقررہ تاریخ، یعنی اسی یوم الدین کو $\frac{41}{14}$ میں يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ کے الفاظ میں نوع انسانی سے حساب لینے کا دن بھی کہا ہے۔ تو حساب کتاب کے بغیر مقدمہ پیچھے اور سزا پہلے کس طرح ممکن ہے۔

د۔ چوتھے نمبر پر ابتدائے کائنات کے اولین دور اور انتہائے کائنات کے آخری دور کے مجرموں کی اس مدت میں لاکھوں کروڑوں سال کا فرق ہے جو الگ الگ قبر میں رہیں گے۔ قرب قیامت کے آخری افراد تو صرف ایک دن یا ایک گھنٹہ

کیلئے عذابِ قبر پائیں گے مگر ابتداءِ آفرینش کے متوفی افراد لاکھوں کروڑوں برس فرشتوں کی گُرزیں کھاتے رہینگے۔ پس قبر کی یہ الگ الگ مدت بھی جس سے کسی بھی فرد بشر کو مجالِ انکار نہیں، عذاب قبر مبنی بر انصاف نہیں ہونے دیتی۔ پس عذاب قبر کا نظریہ نہ قرآن کریم کا ساتھ دے سکتا ہے اور نہ عقل وخرد اور عدل وانصاف کے ترازو پر پورا تل سکتا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ جن روایات میں یہ نظریہ رسُولِ مقبول اور صحابۂ کرام کی طرف منسوب کیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ وہ ان بزرگوں کی طرف منسوب محض ہیں بس :۔

● آیۂ زیر بحث ۶/۹۳ میں آمدہ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْھُوْنِ کا مفہوم اَلْیَوْمَ یعنی قیامت کا دن ہی درست ہے جس کی تائید وتاکید عین متصل مابعد کی آیۂ کریمہ نمبر ۶/۹۵ میں موجود ہے کہ یہاں قبر کے عذاب کا ذکر نہیں بلکہ قیامت کی عدالت کا ہے :۔

وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰی کَمَا خَلَقْنٰکُمْ
اور البتہ تحقیق تم آئے ہمارے پاس فرداً فرداً جیسے پیدا کیا ہم نے تمکو

اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَکْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰکُمْ وَرَآءَ ظُھُوْرِکُمْ
پہلی مرتبہ اور چھوڑا تمنے جو دیا ہمنے تمکو پیچھے پیٹھوں اپنی کے

وَمَا نَرٰی مَعَکُمْ شُفَعَآءَکُمُ الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ
اور نہیں دیکھتے ہم ساتھ تمہارے سفارشی تمہارے جنہیں گمان کیا تم نے

اَنَّھُمْ فِیْکُمْ شُرَکٰٓؤُا لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَیْنَکُمْ وَضَلَّ
بیشک انہیں بیچ اپنے شریک بیشک قطع ہوگئے بیچ تمہارے اور گم ہوگئے

عَنْکُمْ مَّا کُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝ ۹۵ ع ۱۷
سے تمہارے جو تھے تم تم گمان کرتے

(اللہ تعالیٰ قیامت کو کہیگا کہ) بیشک تم ہمارے حضور میں اکیلے اکیلے حاضر ہوئے ہو جیسے کہ تمہیں پہلی مرتبہ اکیلے اکیلے کو ہم نے پیدا کیا تھا۔ اور جو مال ہم نے تمہیں عطا فرمایا (جس سے تم بے حد محبت کرتے تھے) اُسے تم پیچھے چھوڑ آئے ہو۔ اور ہم نہیں دیکھتے تمہارے ساتھ اُن لوگوں کو جنہیں تم اپنے شفاعتی گمان کرتے تھے اپنے اندر شریک۔ تمہارے آپس کے تعلقات منقطع ہوچکے ہیں اور وہ تم سے گم ہوگئے ہیں۔ جنہیں تم (حاجت روا کارساز) گمان کرتے تھے۔

● دیکھا آپنے! اس آیۂ مجیدہ میں کس طرح وضاحتاً بتادیا گیا ہے کہ پچھلی آیۃ میں اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْھُوْنِ قیامت کے گناہگاروں کو کہا جائے گا۔ قبر میں نہیں کہ خدا تعالیٰ پر مقدمے کا فیصلہ بعد میں اور سزا پہلے کا الزام عائد ہوتا ہو۔ استغفر اللہ!

اللہ تعالیٰ گٹھلیوں اور بیجوں کو پھوڑنے والا ہے

● آیۂ بالا میں لوگوں کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کا ذکر آیا ہے اس لئے متصلاً اگلی آیۂ مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تو وہ ہے جو زمین میں بوئی گئی گٹھلیوں اور بیجوں کو پھاڑ کر اُن میں سے پودے پیدا کرتا ہے، رات کے اندھیرے میں سے دن کی روشنی نکالتا ہے، مردوں میں سے زندے اور زندوں میں سے مردے پیدا کرتا ہے۔ پس وہ لوگ اُسکے شریک کس طرح ہوسکتے ہیں جو

نہ تو کچھ پیدا کرتے ہیں اور اُس قوی وعزیز کے قوانین کے مطابق پیدا ہوئے اور زندگی بھر اُسی کے قوانین کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى يُخْرِجُ
بیشک اللہ ہے پھوڑنیوالا دانوں اور گٹھلیوں کو۔ نکالتا ہے

الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ
زندہ کو میں سے میّت کو اور نکالنے والا ہے میّت کو میں سے زندہ کے

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ○ ۹۶
وہ ہے تمہارا اللہ پھر کہاں کو تم اُلٹے پھرتے ہو

بیشک اللہ تعالیٰ (زمین میں بوئے گئے) دانوں اور گٹھلیوں کو پھوڑنے والا ہے (اُن سے پودے اور درخت پیدا کرتا ہے) وہ نکالتا ہے مُردے میں سے زندہ کو اور نکالنے والا ہے زندہ میں سے مُردہ کو۔ ان صفات کا مالک ہے تمہارا اللہ۔ پھر تم (اُس کے شریک ٹھہرا کر) کس طرف کو اُلٹے پھرے جا رہے ہو۔

● جملہ یُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ کی عملی تفسیر مُشاہداتِ عالم میں اِن الفاظ کے حقیقی اور مجازی دونوں معنوں کی صُورت میں موجود ہے کہ بچّے کی پیدائش سے پہلے ماں مرجاتی ہے۔ اور ایسے مُردوں میں سے زندہ بچّے پیدا ہو رہے ہیں۔ اِسی طرح ماں زندہ ہوتی ہے مگر بچہ مُردہ پیدا ہوتا ہے۔ یہ تو ہے اِن الفاظ کے حقیقی معنوں کی مشاہداتی تفسیر ـــــ اِسکے علاوہ ان الفاظ کے مجازی معنوں کی تفسیر بھی اقوامِ عالم کے عروج وزوال کی صورت میں موجود ہے کہ مُردوں قوموں میں سے ایسے زندہ افراد پیدا ہوتے ہیں جو پُوری کی پُوری قوم کو زندہ کر دیتے ہیں۔ اور بعض زندہ قوموں میں ایسے مُردہ افراد پیدا ہوتے ہیں جو پُوری کی پوری قوم کو غلامی کی موت کے عمیق غار میں دھکیل دیتے ہیں۔ بالفاظِ دیگر اللہ تعالیٰ اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق مُردہ قوموں میں سے زندہ قومیں نکال رہا ہے اور زندہ قوموں میں سے مُردہ۔ گزشتہ آیتِ مجیدہ میں بیجوں اور گٹھلیوں کے پھوڑنے اور اُن سے درخت پودے اگانے کے اُن تصرّفات کا ذکر تھا جن کا تعلق زمینی قوانینِ خداوندی کیساتھ ہے۔ اِس خدا تعالیٰ کے ارضی کنٹرول کی خبر دینے کے بعد اگلی آیتِ مجیدہ میں نظامِ شمسی اور قمری یعنی اللہ تعالیٰ کے سماوی کنٹرول کی مکمل خبر دیگئی ہے جس کا تعلق اِس کارخانۂ کائنات کی محیّر العقول بلندیوں کیساتھ ہے، جن کی حدِّ نظر یہ نیلے آسمان والا افق ہے، حالانکہ اس نظامِ شمسی و قمری کے علاوہ اور بہت سے نظامِ شمسی اِن سماوات کی بلندیوں میں موجود ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہُوا ہے:۔

فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا
پھاڑنیوالا صبحوں کا اور بنایا رات کو آرام کیلئے

وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۚ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ
اور سُورج اور چاند کو حساب کیلئے وہ ہے اندازہ

(وہ اللہ ہی ہے رات کی کالی چادر کو پھاڑ کر) صبحیں نمودار کرنیوالا۔ اور اُس نے رات کو آرام کیلئے بنایا ہے (تاکہ تم اگلے دن کی محنت کے لئے تازہ دم ہو جاؤ) اور سُورج اور چاند کو تکوینی حساب کیلئے بنایا ہے مذکورہ بالا ہی ہے (اجرامِ فلکی کے لئے

الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ ۹۷
بڑھ کر غالب بڑھ کر علم والے کا

بڑھ کر غلبے والے اور بڑھ کر علم والے کا مقرر کردہ اندازہ (پیمانہ) اور قانون ہے[۴]

● [۱] فَالِقُ الْاِصْبَاحِ کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ یہ جو ہر ۲۴ گھنٹوں کے بعد رات کی کالی چادر کو پھاڑ کر ہر روز نئی صبح نمودار ہوتی ہے اِس کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔ الاِصْبَاح بصورت جمع لاکر بتایا گیا ہے کہ وُہ لاانتہا صبحیں نمودار کرنے والا ہے۔ اِس صیغۂ جمع میں ہر مقام کی سال بھر کی ۳۶۵ صبحیں بھی ہیں۔ اور کرّۂ ارض کے مختلف مقامات پر ۲۴ گھنٹوں میں ہر سیکنڈ کے بعد نمودار ہونے والی چھیاسی ہزار چار سو صبحیں بھی شمار ہیں اور سال بھر میں ہر مختلف مقام پر ہر سیکنڈ کے بعد نمودار ہونے والی تین کروڑ گیارہ لاکھ چار ہزار صبحیں بھی شامل ہیں اور اس کے بعد ایک صدی میں نمودار ہونے والی تین ارب گیارہ کروڑ چار لاکھ صبحیں بھی شامل ہیں۔ اِس اہم حقیقت کو اسطرح سمجھئے گا کہ :۔

● زمین کی مداری گردش کے ساتھ سال بھر میں چار موسم بدلتے رہتے ہیں اور محوری گردش کے ساتھ دن رات پیدا ہوتے ہیں۔ زمین کا جو حصّہ سُورج کے سامنے آتا جاتا ہے وہاں دن نمودار ہوتا چلا جاتا ہے۔ زمین اپنی محوری گردش کا چکّر سُورج کے گرد ایک سال میں پُورا کرتی ہے اور تقریباً ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے سُورج کے سامنے مغرب سے مشرق کی طرف گھومتی ہوئی ۲۴ گھنٹوں میں ایک محوری چکّر پُورا کرتی ہے۔ اِس گردش کی بدولت زمین کے ایک مقام پر رات کے آخری سیکنڈ کے گزرنے پر صُبح نمودار ہوتی ہے مگر اُس مقام سے مغربی مقام پر ایک سیکنڈ کے بعد صُبح نمودار ہوتی ہے کیونکہ وُہ مقام صبح کی نمُود کے مقام پر ایک سیکنڈ کے بعد پہنچتا ہے۔ اسلئے چوبیس گھنٹوں کے ہر سیکنڈ کے خاتمہ پر نئی صبح نمودار ہوتی ہے۔ اِس طرح کرّۂ ارض پر ۲۴ گھنٹوں کے وقفے میں چھیاسی ہزار چار سو صبحیں نمودار ہوتی ہیں اور سال میں اس تعداد کو ۳۶۵ کیساتھ ضرب دینے سے تین کروڑ گیارہ لاکھ چار ہزار صبحیں عالمِ وجود میں آتی ہیں اور ایک صدی میں اسے۱۰۰ کیساتھ ضرب دینے سے صبحوں کی گنتی تین ارب گیارہ کروڑ چار لاکھ صُبحوں تک پہنچ جاتی ہے۔ اِس طرح فالق الاصباح کے الفاظ بصورتِ جمع لاکر دعوتِ تفکّر دیگئی ہے کہ جب سے اِس کارخانۂ کائنات میں نظامِ شمسی قائم کیا گیا ہے نیلموں پدموں صُبحوں کو فالق الاصباح عالمِ وجود میں لاچکا ہے۔

● [۲] وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا کے الفاظ میں ایک تو اس چیز کی طرف دعوتِ تفکّر دیگئی ہے کہ صحیفۂ فطرت کی اُن آیاتِ مقدّسہ پر غور کرو جن کے ذریعہ رات دن پیدا ہوتے ہیں، یعنی زمین کی محوری گردش پر کہ اس کی بدولت زمین کا جو حصّہ اور جتنا عرصہ سُورج کے سامنے رہتا ہے اُس مقام پر اُتنا عرصہ دن رہتا ہے اور اُس کے اُلٹے حِصّے پر رات ہوتی ہے۔ نیز بتلایا گیا ہے رات کو سکون آرام یعنی نیند کے لئے بنایا گیا ہے اور دن کو حصُولِ معاش کے لئے۔ سُورہ نبا میں ارشاد ہُوا ہے وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۙ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۝ (۷۸ / ۱۰-۱۱) اور ہمنے رات کو پردہ بنایا ہے آرام کرنے کے لئے اور دن کو ہم

نے بنایا ہے معاش پیدا کرنے کیلئے ۔ اِن الفاظ میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ دن　　کے بنانے کی غرض معاش پیدا کرنا ہے رات کو اگر آرام کر کے تازہ دم نہ ہوں گے تو اگلے دن کام کس طرح کریں گے ۔ اسلئے رات کو آرام کے بعد تازہ دم ہو کر روزی پیدا کرنا حقیقی واحد غرض ہے ۔ جس پر یہ پابندی عائد کی گئی ہے اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۵ تم پر پاکیزہ مال حلال کیا گیا ہے ۔ حلال کماؤ اور حلال کھاؤ ۔

● ۱۳ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا کے الفاظ میں سورج اور چاند کے بنانے کی ایک غرض یہ بتائی گئی ہے شمسی اور قمری سال کا حساب صرف سورج اور چاند کے ساتھ وابستہ ہے ۔ کہ زمین کی مداری گردش کے مطابق زمین پر کا سال ۳۶۵ دن کا ہے ۔ بالفاظِ دیگر ۳۶۵ دن کے بعد بالکل وُہی موسم لوٹ کر آجاتا ہے جو ۳۶۵ دن پہلے تھا ۔ اور قمری سال ۳۵۵ دن کا ہے ۔ ۳۵۵ دن کے بعد بظاہر وُہی موسم آجاتا ہے جو ۳۵۵ دن پہلے تھا ۔ مگر تین سال کے بعد شمسی اور قمری سال میں ایک ماہ کا فرق پڑ جاتا ہے ۔ زیر بحث الفاظ میں اِسی چیز کی دعوتِ فکر دی گئی ہے ، نہایت محتاط تجربے کی رُو سے شمسی سال ۳۶۵ دن ۶ گھنٹے قریباً ½ ۳ منٹ کا ہے ۔ اُوپر کے چھ گھنٹوں سے چار سال کے بعد ایک دن کا اضافہ ہو جاتا ہے یعنی لیپ کا سال ۳۶۶ دن کا ہوتا ۔ اسی سے زائد ½ ۳ منٹوں سے چار صدیوں کے بعد مزید ایک دن کا اضافہ ہو جاتا ہے یعنی چار صدی بعد سال ۳۶۷ دن کا ہوتا ہے ۔ یہ ہے وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا کی عملی تفسیر جو صدیوں کے تجربے اور عملی حساب کی رُو سے ثابت ہو چکی ہے ۔

● ۱۴ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ کے الفاظ میں ذٰلِكَ اِسم اشارہ بعید ہے جس کا بیان معنٰی ہے وُہ یعنی مذکورہ بالا ۔ اور تقدیر مادہ قدر سے صفت مُشبّہ ہے ۔ اور جُملہ کا مفہوم یہ ہے کہ سُورج اور چاند وغیرہ جملہ اجرامِ فلکی کیلئے مذکورہ بالا انداز سے دن رات اور موسموں کی تبدیلی کا قانون اُس ذاتِ مقدس کا متعین کردہ ہے جو بہت بڑھ کر غالب اور بہت بڑھ کر علم والی ہے ۔ اُسی نے صحیح صحیح غلبے اور صحیح صحیح علم کے مطابق یہ قوانین مقرر فرمائے ہیں ، جن میں کروڑوں سال گزر جانے کے باوجود ایک ثانیہ کا فرق کبھی نمودار نہیں ہُوا ۔

● سلسلۂ درس کی اگلی متصلہ آیت مجیدہ میں سورج اور چاند کے علاوہ باقی ستاروں کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وُہ ریگستانوں اور سمندروں میں راستے معلوم کرنے کا فائدہ　　دیتے ہیں ، ہم نے علم والی قوم کیلئے اپنی تنزیلی اور تکوینی آیات مُبارکہ کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہے ۔ دیکھئے ارشادِ باری :-

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا اور وُہی ہے جس نے بنائے واسطے تمہارے تارے تاکہ تم راہ پاؤ	اور وُہ (اللہ ہی) وُہ عظیم الشان ذات ہے جس نے تمہارے لئے ستارے بنائے ہیں تاکہ تم اُن کے ذریعہ خشکی اور سمندر میں راستے معلوم کیا کرو ۔ بیشک ہم نے عقل و شعور والی قوم کے لئے اپنی آیتوں کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہے ۔
بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ قَدْ فَصَّلْنَا ساتھ اُن کے بیچ اندھیروں خشکی اور سمندر کے ۔ بیشک کھول کر بیان کی ہم نے	

الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ○ ۹۸

آئتیں واسطے اس قوم کے جو جانتے ہیں

● عا خشکی کے ریگستانوں میں راتوں کو اور سمندروں میں دن اور رات کو بوقت ستاروں ستاروں سے رہنمائی کیلئے ہیں کی مدد ہی سے راستے معلوم کئے جاتے ہیں۔ دُبِّ اکبر، دُبِّ اصغر، نیز قطب ستارہ اور قطبین کے علاوہ ستارۂ صبح اور نیم شبی وغیرہ جو خدا تعالیٰ کے مقررہ راستوں ہی پر چلتے ہیں وہ کبھی بھی انسان کو دھوکا نہیں دیتے۔ سب کے سب سمتوں کی رہنمائی کے صحیح صحیح فرائض ادا کرتے ہیں۔ قطب ستارہ کے متعلق سُورہ نحل میں ارشاد ہُوا ہے :۔ وَ بِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ۱۶/۱۶ اور النجم یعنی ایک مخصوص ستارہ قطبی کے ساتھ لوگ راستے معلوم کرتے ہیں :۔ یہ قطبی ستارہ ہی ہے جس کی مدد سے بڑے بڑے عظیم قطب نُما تیار کئے جا چکے ہیں۔ اور آج بحری جہازوں کے کپتان بند کمروں میں بیٹھے بیٹھے راستے معلوم کرتے ہُوئے وَ بِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ کی عملی تصدیق کر رہے ہیں کہ دن ہو یا رات، قطبی ستارہ ہر لحظہ اور ہر آن بحری مسافروں کی صحیح صحیح رہنمائی کر رہا ہے۔

● یہ تو ہُوئی ظُلُمٰتِ الْبَحْرِ میں ستاروں کی رہنمائی، یہی حال ظُلُمٰتِ الْبَرِّ کا ہے کہ ریگستانی علاقوں میں جہاں منزل کے نشانِ راہ موجود نہ ہوں وہاں ریگستانوں کے مسافر رات کے اندھیرے میں قطب ستارہ کی مدد سے منزل کی صحیح سمت معلوم کر لیتے ہیں اور دن کے وقت قطب نما کی مدد سے۔ مولا کریم نے اپنی ان نعمتوں کے تذکرہ کے بعد سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں پُوری نوعِ انسانی کے پیدائشی انسانی حقوق کی وضاحت اس مخصوص انداز سے فرمائی ہے کہ پُوری نوعِ انسانی کو مخاطب کر کے اعلان کیا گیا ہے کہ تم سب ایک ہی جوہرِ حیات "سلالۂ ارضی ۲۳/۱۲ سے پیدا کئے گئے ہو اور تم سب کے سب مساوی طور پر واجب التکریم ہو ۱۷/۷۰ اور اس طرح چونکہ تم سب ایک ہی سطح کے افراد ہو اس لئے زمین میں تمہارا حقِ رہائش بھی مساوی ہے اور حقِ سامانِ زیست (ضروریاتِ زندگی) بھی متوازن و مساوی ہے :۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ اور وہی ہے جس نے پیدا کیا تمہیں سے حقیقت ایک	اور وُہ (اللہ ہی) وُہ عظیم الشان ذات ہے جس نے تمہیں (اے نوعِ انسانی!) ایک ہی جنس کے جوہرِ ارضی سے پیدا کیا ہے
فَمُسْتَقَرٌّ وَّ مُسْتَوْدَعٌ ۙ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ پھر ٹھکانہ ہے اور ضروریاتِ زندگی۔ بیشک کھول کر بیان کی آئتیں	پھر (تم سب کیلئے اس زمین میں ٹھکانہ بھی ہے ۲/۳۶ + ۷/۲۴ اور ضروریاتِ زندگی (کا مساوی حق بھی ۲/۳۶ + ۷/۲۴) ہے
لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ○ ۹۹ واسطے قوم غور کرنیوالوں کے	بیشک ہمنے اپنی آئتوں کو اُس قوم کیلئے جو تفقّہ کرنیوالے ہیں، کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔

● ملہ نفسِ واحدہ کی قرآنی تفسیر کیلئے اُن متبادل الفاظ پر غور فرمائیں جو هُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ کی بجائے سُورہ مومنون میں آئے ہیں :۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۝ ۲۳/۱۲ اور بیشک ہمنے انسان کو مٹی کے سُلالہ یعنی مٹی کے جوہر کی ایک ہی جنس) سے پیدا فرمایا ہے۔ بالفاظِ دیگر وہ جرثومۂ حیات جس سے انسان کی ابتدا کیگئی ہے اُس میں وہ تمام عناصر موجود ہیں جو خداوندِ عالم نے مٹی کے اندر پیدا کر رکھے ہیں۔ مثلاً مٹی میں لوہا ہے سونا ہے چاندی ہے، سیسہ ہے قلعی ہے، نمکیات ہیں، تیزابیات اور چونا وغیرہ جو کچھ بھی ہے انسانی جرثومے میں ان جملہ عناصر کا سُلالہ یعنی اِن سب کا جوہر موجود ہے۔ مذکورہ بالا حقیقت ڈاکٹر صاحبان کے تجربات سے ثابت ہے کہ جب کسی شخص کے جسم میں اِن ارضی عناصر میں سے کسی عنصر کی کمی ہو جاتی ہے تو وہ بیمار ہو جاتا ہے۔ اور ڈاکٹر یہ معلوم کر کے کہ اس بیمار کے جسم میں چونے کی کمی ہوگئی تو اُسے کیلشم کی ٹکیاں دیتا ہے اور اگر لوہا کم ہوگیا ہو تو آئرن ٹیبلیٹس کے ساتھ علاج کرتا ہے۔ ایک تندرُست جسم میں آٹھ سیر پانی موجود ہوتا ہے، اگر یہ کم ہو جائے تو جسم میں پانی پہنچانا لازم ہو جاتا ہے۔

● یہی حالت اِن عناصر کے جوہر (سُلالہ) کی زیادتی کی ہے۔ کہ اگر کوئی عنصر خدا تعالیٰ کی مقررہ مقدار سے بڑھ جائے تو پھر بھی انسان بیمار ہو جاتا ہے اور ایسے مریض کا علاج بڑھے ہوئے عنصر کو کم کر کے متوازن مقدار پر لانا ہے۔ یہ ہے نفسِ واحدہ کی قرآنی تفسیر جو سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ کے الفاظ میں خداوندِ عالم نے خود کر رکھی ہے۔ یعنی نفسِ واحدہ اور سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔

● انسان کی ابتدائی پیدائش کیلئے قرآن مجید میں اور بھی مختلف الفاظ آئے ہیں۔ مثلاً سُورہ الصّٰفّٰت میں ارشاد ہوا ہے اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ۝ ۳۷/۱۱ بیشک انہیں نوعِ انسانی کو) ہمنے چپکی مٹی میں سے پیدا کیا ہے۔ سورہ الحجر میں بتایا گیا ہے :۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ ۱۵/۲۶ انسان کو سڑی ہوئی مٹی کے بدبودار گارے سے پیدا کیا۔ سُورہ الرحمٰن میں ہے :۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۵۵/۱۴ انسان کو آگ میں پکی ہوئی جیسی سڑی ہوئی مٹی سے پیدا کیا۔

● صلصال کا معنٰی ہے سڑی ہوئی مٹی اور فخار کا معنٰی ہے آگ میں پکی ہوئی۔ یہ تعریف ہے اِس مٹی کی جس میں سے انسان کو پیدا کیا گیا ہے کہ یہ زمین پہلے آگ کا گولہ تھی اِس لئے اِس کی مٹی آگ میں پک کر موجودہ صُورت میں آئی تھی۔ اِس سے آگے طین کہتے ہیں پانی ملی مٹی کو۔ اور لازب کا معنٰی ہے لیس دار یعنی چپکنے والی مٹی۔ اِس سے آگے حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ کے الفاظ سے عیاں ہے کہ حَمَا کہتے ہیں کنوئیں کی تہ سے نکالے ہوئے کالے بدبودار کیچڑ کو۔ اور مَسْنُوْن کا معنٰی ہے بُسا ہُوا۔ اِن معنوں کی تصدیق ۲/۲۵۹ میں نہ بُسے ہُوئے کھانے اور پانی کے لئے یہ الفاظ آئے ہیں :۔

● فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۲/۲۵۹ اپنے کھانے اور پانی کی طرف دیکھ کہ وہ بُسا نہیں ہے۔ پس محولہ بالا آیات مجیدہ ۳۷/۱۱ + ۱۵/۲۶ + ۵۵/۱۴ کے مطابق جس مٹی سے نوعِ انسانی کو پیدا کیا گیا تھا اُسکی حالت یہ ثابت ہُوئی کہ زمین، آگ کا گولہ تھا اُس سے زمین سڑ کر صلصالٍ کالفخّار ہُوئی پھر اس پر پانی برسا تو طینٍ لازب بنی پھر اُس پر جب سُورج کی گرمی نے اپنا اثر کیا تو بُسا ہُوا کیچڑ حَمَاٍ مَّسْنُوْن بنا۔ اور اس میں سے سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ کے ایک ہی جنس کے جرثومہ ہائے حیات، نفسِ واحدہ خداوندی قانون کے مطابق اُس شکل و صُورت میں نمودار ہُوئے جو خلاقِ عالم نے اُس کے اندر محفوظ کر رکھی تھی۔

● جس طرح سائنسی مشاہدات کے مطابق، بڑھ کا اتنا بڑا پُورا درخت اپنی جڑوں، تنے، ٹہنوں، ٹہنیوں، پتّوں اور پھل سمیت بڑھ کے رائی کے دانے جتنے بیج کے اندر موجود ہوتا ہے۔ اُسی طرح انسان کے خورد بینی جرثومے کے اندر اسکا پُورا جسم آنکھوں کانوں دانتوں بالوں مُنہ ناک بازوؤں ٹانگوں وغیرہ معہ اندرونی مشین دل، دماغ، پھیپھڑے جگر معدہ انتڑیاں وغیرہ سب کچھ موجود ہے۔

● اس سے آگے پُورے کرۂ ارض پر جہاں جہاں مٹّی، صلصالٍ کالفخار، طینٍ لازب بن کر حمأٍ مسنون کی صورت میں پدیدار ہو کر بُس گئی وہاں وہاں سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ، انسانی جرثومۂ حیات بُسے ہُوئے گارے میں پیدا ہُوئے اور اپنی اوّلین ماں زمین کے شکمی مراحل طے کر کے کرۂ ارض کے مختلف مقامات پر ہر برِّاعظم میں بہت سے مرد اور عورتیں عالمِ وجود میں آئے۔ اس ابتدائی کثرتِ پیدائش کی خبر سُورہ اعراف میں بالفاظِ ذیل دیگئی ہے:۔

● وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۷/۱۱ اور بیشک ہمنے تم بہت سوں کو پیدا کیا، پھر تم بہت سوں کی صورتیں بنائیں، پھر ہمنے ملائکہ کو حکم دیا کہ سب نوعِ آدم کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤ۔ پھر سب سجدہ ریز ہو گئے مگر ابلیس نہ ہُوا ــــ اس آئت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ ابتدائی تخلیق ایک شخص کی نہیں تھی بلکہ مرد عورتیں بہت سے اشخاص کی تھی۔ اِس سلسلے کا آخری سوال یہ ہے کہ جب ۷/۱۱ کے مطابق ابتدا میں بہت سے مرد عورتیں پیدا کئے گئے تھے تو پھر مِنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ کے الفاظ کیوں لائے گئے ہیں۔ جواباً عرض ہے کہ ۷/۱۱ کے مطابق یہ تصوّر تو کسی بھی صُورت میں پیدا نہیں ہو سکتا کہ ابتدا میں صرف ایک فرد پیدا کیا تھا اور اُس کی بیوی اُس کی پسلی سے نکالی گئی تھی۔ پھر وہ روزانہ شوہر سے دو بچوں کا حمل اُٹھاتی بھی تھی اور دو بچے روزانہ جنتی بھی تھی العیاذُ باللہ!۔ بلکہ یہاں نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ صفت موصوف ہے اور اس میں تنوین تعریفِ جنس کی ہے۔ یعنی بہت سے مرد عورتیں کرۂ ارض پر ایک ہی جنس جوہرِ ارضی سے پیدا کئے گئے تھے۔ سُورہ نسأ اور سُورہ اعراف میں نفسِ واحدہ میں مذکر مونث کی موجودگی کی خبر دیگئی ہے۔ ارشادِ باری ہے:۔

● يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا

كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً ۴/۱ = اے نوعِ انسانی کے مردو اور عورتو! اپنے رب کی رُبوبیّت کی مخالفت سے بچو، جس نے تم کو ایک ہی جنس (زمینی جوہرِ حیات سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۲۳/۱۲) سے پیدا کیا اور اُسی جوہرِ ارضی، جرثومۂ حیات میں اُس کا جوڑا (مذکر و مونث) پیدا کیا۔ اور اُن دونوں صنفوں مذکر و مونث میں سے بہت سے مرد اور بہت سی عورتیں پیدا کرکے زمین میں پھیلا دئیے۔

کیا ہر بیوی اپنے شوہر میں سے نکلی ہوئی ہے؟

● اور خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا میں جو ھا ضمیر برائے نفسِ واحدہ آئی ہے اُسکا معنی جنسِ واحد کیا گیا ہے اور اُسکا معنی یہ ہے نوعِ انسانی کو جنسِ واحد پیدا فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے نوعِ انسانی کا جوڑا بھی اُسکے اندر رکھدیا ہے یعنی جوہرِ ارضی کے واحد جنس کے جرثومۂ حیات میں مذکر و مونث بننے کی صلاحیت رکھدی گئی ہے۔ مگر روائتی تفاسیر نے نفسِ واحدہ سے مُراد لیا ہے حضرت آدم سلامٌ علیہ۔ اور خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا میں زوج بمعنی بیوی کا لیکر یہ تصوّر پیدا کیا ہے کہ حضرتِ آدم کی بیوی حضرتِ حوّا اُن کے اپنے آپ میں سے نکالی گئی تھی۔ لیکن اگر خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا سے مذکورہ روائتی مفہوم لیا جانا صحیح تسلیم کیا جائے کہ نوعِ انسانی کے فردِ اوّل کی بیوی اُن میں سے نکالی گئی تھی تو سُورہ روم اور سُورہ شوریٰ کی شہادت کے مطابق یہ ماننا پڑے گا کہ ہر شخص کی بیوی اُسی میں سے نکالی جاتی ہے۔ سورہ روم میں ارشاد ہُوا ہے :۔

● وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا ۲۱/۳۰۔ دیکھئے نفس بمعنی اپنا آپ کیمطابق اِس کا مفہوم یہ ہے کہ :۔ اور اللہ کی نشانیوں میں ایک نشانی یہ ہے کہ اُس نے تمہارے لئے ہر ایک کے اپنے آپ میں سے تمہاری بیویاں پیدا کی ہیں۔ اِسی طرح سُورہ شوریٰ میں ارشاد ہُوا ہے :۔

● فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا ۴۲/۱۱ روائتی ترجمہ نفس بمعنی اپنے آپ اور ازواج بمعنی بیویاں کے مطابق اس آیتِ مجیدہ کا معنی بھی یہ بنتا ہے کہ (اللہ تعالیٰ) آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنیوالا ہے اس نے تمہارے ہر ایک کے اپنے آپ میں سے تمہاری بیویاں پیدا کی ہیں۔ تو اب بتائیے کہ بات کیا بنی؟ اگر ان آیتوں میں نفس بمعنی اپنا آپ لیا جائے تو خلافِ حقیقت ہے کیونکہ کوئی شخص بھی دنیا میں ایسا موجود نہیں، جس کی بیوی اُس میں سے نکالی گئی ہو۔ اِس لئے روائتی تراجم نے ان آیتوں ۲۱/۳۰ اور ۴۲/۱۱ میں اَنْفُس کا معنی جنس لکھا ہے چنانچہ مولوی اشرف علی تھانوی اور ڈپٹی نذیر احمد اور دیگر مترجمین نے ۲۱/۳۰ کا معنی لکھا ہے :۔ اُس (اللہ) نے تمہارے لئے تمہاری جنس کی بیویاں بنائیں۔ اور ۴۲/۱۱ کا معنی لکھا ہے :۔ اُس نے تمہارے لئے تمہاری جنس کے جوڑے بنائے پس یہاں جُملہ مترجمین نے تسلیم کیا ہے کہ ۲۱/۳۰ اور ۴۲/۱۱ میں اَنْفُس کا معنی اپنا آپ نہیں بلکہ جنسِ آدم ہے۔ اسی طرح سلسلۂ درس کی آیت نمبر ۶/۹۹ میں بھی نفسِ واحدہ کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ نفسِ واحدہ میں سے اُس کی بیوی نکالی گئی تھی بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُس کا جوڑا ابتداءِ آفرینش ہی میں اُسکی جنس کا ٹھرا دیا تھا۔ اوپر ۷/۱۸ کے مطابق بتایا جا چکا ہے

کہ ابتداء میں ایک نفس نہیں پیدا کیا گیا تھا، بلکہ بہت سے افراد پیدا کئے گئے اور سب کے جوڑے اُن کی اپنی الگ جنس آدم میں سے ہی پیدا کئے گئے تھے۔ اگر نفسِ واحدہ سے مُراد حضرتِ آدم نبیؑ اور اُن کی بیوی اُن سے نکالی گئی مانی جائے تو ۷/۱۹۰ کے مطابق معاذ اللہ استغفر اللہ ثم معاذ اللہ استغفر اللہ اللہ تعالیٰ کے پہلے نبی حضرت آدم ہی مشرک ٹھہرتے ہیں:۔

● سُورہ اعراف میں آیا ہے:۔

● هُوَ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا ۖ فَلَمَّا تَغَشَّاهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيفًا فَمَرَّتْ بِهِ ۖ فَلَمَّا أَثْقَلَت دَّعَوَا اللَّهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ آتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ۝ فَلَمَّا آتَاهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهُ شُرَكَاءَ فِيمَا آتَاهُمَا ۚ فَتَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝ ۷/۱۸۹ - ۱۹۰ - اگر روائتی تصوّر کے مطابق نفسِ واحدہ سے مُراد حضرتِ آدمؑ اللہ کے اوّلین نبی لئے جائیں تو ان آئتوں کا معنی یہ بنتا ہے:۔

● وہی ہے جس نے تم کو نفسِ واحدہ (حضرتِ آدمؑ) سے پیدا کیا اور (اُس کی بیوی حوّا) اُسی میں ٹھہرائی (اُسی میں سے نکالی) تاکہ وہ اسکے ساتھ سکون حاصل کرے۔ پھر جب اُس نے اُسے (بیوی کو) ڈھانپا تو اُس نے ہلکا سا حمل اُٹھالیا۔ اور اُسکے ساتھ چلتی پھرتی رہی۔ پھر جب وہ بوجھل ہوگئی تو (میاں بیوی) دونوں نے اللہ تعالیٰ اپنے رب کے حضور میں دُعا کی کہ اگر تو ہمیں تندرست بیٹا دے گا تو ہم تیرے شکر گزار ہونگے۔ پھر جب اُس نے انہیں تندرست بیٹا عطا کیا تو اُن دونوں (میاں بیوی) نے اُس میں جو اللہ نے اُن دونوں کو (بیٹا) دیا تھا، اللہ کا شریک ٹھہرالیا۔ لوگ جس میں اللہ کے شریک ٹھہراتے ہیں اللہ تعالیٰ اُس سے بلند و بالا ہے۔ (اُس کا کوئی شریک موجود تک ہے ہی نہیں۔

● نفسِ واحدہ سے حضرت آدمؑ مراد لینے سے اُن میں سے نکالی ہُوئی بیوی حضرت حوّا ثابت ہوتی ہیں۔ اسطرح اُن دونوں میاں بیوی کے متعلق ثابت ہوتا ہے کہ جب حضرتِ حوّا کو پہلا ہلکا سا حمل ہُوا تو اُسکے کامل اظہار پر دونوں نے دعا کی کہ بارِ الٰہا! اگر تو ہمیں صحتمند بیٹا عطا فرمائے تو ہم تیرے شکر گزار ہوں گے۔ لیکن ہُوا یہ کہ جب اللہ تعالیٰ نے اُنہیں تندرست بیٹا عطا فرمایا تو دونوں میاں بیوی (یعنی معاذ اللہ استغفر اللہ حضرت آدمؑ و حوّاؑ) نے اللہ کیساتھ شریک کیا۔ اسی ناگفتنی تصوّر کو شاہ عبد القادر دہلوی کے موضح القرآن کے الفاظ میں مترجم قرآن مجید کے حاشیوں پر معاذ اللہ استغفر اللہ بالفاظِ ذیل نقل کیا گیا ہے۔ اسوقت ہمارے سامنے انجمن خدام الدّین کا مترجم قرآنِ عزیز موجود ہے جس پر ربطِ آیات کے نام سے مولوی احمد علی صاحب مرحوم کا حاشیہ بھی ہے اور موضح القرآن کے نام سے شاہ عبد القادر کی تفسیر بھی موجود ہے۔ اِسکے صفحہ ۸۸ پر درج موضح القرآن کا اقتباس دو حصّوں میں پیش خدمت ہے:۔

(ا) "بعض کہتے ہیں کہ حضرت آدمؑ و حواؑ پر گزرا کہ جو اوّل حمل ہوا، ابلیس ایک مردِ نیک کی صورت میں آیا اور ڈرایا کہ تیرے پیٹ میں کچھ بلا ہے۔ جب دونوں دُعا کرنے لگے تب یہ کہا کہ میری دُعا سے یہ بلا بدل کر بیٹا پیدا ہوگا اُس کا نام رکھیو عبدالحارث۔ حارث شیطان کا نام تھا۔ وہی کیا۔ اِس قصّے میں پیغمبروں سے شرک ثابت ہوتا ہے، یا اس آئت میں عام مرد و عورت کو فرمایا۔ آدمؑ حواؑ کو نہیں گو اوّل ذکر اُن کا ہو چکا۔"

(نوٹ) دیکھئے یہاں تک متکلم کی ضمیر زندہ و بیدار ہے۔ وہ حقیقتِ حال کی متلاشی ہے۔ چنانچہ حضرتِ آدم و حوّا کی طرف منسوب کردہ شرک کو کہتی ہے یہ غلط ہے۔ یہ خبر حضرت آدم کی نہیں بلکہ عوام کے مشرک مرد عورتوں کی ہے۔ یہاں تک تو اللہ کے اوّلین پیغمبر کو مُشرک ٹھہرانے سے انکار کر دیا گیا ہے۔ لیکن اسی اقتباس کے دوسرے حصّے میں ایک عجیب انداز کے ساتھ پھر آپ ہی کو مُجرم ٹھہرا دیا ہے۔ چنانچہ اقتباس کے اگلے دوسرے حصّے میں لکھا ہے:۔

(۲)

(اا) یا یُوں کہئے کہ کچھ انسانوں میں (شرک) ہونا مقدر تھا جو حضرتِ آدم میں اوّل ظہور پکڑ گیا۔ اِس میں وہ نمونہ تقدیر تھے۔ اولاد کے گناہ اُن میں نظر آئے، جیسے کہ آئینے میں صُورت۔ چنانچہ نفس کی خواہش اور اللہ کی بے حکمی اور کہکر بھول جانا اور دیگر مُنکر ہونا، یہ سب اولاد کی خوئیں اِن (آدمؑ و حوّاؑ) میں نظر آگئیں۔ (موضح القرآن شاہ عبدالقادر مرحوم کے اقتباس کے دونوں حصّے ختم ہوئے) اپنے مترجم نسخہ کے حاشیے پر ملاحظہ فرمائیں۔

● اِس اقتباس میں حضرت آدم و حوّا پر شرک کا الزام کھل کر لگا دیا گیا ہے۔ بلکہ نام نہاد تقدیر کے چکّر کے نام سے آپ پر نفس کی خواہش، اللہ کی بے حکمی یعنی نافرمانبرداری، کہکر بھول جانے اور دیگر مُنکر ہو جانے کا الزام اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر کا چکّر چلا کر منسوب کر دیا ہے کہ یہ سب کچھ اُن سے اللہ تعالیٰ نے کروایا (العیاذُ باللہ!) لیکن مولوی احمد علی صاحب مرحوم اِسی صفحہ ۲۸۸ کے حاشیے پر ربطِ آیات کے ضمن میں ربط آئت نمبر ۱۸۹ میں لکھتے ہیں:۔

"تمام انسانوں کا باپ اور ماں ایک ہے دونوں بزرگوں نے ولدِ صالح کی دعا فرمائی۔ لہٰذا جس طرح غفلت میں شیطان نے اِن دونوں یا بقول بعض مفسران حضرت، حوّا کو بہکایا تھا۔ اِسی طرح ہر بنی آدم کو غفلت کی حالت میں وہ انہیں اپنے قابو میں لا سکتا ہے"۔ اِس سے آگے:۔

● ربط آئت نمبر ۱۹۰ میں مولوی احمد علی صاحب مرحوم نے لکھا ہے۔ "بعض حضرات مفسرین کا خیال ہے کہ بچّے کا نام عبدالحارث (شیطان کا بندہ) حوّاؑ نے رکھا تھا۔ لیکن چونکہ اِسکے ذمہ دار حضرت آدمؑ ہی تھے۔ اسلئے اللہ تعالیٰ نے شرک کے عتاب میں اُنہیں شامل کیا"۔ —— افسوس ہے کہ محترم لاہوری صاحب مرحوم نے بھی نفسِ واحدہ سے حضرت آدم اور زوج سے حضرت حوّا ہی مراد لیکر حضرت آدم و حوّا پر شرک کا الزام قائم رکھا ہے۔ افسوس!

● آگے بڑھنے سے پہلے اوپر اسی صفحہ پر دیئے گئے موضح القرآن کے اقتباس کے خط کشیدہ الفاظ نمبر ا تا ۴ پر غور فرمالیں۔ جن میں لکھا ہے کہ "اولاد کی خوئیں اُن (حضرت آدم و حوّا) میں نظر آچکیں"۔ دیکھئے! یہ تصوّر کسقدر حقیقت سے ہٹا ہوا ہے

کہ قاعدہ تو یہ ہے کہ ماں باپ کی خوبئیں نطفہ کے ذریعہ اولاد میں منتقل ہوتی ہیں۔ مگر یہاں یہ کہا گیا ہے کہ اولاد کے خوؤں نے باپ وا دامیں ظہور پکڑا (الٹی گنگا پہاڑوں کو جائے)۔

• پھر لکھا ہے کہ اس بت وہ (حضرت آدم وحوا) نمونۂ تقدیر تھے۔ اِس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر خود خدا تعالیٰ نے انسان کی پیدائش سے پہلے ہی اُن کیلئے شرک مقدر کر دیا ہے تو پھر اُنکا شرک کا فعل، عملِ خداوندی ہُوا وہ مجرم کیوں ٹھہرے؟ یا للعجب! حقیقت یہ ہے کہ جب ایک قدم غلط اُٹھ جائے تو اُسکے بعد ہر قدم غلط اُٹھتا چلا جاتا ہے۔ پہلا غلط قدم یہ اٹھ گیا کہ نوعِ انسانی کی پیدائش ایک بُت سے شروع کی گئی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بتکرار ارشاد فرمایا ہے کہ ہمنے انسان کو زمین میں سے پیدا فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہوں تکراری آیات مجیدہ:-

ا۔ هُوَ اَنشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا $\frac{11}{61}$ ہمنے تمہیں زمین میں سے پیدا کیا اور اسی میں آباد کر دیا۔

ب۔ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى $\frac{20}{55}$ ہمنے تمہیں زمین میں سے پیدا کیا ہے، (مرنے کے بعد) ہم تمہیں اپنی زمین میں واپس لوٹا دیتے ہیں اور (قیامت کو) اِسی میں سے دوبارہ نکال لیں گے۔

ج۔ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ $\frac{53}{32}$ وہ (اللہ) خوب جانتا ہے جب تمہیں زمین میں سے پیدا فرمایا تھا اور جب تم اپنی ماؤں کے رحم میں بصورتِ جنین ہوتے ہو۔

د۔ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۙ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا $\frac{71}{17-18}$ اور اللہ نے تمہیں زمین میں سے اُگایا ٹھیک ٹھیک اگانا۔ پھر (تمہارے مرنے کے بعد) تمکو اسی (زمین) میں لوٹا دیتا ہے پھر وہ (قیامت کو) تمہیں دوبارہ زمین میں سے نکال لیگا صحیح صحیح نکال لینا۔

ر۔ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ $\frac{37}{11}$ بیشک انسانوں کو گیلی چکنی مٹی (دلدلی زمین) میں سے پیدا کیا۔ زمین میں سے پیدا کرنے کی درجنوں آیات مجیدہ قرآن بھر میں پھیلی ہوئی ہیں۔ مگر بُت بنا کر نوعِ انسانی کو پیدا کرنے کی کوئی ایک آیت بھی قرآن بھر میں موجود نہیں۔ پس حضرتِ آدمؑ کے بُت بنانے کے تصوّر کا ایک قدم غلط اُٹھ جانے کی بدولت حضرت حوّا کو اُن کی پسلی میں سے نکالنے کا تصوّر کھڑا کرنا پڑا۔ پھر جو حضرت آدم میں سے نکلی تھی وہ بیٹی ہوگی۔ یعنی کرہ ارض پر اوّلین نکاح بیٹی کے ساتھ واقع ہونے کا نظریۂ قائم ہُوا۔ معاذ اللہ! استغفر اللہ! پھر نوعِ انسانی کی اوّلین خاتون کے متعلق یہ بتایا گیا کہ اُسے روزانہ دو بچے جننے بھی ہوتے تھے اور اُس کے بعد روزانہ شوہر سے دو بچّوں کا حمل بھی اُٹھانا ہوتا تھا۔ پھر پُوری نوعِ انسانی بہن بھائی کے نکاحوں سے آگے بڑھی معاذ اللہ! ثُمّ معاذ اللہ! ۔ پس حضرت آدم کا بُت بنانے کا نظریہ تو بذریعہ نصوصِ آیاتِ قرآنیہ غلط ہے۔ نوعِ انسانی زمین سے پیدا کیگئی تھی $\frac{11}{61}$ + $\frac{20}{55}$ + $\frac{53}{32}$ + $\frac{71}{17-18}$ اور کرّہ ارض کے مختلف مقامات پر بہت سے مرد اور بہت سی عورتیں پیدا کر لی گئی تھیں $\frac{7}{11}$ اِس پر قرآنِ کریم نے یہ زندہ جاوید دلیل دی ہے:-

● وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ۳۰/۲۲ اور اُس اللہ کی نشانیوں میں سے پیدا کرنا آسمانوں کا اور زمین کا اور اختلاف تمہاری بولیوں (زبانوں) کا اور تمہارے رنگوں کا کہ زمین کے جس جس خطے میں پیدا ہوئے اُسی خطے کی آب وہوا کے مطابق رنگ پایا۔ خطِ استوا کے گرد شدید گرم زمین سے پیدا ہونیوالے لوگ کالے سیاہ ہیں، منطقہ معتدلہ کے گندمی اور منطقہ باردہ یعنی ٹھنڈی زمین میں سے پیدا ہونیوالے لوگ گورے سفید۔ اور اسی طرح جہاں جہاں پیدا ہوئے وہاں وہاں اپنی الگ الگ زبانیں وضع کر لی گئیں۔ فَاعْتَبِرُوْا يٰاُولِي الْاَبْصَارِ۔

(نوٹ) پیچھے صفحہ ۲۲۷ - ۲۲۸ پر نقل کردہ سلسلۂ درس کی آیت نمبر ۹۹ کے ضمنی نوٹ ۱ متعلقہ نفسِ واحدہ کی تفصیل میں ہم دور نکل آئے ہیں۔ نفسِ واحدہ سے مراد حضرتِ آدم نہیں بلکہ پوری نوعِ آدم کا واحد نوعی جرثومۂ حیات مُراد ہے جو زمین میں موجود جملہ عناصر کا جوہر ہے۔ اب اسی آیت نمبر ۹۹ کے صفحہ ۲۲۷ پر دیئے گئے باقی ضمنی نوٹ بالترتیب ملاحظہ فرمائیں:۔

● ۲ فَمُسْتَقَرٌّ میں لفظ مُستقر کا سہ حرفی مادہ ہے ق۔ ر۔ ر = قرر جس کا مصدری معنٰی ہے قرار پکڑنا۔ ٹھکانہ کرنا، اور اسکے اسمی معنے ہیں ٹھکانہ، قرارگاہ، مکان۔ یہاں پر فِی حرفِ جار محذوف ہے جو ۲/۳۶ + ۷/۲۴ میں مظہر مذکور ہے:۔ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ = اور اے نوعِ انسانی تم سب کے سب کیلئے آخری دم تک کیلئے زمین میں حقِ استقرار بھی مسلّم ہے اور حقِ ضروریاتِ زندگی بھی مسلّم ہے۔ پس یہاں آیت زیرِ بحث ۶/۹۹ میں بھی تقدیرِ کلام یہ ہے:۔ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ۔ پس فَمُسْتَقَرٌّ کے الفاظ میں پوری نوعِ انسانی کا پیدائشی حق بتایا گیا ہے کہ اس کا کوئی فرد کرایہ دار نہیں ہونا چاہیئے، ہر کسی کا مکان بلا کرایہ میسّر ہونا چاہیئے۔ یہ ذمّہ داری مرکزی حکومت کی ہے ۲۲/۴۱۔

● ۳ اسی ضمن میں وَمُسْتَوْدَعٌ کا لفظ لایا گیا ہے۔ اِس کا سہ حرفی مادہ ہے و۔ د۔ ع = ودع جس کا بُنیادی معنٰی ہے سُکھ آرام اور مصدری معنٰی ہے سُکھ آرام، امن سے رہنا۔ اسلئے مُسْتَوْدَع ظرفِ مکان کا معنٰی ہے سُکھ اور آرام کی جگہ۔ جو صرف اُسی معاشرہ میں میسّر آتی ہے جہاں پوری نوعِ انسانی کے ضروریاتِ زندگی کے بنیادی پیدائشی حقوق قانوناً متوازن ومساوی تسلیم کئے گئے ہوں۔ پس مستودع سے پوری نوعِ انسانی کا ضروریاتِ زندگی کا متوازن ومساوی حق ثابت ہے، جیسے کہ ۲/۲۹ میں ارشاد ہُوا ہے:۔ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۲/۲۹ اے نوعِ انسانی! وہ اللہ ہی وہ عظیم الشّان ذات ہے جس نے زمین میں جو کچھ بھی پیدا کیا ہے، وہ سب کا سب تم سب کے سب کیلئے پیدا فرمایا ہے۔ اِس آیت مجیدہ لَكُمْ کی ضمیر جمع مخاطب میں پوری نوعِ انسانی مراد ہے اور جَمِيْعًا کے لفظ میں کھول کر بتایا گیا ہے کہ زمین میں پیدا کردہ ہر چیز تم سب کے سب یعنی پوری نوعِ انسانی کے لئے ہے یعنی زمین

کی جملہ نعمتوں کا ہر فردِ انسانی کو میسّر آنا ہر فردِ انسانی کا پیدائشی حق ہے۔

● مستقرّ اور مستودع کے یہی الفاظ سورہ ھود میں ہر جاندار کے پیدائشی حقِّ رزق کا اعلان کرنے کے بعد لائے گئے ہیں :- وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۞ ۱۱/۶ = اور نہیں ہے زمین میں کوئی بھی جاندار مگر سب کیلئے (رزق کے سامان پیدا کرنا) اللہ تعالیٰ کے ذمّہ ہے اور وہ اللہ خوب جانتا ہے اُس کے رہنے کی جگہ کو اور وہ اُس کے سونپے جانے کی جگہ کو بھی خوب جانتا ہے۔ یہ سب کچھ بصورتِ مشہود اسکی کھلی کتاب کائنات میں موجود ہے۔

حیوانات کا حصولِ رزق

● اس آئتِ مجیدہ ۱۱/۶ میں اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ ہر کسی جاندار کا رزق اللہ کے ذمّہ ہے اِس تصوّر کے مطابق کیا کسی کو حصولِ رزق کیلئے کوئی کوشش نہیں کرنی چاہیئے؟ واضح رہے کہ مَا مِنْ دَآبَّةٍ میں ہر جاندار شامل ہے اور رزق سے متعلقہ اعلان كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ کے الفاظ میں کر دیا ہے کہ ہر جاندار کے رزق کی ذمّہ داری کا مشاہدہ اُسکی کھلی کتابِ کائنات میں موجود ہے۔ مثلاً جنگل میں ہر صبح کو ہر جاندار روزی کی تلاش میں نکل پڑتا ہے۔ چڑیا، کوّے، فاختائیں، بلّیاں کتّے، حتّٰی کہ چیونٹیاں تک رزق کی تلاش میں کوشاں ہو جاتے ہیں۔ جنگلی جانور شیر، چیتے، بھیڑیئے، لومڑ، گیدڑ شکاری جانور بھی تلاشِ رزق میں نکل پڑتے ہیں اِسی طرح ہرن، جنگلی بکرے اور جنگلی گائیں سب کے سب خود تلاشِ رزق کرتے ہیں۔

● خدا تعالیٰ نے اپنی رزق کی ذمّہ داری کے مطابق ہر قسم کے جنگلی جانوروں کیلئے جنگل میں اُن کے رزق کے سامان مہیّا کر دیئے ہیں۔ شکاری جانوروں کیلئے جنگل میں شکار کا سامان موجود ہے۔ غیر شکاری جانوروں کیلئے جنگل کی وسیع و عریض چراگاہیں اللہ تعالیٰ کا بچھا ہوا دسترخوان ہے، مگر ہر جانور کو حصولِ معاش کے لئے خود اُٹھنا، جنگل میں جانا اور خوراک حاصل کرنا ہوتی ہے۔ پس رزق کے اللہ کے ذمّہ ہونے اور كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ کی عملی شکل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کے لئے سامانِ رزق مہیّا کر دیا ہوا ہے مگر اس کے حصول کے لئے ہر جاندار کو خود کوشش کرنا ہوتی ہے۔

● لیکن اِن جنگلی جانوروں میں سے جن جانوروں یعنی گائیں، بھینسیں، گھوڑے، گدھے، بھیڑ بکریاں وغیرہ جن جانوروں کو انسان نے جب اپنے فائدوں کیلئے جنگل سے لاکر کھونٹے پر باندھ لیا ہے۔ تو مشاہدہ گواہ ہے کہ اب اُنکے متعلق خدا تعالیٰ کی ذمّہ داری ختم ہو چکی اب اِن کھونٹوں سے بندھے ہوئے جانوروں کو چارہ اور پانی دینا کھونٹے پر باندھنے والے کے ذمّہ آچکا ہے۔ اگر کھونٹے پر بندھی ہوئی گائیں بھینسیں اور باڑوں میں ڈھکی ہوئی بھیڑ بکریوں کی خواہ بھوک پیاس کی بدولت بالشت بھر لمبی زبانیں نکلی ہوئی ہوں یا خواہ وہ بھوک پیاس کی شدّت کی بدولت دم تک کیوں نہ توڑ دیں انسان ہی دانہ پانی دیتا ہے نہ کہ اللہ۔

انسانوں کا حصولِ رزق

• بالکل یہی حالت ہے حضرتِ انسان کی کہ ابتداء میں غاریں اسکا مسکن تھا اور آم انار انگور شہتوت انجیر زرد آلو آلوچے خوبانیاں اور ناشپاتیاں وغیرہ درختوں کے سینکڑوں قسم کے پھل اور خربوزے تربوز، ککڑیاں اور کھیرے متعدد قسم کے زمینی پھل اسکی خوراک تھی۔ اسکے بعد غاروں سے نکل کر میدانوں کی کھلی فضا میں آیا تو پہلے پہل درختوں کے نیچے بسیرا کیا اور اس کے بعد کچی جھونپڑیاں بناکر قبائلی زندگی شروع کی اور آہستہ آہستہ اچھی قسم کے مکان بنانے لگا۔ حتیٰ کہ اس تکلیف کے دفعیہ کے لئے ریاستی نظام کی ضرورت پیش آئی کہ طاقتور افراد کمزوروں کا مال اسباب چھین کر لے جاتے مگر کمزوروں کی دادرسی کا کوئی ذریعہ موجود نہ تھا۔ ان ضروریات کے ماتحت ریاستی نظام عالمِ وجود میں آیا۔

• بڑھتی ہوئی آبادی کی غذائی ضرورتوں کے لئے باری تعالیٰ نے زراعت کیلئے وافر رزق کی فراہمی کے عام ذرائع مُہیا کر رکھے ہیں۔ زمین کے اندر فصلوں کو اگانے کی خصوصیت مہیا کردی ہوئی ہے۔ فصلوں کو بڑھانے اور پکانے کیلئے سُورج کی بہت بڑی بھٹی دہکا رکھی ہے۔ پھر موسموں کی تبدیلی اور رات دن کے بدل بدل کو لانے کا انتظام کیا مختلف موسموں کی مختلف فصلوں کو اگانے اور پکانے کے لئے انتظام کر رکھا ہے۔ فصلوں کو سیراب کرنے کیلئے بارشیں اور دریا موجود ہیں۔ فصلوں کو بارشوں کے ساتھ بھی سیراب کیا جاسکتا ہے اور دریاؤں سے نہریں نکال کر بھی یہ ضرورت پوری کی جاسکتی ہے۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کی رزق کی ذمّہ داری کہ اگرچہ اُس نے حصولِ رزق کے سارے سامان مہیّا کر دئے ہیں مگر حصول رزق کے سامان مکمل کرنے کے باوجود ہل چلانا، فصلیں بونا، کاٹنا اور گاہنا حضرتِ انسان کا اپنا کام ہے۔

• اِس سے آگے یَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا کے الفاظ میں ہر جاندار کی رہائش کو جاننے کی خبر دی گئی ہے۔ پرندے درختوں پر رہتے ہیں اُنکی رہائش کے لئے درخت مہیّا کر دئے گئے ہیں۔ لیکن گھونسلا بنانا یہ اُن کا اپنا کام ہے۔ جنگلی جانور غاروں یا خود کھودی ہوئی کھچاروں میں رہتے ہیں۔ اُن کے لئے بنی بنائی بےتقریلی غاریں بھی مہیا کردی گئی ہیں اور نرم زمین بھی۔ اسکے علاوہ انسان کو چونکہ ترقی پسند پیدا کیا ہے جو نہ غاروں پر اکتفا کرسکتا ہے نہ کچے کوٹھوں اور نہ عام پختہ مکانوں پر۔ اسلئے خلّاقِ عالم نے اِس بھری کائنات میں اسکی تسکینِ ضروریات کیلئے کچی مٹی کے گارے کے علاوہ اُس کے لئے سیمنٹ بجری اور لوہا وغیرہ ہر چیز کا اہتمام کردیا گیا ہے۔ نئی سے نئی اور اعلیٰ سے اعلیٰ بلڈنگوں کا مشاہدہ، کائنات کی کھلی کتاب میں موجود ہے۔

• مُسْتَوْدَعَهَا میں مستودع کا سہ حرفی مادہ و۔ د۔ ع ہے جس کے بنیادی معنے ہیں کسی چیز کو نہایت آسانی کیساتھ چھوڑ دینا۔ اِسی لئے کسی مقام سے بطریقِ احسن چلے جانے کیلئے بھی ودع ہونے کے الفاظ آتے ہیں اور اہلِ مقام یا اہلِ خانہ کا اپنے مقام یا اپنے گھر سے بحُسن وخوبی مہمان کو رخصت کرنے کو ودع کرنا کہا جاتا ہے۔ اور اُس وقت مہمان کو خدا کے سپرد کرتے ہوئے کہا جاتا ہے فی امان اللہ۔ مستودع کا لفظ اسم مفعول واحد مذکر بھی ہے اور ظرفِ مکان بھی ہے دیکھئے

قاموس القرآن صفحہ ۵۱۲) یعنی اس کا معنی سونپا ہوا بھی ہے اور سونپے جانے کی جگہ بھی ہے۔ سابقہ مفسرین نے مستقر کا معنی لیا ہے ماں کا پیٹ جہاں بچہ صرف ۹ ماہ رہتا ہے، قرار پکڑتا ہے اور لفظ مستودع کا معنی لیا گیا ہے قبر جس کو میت سونپی جاتی ہے۔ چونکہ یہ الفاظ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا کے تحت يَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا کی صورت میں آئے ہیں اس لئے اپنے اپنے بنیادی معنوں کے مطابق ہر دآبہ کے رزق اور رہائش سے متعلق ہیں۔ اس لئے مستقر اور مستودع کا معنی ماں کا پیٹ اور قبر صحیح نہیں ہے بلکہ زمین کے ہر جاندار کی زمینی زندگی میں اس کی ضروریات رہائش اور خوراک کو اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری قرار دینے کی خبر دی گئی ہے۔

● نیز اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کے مسئلہ مستقر اور مستودع کو سمجھنے کیلئے اعلان کر دیا ہے كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ یہ زمین کے ہر جاندار کے مستقر (رہائش گاہ) اور مستودع (سونپے جانے کی جگہ) کا مشاہدہ کائنات کی اس کھلی ہوئی کتاب میں موجود ہے۔ بالفاظ دیگر مشاہدہ بتا رہا ہے کہ خلاقِ عالم نے کس طرح ہر جاندار کے مستقر کا مسئلہ حل کر دیا ہوا ہے اور کس طرح بعض جاندار انسانوں کو سونپے گئے ہیں اور انسان ریاستی نظام کو سونپے گئے ہیں۔ غور فرمائیں کہ گائیں بھینسیں، بھیڑ بکریاں اور گھوڑے گدھے وغیرہ سب جنگلی جانور ہیں، جو جنگل سے نکال کر انسان کو سونپے جا چکے۔ یہ جانور جب تک جنگل میں تھے۔ خدا تعالیٰ کی رزق کی ذمہ داری یہ تھی کہ اس نے چراگاہیں اور چشمے پیدا کر رکھے ہیں۔ یہ خود رزق کی تلاش میں نکلتے اور کھلی چراگاہوں سے پیٹ بھرتے اور قدرتی چشموں سے سیراب ہوتے تھے۔ لیکن جب حضرتِ انسان نے انہیں اپنی ذمہ داری میں لے لیا اور اپنے کھونٹے پر باندھ دیا تو اب ان کے رزق کی ذمہ داری انسان کے ذمہ آئی، اس کو سونپی گئی۔ اب ان کے لئے چارہ لانا اور ان کے آگے ڈالنا، خود انسان کا کام ہے اگر کبھی ایسا ہو کہ کوئی گائے بھینس دھوپ میں بندھی ہو۔ پیاس کی شدت سے اس کی بالشت بھر زبان نکلی ہوئی ہو۔ مالک صحن کو تالہ لگا کر چلا گیا اور بھول گیا ہو کہ اس کا جانور دھوپ میں بندھا ہوا ہے۔ تو ایسا کبھی نہیں ہوا کہ اس جانور کو اللہ تعالیٰ پانی پلا دے یا چارہ کھلا دے۔ خواہ وہ تڑپ تڑپ کر جان دے دے۔ وہی شخص اسے چارہ کھلائے گا اور پانی پلائے گا جس نے اسے اپنے کھونٹے پر باندھا ہوتا ہے۔ یہ ہے کھونٹے پر بندھے ہوئے جانوروں کا مستودع (یعنی ان کے سونپے جانے کی جگہ۔

● یہی حال ہے ریاستی کھونٹوں کا، کہ ہر ریاست کے عوام الگ الگ ریاستی کھونٹوں پر بندھے ہوئے ہیں۔ یہ ان کا مستودع ہے۔ وہ ہر ریاست کے جائز و ناجائز ٹیکس ادا کرتے ہیں۔ ریاست کا ہر حکم ماننے کیلئے مجبور ہوتے ہیں۔ جس طرح گائیں بھینسوں گھوڑوں گدھوں کو کھونٹے پر باندھنے والا نہ صرف ان سے کام لینے اور فائدہ اٹھانے کا حقدار ہے، بلکہ ان کے رزق و رہائش دونوں کا ذمہ دار بھی ہے، اسی طرح ہر ریاستی نظام، ریاستی کھونٹے پر بندھے ہوئے عوام سے نہ صرف ٹیکس وصول کرنے اور اپنا ہر حکم منوانے کا مستحق ہے بلکہ ہر فرد ریاست کی ضروریاتِ زندگی رہائش، خوراک لباس علاج

اور تعلیم کا ضامن بھی ہے کہ وُہ ایسا نظام قائم کرے جس کی کم از کم یہ حالت ہو کہ اُس کے اندر نہ کوئی بھُوکا ہو نہ ننگا' اور نہ کوئی بے مکان (یعنی کرایہ دار) اور نہ بے علاج و بے تعلیم ہو۔

مُستودع کا متداول قرآنی مفہوم

• واضح رہے کہ قرآن فہمی کے قرآنی اصولِ تعریفِ آیات کی رُو سے مستودع کا مذکورہ معنی ہی صحیح ہے سونپے جانے کی جگہ، کیونکہ اِسکا متداول لفظ $\frac{۲}{۳۶}$ + $\frac{۷}{۲۲}$ کے دو مقامات پر مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ کے انداز میں مَتاع بمعنی ضروریاتِ زندگی موجود ہے۔ اور یہاں مُسْتَقَرٌّ وَّ مُسْتَوْدَعٌ آیا ہے۔ اُوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ فردِ ریاست کی ضروریاتِ زندگی کی ذمہ داری ریاستی نظام کی ہے، جس نے زمین کا انتظام سنبھال رکھا ہوتا ہے کیونکہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت میں زمین ہی کے ذریعہ نعماءِ خداوندی عطا (مرحمت) کئے جانے کی خبر دی گئی ہے:-

وَهُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ
اور وہی ہے جو نازل کرتا ہے آسمان سے پانی

فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ
پھر نکالتے ہیں ہم ساتھ اسکے اُگنے والی ہر چیز کی پھر نکالتے ہیں ہم سے اسکے

خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ
سبزہ نکالتے ہم سے اسکے دانے تہ بتہ سوار اور سے درخت کھجور

مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ
سے شگوفے گچھے جھکے ہوئے اور باغات سے انگور کے

وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ
اور زیتون اور انار باہم ملتے جلتے اور نہ ملتے جلتے

اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ۭ اِنَّ
غور کرو طرف پھل اسکے جب وہ پھلتا ہے اور پکنے اسکے بیشک

فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○ ۱۰۰
بیچ مذکورہ بیان البتہ نشانیاں ہیں واسطے قوم ماننے والی

اور وہ (اللہ ہی وہ عظیم الشان ذات) ہے جو آسمان سے پانی نازل کرتا ہے[1]۔ پھر ہم اُس کے ساتھ ہر قسم کی نباتات پیدا کرتے ہیں۔ پھر ہم نکالتے ہیں اُس سے سبزہ۔ نکالتے ہم (ہر قسم کی اجناس کے) دانے جو ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور کھجور کے درختوں سے اُن کے شگوفے نکالتے ہیں جھکے ہوئے گچھوں کی صورت میں۔ اور (ہم اُس پانی کے ساتھ) باغات پیدا کرتے ہیں انگوروں کے اور (روغنی ضروریات کیلئے) زیتون کے درخت، سے (یہ سب اناج اور میوے) آپس میں ملتے جلتے بھی ہوتے ہیں اور نہ ملتے جلتے بھی ہوتے ہیں۔ (رنگوں میں بھی اور ذائقوں میں بھی متماثل اور غیر متماثل)۔

اور غور کرو (اناج کے پودوں اور پھلدار درختوں کے) پھلوں پر جب وہ پھل لاتے ہیں[2] اور (غور کرو) اُس کے پکنے پر[2]۔ بیشک مذکورہ بالا بیان میں ماننے والی قوم کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں[3]۔

• ۱؎ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً میں اَنْزَلَ فعل ماضی ہے۔ لیکن قواعدِ عرب کے مطابق اللہ تعالیٰ کے قوانینِ جاریہ کا ذکر اگرچہ ماضی کے صیغے میں بیان کیا جائے مگر اُسکا معنی مضارع حال جاریہ کی صورت میں کیا جاتا ہے۔ اِسلئے اَنْزَلَ کا صحیح معنی ہے وہ اللہ ہی ہے جو آسمان سے پانی نازل کرتا ہے۔

• ۱۲۵ بارش کے پانی کے ساتھ اناج اور میوے پیدا کرنے کی خبر دینے کے بعد دعوت دی گئی ہے : اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ۔ غور کرو کہ اناج کے پودے کس طرح پھل دیتے اور پھلدار درخت کس طرح میووں سے لد جاتے ہیں۔ یہ بھی سب کچھ اُسکے قوانین جاریہ کے مطابق ہوتا ہے کہ زمین اچھی، بیج صحتمند اور فصل کے جملہ لوازمات مہیا کئے جائیں تو فصل عمدہ اور زیادہ ہوتی ہے۔ اور اگر زمین ناقص یا بیج بیمار بو دیا جائے تو اناج نہ اچھا پیدا ہوتا ہے نہ بافراط۔

• ۱۲۶ وَيَنْعِهٖ کے الفاظ میں اِس چیز کی طرف دعوت تفکّر دیگئی ہے کہ دیکھو پھر جب فصلوں اور درختوں میں پھل لگتا ہے تو اسوقت کچا اور سبز ہوتا ہے، پھر وہ کس طرح پک کر سنہری رنگت اختیار کرتا ہے۔

• ۱۲۷ اِنَّ فِىْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ کے جملہ مبارکہ میں دعوت دیگئی ہے کہ زیرنظر بحث کے ہر لفظ میں اُس قوم کیلئے جو کتابِ الٰہی پر ایمان لانیوالی ہے بہت سی نشانیاں ہیں۔ مثلاً سب سے اوّل آسمان سے بارش برسانے کی خبر میں یہ مشاہداتی نشانات موجود ہیں کہ سورج کی تمازت کے ساتھ سمندروں، دریاؤں، نہروں، جھیلوں اور جوہڑوں کا پانی ہر آن بخارات بن کر اڑتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ یہ آبی بخارات اِس فضاءِ بسیط میں ہوا کا جزوِ مخصوص بنتے رہتے ہیں۔ جب یہ چھوٹے چھوٹے آبی قطرے ٹھنڈے منطقے میں پہنچتے ہیں تو آپس میں مل کر جب بوجھل ہو جاتے ہیں تو بارش کی صورت میں برس پڑتے ہیں۔

• بارش کے برسنے کی متعدد وجہوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ زوردار گرمی کے دنوں میں جس طرح کسی خطّے میں زمین کی ہوا گرم ہو کر ہلکی ہو جاتی ہے تو وہ اُوپر کو اٹھ جاتی ہے۔ اور اس خلا کو پُر کرنے کیلئے سمندر کی ٹھنڈی نمناک ہوا زور سے آتی ہے اور پہاڑوں سے ٹکرا کر برس پڑتی ہے۔

• دوسرے نمبر پر آئت زیربحث میں بارش کے پانی کیساتھ مُردہ زمین کو زندہ کرنے اور اُسکے ساتھ ہر قسم کا اناج اور پھل پیدا ہونے اور پھر سورج کی تمازت کیساتھ اُن کے بڑھنے اور پکنے پر دعوتِ تفکّر دیگئی ہے کہ اُن مخفی قوانین کا سراغ لگایا جائے کہ فصلیں کیوں خراب ہو جاتی ہیں۔ اور درختوں کے پھل کیوں پکنے سے پہلے ہی خراب ہو کر جھڑ جاتے ہیں۔ جن قوموں نے اِس قرآنی دعوت پر لبیک کہہ کر قوانینِ جاریہ کے مخفی راز معلوم کر کے انہیں اپنا لیا ہے وہ ایک ایک موسم میں دو دو تین تین بھرپور فصلیں حاصل کر رہے ہیں۔ اور اُن کے باغوں کے میوے انتہائی مثالی مقدار میں پھل دے رہے ہیں اور یہ سلسلہ تاحال مزید ترقی پذیر ہے۔ گندم کی بڑھتی ہوئی پیداوار ، قرآن کریم کی خبر کے مطابق ایک ایک دانے کے سات سات سو دانے مطابق $\frac{۲}{۲۶۰}$ پیدا ہوتے ہیں۔ نیز سبع یعنی سات کا عدد عربی زبان میں مبالغہ کے لئے بھی آتا ہے، اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر دعوتِ خداوندی کے مطابق زمینی پیداوار کے منبعِ خداوندی قوانین کے مخفی رازوں کو معلوم کرنے کی کوشش بدستور جاری رہی تو ایک ایک دانے کے بدلے ان گنت دانے میسّر آیا کریں گے، سات سو کا عدد مبالغہ کے لئے آیا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے مُردہ زمین کو زندہ کرنے اور فصلوں کو صحتمند اور بے انتہا کثیر مقدار میں عطا کرنے کیلئے اُوپر سے بارش

کے قطروں میں ہائیڈروجن اکسائیڈ، امونیا اور کاربن ڈائی اکسائیڈ جیسی گیسیں پیدا کرنے کا انتظام کر رکھا ہے جو بارش کے قطروں میں جذب ہو جاتے ہیں۔ یہ گیسیں پیدا ہوتی ہیں مویشیوں کے گوبر پیشاب اور انسانی بول و براز سے اور ذبح کردہ جانوروں کے خون اور مردہ جانوروں کے گوشت اور عام گندگی کے گلنے سڑنے سے، اور ان کے گلے سڑے اجزا سے قسم قسم کے کھاد تیار ہوتے ہیں۔

● ان فصلوں اور پھلوں کو پکانے کیلئے سورج جیسی عظیم بھٹی کا دہکانا بھی جو ہر چیز کی زندگی کیلئے لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتی ہے اِس پر بھی دعوتِ تفکر دی گئی ہے۔

سائنسی معلومات کو نہ ماننے والے اور ان پر عمل نہ کرنیوالے ان سے کوئی فائدہ نہیں پا سکتے

● آیت مجیدہ زیر بحث کے اخیر میں جو کہا ہے کہ ان چیزوں میں نشانیاں اُس قوم کے لئے ہیں جو اِن کو ماننے والے ہیں۔ کہ کائنات کے اس گوشے سے بھی اللہ تعالیٰ کے مقررہ قوانین کے مطابق ہی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے اِس کے برعکس جو لوگ پھلوں اور فصلوں کی روز افزوں افزائش کے قانونِ خداوندی پر ایمان نہیں لاتے اور صرف یہ کہتے ہیں کہ خدا کی قدرت ہے کہ اس سال فصل ماری گئی ہے۔ وہ لوگ اتنا بھی نہیں جانتے کہ اللہ کی قدرت تو اللہ کے خود متعینہ قوانین ہیں۔ جب ہم سے غیر شعوری طور پر ان کے مطابق عمل ہو جاتا ہے تو اللہ کی قدرت سے وافر فصل حاصل ہوتی ہے اور جب اُن کی مخالفت ہو جاتی ہے، تو فصل ماری جاتی ہے یا بہت کم ہوتی ہے۔

غیر اللہ کو اللہ کا شریک ٹھہرانا

● مذکورہ بالا قوانینِ خداوندی سے بے خبری کا نتیجہ یہ ہے کہ جب فصل کم ہوتی ہے تو لوگ بھاگتے ہیں پیروں فقیروں اور تعویذ فروشوں کی طرف مگر جن لوگوں نے خدا تعالیٰ کے متعینہ قوانینِ جاریہ کے خلاف محض دعاؤں یا تعویذ گنڈوں کے ساتھ حصولِ مقصد کا تصوّر دے رکھا ہے، یا صرف دعاؤں اور دم چھو کو قوانینِ خداوندی کا بدل بنا کر پیش کر دیا ہے، اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے شریک قرار دیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے متعینہ قوانین کے خلاف ایسے لوگوں سے حصولِ مقصد کے لئے رجوع کرنے والوں کو مشرک قرار دیا ہے۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ ان شریک ٹھہرانے والوں نے بعض لوگوں کو اللہ کے بیٹے قرار دے رکھا ہے اور بعض کو بیٹیاں۔ غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے بیٹوں کی سفارش تو رد نہیں کرے گا۔ دیکھئے ارشادِ باری ہے۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ اور ٹھہرائے واسطے اللہ کے شریک چھپنے والوں کو اور پیدا کیا ان کو وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ سُبْحٰنَهٗ اور ٹھہرائے واسطے اس کے بیٹے اور بیٹیاں بغیر جاننے کے پاک ہے وہ	اور (انہوں نے) اللہ کے لئے شریک جنّوں کو (جو عموماً نگاہوں میں چھپے رہتے ہیں) حالانکہ انہیں اُس نے پیدا کیا ہے (اللہ نے) اور خود انہوں نے لاعلمی کیساتھ (بعض نے مسیح و عزیز کو بطور) اللہ کے بیٹے ٹھہرا لیا ہوئے اور بعض نے (لات عزّی کو بطور ...) ۵۴/۲۰

وَتَعَالٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ ۱۰۱ ع ۱۲/۱۸ | کو) اُسکی بیٹیاں ۔ پاک ہے وہ اور بلند شان ہے اس سے جو صفات وہ بیان کرتے ہیں ۔

اور بلند شان اس سے جو صفات بیان کرتے ہیں

جنوں کی بحث

● ۱۰۱ جنوں کے متعلق مشہور ہے کہ وہ دکھائی نہیں دیتے ۔ قرآن مجید میں اس چیز کا کوئی ذکر اور اشارہ تک موجود نہیں ۔ پھر اگر ایک سیکنڈ کیلئے تسلیم بھی کر لیا جائے کہ کوئی اتنی بے وقوف مخلوق دنیا میں موجود ہے کہ جب کوئی عورت انکے باورچی خانے میں پیشاب کرنے لگتی ہے تو اُسے منع نہیں کرتے کہ بی بی یہ ہمارا باورچی خانہ ہے، یہاں پیشاب نہ کر ۔ مگر جب وہ پیشاب کر دیتی ہے تو اسے چمٹ جاتے ہیں ۔ اور خلوت نشینوں کی چاندی ہو جاتی ہے جو جن نکالنے کا دھندا شروع کئے ہوئے ہوتے ہیں ۔ حقیقتِ حال یہ ہے کہ اگر کوئی نہ دکھائی دینے والی مخلوق ہے تو یہ امر صد فیصد ناممکن ہے کہ اُن کا باورچی خانہ اور ان کے برتن بھی دکھائی نہ دیں ۔ پھر اُن کے بدن کے کپڑے بھی دکھائی نہ دیں نیز اُن میں سے مسلمانوں کی مسجدیں اور کافروں کے بُت خانے بھی دکھائی نہ دیں ۔

● عربی زبان میں لفظ جن کا سہ حرفی مادہ ج ۔ ن ۔ ن جنن ہے اسکا بنیادی معنی ہے، چھپا ہوا یا چھپ جانے والا ۔ عربی زبان میں دیہاتیوں کو اسلئے جن کہتے ہیں کہ وہ شہروں میں آتے اور چلے جاتے چھپ جاتے ہیں ۔ حضرت سلیمانؑ کے پاس کام کرنے والے غیر ملکی کاریگروں کو جو آپ کے ہاں ڈاٹ دار عمارتیں، نقشے، تالابوں جتنے بڑے بڑے پانی کے ٹینک اور ایک ہی جگہ پر پڑی رہنے والی بڑی بڑی دیگیں بناتے تھے ۳۴/۵ ۔ اُنہیں بھی اسلئے جن کہا گیا ہے کہ وہ آتے اور چلے جاتے چھپ جاتے تھے ۔ اُن میں سے جو کوئی حضرتِ سلیمانؑ کی قانون شکنی کرتے اُنہیں سخت سزا دی جاتی تھی ۳۴/۴ ۔ اُنہیں لوہے کی زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا تھا ۳۸/۳۸ ۔ پس یہ بھی غلط ہے کہ جن شکلیں بدل لیتے ہیں ورنہ قیدی جن مکھی مچھر بن کر نکل جاتے ۔ مزعومہ جنوں کے عدم وجود کا ناقابلِ تردید ثبوت یہ ہے کہ اگر وہ موجود ہوں تو اُن کے جسم کے کپڑے، اُن کے برتن انکی مسجدیں اُن کے بت خانے ضرور دکھائی دینے چاہئیں ۔ چونکہ ایسا نہیں ہے اِس لئے مزعومہ جنوں کا کوئی وجود موجود نہیں ۔

فَاعْتَبِرُوْا يٰاُولِي الْاَبْصَارِ ۔

● آیتِ زیرِ بحث میں اُن لوگوں کو جن کہا گیا ہے جن سے لوگ مدد مراد مانگتے ہیں ۔ وہ اپنی خلوتگاہوں میں چھپے رہتے ہیں اور لوگوں کا مال کھانے کے لئے دم جھو، تعویذ دھاگا وغیرہ کے ذریعہ لوگوں کے حاجت روا بنے ہوتے ہیں ۔ ان کے علاوہ ہر وہ لوگ جن ہیں جو خود آرامگاہوں میں چھپے رہتے ہیں اور عوام کی کمائی پر عیش کرتے ہیں یہی حال جاگیرداروں، زمینداروں اور مل مالکوں کا ہے کہ جلتی ہوئی دھوپ میں کھیتوں اور کارخانوں میں کام کرتے ہیں مزارعے اور مزدور مگر اُن کی خون پسینے کی کمائی پر عیش اڑاتے ہیں آرامگاہوں میں چھپ کر بیٹھنے والے جاگیردار، زمیندار اور مل مالک ۔ نیز ملا اور پیر جو حجروں میں چھپے رہتے ہیں اور سادہ لوح عوام کی کمائی پر پلتے ہیں، وہ بھی اسی ضمن میں آتے ہیں ۔ نفسِ امارہ بھی چھپا ہوا جن ہے جس نے بزبانِ حال کہا کہ مجھے آگ سے پیدا کیا گیا ہے ۔ غصے کی آگ اِسی کا حصہ ہے ۔

اِنسان جنّ

● اسی سورہ انعام زیرِ نظر میں آگے آرہا ہے :- وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۶/۱۱۳ — اور اسی طرح ہمنے شہری اور بدوی شیطانوں کو ہر ایک نبی کے دشمن پایا تھا جو عوام کو دھوکا دینے کیلئے آپس میں ایک دوسرے کے ذہن میں ملمع کی ہوئی باتیں ڈالتے ہیں (یعنی ایسی جھوٹی باتیں جن کے ظاہری چیستانیات پر وہم زدہ قوم کو خوب لوٹا جا سکے۔ اِس آئت مجیدہ میں دیہاتی اور شہری دونوں قسم کے علمائے پیر مراد ہیں جو نالائی کہانیاں اور تراشیدہ کراماتیں ایک دوسرے کے کانوں میں پھونکتے اور سادہ عوام کو سُنا سُنا کر اُن کی جیبیں کاٹتے ہیں۔ اور یہ شیاطین الانس والجن نوعِ بشری ہی کے شہری اور بدوی شیطان ہیں۔ فَافْهَمُوا وَتَدَبَّرُوا۔

شہروں اور دیہاتوں کے جنّ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور ایک دوسرے سے فائدے اُٹھاتے ہیں۔

● اِسی سُورہ مجیدہ الانعام کی آئت نمبر ۱۲۹ میں آگے آرہا ہے کہ قیامت کو جنّ وانس کو کہا جائیگا :- يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ۶/۱۲۹ = (قیامت کے دن کہا جائیگا) اَے گروہ جنّوں کے (یعنی خانقاہ نشینوں اور حجرہ نشینوں کے) تم نے (سادہ لوح) انسانوں سے بہت فائدہ اٹھایا۔ تو انسانوں میں سے جنّوں کے دوست یہ کہیں گے کہ اَے ہمارے پروردگار ہمارے بعض نے بعض سے فائدہ اٹھایا یہانتک کہ ہم پر (موت کی وہ) گھڑی آگئی جو تُو نے ہمارے لئے مقرر کر رکھی تھی۔ اس آئت مجیدہ کے مطابق ہمارا سوال یہ ہے کہ دیہاتیوں اور شہریوں کے سوا اور کونسے جنّ و انسان ہیں جو ایک دوسرے سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

مجرم انسان جنّوں کے ہاں جاکر پناہ بھی لیتے ہیں۔

● حضرت موسیٰ کی امّت کے وہ یہودی جنّ جنہوں نے آنحضور سے قرآن سُنا اور دیہاتی یہودیوں میں جاکر تبلیغ کا کام شروع کر دیا، اُن کے متعلق سُورہ احقاف میں درج ہے :- وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ۝ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ۴۶/۲۹–۳۰ = اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب (اَے رسولؐ) اللہ تعالیٰ آپ کی طرف دیہاتی یہودیوں (جنّوں) کے ایک گروہ کو پھیر لایا۔ جب (آپ کے درس میں) حاضر ہوئے تو ایک دوسرے کو کہا کہ سنو اور جب درسِ قرآن ختم ہو گیا تو بُرے اعمال سے ڈراتے ہوئے قوم کی طرف مُڑ گئے اور یہ کہا کہ اے ہماری قوم بیشک ہمنے ایک کتاب سُنی ہے جو (تورات کی پیشگوئی کے مطابق) موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرنیوالی ہے اور سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرنیوالی ہے۔

● اِسی دیہاتی انسانوں (جنّوں) کا قول سُورہ جنّ میں درج ہے :- وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ

بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۲۲/۶ اور (انہوں نے کہا) یہ کہ انسانوں میں سے کچھ مجرم مرد جنّوں (دیہاتیوں) کے جنّ مردوں سے پناہ لیتے ہیں۔ پھر وہ پناہ دینے والے جن (دیہاتی لوگ پناہ دے کر) انہیں ان کی سرکشی میں اضافہ کر دیتے ہیں ۔۔۔ بالفاظِ دیگر شہروں میں جرم کر کے شہری مجرم (انسان) دیہاتی جرائم پیشہ افراد جنّوں کے ہاں جا کر رُوپوش ہو جاتے ہیں۔ اور جب کبھی خرد بُرد کرا لیا جاتا ہے تو پھر شہر میں آ دھمکتے ہیں۔ ان آیات کریمات میں بھی جنّ و انسان نوعِ آدمی کے دو حصے ہیں دیہاتی اور شہری۔

جنّ سواریوں کے محتاج ہیں • جنّوں کے متعلق یہ تصوّر بھی از روئے قرآن غلط ہے کہ جنّ یہاں سے ہاتھ بڑھا کر کشمیر کے باغ سے سیب توڑ کر لے آتے ہیں۔ کیونکہ سورہ الرحمٰن میں جنّوں اور انسانوں دونوں کو مخاطب کر کے کہا ہے:۔۔ وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ۔ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۔ ۵۵/۲۴-۲۵ اور اللہ تعالیٰ کے جہاز جو سمندر میں پہاڑوں کی طرح (چلتے ہیں) پھر اے جنّ و انسان تم دونوں اللہ تعالیٰ کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے ۔۔۔ اس آیت مجیدہ پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر جنّوں کی راہ میں کوئی دریا اور سمندر حائل ہی نہیں، یعنی وہ ہاتھ بڑھا کر لندن اور واشنگٹن سے ضرورت کی چیزیں لا سکتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کے ساتھ ساتھ جنّوں کو کشتیوں اور جہازوں کا احسان جتانا بے معنی ثابت ہوتا ہے، حالانکہ ایسے فعل و عمل سے اللہ تعالیٰ پاک و منزہ ہے۔

جنّوں اور انسانوں کی خوراک ایک ہے • سورہ الرحمٰن ہی میں ارشاد ہوا ہے:۔۔ وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ۔ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ۔ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ۔ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۔ ۵۵/۱۰-۱۳ اور اللہ تعالیٰ نے زمین کو مخلوق کیلئے بنایا ہے۔ اس میں میوے ہیں اور گابھوں والی کھجوریں ہیں۔ اور بھُس والے غلہ جات ہیں اور خوشبو والے پھول موجود ہیں۔ پھر اے جنّ و انسان تم دونوں اللہ تعالیٰ کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے ۵۵/۱۰ تا ۱۳ اِن آیات مجیدہ سے ثابت ہے، انسانوں کی طرح جنّوں کی خوراک بھی غلّے اور پھل ہیں۔ ہڈیاں، کوئلے اور لید گوبر کو جنّوں کی خوراک تسلیم کرنا خلافِ قرآن ہے۔ کیونکہ ہر قسم کے غلّے اور پھل وغیرہ کا ذکر کرنے کے بعد جن و انسان دونوں کو ارشاد ہوا کہ تم دونوں ہماری اِن نعمتوں کو استعمال کرتے ہو۔ تم دونوں اللہ تعالیٰ کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ اگر جنّ ہڈیاں کوئلے اور لید گوبر کھاتے ہیں تو انہیں گندم چاول، آم، انار، انگور وغیرہ کا احسان جتانے کے کیا معنے؟ جنّ و انسان کے ایک ہی نوعِ آدم ہونے کے دلائل سے قرآن کریم بھرا پڑا ہے۔ بہت سے دلائل میں سے چند ایک پیش خدمت ہیں۔ سلسلۂ درس کی آیت بالا ۶/۱۰۱ میں بتایا گیا ہے کہ لوگوں نے حجرہ نشینوں اور خلوت نشین حضرات کو خدا تعالیٰ کے شریک بنا رکھا ہے، یعنی جو کام اللہ تعالیٰ کے متعینہ قوانین جاریہ پر عمل کرنے سے انجام ہوتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم وہ کام دم جھاڑ تعویز گنڈوں وغیرہ سے کر دیتے ہیں۔ اور ساتھ

ہی نجات کیلئے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور بیٹیاں بنا رکھی ہیں۔ اِن میں سرِ فہرست ہیں یہود و نصاریٰ جنہوں نے حضرات عُزیر و مسیح سلام علیہما کو خدا کے بیٹے قرار دے رکھا ہے اور بہر بُت پرستوں نے بہت سی دیویاں بنا کر انہیں اللہ کی بیٹیاں ٹھہرا لیا ہُوا ہے۔ اُن کی غرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کی سفارش رد نہیں کرے گا اور بلا اعمال صالح ہماری اُخروی نجات ہو جائے گی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اگلی آیت مجیدہ میں اپنے لئے بیٹوں اور بیٹیوں کی نفی اِس طرح کر دی ہے کہ خود اُس کے ہاں بھی اُس کے قانونِ زوجیت کے بغیر بیٹا نہیں ہو سکتا ؛۔

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ[1]
اکیلا بنانیوالا آسمانوں اور زمین کا۔ کس طرح ہوگا واسطے اسکے

وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ[2] وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ
بیٹا جبکہ ہرگز نہیں واسطے اسکے بیوی۔ اور پیدا کیا ہر چیز کو

وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ[3] ۝ ۱۰۲
اور وہ ہر چیز کو خوب خوب جاننے والا ہے

(اللہ وُہ ہے جو) آسمانوں اور زمین کو پہلی مرتبہ اکیلا ہی بنانیوالا ہے۔ اُس (اکیلے) کے بیٹا کس طرح ہو سکتا ہے جبکہ اُسکی بیوی ہی ہرگز نہیں ہے۔ (بیٹے کیلئے زوجیت کا قانون اُس کا اپنا مقرر کردہ ہے) حقیقت یہ ہے کہ وہ ہر چیز کو خوب خوب جاننے والا ہے۔ (اُس نے ہر قانون اپنے علمِ کامل کے مطابق متعین فرمایا ہے)۔

اولاد کیلئے زوجیت کا قانون خود اللہ تعالیٰ کا متعین فرمودہ ہے

● ۱ے لفظ بدیع اللہ تعالیٰ کیلئے صفت مشبہ بصیغہ واحد لائی گئی ہے۔ اور مفہوم یہ ہے ، اسکا بنیادی معنیٰ ہے کسی چیز کو از سرِ نو پیدا کرنا۔ پس ظاہر ہُوا کہ اِتنی بڑی کائنات تو اللہ تعالیٰ اکیلے نے بنا ڈالی ہے مگر اُس کے اکیلے کا بیٹا نہیں ہو سکتا کیونکہ اُس کا اپنا متعینہ قانون بیٹے کیلئے زوجیت کا قیام ہے۔ مگر چونکہ اُس کی کوئی جنس ہی موجود نہیں اسلئے نہ اُسکی بیوی ہے اور نہ اُس کے ہاں بیٹا پیدا ہو سکتا ہے۔

● ۲ے لَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ کے جملہ مبارکہ میں مضارع پر لَمْ داخل ہُوا ہے۔ اِسے فعل ماضی جحد بلم کہا جاتا ہے جو تاکید در تاکید کا فائدہ دیتا ہے۔ یعنی اللہ کی بیوی ہے ہی نہیں۔ ہرگز ہرگز نہیں۔

● ۳ے وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ کے الفاظ میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو قوانینِ جاریہ اِس کائنات میں متعین فرمائے ہیں، بغیر جانے بُوجھے متعین نہیں فرمائے۔ وہ تو ہر چیز کو خوب خوب جاننے والا ہے۔ اِس لئے اُس کے متعین فرمودہ قوانین میں کبھی بھی نہ کوئی کمی اور بیشی ہے کہ کل کو اُن میں ترمیم و تنسیخ کی ضرورت لاحق ہو جائے۔ یعنی اُس کے متعینہ قوانین قیامت تک کے بدلتے ہُوئے حالات کا بدستور ساتھ دیتے چلے جائیں گے۔ المختصر! باری تعالیٰ نے اپنے آپ کو بھی اپنے متعینہ قوانین کا پابند ثابت کر کے اپنے دعووں کی تصدیق فرما دی ہے ؛۔

● لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۱۰/۶۴ = اللہ تعالیٰ کے قوانین کیلئے بدلنا ہے ہی نہیں۔

• لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۶/۱۱۶ = اللہ تعالیٰ کے قوانین کو کوئی بدلنے والا ہے ہی نہیں۔
• مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۵۰/۲۹ میرا قانون خود میری طرف سے بھی نہیں بدلا جاتا۔
• چنانچہ سلسلۂ درس اگلی آئت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے مذکورہ بالا صفات والا یعنی اپنے قانون کو خود بھی کبھی نہ توڑنے والا اللہ پاک ہے تمہارا رب، حاجتروا اور مشکلکشا۔ اس کے سوا کوئی خالق نہیں اُسی کی فرمانبرداری کیا کرو:۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ
مذکورہ اللہ ہے رب تمہارا نہیں لائق حکمبرداری مگر وہی
خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ
پیدا کرنیوالا ہر چیز کا پس حکم مانو اسی کا اور وہی ہے اوپر ہر
شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۱۰۲
چیز کے کارساز

مذکورہ بالا صفات والا اللہ (جو مطلقاً قانون شکن نہیں) تمہارا حاجتروا، مددگار ہے۔ اُس کے سوا (دنیا بھر میں) کوئی فرمانبرداری کے لائق نہیں ہے۔ اور وہ (اکیلا ہی بغیر کسی معاون کے) ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے۔ پس تم صرف اُسی کی فرمانبرداری کرو — اور وہی (اکیلا) ہر چیز کا کارساز ہے۔

اللہ تعالیٰ کو نہ کوئی آنکھ دیکھ سکتی ہے اور نہ کوئی عقل اُسے پا سکتی ہے

• سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ کا تعلق پیچھے آئت نمبر ۱۰۰ کے ساتھ ہے جس میں خبر دیگئی ہے کہ لوگوں نے حجرہ اور خلوت نشینوں کو اللہ کے شریک بنا رکھا ہے۔ اِس حقیقت سے مطلقاً جائے انکار نہیں وہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے اور ہم مریدوں کو دکھا بھی سکتے ہیں۔ سادہ لوح مرید خدا تعالیٰ کو دیکھنے کے شوق میں پیروں کے قدموں پہ مال و دولت نچھاور کرتے اور زندگی بھر اسی چکر میں پھنسے رہتے ہیں۔ لیکن قرآن کریم نے اگلی آئت مجیدہ بالوضاحت اعلان کر دیا ہے کہ خدا تعالیٰ نہ دیکھنے کی چیز ہے اور نہ سمجھنے اور پانے کی۔ انسان کی کیا بساط ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ لے۔ یہ تو ہوا کو بھی نہیں دیکھ سکتا۔ حضرت موسیٰ کتاب لکھوانے کیلئے طور پر گئے تو ساتھیوں کے کہنے پر اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی التجا کر دی رَبِّ اَرِنِيْ ۷/۱۴۳ لیکن جواب ملا لَنْ تَرٰىنِيْ۔ تُو ہرگز نہیں دیکھے گا۔ اِس طرح جب اللہ تعالیٰ کے پاکیزہ نبی اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی تاب نہ لا سکتے تھے تو من وشما کس شمار وقطار میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو نہ دیکھ سکنے کا قرآنی اعلان عام بغور ملاحظہ فرمائیں:۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ
نہیں ادراک کرتی اسکو آنکھیں اور وہ ادراک کرتا ہے

(اس حقیقت کو خوب اچھی طرح سمجھ لو کہ) اُس اللہ کو نہ آنکھیں دیکھ سکتی ہیں اور نہ بصیرتیں اُسے سمجھ سکتی ہیں۔ اور وہ تمام

الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۝ ۱۰۳

آنکھوں کا اور وہ بہت باریک بین بہت باخبر ہے

آنکھوں کو دیکھتا بھی ہے اور تمام بصیرتوں کو سمجھتا بھی ہے۔ اور بہت بڑھکر باریک بین اور بہت بڑھکر خبر والا ہے۔

● اس آیۂ مبارکہ میں ایک مخصوص علمی نکتہ موجود ہے۔ بغور ملاحظہ فرمائیں :۔

● ابصار بصر کی جمع ہے بمعنی آنکھ۔ اور آنکھ کا کام ہے دیکھنا۔ اِسکا کام ادراک وفہم نہیں۔ ادراک دماغ کا کام ہے۔ یہاں ابصار پر مصدر ادراک سے تُدْرِكُ فعل مضارع معروف لایا گیا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ اس آیت کے الفاظ ابصار بصیرت و بصارت یعنی مادہ ب۔ ص۔ ر کے اِن دونوں گوشوں پر حاوی ہیں۔ اور مطلب صاف ہے چونکہ مصدر ادراک کا تعلق دماغ کے ساتھ ہے اسلئے اس مصدر کے مطابق مادہ بصر سے بصیرت مُراد ہے کہ کوئی بصیرت (عقل وفہم) اللہ تعالیٰ کو پا نہیں سکتی، سمجھ نہیں سکتی۔ اور اسی طرح ابصار کا معنیٰ چونکہ آنکھیں ہے، اسلئے اس کا مفہوم یہ ہے کہ آنکھیں اُسے دیکھ نہیں سکتیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ چھوٹے ظرف میں بڑی چیز ہرگز سما نہیں سکتی۔ اِس لئے نہ اس محدود کھوپڑی میں لامحدود ذات آسکتی ہے کہ اُسے سمجھ سکے کہ وہ کیا ہے؟ اور نہ یہ محدود آنکھ جو ہوا تک کو نہیں دیکھ سکتی، اُس انتہائی انتہائی اور بہت بہت بڑھ کر لطیف ذات کو دیکھ سکتی ہے۔

انسان کا اللہ تعالیٰ کیساتھ تعلق محض عبودیت کا ہے

● اب رہا یہ سوال کہ جب ہم خدا تعالیٰ کو نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ ہی وہ احاطۂ ادراک میں آسکتا ہے تو اُس کا اور ہمارا باہمی تعلق کیا ہے؟ اِس کا جواب ۶/۱۰۲ ہی میں موجود ہے :۔ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ = وہ کائنات کی ہر چیز کا خالق ہے۔ وہ تمہارا بھی خالق ہے۔ تم اس کی مخلوق ہو، پس اُس کی فرمانبرداری کرو۔ اُسکا قانون مانو۔ اِسی حقیقت کا اعلان ۵۱/۵۶ میں کیا گیا ہے کہ جن و انسان صرف اور صرف فرمانبرداری کے لئے پیدا کئے گئے ہیں :۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ پس آیات بالا کی رُو سے انسان اس لئے نہیں پیدا کیا گیا کہ حجروں، خلوتگاہوں، غاروں اور جنگلوں میں چلّہ کشی کرتے ہوئے خدا تعالیٰ کو ڈھونڈتا پھرے، بلکہ اُس نے اعلان کر رکھا ہے اِنِّىْ قَرِيْبٌ ۲/۱۸۶ میں قریب ہوں۔ کتنا قریب؟ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ۵۰/۱۶ اور ہم تو اُسکی رگِ جان سے بھی قریب ہیں۔

● پس جو ذاتِ پاک ہر انسان کی رگِ جان سے بھی قریب ہے اُسے جنگلوں اور صحراؤں، پہاڑوں اور غاروں میں ڈھونڈتے پھرنا کہاں کی عقلمندی ہے۔ اہلِ تصوف کی صرف یہ بھول بھلیاں ہیں کہ آؤ ہم تمہیں خدا دکھاتے ہیں یا خدا سے ملاتے ہیں۔ قرآنِ کریم نے جہاں ۲/۱۸۶ + ۵۰/۱۶ میں اعلان کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قریب ہے اور رگِ جان سے بھی قریب ہے اُسی نے مطلع کر دیا ہے کہ انسان خود خدا تعالیٰ سے دُور ہو جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کو اللہ کے قریب ہونے کا ایک اکیلا نسخہ بتا دیا گیا ہے :۔ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۹۶/۱۹ اللہ کا پُورا پُورا فرمانبردار ہو جا اور اُس کے قریب ہو۔

● سطورِ بالا میں واضح کیا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور بندے کا تعلق صرف خالق و مخلوق کا ہے۔ جو اتباعِ قانون پر

قائم رہتا ہے۔ انسان صرف اللہ کی فرمانبرداری کیلئے پیدا کیا گیا ہے تو اسکے باوجود ادھر اُدھر کی باتوں کیساتھ سادہ لوح عوام کو پیری مُریدی کے چکّر میں پھنسانے کی کوششیں بدستور جاری ہیں۔ اِسی لئے اگلی آیت میں ارشاد ہُوا کہ قابلِ قبول صرف دلائل قرآنیہ ہیں :۔

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ
بیشک آئے تمہارے پاس روشن دلائل طرف سے رب تمہارے پھر جو

اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا وَمَآ
سمجھے تو واسطے جان اسکے اور جو اندھا ہوا تو اوپر سے اسکے اور نہیں

اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ○ ۱۰۵
میں اوپر تمہارے نگہبان

(اے رسولؐ! اعلان کر دیجئے گا کہ) بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے (قرآنِ کریم کی صورت میں) روشن دلائل آ گئے ہیں۔ پھر جو کوئی اِسے سمجھے (اور اس پر عمل کرے) تو اس کی جزا اسکے اپنے لئے ہے اور جو کوئی (اس قرآن سے) اندھا ہو جائے اُسکا وبال اسکی اپنی جان پر ہوگا۔ اور میں تم پر نگہبان نہیں ہوں۔

آنحضورؐ بحکمِ خداوندی بذریعہ تصریفِ آیاتِ قرآنیہ درسِ قرآن دیا کرتے تھے

● آیاتِ بالا ۱۰۱/۶ تا ۱۰۵ کو باہم متوصّل کرنے اور ایک کی روشنی میں دوسری آیت پر غور کرنے سے آپ دیکھ چکے ہیں کہ ان میں اُمت کے متعدد پیچیدہ مسائل کا حل دے دیا گیا ہے۔ مثلاً بے باپ کی پیدائش کے ضمن میں زوجیت کا ایسا اٹل قانون کہ بھری کائنات کو اکیلے بنانے والے اللہ کے ہاں بیٹا اسلئے نہیں ہو سکتا کہ اسکی بیوی کوئی نہیں۔ دوسرے نمبر پر خدا تعالیٰ کو ڈھونڈنے اور دیکھنے کیلئے تصوّف کی خاردار وادیوں میں سرگردان پھرنے، خلوت نشینوں کی حاشیہ برداری اور ملّت کے ایک حصّے کو امت پر بوجھ بنائے رکھنے کا وہ دروازہ ہی بند کر دیا گیا ہے کہ وہ تو تنکا توڑ کر دو دانے کریں اور پلنگوں پہ بیٹھے زندگی بھر عیش اڑاتے رہیں - اور اُس اندھیر گردی کی سند قرآنِ کریم سے حاصل کیا کریں۔ اسی کے انسداد کے لئے قرآنِ کریم کو سمجھنے اور پیچیدہ مسائل کا حل تلاش کرنے کا واحد طریقہ آنحضور سلام علیہ کو بتایا گیا ہے تصریفِ آیات قرآنیہ کیساتھ تدبّر کرنا۔ چنانچہ اگلی آیت میں ارشاد ہُوا ہے :۔

وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا
اور اسی طرح ہم پھیر پھیر کر لاتے ہیں آئتیں اور تاکہ وہ کہیں

دَرَسْتَ ۱ وَلِنُبَيِّنَهٗ ۲ لِقَوْمٍ
خوب سمجھایا تو نے اور تاکہ ہم خود اسکی تبین کر دیں واسطے قوم کے

يَّعْلَمُوْنَ ۳ ○ ۱۰۶
جو جاننے والوں کے۔

اور (اے رسولؐ!) اسی طرح (مذکورہ بالا طریقے سے ہم اپنی آئتوں کو پھیر پھیر کر لاتے ہیں۔ (تاکہ آپ تصریفِ آیات کیساتھ درسِ قرآن دیا کریں) اور لوگ کہہ اٹھیں کہ آپ نے خوب خوب سمجھا دیا ہے۱۔ (اور تصریفِ آیات کی دوسری غرض یہ ہے) تاکہ ہم اس (قرآن) کی خود تبین کر دیں۲ اُس قوم کیلئے جو جانتے ہیں کہ (قرآن کی تبین اللہ تعالیٰ نے کر دی ہے۳)

درسِ قرآن بتصریفِ آیات القرآن

● ۱۰۵ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ کا لفظی معنٰی یہ ہے "تاکہ لوگ کہہ دیں، پکار اُٹھیں کہ آپ نے خُوب سمجھا دیا ہے۔" یہ جملہ مبارکہ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ کے بعد آیا ہے کہ ہم اسی طرح اپنی آئتوں کو پھیر پھیر کر لاتے ہیں (تاکہ تصریفِ آیات کی غرض پوری ہو) یعنی درسِ قرآن اور جاننے والوں کیلئے تبیینِ قرآن واضح ہو۔ اس سے ثابت ہُوا کہ آنحضورؐ کی سنتِ مبارکہ تھی تصریفِ آیات کیساتھ درسِ قرآن دینا اور حاضر لوگ طریقۂ تفہیم پر بے ساختہ پکار اٹھتے تھے کہ آپ نے خُوب سمجھا دیا ہے۔

مسئلہ تبیینِ قرآن

● وَلِنُبَيِّنَهٗ کے الفاظ میں تصریفِ آیات کی دوسری غرض یہ بتائی گئی ہے کہ ہم اپنی آئتوں کو پھیر پھیر کر اس لئے لاتے ہیں تاکہ ہر مسئلہ سے متعلقہ آیات مجیدہ کو مختلف انداز و الفاظ کیساتھ لاکر قرآنِ کریم کی تبیین ہم خود کر دیں۔ واضح رہے کہ تبیینِ قرآن کریم کا مسئلہ نہائت اہم بھی ہے، مگر صدیوں سے اُلجھا ہُوا بھی ہے۔ علمی حلقوں میں کہا جاتا ہے قرآنِ کریم کی تبیین، تفصیل اور تشریح آنحضورؐ کے ذمہ ہے۔ اور اس پر سورہ نحل کی آئتِ ذیل پیش کی جاتی ہیں۔

● وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ 16/44۔ اس آئت مجیدہ کا مفہوم عرض کرنے سے پہلے اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ اس آئت میں انزالِ قرآن کی غرض بتائی گئی ہے لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ تاکہ اے رسولؐ آپ لوگوں کے لئے اس کی تبیین کر دیں۔ مگر آئت زیرِ بحث 6/106 میں تصریفِ آیات کی غرض بتائی گئی ہے لِنُبَيِّنَهٗ تاکہ قرآنِ کریم کی تبیین ہم خود کر دیں۔ تو اس طرح دیکھنا یہ ہے کہ 6/106 کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اپنے دعوے کے مطابق قرآنِ کریم کی تبیین خود کر دی ہوئی ہے یا نہیں۔ اگر کر دی ہُوئی ہے تو پھر 16/44 کے الفاظ لِتُبَيِّنَ سے کیا مراد ہے تاکہ یہ تضاد دُور ہو جائے کہ تبیینِ قرآن اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے یا آنحضورؐ کے ذمہ۔

● اس سوال کا جواب اُس شخص کے ذہن میں تو اس کے سِوا نہیں آسکتا کہ جب اللہ تعالیٰ نے 6/106 کے الفاظ لِنُبَيِّنَهٗ میں فریضۂ تبیینِ قرآن اپنے ذمہ لے لیا ہے تو ہو نہیں سکتا کہ وہ وعدہ کر کے اُسے وفا نہ کرے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے 6/106 کے وفاءِ وعدہ کی خبر بھی 2/159 میں کھلے لفظوں میں دیدی ہُوئی ہے، جس سے کوئی اہلِ علم اور اہلِ ایمان انکار نہیں کر سکتا۔ چنانچہ ارشاد ہُوا ہے:- اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۝ 2/159 بیشک ہم نے جو واضح دلائل کے ذریعہ ہدائت نازل فرمائی ہے (قرآن مجید) جو لوگ اُسے اسکے بعد چھپاتے ہیں کہ ہم نے اُس کی تبیین لوگوں کیلئے اپنی کتاب قرآن مجید کے اندر کر دی ہے، یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ بھی اُن سے بیزار ہے اور بیزار ہونیوالے بھی اُن سے بیزار ہیں۔

● دیکھئے! اِس آئت مجیدہ 2/159 میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ ہم نے اپنی واضح دلائل پر مشتمل ہدائت بھری کتاب قرآنِ کریم کی تبیین خود کر دی ہُوئی ہے اور اپنی کتاب قرآنِ کریم کے اندر کر دی ہُوئی ہے۔ اب آیئے آئت مجیدہ 16/44 کی طرف جس کا یہ مفہوم لیا جاتا ہے کہ قرآن مجید کی تبیین اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضورؐ کی ذمہ داری قرار دیگئی ہے۔ لیکن اوّل تو لوگ ایسا تصوّر دینے والے کوئی کتاب پیش نہیں کر سکتے جس میں بائے بِسْمِ اللّٰه سے سینِ والنّاس تک آنحضورؐ کی ہُوئی تبیینِ قرآن موجود ہو۔ بالفاظِ

دیگر ۱۶/۴۴ سے یہ تصور پیدا کرکے کہ قرآنِ کریم کی تبیین آنحضور ﷺ کا فرض قرار دگئی ہے، معاذ اللہ معاذ اللہ! آنحضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا نافرمان ثابت کیا گیا ہے کہ اُنہوں نے اپنا فرض ادا نہیں فرمایا۔ مگر آئت نمبر ۶/۱۰۶ + ۲/۱۵۹ کے مطابق جن میں اللہ تعالیٰ نے اعلان کر رکھا ہے کہ قرآن کریم کی تبیین ہمنے خود اپنی کتاب قرآن مجید کے اندر کر رکھی ہے اور آئت مجیدہ ۶/۱۰۶ کے مطابق جس میں اللہ تعالیٰ نے بتا دیا ہے کہ ہمنے قرآنِ کریم کی تبیین خود بذریعہ تصریفِ آیات کردی ہُوئی ہے۔ آئت مجیدہ ۱۶/۴۴ کا صحیح ترجمہ یہ ہے۔ پہلے اس کا متن ملاحظہ فرمائیں :- وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ٥

(ترجمہ) اور (اے رسول ﷺ!) ہمنے اپنا نصیحت نامہ قرآنِ کریم آپکی طرف اسلئے نازل فرمایا ہے کہ آپ (تصریفِ آیات ۶/۱۰۶ کے ذریعہ اسکی تبیین فرمایا کریں کہ ان کی طرف کیا نازل کیا گیا ہے اور تاکہ لوگ خود بھی اُس پر تفکر کریں (اور پکار اٹھیں کہ آپ نے خُوب خُوب سمجھا دیا ہے پیلم)

● اِسی مفہوم کی وضاحت سورہ نحل کی آئت نمبر ۱۶/۴۴ میں بالفاظِ ذیل بھی موجود ہے :-

● وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ٥ ۱۶/۴۴

اور (اے رسول ﷺ!) ہمنے آپ کی طرف نہیں نازل فرمائی اپنی کتاب مگر صرف اسلئے کہ آپ (بذریعہ تصریفِ آیات ۶/۱۰۶) لوگوں پر کھول کھول بیان کردیں وہ مسائل جن میں لوگ اختلاف کرتے ہیں۔ اُس قوم کیلئے جو ماننے والے ہیں، اِس میں ہدایت بھی موجود ہے اور رحمت بھی موجود ہے۔ واضح رہے کہ :-

● اِن آیاتِ کریمات میں آنحضور ﷺ کے ذمہ لگایا گیا ہے کہ آپ بذریعہ تصریفِ آیات لوگوں کو قرآنِ کریم کی وُہ تبیین بصُورتِ درسِ قرآنِ کریم سمجھائیں جو ۲/۱۵۹ کے اعلانِ خداوندی کے مطابق اللہ تعالیٰ نے خود قرآنِ کریم کے اندر کر رکھی ہے اور ۶/۱۰۶ کے مطابق بذریعہ تصریفِ آیات کر رکھی ہے۔ چنانچہ محوّلہ بالا آیات کریمات کے مطابق آنحضور ﷺ زندگی بھر تصریفِ آیات کے ذریعہ لوگوں کو درسِ قرآن دیتے رہے تھے اور لوگ پکار اٹھتے تھے کہ آپنے خُوب سمجھا دیا ہے وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ ۶/۱۰۶

● تبیینِ قرآن مِنْ جانب اللہ کا اعلانِ عام قرآنِ کریم میں ذیل کے الفاظ میں معمولی تغیّر کیساتھ بتکرارِ کثیر موجود ہے۔

● وَكَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ٥ ۲/۱۸۷ + ۲/۲۲۱ + ۲/۲۴۲ + ۲/۲۶۶ + ۳/۱۰۳ + ۵/۸۹ + ۲۴/۱۸ + ۲۴/۶۱ اور اسی طرح اللہ اپنی آئتوں کی لوگوں کیلئے خود تبیین کرتا ہے تاکہ لوگ ہر قسم کے خطرات سے بچ جائیں۔

قرآن مجید کی تفسیر بھی خود اللہ نے کردی ہے

● سورہ فرقان میں ارشاد ہُوا ہے :- وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ٥ - ۲۵/۳۳ (اے رسول ﷺ!) لوگ آپکے پاس اس قرآن کی مثال ہرگز نہیں لائینگے۔ مگر ہم ہی ہیں جو آپکے پاس حق (قرآنِ کریم) بھی لاتے ہیں اور اسکی احسن تفسیر بھی ہم ہی لاتے ہیں۔ واضح رہے کہ تفسیر اور تشریح مترادف الفاظ ہیں۔ قرآنِ کریم کا مفسّر بھی اللہ تعالیٰ ہے اور شارح

بھی وہ خود آپ ہے ۲۵/۳۲۔

قرآن مجید کی شرح بھی خود اللہ تعالیٰ نے کر دی ہے

● تبیین و تفسیر اور تشریح کے بعد باری آتی ہے قرآن کریم کی شرح کی، اس کے متعلق بھی قرآن کریم نے سورہ شوریٰ میں واضح کر دیا ہے کہ اپنے دین کا شارع بھی خود اللہ تعالیٰ ہے:۔

● شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى ۴۲/۱۳ اُس (اللہ) نے خود شرع کر دی ہے تمہارے لئے اپنے دین کی وہی شرع جس کا حکم نوح کو دیا اور وہی شرع جو (اے رسول!) ہم نے آپ کی طرف وحی فرمائی ہے اور وہی شرع جس کا حکم ہم نے ابراہیمؑ کو، موسیٰؑ کو اور عیسیٰؑ کو دیا تھا۔ اس آیت مجیدہ سے کھل کر ثابت ہو چکا کہ آنحضورؐ سمیت سب کے سب نبیوں کو ایک ہی دین اور اس کی ایک ہی شرع دی گئی تھی۔ اور اپنے دین کا شارع خود آپ اللہ تعالیٰ ہے۔ اسی سورہ شوریٰ میں اللہ کے دین کے غیر اللہ شارعین کو خدا تعالیٰ کے شریک کہا گیا ہے:۔

● اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۴۲/۲۱ کیا لوگوں نے اللہ کے شریک بنا لئے ہیں جو اُن کے لئے دین کی شرع کرتے ہیں جس کی اللہ تعالیٰ نے ہرگز ہرگز اجازت نہیں دی۔ اور اگر (فیصلے کے دن) کا اعلان نہ کر دیا ہوا ہوتا تو دین کے شارع ٹھہرانے والوں کا (فوراً) فیصلہ کر دیا جاتا۔

(نوٹ) واضح رہے کہ سلسلہ درس کی آیت مجیدہ زیر نظر ۶/۱۰۶ کے دو ضمنی نوٹ زیر بحث آ چکے ہیں جن میں درس قرآن بتصریف آیات القرآن اور تبیین و تفسیر اور تشریح و تشریع قرآن کے عنوانات پر مفصل بحث گزر چکی ہے کہ تصریف آیات قرآنیہ کی غرض ہے تبیین قرآن کریم اللہ تعالیٰ نے خود کر دی ہے اور اپنی کتاب کے اندر کر دی ہے۔ نیز ان مسائل تبیین قرآن، تفسیر قرآن اور تشریح و تفہیم قرآن پر سے پردے اُٹھ چکے ہیں کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے خود قرآن کریم کے اندر کر رکھا ہے۔ آیت مجیدہ زیر بحث کے آخری ضمنی نوٹ کی وضاحت باقی ہے ملاحظہ فرمائیں۔

● ۳۔ آیت مجیدہ ۶/۱۰۶ کا آخری جملہ ہے وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ اور تصریف آیات کی دوسری غرض یہ ہے کہ ہم قرآن کریم کی تبیین خود بذریعہ تصریف آیات کر دیں اُس قوم کیلئے جو جانتے ہیں کہ قرآن کریم کی تبیین خود اللہ تعالیٰ نے کر دی ہے اور بذریعہ تصریف آیات کر دی ہے ——— آیت مجیدہ کے ان آخری الفاظ میں اس امر کا اعلان کر دیا ہے کہ قرآن کریم کی تبیین خداوندی سے فائدہ وہی لوگ اٹھا سکتے ہیں جو پہلے یہ تسلیم کریں کہ قرآن کریم کی تبیین خود اللہ تعالیٰ نے کر دی ہے اور کتاب کے اندر کر دی ہے ۲/۱۵۹ اس کتاب لاریب کی تفسیر، تشریح، تشریع اسی کتاب لاریب کے اندر موجود ہے۔ کتاب لاریب کی تفسیر و تبیین کوئی ایسی کتاب ہرگز نہیں کر سکتی جسے لاریب کی خداوندی سند حاصل نہ ہو۔ جو لوگ کتاب لاریب کی تفسیر و تبیین باریب کتابوں میں

سے تلاش کرینگے وہ حقیقتِ قرآنیہ کو ہرگز نہیں پا سکیں گے اور ایسی تفسیروں میں اُلجھ کر رہ جائیں گے جن کا قرآنِ کریم سے ساتھ دُور کا تعلق بھی نہیں۔ جیسے کہ سورہ احزاب کی آئت نمبر ۶۹ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم دیا گیا ہے کہ آنحضورؐ کو اُس طرح ایذا نہ دینا جس طرح بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ کو دی تھی :۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ اٰذَوْا مُوْسٰی فَبَرَّاَہُ اللّٰہُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَکَانَ عِنْدَ اللّٰہِ وَجِیْھًا ؕ ۳۳/۶۹ ایمان والو! اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے موسیٰ کو تکلیف دی پھر اللہ تعالیٰ نے اُس چیز سے موسیٰؑ کو بری کر دیا جو انہوں کہا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑے نیکوکار اور بڑے باوقار انسان تھے۔

● بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ کو جو ایذائیں دیں اُن سے قرآنِ کریم بھرا پڑا ہے۔ فوجی ٹریننگ کیلئے حضرت نے بحکم باری جو غذائیں منّ و سلویٰ کھانے کی پابندی لگائی، اُس کی بجائے گندم، مسور، پیاز، وغیرہ طلب کرنے لگے۔ حضرت موسیٰؑ کو طُور پر کتاب لکھوانے گئے تو یہ لیکر سامری کے بچھڑے کو معبود بنا لیا کہ موسیٰ کا معبود یہی ہے ۲/۸۸ مگر اللہ تعالیٰ نے اُس بچھڑے کو ذبح کرا کے اُن کے بہتان سے حضرت موسیٰ کو بری کر دیا۔ لیکن اس آئت ۳۳/۶۹ کی تفسیر بخاری شریف جلد دوم مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی کے صفحہ ۸۹۵ پر کتاب التفسیر میں یہ لکھی ہے :۔

(اردو ترجمہ) "حضرت ابوہریرہؓ سے روائت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت موسیٰؑ علیہ السلام بہت ہی حیادار اور شرمیلے تھے۔ یہاں تک کہ کسی کے سامنے نہاتے بھی نہ تھے۔ اِسی آئت میں اِسی قصہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے"۔ ذیل کی روائتی تفسیر قرآنی تفسیر کیساتھ محض تقابل کیلئے پیشِ خدمت ہے)۔

پتھر کپڑے لے بھاگا

● یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ قصہ کیا ہے جس کی طرف بخاری شریف کے الفاظِ بالا کے مطابق اشارہ کیا گیا ہے۔ وہ بھی خود بخاری شریف جلد اوّل کے صفحہ ۱۸۴ پر بالفاظِ ذیل موجود ہے :۔

(اردو ترجمہ) "حضرت ابوہریرہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روائت کرتے ہیں کہ آپ فرماتے ہیں بنی اسرائیل برہنہ غسل کرتے تھے۔ ایک دوسرے کو دیکھا جاتا تھا۔ اور موسیٰ علیہ السلام تنہا غسل کرتے تھے۔ تو بنی اسرائیل نے کہا کہ واللہ! موسیٰؑ کو ہم لوگوں کے ہمراہ غسل کرنے سے صرف یہ چیز مانع ہے کہ وہ فتق (خصیہ کی بیماری) میں مبتلا ہیں۔ اتفاق سے ایک دِن موسیٰؑ غسل کرنے لگے اور اپنا لباس پتھر پر رکھ دیا۔ وہ پتھر ان کا لباس لیکر بھاگا۔ اور حضرت موسیٰؑ بھی اُس کے تعاقب میں یہ کہتے ہوئے دوڑتے گئے ثَوْبِیْ یَا حَجَرُ ثَوْبِیْ یَا حَجَرُ۔ اے پتھر میرے کپڑے دیدے۔ اے پتھر میرے کپڑے دیدے۔ یہاں تک کہ بنی اسرائیل نے موسیٰؑ کو دیکھ لیا اور کہا کہ واللہ (موسیٰؑ کو کچھ بیماری نہیں ہے۔ تب پتھر ٹھہر گیا۔ موسیٰ نے اپنا لباس لے لیا اور پتھر کو مارنے لگے۔ ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم (حضرت موسیٰؑ کی مار سے) پتھر پر چھ یا سات نشان اب تک باقی ہیں" یہ ہے نمونہ کتابِ لاریب کی اُس تفسیر کا جو کتبِ باریب سے کیگئی ہے۔

واجب الاتباع صرف قرآنِ کریم

● سلسلۂ درس کی آئت زیرِ بحث ۶/۱۰۶ میں محوّلہ بالا متعدد وضاحتوں کے بعد اگلی

آیت مجیدہ میں آنحضورؐ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ صرف اُس کتاب کی اتباع کیجئے جو آپ کی طرف آپکے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔ اُس کے سوا یا اُسکے ساتھ ساتھ کسی اور کتاب کی اتباع کرنے کو شرک قرار دیا گیا ہے :۔

اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ۚ لَآ
اور پیروی کر جو وحی کی گئی طرف تیری سے رب تیرے نہیں

اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ○ ۱۰۷
حاکم سوائے اسکے اور منہ موڑ لے سے مشرکوں

اور (اے رسولؐ!) پیچھے پیچھے چلئے گا اُس (کتاب) کے جو آپکی طرف آپکے رب کی طرف سے وحی کی گئی ہے۔ اللہ کے سوا کوئی فرمانبرداری کے قابل نہیں۔ اور مشرکوں سے اعراض فرمائیے (جو غیر منزل کتابوں کی پیروی کرتے ہیں اور اللہ کیساتھ غیروں کو حکم شریک کرتے ہیں۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ۗ وَمَا جَعَلْنٰكَ
اور اگر چاہتا اللہ زبردستی نہ شرک کرتے اور نہیں بنایا ہمنے آپکو

عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ○ ۱۰۸
اوپر ان کے نگہبان۔ اور نہیں آپ اوپر اُن کے کارساز

اور اگر اللہ تعالیٰ کا قانونِ مشیّت (زبردستی ہدایت دینا ہوتا تو لوگ شرک نہ کرتے۔ اور ہمنے (اے رسولؐ!) آپکو لوگوں پر نگہبان نہیں بنایا کہ (زبردستی ہدایت دیں) اور نہ ہی آپ لوگوں کے کارساز ہیں (لوگوں کے بگڑے ہوئے کام قانونِ مشیّت کے مطابق سنورتے ہیں)۔

دوسروں کے معبودوں کو بُرا نہ کہو

● مذاہبِ عالم کا قاعدہ ہے کہ جہاں نظریات کا معمولی سا اختلاف پیدا ہوا جھٹ مغلوب الغضب ہوکر آنکھوں پر تعصب کی پٹی باندھ لی اور زبانوں کو بے لگام چھوڑ کر فریق مخالف کی نہ صرف یہ کہ ذاتیات پر کیچڑ اُچھالنا شروع کر دیا بلکہ اُسکے معبودوں اور بزرگوں کو بھی بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ لیکن خدا تعالیٰ نے جیسے کہ پیچھے ۱۰۶/۶ عقل و بصیرت کیساتھ غور و فکر کی دعوت دی ہے۔ اُسی طرح سورہ یوسف میں آنحضورؐ کی سُنت کے مطابق عقل و بصیرت کی اساس پر دعوتِ الی اللہ کا حکم دیا گیا ہے قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣعَلٰي بَصِيْرَةٍ ۱۰۸/۱۲ اے رسولؐ! کہہ دیجئیگا کہ میری سنت یہ ہے کہ میں عقل و بصیرت کی اساس پر اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں اسی طرح :۔

● سورہ نحل میں بھی آنحضورؐ کی سنتِ مبارکہ بتائی گئی ہے :۔ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ۱۲۵/۱۶ (اے رسولؐ!) اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دیجئیگا حکمت کیساتھ اور احسن طریقے کی نصیحت کیساتھ۔

● سورہ طٰہٰ میں حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ کو حکم ہوا :۔ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا ۴۴/۲۰ فرعون کیساتھ نرمی کیساتھ گفتگو کرنا۔

● سورہ احزاب میں حکم دیا گیا ہے قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ○ ۷۰/۳۳ ایمان والو! صاف اور سیدھی بات کیا کرو۔

● سورہ حٰم سجدہ میں ارشاد ہوا ہے :۔ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ ۳۴/۴۱ نیکی اور بُرائی باہم برابر نہیں ہیں۔ بُرائی کو اُس نیک سلوک کیساتھ دفع کیا کرو جو احسن طریقہ ہے اسی ضمن میں سلسلۂ درس کی اگلی آیت

مجیدہ میں حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں کے جھوٹے معبودوں کو بھی برا نہ کہو :۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ
اور نہ برا کہو جنہیں لوگ پکارتے ہیں سے سوائے
اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذٰلِكَ
اللہ کے تو وہ برا کہینگے اللہ کو عداوت سے بغیر علم کے۔ اسی طرح
زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ
مزین پایا ہمنے واسطے ہر امت کے عمل ان کا۔ پھر طرف رب ان کے
مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۰۹
لوٹ جانے کی جگہ ہے پھر وہ خبر دیگا انہیں ساتھ جو تھے وہ عمل کیا کرتے

اور (ایمان والو!) اُن لوگوں کو جنہیں لوگ اللہ کے ساتھ مدد مُرادوں کیلئے پکارتے ہیں بُرا نہ کہنا۔ (اگر تم نے ایسا کیا) تو وُہ لوگ محض عداوت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو بُرا کہیں گے بغیر علم کے۔ اور اسی طرح ہمنے ہر اُمت کے لئے اُن کے بُرے اعمال (یعنی دوسروں کے بزرگوں کو برا کہنا) مزین پایا ہے۔ (اِسے بہت اچھا سمجھا جاتا ہے[۱] پھر اعمال کی جوابدہی کے لئے) اِن سب کے لوٹ کر جانے کا مقام اِن کے رب ہی کی طرف ہے۔ پھر وُہ انہیں اُن عملوں کی خبر دے گا جو وہ کیا کرتے تھے۔

● [۱] دوسروں کے بزرگوں کو گالیاں دینا اللہ تعالیٰ نے مزین نہیں کیا۔ بلکہ اُن کے عُلماء کی طرف سے مزین کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اِس بدعمل کو اُن کے عُلماء کی طرف سے مزین کیا ہوا پایا ہے۔ دوسروں کے بزرگوں کو گالیاں دینے والے اِس عمل پر انتہائی خوش ہوتے اور فخر کرتے ہیں۔ لیکن قرآنِ کریم نے اِسے فساد کی جڑ بتایا ہے کہ اگر تم لوگوں کے جھوٹے معبودوں اور بزرگوں کو بُرا کہو گے تو وہ تمہارے سچے خداِ پاک کو برا بھلا کہنا شروع کر دیں گے۔ فلھذا اِس سے صد فیصد پرہیز لازم ہے۔ یہ چیز سرچشمۂ فساد ہے۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں زمانۂ رسالت کے منکرینِ اسلام کے متعلق خبر دیگئی ہے کہ وُہ قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ اگر یہ مدعیِ رسالت کوئی خلافِ فطرت کام کر دکھائے (کوئی معجزہ دکھا دے) تو ہم اِس پر ایمان لے آئیں گے :۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ
اور قسمیں کھائیں ساتھ اللہ کے پکی قسمیں اپنی البتہ اگر
جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا قُلْ اِنَّمَا
آئے پاس انکے معجزہ، البتہ ضرور ایمان لائینگے ساتھ اسکے کہہ سوائے اسکے
الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ اَنَّهَآ اِذَا
نہیں کہ معجزات پاس اللہ کے ہیں اور نہیں شعور تم کو سوائے اسکے نہیں کہ

اور وُہ لوگ اللہ تعالیٰ کی پکی قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ اگر ان کے پاس کوئی معجزہ آ جائے تو وہ ضرور (اس ضابطۂ حیات قرآن مجید پر) ایمان لے آئیں گے کہہ دیجئے گا کہ سوائے اِس کے کوئی بات نہیں کہ معجزات تو اللہ کے پاس ہیں۔ اور اس کا تمہیں شعور نہیں ہے۔ سوائے اس کے نہیں کہ (یہ لوگ جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں) اگر ان کے پاس معجزات ۱۷ / ۹۰ تا ۹۳ آ بھی جائیں تو

جَآءَتۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ۰ ۱۱۰
اگر کوئی معجزہ بھی آجائے تو وہ پھر بھی ایمان نہیں لائینگے

پھر بھی یہ لوگ ایمان نہیں لائینگے[۲] معجزات وہی طلب کرتے تھے جو کائنات کو اللہ تعالیٰ کے معجزے نہیں مانتے)۔

معجزات اور قرآن کریم ● [۱] لفظ "آیۃ" کا لفظی معنٰی ہے نشانی۔ قرآن کریم نے تو قوانین جاریہ کے مشاہدات عالم کو آیٰت یعنی اللہ تعالیٰ کی نشانیاں قرار دیا ہے ۳۰/ ۲۰ تا ۲۸ لیکن روایتی تراجم میں "آیۃ" کا معنی لیا جاتا ہے معجزہ۔ اِس طرح اگر آئت کا معنی معجزہ بھی لیا جائے تو ۳۰/ ۲۰ تا ۲۸ میں نوعِ انسانی کا مٹی میں سے پیدا ہونا اور پھر ہم جنس جوڑوں سے افزائشِ نسل ایک معجزہ ہے اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ ۰ ۳۰/ ۲۰-۲۱

● پھر آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنا معجزہ ہے۔ دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن کا آنا معجزہ ہے نیز نوعِ انسانی کے رنگوں اور زبانوں کا اختلاف معجزہ ہے اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلۡعٰلِمِیۡنَ ۰ ۳۰/ ۲۲

● پھر انسانوں کا تھک جانے کے بعد رات کو بھی سو جانا اور دن کو بھی سو جانا اور دن کے وقت روزی تلاش کرنا بھی اللہ کا معجزہ ہے۔ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّسۡمَعُوۡنَ ۰ ۳۰/ ۲۳۔

● پھر بجلی کا دکھانا' اُس میں نقصان کا خوف اور فائدوں کا طمع موجود ہونا بھی اللہ تعالیٰ کا معجزہ ہے۔ پھر آسمان سے پانی برسانا اور اُس کے ساتھ مُردہ زمین کو زندہ کر دینا بھی اللہ تعالیٰ کا معجزہ ہے۔ —— اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ۰ ۳۰/ ۲۴ بیشک اِس میں عقلمندوں کیلئے اللہ تعالیٰ کے بہت سے معجزے ہیں۔

● پھر زمین سمیت جُملہ کرہ ہائے سماوی کا الگ الگ کششِ ثقل کے ذریعہ اللہ کے قانون کے مطابق اپنے اپنے مدار پر محوِ گردش رہنا، زمین کی محوری گردش کیساتھ دن رات کا پیدا ہونا اور اُسکی مداری گردش کیساتھ موسموں کا تغیّر تبدّل بھی اللہ تعالیٰ کے معجزے ہیں وَ مِنۡ اٰیٰتِہٖۤ اَنۡ تَقُوۡمَ السَّمَآءُ وَ الۡاَرۡضُ بِاَمۡرِہٖ ۰ ۳۰/ ۲۵۔

جُغرافیہ اور سائنس اللہ کے معجزے ہیں ● پس اگر لفظ آئت کا معنٰی معجزہ لیا جائے تو محوّلہ بالا سارے طبعی اور سائنسی قوانینِ جاریہ معجزات ہیں قرآن میں معجزہ کا لفظ اسلیئے نہیں لایا گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کو عاجز کر کے مومن بنانا نہیں چاہتا۔ اُس نے انبیاء کرام کے ذریعہ اپنی کتابوں میں دلائلِ قاطعہ نازل فرما دیئے ہیں جن پر غور کر کے ہر شخص خود ایمان لائے یا خود کفر کرے۔ لَاۤ اِکۡرَاہَ فِی الدِّیۡنِ ۲/ ۲۵۶ لَکُمۡ دِیۡنُکُمۡ وَلِیَ دِیۡنِ ۰ ۱۰۹/ ۶۔

طلبِ معجزات ● زمانۂ رسالت کے منکرینِ قرآن کے متعلق سورہ بنی اسرائیل میں آیا ہے :۔
(اُردو ترجمہ) اُنہوں نے کہا کہ (اے رسُولؐ!) ہم آپ پر اُسوقت تک ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک آپ ہمارے لئے زمین میں چشمہ بہا دیں۔ یا آپ کا کھجوروں اور انگوروں کا باغ تیار ہو جائے اور اُس میں نہریں بہ نکلیں۔ یا آسمان کا کوئی ٹکڑا ہم پر گرا دیں۔ یا اللہ اور ملائکہ ہمارے سامنے آجائیں۔ یا آپ کا گھر سونے کا بن جائے یا آپ ہمارے سامنے آسمان پر چڑھ جائیں۔ پھر ہم آپ کے آسمان پر چڑھنے کو بھی تسلیم نہ کریں گے یہانتک کہ آپ آسمان سے لکھی لکھائی کتاب لائیں جسے ہم

خود پڑھ لیں۔ (اے رسولؐ!) کہہ دیجئے گا کہ میرا رب (ان چیستانیات سے) پاک ہے۔ هَلْ كُنتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا ۝ ۱۷/ ۹۰ تا ۹۴

● **حاصلِ کلام** یہ کہ قوم نے حوالۂ بالا فرق عادات معجزات طلب کئے مگر اُن کا مطالبہ یہ کہہ کر رد کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پاک ہے کہ وہ اپنے قوانینِ جاریہ کے خلاف نہیں کرتا ۵۰/۹ ۔ اور میں بشر رسول ہوں تمہارے مطالبات میرے احاطۂ اختیار سے باہر ہیں۔

● حضرتِ موسیٰؑ کی طرف منسوب معجزات عصاء کے ماتحت دریا میں ڈنڈا مار کر راستے بنا دینے کی حقیقت تفسیر القرآن بالقرآن جلد اوّل سورہ بقرہ کے صفحہ ۴۱ + ۴۸ پر فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ اور تفسیر اِضْرِب بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ کے عنوانات میں ملاحظہ فرمائیں۔ من وسلویٰ کی بحث صفحہ ۴۳ پر اور بنی اسرائیل کے اوپر طور پہاڑ کے اُٹھائے جانے کے روایتی قصے کی حقیقت صفحہ ۵۱ پر دیکھئے۔

اللہ کیا کچھ نہیں کر سکتا

● معجزات کے ضمن میں کہا جاتا ہے إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۳/۱۶۵ ۔ کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے، وُہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ پہلے تو اس جملہ ۳/۱۶۵ کا معنیٰ ہی غلط لیا گیا ہے کہ وُہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ اس کا صحیح معنیٰ یہ ہے کہ (بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کے اندازے پیمانے اور قوانین متعین کرنیوالا ہے۔ اور وہ اپنے متعینہ قوانین کے خلاف ہرگز نہیں کرتا۔ جو پابندیاں اُس نے اپنے آپ پر لگائی ہیں اُن کا پورا پورا پاس کرتا ہے۔ جھوٹ نہیں بول سکتا۔ کھا پی نہیں سکتا۔ سو نہیں سکتا۔ بول و براز نہیں کر سکتا۔ اولاد نہیں پیدا کر سکتا۔ حتیٰ کہ لاکھوں نبی رسول بھیجنے والا اب آنحضورؐ کے بعد اس دنیا میں کوئی ایک نبی بھی نہیں بھیج سکتا۔ بالفاظِ دیگر وُہ اپنے قوانین کو ہرگز ہرگز توڑنے والا نہیں۔ اس سیدھی سادی بحث پر غور نہ کرنا اور کفر بازی کی اُس پرانی روش پر قائم رہنا جس کی بدولت نہ کوئی مکتبِ فکر کفر کے فتوے سے بچ سکا ہے اور نہ کسی مکتبِ فکر کا کوئی بڑا۔ یہ پرانی ضد اور تعصب کے سوا کچھ نہیں۔

عَودالی المقصود

● سلسلۂ درس کی پچھلی آیت نمبر ۶/۱۱۰ میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ قوم نے کہا تھا اگر ہمیں کوئی معجزہ دکھایا جائے تو ہم ضرور ایمان لے آئیں گے۔ لیکن اس کے جواب میں ارشاد ہوا ہے کہ اگر بفرضِ محال ان کے پاس کوئی معجزہ لے آیا جائے تو پھر بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اگلی آیت میں انہی کے متعلق بتایا گیا ہے کہ پوری کائنات میں قوانینِ جاریہ سے ہدایت حاصل کرنے کی بجائے ذہنی معجزے طلب کرنا اُن کے اُلٹے اذہان کی دلیل ہے:۔

وَنُقَلِّبُ أَفْئِدَتَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ كَمَا اور پھیرتے اُلٹے پائے ذہن اُن کے اور نگاہیں اُن کی جیسے کہ لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَنَذَرُهُمْ فِي نہ ایمان لائے ساتھ اسکے پہلی مرتبہ اور چھوڑ دے ان کو بیچ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝ ۱۱۱ سرکشی انکی سرگردان	اور ہم (اللہ) اُن کے اذہان کو اور اُن کی نگاہوں کو (عقل و بصیرت سے) اُلٹے ہوئے ہوئے پایا ہے جیسے کہ وہ پہلی مرتبہ اس (قرآن، متوازن و مکمل ضابطۂ حیات) کا انکار کر دیا۔ اور اللہ نے انہیں اُن کی سرکشی میں سرگرداں پایا ہے۔

● لہ نُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ کا یہ معنی صحیح نہیں کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے ذہنوں اور نگاہوں کو اُلٹا رہتا ہے۔ یہ کام انسان کا اپنا ہے کہ وہ انہیں خود بدل کر سیدھے راستے پر آجائے یا اُلٹا راستہ اختیار کرلے۔ نُقَلِّبُ فعل مضارع جمع متکلم باب تفعیل سے ہے۔ جس کے خاصہ وجدان کے مطابق یہ ترجمہ صحیح ہے کہ ہم (اللہ تعالیٰ) سرکشوں کے ذہنوں اور نگاہوں کو اُلٹا ہوا پاتے ہیں، ہم نہیں اُلٹتے۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں طلبگارانِ معجزات کے متعلق مزید وضاحت بالفاظِ ذیل فرمائی گئی ہے:۔

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَ

اور اگر بیشک ہم نازل کریں طرف ان کی فرشتے اور

كَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ

کلام کریں ان سے مُردے اور جمع کریں ہم اوپر ان کے ہر چیز

قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ

سامنے نہ ہوں کہ وہ ایمان لائیں مگر کہ چاہے اللہ۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ۝۱۱۲

اور لیکن اکثر اُن کے جہالت کرتے ہیں

اور اگر (معجزوں کے طلبگاروں) کی طرف ہم اُن کے ذہنی فرشتے (۲۵/۷ ڈرانیوالے) نازل کردیں اور (اُن کے ساتھ مُردے کلام کرنے لگیں اور ہم اُن کے سامنے (اُن کی ہر مطلوبہ چیز) اکٹھی کردیں تو (پھر بھی) وہ ایمان لانے والے نہ ہوں گے۔ سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ اپنے قانونِ مشیت کے مطابق چاہے۔ (کہ وہ خود حقائق کو تسلیم کرکے خود ایمان لائیں) ولیکن ان کی اکثریت جہالت ہی کو شعار بنائے ہوئے ہیں۔

● لہ ملائکہ کی بحث تفسیر القرآن بالقرآن کی جلد دوم کے صفحہ ۱۰۱ پر ملاحظہ فرمائیں۔ قرآنی ملائکہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ مخفی قوتیں ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہر جگہ بکثرت موجود ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے لشکر جنود السمٰوٰتِ والارض ہیں۔ عوام نے اپنے ذہنی ملائکہ کا مطالبہ کیا۔ چونکہ وہ لوگوں کی ذہنی تخلیق ہیں۔ اِس لئے اُنہیں بھی قوانینِ جاریہ کی مخالف فہرست میں شمار کیا گیا ہے۔

نبیوں کے مخالف شیطان انسانوں اور جنوں میں سے

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں معجزات طلب کرنے والوں کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ جنوں اور انسانوں میں سے شیطان ہیں جو انبیاء سلامٌ علیہم کو پریشان کیا کرتے تھے آپس میں ایک دوسرے کو جھوٹی خود تراشیدہ باتیں سکھایا کرتے تھے:۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ

اور اسی طرح پایا ہمنے واسطے ہر نبی کے دشمن شیطانوں کو

اور اسی طرح ہمنے (معجزات مانگنے والوں کو) پایا ہر نبی کے لئے دشمن بنے ہوئے، انسانوں میں سے اور جنوں میں سے شیطانوں

الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ[3] بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ انسانوں اور جنوں کے سکھاتے تھے بعض ان کے طرف بعض کے زُخْرُفَ الْقَوْلِ[4] غُرُوْرًا وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ[5] ملمع کی جھوٹی بات دھوکا دینے کیلئے اور اگر (زبردستی) چاہتا رب تیرا مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ۝۱۱۲ نہ کرتے اُسے پس چھوڑ دے انہیں اور جو وہ گھڑتے ہیں	کو جو (نبیوں کو تنگ کرنے کے لئے اور سادہ لوح عوام کو) دھوکا دینے کے لئے ایک دوسرے کو ملمع کی ہوئی جھوٹی باتیں سکھاتے تھے (کہ نبی وہ ہوتے ہیں جو معجزے دکھائیں) اور اگر آپ کا رب زبردستی چاہتا تو وہ لوگ ایسا نہ کرتے۔ پس آپ انہیں بھی چھوڑ دیجئے اور اُسے بھی جو (وہ انبیاءؑ کے متعلق معجزات کا عقیدہ اسطرح) گھڑتے ہیں[6] (تاکہ لوگ نبیوں پر ایمان نہ لائیں)۔

● ۱ جَعَلْنَا کا معنیٰ ہم (اللہ) نے شیطانوں کو نبیوں کے دشمن بنایا صحیح نہیں ہے دشمن پایا صحیح ہے۔

● ۲ شَیٰطِیْنَ انسانوں اور جنوں میں سے، یہاں وہ لوگ مراد ہیں جو لوگوں کو سکھاتے تھے کہ نبیوں سے معجزے مانگیں۔

● ۳ یُوْحِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ وہ لوگ خود گھڑی ہوئی جھوٹی باتیں ایک دوسرے کو سکھاتے تھے کہ نبی وہ ہوتا ہے جو قوانینِ جاریہ کی مخالفت کرکے دکھائے۔ آناً فاناً زمین سے چشمہ جاری کردے، کھجوروں اور انگوروں کا باغ لگا دے اُس کا گھر سونے کا بن جائے آسمان پر چڑھ جائے اور اوپر سے لکھی لکھائی کتاب لادے وغیرہ وغیرہ ۱۷/۹۰-۹۱ (جنوں کی بحث صفحہ ۲۴۱ پر دیکھئے)۔

● ۴ زخرف القول کا لفظی معنی ہے ایسی بات جس پر سونے کا پانی چڑھا ہو۔ یعنی جس سے حقیقت کے خلاف دھوکا لگ جائے۔

● ۵ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ میں لفظ شَآءَ سے قانونِ مشیّتِ خداوندی مُراد ہے۔ اور کسی کو زبردستی ہدایت دینا یا گمراہ کرنا اللہ تعالیٰ کا قانونِ مشیّت نہیں فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۱۸/۲۹

● ۶ ذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ کے الفاظ میں آنحضورؐ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ معجزے طلب کرنے والوں سے بھی الگ ہوجائیں اور جو اُنہوں نے معجزات کا عقیدہ گھڑا ہے اُس سے بھی الگ ہوجائیں —— واضح رہے کہ ان بحثوں میں ضیاعِ وقت کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوسکتا۔ اگر قوانینِ جاریہ کے خلاف ہوسکتا ہوتا تو نہ طوفانِ نوحؑ کے لئے کشتی بنوائی جاتی ۱۱/۳۷ اور نہ آنحضورؐ کو فوجی قوت تیار کرنے کا حکم دیا جاتا ۸/۶۰۔ معجزات کی بحث صفحہ ۲۵۲ پر دیکھئے!

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں جن و انس کے شیطانوں کی ملمع سازی کی غرض بالفاظِ ذیل بتائی گئی ہے :-

وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اور تاکہ جھکیں طرف اسکی اذہان ان لوگوں کے نہیں ایمان لاتے بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا ساتھ آخرت کے اور تاکہ وہ راضی ہوں اس پر اور تاکہ کریں جو	اور (انسانوں اور جنوں کے شیطان یہ ملمع کردہ باتیں اس لئے گھڑتے ہیں) تاکہ اُن لوگوں کے ذہن جو آخرت کو اعمال کی جوابدہی پر ایمان نہیں رکھتے اُس کی طرف جھکے رہیں۔ اور تاکہ وہ اپنے آپکو اعمال کی جوابدہی سے آزاد جان کر اس پر خوش ہوں۔

هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ○ ۱۱۴

وہ کر رہے ہیں

اور تاکہ وہ (جو بُرے عمل کرتے ہیں کرتے رہیں۔

اللہ تعالیٰ کا حکمنامہ صرف قرآنِ کریم ہے

● زُخْرُفَ الْقَوْلِ (ملمع کردہ باتوں) میں اگرچہ عوام کے لئے کشش و جاذبیّت کے بے پناہ سامان موجود ہیں۔ لیکن آنحضورؐ سے ماقبل حضرت موسیٰ کی طرف منسوب کردہ اقوال کے مقابلے پر پروردگارِ عالم نے اپنے آخری نبی رسولؐ جناب محمدؐ رّسول اللہ کی زبان مبارک سے اعلان کروا دیا ہے کہ لوگو! جن اقوالِ منسوبہ کو تم بطور دلیل لاتے ہو، قرآنِ کریم کے مقابلے پر میں انہیں ہرگز حاکم نہیں مان سکتا ؛۔

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِیْ حَكَمًا[1] وَّهُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ

کیا پھر سوائے اللہ تلاش کروں حاکم حالانکہ وہ ہے جس نے اتاری

اِلَیْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ وَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ

طرف تمہاری اپنی کتاب مفصّل۔ اور جو لوگ دی ہمنے ان کو کتاب

یَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ

جانتے ہیں کہ بیشک وہ ہے اُتارا گیا سے رب تیرے ساتھ حق پھر نہ ہونا

مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ ○ ۱۱۵

میں سے شک کرنیوالوں کے

(اے رسولؐ کہدیجئیگا) کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور حاکم تلاش کروں[1] حالانکہ (وہ اللہ ہی وہ) عظیم الشان ذات ہے جس نے (اپنا حکمنامہ ایک مفصّل کتاب (قرآنِ کریم کی صورت میں نازل کر دیا ہے۔ اور وہ لوگ جنہیں کتاب دیگئی ہے وہ $\frac{۲۸}{۵۲-۵۳} + \frac{۵}{۸۳} + \frac{۳}{۱۱۳}$ خوب جانتے ہیں کہ وہ آپکے رب کی طرف سے حق کے ساتھ نازل کردہ ہے پس آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیں۔

● ۱ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِیْ حَكَمًا کے استفہام انکاری میں آنحضورؐ سے اعلان کروا دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی صاحبِ حکم ہے ہی نہیں۔ اور اُسکے احکام اسکی نازل کردہ مفصّل کتاب کے اندر موجود ہیں باہر نہیں، کیونکہ حَكَمًا کا متبادل لایا گیا ہے الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا۔ بالفاظِ دیگر قرآنِ کریم ایک مفصّل کتاب بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام بھی اسی کے اندر موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا وَّلَا یُشْرِكُ فِیْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا۔ $\frac{۱۸}{۲۶}$ ۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ؕ

اور مکمل ہوا قانون رب تیرے کا عدل اور سچائی کیساتھ

لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ○ ۱۱۶

نہیں بدلنے والا واسطے قوانین اسکے اور وہ ہے سننے والا جاننے والا

اور (اے رسولؐ!) آپ کے پروردگار کا ہر قانونِ کائنات سچائی اور عدل کی اساس پر مکمل ہو چکا ہُوا ہے اس کے قوانین کو کوئی بدلنے والا ہے ہی نہیں۔ اور وُہ خود ہے بہت بڑھ کر سُننے والا اور بہت بڑھ کر جاننے والا۔

● ۱ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ کے مطابق قوانینِ خداوندی میں ردّ و بدل کی عدم گنجائش کی اہم خبر یہ بتائی گئی ہے کہ ان

کے متعین کرنے والا سمیع و علیم ہے جو قیامت تک کے حالات سے باخبر ہے، اسلئے اُس نے قیامت تک کی ضروریات کا سامان ان میں موجود کر دیا ہے۔ اِن میں ترمیم و تنسیخ کی ضرورت کسی مقام پر جاکر بھی نہیں پڑے گی۔ مگر اس حقیقت کے باوجود عوام کی اکثریت ہر زمانہ میں ایسے لوگوں پر مشتمل رہی ہے جو معجزات کی صورت میں قوانینِ خداوندی میں ردّ و بدل کے طلبگار ہوتے ہیں۔ اور اسی چیز کو اصلِ دین اور صداقت دین کی دلیل مانتے ہیں اِس لئے آنحضور کو ایسے غلط عقائد سے منع کر دیا گیا ہے :۔

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِى الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ۝۱۱۷

اور اگر تو کہا مانے بہتوں کا جو بیچ زمین کے ہیں گمراہ کر دیں گے تجھے سے راستے اللہ کے نہیں اتباع کرتے مگر ظن کی اور نہیں وہ مگر جھگڑا کرتے ہیں

اور اگر (اے رسولؐ بفرضِ محال) آپ زمین میں بسنے والوں کی اکثریت کی اتباع کریں (تو وُہ خود گمراہ ہیں معجزے طلب کرتے ہیں) آپ کو اللہ کی راہ سے گمراہ کر دیں گے۔ وہ (معجزات کے ضمن میں) صرف ظن و گمان کی پیروی کرتے ہیں اور (بے حقیقت چیزوں کے لئے جھگڑتے ہیں۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝۱۱۸

بیشک تیرا رب وہ خوب جانتا ہے کون گمراہ ہوتا ہے راہ اس کی اور وہ خوب جانتا ہے کو راہ پانیوالوں

بیشک آپکا رب ہی وہ عظیم الشان ذات جو خوب جانتا ہے کون ہے جو اُس کی راہ سے بھٹک گیا ہے اور[1] وہی خوب جانتا ہے انہیں جو سیدھی راہ پانے والے ہیں[2]

● [1-2] ان آیات کریمات میں خود اللہ تعالیٰ کے قوانینِ جاریہ کے خلاف معجزات کے طلبگاروں کو ظن و گمان کے پیروؤں کو گمراہ بتایا گیا ہے اور قوانینِ جاریہ کو حق و صداقت کی دلیل قرار دینے کیساتھ ساتھ اس امر کا اعلان کر دیا گیا ہے کہ عوام کی اکثریت حقائق و دلائل سے کورے اور چیستانیات کے دلدادہ ہوتے ہیں۔ زمانۂ رسالت میں یہودیوں کی اکثریت نے مسئلہ حلت و حرمت میں بھی چیستانی عقائد وضع کر رکھے تھے۔ ۶/۱۴۶ میں آگے آ رہا ہے کہ انہوں نے ناخن والے جانور اور گائے، بھیڑ بکری کی چربی کو حرام کر رکھا تھا سوائے اُس کے جو اُن کی پیٹھوں یا انتڑیوں اور ہڈیوں پر چڑھی ہوئی ہو اس لئے اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ اکثریت کا کسی راہ پر چل نکلنا صداقت کی دلیل نہیں۔ ہدایت صرف ضابطۂ خداوندی میں محفوظ ہے۔ ایمان والوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اکثریت کے خلاف ۵/۱۴۶ میں جو حرام کیا گیا ہے اُس کے سوا حلال جانوروں کو اللہ کے نام کیساتھ ذبح کر کے کھایا کرو :۔

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ

پس کھاؤ میں سے ذکر کیا گیا نام اللہ کا اوپر اسکے اگر ہو تم

پس (اے ایمان والو!) اگر تم اللہ کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہو تو (جس حلال جانور کو اللہ کے نام کے ساتھ ذبح کیا گیا ہو) اُس پر اللہ کا نام

بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ۝۱۱۹
ساتھ آیتوں اسکی ایمان لانیوالے

ذکر کیا گیا ہو، اُس کی ہر وہ چیز کھاؤ (جو ضابطۂ الٰہی میں حلال بتائی گئی ہے۔

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ
اور کیا ہے واسطے تمہارے کہ نہ تم کھاؤ میں سے ذکر کیا گیا نام

اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ
اللہ کا اوپر اسکے اور بیشک تفصیل کر دی واسطے تمہارے جو حرام کیا اوپر تمہارے

اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ
مگر جو بیقرار ہو گئے تم طرف اسکے اور بیشک بہت لوگ گمراہ ہوتے ہیں

بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ
ساتھ خواہشوں اپنی کے بغیر علم کے۔ بیشک رب تیرا وہ خوب جانتا ہے

بِالْمُعْتَدِيْنَ ۝۱۲۰
کو سرکشوں

اور کیا (حرج) ہے تمہارے لئے کہ تم (اللہ کی حلال کردہ چیزیں) نہ کھاؤ، جس جانور پر اللہ کے نام کا ذکر کیا گیا اور بیشک (اللہ نے کھول کھول کر بیان کر دیا ہے (جو حلال جانوروں میں سے) تمہارے لئے حرام کیا ہے ۱۲۱/۵ ۔ سوائے اس کے جو تم (بھوک کی وجہ سے) اُس کے لئے بیقرار ہو جاؤ۔ اور بیشک اکثر لوگ اپنی خواہشوں (کی پیروی کر کے) لاعلمی میں گمراہ ہو جاتے ہیں۔ بیشک (اے رسولؐ!) آپ کا پروردگار ہی ہے جو خوب جانتا ہے انہیں جو (اللہ تعالیٰ کی حدیں) پھاندنے والے ہیں۔

● چونکہ عام دستور یہ ہے کہ اکثریت کے عمل کو صداقت کی دلیل سمجھا جاتا ہے اسلئے اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں ایمان والوں کو اس حقیقت کی تاکید کی گئی ہے کہ اکثریت کے خلافِ قرآن عمل کی ظاہر اتباع بھی نہ کرنا اور اُن کی چھپی اتباع بھی نہ کرنا۔

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ
اور چھوڑ دو ظاہر گناہ اور چھپا اس کا بیشک

الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا
جو لوگ کماتے ہیں گناہ ضرور بدلہ دئے جائیں گے ساتھ اسکے جو

كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ۝۱۲۱
عمل بجالایا کرتے

اور ایمان والو! اپنی خواہش سے حلال و حرام میں تصرّف کرنے کے) ظاہر گناہ کو بھی چھوڑ دو اور چھپ چھپا کر بھی (نہ کرو) بیشک جو لوگ گناہ کماتے ہیں وہ ضرور ضرور اُس کی سزا دئے جائیں گے جو عمل وہ کماتے چلے آ رہے ہیں[1]

● [1] يَقْتَرِفُوْنَ کا سہ حرفی مادہ ق۔ ر۔ ف = قرف ہے جس کا بنیادی معنیٰ ہے ناجائز کمائی کرنا قَرَفَ الرَّجُلُ کا معنیٰ ہے كَذَبَ وَخَلَطَ۔ آدمی نے کیا تو جھوٹ بولا اور معاملے کو غلط ملط کیا۔ اقترف کا معنیٰ ہے اکتساب، یعنی کمانے کی کوشش کرنا۔ پس كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ کے الفاظ میں بتایا گیا ہے حرام و حلال کے ضمن میں جھوٹ بولنے اور مسئلہ کو غلط ملط کرنے میں جو کوشش اُنہوں نے کی انہیں اُس کی پُوری پُوری سزا دی جائیگی۔

تکرار تاکیدی ● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں تکرار تاکیدی کیساتھ اسی حکم کو اپنے اسلوب بیان کے مطابق ——— بصورت نہی دہرایا گیا ہے تاکہ مسئلہ کی مزید وضاحت کر کے اتمام حجت کر دی جائے چنانچہ ارشاد ہوا ہے:-

وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ
اور نہ کھاؤ اس میں سے نہ ذکر کیا گیا ہو نام اللہ کا

عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ ۗ وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ
اوپر اسکے اور بیشک وہ ضرور سرکشی ہے اور بیشک سرکش

لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَائِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ ۖ وَ
خفیہ پیغام دیتے ہیں طرف دوستوں اپنے تاکہ وہ جھگڑیں تم سے اور

إِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ ﴿١٢٢﴾ (ع)
اگر اطاعت کی تم نے اُن کی بیشک تم مشرک ہو

۱۴ ع ۱۱ ۱۲۲

اور جس (حلال جانور) پر اللہ کے نام کا ذکر کیا گیا ہو (یعنی جسے اللہ کے نام سے ذبح نہ کیا گیا ہو) اس میں سے نہ کھانا اور بلا شبہ (حلال جانوروں کو بلا ذبح کئے کھانا) اللہ تعالیٰ کی حدود شکنی ہے۔ اور بلا شبہ اللہ کے نافرمان (خلوت نشینیں[۱]) اپنے دوستوں (تمہارے مخالفوں) کو مباحثوں کی خفیہ تعلیم دیتے ہیں تاکہ وہ تمہارے ساتھ جھگڑتے رہیں۔ اگر تم نے اُن کی اطاعت کی تو تم بھی مشرک ہو جاؤ گے (وہ مشرک تمہیں بھی خلوت نشینوں کے فرمانبردار بنا کر مشرک بنا لیں گے۔

● عـلہ $\frac{۲}{۱۴}$ کے الفاظ وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ میں خلوت نشینوں کو شیطان کہا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے مقابلے پر نوعِ انسانی سے اپنے حکم منواتے ہیں۔ آیتِ بالا $\frac{۶}{۱۲۲}$ میں اُنہی سرکش انسان شیطانوں کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ اپنے دوستوں خیرخواہوں مُریدوں کو ایسی خُفیہ تعلیم دیتے ہیں جس کے ذریعہ، بحث و مباحثوں کی صورت میں مجادلے جھگڑے چلتے رہیں۔ ان مباحثوں میں انبیاء سلام علیہم کے متعلق بشر نور، علم غیب، حاضر ناظر اور مختارِ کل وغیرہ کے نہ ختم ہونیوالے مسائل کے ذریعہ سرپھٹول کے سامان کئے جاتے ہیں اور ساتھ ہی مسئلہ حرام حلال میں ایسی تفریق پیدا کر دی جاتی ہے جس کے ذریعہ شرک فی الحکم کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔ پیچھے $\frac{۵}{۱ تا ۳}$ میں حلال و حرام کی مکمل بحث گزر چکی ہے کہ گھاس خور چوپایوں میں سے صرف جگالی کرنے والے حلال ہیں اور اُن کی جو چیز حرام ہے اُس کی بھی کھول کر وضاحت کر دی گئی ہے۔ اور پھر $\frac{۹}{۱۲۰}$ میں یہ بھی اعلان کر دیا گیا ہے قَدْ فَصَّلَ لَكُم مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ بیشک کھول کر بیان کر دیا گیا ہے جو تم پر حرام کیا گیا ہے۔

● قرآن کریم کی اس حیات آفریں تعلیم کی مخالفت کرنے والوں کو سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں مُردے کہا گیا ہے اور قرآن کریم کے ذریعہ اِن دینی مُردوں کو دینی زندگی دینے کی خبر کے ساتھ وضاحت کر دی گئی ہے کہ دینی مُردے اور زندے برابر نہیں ہوتے۔

أَوَمَن كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ
کیا اور جو ہو مُردہ پھر زندہ کریں ہم اُسے اور ٹھہرائیں ہم واسطے اسکے

کیا اور جو ہو دینی مُردہ پھر اُسے ہم (قرآن کریم کی زندگی دینے والی تعلیم کیساتھ) زندہ کر دیں اور اُس کے لئے (قرآنی) نور مقرر کر دیں

نُوْرًا یَّمْشِیْ بِهٖ فِی النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِی الظُّلُمٰتِ
روشنی چلے وہ ساتھ اسکے بیچ لوگوں کے مانند مثل اسکی جو بیچ اندھیروں

لَیْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا كَذٰلِكَ زُیِّنَ لِلْكٰفِرِیْنَ
نہیں نکلنے والا سے اسکے اور اسی طرح مزین کیے گئے واسطے کافروں کے

مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ○ ۱۲۲
جو تھے وہ عمل کیا کرتے

جس کے ساتھ وہ لوگوں میں چلے پھرے ۔ وُہ اُس کی مثل ہو سکتا ہے جو (گمراہی کے) اندھیروں میں پھنسا ہُوا ہو ۔ (اور اعتقادی گندگی کی بدولت) اُن میں سے نکلنے والا نہ ہو ۔ اِسی طرح (اُنکے شیطانوں کی طرف) کافروں کے لئے اُن کے اعمال مزیّن کر دیئے جاتے تھے جو وہ بجا لایا کرتے تھے ۔[1]

● [1] زُیِّنَ لِلْكٰفِرِیْنَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ کے الفاظ میں زُیِّنَ فعل مجہول مالم یُسمّٰی فاعلہ آیا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ خانقاہ نشینوں نے عوام کے اُن اعمال کو جن پر اُنہوں نے اُنہیں خود لگا رکھا ہے سے خُوب مزیّن کر کے پیش کیا ہوتا ہے کہ خانقاہوں پر چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں ۔ مُرادیں مانگی جاتی ہیں اور سجدے کئے جاتے ہیں ۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ ان مُشرکانہ اعمال کو عین اسلام کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے ۔ اور ان غیر قرآنی اندھیر گردیوں میں وہ لوگ ایسے پھنسا دیئے گئے ہوتے ہیں کہ وہ اُن میں سے نکلنے کے لئے ہرگز ہرگز تیار نہیں ہوتے ۔ لَیْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ۔

ضابطۂ خداوندی کی مخالفت کرنیوالے لوگ بڑے بزرگوں کے بھیس میں بستی بستی اور قریہ قریہ موجود ہیں

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ حلال و حرام ٹھہرانے والے لوگ عوام کے بڑے بڑے بزرگ بن کر بستی بستی موجود رہتے ہیں ۔ اِس لئے ہر بستی و قریہ کے مومنوں کو ہوشیار رہنا چاہیئے ۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِیْ كُلِّ قَرْیَةٍ اَكٰبِرَ[1]
اور اسی طرح پایا ہم نے بیچ ہر بستی کے بڑے بڑے

مُجْرِمِیْهَا[2] لِیَمْكُرُوْا فِیْهَا ؕ وَمَا یَمْكُرُوْنَ اِلَّا
مجرموں کو اسکے کہ وہ دھوکا کرتے ہیں بیچ اسکے اور نہیں دھوکا دیتے مگر

بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ ○ ۱۲۴
جانوں اپنی کو اور نہیں شعور رکھتے

اور اسی طرح ہم (اللہ) نے ہر بستی میں اُس کے بڑے (بزرگ بنے ہُوئے) مُجرموں[2] کو موجود پایا ہے (وُہ اس لئے بزرگ بنے بیٹھے ہیں) کہ جھُوٹی بزرگی کے مکر و فریب کا جال پھیلائیں[3] مگر وہ جو بھی فریب کرتے ہیں اُس کا وبال اُن کی اپنی جانوں پر ہے ۔ مگر اُنہیں اِس کا شعور نہیں ہے[5]

● [1] اَكٰبِرَ سے وہ لوگ مُراد ہیں جو جھُوٹی بڑائی کے دعویدار بن کر بستی بستی اور قریہ قریہ میں مکر و فریب کا جال پھیلائے ہوتے ہیں اور نذروں نیازوں کی کمائی پر عیش اڑا رہے ہوتے ہیں ۔

● [2] مُجْرِمِیْهَا دراصل مُجْرِمِیْنَهَا ہے ، مضاف کا نون اعرابی گر گیا ہے ۔ بستی کے ایسے لوگوں کو پُوری بستی کے مُجرم قرار دیا گیا ہے کہ کیونکہ وہ پوری بستی کو اپنی بزرگی کا دھوکا دیئے ہُوئے ہوتے ہیں ۔

● ۱۲۳ یمکروا فیھا کے الفاظ میں اُن کا جُرم بتایا گیا ہے کہ وہ مکروفریب کا جال بچھائے ہوتے ہیں۔

● ۱۲۴ وما یمکرون الا بانفسھم کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں تو وہ لوگ عوام کا مال مکروفریب کے ذریعہ کھا رہے ہوتے ہیں مگر آخرت میں اِس کا وبال اُن کی اپنی جانوں پر ہوگا۔ اِس دھوکا فریب کی سزا ضرور در ضرور ان کو مل کر رہے گی۔

● ۱۲۵ وما یشعرون کے الفاظ میں خبر دی گئی ہے کہ ایسے لوگ مکروفریب کے دھندے میں ایسے مست ہوتے ہیں کہ وہ اُس شعور تک سے کورے ہو جاتے ہیں کہ وہ کر کیا رہے ہیں۔ لوگوں کی مُرادیں پُوری کرنے کے دعویدار ہوتے ہیں مگر اپنی مرادیں خود ادھوری پڑی ہوتی ہیں۔ دوسروں کی مُشکلیں حل کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر خود گونا گوں مشکلوں میں گرفتار ہوتے ہیں۔

زمانۂ رسالت میں یہ حالت یہود و نصاریٰ کے بزرگوں کی تھی

● زمانۂ رسالت میں یہود و نصاریٰ کی یہ حالت تھی کہ ہر بستی اور ہر قریہ میں ان کے نام نہاد بزرگ تعویذ گنڈوں کی دکانیں سجائے بیٹھے تھے۔ جب آنحضور پر اللہ کی کتاب نازل ہُوئی تو اُنہوں نے کہا کہ ہم اُس وقت تک اُس چیز قرآنِ کریم پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک یہ چیز وحی الٰہی ہم پہ نازل نہ ہو، جب تک ہمیں نہ دی جائے :-

وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰیَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ
اور جب آتی پاس ان کے کوئی آیت کہا نہیں ایمان لائینگے ہم

حَتّٰی نُؤْتٰی مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔ اَللّٰهُ
یہاں تک کہ دئے جائیں ہم مثل ایسے جو دئے گئے رسُول اللہ کے۔ اللہ

اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ سَیُصِیْبُ
خوب جانتا ہے کہاں ٹھہرائے رسالت اپنی۔ ضرور پہنچیگی

الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ
اُن کو جو جُرم کرتے ہیں ذلت طرف سے اللہ کے اور عذاب

شَدِیْدٌۢ بِمَا كَانُوْا یَمْكُرُوْنَ ۝ ۱۲۵
سخت بسبب اسکے کہ تھے فریب کرتے

اور جب اُن کے پاس کوئی آیت اللہ (کتاب کی) آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اُسوقت تک ہرگز ایمان نہیں لائینگے یہاں تک کہ ہمیں دی جائے کتاب (اللہ کی) جس طرح رسُولوں کو دی جاتی ہے۔ (کہدے اے رسُول!) اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ اپنی رسالت کس کے سُپرد کرے۔ جو لوگ مکروفریب جُرم کرتے ہیں اُنہیں ضرور اللہ کی طرف سے ذلت (کی سزا) پہنچ کر رہے گی اور سخت عذاب پہنچیگا، اِس لئے کہ وہ مکروفریب کیا کرتے تھے۔

خود فریبی کی انتہا

● آیتِ بالا میں زمانۂ رسالت کے یہودی خلوت نشینوں کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو یہاں تک اللہ کے مقرب جانتے تھے کہ اُن کے زعم کے مطابق نبوت و رسالت کا حقدار بھی اپنے

آپ کو سمجھتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمادی ہے کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ اُس کی نبوّت کا حقدار کون ہے۔ نیز اُن کے انکار کی وجہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں یہ بیان ہُوئی ہے کہ وہ سرکشی اور طغیانی کی بلندیوں پر پہنچ چکے ہیں:۔

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ
پھر جو ارادہ کرے اللہ کہ ہدایت دے اسکو کھول دیتا ہے

صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ
ذہن اسکا واسطے اسلام کے۔ اور جو ارادہ کرے کہ گمراہ کرے اُس کو

يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ
کر دیتا ہے ذہن اُس کا تنگ گھٹا ہُوا مثل اسکے کہ وہ چڑھتا ہے

فِي السَّمَآءِ ۚ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ
بیچ آسمان کے اسی طرح رکھتا ہے اللہ گندگی

عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ ۱۲۶
اوپر اُن کے جو نہیں ایمان لاتے۔

پھر اللہ تعالیٰ (اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق) اُس شخص کے ذہن کو اسلام کیلئے کھول دیتا ہے (جس کی رجعت الی اللہ ۴۲/۱۳ کی بدولت) ہدایت کا ارادہ کرتا ہے۔ اور اُس شخص کے ذہن کو (اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق) تنگ کر دیتا ہے (جس کی سرکشی کے بدلے) گمراہی کا ارادہ کرتا ہے۔ گویا کہ وہ سرکشی اور نافرمانی میں آسمان پر چڑھا ہوتا ہے۔ اِسی طرح اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے اُن کے انکار و بغاوت کی بدولت ذہنی غلاظت لازم ہُوئی ہُوئی پاتا ہے۔

● ہدایت و گمراہی کی بحث پیچھے صفحہ ۔۔۔ پر تفصیلاً گزر چکی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان خود ہدایت پاتا ہے اور خود گمراہ ہوجاتا ہے۔ قرآن مجید میں جہاں جہاں ہدایت و گمراہی خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کیگئی ہے وہاں اُس کے قانونِ مشیّت کا ذکر محذوف ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے ہدایت دیتا ہے جو خود اُس کی طرف رجوع کرتا ہے يَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ۴۲/۱۳۔ چنانچہ ہدایت و گمراہی کے اِسی مبنی بر حقیقت خداوندی طریقے کے متعلق آنحضور کو مخاطب کر کے اگلی آیتِ ذیل میں ارشاد ہُوا ہے:۔

وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ۭ قَدْ
اور یہ ہے طریقہ رب تیرے کا سیدھا بیشک

فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۝ ۱۲۷
کھول دی ہیں آیتیں واسطے قوم کے جو نصیحت حاصل کرتے ہیں

اور (اے رسُولؐ!) یہی ہے سیدھا راستہ آپ کے رب کا۔ بیشک ہم نے اپنی آیتوں کو اُس قوم کیلئے کھول کھول کر بیان کر دیا ہے جو (ان سے) خود نصیحت حاصل کرنے والے ہیں۔

آیاتِ قرآنیہ مفصّل ہیں اور ذریعہ ہدایت و نصیحت ہیں

● اِس آیت مجیدہ میں قرآن مجید سے نصیحت حاصل کرنے کا ذریعہ بتلایا گیا ہے آیاتِ قرآنیہ کا مفصّل ہونا۔ پس آیاتِ قرآنیہ مفصّل تسلیم نہ کرنا اِسے اِس کے اُس مقام سے گرانے کے مصداق ہے جو اسے اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ بالفاظِ دیگر قرآن مجید کو مفصّل کی بجائے مجمل

قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ یہ قابلِ نصیحت نہیں۔ العیاذُ باللہ! حقیقتِ حال کی رُو سے قرآنِ کریم مفصّل ہے ۱۶/۸۹ + ۶/۱۱۶ + ۶/۱۲۷ ۔ اور اس کی تفصیل کا انداز یہ ہے کہ مسئلہ زیرِ بحث کی جزئیات کو یا تو خود بیان کر دیتا ہے یا جزئیات کے اصول بیان کر دیتا ہے۔ مثلاً :-

صلوٰۃِ موقت نماز کی جزئیات

● اوقاتِ صلوٰۃ کی تعداد ۱۱/۱۱۴ میں بیان کر دی گئی ہے یعنی اَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّہَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّیۡلِ دو دن میں اور ایک رات میں۔ دن کی دونوں صلوٰتوں کی انتہا قَبۡلَ طُلُوۡعِ الشَّمۡسِ وَ قَبۡلَ الۡغُرُوۡبِ ۲۰/۱۳۰ + ۵۰/۳۹ میں بتا دی ہے کہ دن کے پہلے حصّے کی صلوٰۃ سُورج نکلنے سے پہلے پہلے ادا کر لیا کرو اور دوسرے حصّے کی صلوٰۃ سُورج غروب ہونے سے پہلے پہلے۔ اِس طرح ان دو صلوٰتوں کی انتہا کھل کر سامنے آ چکی ہے وہ وقت جس سے دن کے پہلے حصّے کی ابتدا ہوتی ہے یعنی طلوعِ فجر، پَوہ کا پھٹنا۔ اور دوسرے حصّے کی صلوٰۃ کی ابتدا یعنی دن کے دُوسرے حصّے کی ابتدا یعنی زوالِ آفتاب اِسی طرح تیسری صلوٰۃ جو رات کی ابتدائی گھڑیوں پر مشتمل ہے۔ اُس کی ابتدا رات کی ابتدا ہے اور انتہا غائبِ شفق۔

● اِس کے بعد باری آتی ہے ارکانِ صلوٰۃ کی۔ اُن کی تفصیل ۲۲/۲۶ میں بتا دی گئی ہے قیام رکوع اور سجدہ۔ طَہِّرۡ بَیۡتِیَ لِلطَّآئِفِیۡنَ وَ الۡقَآئِمِیۡنَ وَ الرُّکَّعِ السُّجُوۡدِ۔ میرے گھر کو پاک رکھو آنے جانیوالوں، قیام رکوع سجدہ کرنے والوں کیلئے۔ انہی ارکان کی تائید ۳/۱۰۲ + ۴۸/۲۹ میں بھی کر دی گئی ہے۔

● جزئیاتِ صلوٰۃ کی آخری اہم چیز ہے کہ صلوٰۃ میں پڑھنا کیا ہے۔ اِس کی وضاحت فَاقۡرَءُوۡا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ ۷۳/۲۰ پڑھو صلوٰۃ میں صلوٰۃ کے مقتضی مقام کے مطابق قرآن میں سے۔ صلوٰۃ چونکہ مقام حمد دعا تسبیح اور استغفار ہے اِس لئے قرآنِ کریم میں سے حمد، دعا، تسبیح اور استغفار کی حامل آیات کریمات پڑھی جائیں گی۔ بتائیے! کونسی جزئیات غیر مفصّل چھوڑ دی گئی ہیں۔ مسئلہ صلوٰۃ کے متعلق ادارہ بلاغ القرآن کا شائع کردہ پمفلٹ "الصّلوٰۃ" ملاحظہ فرمائیں۔

● سلسلۂ درس کی پچھلی آیت میں قَدۡ فَصَّلۡنَا الۡاٰیٰتِ لِقَوۡمٍ یَّذَّکَّرُوۡنَ کے الفاظ میں جس نصیحت حاصل کرنے والی قوم کی خبر دی گئی ہے، اگلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ نصیحت حاصل کرنا بھی اُن کا اپنا کام ہے اور اللہ تعالیٰ کی مدد خود اُن کے اپنے عملوں کی بدولت میسّر آتی تھی۔ یہ پاکیزہ جماعت صحابہ کرامؓ کی تھی، جس کے متعلق ارشاد ہوا ہے :-

لَہُمۡ دَارُ السَّلٰمِ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ وَ ہُوَ

واسطے اُن کے گھر ہے سلامتی کا نزدیک رب ان کے اور وہ ہے

اُن (مفصّل قرآن کی آیتوں سے نصیحت حاصل کرنیوالوں) کیلئے اُن کے رب کے ہاں سلامتی کا گھر ہے۔ اور وہ اللہ اُن کا

وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ○ ۱۲۸	مددگار رہے اُن عملوں کے ذریعہ جو وہ خود بجالاتے ہیں [1]
مددگار ان کا ساتھ اسکے جو ہیں عمل کرتے	

● [1] هُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ کے جُملہ مبارکہ میں اس امر کا اعلان کر دیا گیا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی جو مدد باری تعالیٰ کی طرف سے فرمائی گئی تھی وہ اُن کے اپنے اعمال کی بدولت تھی۔ یعنی اُن کے اپنے اعمال کا بدلہ تھا۔ مثلاً جنگِ بدر میں فتح اُن کے اپنے اعمال یعنی حسبِ حال مکمل جنگی تیاری اور ثابت قدمی کا بدلہ تھی جنگِ اُحد میں جو تکلیف پہنچی تھی وہ اُن کی اپنی سستی کا نتیجہ تھا۔ جنگِ احزاب میں صحیح منصوبہ بندی اور اُس پر صحیح عمل کرنا باعثِ فتح و نصرت ہُوا تھا۔ اور بالآخر فتح مکّہ کے وقت خدا تعالیٰ کے حکم $\frac{۶}{۸}$ کے مطابق حسبِ استطاعت اُن کی بے پناہ جنگی تیاری سے مرعوب ہو کر دشمن نے بلا جنگ وجدال شکست تسلیم کر کے بیت اللہ شریف کا قبضہ دے دیا تھا۔ قرآنی آئین کے مطابق خدا تعالیٰ کا دائمی قانون یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اتنی ہی مدد کرتا ہے جتنے کہ انسان خود عمل کرتا ہے۔ بالفاظِ دیگر جتنی اپنی مدد آپ کرتا ہے $\frac{۲۲}{۴۰}$ ۔
وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ $\frac{۲۲}{۴۰}$ اللہ اُسکی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتا ہے۔

کائناتی اور تنزیلی قوانین

● کارگاہِ کائنات میں جتنے بھی خداوندی قوانین جاری وساری ہیں اُن کے مطابق عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ مددگار بنتا ہے $\frac{۶}{۱۲۸}$ اور اُن سے غفلت برتنے سے انسان خود ہی اللہ تعالیٰ کی مدد سے محروم ہو جاتا ہے۔ زراعت ہو، صنعت وحرفت، ہر گوشۂ قانون میں خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ قوانین پر عمل کرنے ہی سے اللہ تعالیٰ کی مدد بصورتِ کامیابی شامل حال ہوتی چلی جاتی ہے۔

● لیکن یاد رہے کہ زندگی صرف اس دُنیا کی موجودہ زندگی ہی نہیں ہے کہ اس میں قوانینِ جاریہ پر زیادہ سے زیادہ عمل کر کے ذاتی مفاد حاصل کرتے چلے جائیں، بلکہ اس زندگی کے بعد یعنی قیامت کو دوسری زندگی کا تصور بھی ناگزیر ہے۔ اُخروی زندگی کی کامیابی کا تعلق خدا تعالیٰ کے تنزیلی قوانین کے ساتھ ہے۔ زیردستوں پر بالادستوں کا ظلم خدا تعالیٰ کو پسند نہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ اُس کی پیدا کردہ نعمتیں جو پُوری نوعِ انسانی کے لئے ہیں $\frac{۲}{۲۹}$ + $\frac{۲}{۳۶}$ + $\frac{۲}{۲۴}$، اِن میں عدمِ توازن اور عدمِ مساوات نہ پائی جائے۔ یہ عدمِ توازن سرِ فہرست تو اربابِ اقتدار کی طرف سے برپا ہوتا ہے۔

● چنانچہ اسی کی بدولت نوکرشاہی کے علاوہ جاگیردار، زمیندار، کارخانہ دار اور خلوت نشین حضرات آرامگاہوں میں چھپ کر بیٹھے عیش کرتے اور مزدور و مزارع بیچارے کڑکتی دھوپ میں جلتے اور شدید جاڑوں میں ٹھٹھرتے ہوئے مشقت کرتے ہیں۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں ان مشقت گزاروں کو انس کہا گیا ہے اور آرامگاہوں میں چھپ کر بیٹھنے والوں اور اُنکی کمائی پر عیش کرنے والوں کو جن کہا گیا ہے۔ مسئلہ جن کی بحث پیچھے صفحہ ۲۴۱ پر گزر چکی ہے۔ ملاحظہ فرما کر تسلّی فرمائیں۔ انہی جن و انس کے متعلق باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے :-

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ۚ يَٰمَعْشَرَ
اور جس دن جمع کرے گا انکو سب کو۔ اے گروہ
الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُم مِّنَ الْإِنسِ ۖ وَقَالَ
جنوں کے بیشک کثیر فائدہ اٹھایا تم نے سے انسانوں اور کہے گا
أَوْلِيَاؤُهُم مِّنَ الْإِنسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ
دوست ان کا میں سے انسانوں کے رب ہمارے فائدہ اٹھایا
بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَبَلَغْنَا أَجَلَنَا الَّذِي أَجَّلْتَ
بعض ہمارے نے سے بعض اور ہم پہنچے مدت اپنی کو جو مقرر کی تو نے
لَنَا ۚ قَالَ النَّارُ مَثْوَاكُمْ خَالِدِينَ فِيهَا
واسطے ہمارے کہیگا آگ ہے ٹھکانہ تمہارا ہمیشہ رہنے والے بیچ اس کے
إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۗ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ
مگر جو چاہے اللہ۔ بیشک رب تیرا بڑا دانا
عَلِيمٌ ○ ۱۲۹
بڑا علم والا ہے

اور وہ دن قابلِ ذکر ہے جب اللہ تعالیٰ (جن و انس) سب کو جمع کریگا (قیامت کو کہے گا) اے گروہ جنوں کے (چھپ کر بیٹھنے والو!) تم نے انسانوں (مشقت گزاروں) سے بہت زیادہ فائدہ اٹھایا ہے۔ انسانوں میں سے جنوں کا دوست کہے گا کہ اے ہمارے رب! ہمارے بعض نے بعض سے فائدہ اٹھایا ہے۔ اور ہم اُس مدت کو پہنچ گئے ہو تو نے ہمارے لئے مقرر کر رکھی ہے (یعنی موت تک بعض بعض سے فائدہ اٹھاتے رہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ) کہیگا تمہارا ٹھکانہ آگ ہے۔ اُسی میں ہمیشہ رہنے والے ہو۔ اللہ تعالیٰ کا قانونِ مشیت یہی ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ بہت بڑھ کر دانا ہے اور بہت بڑھ کر صحیح علم والا ہے۔

● ۱؎ أَوْلِيَاؤُهُم مِّنَ الْإِنسِ کے الفاظ میں اس امر کی خبر دی گئی ہے کہ جن یعنی مشقت گزاروں کا استحصال کرنے والوں نے خود مشقت گزاروں میں سے اپنے دوست (بصورت ایجنٹ) بنا رکھے ہوتے ہیں جو اپنے ہی ساتھی مزدوروں کا استحصال کرنے میں سرمایہ داروں، جاگیرداروں اور زمینداروں کے دوست بنے ہوتے ہیں۔ وہ اُنہیں دوسرے مزدوروں کی نسبت کچھ زیادہ مزدوری دیتے دیتے ہیں۔ اگلی آیت میں اِس کا یہ نتیجہ بتایا گیا ہے:۔

وَكَذَٰلِكَ نُوَلِّي بَعْضَ الظَّالِمِينَ بَعْضًا
اور اسی طرح ہم دوست بناتے ہیں بعض ظالموں کو بعض کا
بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ○ ۱۳۰ ع ۱۵/۸/۲
اسلئے جو ہیں وہ کسب کرتے

اور اِسی طرح ہم (انسانوں کے) ظالموں کو (جنوں کے) بعض ظالموں کا دوست بناتے ہیں (اسی دوستی) کے سبب وہ کسب کرتے ہیں (یعنی مزدوروں مشقت گزاروں کا استحصال کرتے ہیں)۔

سرمایہ دار اور اُنکے مددگار کیا کسب کیا چالیں چلتے ہیں

● آیت بالا میں مزدور عوام کا خون چوسنے والے ظالموں (جنوں) اور اُن کے مددگار انسان جنہیں سرمایہ دار مزدوروں

ہی میں سے چھانٹ کر نمبردار بنا دیتا ہے کہ تو دستی کام نہ کیا کر اور ان مزدوروں سے کام لیا کر۔ ان سب کے متعلق ارشاد ہوا ہے یہ دونوں مل کر اس ظلم کو قائم رکھنے کیلئے قسم قسم کے کسب کرتوتیں کرتے ہیں یَکۡسِبُوۡنَ۔ اسکے ضمن میں ان لوگوں کی چالبازیاں اور مکاریاں ڈھکی چھپی نہیں ہیں۔ سرمایہ داری نظام کا اولین دجل وفریب یہ ہے کہ عوام کو غریب رکھو انہیں پیٹ بھر روٹی نہیں ملنی چاہیئے تاکہ یہ خود بخود تمہارے اشاروں پر ناچتے رہیں۔ اس کے بعد جب دیکھتے ہیں کہ مزدور میں خوداری کے آثار پائے گئے ہیں تو اسے چھٹیاں کرا دیتے ہیں تاکہ اس کے گھر میں بھوک ناچنے لگے۔ اور اس کا دماغ درست ہو جائے۔ مزدوروں میں سے خوشامدی قسم کے مزدوروں کو نمبردار (سیٹھ) بنا کر ان سے جاسوسی کا کام لیتے ہیں۔ اور اس امر سے باخبر رہتے ہیں کہ کہیں مزدور کو اپنے حقوق کا شعور تو نہیں ہو رہا۔ یہ اور اس قسم کے سینکڑوں کسب کرتوتیں اور حربے ہیں جو یہ لوگ مل کر استعمال کرتے اور مزدور کے خون کو شیرِ مادر بنائے رکھنے کے سامان کئے رکھتے ہیں۔

● لیکن اللہ تعالیٰ نے ابتداءِ آفرینش ہی سے اپنے نبیوں اور رسولوں کے ذریعہ واضح کر رکھا ہے کہ یہ شیطانی نظام ضابطۂ خداوندی کے اولین درسِ ربوبیتِ عامہ ۱ کے خلاف ہے۔ چنانچہ قیامت کے مذکورہ مکالمہ میں کہا جائیگا:۔

يٰمَعۡشَرَ الۡجِنِّ وَالۡاِنۡسِ اَلَمۡ يَاۡتِكُمۡ
اے گروہ جنوں اور انسانوں کے کیا نہیں آئے پاس تمہارے
رُسُلٌ مِّنۡكُمۡ يَقُصُّوۡنَ عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتِىۡ وَيُنۡذِرُوۡنَكُمۡ
رسول ۲ میں سے تمہارے پڑھتے اوپر تمہارے آیتیں ہماری اور ڈراتے تم کو
لِقَآءَ يَوۡمِكُمۡ هٰذَا ؕ قَالُوۡا شَهِدۡنَا عَلٰٓى اَنۡفُسِنَا
ملاقات دن اس کی - کہیں گے ہم گواہ ہیں اوپر جانوں اپنی
وَغَرَّتۡهُمُ الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَا وَشَهِدُوۡا عَلٰٓى
اور دھوکا دیا انہیں زندگانی دُنیا نے اور گواہ ہوئے اوپر
اَنۡفُسِهِمۡ اَنَّهُمۡ كَانُوۡا كٰفِرِيۡنَ ۝ ۱۳۱
جانوں اپنی کہ بیشک وہ تھے انکار کرنیوالے

(کہیگا اللہ تعالیٰ) اے گروہ جنوں اور انسانوں کے (استحصال کرنے والو اور ہونے والو!) کیا تمہارے پاس ہمارے رسول تمہیں میں سے نہیں آئے تھے ۲ جو تم پر ہماری آیتیں پڑھتے تھے ۲؟ اور تمہیں اس دن کی (حضورِ الٰہی میں) حاضری سے ڈراتے تھے۔ وہ کہیں گے ہم اپنے آپ پر گواہ ہیں اور انہیں دنیا کی زندگی نے دھوکا دیا ۳ اور وہ اپنی جانوں پر آپ گواہ ہوئے کہ بلاشبہ وہ (ضابطۂ الٰہی کا) انکار کرنے والے تھے

● ۲ اَلَمۡ يَاۡتِكُمۡ رُسُلٌ کے جملہ سے بعض لوگ یہ تصور اخذ کرتے ہیں کہ نبی رسولوں کی آمد آنحضورؐ کے بعد بھی جاری ہے۔ واضح رہے کہ نبی رسولوں کی آمد کا سلسلہ خود باری تعالیٰ نے ۳۳/۴۰ میں آنحضورؐ کو خاتم النبیین قرار دے کر ختم کر دیا ہے۔ آیۂ بالا میں جو لفظ آیا ہے رُسُلٌ، یہ رسول کی جمع ہے۔ عربی زبان میں رسول کا لفظ عام ہے ۱۲/۵۰ میں شاہِ مصر کے ایلچی کو، جو شاہِ مصر کی طرف سے حضرت یوسفؑ کے پاس جیل خانے میں بھیجا گیا تھا، رسول کہا گیا ہے:۔ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوۡلُ۔

لیکن جس طرح اسے اللہ کا نبی رسول نہیں کہا جاسکتا، اُسی طرح آیتِ بالا میں حضور خاتم النبیینؐ کے بعد قرآن کریم کے مبلغ مراد ہیں جو لوگوں کو قرآنِ کریم کا پیغام پہنچانے والے ہیں۔ کیونکہ آنحضورؐ کے بعد افرادِ امت پر بھی بلاغِ قرآن فرض ہے۔ دیکھئے ارشادِ باری :-

● وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ۶/۱۹ اور (اے رسولؐ! کہہ دیجئے کہ) میری طرف یہ قرآن نازل کیا گیا ہے تاکہ میں اسی کے ساتھ تمہیں بُرے اعمال کی سزا سے ڈراؤں اور وہ بھی اپنے زمانے میں اسی قرآن کے ساتھ لوگوں کو ڈرائے جس تک یہ پہنچے ۔۔۔۔۔۔۔ اِس آیت مجیدہ کی رُو سے تبلیغِ قرآن قیامت تک جاری رہیگی۔ اور اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ کے تقاضے پُورے ہوتے رہیںگے۔

● ۲؎ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ کے الفاظ میں مبلغینِ قرآن کی نشانی یہ بتائی گئی ہے کہ وہ اللہ کی آیتیں پڑھیں گے، روائتیں نہیں پڑھیں گے۔ یعنی وہ تبلیغِ قرآن کو خالص رکھیں گے، اُس میں روائتوں اور قصوں وغیرہ کی ملاوٹ کر کے ناخالص نہیں کریں گے۔ لیکن یاد رہے کہ مبلغینِ قرآن کو قرآن پہنچانے والے کہا جائے گا اللہ کے نبی رسول نہیں کہا جائے گا۔ کیونکہ نبوّت وہبی چیز ہے کسبی نہیں۔

● ۳؎ غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا کے الفاظ میں عام قاعدہ بتا دیا گیا ہے کہ انسانوں کو عموماً دُنیا کی زندگی دھوکا دیتی ہے اور وہ غافل ہو جاتے ہیں۔ یاد رکھنے کی یہ چیز ہے کہ دُنیا کی زندگی چند روزہ ہے اور اس میں کئے گئے اعمال کی جوابدہی کے لئے بلا شک و شبہ قیامت کی عدالتِ عالیہ میں حاضر ہونا ہے۔ اگر یہ چیز یاد رہے تو پھر انسان دُنیا کی زندگی سے دھوکا نہیں کھاتا اور غلط کار نہیں بنتا۔

ایک اہم اعتراض کا جواب

● آگے بڑھنے سے پہلے اوپر دئیے گئے ضمنی نوٹ ۱؎ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ کی بحث پر پیدا ہونے والے اس اعتراض کا جواب دینا ضروری ہے کہ اگر مبلغینِ قرآن کو بھی رسُول کہا گیا ہے تو اگر مرزا غلام احمد کی قسم کا کوئی متنبی مولوی اپنے آپ کو اللہ کا رسُول کہلانے کا شوق کرے تو اُس کے خلاف قرآنِ کریم کی کیا دلیل ہے۔ جواباً عرض ہے کہ آنحضورؐ کے بعد اللہ کی طرف سے نبیوں اور رسُولوں کو بھیجنے کا سلسلہ آیت مجیدہ ۳۳/۴۰ کے مطابق ختم ہو چکا ہے :۔ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ نہیں ہیں محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ، لیکن وہ اللہ کے رسُول ہیں (یعنی بحیثیت رسُول ہونے کے ساری اُمت کے دینی باپ ہیں۔ آپ کی بیویاں اُمت کی دینی مائیں ہیں ۳۳/۶) اور آپ وہ ذاتِ مقدس ہیں جن پر نبیوں اور رسُولوں کی آمد اللہ کی طرف سے ختم کر دی گئی ہے۔ یہ آیت مجیدہ محکم آیت ہے، آنحضورؐ کے خاتم النبیین ہونے کو باندازِ ذیل بھی اجاگر کیا گیا ہے :۔

● حضرتِ نوحؑ کے متعلق ارشاد ہُوا ہے لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ ۷/۵۹ بیشک ہمنے نوحؑ کو اسکی قوم کی طرف بھیجا۔

● حضرت ہودؑ کے متعلق فرمایا :۔ وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۷/۶۵ اور قوم عاد کی طرف اُن کے بھائی ہودؑ کو بھیجا۔

• حضرت صالحؑ کے متعلق آیا ہے :۔ وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاھُمْ صٰلِحًا ۷/۷۳ اور قوم ثمود کی طرف اُنکے بھائی صالحؑ کو بھیجا۔
• حضرت شعیبؑ کے متعلق فرمایا :۔ وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا ۱۱/۸۴ اور اہل مدین کی طرف انکے بھائی شعیبؑ کو بھیجا۔
• حضرت موسٰیؑ کے متعلق آیا ہے وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی .... اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَاۡئِہٖ ۔ اور بیشک موسٰیؑ کو .... فرعون اور اسکے سرداروں کی طرف بھیجا۔ اسی طرح حضرت مسیحؑ کا قول ہے :۔ وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ ۶۱/۶ اور جب مریمؑ کے بیٹے عیسٰیؑ نے کہا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہُوا ہوں۔
• پس ان آیات کریمہ سے ثابت ہُوا کہ ہر نبی رسُول اپنی اپنی قوم کی طرف بھیجا گیا تھا۔ لیکن آنحضورؐ کے متعلق خود آپ ہی سے اعلان کرا دیا گیا ہے :۔
• قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا ۷/۱۵۸ کہدے تجھیگا اے نوعِ انسانی! میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہُوا رسُول ہوں۔ نیز آنحضورؐ کے آخری رسُول ہونے کا باندازِ ذیل بھی اعلان کر گیا ہے :۔
• وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ ۳۴/۲۸ اور نہیں بھیجا ہمنے آپکو مگر آپ نوعِ انسانی کیلئے کافی ہیں۔ آنحضورؐ کی کفائت اُسی طرح نوعِ انسانی کیلئے ہے جس طرح اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ ۳۹/۳۶ کے الفاظ میں اللہ تعالیٰ کے کافی ہونے کا اعلان کیا گیا ہے۔ پھر آپکو دی گئی کتاب کے متعلق ارشاد ہُوا ہے اَوَلَمْ یَکْفِھِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ ۲۹/۵۱ کیا یہ لوگوں کیلئے کافی نہیں کہ ہمنے آپ پر اپنی کتاب قرآن مجید نازل کر دیا ہے۔ جو کہ قیامت تک کی نوعِ انسانی کیلئے ہدائت ہے ھُدًی لِّلنَّاسِ ۲/۱۸۵ اب جبکہ آنحضور قیامت تک کیلئے بحیثیت رسُول کافی ہیں ۳۴/۲۸ اور آپکی کتاب بحیثیت کتاب کافی ہے ۲۹/۵۱ اور ۳۳/۴۰ کے مطابق آپ آخری رسُول ہیں تو ان دلائلِ قرآنیہ کی موجودگی میں اگر کوئی مولوی ۶/۱۲۴ کی متشابہ آئت کا سہارا لیکر اللہ کا رسُول ہونے کا دعویٰ کرے تو جھوٹے دعویداران رسالت میں اضافہ کرکے جہنم کا ایندھن بننے کے سوا اور کیا کریگا۔

عَوۡدُ اِلَی الْمَقْصُود

• مندرجہ بالا بحث میں ہم دور نکل آئے ہیں۔ اپنے سبق کی طرف رجُوع کرتے ہُوئے عرض گزار ہیں کہ ۶/۱۳۱ کے مطابق دُنیا کی زندگی سے دھوکا کھا کر ضابطۂ خداوندی سے غافل ہو جانا نافرمانی ہے اللہ کے بھیجے ہُوئے نبیؐ رسُولؐ بھی فریضۂ تبلیغ رسالت و نبوّت ادا کر کے لوگوں پر بھی اتمام حجت کیا کرتے تھے اور مبلغینِ قرآن کا فریضہ بھی یہی اتمام حجت ہے۔ سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں اسی اتمام حجت کی خبر بالفاظ ذیل دی گئی ہے :۔

ذٰلِکَ اَنْ لَّمْ یَکُنْ رَّبُّکَ مُھْلِکَ الْقُرٰی
مذکورہ بالا اسلئے کہ نہیں ہے رب تیرا ہلاک کرنے والا کسی بستی کو

بِظُلْمٍ وَّاَھْلُھَا غٰفِلُوْنَ ○ ۱۳۲
ظلم کیساتھ اور تھیں اُسکے رہنے والے بے خبر

(مذکورہ بالا (اندازِ تبلیغ اے رسُولؐ!) اس لئے ہے کہ آپ کا رب ظلم کے ساتھ کسی بستی والوں کو ہلاک کرنے والا نہیں ہے کہ وہ اس کے احکام سے) بے خبر ہوں (اور اُن پہ عذاب آجائے)

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۭ وَمَا رَبُّكَ

اور ہر کسی کیلئے ہیں درجے بسبب اسکے جو عمل کئے اور نہیں رب تیرا

بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ۝ ۱۳۳

غافل اُس سے جو وہ عمل کرتے ہیں

اور ہر کسی کے لئے درجے مقرر ہوتے ہیں اُس کے مطابق جو وُہ عمل کرتے ہیں۔ اور (اے رسولؐ!) آپ کا رب اُس سے غافل نہیں جو وہ عمل کرتے ہیں (اسلئے ہر کسی کے صحیح درجے اُس کے اعمال کے مطابق متعین ہوتے ہیں)۔

وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ اِنْ يَّشَاْ

اور رب تیرا بے محتاج ہے رحمت والا اگر وہ چاہے

يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَاۗءُ

لے جائیگا تمہیں اور لے آئے گا سے پیچھے تمہارے جسے چاہے

كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۝ ۱۳۴

جیسے کہ پیدا کیا تم کو میں سے نسل قوم دوسری کے

اور (اے رسولؐ!) آپکا پروردگار بے نیاز ہے رحمت والا ہے۔ (ہرگز ظلم نہیں کرتا۔) اگر (تم بدعمل ہوجاؤ تو) وہ تمہیں (لے) جائے گا (ختم کر دے گا) اور (اپنے قانونِ مشیت کے مطابق دوسری) قوم کو لے آئے گا جیسے کہ تمہیں ایک دوسری قوم کی نسل سے پیدا کیا تھا۔

● یہ خطاب آنحضورؐ کی معرفت زمانۂ رسالتِ محمدی کے لوگوں، آپکے مخالفوں سے فرمایا گیا تھا۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں انہی لوگوں کو کہا گیا ہے کہ اگر تم ہمارے رسولؐ کی مخالفت سے باز نہ آئے تو وعدہ دیا گیا عذاب آ کر رہے گا:۔

اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ

بیشک جو وعدہ تم دیئے جاتے ہو ضرور آنیوالا ہے اور نہیں تم

بِمُعْجِزِيْنَ ۝ ۱۳۵

عاجز کرنے والے

بیشک جو وعدہ تمہیں (رسولؐ کے ذریعہ) دیا جاتا ہے (کہ اگر تم ہمارے دین کی مخالفت سے باز نہ آئے تو وہ ضرور آنے والا ہے (وہ عذاب آ کر رہے گا) اور تم اُسے عاجز کرنے والے نہیں (کہ عذاب کو ٹال لو)۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں آنحضورؐ کے ذریعہ ذیل کا فیصلہ کن اور آخری اعلان کرا دیا گیا ہے:۔

قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰي مَكَانَتِكُمْ

کہہ اے قوم میری عمل کرو تم اوپر مقام اپنے کے

اِنِّىْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ

بیشک میں عمل کرنیوالا ہوں پھر جلدی تم جان لوگے کون ہے کہ ہوگا

لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ

واسطے اسکے انجام گھر کا بیشک وہ نہیں کامیاب کرتا

(اے رسولؐ!) کہدیجئے گا کہ اَے میری قوم (جب تم قرآنی حقائق کو تسلیم نہیں کرتے تو اب فیصلہ کن امر یہ ہے کہ) تم اپنے مقام پر عمل کرتے جاؤ اور میں تو اپنے مقام پر عمل کرنے والا ہوں (پھر اعمال کے نتیجے کے طور پر فیصلہ ہوجائے گا) تم جلدی ہی جان لو گے کہ کس کے اعمال بہتر نتائج پیدا کرتے ہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بے ٹھکانہ کام کرنے والوں کو کامیاب نہیں کرتا۔

الظّٰلِمُوْنَ ۝۱۳۶
ظالموں کو

● اِس خداوندی اعلان کے مطابق اعمال کے بہتر نتائج کو دلیلِ صداقت قرار دیا گیا ہے۔ آنحضورؐ کے مُبارک منشور کی پہلی شِق ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۱، جو بلا تمیز اعلیٰ و ادنیٰ ربوبیتِ عالمینی کی علمبردار ہے۔ اِسی پر کامل عمل کی بدولت آنحضورؐ آخر کار فتح و ظفر سے ہمکنار ہُوئے نظامِ ربوبیت کے قیام میں اوّلین رکاوٹ عقیدہ پیشوائیت ہے جو زمانۂ رسالت کے یہود و نصاریٰ میں شدت کے ساتھ جاری تھا۔ جس میں خدا تعالیٰ کی نعمتوں کے حصول کے لئے مختلف پیشواؤں کو وسیلہ قرار دیا جاتا اور عقیدہ یہ تھا کہ اُن کے وسیلے کے بغیر نہ بارش برستی ہے نہ کھیتی پیدا ہوتی ہے۔ اِس لئے عوام کے ذہنوں میں بٹھا دیا گیا تھا کہ جبتک کمائی میں سے خدا کیساتھ ساتھ پیروں فقیروں کا حصّہ مقرر کر کے باقاعدہ ادا کیا جائے گا' نہ کھیتی پیدا ہوگی' نہ مویشیوں میں اضافہ ہوگا۔ اِسی چیز کی خبر سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں دی گئی ہے :-

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ
اور ٹھہرایا واسطے اللہ کے اس سے کہ اگایا میں سے کھیتی کے

وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ
اور مویشیوں سے حصّہ پھر کہا یہ ہے واسطے اللہ کے ساتھ زعم ان کے

وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ
اور یہ ہے واسطے شریکوں ہمارے پھر جو ہے واسطے شریکوں ان کے

فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ
پس نہیں پہنچتا طرف اللہ کے اور جو ہے واسطے اللہ کے پس وہ پہنچتا ہے

اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ۗ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝۱۳۷
طرف شریکوں ان کے ، برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں

اور (آنحضورؐ کے مخالفین نے) کھیتی کی پیداوار اور مویشیوں میں سے ایک حصّہ اللہ تعالیٰ کے لئے ٹھہرایا تھا۔ پھر وہ کہتے تھے کہ یہ حصّہ (کھیتی اور مویشیوں کا) اُن کے زعم کے مطابق اللہ کا ہے اور یہ حصّہ ہمارے ٹھہرائے ہُوئے شریکوں کا ہے۔ پھر جو حصّہ اُن کے شریکوں کا ہے وہ اللہ کو نہیں پہنچتا اور جو حصّہ (اُن کے زعم کے مطابق) اللہ کا ہے وہ (بھی تو) اُن کے ٹھہرائے ہُوئے شریکوں کو پہنچتا ہے۔ (یعنی وہ لوگ دونوں حصّے پیروں کو دے دیتے ہیں) (کتنا) بُرا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں۔

پیروں کی نذر میں اولاد کا قتل ہے

● اگلی آئت مجیدہ میں پیروں کے حصّہ کا تقرر یعنی اولاد کا حق پیروں کی نذر کرنے کو قتلِ اولاد کہا گیا ہے۔ کہ وہ بچوں کے پیٹ کاٹ کر پیروں کو دیتے ہیں :-

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ
اور اسی طرح مزین کیا واسطے بہت سے مشرکوں کے

اور اِسی طرح (مریدوں کے مالوں میں حصّے مقرر کر کے) بہت سے مشرکوں کیلئے اُنکے (ٹھہرائے ہُوئے) شریکوں (پیروں) نے

قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا
قتل کرنا اولاد کا ان کی شریکوں نے انکے تاکہ ہلاک کریں انکو اور تاکہ مخلوط کردیں
عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ
اوپر ان کے دین ان کا اور اگر چاہتا اللہ نہ کرتے اسے
فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ۝ ۱۳۸
پس چھوڑ اُن کو اور جو افترا کرتے ہیں

اُن کی اولاد کا قتل کرنا مزین کر دیا ہے۔ تاکہ اُنہیں (مالی طور پر) ہلاک[۱] کرتے رہیں اور تاکہ اُن کے دین کو اُن کے لئے مخلوط کر دیں[۲]۔ اور اگر اللہ تعالیٰ (زبردستی) چاہتا تو وُہ ایسا نہ کرتے۔ (اے مخاطب!) اُنہیں بھی چھوڑ دے اور اُس (دین کو بھی چھوڑ دے) جو یہ لوگ خود اپنے پاس سے گھڑ لیتے ہیں۔

● ۱-۲۔ قتل اولاد محاورةً آیا ہے۔ اور لِيُرْدُوْهُمْ کا معنیٰ ہے تاکہ وہ اُنہیں ہلاک کر دیں اِن معنوں میں $\frac{92}{11}$ میں آیا ہے وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰى ؕ اور اُس کے مال نے اُسے فائدہ پہنچایا جب وہ ہلاک ہُوا۔ آیتِ بالا میں مالی اقتصادی ہلاکت مُراد ہے۔ جو نذروں، نیازوں، مُریدوں کے مال میں مقررہ حصّوں کے مطابق وصول کر کے مُریدوں کو ہلاک کیا جاتا ہے۔ اِسی چیز کیلئے قتل اولاد کا محاورہ استعمال ہُوا ہے۔ جس کی زندہ مثال یہ ہے کہ خواہ کھیت سے فصل اتنی کم پیدا ہُوئی ہو کہ مُرید کے بچوں کیلئے بھی ناکافی ہو تو پھر بھی پیر صاحب کا حصّہ ضرور ادا کر دیا جاتا ہے، پیر کے گھر میں اناج کے ڈھیر لگے ہوتے ہیں مگر مُرید اپنے بچوں کا پیٹ بھرنے کے لئے سال بھر قرضہ اُٹھانے کے لئے مجبور ہُوا رہتا ہے۔

● ۳۔ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ کا مفہوم یہ ہے کہ کھیتی اور مویشیوں میں سے پیروں کا حصّہ تو کسی بھی دین میں مقرر نہیں ہے، نہ یہودیوں کے دین میں ہے نہ نصاریٰ کے دین میں۔ مگر پیر صاحبان مذکورہ نذروں نیازوں کو دین کا حصّہ ظاہر کر کے اُن کے لئے اصل دین کو مخلوط کر دیتے ہیں تاکہ نہ اصل دین اُن پر نمایاں ہو سکے اور نہ ان کے مقررہ حصّوں کی وصولی میں کوئی رکاوٹ پیدا ہو سکے۔ چنانچہ پیروں کی کھیتی اور اُن کے مویشیوں کو پہلے ہی سے الگ کر دینے کی خبر دے دی گئی ہے:۔

وَقَالُوْا هٰذِهٖۤ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ
اور کہا یہ مویشی اور کھیتی اچھوتی ہے
لَّا يَطْعَمُهَاۤ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَ
نہیں کھائے گا اسکو مگر جسے ہم چاہیں ساتھ زعم ان کے اور
اَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا
مویشی حرام کی گئیں پیٹھیں ان کی اور مویشی نہیں
يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ؕ
ذکر کرتے نام اللہ کا اوپر اُن کے افترا کے طور پر اوپر اسکے

اور وُہ (مُرید) اپنے زعم کے مطابق کہتے ہیں کہ ان مویشیوں اور اس کھیتی کو ہم نہیں چھوئیں گے[۱]۔ اِسے نہیں کھائے گا کوئی لیکن جسے ہم چاہیں گے۔ اور بعض مویشیوں کی پیٹھیں حرام کر دی جاتی ہیں (صرف پیر اُن پر سوار ہوتے ہیں[۲]) اور بعض مویشیوں پر اللہ کے نام کا ذکر نہیں کرتے (کہتے ہیں یہ پیروں کے ہیں[۳]) اللہ تعالیٰ اُنہیں ضرور ضرور اس کی سزا دے گا جو وہ افترا باندھتے ہیں (دین میں ایسے عقائد ایجاد کرتے اور اُنہیں اللہ کے دین کا حصّہ قرار دیتے ہیں)۔

سَيَجْزِيهِمْ بِمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿١٣٩﴾
فرور سزا دے گا انکو بسبب وہ تھے افترا ہی کرتے

وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هَٰذِهِ الْأَنْعَامِ
اور کہا جو بیچ پیٹوں ان مویشیوں کے ہے

خَالِصَةٌ لِذُكُورِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلَىٰ أَزْوَاجِنَا
خالص ہے واسطے مردوں ہمارے اور حرام کیا گیا اوپر ساتھیوں ہمارے

وَإِنْ يَكُنْ مَيْتَةً فَهُمْ فِيهِ شُرَكَاءُ سَيَجْزِيهِمْ
اور اگر ہو مُردہ تو وہ بیچ اسکے شریک ۔ فرور سزا دیگا انکو

وَصْفَهُمْ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿١٤٠﴾
بیان کی اُنکے بیشک وہ بہت دانا بہت علم والا ہے

اور وُہ (مُرید) کہتے ہیں کہ اِس مویشی کے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ خالصًا ہمارے مردوں (یعنی پیروں⁴) کے لئے ہے۔ اور ہمارے ساتھیوں مُریدوں کے لئے حرام کر دیا گیا ہے۔ اور اگر (وُہ بچہ پیدا ہو) مُردہ تو اُس میں شریک ہوجاتے ہیں⁵ (اسے اپنے لئے قرار دے لیتے ہیں) اور اِس طرح جو (پیروں کے) وصف بیان کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اُنہیں اس کی فرور سزا دیگا۔ بلا شبہ وہ بڑھ کر دانا اور بڑھ کر علم والا ہے۔

● ¹ پیروں کے مُرید بعض مویشیوں کو پیدا ہوتے ہی اور بعض کھیتوں کو بوتے وقت ہی پیروں کی نذر کر دیتے ہیں کہ اِن میں سے اُن کے سوا کوئی نہیں کھائے گا۔ یہ ہے مفہوم اَنْعَامٌ وَحَرْثٌ حِجْرٌ کا۔

● ² وَأَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُورُهَا سے مُراد یہ ہے کہ مرید بعض جانوروں، گھوڑوں وغیرہ کو پیروں کی نذر کر کے یہ عقیدہ بنا لیتے ہیں کہ ان پر صرف پیر صاحب ہی سوار ہو سکتے ہیں، باقی لوگوں کے لئے اِن پر سواری کرنا حرام ہے۔

● ³ وَأَنْعَامٌ لَا يَذْكُرُونَ اسْمَ اللهِ عَلَيْهَا سے یہ مُراد ہے کہ مرید بعض مویشیوں کو خاص طور پر پیروں کے عطا کردہ قرار دیتے ہیں، اُن پر اللہ کا نام نہیں لیتے۔ بعض مرید اپنے بیٹوں کو بھی اللہ کی بجائے پیروں کے عطا کردہ قرار دے کر اُن کے نام رکھتے ہیں پیر اندتہ اور عطا فرید وغیرہ۔

● ⁴ خَالِصَةٌ لِذُكُورِنَا کا لفظی معنی یہ ہے کہ یہ خالصًا ہمارے مردوں کیلئے ہیں۔ لیکن اہل تصوّف پیروں کو مرد کہتے ہیں۔ مثلاً کبھی پیر کا ذکر ان لفظوں میں کیا جاتا ہے کہ وہ موچی مرد ہیں یا وُہ لوہار مرد یا ترکھان مرد ہیں۔ یہ اس لئے کہ تصوّف کی نام نہاد منزلوں کو طے کرنا مردانگی قرار دیا جاتا ہے۔

● ⁵ بعض مُرید کسی مویشی کے پیٹ کے بچّے کو اُس کے پیدا ہونے سے پہلے ہی پیر صاحب کی نذر کر دیتے ہیں۔ اُس کے پیدا ہونے کے دن ہی سے اُسکا مخصوص ادب اور مخصوص مقام قرار دے دیا جاتا ہے۔ لیکن اگر وُہ بچّہ مُردہ پیدا ہو جائے اِس کے کہ اُسے پیر صاحب کا عجز قرار دیا جائے، اُلٹا اِسے اپنا حصّہ قرار دے کر پیر صاحب کے لئے دوسرے وقت پھر زندہ پیدا ہونے والا بچّہ اپنے ذمّہ نیاز کے طور پر رکھ لیتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہُوا ہے:۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ
بیشک نقصان پایا جنہوں نے قتل کیا اولاد اپنی کو

سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ
بے عقلی سے بغیر علم کے اور حرام کیا جو دیا انہیں اللہ نے

افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ؕ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا
بہتان باندھ کر اوپر اللہ کے۔ بیشک گمراہ ہوگئے اور نہ تھوئے

مُهْتَدِيْنَ ۝ ۱۴۱ ع ۱۶
ہدایت پانے والے

بیشک جن لوگوں نے (مذکورہ بالا طریقے سے اولاد کے مُنہ سے چھین کر پیروں کو دیا) اُنہوں نے نادانی اور بےخبری کیساتھ اولاد کو قتل کیا، اور اللہ کے دیئے ہُوئے رزق کو اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھ کر (اپنے لئے اور اپنی اولاد کیلئے) حرام کرلیا، وُہ گھاٹے میں رہے۔ بیشک وُہ گمراہ ہوگئے اور وُہ ہدایت پانے والے نہیں ہیں۔

● ۱؎ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ کے الفاظ میں قتل مجازی مُراد ہے کہ بچّوں کے مُنہ سے چھین کر پیروں کو دینا اولاد کے قتل کے مترادف ہے۔ نیز اگر اولاد کو بھی پیر پرستی پر لگا دیا تو گویا انہیں قتل کر دیا۔

● ۲؎ حَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ جو رزق اللہ تعالیٰ نے اپنی اور اولاد کی پرورش کے لئے دیا ہے، اُس کے ایک حصّہ کو پیر کی نیاز قرار دے کر اپنے لئے حرام کر لینا۔ اور دوسرا مفہوم یہ بھی ہے کہ پیر صاحبان مریدوں کو تعویذ دیتے وقت حکم دیتے ہیں کہ ایک پھل سبزی یا گائے کا گوشت چھوڑ دو۔ چنانچہ پیروں کے کہنے پر اپنے آپ پر گائے کا گوشت یا پھلوں میں سے امرود وغیرہ اور سبزیوں میں سے بھنڈی یا بینگن وغیرہ حرام کر لئے جاتے ہیں۔ العیاذ باللہ!

● ۳؎ اِفْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ کے الفاظ میں بتا دیا گیا ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھ کر کیا جاتا ہے یعنی یہ کہ یہ سب کچھ کرنے کا خود اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہُوا ہے۔ چنانچہ پیروں کے ملفوظات کو اُس کے لئے سند قرار دے کر ایسی ایسی چیزیں جزوِ اسلام بتائی جاتی ہیں جن کا اسلام کے ساتھ دُور کا تعلق بھی نہیں۔

● ۴؎ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ کے الفاظ میں ایسے لوگوں کو نہ صرف یہ کہ گمراہ قرار دیا گیا ہے بلکہ اُن کے متعلق یہ خبر دی گئی ہے کہ وُہ اِس گمراہی میں اِس قدر پکّے ہو جاتے ہیں کہ وہ ہدایت پانے والے ہیں ہی نہیں۔

ہر چیز کو پیدا کرنیوالا صرف اللہ تعالیٰ ہے

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں پیروں کو خدائی اختیارات سونپنے والوں کو آگاہ کیا گیا ہے کہ حاجت روا وُہ ہے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے :-

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ
اور وُہی ہے جو پیدا کرتا ہے باغات ایک دوسرے پر چڑھے ہُوئے

(اِن کے پیر کچھ پیدا نہیں کرتے ۱۶/۲۰) وُہ اللہ ہی ہے جو ایسے باغات پیدا کرتا ہے جو ایک دُوسرے کے اُوپر چڑھے ہُوئے ہوتے

وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا
اور نہ چڑھے ہوئے اور درخت کھجور اور کھیتیاں مختلف
اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا
ذائقے انکے اور زیتون اور انار باہم ملتے جلتے
وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ
اور نہ ملتے جلتے کھاؤ میں سے پھل اس کے جب وہ پھل دے
وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ[۱] ڮ وَلَا تُسْرِفُوْا ۭ[۱]
اور دو حق اس کا دن اتارنے پھل کے اور نہ بے جا خرچ کرو
اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ ۱۴۲
بیشک وہ نہیں پسند کرتا بے جا خرچ کرنیوالوں کو

ہیں اور (ایسے بھی جو) نہیں چڑھے ہوئے ہوتے۔ اور (پیدا کرتا ہے) کھجوروں کے درخت اور کھیتیاں (جن کی کھجوریں اور اجناس) مختلف ذائقہ ہوتا ہے اُس کا۔ اور وہ زیتون (بھی پیدا کرتا ہے روغنی فرورتوں کے لئے) اور انار ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی اور نہ ملتے جلتے بھی۔ کھاؤ اُس کے پھلوں میں سے جب وہ پھل دے اور اُس کا حق (زکوٰۃ) ادا کیا کرو پھل اُتارنے اور فصل کاٹنے کے دن[۱] اور فضول خرچ نہ کیا کرو بیشک اللہ تعالیٰ فضول خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

● چونکہ مسلسل پانچ آیات کریمات کے سیاقِ کلام میں پیروں کی نذروں نیازوں اور مال میں اُن کا حصّہ مقرر کرنے کی مذمت کی گئی ہے۔ اِس لئے لَا تُسْرِفُوْا کے مطابق، پیروں کی نذریں نیازیں اور اُن کے لئے مقررہ حصّے اسراف میں بھی شامل ہیں اور خدا تعالیٰ کی نافرمانی بھی ہیں۔

اللہ کا حصّہ آمدنی میں سے ادا کرنا ہے بچت میں سے نہیں

● [۱] اٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ کے الفاظ میں حکم دیا گیا ہے کہ کھیتی کی فصل اور باغات کے پھلوں میں سے اللہ تعالیٰ کا حق، اُس کا حصّہ زکوٰۃ اُس دِن ادا کیا کرو جس دن کھیتی کاٹ کر سمیٹی جائے اور جس دن پھل اُتار کر سنبھالا جائے۔ دیکھئے! یہاں یہ نہیں کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ کا حصّہ زکوٰۃ سال کے بعد اُس مال میں سے ادا کیا کرو جو تمہارے پاس بچ رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حصّہ اُن لوگوں کا حق ہے جنہیں ناہموار معاشرہ محرومِ رُبوبیّت کر دیتا ہے۔ اسلئے روایات کا دیا ہوا یہ تصور مطلقاً غلط کہ حقدار بیچارے تو سال بھر اپنے حق سے محروم رہیں، مالدار سال بھر عیش کرتا رہے اور سال کے بعد اگر کچھ بچ جائے تو اُس بچت کا چالیسواں حصّہ نکال دیا جائے۔ اگر سال کے بعد کچھ نہ بچے تو سمجھ لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا حصّہ ساقط ہو چکا ہے۔

● جس طرح کھیتی کی فصل اور باغ کا پھل آمدنی ہے بچت نہیں، اور حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کا حق يَوْمَ حَصَادِهٖ ادا کیا کرو، اُسی طرح اللہ کا حصّہ (زکوٰۃ) آمدنی میں سے ادا کرنا فرض ہے بچت میں سے نہیں۔ ماہوار تنخواہ پانے والا ماہوار زکوٰۃ ادا کرے گا اور ہفتہ وار اُجرت پانے والے کو اللہ تعالیٰ کا حق ہفتہ وار ادا کرنا ہوگا۔ زکوٰۃ کی وصولی اور حقداروں کو ادائیگی اسلامی حکومت کا فرض ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ آمدنی میں سے کتنا حصّہ زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔ اِس کے ضمن میں صحیح قرآنی حصّہ عُشر کی

صورت میں بطور یادگار عملاً چلا آرہا ہے۔ کہ فصلوں اور پھلوں کی آمدنی میں سے عُشر یعنی دسواں حصّہ ادا کیا جاتا ہے اور سال بھر کی تاخیر کے بغیر آمدنی کے دن ادا کیا جاتا ہے۔ یہی صحیح قرآنی تصوّر ہے۔ اسی عنوان زکوٰۃ کے مقررہ دسویں حصّے کی قرآنی بحث آگے آیت نمبر ۱۶۱/۶ کی تفسیر میں صفحہ ۳۰۲ پر ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ کے حلال کو حرام ٹھہرانا شیطانی فعل ہے

● چونکہ پیچھے مسلسل پانچ سات آیات کریمات میں پیروں اور مریدوں کا ذکر چل رہا ہے۔ جس میں پیروں کی طرف سے اللہ کے حلال کو حرام ٹھہرانے کا ذکر پیچھے آیت نمبر ۱۴۱ میں گزر چکا ہے۔ اس لئے سلسلۂ درس کی اگلی آیات مجیدہ میں اللہ تعالیٰ کے حلال کو حرام ٹھہرانے کو شیطانی فعل قرار دیا گیا ہے۔ اور ساتھ ہی حلال جانوروں کی آٹھ قسمیں بیان کردی گئی ہے :۔

وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ۭ كُلُوْا
اور میں سے چوپایوں کے لدو ہیں اور پست قد۔ کھاؤ

مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ
میں سے جو دیا تم کو اللہ نے اور نہ پیروی کرنا قدموں شیطان کی

اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ ۱۴۳
بیشک وہ واسطے تمہارے دشمن ہے ظاہر

اور چارپایوں میں سے بعض لدّو ہیں (دراز قد) اور بعض ہیں (غیر لدّو) پست قد۔ اللہ تعالیٰ نے جو رزق (حلال جگالی کرنے والے چوپائے ۵/۱) تمہیں عطا فرمایا ہے، اُس میں سے کھاؤ۔ اور شیطان کے چال چلن کی پیروی نہ کرو (حلال کو حرام ٹھہرا کر کھانا چھوڑ نہ دینا) بیشک وُہ تمہارا ظاہر دُشمن ہے۔

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَ
آٹھ قسمیں میں سے بھیڑ دو قسمیں اور

مِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ۭ قُلْ ءٰۗالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ
میں سے بکری دو قسمیں کہہ کیا دو مذکر حرام کئے یا

الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ
دو مادہ۔ یا جو مشتمل ہیں اُوپر اُسکے رحم دو مادہ کے

نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ ۱۴۴
خبر دو مجھے ساتھ علم کے اگر ہو تم سچے

آٹھ قسمیں (کھاؤ) بھیڑ میں سے دو قسمیں (نر مادہ)۔ اور بکری میں سے (کھاؤ) دو قسمیں (نر مادہ)۔ (اے رسولؐ) کہہ دیجئے کہ کیا اللہ نے (بھیڑ بکری کے) دو مذکر حرام کئے ہیں یا دو مؤنثیں حرام کی ہیں۔ یا اُن کے اُن بچّوں کو حرام کیا ہے جو اِن دونوں مؤنثوں کے رحم اُٹھاتے ہیں۔ (اللہ نے کسی کو بھی حرام نہیں کیا) اگر تم سچے ہو تو (سُنی سنائی باتوں سے نہیں بلکہ) مجھے علم کے ساتھ خبر دو۔

● اِس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمانۂ رسالت کے لوگ بھی ان میں سے بعض قسموں کو حرام قرار دیتے تھے۔ نیز فرمایا :—

وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ

اور میں سے اونٹ کے دو قسمیں اور میں سے گائے دو قسمیں

قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا

کہہ کیا دو مذکر حرام کئے یا دو مادہ۔ یا جو

اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ اَمْ كُنْتُمْ

مشتمل ہیں اوپر اسکے رحم دو مادہ کے۔ یا تھے تم

شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا فَمَنْ اَظْلَمُ

حاضر جب حکم دیا تم کو اللہ نے ساتھ اسکے پھر کون بڑا ظالم ہے

مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ

اُس سے جو افترا کرے اوپر اللہ کے جھوٹ تاکہ گمراہ کرے لوگوں کو

بِغَيْرِ عِلْمٍ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ

بغیر علم کے بیشک اللہ نہیں ہدایت یافتہ ٹھہراتا قوم

الظّٰلِمِيْنَ ﴿ع﴾ ۱۴۵

ظالموں کو

اور (دکھاؤ) اُونٹ میں سے دو قسمیں (نر مادہ) اور گائے میں سے دو قسمیں (نر مادہ)۔ (اے رسولؐ!) کہہ دیجئے گا کیا (اللہ نے اُونٹ اور گائے کے) دو مذکر حرام کئے ہیں یا دو مؤنثیں حرام کی ہیں۔ یا اُن کے اُن بچّوں کو حرام کیا ہے جو ان دو مؤنثوں کے رحم اٹھاتے ہیں۔ (اللہ تعالیٰ نے کسی کو بھی حرام نہیں کیا) یا (بتاؤ) تم اُس وقت حاضر تھے جب تمہیں اللہ نے یہ حکم دیا تھا۔ پھر اُس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ پر بغیر علم کے جھُوٹ بہتان باندھے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ظالم (بے ٹھکانہ کام کرنے والی) قوم کو ہدایت یافتہ نہیں ٹھہراتا۔

● چونکہ یہود و نصاریٰ نے اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ بعض چیزوں کو حرام کر دیا تھا۔ اسلئے سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں آنحضورؐ کی زبانِ مبارک سے اعلان کرا دیا گیا ہے کہ وحیِ الٰہی کی رُو سے صرف یہ چیزیں حرام ہیں:۔

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِىْ مَآ اُوْحِىَ اِلَىَّ مُحَرَّمًا

کہہ نہیں پاتا میں بیچ اسکے جو وحی کی گئی طرف میری حرام کیا گیا

عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً

اوپر کھانیوالے کے کہ وہ کھائے اُسے مگر یہ کہ ہو وہ مُردہ

اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ

یا خون بہتا ہوا یا گوشت غدود کا پس بیشک وہ

رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ فَمَنِ

ناپاکی ہے یا حد شکنی منسوب کیا گیا واسطے غیر اللہ ساتھ اسکے پھر جو

(اے رسولؐ!) کہہ دیجئے گا کہ میں اُس (کتاب) میں جو میری طرف وحی کیگئی ہے، کسی کھانیوالے پر (حلال جانور کی) کسی چیز کو حرام نہیں پاتا کہ وہ اُسے کھائے سوائے اس کے کہ وہ مُردہ ہو، یا (اُن کی رگوں کا) بہنے والا خُون ہو یا اُن کی غدود کا گوشت ہو۔ پس بیشک یہ ناپاک ہیں یا (وہ ایسا حلال جانور ہے) جو غیر اللہ کی طرف منسوب کیا گیا ہو۔ پھر جو کوئی (بھوک سے) بیقرار ہو (اُسے اس حالت میں اجازت ہے کہ وہ قانون کا باغی ہو جائے اور نہ سرکش تو بیشک تیرا رب بچاؤ عطا فرمانے

اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ
بیقرار ہو نہ باغی اور نہ عادی تو بیشک رب تیرا

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ۱۴۶
بچانیوالا مہربان ہے

والا رحمت والا ہے۔ ۱ے

● ۱ے سُورہ مائدہ کی آئت نمبر ۳ میں حلال جانوروں کے متعلق وضاحت گزر چکی ہے کہ اُن کی کیا کیا چیز حرام ہے۔ اور وُہ خود کس طرح حلال ہوتے ہُوئے حرام ہوجاتے ہیں۔ آئتِ بالا میں ۶/۱۴۶ میں اُسی تفصیل کو دُہرایا گیا ہے کہ حلال جانور اگر مر جائے تو حرام ہوجاتا ہے، نیز اگر وُہ کسی غیر اللہ فرد یا نصب، خانقاہ اور مزار کی طرف منسوب کیا جائے تو حرام ہوجاتا ہے، ذبح کئے جانے پر اُس کی رگوں کا بہتا ہُوا خون حرام ہے۔ اور باقی اُس کے گوشت میں جو غدود کا گوشت ہوتا ہے پھیپھڑے وغیرہ وہ بھی حرام ہیں۔ البتہ ایک صورت میں اِن حرام چیزوں کے کھانے کی اجازت ہے کہ کوئی بھوک کی بدولت بیقرار ہوجائے تو جان بچانے کے لئے کھا سکتا ہے۔ سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں اُن چیزوں کی فہرست دی گئی ہے جو یہودیوں نے ضابطۂ الٰہی کے خلاف حلال جانوروں کی حرام کر لی تھیں :-

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ
اور اوپر ان کے جو یہودی ہوئے حرام پایا ہم نے ہر والا ناخن

وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ
اور میں سے گائے اور بھیڑ بکری حرام پائیں ہم نے اوپر انکے چربیاں دونوں کی

اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ
مگر جو اُٹھائی پیٹھوں نے دونوں کی یا انتڑیوں نے یا جو ملی ہوئی

بِعَظْمٍ ۭ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۡ وَاِنَّا
ساتھ ہڈی کے۔ وہ بدلہ دیا ہم نے انکو ان کی بغاوت کا اور بیشک ہم

لَصٰدِقُوْنَ ۝ ۱۴۷
فرور سچے ہیں

اور ہم نے (اپنے نازل کردہ ضابطے کے خلاف) یہودیوں پر حرام کیا ہُوا پایا ۲ے (یعنی اُنہوں نے خود حرام کر لیا تھا) ناخن والا ہر جانور۔ اور گائے اور بھیڑ بکری میں سے (حرام کی ہوئی پائی) ہم نے اُن دونوں کی چربی، مگر جو اُن دونوں کی پیٹھوں پر لگی ہو۔ مذکورہ بدلہ ہم نے اُنہیں اپنی بغاوت کا ملا ہُوا پایا ہے (مذکورہ سب کچھ ہم نے اُن پر حرام نہیں کیا بلکہ اُنہوں نے خود حرام کیا اِن چیزوں کو ۶/۱۴۹) اور بلا شبہ ہم سچے ہیں۔

● ۲ے حَرَّمْنَا کا معنی باب تفعیل کے خاصہ وجدان کے مطابق لکھا گیا ہے "ہم نے حرام کیا ہُوا پایا" بالفاظِ دیگر مذکورہ چیزوں کو یہودیوں نے خود حرام کر رکھا تھا، اللہ نے حرام نہیں کیا تھا۔ اِس کی ایک دلیل تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ضابطہ اور قانون کو بدلتا نہیں ۵/۴۸ نیز آگے آئت نمبر ۱۴۹ میں یہودیوں کا اپنا اقرار موجود ہے کہ اُنہوں نے خود اِن چیزوں کو حرام

کر لیا تھا۔

● ۲؎ ذِی ظُفُرٍ کا لفظی معنیٰ ہے ناخن والا ۔ اِس میں انسان اور درندے شامل ہیں ۔ مگر اُونٹ کے بھی اگرچہ ناخن ہوتے ہیں لیکن ضابطۂ خداوندی کے مطابق اُونٹ حلال ہے حرام نہیں $\frac{6}{145}$ ۔ لیکن $\frac{3}{93}$ میں بتایا گیا ہے ؎ ۔ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ بنی اسرائیل پر تمام کھانے حلال ہیں ۔ مگر اسرائیل (یعنی حضرت یعقوبؑ) نے ناموافقتِ مزاج کی بدولت اونٹ کا کھانا ترک کر رکھا تھا نزولِ تورات سے پہلے ۔ (یہودیوں نے تورات کے ذمہ لگا کر نہ صرف یہ کہ سنّتِ یعقوبؑ کے طور پر اُونٹ حرام کر رکھا تھا ۔ بلکہ ہر ناخن دار جانور کے حرام ہونے کا اصول قائم کر لیا تھا) اَے رسولؐ! کہئے گا کہ لاؤ تورات اور اُسے پڑھو اگر تم سچے ہو ــــــ تقاضائے بشریّت کے مطابق کسی نبی کا عدم موافقت مزاج کی بدولت کسی حلال چیز کو کھانا ترک کر دینا قانونِ خداوندی میں دخیل نہیں ہو سکتا ۔ مگر $\frac{3}{93}$ کے مطابق حضرت یعقوبؑ نے جو کھانا ترک کیا وُہ ناخن والا حلال جانور اُونٹ تھا ۔ یہودیوں نے اِسے تورات کے ذمہ لگا دیا ۔ یہی وجہ ہے کہ اُنہیں حکم ہُوا کہ تورات لاؤ اور پڑھو ۔ یعنی تورات میں ناخن والے جانور کی حُرمت ہرگز مذکور نہیں ۔ یہ یہودیوں کا اپنا افترا ہے۔

● ۳؎ مذکورہ قسم کی چربیوں کے حرام کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اُمتیں اپنے اُوپر خود کیسی کیسی مشکل پابندیاں عائد کر لیتی ہیں کہ صرف وُہ چربی کھائی جائے جو حلال جانور کی پیٹھ، انتڑیوں یا ہڈیوں کے ساتھ لگی ہُوئی ہو باقی چربی حرام ہے بقول اُن کے ؛

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اُس کے عذاب کی متوازی خبر بالفاظِ ذیل نازل کی گئی ہے ؎۔

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ پھر اگر وہ جھٹلائیں تجھے تو کہہ تمہارا رب صاحبِ رحمت ہے	پھر (اَے رسولؐ) اگر آپ کے مخالف آپکو جھٹلائیں تو کہہ دیجئے گا کہ تمہارا رب صاحبِ رحمت ہے ۱؎ (توبہ کرنے والوں کو معاف کرنیوالا ہے ۔ اور جو توبہ نہ کریں ایسے) مجرمُوں سے اُس کا عذاب ٹلتا نہیں ہے ۲؎
وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ ۱۴۷ اور نہیں ٹلتا عذاب اُسکا سے قوم مجرموں کے	

● ۱؎ ۲؎ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ اور وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ کے متوازی ذکر اور آنحضورؐ کو اپنے مخالفین کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور عذاب کے متوازی اعلان کا صاف مطلب یہ ہے کہ اگر آنحضورؐ کو جھٹلانے والے تائب ہو کر ایمان لے آئیں تو اللہ تعالیٰ اُن پر رحمت فرمائے گا اور اگر وہ مخالفت پر اڑے رہیں تو اُس کا عذاب ضرور آئے گا ۔ وُہ ٹلنے والا نہیں۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں اُن لوگوں کو اس عقیدے کی خبر دی گئی ہے جنہوں نے اللہ کے حلال کو خود حرام

کر رکھا ہے" وہ کہتے ہیں یہ سب کچھ اللہ ہی نے کرایا ہے - اگر وہ نہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ حلال کو حرام ٹھہراتے :-

سَيَقُولُ الَّذِينَ اَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا اَشْرَكْنَا وَلَا اٰبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوا بَاْسَنَا قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ۝ ۱۴۹

ضرور کہیں وہ جنہوں نے شرک کیا اگر چاہتا اللہ نہ شرک کرتے ہم اور نہ باپ دادا ہمارے اور نہ حرام کرتے ہم کوئی چیز کے اسی طرح جھٹلایا اُن لوگوں نے سے پہلے اُن کے یہاں تک کہ چکھا عذاب ہمارا۔ کہہ کیا پاس تمہارے ہے کچھ علم تو نکالو اسے واسطے ہمارے نہیں اتباع کرتے تم مگر ظن کی اور نہیں ہو تم مگر اٹکل پچو کرتے ہو

جن لوگوں نے اللہ کے ساتھ شرک کیا ہے وہ ضرور کہیں گے اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ (اللہ کے حلال کردہ میں سے) حرام کرتے کسی شئے کو، نہ ہم اور نہ ہمارے باپ دادے - اسی طرح جھٹلایا تھا اُن لوگوں نے جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ یہاں تک کہ اُنہوں نے ہمارے عذاب کا مزہ چکھا - (اے رسولؐ!) کہہ دیجئے گا کہ تمہارے پاس (کوئی اللہ کا نازل کردہ) علم ہے تو ہمارے لئے ظاہر کرو - (تمہارے پاس تنزیلی علم کی کوئی دلیل نہیں) تم صرف ظن و گمان کی پیروی کرتے ہو (کہ سب کچھ اللہ ہی کراتا ہے) نہیں ہو تم مگر اٹکل پچو بے دلیل باتیں ہی کرتے ہو۔

● دیکھئے! آئت بالا میں یہودیوں کا اقرار درج ہے کہ اللہ کے حلال کو اُنہوں نے اور اُن کے باپ دادوں نے خود حرام کر لیا تھا - اللہ تعالیٰ نے نہیں کیا - اگلی آئت مجیدہ میں آنحضورؐ سے ذیل کا حقیقت بردوش اعلان کرایا گیا ہے :-

قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْ شَاءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ ۱۵۰

کہہ واسطے اللہ کے دلیل ہے پہنچنے والی پھر اگر وہ چاہے ضرور ہدایت دے تم کو سب کو

(اے رسولؐ!) کہہ دیجئے گا - (حقیقت کو) پہنچنے والی دلیل صرف اللہ کے پاس ہے - پھر اگر اللہ تعالیٰ زبردستی چاہتا تو تم سب کو ہدایت دیتا (اُس کا قانونِ مشیت یہ ہے کہ کوئی ہدایت پائے تو خود اور گمراہ ہو جائے تو خود[1])

● [1] سورہ کہف کی آئت نمبر ۲۹ میں ارشاد ہوا ہے :-

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ $\frac{18}{29}$ اور (اے رسولؐ!) کہہ دیجئے گا کہ حق قرآنِ کریم تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے، پھر جو کوئی خود چاہے اِس پر خود ایمان لائے اور ہدایت حاصل کرے اور جو کوئی خود چاہے خود اس کا انکار کرے اور خود محروم ہدایت ہو جائے۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بھی آنحضورؐ سے اعلان کروایا گیا ہے کہ جو چیزیں تم نے حرام کر رکھی ہیں، اُن کے متعلق خدا تعالیٰ پر بہتان لگاتے ہو کہ یہ اللہ نے حرام کر دی ہیں۔ اِس کے متعلق اگر کوئی گواہ ہے تو لاؤ:۔

قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ
کہ لاؤ گواہ اپنے جو گواہی دیں
اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ
کہ بیشک اللہ نے حرام کیا یہ پھر اگر وہ گواہی دیں تو نہ گواہی دینا تو
مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا
ساتھ ان کے اور نہ پیروی کرنا خواہشوں کی جنھوں نے جھٹلایا ساتھ آئتوں ہماری
وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ
اور ان کی جو نہیں ایمان لاتے ساتھ آخرت کے اور وہ ساتھ رب اپنے
يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ ع ۵
برابر ٹھہراتے ہیں

(اے رسولؐ!) کہہ دیجئے گا کہ لاؤ اپنے گواہ، اُن لوگوں کو جو یہ گواہی دیں کہ (جو کچھ تم نے حرام ٹھہرایا ہے) اِسے اللہ نے حرام کیا ہے۔ پھر اگر وہ ایسی گواہی دیں تو (اے رسولؐ!) اُن کے ساتھ آپ ایسی گواہی نہ دینا۔ اور اُن لوگوں کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا جنہوں نے ہماری آئتوں کو جھٹلایا۔ اور نہ اُن کی جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے۔ اور وہ اپنے رب کے ساتھ (اپنے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کو) برابر قرار دیتے ہیں۔

● ؎ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا کے الفاظ میں پھر وضاحت کر دی گئی ہے کہ ناخن والے جانوروں اور مذکورہ چربیوں کو اگر اللہ نے حرام کیا ہے تو اِس پر گواہ لاؤ۔ اِس کا مفہوم صاف ظاہر ہے کہ مذکورہ چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام نہیں کیا یہودیوں نے خود حرام کر لیا ہے۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں آنحضورؐ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ انہیں شرک سے اجتناب کا حکم دیں اور ذیل کے الفاظ میں معاشرہ کے ہر گوشے کی اصلاح سے متعلقہ مسائل سے آگاہ کرنے کا فریضۂ رسالت ادا کریں:۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ
کہ آؤ میں پڑھوں جو حرام کیا رب تمہارے نے اوپر تمہارے
اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ
یہ کہ نہ شریک کرو ساتھ اس کے کوئی شے اور ساتھ والدین کے اچھا سلوک کرنا
وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ
اور نہ قتل کرو اولاد اپنی کو سے بھوک کے ہم ہم رزق دیتے ہیں تم کو

(اے رسولؐ! انہیں) کہئے گا کہ آؤ میں تمہیں پڑھ کر سناؤں جو تم پر تمہارے رب نے حرام کر دیا ہے۔ (ذیل کے احکام کی نافرمانی حرام ہے) یہ کہ تم اُس کے (اللہ کے) ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہ کرنا[۱] اور اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا[۲] اور اپنی اولاد کو بھوک کے خوف سے قتل نہ کرنا[۳]۔ ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور (انہیں بھی)۔ اور بے حیائی کے قریب نہ

وَ اِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ○ ۱۵۲

اور بھی ان کو۔ اور نہ قریب جاؤ بیحیائی کے جو ظاہر ہو ان میں سے انکے اور جو چھپی ہو اور نہ قتل کرنا کسی جان کو جسے حرام کیا اللہ نے مگر ساتھ حق کے۔ مذکورہ بالا کا حکم دیتا ہے ساتھ اسکے تاکہ تم عقلمند ہو جاؤ

جاتا خواہ وہ ظاہر ہو یا چھپی ہوئی۔ اور کسی جان کو قتل نہ کرنا جس کا قتل کرنا اللہ نے حرام ٹھہرا دیا ہے سوائے اس کے اس کا قتل کرنا لازم ہو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں مذکورہ بالا احکام کی بجا آوری کا حکم دیتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لیا کرو۔ (ان احکام کی نافرمانی کرنا اللہ تعالیٰ نے تم پر حرام کر دیا ہے)۔

● ۱ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا کے الفاظ میں حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرانا۔

شرک کی تین قسمیں ہیں

● ۱ شرک فی الذات ● ۲ شرک فی الصفات
● ۳ شرک فی الحکم

● شرک فی الذات کی تعریف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور اللہ کا وجود تسلیم کرنا۔ اور شرک فی الصفات یہ ہے کہ ازلی ابدی عالم الغیب، حاضر ناظر، مرادیں دینے والے دستگیر اور مشکلکشا وغیرہ کی جو صفات صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہیں غیر اللہ کو ان صفات کا حامل ٹھہرانا۔ اور شرک فی الحکم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکمنامہ قرآن کریم کے ساتھ کسی اور کتاب کو اس کی مانند واجب الاتباع قرار دینا۔ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا میں شرک کی ان ہر سہ اقسام سے منع کر دیا گیا ہے۔

۱۔ شرک فی الذات

● نہائت افسوس کے ساتھ عرض کیا جاتا ہے کہ اہلِ اسلام میں تینوں چیزیں موجود ہیں۔ شرک فی الذات کے ضمن میں تصوّف کی انتہائی اعلیٰ اور آخری منزل تسلیم کیگئی ہے ہمہ اوست یعنی کائنات کی ہر چیز اللہ ہے۔ حالانکہ ارشادِ باری ہے لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۴۲/۱۱ یعنی کائنات کی کوئی چیز بھی اللہ کی مثل نہیں۔ قرآن کریم تو اللہ تعالیٰ کے لئے تثلیث کا انکاری ہے لیکن ادھر ہر چیز کو خود اللہ بتایا جاتا ہے۔ ہندوؤں کے ہاں جتنے کنکر اتنے شنکر کا نظریہ چل رہا ہے۔ لیکن نظریۂ ہمہ اوست کے مطابق ہر چیز شنکر قرار دی جاتی ہے۔

۲۔ شرک فی الصفات

● ازلی ابدی صرف اور صرف خدا تعالیٰ کی صفت مخصوصہ ہے۔ لیکن یہاں رُوح کو غیرفانی مانا جاتا ہے۔ حاضر و ناظر اور ہر فرد بشر کیساتھ ہر جگہ موجود صرف اللہ تعالیٰ ہے وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۵۷/۴ اے نوعِ انسانی تم جہاں کہیں بھی ہو وہ (اللہ) ہر جگہ تمہارے ساتھ ہے۔ لیکن یہاں شیطانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرح ہر جگہ حاضر ناظر اور ہر ہر فرد کے ساتھ ہر جگہ اور ہر وقت موجود مانا جاتا ہے۔ اسی طرح حاجت روا اور مشکلکشا

صرف اور صرف ذاتِ باری ہے۔ لیکن یہاں اللہ کے زندہ بندوں کو جو خود اللہ کے محتاج ہیں اور متوفی بزرگوں کو جو زندگی بھر اللہ کے محتاج رہے، مرادیں دینے اور مشکلیں حل کرنے والے ٹھہرا لیا گیا ہے۔ حالانکہ اس کارخانۂ کائنات میں سوائے خدا تعالیٰ کے کسی کا کوئی عمل دخل نہیں۔ قرآن کریم نے جنگ اُحد کی شکست کا ذکر انتہائی وضاحت کے ساتھ صرف اس لئے پیش کیا ہے کہ دیکھ لو، حضور خاتم النبیینؐ سے بڑھ کر کون اللہ کا پیارا ہو سکتا ہے لیکن مشکلکشائی میں خود انہیں بھی کوئی عمل دخل موجود نہیں۔ اگر آنحضورؐ مشکلکشا ہوتے تو میدانِ اُحد میں شکست نہ ہوتی۔ حالانکہ حضرت علیؓ بھی اُس وقت موجود تھے جنہیں مشکلکشا ٹھہرایا گیا ہے۔ اِس ضمن میں خود رسولِ اکرمؐ سے ذیل کے اقرار لے کر درج قرآن کر دیئے گئے ہیں کہ کارگاہِ کائنات میں اُنہیں کوئی اختیار حاصل نہیں تھا۔

● قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِىْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ ۷/۱۸۸ = (اے رسولؐ!) اعلان کر دیجئے گا میں اپنی جان کیلئے بھی کسی نفع اور ضرر کا مالک نہیں۔ سوائے اِس کے کہ مجھے بھی نفع اور ضرر خدا تعالیٰ کے قانونِ مشیت کے مطابق ہی پہنچتا ہے۔

● قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِىْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ ۱۰/۴۹۔ (ترجمہ ۷/۱۸۸ کے عین مطابق ہے)

● قُلْ اِنِّىْ لَآ اَمْلِكُ لَـكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ۝ ۷۲/۲۱ (اے رسولؐ!) اعلان کر دیجئے گا کہ بلا شبہ میں تمہارے لئے بھی کسی نقصان اور فائدے کا مالک نہیں۔

● اِن آیاتِ کریمات کے مطابق کسی بڑے سے بڑے نیکوکار اور انتہائی تقوٰی شعار فرد کے متعلق بھی یہ تصور کرنا غلط ہے کہ اُسے مرادیں دینے والا، مشکلکشا، حاجت روا یا دستگیر قرار دیا جا سکے۔

۳۔ شرک فی الحکم

● ۳ شرک فی الحکم کے متعلق قرآنِ کریم کا اعلانِ عام ہے وَّلَا يُشْرِكُ فِىْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا ۱۸/۲۶ اللہ تعالیٰ اپنے حکم میں کسی ایک کو بھی شریک نہیں کرتا۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۶/۵۷ + ۱۲/۴۰ اللہ کے سوا کسی کا حکم ہے ہی نہیں۔ لیکن اِس کے خلاف کھلے بندوں یہ عقیدہ چل رہا ہے کہ :۔

● یہ حکم اللہ کا ہے اور یہ حکم رسولؐ کا ہے۔ ● یہ حکم قرآن کا ہے اور یہ حکم حدیث کا ہے۔

● یہ حکم قرآن کا ہے اور یہ حکم فقہ ہے۔ ● یہ حکم قرآن کا ہے اور یہ حکم پیرانِ طریقت کا ہے۔

● چنانچہ قرآنِ کریم تو اللہ تعالیٰ کا اکلوتا حکمنامہ ہے اور اُس کی ایک اکلوتی کتاب ہے، جو اُسکے مقدس رسولؐ کے ذریعہ اقوامِ عالم کی طرف نازل کیگئی تھی۔ لیکن اُس کے حکم میں روائتوں کی ہزاروں کتابیں، اور فقہ کی سینکڑوں کتابیں اور لاکھوں کتابیں تصوف اور متوفی بزرگوں کے ملفوظات کی شریک کر لی گئی ہیں۔ کاش کہ قرآنِ کریم کے اِس حکم وَّلَا يُشْرِكُ فِىْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا ۱۸/۲۶ پر غور کیا جائے۔

● ۳ سلسلۂ درس کی زیرِ بحث آیتِ مجیدہ ۶/۱۵۲ کے ضمنی نوٹ ۱ میں شرک سے اجتناب کے حکم کے بعد ضمنی نوٹ ۲ میں وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا کا حکم دیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پیدا کرنے والا ہے اور ماں باپ ذریعہ پیدائش

ہیں - کوئی فردِ بشر والدین کے بغیر عالمِ وجود میں نہیں آسکتا - نیز ہر شخص کا خالق اللہ بھی ایک ہے اور باپ بھی ایک ہے اور ماں بھی ایک ہے جس طرح نہ اللہ دو ہو سکتے ہیں اُسی طرح نہ کسی فردِ بشر کے باپ دو ہو سکتے ہیں اور نہ ہی مائیں دو ہو سکتی ہیں -

لَا تَقْتُلُوٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ

● ۱۵۳ قرآنِ کریم کا اسلوبِ بیان یہ ہے کہ الفاظ کے حقیقی استعمال کے ساتھ ان کے مجازی استعمال بھی کرتا ہے - گزشتہ آیاتِ مجیدہ ۶/۱۳۸ ۶/۱۴۱ میں قتلِ اولاد کا بطور مجاز ذکر آیا ہے - کہ پیروں کے مرید اولاد کے منہ سے چھین کر اور ان کے پیٹ کاٹ کر اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتیں پیروں کی نذر کر کے قتلِ اولاد کرتے ہیں - اسی طرح لَا تَقْتُلُوٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ کے الفاظ میں قتلِ مجازی یعنی اولاد کو غربت کے بہانے مناسب تعلیم و تربیت نہ دینے سے روکا گیا ہے - جس بچے کی صحیح تربیت نہ کر کے اُسے شریف شہری نہ بنایا جائے وہ بڑا ہو کر یا تو بوجھ اٹھانے کا پیشہ اختیار کرے گا اور بھیک منگا یا جیب تراش بن کر ہر گھڑی قتل ہوتا رہے گا - عموماً ایسے بچے غریبوں کے ہوتے ہیں جن کے والدین غربت کے بہانے بچوں کی مناسب تربیت نہیں کرتے - اس آیت میں معاشرہ کے وہ غربا مخاطب ہیں جو پہلے نمبر پر تو پیروں کے تو ہماتی نذرانوں کی ادائیگی کے ذریعہ غربت کو خود دعوت دیتے ہیں اور پھر یہ کہہ کر ہم غریب ہیں بھوکے ہیں اولاد کو مناسب تعلیم سے محروم کر دیتے ہیں - اس طرح چونکہ اولاد باعزت روٹی کمانے کے قابل نہیں ہو پاتی - یعنی نہ وہ اولاد کو پڑھاتے ہیں اور نہ ہنرمند بناتے ہیں، اس لئے ان کی اولاد باعزت روٹی سے محروم ہو کر عمر بھر قتلِ مجازی کے پتے پڑی رہتی ہے - ایسے والدین کو ہدایت کی گئی ہے کہ اپنی بساط کے مطابق اولاد کو مناسب تربیت سے محروم کر کے قتل نہ کیا کرو - جس غلط معاشرہ کے تم فرد ہو اُس کی غلط بخششوں کے ثمرات سے تمہیں بھی حصہ ضرور ملے گا - اب اُس کے مطابق ہی اولاد کو باعزت روٹی کمانے کے قابل بنا کر، اُسے قتلِ مجازی سے بچانا تمہارا فرض ہے -

نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ

● ۱۵۴ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ کا لفظی ترجمہ یہ ہے - "ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور انہیں (تمہاری اولاد کو) بھی - ان الفاظ سے روایتی تفاسیر نے یہ تصور دیا ہے کہ امیروں کو بے تحاشہ دولت اور غریبوں کو بھوک ننگ، یہ تقسیم اللہ تعالیٰ ہی کی تقسیم ہے اور نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ کے الفاظ میں خدا تعالیٰ نے غریبوں کی بھوک ننگ کو اپنی ہی عطا قرار دیا ہے - العیاذ باللہ! حالانکہ قرآنِ کریم کے اولین سبق اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے مطابق کسی کی بھوک ننگ کو رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ کی طرف منسوب کیا ہی نہیں جا سکتا - کیونکہ رب کا معنی ہے نقطۂ آغاز سے شروع کر کے نقطۂ انجام تک پہنچانے والا - اور عالمین کے لفظ میں سے کوئی ایک متنفس بھی خارج نہیں کیا جا سکتا - یعنی اگر غریبوں کی غربت کو عطاءِ خداوندی قرار دیا جائے تو اللہ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ہی نہیں رہتا - رزق کے سلسلے میں خداوندِ عالم نے تقسیمِ کار کر کے ہل چلانا، بیج ڈالنا اور پانی دینا انسان کا حصہ قرار دیا ہے اور بیجوں کے ایٹموں کو پھوڑ کر انگوری نکالنے انہیں

سلانے، بڑھانے، انہیں پودے بنانے اور پودوں کو ثمر بار کرکے پکانے کا سارا کام اپنے ذمہ لیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری ہے :۔

● اَفَرَءَیۡتُمۡ مَّا تَحۡرُثُوۡنَ ؕ ءَاَنۡتُمۡ تَزۡرَعُوۡنَهٗۤ اَمۡ نَحۡنُ الزّٰرِعُوۡنَ ۝ ۵۶/۶۳-۶۴ ۔ (ترجمہ) کیا تم نے غور کیا ہے کہ تم جو کھیتی کرتے ہو (یعنی ہل چلا کر بیج ڈال دیتے ہو) کیا اسے پیدا کرکے ثمر بار تم کرتے ہو یا ہم کرتے ہیں؟ (یہ کام تم نہیں کرتے، ہم کرتے ہیں)۔ پس مذکورہ تقسیمِ کار کے مطابق کھیتی کے ماحصل میں کاشتکار کا حصہ صرف اتنا ہے جتنا وہ کام کرتا ہے، باقی سب کا سب حصہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ کیونکہ زمین اس کی، پانی اس کا، زمین میں بیجوں کی انگوری نکالنے کی خاصیت اس کی پیدا کردہ۔ انگوری کو بڑھا کر پودے بنانے والے ذرائع اُس کے۔ پودوں میں دانے پیدا کرنے والا چاند اُس کا۔ فصلوں کو پکانے والا سورج اُس کا۔ تو اس سے ظاہر ہے کہ زمین میں سے حاصل کردہ رزق میں کاشتکار کی محنت کتنی ہے اور خدا تعالیٰ کے کام کا کتنا حصہ ہے؟

● اب آئیے اصل مسئلہ کی طرف کہ زمین کی پیداوار میں کیا یہ تصور قرآنی قرار دیا جا سکتا ہے کہ اس کی تقسیم اس طرح ہو کہ بعض کے ہاں رزق ضرورت سے زائد ذخیرہ اندوزی کی صورت میں موجود ہو اور بعض کو اُن کی غذائی ضروریات کے مطابق بھی میسر نہ ہو۔ اسکا فیصلہ آیت ذیل میں دیا گیا ہے :۔

● هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ لَکُمۡ مَّا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا ۲/۲۹ وہ اللہ ہی وہ عظیم الشان ذات ہے جس نے زمین میں جو کچھ بھی پیدا کیا ہے وہ سب کا سب تم سب کے سب کیلئے پیدا کیا ہے ــــ تو اب ظاہر ہے کہ زمین کی پیداوار میں تقسیمِ رزق کی رُو سے جو ناہمواری اور عدم توازن بصورتِ مشہود موجود ہے وہ اللہ تعالیٰ کی تقسیم نہیں، جس طرح تقسیمِ کار کی رُو سے انسان کا حصہ ہے ہل چلانا اور بیج بونا۔ اور اللہ کا حصہ ہے اُسے پیدا کرنا اور پکانا ۵۶/۶۳-۶۴، اُسی طرح انسان کی بوئی ہوئی فصلوں کو اُگانا پکانا وغیرہ تو اللہ کا حصہ ہے لیکن کھیت سے حاصل کردہ رزق کو مساوی انداز سے تقسیم کرنا انسان کا حصہ ہے، اللہ تعالیٰ کا نہیں۔ ہاں اس نے حکم دیدیا ہے کہ رزق کی تقسیم مساوی اور متوازن ہونی چاہئے۔ اور یہ تقسیم ہر مملکت کے سربراہ کے ذمہ ہے۔ حضرت سلیمانؑ کو حکومت عطا کرنے کے بعد ارشاد ہوا ہے :۔

● هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامۡنُنۡ اَوۡ اَمۡسِکۡ بِغَیۡرِ حِسَابٍ ۝ ۳۸/۳۹ (اے سلیمانؑ!) یہ حکومت ہماری بے حساب بخشش ہے۔ (اب یہ تیرا کام ہے کہ) تو عوام پر احسان کرے (انہیں ضروریات کے مطابق دے) یا (اپنے اور اپنے عملہ کیلئے) روک لے۔ حضرت سلیمانؑ نے متوازن معاشرہ قائم کرکے متوازن تقسیمِ رزق کا انتظام فرمایا۔ حضرت یوسفؑ نے سربراہِ مصر کی حیثیت سے رزق کا چودہ سالہ کنٹرول کرکے رزق کی مساوی تقسیم فرمائی۔ اسی کے مقابلے پر مصر کے سربراہ فرعون کا جرم یہ بتایا گیا ہے کہ اُس نے تقسیمِ رزق میں عدم توازن قائم کر رکھا تھا :۔

● اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ ۲۸/۴ - فرعون نے زمین میں سرکشی اختیار کی تھی۔ یعنی اُس نے اپنے عوام کو گروہوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ اُن میں سے ایک گروہ کے حقوقِ ربوبیت غصب کر کے اُسے کمزور کر دیا تھا ——— پس از روئے قرآنِ کریم تقسیمِ رزق سربراہِ مملکت کا فریضہ ثابت ہو چکا کہ خواہ وہ کسی کو غریب کر دے یا امیر بنا دے۔ معاذ اللہ تعالیٰ کی تقسیمِ کار کے مطابق نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ کا معنی صاف صاف ثابت ہو چکا کہ ہم تمہارے لئے بھی رزق پیدا کرتے ہیں اور تمہارے اولاد کے لئے بھی۔ یہ تو سربراہوں کا کام ہے کہ وہ فرعونی تقسیم کے مطابق بعض کو امیر اور بعض کو غریب بنا دیتے ہیں۔ لیکن جس معاشرہ میں تم محصور ہو اُس میں اپنی بساط کے مطابق اولاد کو باعزت روٹی کمانے کے قابل بنا دیا کرو۔ اور اپنے اس فرض سے غفلت کر کے انہیں قتل نہ کر دیا کرو۔ اس پر مشاہدات گواہ ہیں کہ غریب تو رہے ایک طرف، امیر طبقہ میں بھی جو لوگ اولاد کی تربیت سے غفلت کرتے ہیں، اُن کی اولاد بھی مجازی طور پر قتل ہو جاتی ہے۔ اور غریبوں میں سے جو لوگ قرآنی حکم کے مطابق اولاد کی صحیح تربیت کرتے ہیں اُن کی اولاد اس حالت میں کہ باپ گھسیارہ ہے مگر بیٹا ایک ممتاز مقام پر پہنچ جاتا ہے۔

قتل میں استثنیٰ

● ۵ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ کے الفاظ میں اِلَّا بِالْحَقِّ کی استثنیٰ بھی قابلِ غور ہے کہ اُس شخص کو قتل کرنا منع نہیں، جس کا قتل کرنا لازم ٹھہرتا ہے۔ یہ اجازت اُس شخص کے متعلق ہے جس نے کسی کا ناحق قتل کیا ہو ۵/۴ اور یا وہ حکومت کا باغی اور ملک میں فساد برپا کرنے والا ہو ۵/۳۳۔ لیکن واضح رہے کہ قاتل باغی اور فسادی کو اگرچہ قتل کرنا لازم ہے۔ لیکن یہ کام انفرادی طور پر نہیں کیا جائیگا۔ یہ کام بھی اُسی طرح حکومتِ وقت کا ہے، جیسے کہ ۲۴/۲ میں ارشاد ہوا ہے کہ زانیہ عورت اور زانی مرد کو سرِ عام سو سو کوڑے لگاؤ۔ لیکن کوڑے لگانا حکومت کا کام ہے عوام کا نہیں۔ عوام کا فرض صرف اتنا ہے کہ بدکار مرد و عورت کو حکومت کے پیش کر کے اُن کے خلاف شہادتیں دے دیں۔ جس طرح انہیں کوڑے لگانا حکومت کا کام ہے عوام کا نہیں، اُسی طرح قاتل کو پھانسی کے تختے پر لٹکانا بھی حکومت کا کام ہے عوام کا نہیں۔ اگر یہ کام یعنی قاتل اور باغی کو قتل کرنا وغیرہ انفرادی طور پر کئے جائیں تو معاشرہ فساد سے بھر جائے۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت میں قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ کے ضمن میں مزید احکام دئے گئے ہیں:-

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اور نہ قریب جاؤ مال یتیم کے مگر ساتھ ایسے کہ وہ	اور نہ قریب جانا یتیم کے مال کے، سوائے اس کے کہ وہ احسن طریقہ ہو۔ یہاں تک کہ جب وہ جوانی کو پہنچ جائیں (سوجھ بوجھ والے ہو جائیں تو اُن کے مال انہیں لوٹا دیا کرو) اور (ناپ کے) پیمانے اور ترازو (کی ڈنڈی اور باٹ) انصاف کے ساتھ پورے رکھو
اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بہتر ہو یہاں تک کہ وہ پہنچ جائے جوانی کو پہنچ اور پورا کرو پیمانہ اور ترازو	

بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَ اِذَا
ساتھ انصاف کے نہیں تکلیف دیتے کسی جان کو مگر طاقت اس کی اور جب

قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى وَ بِعَهْدِ اللّٰهِ
تم کہو تو عدل کرو اور اگرچہ ہو وہ قربت کا اور ساتھ عہد اللہ

اَوْفُوْا ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۱۵۳
پورا کرو مذکورہ حکم کرتا ہے ساتھ اسکے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو

ہم کسی جان کو اُس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے ۔ اور جب تم (کوئی گواہی کی) بات کرو تو عدل کے ساتھ (سچی بات) کرنا اگرچہ (تمہاری گواہی) تمہارے کسی قریبی ہی کے خلاف پڑتی ہو ۔ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا ہوا عہد پورا کیا کرو ۔ اللہ تعالیٰ تمہیں مذکورہ بالا حکم دیتا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَ
اور بیشک یہ ہے راستہ میرا سیدھا پس پیروی کرو اسکی اور

لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ
نہ پیروی کرو راستوں کی ورنہ جدا جدا کر دیگا ساتھ تمہارے سے راہ اس کی

ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۱۵۴
مذکورہ حکم کرتا ہے ساتھ اسکے تاکہ تم بچ جاؤ

اور بیشک یہی (جو اُوپر بیان ہُوا ہے) میرا سیدھا راستہ ہے ۔ پس تم اسی کی پیروی کرو ۔ اور (اسکے سوا اور) راستوں کی پیروی نہ کرنا ۔ ورنہ وہ تمہیں اُس (اللہ کے) راستے سے ہٹا دیں گے ۔ (اللہ تعالیٰ) تمہیں مذکورہ بالا حکم دیتا ہے تاکہ تم (ہر قسم کے خطرات سے) بچ جاؤ ۔

● لہ یتیم کے مال کے قریب نہ جانے میں استثنٰے بیان کیگئی ہے اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ سوائے اس کے کہ وہ طریقہ اَحسن ہو ۔ احسن طریقہ یہ ہے کہ اُن کے مال کی حفاظت کی جائے تاکہ ضائع نہ ہونے پائے اور نہ خراب ہو ۔ اگر مرمت طلب ہو تو اسکی مرمت کی جائے‘ اگر کوئی کاروباری اوارہ ہے تو اس کی دیکھ بھال کی جائے تاکہ وہ نقصان کی راہ پر چل کر ختم نہ ہو جائے یتیموں کے عُمدہ مالوں کو اپنے ناقص مالوں کے ساتھ بدلا بھی نہ جائے ۔ سورۂ نساء میں حکم دیا گیا ہے :— وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ۴/۲ اور (اپنے) ناقص مال کو (اُن کے) عمدہ مال کے ساتھ تبدیل نہ کرنا ۔ یتیموں کے مالوں کو اُنہیں واپس کرنے کا وقت بتایا گیا حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے ۔ سورہ نساء میں آیا ہے :—

● وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۴/۶ اور یتیموں کو آزماتے رہو ۔ یہاں تک وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں (یعنی بالغ ہو جائیں) پھر اگر تم اُن میں سُوجھ بُوجھ (عقل و فہم کی پختگی) پاؤ تو اُن کے مال اُنہیں واپس لوٹا دیا کرو ۔ اس سے پہلے نہ دینا تاکہ کہیں اُسے اُڑا کر قلاش نہ ہو جائیں ۔

● اَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ میں اَلْكَيْل سے مُراد ہیں ہر قسم کے پیمانے جن کے ساتھ ناپ کر چیزیں فروخت کی جاتی ہیں ۔ اِس میں دُودھ ناپنے کے تمام پیمانے، تیل ناپنے کی گیلنیں اور اُن کے چھوٹے بڑے سب پیمانے کپڑا ناپنے کے

گز اور میٹر وغیرہ۔ انہیں بھی پورا رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور المیزان کا لفظی معنی ہے ترازو۔ اِس سے متعلقہ چیزیں ہیں ترازو کی ڈنڈی کا انصاف کے ساتھ سیدھا ہونا۔ اور کلو میٹر کے تمام چھوٹے بڑے کو نٹل تک کے باٹ انہیں بھی پورا رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن پر معاشرہ میں انصاف کے ذریعہ امن و امان قائم رہنے کا دار و مدار ہے۔

● ۳ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا کا جملۂ مبارکہ ان احکام کے درمیان میں لا کر اس امر کا اعلان کر دیا گیا ہے کہ ہم نے جو بھی احکام دئیے ہیں اور آئندہ دے رہے ہیں سب انسانی وسعت کے عین مطابق ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی حکم ایسا نہیں جس پر انسان عمل نہ کر سکے۔

● ۴ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى کے الفاظ میں اِذَا قُلْتُمْ کا لفظ اسلئے لایا گیا ہے کہ اس میں مومن مخاطب کا ہر قول شامل ہو جائے کہ وہ جب بھی کوئی بات کرے سچی کرے جھوٹ نہ بولے۔ مگر یہاں خصوصیت کے ساتھ گواہی کی بات مقصود ہے کہ خواہ سچی گواہی سے تمہارے کسی قریبی کو نقصان پہنچتا ہو، وہ اُسکے مفاد کے خلاف بھی کیوں نہ ہو مگر تم سچی گواہی دینا۔ جھوٹی گواہی کبھی نہ دینا۔

● ۵ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا کے الفاظ میں حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئے گئے ہر عہد کو پورا کرتے رہو۔ اِس میں سرِ فہرست تو ہے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کا وہ عہد جو ہر مومن اپنی نماز کی ہر رکعت میں دست بستہ کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ سے کرتا ہے کہ اے اللہ! ہم تیری ہی فرمانبرداری کرتے ہیں اور کریں گے اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں اور مانگیں گے۔ اور اس کے بعد اسی عہد کے اِيَّاكَ نَعْبُدُ کے الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی مکمل فرمانبرداری کا عہد کیا جاتا ہے۔ بالفاظِ دیگر اس ایک عہد میں اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کی فرمانبرداری کرنے کا عہد موجود ہے۔ گویا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کی فرمانبرداری کا وعدہ کرتے ہیں، جسے پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں کتابِ موسیٰؑ کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ بھی ہر مسئلہ کو کھول کھول کر بیان کرنیوالی تھی

ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ
پھر دی ہم نے موسیٰ کو اپنی کتاب مکمل اوپر اسکے جو

اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً
احسن اور تفصیل کرنیوالی واسطے ہر چیز کے اور ہدایت اور رحمت

لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ ع
تاکہ وہ ساتھ حاضری رب اپنے کے ایمان لائیں

اور ہم نے موسیٰؑ کو بھی اپنی کتاب عطا فرمائی تھی جو کامل اور مکمل تھی اوپر احسن (احکام کے) اور کھول کھول کر بیان کرنے والی ہر چیز (مسئلوں کو) اور کھول کھول کر بیان کرنیوالی جو ہدایت بھی تھی اور رحمت بھی تاکہ لوگ اپنے رب کے حضور حاضر ہونے کا اور اپنے اعمال کی جوابدہی پر ایمان لائیں۔

تمام نبیوں کو ایک ہی کتاب دیگئی تھی ● اس آئت مجیدہ کے مطابق تمام نبیوں کی کتابیں ہر مسئلہ کو کھول کھول کر بیان کرنے والی بھی تھیں ہدائت اور رحمت بھی، ٹھیک یہی صفات قرآن مجید کی ۱۶/۸۹ میں بیان ہوئی ہیں:۔ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۰ ۱۶/۸۹ اور (اے رسولؐ) ہم نے آپ پر اپنی کتاب نازل فرمائی ہے جو ہر مسئلہ کو کھول کھول کر بیان کرنے والی ہے اور فرمانبرداروں کے لئے ہدائت بھی ہے رحمت بھی ہے اور خوشخبری بھی ہے۔

● حقیقت یہ ہے کہ سب کے سب نبیوں کو ایک ہی کتاب دی گئی تھی اور مفصل اور مکمل دی گئی تھی۔ یہ تصور غلط ہے کہ سابقہ نبیوں کی الگ الگ کتابیں اور الگ الگ شریعتیں تھیں۔ ملاحظہ ہوں آیاتِ ذیل:۔

۱۔ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۲/۲۱۳ پوری نوعِ انسانی ایک ہی جماعت ہے پھر اللہ نے اُن کی ہدائت کیلئے جزا کی خوشخبری دینے والے اور سزا سے ڈرانے والے اپنے نبی مبعوث فرمائے اور اُن سب پر اپنی ایک ہی کتاب نازل فرمائی۔

۲۔ اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ۰ ۸۷/۱۸-۱۹ بلاشبہ یہی پہلے صحیفوں میں تھا صحفِ ابراہیمؑ اور صحفِ موسیٰؑ میں۔

۳۔ وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۝ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ۝ وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ۰ ۲۶/۱۹۲ تا ۱۹۶ اور بیشک وہ (قرآن) جہانوں کے پروردگار کا نازل کردہ ہے۔ (اے رسولؐ!) اِسے شستہ عربی زبان میں لے کر روح الامین آپ کے قلبِ اطہر پر نازل ہوا تاکہ آپ انذار کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔ اور بلاشبہ یہی (قرآن) پہلی کتابوں میں تھا۔

● دیکھئے اِن آئتوں میں کھول کر بیان کر دیا گیا ہے کہ سابقہ نبیوں کی کتابوں میں بھی قرآن کریم ہی کے احکام تھے۔ چنانچہ آئت ذیل میں بتا دیا گیا ہے کہ سب کو ایک ہی دین اور ایک ہی شریعت دی گئی تھی:۔

۴۔ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى ۴۲/۱۳ (ایمان والو! اللہ نے) تمہارے لئے اُسی دین کی شرع کردی ہے، جس کا حکم نوحؑ کو دیا تھا۔ اور یہ وہی دین اور وہی شرع ہے جو (اے رسولؐ!) آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے۔ اور جس کا حکم ابراہیمؑ کو دیا گیا تھا اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دیا گیا تھا۔

● پس آئتِ بالازیر بحث ۶/۱۵۵ میں کتاب موسیٰؑ کی عین قرآن والی تعریف مکمل، مفصل، ہدایت اور رحمت بیان کرنے کے بعد سلسلۂ درس کی اگلی آئت میں ارشاد ہوا ہے کہ اب یہ کتاب قرآنِ مجید واجب الاتباع نازل کی گئی ہے :-

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ
اور یہ کتاب نازل کی ہم نے برکت والی پس پیروی کرو اس کی

وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۶﴾
اور بچو تاکہ تم رحم کئے جاؤ

اور (اب)[۱] ہم نے یہ برکت والی کتاب نازل فرمائی ہے۔ پس (اب) اسی ہی کی پیروی کرو۔ اور (اس کی نافرمانی سے) بچ جاؤ[۳] تاکہ تم رحم کئے جاؤ۔

● [۱] وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ کے الفاظ میں اب کا تصور وضاحتاً موجود ہے کہ اس سے پہلے حضرات موسیٰؑ اور عیسیٰؑ پر اپنی کتاب اُتاری گئی تھی اب ہم نے یہ بابرکت کتاب نازل فرمائی ہے۔

● [۲] فَاتَّبِعُوْهُ کے الفاظ میں جو ہ ضمیر کتابِ مبارک قرآن مجید کی طرف پھرتی ہے، اس نے حصر پیدا کیا ہے کہ ایمان والو! صرف اسی کتاب کی پیروی کرو۔ اس کے سوا کسی اور کتاب کی پیروی نہ کرنا۔ یہی حکم سورہ اعراف میں بھی حصر کیساتھ دیا گیا ہے :-

● اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۷/۳ پیروی کرو صرف اُس کتاب کی جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔ اور اس کے سوا کسی اور (جھوٹے) خیرخواہوں کی پیروی نہ کرنا —— دیکھئے اس آئت مجیدہ میں صرف مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے سوا کسی کی پیروی سے منع کر دیا گیا ہے —— نیز خود آنحضورؐ کو بھی تین مرتبہ کے تکرار کے ساتھ صرف وحی الٰہی کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ اور اے رسولؐ! آپ پیروی کریں صرف اُس کی جو آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے۔ قرآنِ مجید۔ ۳۳/۲ + ۱۰/۱۰۹ + ۶/۱۰۶

● سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں آنحضورؐ کے مخالفین اہلِ مکہ کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ ہم نے اپنی بابرکت کتاب نازل کر دی ہے۔ پس اسی کی پیروی کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تم یہ کہنے لگو کہ ہم سے پہلے دو گروہوں یہود و نصاریٰ پر تو کتابیں نازل ہوئیں۔ ہم پر کیوں نہیں ہوئی۔ یا تم یہ کہنے لگو کہ اگر ہم پر کتاب نازل ہوتی تو ہم یہود و نصاریٰ سے بڑھ کر ہدایت یافتہ ہوتے۔ پھر اُس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو ہماری آئتوں کے نازل ہونے کے بعد انہیں جھٹلانے لگے :-

اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ
کہ تم کہو بیشک نازل ہوئی کتاب اوپر دو گروہوں

(اے منکر والو! سُن لو!) ایسا نہ ہو کہ تم یہ کہو کہ ہم سے پہلے دو گروہوں (یہود و نصاریٰ) پر کتاب نازل ہوئی۔ اور ہم اُن

مِنْ قَبْلِنَا ۖ وَإِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ۝ ۱۵۶
سے پہلے ہمارے اور بیشک تھے ہم سے درسوں ان کے ضرور غافل

کے درسوں سے بے خبر تھے۔

اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّا اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّا
یا تم کہو اگر بیشک ہم نازل ہوتی اوپر ہمارے کتاب ضرور ہوتے ہم

اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ
زیادہ ہدایت والے ان سے پس ضرور آئی تمہارے پاس دلیل سے رب تمہارے

وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ
اور ہدایت اور رحمت پھر کون ہے ظالم اس سے کہ جھٹلائے

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ۗ سَنَجْزِي الَّذِيْنَ
ساتھ آیتوں اللہ کی اور روکے سے اُن کے۔ ضرور سزا دیں گے ہم اُن کو جو

يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا
روکتے ہیں سے آیتوں ہماری بُرا عذاب بسبب اسکے کہ تھے

يَصْدِفُوْنَ ۝ ۱۵۸
روکتے

یا تم یہ کہو کہ اگر ہم پر کتاب نازل کی جاتی تو ضرور ہم ہوتے اُن (یہود و نصاریٰ) سے زیادہ ہدائت یافتہ۔ پس (سُن لو کہ) تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح دلیل (قرآن مجید) آچکا ہے اور وُہ ہدائت بھی ہے اور رحمت بھی ہے۔ پھر اُس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے اور (لوگوں کو) اُن سے روکے۔ ایسے لوگوں کو جو (ہماری آیتوں سے) روکتے ہیں ہم ضرور بڑے عذاب کی سزا دیں گے۔ (وُہ اُن کے اپنے عملوں کا بدلہ ہوگا) بسبب اِس کے کہ وہ (لوگوں کو اللہ کی آیتوں سے) روکتے تھے۔

● اِس آیت مجیدہ میں خبر دی گئی ہے کہ آنحضورؐ کے مخالفین کو آخر الامر شکستِ فاش کا بدترین عذاب دیا جائے گا۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں زمانۂ رسالت کے منکرینِ ضابطۂ الٰہی کے متعلق بتایا گیا ہے کہ یہ لوگ آنحضورؐ اور قرآنِ کریم پر اس لئے ایمان نہیں لاتے کہ اُن کے باطل پیشواؤں نے اُنہیں کچھ ذہنی ملائکہ کا تصور دے رکھا ہے کہ وہ شکلیں تبدیل کرکے بندوں میں آجاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے متعلق اُن کے ذہنوں میں یہ تصور بٹھا دیا ہے کہ وہ بادلوں کے سائے اور فرشتوں کے جلو میں خود آیا کرتا ہے ۲/۲۱۰ اور یا وُہ کوئی معجزہ نازل کرتا ہے۔ اِس لئے یہ لوگ اِن توہماتی چیزوں کے انتظار میں ایمان نہیں لاتے ہیں۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ
نہیں وہ انتظار کرتے مگر یہ کہ آئیں پاس انکے ملائکہ

اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ۗ يَوْمَ
یا آئے رب تیرا۔ یا آئے بعض نشانی رب تیرے کی۔ جس دن

نہیں انتظار کرتے یہ لوگ مگر اس چیز کا اُن کے پاس اُن کے "ذہنی" ملائکہ آئیں ؏ یا (اے رسولؐ!) ان کے پاس آپکا رب خود (ملائکہ کے جلو میں ۲/۲۱۰) آئے ؏ یا آپ کے رب کی کوئی نشانی آئے ؏ جس دن آپ کے رب کی کوئی نشانی آئے گی اُس دن اُس

يَأْتِي بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا آئے گی بعض نشانی رب تیرے کی نہ نفع دیگا کسی جان کو ایمان اس کا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا نہیں تھی لائی ایمان لاتی سے پہلے یا عمل کیا بیچ ایمان اپنے کے اچھا قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ○ ۱۵۹ کہہ انتظار کرو بیشک ہم انتظار کرنیوالے ہیں	فرد و بشر کا ایمان لانا اُسے کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ جو اس سے پہلے ایمان نہیں لایا۔ یا (ایمان لانے کے بعد اُس نے اپنے ایمان کی تصدیق میں کوئی) اچھا عمل نہیں کیا۔ کہہ دیجئے کہ تم (بھی نتیجے کا انتظار کرو اور بلاشبہ ہم (بھی نتیجے کا) انتظار کرنے والے ہیں۔

ملائکہ ● نٹ ملائکہ کی بحث تفسیر القرآن بالقرآن جلد دوم کے صفحہ ۱۰۱ پر وضاحتاً گزر چکی ہے کہ اس کائنات کی سب مخفی قوتیں ملک ہیں۔ ذہن میں یاد تازہ کرنے کے لئے عرض کی جاتی ہے کہ جو ملائکہ قرآنِ کریم نے بتائے ہیں اُن کی دو اہم نشانیاں اُس نے خود پیش کر رکھی ہیں:۔

۱۔ پہلی یہ کہ ملائکہ کو مخاطب کر کے $\frac{۲}{۳۳}$ میں ارشاد ہُوا ہے:۔ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ○ $\frac{۲}{۳۳}$ اور میں جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپائے ہُوئے ہو۔ یعنی ملائکہ اپنے اندر کچھ چھپائے ہُوئے ہیں۔

۲۔ دوسری یہ کہ $\frac{۲}{۳۴}$ میں خبر دی گئی ہے:۔ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ $\frac{۲}{۳۴}$ اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب ہم نے ملائکہ کو حکم دیا کہ تم سب کے سب آدم کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤ تو ابلیس کے سوا سب کے سب سجدہ ریز ہو گئے۔ اسی چیز کو $\frac{۴۵}{۱۳}$ میں بالفاظِ ذیل اُجاگر کیا گیا ہے:۔ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ $\frac{۴۵}{۱۳}$ اے نوعِ انسانی آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ سب کا سب تمہارے تابع تسخیر کر دیا ہے۔ چونکہ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ میں ملائکہ بھی شامل ہیں۔ پس آیتِ مجیدہ $\frac{۲}{۳۴}$ اور $\frac{۴۵}{۱۳}$ کے اتصال سے ثابت ہُوا کہ تمام ملائکہ بذریعہ تسخیر نوعِ انسانی کے سامنے سجدہ ریز ہیں اسکے تابع تسخیر ہیں۔

● اب ملائکہ کی ان دو قرآنی صفات کو سامنے رکھ کر غور فرمائیں کہ بجلی کی صرف چمک دکھائی دیتی اور کڑک سُنائی دیتی ہے۔ لیکن وہ اپنے اندر چھپائے ہُوئے کیا ہے؟۔ ایتھر محض ایک گیس ہے وہ اپنے اندر کیا کچھ چھپائے ہُوئے ہے؟ آج اللہ تعالیٰ کی یہ مخفی قوتیں تابع تسخیر کی جا چکی ہے۔ جس کی بدولت بجلی کا ملک پورے کرۂ ارض پر شبانہ روز نوعِ انسانی کے سامنے سجدہ ریز ہے۔ کہیں کارخانے چلا رہا ہے، کہیں ریلیں اور بتیں کھینچ رہا ہے۔ کہیں ہوائی جہاز اڑا رہا ہے اور کہیں نوعِ انسانی کے لئے اناج کی فراوانی کے سامان مہیا کر رہا ہے۔ ایتھر کی ریڈیائی صوتی لہریں کرۂ ارض کے علاوہ فضا اور خلا میں خبریں پہنچا رہی ہیں (ریڈیو) اور کہیں عکسی ریڈیائی لہریں زمین کے چپے چپے کے علاوہ فضا خلا اور چاند ستاروں تک کی تصویریں ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل کر رہی ہیں (ٹیلیویژن)

• پس مثال کے طور پر بجلی اللہ تعالیٰ کا وہ مَلک ہے جو مَلک کی قرآنی دو اہم صفات پر پورا اُترتا ہے' پہلے نمبر پر نوعِ انسانی کے سامنے ہر آن بذریعہ تسخیر سجدہ ریز ہے اور اپنے اندر اتنا کچھ چھپائے ہوئے ہے جس کی ادنیٰ سی جھلک اُوپر کی سطور میں پیش کی گئی ہے۔

ذہنی ملائکہ

• ملائکہ کا ایک تصوّر نوعِ انسانی کی طرف سے اُس وقت کا قائم کیا ہوا ہے جب انسان بجلی کی چمک اور کڑک سے خوفزدہ ہو کر اُسے دیوتا تصوّر کرتا اور اُس کے سامنے پرنام کرتا تھا۔ ستاروں کو زنجیروں کیساتھ لٹکے ہوئے محض قمقمے خیال کرتا تھا۔ زمین کو بیل کے سینگوں پر ٹکی ہوئی مانتا اور زلزلوں کو بیل کا سینگ بدلنا گردانتا تھا۔ گائے کی اِس لئے پوجا کرتا تھا کہ یہ دُودھ دیتی اور بیل ہل کھینچتا ہے۔ سانپ کو اس لئے دیوتا مانتا تھا کہ وہ کاٹ کھاتا ہے۔ یہ وہ وقت تھا جب آگ سے ڈر کر اُس کے ہون کئے جاتے تھے بلکہ آتشکدے روشن کر کے اُن کی چوبیس گھنٹے پوجا کی جاتی تھی۔ پانی کی پوجا دریاؤں کی پوجا پہاڑوں کی پوجا' چاند کی پوجا' سُورج کی پوجا اس کا شعار تھا۔ اِس کا شعور اس قدر کمزور تھا کہ انبیا سلامٌ علیہم کی تعلیم کو فوراً بھول جاتا اور اُن چیزوں کی پوجا پاٹ میں لگ جاتا جو خود اس کی خدمت کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ چنانچہ ملائکہ کے متعلق اُس بے شعوری کے دَور کا قائم کردہ تصوّر یہ ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے درباری ہیں اور اُس کے مشیر ہیں۔ بعض اُس کی کابینہ کے مخصوص مقرّب فرشتے ہیں۔ وہ ایک پَروں والی مخلوق ہے۔ شکلیں بدل لیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ اپنے ملائکہ مقرب فرشتوں کے جلو میں بادلوں پر سوار ہو کر سیر کو نکلا کرتا ہے چنانچہ ۲/۲۱۰ میں آیت زیرِ بحث ۶/۱۵۹ والا ہی مضمون بالفاظِ ذیل بیان ہوا ہے :-

• هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ۝ ۲/۲۱۰ یہ لوگ ایمان لانے میں نہیں انتظار کرتے مگر اس چیز کے منتظر ہیں کہ خود اللہ تعالیٰ بادلوں کے سائے میں آئے اور ملائکہ بھی آئیں (ہم دیکھ لیں) اور معاملہ طے ہو جائے۔ حالانکہ معاملات اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں یعنی اس کے متعین کردہ قوانین کے مطابق ہی طے ہوتے ہیں۔ سُورہ بنی اسرائیل میں مخالفین کا مطالبہ بتایا گیا ہے أَوْ تَأْتِيَ بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا ۱۷/۹۲ یا اللہ تعالیٰ اور ملائکہ سامنے آجائیں۔ سُورہ انعام میں انہی لوگوں کا آنحضورؐ پر صرف ملک کے عدم نزول کا اعتراض بتایا گیا ہے :- وَقَالُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۶/۸ سورہ فرقان میں انہی کا اعتراض یہ مذکور ہے :- لَوْلَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونَ مَعَهُ نَذِيرًا ۲۵/۷ اور اس کی طرف کوئی (خوفناک شکل والا) فرشتہ کیوں نہیں نازل کیا گیا جو اس کے ساتھ لوگوں کو ڈرانے والا ہو۔ اَب غور طلب یہ امر ہے کہ قرآن تو کُھل کہتا ہے کہ آنحضورؐ پر جبریل ملک نازل ہوتا تھا۔ اگر وہ اُن کا ذہنی ملک ہوتا شکلیں بدل بدل کر آنے والا تو آنحضورؐ فرما دیتے کہ دیکھو یہ ہے ملک جو مجھ پر نازل ہوتا ہے۔ لیکن جبریل ملک عوام کا ذہنی ملک نہیں تھا۔ ۲/۹۷ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ بیشک وہ (جبریل) اللہ کے حکم سے آپ کے قلبِ اطہر (یعنی ذہنِ مبارک) پر نازل ہوتا ہے۔

• تو اب بتائیے کہ پروں والے فرشتے کا ذہن میں اُترنے کا کیا مطلب؟ حقیقت یہ ہے کہ جبریل اللہ تعالیٰ کی مخصوص قوت ہے جو انبیاء سلام علیہم کی طرف اللہ تعالیٰ کا پیغام لاتی تھی۔ عوام کے ذہنی ملائکہ کا اگر کوئی وجود ہوتا تو آنحضورؐ کے مخالفین کا مطالبہ پورا کرنا اللہ تعالیٰ کے لئے کچھ مشکل نہیں۔ اللہ تعالیٰ جبریل کو کسی صحابی کی شکل میں بھیج دیتا اور آنحضورؐ فرما دیتے یہ دیکھو لو فرشتہ۔

ملائکہ کے متعلق ایک اہم سوال

• سورہ فاطر میں آیا ہے:- بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۭ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۔ ۳۵/۱ سب اچھی تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو آسمانوں اور زمین کو از سرِ نو بنانے والا ہے۔ ٹھہرانے والا ہے ملائکہ کو رسول دو دو، تین تین، چار چار قوتوں والے۔ اور اپنے قانونِ مشیت کے مطابق ہی تخلیق میں زیادتی کرتا ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے اندازے، پیمانے اور قانون مقرر کرنے والا ہے۔

• اِس آیت مجیدہ کے الفاظ اُولِیْ اَجْنِحَۃٍ سے دو دو تین تین اور چار چار پروں والے ملائکہ کا ثبوت لایا جاتا ہے۔ حالانکہ اُڑنے والے پرندوں کے لئے تین پروں کا تصور ہی غلط ہے، کیونکہ پرواز کے لئے توازن لازم ہے۔ اڑنے کیلئے دو دو اور چار چار پر، یقیناً توازن قائم رکھ سکتے ہیں، یعنی ایک ایک پر ہو تو دائیں بائیں دونوں طرف، اور دو دو ہوں تو دائیں بائیں دونوں طرف۔ لیکن اگر کسی پرندے کے تین پر ہوں تو ایک طرف ایک اور دوسری طرف دو ہوں گے، جس سے توازن بگڑ جائے گا اور پرندہ اڑ نہیں سکے گا۔ پس آیت مجیدہ ۳۵/۱ میں آمدہ لفظ ثُلٰثَ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہاں اَجْنِحَۃٍ بمعنی پر نہیں بلکہ قوتیں ہیں۔ اور مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ (نیکوکار بندوں) کو اپنے رسول ٹھہرایا تھا۔ اُن میں سے بعض دو دو قوتیں والے تھے، بعض تین تین اور بعض چار چار قوتوں والے تھے۔ (ملائکہ معنی نیکوکار بندہ ۱۲/۳۱ میں حضرت یوسفؑ کیلئے آیا ہے مَلَكٌ كَرِيْمٌ)۔

• یہ اللہ تعالیٰ کے نبی رسولؑ تھے۔ جیسے کہ حضرت داؤدؑ کے لئے ۳۸/۱۷ دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ آیا ہے۔ داؤدؑ قوتوں والا۔ انبیاءؑ کی کم از دو قوتیں اور زیادہ سے زیادہ چار قوتیں ہوتی تھی۔ اُن کی پہلی قبلِ نبوت کی اخلاقی قوت ہوتی تھی کہ عوام اُن کے اخلاق و کردار کے مداح ہوا کرتے۔ دوسری قوت نبوت کی ہر آن اللہ تعالیٰ کے ساتھ سلسلۂ وحی قائم رہتا تھا۔ انبیاءؑ کی تیسری قوت ہوتی تھی جماعتِ صحابہؓ کی اور چوتھی قوت، حکومت قائم ہونے کی ہوتی تھی۔ چنانچہ بعض انبیاءؑ جیسے حضرت لوط سلام علیہ کو صرف دو قوتیں حاصل تھیں ذاتی کردار اور نبوت کی۔ بعض کو تین قوتیں حاصل تھیں کہ صحابہؓ کی جماعت بھی میسر آگئی۔ اور بعض کو چار قوتیں میسر تھیں کہ حکومت بھی قائم ہو گئی حضرت داؤدؑ و سلیمانؑ اور سیدنا محمدؐ چار چار قوتوں والے تھے کہ انہیں حکومت بھی میسر آگئی تھی۔ پس ۳۵/۱ میں بھی ملائکہ بمعنی لوگوں کے دو دو تین

چار چار پروں والے ملائکہ مقصود نہیں۔ اِس آئت مجیدہ سے تو چار تک پر ثابت کئے جاتے ہیں مگر حضرت جبریل کے چھ سو پر بتائے جاتے ہیں۔ عَنْ ابْنِ مسعودٍ اَنَّ مُحَمَّداً رَاٰی جِبْرَائِیْلَ لَہٗ سِتُّمِائَۃِ جَنَاحٍ (بخاری صفحہ ۴۲/۲۔ مسلم صفحہ ۹۷/۱۔ ترمذی صفحہ ۱۶۰/۲)۔

● آئت مجیدہ ۳۵/۱ میں وحی لانے والے ملائکہ جبریل ومیکال کا ذکر نہیں کیونکہ اُن کا تعلق صرف انبیاء سلامٌ علیہم سے تھا۔ وہ صرف انبیاءؑ پر نازل ہوتے تھے۔ اُن کی ماہیت وکیفیت کو یا تو اللہ تعالیٰ جانتا ہے یا اللہ کے نبیؐ جانتے تھے جن کے قلوبِ اطہر پر وہ نازل ہوتے تھے۔ اخیر پر عوام کے ذہنی ملائکہ کے متعلق ایک اہم سوال یہ ہے کہ اگر بفرضِ محال ایسے ذہنی ملائکہ موجود ہیں تو وہ بلاشبہ سَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْہُ میں داخل ہیں۔ جس طرح بجلی ایتھر ریڈیائی لہریں وغیرہ مسخر ہو چکی ہیں، اُسی طرح پروں والے عوام کے ذہنی ملائکہ کا مسخر ہو کر نوعِ انسانی کے تابع تسخیر ہونا بھی لازم ہے۔ پس کیا بتایا جا سکتا ہے کہ آج تک کونسا ذہنی ملک مسخر ہو کر نوعِ انسانی کے سامنے سجدہ ریز ہو چکا ہے؟

● آئت مجیدہ زیر بحث ۶/۱۵۹ جو پیچھے صفحہ ۲۹۲ پر درج ہوئی ہے، اُس کا پہلا ضمنی نوٹ ۱ ملائکہ کے متعلق تھا۔ جس کی طویل بحث میں ہم دور نکل گئے تھے۔ اب اُس کے ضمنی نوٹ ۲ متعلقہ اللہ تعالیٰ کے روبرو آنے کی بحث ملاحظہ فرمائیں۔

● ۲ اَوْ یَاْتِیَ رَبُّکَ کے الفاظ کے مطابق عوام کا مطالبہ یہ بھی تھا کہ یا خود اللہ تعالیٰ سامنے آجائے۔ لیکن واضح رہے کہ جس طرح عوام کے ذہنی ملائکہ کا تصور غیر قرآنی ہے اُسی طرح اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا تصور بھی غیر قرآنی ہے لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ وَھُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ ۶/۱۰۴ اللہ تعالیٰ کو نہ کوئی آنکھ دیکھ سکتی ہے اور نہ کوئی بصیرت اُسے پا سکتی ہے وہ ہر آنکھ کو دیکھتا اور ہر بصیرت کو پاتا ہے۔

● ۳ اَوْ یَاْتِیَ بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّکَ کے الفاظ میں منکرینِ ضابطۂ خداوندی کا ایک اعتراض یہ تھا کہ اگر نہ ملائکہ آئیں اور نہ اللہ ہی آئے تو کم از کم اللہ کی کوئی نشانی آجائے تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ روائتی تفاسیر نے اِس سے کسی حسی معجزہ کے ظہور کا تصور دیا ہے۔ لیکن اس سے اگلے الفاظ میں بتا دیا گیا ہے کہ جب آپ کے رب کی کوئی نشانی آجائے تو پھر اُس شخص کے لئے جس پر وہ نشانی آجائے نہ ایمان لانے کا وقت باقی رہتا ہے اور نہ نیک اعمال بجا لانے کا۔ کیونکہ ارشاد ہوا ہے:۔ یَوْمَ یَاْتِیْ بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّکَ لَا یَنْفَعُ نَفْسًا اِیْمَانُھَا .... اِلٰی اِیْمَانِھَا خَیْرًا ۶/۱۵۹

مسئلہ توبہ اور دیتا

● اب اِس آئت کی روشنی میں غور فرمائیں۔ قرآنِ کریم سے تین مقام ایسے ثابت ہیں کہ جب کسی کو ایمان لانا فائدہ نہیں دیتا:
۱۔ جب عذاب آجائے ۲۔ جب موت آحاضر ہو ۳۔ شکست اور گرفتاری کے بعد

۱۔ جب عذاب آجائے تو ایمان لانا فائدہ نہیں دیتا

• پہلے نمبر پر فرعون اِس آیت کا پورا پورا مصداق ہے کہ :۔
جب اس کے پاس اللہ تعالیٰ کی یہ نشانی آگئی کہ حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کیلئے اُس سے پرامن ہجرت کی اجازت چاہی تھی ۵/۱۰۱ مگر اُس نے نہ دی۔ بالآخر وہ ہجرت کرنے میں کامیاب ہو گئے مگر فرعون نے انکا تعاقب کیا۔ بنی اسرائیل سمندر کی شاخ میں سے اُس کی جذر کی حالت میں پار ہو گئے مگر مدّ آنے والی تھی کہ فرعون معہ لشکر اُس میں داخل ہو گیا۔ اُدھر سے مدّ آگئی اور وہ غرق ہونے لگا۔ اللہ تعالیٰ کی اس نشانی کی آمد کے بعد اُس نے ایمان لانا چاہا اور کہا :۔ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۰ ۱۰/۹۰
فرعون نے کہا بیشک میں ایمان لایا اُس الٰہ پر جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔
لیکن اس پر جواب ملا :۔ آٰلْئٰنَ وَ قَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَ كُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ۰ ۱۰/۹۱ اب ایمان لاتا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے تُو نے نافرمانی کی اور تُو فساد کرنے والوں میں سے تھا۔ چنانچہ یہ وہ وقت تھا کہ جب عذاب آگیا تو اس کے بعد ایمان لانا اسکے کسی کام نہ آیا۔

۲۔ جب موت حاضر ہو جائے تو ایمان لانا فائدہ نہیں دیتا

• سُورہ نسآء میں ارشاد ہُوا ہے :۔ وَ لَیْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ حَتّٰٓی اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَ لَا الَّذِیْنَ یَمُوْتُوْنَ وَ هُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓىٕكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۰ ۴/۱۸ اور اُن لوگوں کے لئے کوئی توبہ نہیں ہے جو بُرے عمل کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اُن میں سے کسی پر موت کا وقت آجائے تو وہ کہے کہ میں اَب توبہ کرتا ہوں۔ اور نہ (موت کے وقت) اُن لوگوں کے لئے ایمان لانا فائدہ مند ہے جو کفر ہی میں مرنے لگیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے ہم نے دردناک عذاب کا وعدہ دے رکھا ہے۔ اگر آخری وقت تک کوئی شخص بدعمل رہا ہے تو موت کے وقت توبہ قبول نہیں۔ اگر کوئی کافر رہا اور موت کا وقت آگیا۔ اُس وقت ایمان لانا فائدہ نہیں دیتا۔ پس موت کا وقت آجانا بھی اللہ کی ایک آیت ہے اُس کی ایک نشانی ہے اُس وقت نہ توبہ قبول ہوتی ہے، نہ ایمان لانا فائدہ دیتا ہے۔

۳۔ شکست اور گرفتاری کے بعد بھی ایمان لانا کوئی فائدہ نہیں دیتا

• سُورہ مائدہ میں اسلامی حکومت کے اُن باغیوں کے متعلق جو قوت پیدا کر کے اہلِ اسلام سے جنگ کریں اور ملک میں فساد پھیلائیں، یہ فیصلہ دیا گیا ہے کہ ان لوگوں کیلئے ایمان لانے اور فرمانبردار ہونے کا موقعہ اُس وقت تک ہے جبتک کہ وہ شکست کھا کر گرفتار نہ ہو جائیں۔ جب اُن کی طاقت ختم ہو جائے اور وہ گرفتار ہو جائیں، تو اگر وہ گرفتار ہونے کے بعد ایمان لانا چاہیں تو اُن کا ایمان لانا اُسی طرح مردود قرار دیا جائیگا جس طرح فرعون کا ایمان مقبول نہیں ہُوا تھا :۔ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ

۱۔ جب عذاب آجائے تو ایمان لانا فائدہ نہیں دیتا

• پہلے نمبر پر فرعون اِس آئت کا پورا پورا مصداق ہے کہ :۔
جب اس کے پاس اللہ تعالیٰ کی یہ نشانی آگئی کہ حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کیلئے اُس سے پرامن ہجرت کی اجازت چاہی تھی ۵/۱۰ مگر اُس نے نہ دی ۔ بالآخر وہ ہجرت کرتے ہیں کامیاب ہوگئے مگر فرعون نے انکا تعاقب کیا ۔ بنی اسرائیل سمندر کی شاخ میں سے اُس کی جذر کی حالت میں پار ہوگئے مگر مدّ آنیوالی تھی کہ فرعون معہ لشکر اُس میں داخل ہوگیا ۔ اُدھر سے مدّ آگئی اور وہ غرق ہونے لگا ۔ اللہ تعالیٰ کی اس نشانی کی آمد کے بعد اُس نے ایمان لانا چاہا اور کہا :۔ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۰ ۱۰/۹۰
فرعون نے کہا بیشک میں ایمان لایا اُس الٰہ پر جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں ۔
لیکن اس پر جواب ملا :۔ آٰلْـٰٔنَ وَ قَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَ كُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ۰ ۱۰/۹۱ اب ایمان لاتا ہے ۔ حالانکہ اس سے پہلے تُو نے نافرمانی کی اور تُو فساد کرنے والوں میں سے تھا ۔ چنانچہ یہ وہ وقت تھا کہ جب عذاب آگیا تو اس کے بعد ایمان لانا اسکے کسی کام نہ آیا ۔

۲۔ جب موت حاضر ہو جائے تو ایمان لانا فائدہ نہیں دیتا

• سُورہ نسآء میں ارشاد ہُوا ہے :۔ وَ لَیْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ حَتّٰۤى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَ لَا الَّذِیْنَ یَمُوْتُوْنَ وَ هُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓىٕكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۰ ۴/۱۸ اور اُن لوگوں کے لئے کوئی توبہ نہیں ہے جو بُرے عمل کرتے ہیں ۔ یہاں تک کہ اُن میں سے کسی پر موت کا وقت آجائے تو وہ کہے کہ میں اب توبہ کرتا ہوں ۔ اور نہ (موت کے وقت) اُن لوگوں کے لئے ایمان لانا فائدہ مند ہے جو کفر ہی میں مرنے لگیں ۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے ہم نے دردناک عذاب کا وعدہ دے رکھا ہے ۔ اگر آخری وقت تک کوئی شخص بدعمل رہا ہے تو موت کے وقت توبہ قبول نہیں ۔ اگر کوئی کافر رہا اور موت کا وقت آگیا ۔ اُس وقت ایمان لانا فائدہ نہیں دیتا ۔ پس موت کا وقت آجانا بھی اللہ کی ایک آئت ہے اُس کی ایک نشانی ہے اُس وقت نہ توبہ قبول ہوتی ہے نہ ایمان لانا فائدہ دیتا ہے ۔

۳۔ شکست اور گرفتاری کے بعد بھی ایمان لانا کوئی فائدہ نہیں دیتا

• سُورہ مائدہ میں اسلامی حکومت کے اُن باغیوں کے متعلق جو قوت پیدا کرکے اہلِ اسلام سے جنگ کریں اور ملک میں فساد پھیلائیں، یہ فیصلہ دیا گیا ہے کہ ان لوگوں کیلئے ایمان لانے اور فرمانبردار ہونے کا موقعہ اُس وقت تک ہے جبتک کہ وہ شکست کھا کر گرفتار نہ ہو جائیں ۔ جب اُن کی طاقت ختم ہو جائے اور وہ گرفتار ہو جائیں، تو اگر وہ گرفتار ہونے کے بعد ایمان لانا چاہیں تو اُن کا ایمان لانا اُسی طرح مردود قرار دیا جائیگا جس طرح فرعون کا ایمان مقبول نہیں ہُوا تھا :۔ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ

انتظار کریں گے صبح نہ نکلے گی تو پھر وظیفہ شروع کردیں گے، جب تمام ہوگا اور نشان صبح کا ظاہر نہ ہوگا تو جانیں گے کچھ اسرار الٰہی ظاہر ہوگا۔ رونا اور استغفار کریں گے۔ جب تک کہ صبح مغرب سے ظاہر ہوگی۔ اور آفتاب مغرب کی طرف سے نکلے گا بے روشنی۔ تمام خلق دیکھے گی۔ ایمان بیقراری کا ہو جائے گا اور قبول نہ ہوگا۔ اور دروازے توبہ کے بند ہوں گے اور یہ احوال جب ہوگا کہ ایک سو بیس برس قیامت کے رہیں گے۔

● شیعہ مکتبِ فکر کے قرآن مجید مترجم حمائل شریف سید مقبول احمد صاحب کے صفحہ ۲۳۶ - ۲۳۷ پر بھی قیامت کی نشانیوں میں خروج دجال کا، نکلنا دابۃ الارض کا اور ظہور امام مہدی کا ــــــ دابۃ الارض کے متعلق لکھا ہے کہ اُس کے پاس عصاءِ موسیٰ اور مُہر سلیمانی ہوگی۔ وہ کافر مومن سب کے منہ پر مُہر لگائے گا۔ حتیٰ کہ دلوں کے مُنہ پر چھپ جائیگا هٰذَا مُؤْمِنٌ هٰذَا كَافِرٌ۔ دابۃ الارض سر بلند کر کے حکمِ خُدا سے آسمان اور زمین کے مابین سب چیزوں کو دیکھ لیگا۔ یہ واقعہ مغرب کی طرف سے سُورج نکلنے کے بعد ظاہر ہوگا۔ اُس وقت سے توبہ اُٹھا دی جائے گی یعنی نہ کوئی توبہ قبول ہوگی اور نہ کوئی عمل مانا جائیگا اور اُسی وقت کی تعریف خدا نے اِس طرح فرمائی ہے کہ کسی نفس کو اُس کا ایمان نفع نہیں دے گا۔" یہ ہے روائتی تفسیر آیتِ بالا $\frac{6}{158}$ کی۔

دجّال اور دابۃُ الارض

● دجّال کے متعلق روائتی تفاسیر میں لکھا ہے کہ ایک کانا بادشاہ ہوگا، جس کے ایک ہاتھ میں جنّت ہوگی ایک میں دوزخ ہوگا۔ جو شخص اُسے سجدہ کرے گا اُسے جنّت میں داخل کردے گا اور جو سجدہ نہیں کرے گا اُسے دوزخ میں ڈال دے گا۔ اُس کی پیشانی پر لکھا ہوگا کافر ــــ دابۃ الارض کے متعلق تفسیر موضح القرآن کے صفحہ ۴۰۳ اور تفسیر حسینی کے صفحہ ۴۰۵ پر لکھا ہے کہ وہ ساٹھ گز لمبا ہوگا۔ اسکے چار پَیر ہونگے۔ سر اور سینگ بیل گائے کے۔ کان ہاتھی کے۔ رنگ چیتے کا۔ گردن اور ٹانگیں اونٹ کی۔ چھاتی شیر کی اور دم دُنبے جیسے ہوگی۔ حضرت موسیٰ کا عصا اور سلیمان کی انگوٹھی کا نگینہ اسکے پاس ہوگا۔ وہ لوگوں سے باتیں کرے گا۔ جسے عصا لگادے گا اُسکا مُنہ سفید ہو جائیگا، جسے نگینہ چُھوا ئیگا اُسکا مُنہ کالا ہو جائیگا۔ یہ نشان ہوں گے مومن اور کافر کے۔

● اب غور فرمائیگا کہ ان روائتی تفاسیر کا کوئی تعلق آیت زیرِ بحث $\frac{6}{159}$ کیساتھ ہے؟ قرآن کریم نے $\frac{4}{18}$ میں بالفاظِ صریح اعلان کر رکھا ہے کہ اُس شخص کے لئے توبہ کا وقت باقی نہیں رہتا جو اُس وقت توبہ کرے جب موت کا وقت آموجود ہو۔ اُس وقت پر وہ اس بُرے عمل سے توبہ کرے جسے اُس نے اس سے پہلے نہیں چھوڑا تو اُس کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔ اور اس پر $\frac{10}{90-91}$ کی شہادت موجود ہے کہ موت کے وقت فرعون کی توبہ قبول نہ ہُوئی۔ نیز توبہ اُس وقت پر قبول نہیں ہوتی جب اللہ کا عذاب آجائے $\frac{6}{159}$ + $\frac{10}{90-91}$ اور تیسرے نمبر پر قرآنِ کریم کی رُو سے اسلامی حکومت کے باغی اور ملک میں فساد پھیلانے والے کی توبہ اس وقت قبول نہیں ہوتی جب وہ شکست کھا کر گرفتار ہو چکا ہو $\frac{5}{33-34}$ قرآنِ کریم کے فیصلہ کے مطابق توبہ قبول نہ ہونے کے یہی تین وقت ہیں، جن وقتوں پر ایمان لانا فائدہ نہیں دیتا۔ لیکن روائتی تفاسیر

میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ کیسے غیر قرآنی چیستان پیش کئے گئے ہیں اور قیامت سے ایک بیس برس پہلے پہلے توبہ کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے۔ کانے دجّال کا تو قرآنِ کریم میں ذکر تک نہیں، یہ نام اور اس کے متعلقات سب کے سب روایات کی ایجاد ہے۔ البتہ دابۃ الارض کا ذکر ۲۷/۸۲ میں بالفاظِ ذیل آیا ہے جسے مذکورہ چیستانی دابہ بنا دیا گیا ہے:۔

● وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ ٥

۲۷/۸۲ - اس آیت مجیدہ کا ترجمہ عرض کرنے سے پہلے اسکے چند الفاظ کی تشریح لازمی ہے:۔

● ۱ إِذَا بمعنی جب متضمن بمعنی شرط ہے۔ ماضی پر داخل ہو تو اُسے مضارع بنا دیتا ہے۔ اس نے وَقَعَ کو مضارع بنا دیا ہے۔

● ۲ اَلْقَوْلُ سے مراد اللہ تعالیٰ کا قانون ہے۔ قول بمعنی قانون اور الف لام عوض مضاف الیہ ہے۔

● ۳ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ کے الفاظ میں أَخْرَجْنَا کا معنی یہ نہیں کہ ہم زمین سے نکالتے ہیں۔ کیونکہ یہاں مِنَ الْأَرْضِ میں مِن بیانیہ ہے بعضیہ نہیں ہے اور مِنَ الْأَرْضِ کا معنی ہے زمین میں کا یعنی زمین کا رہنے والا۔ اور أَخْرَجْنَا کا معنی یہ ہے کہ ہم ظاہر کرتے ہیں۔ ظاہر وہ خود ہوتا ہے لیکن چونکہ وہ اللہ کی منشا کے مطابق کام کرتا ہے اس لئے اللہ نے اُسے اپنی طرف منسوب کیا ہے۔

● ۴ دَابَّةً کا معنی ہے جاندار۔ اور انسان بھی ایک جاندار ہے۔ اس آیت میں دَابَّةً سے مراد انسان ہی ہے۔ جس کی تائید اگلے نمبر ۵ میں بالفاظِ ذیل موجود ہے۔

● ۵ تُكَلِّمُهُمْ کا معنی ہے وہ کلام کرتا ہے اُن سے۔ اب روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ دنیا بھر کے جانداروں میں کلام کرنے والا جاندار (دَابَّة) صرف اور صرف انسان ہے۔ (الفاظ کی) تشریح کے بعد اب ۲۷/۸۲ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:۔

(ترجمہ ۲۷/۸۲) اور جب کبھی ان (لوگوں) پر اللہ کا قانون واقع ہوتا ہے تو ہم زمین پر رہنے والے ایک انسان کو ظاہر کرتے ہیں جو اُن سے کلام کرتا ہے (انہیں آگاہ کرتا ہے کہ تم نے اللہ کی آیتیں چھوڑ دی ہیں یہ ایک حقیقت ہے) کہ نوعِ انسانی ہماری آیتوں پر یقین نہیں رکھتے۔

● اس آیت مجیدہ ۲۷/۸۲ میں یہ بتا دیا گیا ہے کہ لوگ جب اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے اعراض کرتے ہیں تو اُنہی میں سے کوئی ایک انسان انہیں یاد دلاتا ہے کہ تم اللہ کی آیتوں کو بھول گئے ہو —— یاد رہے کہ اس آیت مجیدہ سے سو سال کے بعد کسی مجدد کے آنے کا روایتی تصور ہرگز مراد نہیں لیا جا سکتا۔ کیونکہ اس آیت کے آخری جملے میں لوگوں کے متعلق اللہ کی آیتوں پر سے یقین اُٹھ جانے کی خبر دی گئی ہے۔ اور وہ ظاہر ہونے والا اللہ کی آیتیں یاد دلاتا ہے روایتیں پڑھ پڑھ کر اپنے مامور من اللہ ہونے کے دلائل نہیں پیش کرتا۔

● مذکورہ دَابَّةُ الْأَرْضِ کے متعلق روایات کے وضع ہوئے چیستانی تصورات سب غلط ہیں۔ اور یہ بھی غلط ہے کہ وہ ایک ہی ہے چوپایہ ہے، وہ مجملہ افراد جو قوم کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں یاد دلاتے رہے قرآنِ کریم ۲۷/۸۲ کے مطابق دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ

تھے، جنہوں نے لوگوں کو یاد دلایا کہ تم اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو بھول گئے ہو۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں آنحضورؐ کو مخاطب کرکے اعلان کیا گیا ہے کہ جو لوگ دین میں تفریق پیدا کرکے فرقہ فرقہ ہو جائیں اُنکے ساتھ آپکا کوئی تعلق نہیں۔ اس طرح وہ متفرق ہو کر جو عمل کرتے ہیں۔ اُن سے قیامت کو آگاہ کیا جائیگا:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَ كَانُوْا
بیشک جنہوں نے تفریق پیدا کی دین اپنے میں اور ہو گئے
شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ ؕ اِنَّمَاۤ اَمْرُهُمْ
گروہ گروہ نہیں تو ان میں سے انکے بیچ کسی چیز کے سوائے اسکے نہیں معاملہ انکا
اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ یُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ۝۱۶۰
طرف اللہ کے ہے پھر وہ خبر دیگا انکو ساتھ اسکے جو تھے عمل کرتے

بیشک جن لوگوں نے اپنے دین میں تفریق پیدا کی اور وہ گروہ گروہ ہو گئے (یعنی فرقوں اور دھڑوں میں بٹ گئے۔ اَے رسولؐ!) آپ کا اُن میں سے کسی کے ساتھ بھی کسی چیز میں کوئی تعلق نہیں۔ سوائے اِس کے اور کوئی بات نہیں کہ اُن کا معاملہ اللہ کی طرف ہے۔ پھر وہ اُنہیں (قیامت کو) خبر دیگا جو وہ (اللہ کے دین قرآنِ کریم سے متفرق ہو کر) عمل کیا کرتے تھے۔

● ملہ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ کے الفاظ میں فَرَّقُوْا کا معنٰی ہے انہوں نے فرق کیا، تفریق کی۔ کس سے فرق کیا؟ کس سے تفریق کی؟ اِسکا جواب دیا گیا ہے دِیْنَهُمْ اپنے دین سے فرق کیا۔ دین سے تفریق کی۔ لیکن دین کیا چیز ہے؟ اِس کا جواب دیا گیا ہے:۔ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّ الَّذِیْۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ $\frac{42}{13}$ اللہ نے شرع کردی ہے۔ اُس دین کی جس کا حکم نوحؑ کو دیا تھا اور وُہی دین جو ہمنے آپکی طرف وحی کیا ہے ـــــ پس ثابت ہُوا کہ دین وہ چیز ہے جو آنحضورؐ کی طرف وحی کیا گیا تھا۔ اور وہ ہے قرآنِ کریم۔ فلہٰذا ثابت ہُوا کہ جو لوگ قرآنِ کریم میں تفریق پیدا کرکے فرقہ فرقہ ہو جائیں۔ اُن کے ساتھ رسولِ مقبولؐ کا ان کی کسی چیز میں بھی کوئی تعلق واسطہ نہیں ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ قرآنِ کریم سے تفریق کرنے کی عملی صورت کیا ہے؟

● اِس سوال کا جواب سُورہ آلِ عمران کی آیت نمبر ۱۰۳ میں ایمان والوں کو مخاطب کرکے بالفاظِ ذیل دیا گیا ہے:۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا $\frac{3}{103}$ اور اللہ تعالیٰ کی رسّی قرآن مجید کو سب مل کر مضبوط تھامے رہو اور تفریق پیدا نہ کر لینا۔ متفرق نہ ہو جانا۔ پس ثابت ہُوا کہ اکیلے قرآنِ مجید کو متفقہ طور پر تھامے رہنا عدمِ تفریق ہے۔ اور اسے نہ تھامنا اور یا متفرق انداز میں تھامنا ہے تفریق یعنی وَلَا تَفَرَّقُوْا کے حکمِ خداوندی کی حکم عدولی۔ اِسی عنوان کو سُورہ روم میں بالفاظِ ذیل بیان کیا گیا ہے:۔

● مُنِیْبِیْنَ اِلَیْهِ وَاتَّقُوْهُ وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ لَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۙ مِنَ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِیَعًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝ $\frac{30}{31-32}$ اُس (اللہ) کی طرف رجوع رہنے والے اور بچو اُسکی

نافرمانی سے اور صلوٰۃ قائم رکھو اور مشرکوں میں سے نہ ہو جانا ۔ اُن میں سے جنہوں نے اپنے دین (قرآن) میں تفریق کی اور گروہ گروہ ہو گئے ۔ ہر گروہ اس چیز پر خوش ہے جو کچھ اُس کے پاس ہے ـــــ ان آیات میں تفریقِ دین کی وضاحت اس طرح کر دی گئی ہے کہ جو کچھ کسی کے پاس ہے وہ اُس پر خوش ہے ۔ اُسے جزوِ دین یعنی جزوِ قرآن مانتا ہے ۔ اسی چیز کو ذرا اور کھل کر بیان کیا جائے تو یہ ہوگا کہ وہ اپنی اپنی خوشی کی چیزوں کو جزوِ قرآن صرف مانتے ہی نہیں بلکہ اُسے قرآنِ کریم میں سے ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں ۔

● مثال کے طور پر مزاروں اور خانقاہوں پر سرِ نیاز خم کرنے والے اسی پر خوش ہیں اور اسے جزوِ قرآن قرار دیتے ہیں نیز وہ لوگ جو ہر قمری ماہ کی گیارہ تاریخ کو گیارہویں والے پیر کی نیاز پکاتے ہیں ۔ وہ اسی پر خوش ہیں اور اسے قرآنِ کریم سے ثابت کرتے ہیں ۔ اسی طرح جو لوگ تعزیہ اور ذوالجناح کے سامنے سرِ نیاز جھکانے والے ہیں وہ اسی پر خوش ہیں ۔ اور اسے جزوِ دین مانتے اور قرآن کریم میں سے ثابت کرتے ہیں ۔ یہی ہے تفریقِ دین' اور واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا کی خلاف ورزی کہ اپنی اپنی خوشی کے مسائل الگ الگ لئے بیٹھے ہیں اور انہیں الگ الگ قرآنِ کریم سے ثابت کرتے ہیں کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ ٥

● سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں ہر نیکی کی دس گُنا جزا کی خبر دی گئی ہے اور ہر برائی کی سزا صرف ایک گُنا :-

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ
جو آیا ساتھ ایک نیکی کے واسطے اسکے ہے دس مثل اسکی

وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا
اور جو آیا ساتھ ایک برائی کے تو وہ نہیں بدلہ دیا جائیگا مگر مثل اسکی

وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○ ۱۶۱
اور وہ نہیں ظلم کئے جائینگے

جو شخص (اللہ کے حضور میں) ایک نیکی لایا' تو اس کے لئے اس کی جزا (اللہ تعالیٰ کے ہاں) دس گنا ہے ۔ اور جو کوئی ایک برائی لایا وہ (اللہ تعالیٰ کے ہاں) سزا نہیں دیا جائے گا مگر صرف اُس جیسی (یعنی صرف ایک گنا) ۔ اور وہ (برائی کرنیوالے) ظلم نہیں کئے جائینگے ۔

اللہ تعالیٰ کی مخصوص شفقت

● اس آیتِ مجیدہ پر مختلف انداز سے غور کیا جانا لازم ہے ۔ سرِ فہرست تو اللہ تعالیٰ کی یہ مخصوص شفقت قابلِ غور ہے کہ ایک نیکی کرنیوالے کو دس گنا جزا کی خبر دیگئی ہے مگر ایک برائی کرنیوالے کی سزا کو دس گنا تو کیا ڈیڑھ یا سوا گنا کرنے کی خبر بھی نہیں دیگئی ۔ بلکہ واضح رہے کہ برائی کرنے کے بعد توبہ و اصلاح کا دروازہ کھلا رکھا گیا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نہ صرف معاف کر دیتا ہے بلکہ نیکیاں کرنیوالے کی برائیوں کو نیکیوں میں تبدیل کرنے کی خبر بھی دیگئی ہے :- اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ٥ ۲۵/۷۰ مگر جو کوئی (برے عمل کے بعد) توبہ کرے اور ایمان

لائے اور عمل صالح کرے تو ایسے لوگ وہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ انکی برائیوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بچاؤ عطا فرمانیوالا اور بہت بڑھ کر رحمت کرنیوالا ہے۔

مسئلہ زکوٰۃ ● دوسرے نمبر پر آئت زیر بحث ۶/۱۶۱ پر اس انداز سے بھی غور کیا جانا ضروری ہے کہ ۹/۱۱۱ میں جو ارشاد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کا سارا مال جنت کے بدلے خرید لیا ہے :۔ اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ اسطرح جو سارا مال جنت کی قیمت قرار دیجئی ہے اسکے مطابق اللہ تعالیٰ تو جنت ضرور عطا فرمائیگا۔ مگر وہ سودے کیمطابق سارا مال کیوں وصول نہیں کرتا۔ اسکا جواب سورہ محمد میں دیا گیا ہے :۔

● اِنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا یُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا یَسْئَلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ۝ اِنْ یَّسْئَلْكُمُوْهَا فَیُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَیُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ۝ ۴۷/۳۶-۳۷ سوائے اسکے نہیں کہ (آخرت کو بھول کر) دنیا کی زندگی کھیل اور لغو ہے۔ اور اگر تم ایمان لاؤ کھیل و لغو سے بچو تو اللہ تمہیں تمہارے اجر دے گا۔ اور وہ تم سے تمہارے سارے مال نہیں مانگتا۔ اگر وہ تم سے سارے مال مانگے تو تمہیں تنگ کرے اور تم اُن کی ادائیگی میں بخل کرنے لگو۔ اور وہ تمہاری عداوتیں اور کدورتیں نکالتا ہے۔

● یہاں پہنچ کر سوال پیدا ہوتا ہے کہ سارے مال نہ مانگنے سے جو جنت کا سودا ہو چکا ہے وہ تو فسخ نہیں ہوگا۔ بلکہ یہ سوال باقی رہتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ جنت کے سودے کا سارا مال نہیں مانگتا تو کتنا حصہ مانگتا ہے؟ اس سوال کا جواب ہے :۔ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۶/۱۶۱ جو کوئی ایک نیکی لایا اللہ کے ہاں اس کی دس آگئی ہیں۔ بالفاظ دیگر جس نے اپنے مال کا دسواں حصہ ادا کر دیا اس کا سارا مال اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچ گیا۔

عشر، دسواں حصہ زکوٰۃ ہے ● سورہ معارج میں جو مومنوں کے متعلق خبر دیگئی ہے :۔ وَالَّذِیْنَ فِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝ ۷۰/۲۴ اُن کے مالوں میں حاجت مندوں اور معذوروں کا ایک معلوم حصہ کا حق ہے۔ لفظ زکوٰۃ کا معنی ہی ہے کمزوروں کو قوت بھی دینا۔ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ کے الفاظ سے کھل کر ثابت ہوا کہ قرآن کریم کی رو سے معلوم دسواں حصہ جو اللہ تعالیٰ جنت کی قیمت پورے مال کے بدلے وصول کرتا ہے زکوٰۃ ہے اور یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کو مال کی ضرورت نہیں وہ جو کچھ اپنے نام سے وصول کرتا ہے وہ غرباء کا حصہ ہوتا ہے جیسے کہ ارشاد باری ہے اَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ۷۳/۲۰ اللہ تعالیٰ کو قرض دو قرض حسنہ۔ یہ مال کس کو دیا جاتا ہے، غرباء معاشرہ کو۔ اسلئے جنت کی قیمت پورے مالوں کی بجائے دسواں حصہ غرباء کا حصہ ہے۔ اب اس ضمن کا آخری سوال یہ ہے کہ زکوٰۃ دسواں حصہ آمدنی کا ہے یا بچت کا۔ اس کا جواب پیچھے آئت مجیدہ ۶/۱۴۲ کی تفسیر میں صفحہ ۲۷۵ پر دیا جا چکا ہے آمدنی کا دسواں، بچت کا نہیں۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں سورۂ فاتحہ کی آیت نمبر ۱/۵ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کے مروجہ ترجمہ "دکھا ہم کو راہ سیدھی" پر جو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا آنحضورؐ نے اپنی آخری نماز کے وقت تک سیدھی راہ دیکھی نہیں تھی جو دیکھنے کی دعا کر رہے تھے، کے متعلق فیصلہ کر دیا گیا ہے کہ ۱/۵ کا مذکورہ مروجہ ترجمہ غلط ہے اللہ تعالیٰ نے آنحضورؐ کو سیدھی راہ دکھا دی تھی ۔ اور اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کا تصریف آیات کے مطابق صحیح ترجمہ یہ ہے :۔ "چلائے رکھ ہم کو راہ سیدھی پر" نیز اس آیت میں یہ بھی بتا دیا ہے کہ صراطِ مستقیم، دینِ قیم اور ملتِ ابراہیمؑ ایک ہی چیز ہے :۔

قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ
کہہ بیشک میں، ہدایت کی مجھے رب میرے نے طرف راہ سیدھی کے

دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ
دین سیدھا طریقہ ابراہیمؑ کا خالص کا اور نہیں ہیں

مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ ۱۶۲
میں سے مشرکوں کے

کہہ بیشک میں (وہ ہوں کہ) میرے رب نے مجھے صراطِ مستقیم (سیدھی راہ) کی ہدایت فرما دی ہے ۔ وہ جو دینِ قیم (سیدھا اور پکا) دین ہے وہی جو طریقہ ہے ابراہیمؑ کا جو ہر طرف سے کٹ کر صرف اللہ کی طرف رہنے والا تھا ۔ اور میں اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے والوں میں سے نہیں ہوں ۔

● ۱ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ کا بدل آیا ہے دِيْنًا قِيَمًا اور بدل بعد بدل آیا ہے مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا جس سے ثابت ہوا کہ صرف صِرَاطِ مُسْتَقِيْم ہی دینِ قیم ہے اور وہی مِلَّۃِ ابراہیم ہے ۔ جس سے یہ امر بھی کھل کر عیاں ہو چکا کہ حضرت ابراہیمؑ کو وہی دین دیا گیا تھا جو آنحضورؐ کو عطا ہوا ۔ اس مسئلہ کی مکمل بحث پیچھے آیت نمبر ۶/۱۵۵ کی تفسیر میں صفحہ ۲۹۰ پر گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب کے سب نبیوں کو ایک ہی کتاب ایک ہی دین اور ایک ہی شریعت عطا فرمائی تھی ۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیات مجیدہ میں آنحضورؐ سے باہٰذا اقرار متعدد اعلان کروائے گئے ہیں بغور ملاحظہ فرمائیں :۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَ
کہہ بیشک نماز میری اور طریقہ میرا اور حیاتی میری اور

مَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ۱۶۳
موت میری واسطے اللہ پالنے والے جہانوں کے ہے

لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ
نہیں شریک واسطے اُسکے اور ساتھ مذکورہ کے حکم کیا گیا ہوں میں اور

(اے رسولؐ!) کہہ دیجئے گا ۔ بیشک میری فرمانبرداری (ساری کی ساری) اور میرا طور طریقہ (سارے کا سارا) اور میری زندگی (ساری کی ساری) اور میری موت، خالصًا اللہ تعالیٰ کیلئے ہے ۔

اُس (اللہ تعالیٰ) کا کوئی شریک نہیں ۔ اور مجھے مذکورہ بالا (یعنی پوری فرمانبرداری، پورا طور طریقہ، پوری زندگی اور

اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ○ ۱۶۳

میں پہلا ہوں مسلمانوں میں

موت کو خالص اللہ تعالیٰ کے لئے وقف کرنے) کا حکم دیا گیا ہوں۔ اور میں مسلمانوں کا پہلا مسلمان ہوں ؏

● ۱؎ لفظ صلوٰۃ کے متعدد معنوں میں سے ایک معنی فرمانبرداری بھی ہے سورہ قیامت میں تقابل ضدین کے ذریعہ صلوٰۃ کا معنی نافرمانی کی ضد فرمانبرداری بتایا گیا ہے ؎۔ فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰی ○ وَلٰکِنْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی ○ ۷۵-۳۱-۳۲ پس اس نے تصدیق کی اور نہ فرمانبرداری کی۔ بلکہ جھٹلایا اور نافرمانی کی۔

● ۲؎ لفظ نسک کے بہت سے معنوں میں سے ایک معنی طور طریقہ بھی ہے پس نُسُکی کا معنی ہے میرا طور طریقہ سب اللہ کیلئے ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے عین احکام کیمطابق ہے۔

● ۳؎ اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ کے دو معنے ہیں۔ ایک یہ کہ میں سب سے پہلا مسلمان ہوں کہ جو حکم خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتا ہے سب سے پہلے میں اسکے مطابق عمل کرتا ہوں اور دوسرا یہ کہ میں اوّل درجے کا مسلمان ہوں یعنی سب مسلمانوں سے بڑھ کر احکام خداوندی کا فرمانبردار ہوں۔

● سلسلۂ درس کی اگلی دونوں آیات مجیدہ نمبر ۱۶۵-۱۶۶ سورہ انعام کی آخری آیات مجیدہ ہیں۔ آیت نمبر ۱۶۵ سے عیاں ہوتا ہے کہ آنحضور ؐ کے مخالفین باطل عقائد کے حامل تھے جن کی طرف وہ آنحضورؐ کو دعوت دیتے تھے۔ وہ لوگ غیر اللہ کو حاجتروا اور پالنہار یعنی رب مانتے تھے۔ اور اپنے پیروں بزرگوں کو قیامت کے دن اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھانیوالے تسلیم کرتے تھے۔ نیز علاوہ ازیں بہت سے مسائل میں قرآنی مسائل کیخلاف آبائی عقائد کے مطابق اختلاف کرتے تھے۔

قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ

کہہ کیا سوا اللہ کے ڈھونڈوں میں رب حالانکہ وہ ہے رب

كُلِّ شَیْءٍ ؕ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَیْهَا ۚ

ہر چیز کا اور نہیں کماتی ہر جان مگر اُوپر اسکے ہے

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى

اور نہیں اٹھائیگا اٹھانیوالا بوجھ دوسرے کا۔ پھر طرف

رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِیْهِ

رب تمہارے لوٹ جانے کا مقام ہے پھر خبر دیگا تم کو ساتھ اسکے جو تم بیچ اسکے

تَخْتَلِفُوْنَ ○ ۱۶۵

اختلاف کرتے

(اے رسول ؐ!) کہہ دیجیئے کہ (اے لوگو!) کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور رب (حاجتروا اور پالنہار) تلاش کروں۔ حالانکہ وہ (اللہ) ہر چیز کا رب (پالنہار) ہے۔ اور (یہ بھی سن لو کہ) ہر شخص جو عمل کرتا ہے اسکا بوجھ اسکی اپنی جان پر ہے۔ (قیامت کے دن) کوئی بھی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائیگا۔ (ہر شخص اپنا اپنا بوجھ اٹھائیگا) پھر تمہارے (اعمال کی جوابدہی کیلئے) لوٹ کر جانے کی جگہ تمہارے رب کی طرف ہے۔ پھر وہ (اللہ) تمہیں اسکی خبر دیگا جس میں تم اختلاف کرتے ہو۔

● ۱ے لفظ رب کا معنیٰ ہے نقطہ آغاز سے شروع کرکے نقطۂ انجام تک پرورش کرنے والا ۔ جیسے کہ انسان کی دنیوی زندگی کا نقطۂ آغاز ہے اسکی پیدائش ۔ مگر رب العلمین کی پرورش کا انداز اسکے نقطۂ آغاز ہی سے یہ ہے کہ وہ بچے کی پیدائش سے پہلے ہی اسکی ماں کی چھاتی پر دودھ کی دو نہریں بہا دیتا ہے ۔ جبتک بچے کے دانت نہیں آ گئے اس وقت تک یہ دو نہریں جاری رہتی ہیں اور ان کے خشک ہونے سے پہلے ہی بچے کے دانت نکل آتے ہیں تاکہ وہ سخت چیزیں چبانے کے قابل ہو جائے ۔ اسکے بعد اسکے رزق کے ضامن بظاہر ماں باپ ہوتے ہیں اور اُسے بہتر ہنرمند بناکر باعزت روٹی کمانے کے قابل بنانا بھی اگرچہ بظاہر ماں باپ ہی کا فریضہ ہے ۔ لیکن درحقیقت یہ فریضہ حکومتِ وقت کا ہوتا ہے ۔ اس مسئلہ کی وضاحت تفسیر القرآن بالقرآن جلد سوم جو آپکے ہاتھ میں ہے کے صفحہ ۲۸۵ پر بغلی سرخی "نَحۡنُ نَرۡزُقُكُمۡ وَاِيَّاهُمۡ" میں گزر چکی ہے ۔

● ۲-۳ے وَلَا تَكۡسِبُ كُلُّ نَفۡسٍ اِلَّا عَلَيۡهَا کے الفاظ میں بھی اسی چیز کی تائید کر دی گئی ہے کہ بُرے عملوں کی سزا کا بوجھ کوئی دوسرا نہیں اُٹھائیگا ۔ عمل کرنیوالے ہی کو اٹھانا پڑیگا ۔ سورۂ عنکبوت میں اس قرآنی نظریہ کے منکروں کا قول بالفاظِ ذیل درج ہے :۔ وَقَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوۡا سَبِيۡلَنَا وَلۡنَحۡمِلۡ خَطٰيٰكُمۡ ؕ وَمَا هُمۡ بِحٰمِلِيۡنَ مِنۡ خَطٰيٰهُمۡ مِّنۡ شَىۡءٍ ؕ اِنَّهُمۡ لَـكٰذِبُوۡنَ ۝ وَلَيَحۡمِلُنَّ اَثۡقَالَهُمۡ وَاَثۡقَالًا مَّعَ اَثۡقَالِهِمۡ وَلَيُسۡـئَلُنَّ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ ۔ ۲۹ / ۱۲-۱۳

(مفہوم) اور مکافاتِ عمل کے خداوندی اٹل قانون کے منکر ایمان والوں کو کہتے ہیں کہ تم ہمارے راستے کی اتباع کرو ۔ (یعنی ہماری بیعت کرلو ۔ ہمارے مرید ہو جاؤ) تو تمہارے گناہوں کا بوجھ ہم اٹھا لینگے (یعنی تمہیں اللہ تعالیٰ سے بخشوا لینگے) حقیقت یہ ہے کہ وہ اُنکے گناہوں کا بوجھ ذرّہ بھر بھی اٹھانیوالے نہیں ہیں ۔ وہ جھوٹ کہتے ہیں کہ ہم تمہارے گناہوں کا بوجھ اٹھا لینگے ۔ بلکہ ہوگا یہ کہ وہ ضرور اپنے گناہوں کا بوجھ بھی اٹھا لینگے اور اُن (اپنے مریدوں) کے گناہوں کا بوجھ بھی اٹھائیں گے ۔ (کیونکہ انہوں نے انہیں گمراہ کیا تھا ۔ انہیں دوہری سزا دی جائے گی) اور جو (مریدوں) کے گناہوں کا بوجھ اٹھانے کا افترای اُنہوں نے گھڑ رکھا ہے قیامت کے دن اسکے متعلق اُن سے ضرور ضرور پوچھا جائیگا ـــ پس کسی کے گناہوں کا بوجھ اٹھا لینے کا تصوّر از روئے قرآنِ کریم مطلقاً غلط اور ضابطۂ خداوندی کے ذمہ افترای محض ہے ۔

● حقیقت یہ ہے کہ زندہ اور مردہ پیروں کے متعلق یہ تصوّر بہت پرانا چلا آرہا ہے کہ قیامت کو وہ اپنے مریدوں کے گناہوں کا بوجھ اٹھا لینگے ۔ اور اللہ تعالیٰ سے بخشوا لینگے ۔ یہی عقیدہ زمانۂ رسالت کے منکرینِ ضابطۂ خداوندی کا تھا ۔ انہی زندہ اور مردہ بزرگوں کو وہ لوگ رب مانتے تھے اور آنحضور صلعم کو بھی اسی چیز کی دعوت دیتے تھے ۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے قل کے کلام کیساتھ خود آنحضور صلعم ہی سے اُن پر واضح کردیا تھا کہ تمہارے یہ عقائد غلط ہیں کہ اللہ کے سوا رب کوئی نہیں ۔ اور بُرے عملوں کا بوجھ عمل کرنیوالے کو خود اٹھانا پڑیگا نہ کوئی بوجھ اٹھائیگا اور نہ اللہ تعالیٰ سے بخشوائیگا ۔

● ۴ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَخْتَلِفُوْنَ ٥ کے الفاظ کے اوّلین مخاطب تو تھے زمانۂ رسالت کے منکرین ضابطۂ الٰہی جنہوں نے اس ضابطہ سے اپنے بزرگوں سے متوارث حاصل کردہ عقائد کی بنا پر اختلاف کیا تھا۔ اور اُنکے بعد قیامت تک کے وہ لوگ مخاطب ہیں۔ جنہوں نے کسی بھی دور میں قرآنی ضابطۂ الٰہی کے بتائے ہوئے مسائل سے یہ کہہ کر اُنکے بعد اختلاف کیا یا آج اختلاف کرتے ہیں یا آئندہ کرینگے کہ ہم نے تو اپنے زندہ بزرگوں سے نہ سُنے اور نہ مردہ بزرگوں کے ملفوظات میں یہ مسائل کبھی پڑھے ہیں۔ اُن کیلئے انکے بزرگ سند ہیں حالانکہ اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍ ۲۸/۸۵ کے مطابق چونکہ فرض قرآنِ کریم کیا گیا ہے اسلئے بزرگ سند نہیں قرآن کریم سند ہے —— سلسلۂ درس کی اگلی یعنی سورۂ انعام کی آخری آیت مجیدہ کے بھی اوّلین مخاطب زمانۂ رسالت کے منکرین ضابطۂ خداوندی ہیں اور اُنکے بعد قیامت تک وہ لوگ ہیں جنہوں نے اسکا انکار کیا کر رہے ہیں یا کرینگے ؀۔

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ[1] الْاَرْضِ	وہ (اللہ ہی) ہے جس نے تمہیں زمین میں (اپنے
وہی ہے جس نے بنایا تم کو بعد میں آنیوالے زمین کے	اسلاف کے) اخلاف بنایا[1] (تم اُنکے بعد زمین میں پیدا ہوئے)
وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ[2] لِّيَبْلُوَكُمْ[3]	اور تمہارے بعض کو (نیک عملوں کی بدولت) بعض پر درجوں
اور بلند کیا بعض تمہارے کو اُوپر بعض کے درجوں میں تاکہ ظاہر کرے تم کو	میں فضیلت دی[2]۔ تاکہ تمہیں اُس چیز کے ذریعہ ظاہر کرے[3] جو
فِیْ مَآ اٰتٰىكُمْ[4] اِنَّ رَبَّكَ سَرِیْعُ الْعِقَابِ[5] وَ	تمہیں دی ہے[4] (کہ تم نے اُسے کس طرح خرچ کیا ہے) بیشک رب
بیچ اسکے جو دیا تم کو بیشک رب تیرا جلدی کرنیوالا سزا کا اور	تیرا جلد عذاب کرنیوالا بھی ہے اور بچاؤ عطا فرمانیوالا اور بہت
اِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ[6] ۝ (ع) ۱۱	بڑھ کر رحمت فرمانے والا بھی ہے[5]
بیشک وہ ضرور بچانیوالا رحم کرنیوالا	

● ۱ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ سے مُراد زمین کے حکمران بھی ہیں اور ایک قوم کے بعد دوسری قوم بھی اور افراد کے بعد دوسرے افراد بھی۔

● ۲ رَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ کے الفاظ میں منشاءِ الٰہی اسکے قانون کیمطابق عیاں ہے کہ وہ درجوں میں انہی کو بلند کرتا ہے جو اعمال بجالائیں خواہ وہ حکمران ہوں یا کوئی قوم یا فرد۔ یہاں اللہ تعالیٰ کے ہاں مدارج کی بلندی مراد ہے جو نیک اعمال کی بدولت میسّر آتی ہے۔ جیسے حکمرانوں میں سے حضرات داؤدؑ سلیمانؑ اور مکی مدنی سرکار۔ قوموں میں سے ضابطۂ الٰہی کی متبع قومیں اور افراد میں سے اسکے متبع افراد۔

● ۳ لِیَبْلُوَكُمْ کے مصدر بَلَاءٌ کا معنیٰ آزمانا ہے لیکن آزمانا وہ ہے جو حالات سے بے خبر ہو۔ اللہ تعالیٰ چونکہ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ہے اسلئے اس کا معنیٰ لکھا گیا ہے وہ ظاہر کرتا ہے کہ لوگ جان لیں۔

● ۴ فِیْ مَآ اٰتٰىكُمْ میں مَا عموم کے مطابق حکمرانوں کی حکومت مُراد ہے مالداروں کا مال علماء کا علم اور

طاقتوروں کی طاقت کہ وہ اِن نعماءِ خداوندی کا صحیح استعمال کرتے ہیں یا غلط - مالداروں کے مال خصوصاً قابلِ ذکر ہیں : کہ کیا وہ اُن میں سے غریبوں کو اُنکا حصّہ دیتے ہیں یا نہیں - ۷۰/۲۵ میں مُصلّین کی تعریف میں آیا ہے :- وَالَّذِیْنَ فِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۙ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ = وہ، وہ لوگ ہیں کہ انکے مالوں میں حاجتمندوں اور معذوروں کا حق ہے جسے وہ حقداروں کو پہنچاتے ہیں - حقِ معلومہ آمدنی کے دسویں حصّہ زکوٰۃ کی وضاحت پیچھے صفحہ ۳۰۲ پر ملاحظہ فرمائیں -

● ۶/۱۶۵ اللہ تعالیٰ سریع العقاب جلد عذاب دینے والا ہے - اس مسئلہ میں اللہ تعالیٰ کا ایک دن ایک ہزار سال کا ہے ۳۲/۵ کو ملحوظ رکھیں - یہ نہ سمجھیں کہ بدکار دندناتے پھرتے ہیں نیز توبہ کیلئے بھی وقفہ عطا کیا جاتا ہے - اس کے ساتھ ہی اِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ بھی آگیا ہے - بالفاظِ دیگر سورہ انعام کا خاتمہ اس اعلان پر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیمانے کے مطابق بدکاروں کو جلد سزا دینے والا ہے مگر اُس نے ۳۲/۵ کے مذکورہ پیمانے اسلئے مقرر فرمائیں کہ وہ غفورٌ رحیم ہے اس کے غفور رحم کا تقاضا یہ ہے کہ بدکار توبہ کرکے اُسکی مغفرت و رحمت سے محروم نہ رہیں ۞

● واضح رہے کہ :-

● اللہ تعالیٰ ربّ العزّت کی رحمت اور اُسکے عذاب کے تقابل پر تصریفِ آیاتِ قرآنیہ کے ذریعہ غور کیا جائے تو سورہ اعراف کی آیت نمبر ۱۵۶ کے الفاظِ ذیل ابھر کر سامنے آتے ہیں :-

● عَذَابِیْٓ اُصِیْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ ۞ ۷/۱۵۶ میرا عذاب اُسے پہنچتا ہے جو میرے قانونِ مشیّت کی مخالفت کرکے خود عذاب کا مستحق ہوتا ہے حقیقت یہ ہے کہ میری رحمت ہر چیز سے وسیع ہے (یعنی میرے عذاب سے بھی وسیع ہے) میں ضرور اپنی رحمت کو اُن لوگوں کیلئے فرض کر دیتا ہوں جو میرے ضابطہِ حیات کی مخالفت سے بچتے ہیں اور زکوٰۃ یعنی کمزوروں کو فریبی دیتے ہیں - اور وہ لوگ ہی، وہ ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں -

● اللہ غفورٌ رحیم کی رحمت اُسکے عذاب سے وسیع ہے - اِسی چیز کا ثبوت یہ ہے کہ اُسنے توبہ کا قانون مقرر کرکے، اپنے عذاب پر اپنی رحمت کو غالب کر رکھا ہے - لیکن اُسکی وسعتِ رحمت سے فائدہ اٹھانا ہر شخص کا اپنا کام ہے کہ وہ اگر عصیاں کاری میں مبتلا ہو کر عذابِ الٰہی کا سزاوار ہو چکا ہے تو بصمیمِ قلب توبہ کرکے ربّنا کی بے پایاں رحمت کے سایہِ عاطفت میں پناہ لیکر عذاب سے بچ جائے -

رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ ۙ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ ۞ ۲۳/۹۷-۹۸

بحمد اللہ کہ بفضلِ ایزدی تفسیر القرآن بالقرآن سورۃ الانعام

ختم شد

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ مَكِّيَّةٌ

تعارف

● اِس سورہ مجیدہ میں چونکہ اہلِ اعراف کا ذکر درج ہے اِس لئے یہ سُورہ مجیدہ سُورہ اعراف کے نام سے متعارف ہے۔ لفظ اعراف عرف کی جمع ہے، جس کا بنیادی معنیٰ ہے اُونچا مقام جو بآسانی جانا اور پہچانا جائے۔ اِس لفظ کا سہ حرفی مادہ ع۔ ر۔ ف ہے جس کے بنیادی معنے مقام بلند کی مخصوص صفت کے مطابق پہچاننا ہیں۔ عربی ادب میں عَرَفَ الشَّیْءَ کا معنیٰ ہے اُس نے اُس چیز کو جان لیا پہچان لیا۔ اسی مادہ سے یہ الفاظ مشتق ہیں۔ عارف اِسم فاعل بمعنیٰ جاننے اور پہچاننے والا۔ معروف اِسم مفعول بمعنیٰ جانا ہُوا۔ تعارف بمعنیٰ جان پہچان۔ اعتراف بمعنیٰ اقرار کرنا دورانِ حج جس میدان میں حاجی صاحبان باہمی تعارف کے لئے جمع ہوتے ہیں، اُسے میدانِ عرفات کہتے ہیں۔

● اہلِ اعراف جن کا ذکرِ جمیل اس سُورہ مجیدہ کی آیات نمبر ۴۶ و ۴۸ میں آیا ہے کون ہیں؟ سابقہ مفسّرینِ کرام کا اِس میں اختلاف ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ یہ وُہ لوگ ہونگے جن کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہونگی چونکہ نہ وہ جنت کے مستحق ہونگے نہ جہنم کے، اسلئے اُنہیں درمیان میں رکھا جائیگا۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ ملائکہ ہونگے اور بعض کا خیال ہے کہ وُہ انبیاءِ کرام ہیں۔ قرآنی تصریفِ آیات کے مطابق وہ بلند مقام کے مقیم حضراتِ انبیاءِ کرام ہیں تفصیل اپنے مقام پر آگے آ رہی ہے۔

● سُورہ اعراف ۲۴ رکوع اور ۲۰۶ آیاتِ کریمات پر مشتمل ہے۔ اِس میں سُورہ فاتحہ کے ساتوں عنوانات سے متعلقہ تفصیلی بحث درج ہے۔

۱۔ مسئلہ ربُوبیّت عالمین، یعنی نعماءِ خداوندی میں ہر فردِ انسانی کا متوازن و مساوی حق مسلّم ہے $\frac{1}{1}$ ۔

۲۔ سامانِ ربُوبیّت اللہ تعالیٰ کی صفت عطا کردہ نعمتوں میں اپنی محنت شامل کر کے حاصل کیا جانا ضروری ہے $\frac{1}{2}$ ۔

۳۔ دُنیوی زندگی کے اعمال کی جواب دہی کیلئے قیامت کی عدالتِ عالیہ میں حاضر ہونا اٹل ہے۔ $\frac{1}{3}$

۴۔ عبادت یعنی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور اُسی سے مدد مانگنے میں وصل قائم رکھنے کا دائمی عقیدہ $\frac{1}{4}$ ۔

۵۔ اِسی سیدھے راستے پر قائم رہنے کی دائمی آرزو رکھنا اور اسی کیلئے ہمیشہ حضورِ الٰہی میں دعا کرتے رہنا $\frac{1}{5}$ ۔

۶۔ اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ افراد یعنی انبیاء کرام کے متعلق اسی صراطِ مستقیم کے راہ رَو ہونے کا عقیدہ ۔ ۱/۶
۷۔ اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ افراد یعنی انبیاء کرام کے غیر مغضوب اور غیر گم کردہ راہ ہونے پر ایمان رکھنا ۔ ۱/۷

ربط • واضح رہے کہ قرآن مجیدہ کی ہر سُورہ مجیدہ کا ایک ربط تو ہوتا ہے دیباچۂ قرآن مجید، یعنی سُورہ مجیدہ فاتحہ کے ساتھ۔ جس کی وضاحت سطورِ بالا میں کی جا چکی ہے کہ سُورہ اعراف میں سورہ فاتحہ کے ساتوں عنوانات پر بحث دَرج ہے، اِس لحاظ سے داخلی طور پر یہ ایک جامع سُورت مجیدہ ہے اور ہر سُورت کا دُوسرا ربط ہوتا ہے اپنے سے ماقبل سورہ مجیدہ کے ساتھ۔ سُورہ اعراف کا اپنی ماقبل سُورہ انعام کیساتھ خصوصی ربط یہ ہے کہ جن بعض عنوانات کا سورۂ انعام میں اجمال ہے، سُورہ اعراف میں اُن کی تفصیل دے دی گئی ہے۔ مثلاً سُورہ انعام کی آیات مجیدہ ۸۴ تا ۹۰ میں حضرت ابراہیمؑ کے ذکرِ جمیل کے بعد سترہ نبیوں کے اسمائے گرامی بتائے گئے ہیں۔ لیکن اِن میں سے حضرات نوحؑ، ھودؑ، صالحؑ، لوطؑ، شعیب اور موسیٰ و ہارون سلامٌ علیہم کا تفصیلی ذکر سُورہ اعراف میں آ گیا ہے۔ حتیٰ کہ سُورہ مجیدہ کا نصف سے زیادہ حصّہ یعنی آیت نمبر ۵۹ سے ۱۵۷ تک کا کثیر حصہ ان انبیاء کرام کے تذکارِ جلیلہ پر مشتمل ہے۔
سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۚ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

• سُورہ اعراف کے رکوعِ اوّل کی ابتدا میں کفائتِ قرآن کا خصوصی اور تفصیلی اعلان بصورتِ حکم دُرج ہے اور قیامت کے دارالجزاء کا ضمنی تذکرہ ہے۔ اور دوسرے رکُوع میں ربوبیّتِ عالمینی کے بنیادی مسئلہ کی بحث نوعِ انسانی کے ابتدائی دَور سے شروع کر کے اس امر کی وضاحت کر دیگئی ہے کہ شروع میں ملوکیت کی ابتدا کس طرح ہُوئی تھی۔ اور کس طرح اِسکے رُسواکُن اثرات کی بدولت خواص و عوام دونوں ننگے ہو گئے۔ دونوں کا پردہ اُتر گیا۔ دونوں ذلیل و رُسوا ہو کر رہ گئے۔

• لیکن ابتدائی لغزش کے بعد عوام و خواص جلدی ہی تائب ہو کر دوبارہ نظامِ ربُوبیّت کی طرف لَوٹ آئے۔ واضح رہے کہ قرآنِ مجید میں جو سابقہ اقوام دادوار کے قصّے بیان کئے گئے ہیں، وہ محض قصہ گوئی کے انداز میں نہیں لائے گئے۔ بلکہ قیامت تک کی نوعِ انسانی کے لئے عبرت و موعظت کے لئے آئے ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ نوعِ انسانی آئے دِن سرکشی اور نافرمانی ہی میں آگے سے آگے بڑھتی چلی جارہی ہے۔ ربُوبیّتِ عالمینی کے تصوّر تک سے بیگانگی اس کا شعار ہو چکا ہے۔

• سُورہ اعراف کی ابتدا میں آنحضور خاتم النبیینؐ و رحمت للعٰلمینؐ کی ذاتِ گرامی کو حرُوفِ مقطعات کے گرانقدر خطاب کے ساتھ مخاطب کر کے نزولِ قرآن اور کفائتِ قرآن کی خبر دیگئی ہے کہ اِس سے آپ کے ذہن میں کسی قسم کی تنگی باقی نہیں رہیگی۔ اور غرض نزول یہ بتائی گئی ہے کہ آپ اسی کتابِ مقدّس کیساتھ لوگوں کو اُن کے فرائضِ منصبی سے آگاہ کیا کریں۔ یعنی اپنا فریضۂ تبلیغ صرف اِس ایک اکلوتی کتاب کیساتھ ادا فرماتے رہیں:—

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ تعالیٰ مفت نعمتیں دینے والے اور محنت کا پُورا پُورا بدلہ عطا فرمانیوالے کے مُبارک نام سے پڑھتیگا

الٓمّٓصٓ ۱

اَے امین! لین القلب، محمّد، مرسل، صادق!

كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ

ایک کتاب نازل کیگئی طرف تیری پس نہ ہو تنگی

صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى

ذہن تیرے تنگی سے اسکے تاکہ تو ڈرائے ساتھ اسکے اور نصیحت

لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۲

واسطے مومنوں کے

اَے امین! گُداز ذہن والے! تعریف در تعریف کئے ہُوئے، خود ہماری طرف سے بھیجے ہُوئے سچے رسُول! آپکی طرف ہی ایک اکلوتی کتاب (قرآنِ حکیم) نازل کی گئی ہے تاکہ اسکی بدولت آپکے ذہن میں کوئی تنگی باقی نہ رہے۔ (نزولِ قرآن کی غرض یہ ہے) تاکہ آپ اسی اکلوتی کتاب کیساتھ لوگوں کو اُن کے بُرا نفسِ منصبی سے آگاہ کریں۔ اور یہ کتاب ماننے والوں کیلئے ایک (عظیم الشان) نصیحت نامہ ہے۔

۱ الٓمّٓصٓ حروفِ مقطعات ہیں۔ ان کی تفصیلی بحث دیباچہ کے صفحہ ۴۷ تا ۴۸ میں ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں اختصار کے طور پر عرض کیا جاتا ہے کہ الف سے مراد ہے امین۔ لام سے مراد ہے لین القلب یعنی گداز ذہن والا میم اوّل سے مراد ہے محمّد یعنی تعریف در تعریف کیا گیا اور م دوم سے مراد ہے مُرسل اور ص سے مراد ہے صادق سچا۔ نیز ص سے صاحبِ قرآن بھی مراد ہو سکتا ہے۔

● ۲ لفظ کِتٰبٌ مرفوع مرفوع، خبر ہے هٰذَا مُبتدا محذوف کی۔ اور اُنْزِلَ اِلَيْكَ جُملہ فعلیہ کِتٰبٌ کی صفت ہے اور تقدیرِ کلام یہ ہے:۔ هٰذَا كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ۔ اِس طرح کِتٰبٌ کی دو طرح سے تخصیص ہو گئی ہے۔ پہلی یہ کہ هٰذَا اسم اشارہ محذوف نے اکمل تمیز پیدا کر دی ہے اور دُوسری یہ کہ کِتٰبٌ نکرہ موصوفہ ہونے کی بدولت بھی مخصوص ہو چکی ہے۔ اسلئے معنی لکھا گیا ہے:۔ "آپکی طرف حرف بحرف یہی ایک اکلوتی کتاب نازل کیگئی ہے" یعنی اسکے سوا اور کوئی چیز آپکی طرف ہرگز ہرگز نازل نہیں کیگئی۔

● ۳ فلا کی فا برائے علّت آئی ہے۔ بمعنی:۔ "تاکہ آپکی تمام ذہنی اُلجھنیں اسکے ساتھ دُور ہو جائیں"۔

● ۴ مِنْهُ کے مِن کا معنی ہے کی بدولت، جیسے کہ مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا ۲۵/۷۱ وہ اپنی خطاؤں کی بدولت غرق کئے گئے۔

● ۵ لِتُنْذِرَ بِهٖ کی لام مکسورہ برائے علّت آئی ہے بمعنی غرض یہ ہے کہ.........

● ۶ لِتُنْذِرَ بِهٖ میں ہ ضمیر واحد مذکر غائب کا مرجع کِتٰبٌ چونکہ اسم اشارہ هٰذَا محذوف کا مشارٌ الیہ ہے

اور بصورتِ واحد نکرہ مخصوصہ آیا ہے۔ اسلئے مرجع کے لحاظ سے اس ضمیر میں بھی تخصیص موجود ہے۔ لہٰذا معنٰی لکھا گیا ہے کہ :- "آپ اِسی اکلوتی کتاب کیساتھ عوام کو اُن کے فرائضِ منصبی سے آگاہ کریں۔

● ۱۲ اِنذار کا معنٰی ہے معاشرہ کے ہرفرد کو الگ الگ اُس کے فرائضِ منصبی سے آگاہ کرنا، کہ وہ دکاندار ہے تو اُسکا کیا فرائضِ منصبی ہے اور اگر وہ گاہک ہے تو اُسکا کیا فرضِ منصبی ہے۔ اگر وہ عمّالِ حکومت سے متعلق ہے تو اُسکا کیا فرضِ منصبی ہے اور اگر وہ رعایا کا فرد ہے تو اُسکا کیا فرضِ منصبی ہے۔ اِسی طرح اگر وہ باپ ہے یا بیٹا، سُسر ہے یا داماد، مقیم ہے یا مسافر، دوست ہے یا ہمسایہ، اِن الگ الگ مقامات پر اُسکے الگ الگ فرائض منصبی سے آگاہ کرنا آنحضورؐ کا فریضۂ رسالت تھا۔ اور آئت مجیدہ زیرِ بحث سے ثابت ہے کہ آنحضورؐ کو اسی کتاب قرآن مجید کے ساتھ اِنذار کرنے کا مکلّف کر دیا گیا تھا۔ بالفاظِ دیگر اس کتاب قرآنِ مجید میں ہرکسی کے فرضِ منصبی کی خبر دی گئی ہے۔

مُنزّل من اللہ بھی صرف اور صرف قرآنِ کریم ہے اور واجبُ الاتباع بھی صرف اور صرف قرآنِ کریم ہے

● آئت بالا میں باندازِ تخصیص و تکرار، اعلان کیا گیا ہے کہ آنحضورؐ پر صرف اور صرف قرآنِ کریم نازل کیا گیا تھا، نیز صرف اور صرف قرآنِ کریم ہی کیساتھ آنحضورؐ کو عوام کے فرائضِ منصبی سے آگاہ کرنے کا پابند کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں عوام کو بھی براہِ راست خطاب کے ذریعہ حکم دیدیا گیا تھا کہ صرف اور صرف اُس عظیم الشّان کتاب کی اتباع کرو جو آنحضورؐ کے ذریعہ تمہاری طرف نازل کیگئی ہے :-

۱ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ پیروی کرو جو نازل ہُوا طرف تمہاری سے رب تمہارے ۲ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۭ قَلِيْلًا اور نہ پیروی کرنا سے سوائے اسکے مددگار تھوڑا ہے مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝۳ جو تم نصیحت حاصل کرتے ہو	(ایمان والو!) اُس عظیم الشّان اکلوتی کتاب کی اتباع کرو جو تمہاری طرف تمہارے (رسولؐ کی معرفت) تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل کیگئی ہے اور اُس (اللہ) کے سوا جھوٹے کارسازوں کی اتباع نہ کرنا۔ تھوڑا ہے جو تم نصیحت حاصل کرتے ہو۔

● اِس آئت مجیدہ کے خط کشیدہ جُملہ ۱ اور خط کشیدہ جُملہ ۲ باہم معطوف، معطوف علیہ ہیں، نیز جملہ ۱ کے اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ کے امریّہ جملے میں صرف مَآ اُنْزِلَ کی اتّباع کا حکم دیا گیا ہے اور جملہ ۲ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ کے ناہیّہ جملے میں اگرچہ بظاہر اس قرآنِ حکیم کے سوا کی اتباع سے منع کر دیا گیا ہے۔ لیکن :-

ایک نکتۂ لطیف ● لیکن جملہ ۱ اور جملہ ۲ میں الفاظ کی حاکمیت قائم رکھتے ہوئے یہ عجیب سوال پیدا ہوتا ہے کہ حکم تو دیا گیا ہے مَاۤ اُنۡزِلَ اللّٰہ کی اِتباع کا اور منع کیا گیا ہے اللہ کے سوا جھوٹے کارسازوں کی اتباع سے۔ حالانکہ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہ کی ضد چونکہ غیر مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہ ہے اسلئے لازم آتا تھا کہ امریہ حکم اِتَّبِعُوۡا مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکُمۡ کی تائید کے لئے جو نہی لائی جاتی اُس میں غیر مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہ کی اتباع سے منع کیا جاتا۔ واضح رہے کہ آئت مجیدہ میں جو تائیدی نہی کا مخصوص انداز اختیار کیا گیا ہے اس میں اِس امر کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ اطاعت و اتباع کے لائق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے جیسے کہ $\frac{۶}{۵۷}$ اور $\frac{۱۲}{۴۰}$ میں نفی اثبات کے حصر کیساتھ اعلان کیا گیا ہے اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰہِ = اللہ کے سوا کسی اور کیلئے حکم کا حق ہے ہی نہیں۔ لیکن چونکہ اللہ کے حکم کی تعمیل یعنی اُس کی اطاعت و اتباع کا ذریعہ صرف اور صرف ایک ہی ہے مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہ اِس لئے اس نکتۂ لطیفہ کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ذہن میں محفوظ فرمالیں کہ قرآنِ کریم میں جہاں جہاں بھی اِتباع و اطاعت کے احکام نازل ہوئے ہیں، ہر مقام پر خالصتہً اللہ تعالیٰ کی اتباع و اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہ کی اتباع کے حکم میں بھی خالصتہً خدا تعالیٰ کی اِتباع کا حکم ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی اِتباع کا اکلوتا ذریعہ ہے مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہ یعنی قرآنِ حکیم۔

● اسلئے اللہ تعالیٰ نے ابتداء آفرینش ہی سے یہی اکلوتا انداز اختیار فرمایا تھا کہ اپنی طرف سے ایک اکلوتی کتاب نازل فرمائی جاتی اور اُسی کتاب کے ذریعہ اعلان کر دیا جاتا کہ صاحبِ حکم اور لائقِ اطاعت و اتباع صرف میں ہوں $\frac{۶}{۵۷}$ + $\frac{۱۲}{۴۰}$ - پس تم میری نازل کردہ کتاب کے ذریعہ خالص میری اتباع کرو۔

اتباعِ رسولؐ ● اسکے بعد سمجھنے کی چیز ہے اتباعِ رسولؐ کا اہم ترین مسئلہ۔ اُوپر واضح کیا جا چکا ہے کہ اتباعِ خداوندی کا واحد ذریعہ ہے اِتباعِ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہ یعنی اتباعِ کتاب۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی کتاب عوام الناس پر الگ الگ نازل کی جاتی تھی۔ بلکہ عوام میں سے اُنہی کے ایک مسلّمہ نیکوکار اور انتہائی بلند اخلاق و بلند کردار مکرم و محترم فرد کو مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہ کیلئے مہبطِ وحی کے طور پر خود چُن لیا جاتا اور صرف اسی کے ذریعہ اپنی اتباع کے اوامر و نواہی پہنچائے جاتے جو صرف اور صرف مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہ یعنی کتابِ خداوندی میں محفوظ کر دیئے جاتے۔ بالفاظِ دیگر مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہ یعنی کتابِ خداوندی کی اِتباع فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کی اِتباع ہے۔ اِسی طرح جہاں جہاں اِتباع و اطاعتِ رسولؐ کا حکم دیا گیا ہے وہاں بھی اللہ کے رسولؐ کے ذریعہ عوام تک پہنچائے ہوئے اللہ تعالیٰ کے ضابطۂ حیات کی اتباع مراد ہوتی ہے۔ کیونکہ رسول اللہ کا معنیٰ ہے اللہ کا حکم پہنچانے والا۔ جو خود بھی احکامِ خداوندی کے تابع ہوتا تھا جیسے کہ خود آنحضورؐ کا اقرار نفی اثبات کے حصر کیساتھ بتکرار کثیر قرآنِ کریم میں بالفاظِ ذیل موجود و محفوظ ہے:—

● اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوۡحٰۤی اِلَیَّ $\frac{۶}{۵۰}$ + $\frac{۱۰}{۱۵}$ + $\frac{۲۶}{۹}$ نہیں میں اتباع کرتا مگر صرف اور صرف اُس عظیم الشان ضابطے کی اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کیا گیا ہے — آگے بڑھنے سے پہلے پھر ذہن نشین کر لیجئیگا کہ مَا یُوۡحٰی اور

مَا اُنْزِلَ اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب بھی اصل متبوع نہیں بلکہ متبوع اکیلی ذاتِ باری تعالیٰ ہے ۔ قرآن کریم جو قیامت تک کی نوعِ انسانی کیلئے اللہ تعالیٰ کی اطاعت واتباع کا اکلوتہ ذریعہ ہے آنحضورؐ کی وساطت سے نازل کیا گیا تھا۔ پس آیت زیرِ بحث اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۳/۷ سے وضاحتاً ثابت ہُوا کہ اتباعِ خداوندی کا اکلوتہ ذریعہ مَآ اُنْزِلَ اللہ ہے اور اس امر کا فیصلہ کہ مَآ اُنْزِلَ اللہ کیا ہے، اسکی متصل ما قبل آیت مجیدہ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ ۲/۷ کے الفاظ میں موجود ہے کہ وہ صرف اور صرف ایک اکلوتی کتاب ہے ۔ اسکے سوا ذخیرہ روایات کی کوئی ایک کتاب بھی نہ مَآ اُنْزِلَ اللہ ہے نہ واجب الاتباع ہے ۔ اللہ تعالیٰ کے مقدس رسولؐ خود بھی اِسی مَآ اُنْزِلَ اللہ کے ذریعہ صرف اللہ تعالیٰ کے تابع تھے، متبوع نہ تھے۔

ایک تازیانۂ تنبیہ ● یہ ایک انتہائی کرب انگیز المیہ ہے کہ کُتبِ روایات کو مَآ اُنْزِلَ اللہ میں شامل کر کے واجب الاتباع قرار دے دیا گیا ہے ۔ ان کے غیر منزّل من اللہ ہونے کے سیکڑوں دلائل میں سے صرف دو قرآنی قرآنی دلیلیں پیش خدمت ہیں :۔

۱۔ پہلی دلیل قاطعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے منزّل من اللہ کے متعلق ارشاد فرمایا ہے :۔ وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۲/۲۳ اور اگر تم اُس میں جو ہمنے اپنے بندے پر نازل فرمایا ہے، شک میں ہو تو اس جیسی ایک سُورت بنالاؤ ــــــ اور آگے خود ہی اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ دے دیا ہے فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا ۲/۲۴ پھر اگر تم اِس جیسی ایک سُورت بھی نہ بنا سکے اور یاد رکھو کہ تم ہرگز ہرگز کبھی بھی نہ بنا سکو گے ــــــ اب اس خداوندی چیلنج پر غور فرمائیں کہ مَا نَزَّلْنَا کی مثل آج تک نوعِ انسانی نہیں بنا سکی ۔ مگر کُتبِ روایات کی یہ حالت ہے کہ لاکھوں روایتیں گھڑ کر کُتبِ روایات میں داخل کر دی گئی ہیں ۔

۲۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ قرآنِ کریم کے متعلق سُورہ حٰم سجدہ میں اعلان کر دیا گیا ہے :۔ اِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۝ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝ ۴۱/۴۱-۴۲ = بیشک وہ اکلوتی غالب کتاب ہے ۔ باطل نہ اُس میں آگے کی طرف سے شامل ہو سکتا ہے اور نہ پیچھے کی طرف سے داخل ہو سکتا ہے (کیونکہ) وہ بے حد حکمتوں والے اور بے حد تعریفوں والے کی طرف نازل کیا گیا ہے ۔

● خدا تعالیٰ کی نازل کردہ کتابِ عزیز کا چودہ سو سالہ مشاہدہ گواہ ہے کہ اُس میں آج تک باطل کا گزر نہیں ہو سکا کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ حکیم و حمید کی طرف سے نازل کردہ ہے ۔ لیکن کُتبِ روایات اگر منزّل من اللہ ہوتیں تو اُن میں بھی باطل کا گزر نہ ہو سکتا ۔ چونکہ اُن میں لاکھوں کی تعداد میں باطل روایات احادیثِ منسوب کی صورت میں شامل کر دی گئی ہیں ۔ اس لئے بصورتِ نصف النہار ثابت ہُوا کہ کُتبِ روایات مَآ اُنْزِلَ اللہ ہرگز نہیں ہیں ۔ مَآ اُنْزِلَ اللہ صرف اور صرف قرآنِ حکیم ہے جس میں چودہ سو سال کی طویل مدت میں بھی نہ صرف یہ کہ باطل داخل نہیں ہو سکا بلکہ اس میں زیر زبر تک کوئی تبدیلی

واقع نہیں ہوسکی۔ پس آنحضورؐ کی ذاتِ مقدس پر جو کتاب نازل ہوئی یعنی مَاۤ اُنۡزِلَ اللّٰہ اور مَا یُوْحٰی صرف اور صرف قرآنِ حکیم ہے۔

قرآنِ کریم قوموں کے عروج و زوال کے اصول و قواعد سے بحث کرتا ہے

● مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہ کی اس قرآنی وضاحت کے بعد پھر آئیے سلسلۂ درس کی طرف واضح رہے کہ قرآنِ مجید چونکہ مکمل و مفصل ضابطۂ حیات ہے ۶/۱۱۵ اسلئے اس میں قوموں کے عروج و زوال کے اصول و قواعد پر مکمل بحث درج ہے۔ اسی سورۂ مجیدہ اعراف میں آئت مجیدہ نمبر ۵۹ تا ۱۵۷ میں قومِ نوح، قومِ عاد، قومِ ثمود، قومِ لوط، قومِ شعیب اور قومِ موسیٰ کی نافرمانیوں کے تذکرہ کے بعد اُن کی ہلاکت کے اسباب بیان کئے گئے ہیں جو آگے آرہے ہیں۔ نیز سلسلۂ درس کی طرف بڑھنے سے پہلے اس چیز کو بھی اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئیگا کہ ۴۲/۱۳ میں اعلان کیا گیا ہے کہ سابقہ انبیاء کی معرفت سابقہ اقوام کو بھی یہی ضابطۂ حیات دیا گیا تھا جو قرآنِ کریم میں نازل کیا گیا ہے۔ اور ۲۶/۱۹۶ + ۸۷/۱۸-۱۹ کے مطابق سابقہ انبیاء کی کتابوں میں بھی یہی قرآنی ضابطۂ حیات نازل کیا گیا تھا۔ بالفاظِ دیگر سابقہ اقوام اسی ضابطۂ خداوندی کی مخالفت کی بدولت ہلاک کی گئی تھیں۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی پچھلی آئت مجیدہ ۳/۷ کے آخری جملے متنبہ کیا گیا ہے قَلِيۡلاً مَّا تَذَكَّرُوۡنَ۔ تھوڑا ہے جو تم نصیحت حاصل کرتے ہو۔ اور اس تنبیہ کے بعد سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں سابقہ اقوام پر نزولِ عذاب کا وقت بتایا گیا ہے:۔

وَكَمۡ مِّنۡ قَرۡيَةٍ اَهۡلَكۡنٰهَا فَجَآءَهَا بَاۡسُنَا

اور کتنی سے بستیاں ہلاک کی ہمنے پھر آیا عذاب ہمارا

بَيَاتًا اَوۡ هُمۡ قَآئِلُوۡنَ ۝۴

رات کے وقت یا وہ تھے دوپہر کو سوئے ہوئے

اور ہمنے (اسی منزل من اللہ کی تکذیب کی بدولت) کتنی بستیاں ہلاک کر دیں۔ پھر اُن پر ہمارا عذاب رات کے وقت آیا اور یا جب وہ دن کے وقت قیلولہ کر رہے تھے (دوپہر کو سوئے ہوئے تھے)۔

عذاب آچکنے پر اعترافِ جرم

● سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ سابقہ اقوام پر جب عذاب آجاتا تو وہ اس امر کا اعتراف کرتے کہ بیشک ہم اپنی زندگی میں ناروا کام یعنی ظلم ہی کرتے رہے تھے:۔

فَمَا كَانَ دَعۡوٰٮهُمۡ اِذۡ جَآءَهُمۡ

پھر نہیں تھا دعویٰ اُنکا جب آیا اُن کے پاس

بَاۡسُنَاۤ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡۤا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيۡنَ ۝۵

عذاب ہمارا مگر یہ کہ کہا بیشک ہم تھے ظلم کرنیوالے

پھر (جس وقت اُن پر ہمارا عذاب آگیا تو) اُن کا اس کے سوا دعویٰ نہیں تھا کہ وہ کہتے، بیشک ہم ظلم کرتے رہے تھے (یعنی بے ٹھکانہ کام، ضابطۂ خداوندی کی مخالفت) کرتے رہے تھے۔ (صرف دنیا کا عذاب ہی نہیں بلکہ انہیں اُخروی عدالت میں بھی حاضر ہو کر جوابدہ ہونا ہے)

قیامت کی عدالت میں رسولوں اور انکی امتوں سے الگ الگ جواب طلبی

● اگلی آیت مجیدہ میں اس امر کی وضاحت کیگئی ہے کہ دنیوی عذاب سے اُخروی عذاب ٹل نہیں جاتا۔ بلکہ قیامت کی اُخروی عدالت میں نبیوں اور رسولوں سے بھی پوچھا جائیگا کہ تم نے ہمارا پیغام پہنچایا اور اُمتوں سے بھی ضرور ضرور سوال کیا جائیگا۔

فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَ لَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٦﴾

پھر البتہ ہم سوال کرینگے ان سے بھیجے گئے طرف ان کی اور البتہ ہم سوال کرینگے بھیجے ہوؤں سے

پھر (اس دُنیوی زندگی کے بعد قیامت کی عدالت میں) ہم ضرور ضرور اُن لوگوں سے بھی سوال کرینگے جن کی طرف رسول بھیجے گئے تھے[1] اور ہم ضرور ضرور اُن سے بھی سوال کرینگے جنہیں رسول بنا کر بھیجا گیا تھا[2]

● [1] جو سوال اُمتوں سے کیا جائے گا اُس کی خبر سورہ انعام میں بالفاظِ ذیل دی گئی ہے :۔ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ‎$\frac{6}{131}$‎ = کیا تمہارے پاس تمہیں میں سے میرے رسول نہیں آئے تھے جو تم پر میری آیتیں پڑھتے تھے۔ اور آج کے دن کی حاضری سے تمہیں آگاہ کرتے تھے۔ اُمتوں سے یہ سوال اتمام حجت کیلئے کیا جائیگا۔

● [2] اور مُرسلین سے پوچھا جائیگا کہ کیا تم نے میرا پیغام پہنچایا تھا؟ نیز جو کچھ تمہاری اُمتیں تمہاری تعلیم دادہ ہدایت کے نام سے کرتی رہیں تھیں، کیا تم نے اُنہیں اس کی تعلیم دی تھی۔ مثلاً حضرت عیسٰی سلامٌ علیہ پر یہ سوال کیا جائیگا :۔ وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ‎$\frac{5}{115}$‎ اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب اللہ تعالیٰ مریم کے بیٹے عیسیٰ سے پوچھیگا، کیا تُو نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے ساتھ ملا کر دو الٰہ اور بنا لو ——— حضرت مسیح سے یہ سوال اس لئے کیا جائے گا، کہ اُن کی اُمت نے جو تین الٰہ بنا رکھے ہیں، اِس کے متعلق اُن کا عقیدہ ہے کہ اِس تثلیث کی تعلیم اُنہیں خود اُن کے رسول عیسٰے سلامٌ علیہ نے دی تھی۔

● اِسی طرح جناب رسالتماب، جناب مکی مدنی سرکار کی اُمت نے قرآنِ کریم کے ساتھ جو کتبِ روایات کو ‎$\frac{4}{82}$‎ کے خلاف واجب الاتباع قرار دے رکھا ہے۔ اِس کے متعلق اُمت کا عقیدہ یہ ہے کہ خود رسولِ مقبول نے فرمایا تھا اِنِّيْ اُوْتِيْتُ الْقُرْاٰنَ وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ کہ میں قرآن بھی دیا گیا ہوں اور اُسکے ساتھ اسکی مثل اور بھی دیا گیا ہوں۔ اور وہ مِثْلَهٗ مَعَهٗ قرار دے لیا گیا ہے کتبِ روایات کو۔ چنانچہ عمل کی رُو سے قرآن کا مقام تو دے دیا گیا ہے کتبِ روایات کو اور قرآن حکیم کو ٹھہرا لیا گیا ہے صرف تلاوت کیلئے۔ تو اس طرح امت کی ناقابلِ انکار حالت یہ ہے کہ قرآنِ کریم کی تلاوت تو کی جاتی ہے شبانہ روز، اور قسمیں بھی اسی کی کھائی جاتی ہیں۔ مگر مسائل میں حاکم قرار دیدیا گیا ہے کتبِ روایات کو۔ تو اس

صورت میں حال یہ ہے کہ قرآن کریم کو اس طرح پکڑا ہُوا ہے جیسے چھوڑا ہُوا ہوتا ہے۔ پس اُمت کی اسی حالت کے متعلق آنحضورؐ سے سوال کیا جائیگا کہ کیا آپ نے انہیں علم دیا تھا کہ قرآن کریم کو اس طرح پکڑو جیسے چھوڑا ہُوا ہوتا ہے۔ سُورہ فرقان میں اسی سوال کو محذوف رکھ کر اسکے اس جواب کی خبر دیگئی ہے جو آنحضورؐ قیامت کی عدالتِ عالیہ میں حضورِ خدا وندی میں الفاظ ذیل عرض کرینگے :-

● وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۝ ۲۵/۳۰ = اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب قیامت کی عدالتِ عالیہ اللہ کا رسولؐ (محمد عربی) یہ کہیگا کہ اَے میرے پروردگار! بیشک میری قوم نے اس قرآن کو خود اس طرح پکڑا ہُوا تھا جیسے چھوڑا ہُوا ہوتا ہے۔ میں نے انہیں ایسے عقیدے اور عمل کی تعلیم ہرگز نہیں دی تھی۔ سلسلۂ درس کی سابقہ آیت مجیدہ ۶ میں رُسل انبیاء اور اُن کی اُمتوں سے الگ الگ سوال کئے جانے کی خبر دینے کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہُوا ہے :-

فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا
پھر ہم بیان کرینگے اوپر ان کے ساتھ علم کے اور نہیں تھے ہم

غَآئِبِيْنَ ۝ ۷
غائب

پھر ہم انہیں اپنے علم کے مطابق (انکے عملوں کی) ضرور ضرور خبر دینگے۔ کیونکہ (جب ہمارے رسول ہمارا پیغام پہنچاتے اور پھر جب اُن کے بعد لوگ ان کی تعلیم کو بدل لیتے) ہم ہر وقت پر حاضر موجود تھے۔ کسی وقت پر بھی) ہم غائب نہیں تھے۔

قیامت ایک یقینی چیز ہے

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں اعلان کیا گیا ہے کہ قیامت ضرور ضرور آنیوالی ہے وہاں جن کا موازنۂ اعمال نیکیوں کا بھاری ہوگا وہ کامیاب ہوں گے اور جن کا ہلکا ہوگا وہ ناکام ہو جائینگے :-

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ۣالْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ
اور وزن کرنا اس دن کا سچا ہے پھر وہ جو بھاری ہُوا

مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ ۸
موازنہ اس کا پس وہ وہی کامیاب ہونیوالے

اور (خوب یاد رکھو کر) قیامت کے دن موازنۂ اعمال کا وقوع حق ہے (وہ ہرگز نہ ٹلنے والی چیز ہے۔ پھر جس شخص کا موازنۂ اعمال (نیکیوں کا) بھاری ہوگا۔ ایسے لوگ (اس عدالت میں) کامیاب ہونیوالے ہیں۔

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا
اور وہ جو ہلکا ہُوا موازنہ اس کا پس وہ ہیں جنہوں نے گھاٹا دیا

اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ۝ ۹
جانوں اپنی کو بسبب تھے ساتھ آیتوں ہماری ظلم کرتے

اور جس شخص کا موازنۂ اعمال (نیکیوں کا) ہلکا ہوگا۔ پس یہ لوگ وُہی ہیں کہ جنہوں نے اپنے آپ کو خسارہ دیا۔ بسبب اس کے کہ اُنہوں نے ہماری آیتوں کیساتھ ظلم کیا (یعنی ہماری کتاب اور تنزیل کی آیتوں کو عملاً معطل رکھا)[1]

● [1] اس آیت کے الفاظ بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ انتہائی غور طلب ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے ظلم ہے اُنکا بیجا استعمال

آیاتِ خداوندی کی دو قسمیں ہیں، تنزیلی اور تکوینی۔ تنزیلی آیاتِ کریمات وُہ ہیں جو اللہ کی نازل کردہ کتاب میں موجود محفوظ ہیں۔ ان کے ساتھ ظلم یہ ہے کہ ان میں جو احکام نازل کئے گئے ہیں اُن پر عمل کرنے کی بجائے انکا مرف ورد کرنا اور انہیں گھول گھول کر بینا۔ مثلاً قرآن مجید کی آئتِ مُبارکہ ہے اَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ ۵۵/۹ کہ تول کو انصاف کیساتھ قائم رکھو۔ مگر اس میں دَرج حکم کے خلاف کم تولتے رہنا اور اسکے الفاظ اَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ کا صرف ورد کرکے اسکے ایک ایک حرف کی تلاوت سے دس دس نیکیوں کے ثواب کی اُمید رکھنا۔

● اِسی طرح سورہ نحل میں شہد کے متعلق ارشاد ہُوا ہے فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ۱۶/۶۹ اس میں لوگوں کیلئے شفا ہے۔ اِس آئت پر ظلم یہ ہے کہ شہد کو استعمال کئے بغیر مرض کی شفا کیلئے فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ کے الفاظ کو لکھ لکھ کر اور گھول کر پینا۔ اس کے علاوہ کسی بھی آئتِ مجیدہ میں دَرج حکم پر عمل کرنے کی بجائے اُسے گھول گھول کر پینا اُس آئتِ مبارکہ پر ظلم ہے۔ لفظ ظلم کا معنیٰ ہی ہے بے ٹھکانہ کام کرنا۔

● اب آئیے اللہ تعالیٰ کی تکوینی یعنی کائناتی آیاتِ کریمات کی طرف۔ قرآن مجید میں تکوینی آئتوں کی خبر بالفاظ ذیل دگئی ہے :-

● وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۳۰/۲۲ اور اسکی نشانیوں میں سے ہے پیدا کرنا آسمانوں کا اور زمین کا۔

● وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الَّیْلُ ۚ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ ۳۶/۳۷ اور تمہارے لئے رات اللہ کی آئت ہے کہ وہ اس میں سے دن کو نکالتا ہے۔

● وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۳۶/۳۸ اور سُورج اسکی آئت ہے جو اپنے لئے مقرر کئے گئے مدار پر چلتا ہے۔

● وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ ۳۶/۳۹ اور ہم نے چاند کی منزلیں مقرر کردی ہیں یہاں تک کہ وہ کھجور کی پرانی شاخ کی طرح لوٹ آتا ہے۔

● وَمِنْ اٰیٰتِهٖ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّیُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَیُحْیٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۳۰/۲۴ اور اُس کی نشانیوں میں سے ہے کہ وہ تمہیں بجلی دکھاتا ہے خوف اور طمع کی صورت میں (یعنی خوف اور طمع کی صورت میں دعوتِ غور و تدبر دیتا ہے) اور اسکی آئتوں میں سے ہے کہ وہ آسمان سے پانی نازل کرتا ہے پھر اُسکے ساتھ زمین کو اُسکے مرجانے کے بعد زندہ کرتا ہے۔ آیاتِ بالا میں دَرج ہر چیز کو اللہ تعالیٰ کی کائناتی آئت قرار دیا ہے۔ اور کائنات کی ہر چیز کے متعلق ارشاد ہُوا ہے :-

● وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا ۲۵/۲ اور اللہ نے ہر چیز کو پیدا کیا اور ہر چیز سے متعلق صحیح صحیح قوانین متعین فرمادئے۔

● اللہ تعالیٰ نے اپنی جُملہ کائناتی آیاتِ کریمات کیلئے آئتِ بالا ۲۵/۲ کے مطابق الگ الگ قوانین مقرر کردئے ہیں جن کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی چیز ہر آن معروفِ عمل ہے۔ اِنکے متعلق یہ تصوّر دینا ان پر ظلم ہے کہ وُہ کبھی ایک سیکنڈ کیلئے بھی اللہ تعالیٰ کے متعیّنہ قوانین کی زنجیروں سے آزاد ہو کر کسی غیر اللہ کے تسلط میں چلی گئی ہوں۔ مثلاً فلاں بزرگ کے تسلط سے غروب شدہ سُورج عصر کے وقت پر لوٹ آیا تھا۔ حالانکہ ۳۶/۳۸ کے مطابق سُورج کبھی بھی اپنی اُس روش سے نہیں ہٹا اور نہ کبھی ہٹیگا جس پر اُسے خالقِ کائنات نے چلا دیا ہُوا ہے۔ اور یہی حالت چاند کی ہے کہ اُسکے

خالق ومالک نے اسکی جو منزلیں مقرر کردی ہوئی ہیں ان میں آجتک سرِ مو فرق نہیں آیا ۳۶/۹۳ - پس ان کائناتی آیات خداوندی میں کسی زندہ یا مردہ بزرگ کا تسلط تسلیم کرنا ان پر ظلم ہے -

● اسی طرح اللہ تعالیٰ کی کائناتی آیات کریمات میں یہ بھی اُسکی آیتوں میں سے ہے کہ آٹا صرف اس صورت میں میسر آتا ہے کہ زمین میں ہل چلا کر گندم بوئی جائے اُسے پانی دیا جائے اس کی نلائی اور رکھوالی کی جائے - وہ فصل تقریباً چھ ماہ کے بعد پک کر تیار ہو گی - پھر اُسے کاٹ کر اور گاہ کر اُس سے گندم حاصل کرنے کے بعد اُسے چکی میں پیسنے کے بعد ہی آٹا میسر آئیگا - لیکن اس کے برعکس یہ تصور پیش کرنا کہ فلاں بزرگ نے ریت کا آٹا بنا دیا تھا، یہ ان کائناتی آیاتِ خداوندی پر ظلم ہے -

● اسی طرح گڑ اور شکر اِن کائناتی آیات خداوندی پر عمل کئے بغیر میسر نہیں آتے، کہ زمین میں ہل چلا کر گنا دبو یا جائے اُسے پانی دیتے ہیں، اور اسکی نلائی اور رکھوالی کرتے رہیں، پھر وہ فصل اپنی مقررہ مدت کے بعد پک کر تیار ہو گی اور اُس سے گنا میسر آئیگا جسے بیلنے میں بیل کر رس مہیا ہو گی اور پھر اُسے آگ پر پکا کر ہی گڑ اور شکر دستیاب ہو سکیں گے - لیکن اسکے برعکس یہ تصور پیش کرنا کہ کسی بزرگ کے تسلط سے آسمان سے شکر برستی ہے، یہ ان کائناتی آیات کریماتِ خداوندی پر ظلم ہے -

رجوع الی المطلب ● یہاں تک سلسلۂ درس کی آیت نمبر ۷/۹ کے آخری جملہ کے الفاظ بِاٰیٰتِنَا یَظْلِمُوْنَ کی مختصر وضاحت کیگئی - اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں پوری نوعِ انسانی کے حقوقِ ربوبیت کی خبر دینے کے بعد یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ تم بہت کم شکر گزاری کرتے ہو - یعنی دُوسروں کی محنت کا پورا پورا بدلہ نہیں دیتے :-

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِى الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ
اور بلاشبہ ہم نے ٹھکانا دیا تم کو بیچ زمین اور بنایا واسطے تمہارے

فِيْهَا مَعَايِشَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝۱۰
اسمیں سامانِ معاش - تھوڑا ہے جو تم شکر کرتے ہو

اور (اے نوعِ انسانی!) بیشک ہم نے تم سب کو زمین میں ٹھکانہ (حقِ رہائش) عطا فرمایا ہے - اور اس میں تم سب کے سب کیلئے سامانِ معاش پیدا کر دیا ہے - پھر بہت تھوڑا ہے جو تم محنت کرنیوالوں کی محنت کا بدلہ دیتے ہو -

● ملہ مَكَّنّٰكُمْ فِى الْاَرْضِ میں کُمْ ضمیر جمع مخاطب کا مرجع پوری نوعِ انسانی ہے اور تمکن کا مصدری معنی حکومت قائم کرنا بھی ہے اور حقِ درہائش کے طور پر بلا کرایہ رہائش پذیر ہونا بھی - ان الفاظ میں پوری نوعِ انسانی کیلئے زمین میں بلا کرایہ حقِ رہائش کا اعلان کیا گیا ہے -

● ملہ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ کے الفاظ میں پوری نوعِ انسانی کے ایک ایک فرد کے حقِ معاش کا اعلان کیا گیا ہے - پوری نوعِ انسانی کے اِسی حقِ رہائش اور حقِ ضروریات زندگی کے اعلان کیلئے سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲/۳۶ اور

اسی سورہ اعراف کی آیت نمبر ۲۴/۷ میں ذیل کے ایک ہی الفاظ لائے گئے ہیں :-

● وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ۝ ۲/۳۶ + ۷/۲۴ اور (اے نوعِ انسانی !) تم سب کے سب کیلئے زمین میں حقِ استقرار (بلا کرایہ رہائش) بھی مسلّم ہے اور تم سب کے سب کے لئے حقِ متاع (یعنی حقِ ضروریاتِ زندگی) بھی مسلّم ہے۔

شکر کے قرآنی معنے

● ۳۔ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ میں آمدہ لفظ تشکرون کا سہ حرفی مادہ ش۔ک۔ر = شکر ہے۔ قرآنی لغت کے مطابق اسکے دو مصدری معنے ہیں :-

۱۔ "حصولِ مقصد کیلئے بھرپور محنت کرنا اور اس کا بھرپور بدلہ پانا"۔ ان معنوں کی وضاحت سورہ دہر میں بالفاظِ ذیل موجود ہے۔ قیامت کو اللہ تعالیٰ اہلِ جنّت کو ارشاد فرمائیگا۔ إِنَّ هَٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاءً وَكَانَ سَعْيُكُم مَّشْكُورًا ۝ ۷۶/۲۲ بیشک یہ (حصولِ جنّت) تمہارے اپنے عملوں کا بدلہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمہاری بھرپور محنت مشکور ہوئی ہے (یعنی تمہاری بھرپور محنت کا بھرپور بدلہ دیا گیا ہے۔)

۲۔ "محنت کرنیوالے کی محنت کا بھرپور بدلہ دینا"۔ مادہ شکر کے اِن معنوں کی وضاحت آیت نمبر ۷۶/۲۱ میں بھی موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کو نیکو کاروں کی محنت یعنی اُن کے اعمالِ صالحہ کا جنّت کی صورت میں بھرپور بدلہ دیگا اور اسی چیز کی خبر ۲/۱۵۸ فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ کے الفاظ میں دیگئی ہے۔ اِس جملہ کا عوامی ترجمہ یہ ہے کہ پس بیشک اللہ تعالیٰ شکر کرنے والا اور بڑھ کر جاننے والا ہے۔ لفظ شکر کا عوامی مشہور و معروف معنیٰ ہے' بھوک ننگ یا خوشحال، ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کا زبانی زبانی شکر ادا کرتے رہنا۔ لیکن غور فرمائیں ۲/۱۵۸ میں جو شاکرٌ بصیغہ اسم فاعل اللہ تعالیٰ کے لئے آیا ہے' کیا اِس کا یہ معنیٰ تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ زبانی زبانی کس کا شکر ادا کرتا ہے ؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ ہر محنت کرنے والے کی محنت کا پورا پورا بدلہ عطا کرنے والا ہے۔ وُہ بھرپور محنت کا بھرپور بدلہ عطا فرماتا ہے۔ اُس کا اِس دُنیا میں بھی یہی دائمی طریقہ ہے اور آخرت میں بھی یہی طریقہ ہو گا۔

● واضح رہے کہ سلسلہ درس کی آیتِ بالا ۷/۱۰ میں پوری نوعِ انسانی کے لئے بلا کرایہ حقِ رہائش اور حقِ معاش کے اعلان کے بعد جو فرمایا ہے قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ۔ اِس کا معنیٰ سیاقِ کلام کے مطابق بھی اور جو چیز مشاہدۃً مزدور طبقے کے حقِ ربُوبیت میں حارج ہوتی ہے' وہ یہی ہے کہ محنت کشوں کی محنت کا بدلہ محنت کرانے والوں کی طرف سے بہت کم دیا جاتا ہے پس اس کا معنیٰ قرآنی لغت، سیاقِ کلام اور مشاہدہِ عالم کے مطابق یہی صحیح ہے کہ بہت تھوڑا ہے جو تم محنت کشوں کی محنت کا بدلہ دیتے ہو۔

● محنت کش کی محنت کا کم بدلہ دینا یہی وہ مرکزی خرابی ہے جس کے ذریعہ ایک طبقہ کو غریب اور مفلوک الحال رکھ کر معاشرہ میں معاشی ناہمواری پیدا کی جاتی ہے۔ اور غربت ہی وہ ماں ہے جس کے بطن سے چوری چکاری اور جیب تراشی

جیسے جرائم جنم لیتے ہیں۔ جیلخانے آباد ہوتے ہیں۔ طبقاتی نظام کی بنیادیں مستحکم ہوتی ہیں۔

طبقاتی نظام فرعونی نظام ہے

● الٰہی نظام وہ ہے جس میں پوری نوعِ انسانی کے ایک ایک فرد کو حقِ رہائش اور حقِ ضروریاتِ زندگی قانوناً میسّر ہوتا ہے۔ جس کی وضاحت ۷/۱۰ + ۲/۳۶ + ۷/۲۴ میں اُوپر گزر چکی ہے اسکے برعکس غریب اور امیر کا طبقاتی نظام فرعون صفات افراد کا قائم کردہ ہے جس میں اُن افراد کو جو سامانِ معاش پیدا کرنے میں خون پسینہ ایک کرتے ہیں، محنت کا پورا بدلہ، پوری اُجرت نہیں دی جاتی۔ سُورہ قصص کی ابتدائی آیات کریمات میں اِس امر کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ نظامِ مُلوکیت ہی وہ خطرناک نظام ہے جو اپنے تحفظ کے لئے نوعِ انسانی کو طبقات میں تقسیم کر کے محنت کش عوام کو اُن کے پیدائشی حقوقِ رُبوبیت سے محروم کر دیتا ہے۔ چنانچہ طبقاتی نظام کے علمبردار فرعون کے متعلق ارشاد ہُوا ہے :-

● اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ .... اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ ۲۸/۴ بیشک فرعون نے زمینِ (مصر) میں سرکشی اختیار کی۔ اُس نے عوام کو (ناہموار معاشی) طبقوں میں تقسیم کر کے اُن میں سے ایک طبقے کو معاشی لحاظ سے کمزور کر دیا.......... بیشک وہ فسادیوں میں سے تھا۔ یہ فرعونی معاشرہ کے بنی اسرائیل تھے جنہیں اُن کے حقوقِ ربوبیت سے محروم کر دیا گیا تھا۔ اور انہیں کمزور کرنے کا عمل فرعون کا تھا، اللہ تعالیٰ کا نہیں تھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اُن کی قسمت میں بُھوک ننگ نہیں لکھی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے تو ہر فردِ بشر کیلئے حقوقِ رہائش اور حقِ ضروریاتِ زندگی مساوی متعیّن فرمایا ہے، جس کا نفاد سربراہِ مملکت کے قبضۂ اختیار میں ہوتا ہے۔ جیسے کہ حضرت سلیمانؑ کو اقتدارِ مملکت عطا کرنے کے بعد ارشاد ہُوا تھا :-

● هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ ۳۸/۳۹ یہ (اقتدارِ حکومت) ہماری عطاءِ بے حساب ہے (اب یہ آپ کا اختیار ہے کہ متوازن نظام قائم کر کے نوعِ انسانی پر) احسان کریں اور یا (اللہ کی نعمتوں کو اپنے لئے اور اپنے اہل وعیال اور اپنے عملہ کیلئے) روک لیں۔ سلسلۂ درس کی آیت نمبر ۷/۱۰ میں پُوری نوعِ انسانی کے مساوی حقوقِ ربوبیت کے اعلان کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں سُورہ بقرہ کی طرح نوعِ انسانی کی اوّلین پیدائش کا ذکر لایا گیا ہے جو نظامِ مُلوکیت کی ناہمواریوں اور خرابیوں کو اُجاگر کرنے کیلئے آیت نمبر ۱۱ سے لیکر مسلسل آیت نمبر ۲۵ تک کھول کھول کر بیان کر دیا گیا ہے بغور ملاحظہ فرمائیں :-

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ
اور بیشک پیدا کیا ہم نے تم کو پھر صورتیں بنائیں تمہاری پھر
قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ
کہا ہم نے ملائکہ کو فرمانبردار ہو جاؤ واسطے آدم کے پس فرمانبردار ہو گئے مگر

اور (اے نوعِ انسانی!) بیشک پہلے تم بت سوں کو (زمین میں سے) پیدا کیا۔ پھر ہم تمہیں (ارتقائی منازل سے گزار کر) کامل صورت میں لے آئے۔ پھر ہم نے اپنی سب کی سب کائناتی قوتوں کو (بزبانِ حال) حکم دیا گیا کہ تم سب کی سب نوعِ آدمؑ کی فرمانبردار ہو جاؤ

إِبْلِيْسَ ۭ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ○ ۱۱
ابلیس ـ نہ ہوا وہ میں سے فرمانبرداروں کے

جاؤ - سب کائناتی قوتیں اسکی فرمانبردار ہوگئیں - لیکن اس کی اپنی داخلی نافرمان قوت (نفس امّارہ) اسکا فرمانبردار نہ ہوا -

● آگے بڑھنے سے پہلے عربی متن پر لگائے گئے ۱ تا ۸ ضمنی نوٹ ملاحظہ فرمائیے :-

● ۱؎ خَلَقْنٰكُمْ میں ضمیر کُمْ چونکہ بصیغہ جمع آئی ہے - اسلئے اسکا معنی لکھا گیا ہے :- ہمنے تم بنت سوں کو پیدا کیا -

● ۲؎ نوعِ آدم کے متعلق ذیل کی متعدد آیات کریمات میں بتکرار اعلان کیا گیا ہے کہ اسے پہلی مرتبہ زمین سے پیدا کیا گیا تھا -

۱ - هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا $\frac{11}{61}$ اُس اللہ نے تمہیں زمین میں سے پیدا کیا اور اسی میں آباد کر دیا -

۲ - مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ○ $\frac{20}{55}$ ہمنے تمہیں (اے نوعِ انسانی !) ابتدا میں زمین میں سے پیدا کیا تھا ' اور ہم تمہیں اسی میں لوٹا دیتے ہیں - اور قیامت کو تمہیں اسی میں سے دوبارہ نکال لینگے -

۳ - هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ $\frac{53}{32}$ وہ اللہ جانتا ہے جب تم کو زمین میں سے پیدا کیا اور جب تم بصورتِ جنین ماؤں کے پیٹوں میں ہوتے ہو - ●

۴ - وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۙ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ○ $\frac{71}{17-18}$ اور اللہ نے تمہیں زمین میں سے پیدا کیا ' ٹھیک ٹھیک پیدا کرنا - پھر وہ تمہیں اسی میں لوٹا دیتا ہے اور (قیامت کو) تمہیں اسی میں سے نکال لیگا ٹھیک ٹھیک نکال لینا --- پس ان تکراری آیات مجیدہ کی شہادت کے مطابق یہ امر ناقابلِ انکار ہے کہ انسان کو پہلی مرتبہ زمین میں سے پیدا کیا تھا -

● ۳؎ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ کا معنی لکھا گیا ہے :- پھر ہم تمہیں ارتقائی منازل سے گزار کر کامل صورت میں لے آئے ' اس مفہوم کیلئے $\frac{15}{29}$ + $\frac{38}{72}$ میں ذیل کے متبادل الفاظ آئے ہیں :- فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ پھر جب میں نوعِ آدم کو ارتقائی منازل سے گزار کر مکمل کر لوں - ارتقائی منازل کے لحاظ سے نوعِ انسانی کے ابتدائی جرثومے کی پہلی منزل $\frac{96}{2}$ بیان کی گئی ہے خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ = اللہ تعالیٰ نے انسان کو ابتدا میں جونک نما جرثومے سے پیدا کیا - اور اسی ابتدائی جرثومے کی ارتقائی منازل کی موجودہ صورت صَوَّرْنٰكُمْ اور سَوَّيْتُهٗ کے واضح الفاظ میں بیان کر دیگئی ہے -

● واضح رہے کہ آگے نوٹ ۸؎ میں آرہا ہے کہ زمین اور آسمان کی ہر چیز نوعِ انسانی کے تابع تسخیر کر دی گئی ہے یعنی اس نے کائنات کی ہر قوت سے اسکی مضمر صفات کے مطابق کام لینا ہے - اس کام لینے کی وہ انسانی صفت جو اس میں پیدا کر دیگئی ہے ' اسکی وضاحت ارتقائی منازل کے ضمن میں فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ کے بعد وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ کے الفاظ میں کیگئی ہے کہ پھر جب میں نوعِ آدم کو مکمل کر کے اسکی جبلت میں اپنی وہ تعلیم پھونک دوں (جس کے ساتھ وہ اسے ملائکہ تمہیں اپنا فرمانبردار کر سکے) فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ○ $\frac{15}{29}$ + $\frac{38}{72}$ تو پھر تم نوعِ انسانی کے فرمانبردار ہو جانا - واضح

رہے کہ روح بمعنی تعلیم ۱۶/۲ + ۴۰/۱۵ میں بھی آیا ہے اور اسی ضمن میں ۴۲/۵۲ میں بھی آنحضورؐ کو مخاطب کرکے ارشاد ہوا ہے
● وَکَذٰلِکَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا - اور (اے رسولؐ!) ہم نے اسی طرح آپ کی طرف اپنی تعلیم قرآن کو ہم وحی فرمایا۔

● ۴۸ ملائکہ جمع ہے مَلَکٌ کی - اِس کا سہ حرفی مادہ ہے م - ل - ک = ملک - جس کا بنیادی معنی ہے کسی چیز میں کسی خاص چیز کا ملکا ہونا - اور وہ چیز اپنے مخصوص ملکے کے خلاف ہرگز ہرگز عمل نہ کر سکتی ہو - ملائکہ کی ایک صفت بموجب ۲/۳۴ + ۷/۱۱ یہ ہے کہ وہ سب نوع انسانی کے ساجد یعنی فرمانبردار ہیں - اور دوسری صفت بموجب ۲/۳۳ یہ ہے کہ وہ اپنے اندر بہت کچھ چھپائے ہوئے ہیں - یہ سب اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ قوتیں ہیں جیسے کہ بجلی اپنے اندر یہ تمام صفتیں چھپائے ہوئے تھی جو آج اس سے سجدہ کروا کر نمایاں ہوئی ہیں کہ بجلی کیسا تھ ریلیں، کاریں، بسیں، ہوائی جہاز اور راکٹ وغیرہ چل رہے ہیں۔

● نوع انسانی کو بتا دیا گیا ہے :- سَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ ۴۵/۱۳ (اے نوع انسانی!) اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی پیدا کیا ہے وہ سب کا سب تمہارے تابع تسخیر کر دیا ہے۔ یہ آیت مجیدہ ملائکہ کے متعلق دی گئی خبر فَسَجَدُوْا کی مترادف ہے - یعنی جملہ ملائکہ بطریق تسخیر نوع انسانی کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں - اور ملائکہ پہ ایمان لانے کی غرض اُن پر زبانی زبانی ایمان لانا نہیں بلکہ بطریق تسخیر اُن سے سجدہ کروانا یعنی اپنے مطیع کرنا، اُن سے کام لینا ہے۔

● سورہ رعد کی آیات مجیدہ ۱۳/۱۱ تا ۱۳ میں برق، سحاب، رعد اور صاعقہ کو ملائکہ کے زمرہ میں بیان کرکے بتا دیا گیا ہے کہ سب کائناتی قوتیں ملائکہ ہیں :- هُوَ الَّذِیْ یُرِیْکُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّیُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ۔ وَیُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِکَةُ مِنْ خِیْفَتِهٖ وَیُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ وہ اللہ ہی ہے جو تمہیں بجلی دکھاتا ہے اُس کے عذر کے خوف کی حالت میں اور اُسکے فائدوں کے طمع کی حالت میں - اور وہ چلاتا ہے بوجھل بادلوں کو اور گرج کو - خصوصاً تمام ملائکہ اُس کی حمد اور اُسکے خوف کیسا تھ اپنا اپنا فرض منصبی ادا کر رہے ہیں اور وہ زمین پر گرنے والی بجلی بھیجتا ہے۔ پس ملائکہ سے مراد خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ کائناتی قوتیں ہیں، جن کو نوع انسانی کے حضور بذریعہ طریق تسخیر تابع ہونے یعنی سجدہ ریز ہونے کا حکم اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۲/۳۴ کے الفاظ میں دیا گیا ہے۔

۴۹ یُسَبِّحُ کا معنی لکھا گیا ہے وہ فرض منصبی ادا کرتے ہیں - اِن معنوں کا قرآنی ثبوت یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۶۲/۱ + ۶۴/۱ میں موجود ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے، سب کے سب اپنا اپنا فرض منصبی ادا کر رہے ہیں۔

۵۰ ثُمَّ قُلْنَا کا معنی لکھا گیا ہے پھر ہم نے کائناتی قوتوں کو بزبانِ حال فرمایا - واضح رہے کہ خدا تعالیٰ کا کائناتی

قوتوں کا مکالمہ جو سورہ بقرہ، سورہ اعراف، سورہ حجر، سورہ بنی اسرائیل، سورہ کہف، سورہ طٰہٰ، سورہ صٓ یعنی پوری سات سورتوں میں پھیر پھیر کر بیان کیا گیا ہے وہ حالی ہے قالی نہیں۔ کیونکہ نہ خدا کا کوئی مادی جسم اور زبان ہے اور نہ کائناتی قوتوں کی کوئی زبان ہے، جس سے وہ قالی کلام کرتی ہوں۔

● ۷؎ لفظ آدم سے مراد بائبل کا بتایا ہوا باوا آدم نہیں، بلکہ نوعِ آدم مراد ہے جیسے کہ آئت مجیدہ زیر بحث ۱۱/۷ کے الفاظ لَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ سے ثابت ہے کہ ابتدا میں بہت سوں کو پیدا کیا گیا تھا۔ اور بہت سوں کا متبادل لفظ آیا ہے آدم، جس سے مراد ہے نوعِ آدم۔ یہاں لفظ آدم اسم جنس ہے۔

● ۸؎ اُسْجُدُوْا کا معنٰی لکھا گیا ہے فرمانبردار ہوجاؤ۔ اسکا سہ حرفی مادہ ہے س۔ ج۔ د = سجدٌ جس کا بنیادی معنٰی ہے فرمانبرداری کرنا۔ اور حضورِ الٰہی میں ماتھا زمین پر رکھ دینا بھی مراد ہے۔ سورہ نحل میں کائنات کی ہر چیز کے متعلق ارشاد ہوا ہے :۔ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۴۹/۱۶ اور آسمانوں اور زمین کی ہر چیز ظروف، مائع گیس، اور جمادات، نباتات، حیوانات سب کے سب اللہ کو سجدہ کرتے ہیں (یعنی اسکے مطیع و فرمانبردار ہیں۔ اُس کے متعینہ قوانین کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے مصروفِ عمل ہیں۔ پس جس طرح کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کو ماتھا نہیں ٹیک رہی، بلکہ اسکی فرمانبردار ہے، اسی طرح اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ کا معنٰی نوعِ آدم کو ماتھا ٹیکنا نہیں بلکہ ۱۳/۴۵ کیمطابق اسکے تابع تسخیر ہوکر مطیع و فرمانبردار ہوجانا ہے۔

● ۹؎ ابلیس کا معنٰی لکھا گیا ہے نفسِ امّارہ۔ اِس کے لئے مشاہدہ بھی گواہ ہے اور قرآن کریم بھی۔ مشاہدہ اس طرح گواہ ہے کہ نوعِ انسانی کے سامنے بجلی جیسی مہلک یعنی جان لیوا قوتیں مطیع و فرمانبردار ہوتی چلی جارہی ہیں۔ مگر انسان کی داخلی قوت نفسِ امّارہ ایک ایسی قوّت ہے جو مطیع و محکوم ہونے کی بجائے ہر آن خود اس پر آپ حکمرانی کر رہی ہے۔ ہر لحظہ اسے برائی کا حکم کرتی ہے۔ اور قرآنِ کریم کی شہادت یہ ہے کہ ۵۳/۱۲ میں اِنَّ تاکیدیہ کیساتھ خبر دی گئی ہے۔

● اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ = بیشک نفسِ امّارہ برائی کا حکم دینے والا ہے۔ نفسِ امّارہ بھی چونکہ خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ قوتوں میں سے ایک قوت ہے۔ اسلئے اسے بھی زُمرۂ ملائکہ میں شمار کیا گیا ہے اور چونکہ اُس کا کام ہر آن برائی کا حکم کرنا ہے ۵۳/۱۲ اسلئے اسکا حکم ماننے سے منع کر دیا گیا ہے۔

● آگے پڑھنے سے پہلے پھر سے ذہن میں تازہ کر لیجئے گا کہ جب نوعِ آدم کو پیدا کیا گیا تو ۲۹/۱۵ + ۷۲/۳۸ کے مطابق اُسے سویٰ یعنی مکمل کر کے اُس کی جبلت میں مادہ تعلیم بھی ڈالدی جس سے وہ کائناتی قوتوں کی مخصوصات کے مطابق اُن سے کام لے سکے، اُنہیں فرمانبردار کر سکے۔ تو اُسوقت تمام کائناتی قوتوں کو بزبانِ حال حکم دیا اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ اب تم سب اِس نوعِ انسانی کے فرمانبردار ہو جاؤ۔ لیکن جیسے کہ آئت مجیدہ زیر بحث میں بتا دیا گیا ہے کہ سب قوتیں فرمانبردار ہو گئیں لیکن نفسِ امّارہ کی آتشی قوّت، جو ہر آن انسان کو خدا تعالیٰ کی نافرمانی پر آمادہ کرتی رہتی ہے فرمانبردار نہ

مجموعی سلسلۂ دروس کی اگلی آیت مجیدہ $\frac{۷}{۱۲}$ میں حالی مکالمہ کے طور پر بتایا گیا ہے کہ جب نفسِ امارہ مطیع و فرمانبردار نہ ہوا تو اس سے بزبانِ حال کہا گیا:۔

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ

کہا کس نے منع کیا تجھ کو کہ نہیں سجدہ کیا تو نے جب حکم کیا میں نے تجھے

قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ

کہا میں بہتر ہوں اُس سے پیدا کیا تو نے مجھے میں سے آگ اور پیدا کیا تو نے اُسے

مِنْ طِيْنٍ ۝ ۱۲

میں سے مٹی

(اللہ تعالیٰ نے ابلیس، نفسِ امارہ سے بزبانِ حال) کہا کہ کس چیز نے تجھے منع کیا کہ تُو (نوعِ آدم کا) فرمانبردار نہیں ہوا جبکہ میں نے تجھے بھی (نوعِ آدم کی فرمانبرداری کا) حکم دیا ہے اُس نے (بھی بزبانِ حال) کہا کہ میں اُس سے بہتر ہوں کیونکہ تُو نے مجھے آگ (کی طرح بھڑک اٹھنے والے عنصر) سے پیدا کیا اور اُسے تُو نے مٹی (جیسے ٹھنڈے اور کمزور عنصر) سے پیدا کیا۔

● پیچھے صفحہ ۳۲۲ پر $\frac{۱۱}{۶۱}$ + $\frac{۲۰}{۵۵}$ + $\frac{۵۳}{۳۲}$ + $\frac{۷۱}{۱۸ - ۱۷}$ کے حوالہ جات سے بتایا جا چکا ہے کہ نوعِ آدم کو زمین (مٹی) میں سے پیدا کیا گیا تھا۔ سُورہ حجر میں آیا ہے اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ $\frac{۱۵}{۲۸}$ بیشک میں نوعِ بشر کو سڑی ہُوئی بدبُودار بُسی ہُوئی گیلی مٹی سے پیدا کرنے والا ہوں ان الفاظ سے ثابت ہُوا کہ نوعِ انسانی کی ابتدائی تخلیق بدبُودار بُسے ہُوئے گارے سے ہُوئی تھی جسے حقیر تصوّر کیا جاتا ہے۔ یعنی نوعِ آدم بھی اُسی طرح بدبودار حقیر مٹی سے پیدا ہُوئی تھی جس طرح عام جراثیم بدبُودار گیلی مٹی سے پیدا ہوتے ہیں یعنی نوعِ آدم کی پیدائش سے قبل زمین کا درجہ حرارت اس مقام پر تھا کہ اُس سے بیل بھینسے اور ہاتھی وغیرہ گرانڈیل نوعیں پیدا ہُوئی تھیں۔ اسکے بعد جب اسکا درجۂ حرارت کم ہُوا تو نوعِ آدم پیدا ہُوئی اور اب درجۂ حرارت اسقدر کم ہو چکا ہے کہ اَب صرف حشرات الارض کیڑے مکوڑے ہی پیدا ہوتے ہیں۔

● المختصر! نوعِ آدم کو بدبُودار بُسے ہُوئے گارے سے پیدا کیا گیا تھا۔ اور اس نوع کی بہت سی داخلی قوتیں بھی اسکے ساتھ مٹی ہی سے پیدا کر لی گئیں تھیں مثلاً قوتِ باصرہ، سامعہ، شامعہ، ذائقہ، ناطقہ، حافظہ، متصوّرہ، متفکّرہ، ہاضمہ، دافعہ وغیرہ۔ نیز قوتِ حسد، بُغض، غضب، انتقام اور تکبّر وغیرہ جن کا مجموعہ ہے نفسِ امّارہ ابلیس، یہ بھی مٹی کے پیکرِ نوعِ آدم کے اندر مٹی ہی سے پیدا کئے گئے تھے۔ لیکن ابلیس کا حالی قیاس غلط ہے کہ وہ مٹی میں سے نہیں، بلکہ اس سے اعلیٰ چیز آگ سے پیدا کیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حسد، بُغض غصّہ، غضب اور انتقام کے لئے بطور مجاز آگ اور آتش کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں، جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص حسد و بُغض کی آگ میں جل رہا ہے۔ فلاں شخص کے اندر آتشِ انتقام بھڑک رہی ہے لیکن واضح رہے کہ یہ الفاظ بطور مجاز استعمال ہوتے ہیں، یہ فی الحقیقت آگ نہیں ہیں۔ اِس مجازی آگ کو ابلیس نے اپنے حالی مکالمہ میں مٹی سے افضل کہا لیکن جواب ملا:۔

قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُونُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ○ ۱۳

کہا پس نیچے آ، سے اسکے پس نہیں لائق واسطے تیرے کہ تو تکبر کرے بیچ اسکے پس نکل بیشک تو سے ذلیلوں کے

(اللہ تعالیٰ نے بزبانِ حال) فرمایا کہ بس تو اس فخر و تکبر کی حالت سے نیچے آ[1]۔ تیرے لئے یہ لائق نہیں کہ تو (اس مٹی کے پیکر کا حصہ ہوتے ہوئے) اس میں تکبر کرے۔ (اپنے آپکو اس سے افضل سمجھے[2])۔ اس حالت سے نکل بیشک تو ادنوں سے ہے[3]

● [1] فَاهْبِطْ کا معنیٰ لکھا گیا ہے "اس تکبر کی حالت سے نیچے آجا۔" مادہ ہ - ب - ط۔ ھبط کا بنیادی معنیٰ ہے کسی بھی چیز کا اونچی سطح سے نیچی سطح پر آنا۔ جیسے کہ ھَبَطَ الثَّمَنُ کا معنیٰ فلاں چیز کی قیمت نیچے آگئی کم ہوگئی اسی طرح یہاں کہا گیا ہے کہ فخر و تکبر کی اونچی سطح سے نیچی سطح پر یعنی عجز و نیاز کی سطح پر آجا۔ لیکن نفسِ امارہ ایسا کرنیوالا نہیں۔ ایک سرکش طاقت ہے۔

● [2] فَمَا يَكُونُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا کے الفاظ میں یہ بتایا گیا ہے کہ ابلیس کو فخر و تکبر کا کوئی حق حاصل نہیں کیونکہ وہ نوعِ آدم کے ہر فرد کی متعدد صفات میں سے ایک صفت ہے۔ اور اسکے اندر موجود ہے۔ اسی کے ساتھ بدبودار مٹی میں سے پیدا ہوا ہوا ہے۔ اسلئے اُسے یہ لائق نہیں کہ اسکا حصہ اور اسکے اندر ہوتے ہوئے اپنے آپکو اس سے بہتر قرار دے اور تکبر کرے۔ واضح رہے کہ جس طرح الفاظِ بالا میں خبر دیگئی ہے کہ ابلیس نفسِ امارہ نے اپنے آپکو غلط طور پر اپنے پیکر سے بہتر سمجھا ایسی حالت اُس شخص کی ہوتی ہے جو ابلیسی جذبات، بغض، حسد اور انتقام کی بدولت آگ بگولا ہوجاتا ہے، وہ بھی اپنے ہم جنس مدِ مقابل کو حقیر قرار دیتا اور کہتا ہے کہ یہ کون ہوتا ہے میرے منہ آنیوالا ذلیل حقیر، کمینہ کہیں کا۔ اگرچہ اُسکا مدِ مقابل نوعِ انسانی کے مساوی درجہ کے علاوہ اخلاقی اقدار کی رو سے اُس سے کہیں زیادہ بہتر ہی کیوں نہ ہو۔

● [3] اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ کے الفاظ میں ابلیس کو اُس کی جملہ صفات سمیت ادنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ اس پر مشاہدہ گواہ ہے کہ جو شخص نفسِ امارہ کے ماتحت ہوجاتا ہے وہ بھی اپنی ادنیٰ کمینہ حرکات لالچ، حرص، حسد، بغض اور فخر و تکبر کی بدولت اپنا اعلیٰ انسانی مقام کھو کر ادنیٰ ہوجاتا ہے۔

نوعِ انسانی میں نفسِ امارہ کو پیدا کرنے کا فلسفہ

● یہاں پہنچ کر سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے انسان کے اندر نفسِ امارہ (سرکش قوت) پیدا ہی کیوں کی ہے؟ اسکا جواب بالکل سہل ہے کہ یہ لاانتہا نعمتوں سے بھری ہوئی کائنات صرف اور صرف انسان کیلئے پیدا کیگئی ہے۔ اور اس کو مسخر کرنے کا حق بھی صرف اسی کو عطا کیا گیا ہے۔ نیز اس بھری کائنات میں صرف نوعِ انسانی ہی وہ نوع ہے جسے اپنے اعمال کا جوابدہ ٹھہرایا گیا ہے۔ اب اگر اس میں صرف نفسِ لوامہ ہی ہوتا جو ہمیشہ نیکیوں کا حکم کرتا ہے، اسکے اندر برائی کا حکم کرنیوالی قوت موجود ہی نہ ہوتی تو اس طرح اگر یہ نوع نیک اعمال بجالاتی تو اسکی کیا خوبی تھی کہ جب نفسِ لوامہ یعنی نیکیوں کی ترغیب دینے والی

قوت کے مقابلے پر برائی کا حکم کرنیوالی قوت موجود نہ ہوتی۔ اسلئے خدا تعالیٰ نے اِس پیکرِ خاکی میں جس طرح نفسِ لوّامہ بھی رکھدیا ہے جو ہر آن نیکی کا حکم کرتا ہے اسی طرح اس میں نفسِ امّارہ بھی پیدا کر دیا ہے جو ہر آن برائی کا حکم کرتا رہتا ہے تاکہ انسان ان دونوں میں سے جس کا چاہے اپنی رضا و رغبت کیساتھ حکم مانے اور اپنی رضا و رغبت کے ساتھ اچھے یا بُرے عمل خود بجالائے۔ چنانچہ پیکرِ انسانی میں نفسِ امّارہ کی تخلیق اور اس میں اسکے دائمی قیام کا ذکر بالفاظِ ذیل آیا ہے:-

قَالَ اَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ○ ۱۴
کہا مہلت دے مجھے تک اس دن جب اٹھائے جائیں

ابلیس (برائی کا حکم دینے والی قوت) نے کہا مجھے اُس دن تک مُہلت دے جسدن یہ لوگ دوبارہ اٹھائے جائینگے

قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ○ ۱۵
کہا بیشک تو ہے سے مہلت دئے گئیوں

اللہ تعالیٰ نے بزبانِ حال فرمایا ہے کہ بیشک تو بھی (نفسِ لوّامہ اور نفسِ مُطمئنّہ کی طرح) مُہلت دئے گئیوں سے ہے[۱]

● [۱] اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ کے الفاظ سے نصف النہار کی طرح ثابت ہے کہ:-

صرف ابلیس ہی کو قیامت تک کیلئے مہلت نہیں دیگئی بلکہ اسکے ساتھ اور بھی بہت سی قوتیں ہیں جنہیں قیامت تک کے لئے مُہلت دیگئی ہے۔ پس اس طرح اگر ابلیس کے لفظ سے اسکا کوئی خارجی وجود تسلیم کیا جائے جیسے کہ اسرائیلیات کے ڈھے گئے تصور نے ابلیس کو خدا تعالیٰ کی طرح ہر جگہ حاضر و موجود اور ہر کسی کے دماغ میں گھس کر اسے بُرائی کی ترغیب دینے والا ایک اکیلا فرد قرار دیا ہے اگر یہ صحیح ہے تو پھر آیتِ بالا کیمطابق ماننا پڑیگا کہ اور بھی بہت سے ہیں جنہیں بالکل ابلیس کی طرح مہلت دیگئی ہے۔ یعنی پھر نفسِ لوّامہ کا بھی کوئی خارجی وجود ماننے پڑیگا۔ اور اگر اس چیز کو نہ مانا جائے اور اسرائیلیات کے اس نظریے کو صحیح تسلیم کیا جائے کہ نیکی کی ترغیب دینے والا بیچارہ نفسِ لوّامہ تو اکیلا ہے اور برائی کا حکم کرنیوالے دو ہیں ایک نفسِ امّارہ اور دوسرا ابلیس جو ہر شخص کے اندر گھس کر نفسِ امّارہ کی مدد کرتا ہے اور اس طرح دونوں مل کر نفسِ لوّامہ کو شکست دینے میں ہر جگہ کامیاب ہیں تو اسے خدا تعالیٰ کی انتہائی بے انصافی کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے مُعاذ اللہ! استغفر اللہ!

● واضح رہے کہ یہ طاقت کے عدم توازن کی انتہائی بے انصافی خدا تعالیٰ کے ذمّہ ہرگز نہیں لگائی جا سکتی کہ اُس نے برائی کی ترغیب دینے والے دو پیدا کر رکھے ہیں اور نیکی کی ترغیب دینے والا ایک اکیلا پیدا کر کے نوعِ آدم کو خود بے بس کر رکھا ہے جس سے ہر جگہ نفسِ لوّامہ شکست یاب ہے اور نفسِ امّارہ اور ابلیس شیطان ہر جگہ کامیاب ہیں۔ اور برائیوں کی کثرت گویا کہ خدا تعالیٰ کی بے انصافی کا نتیجہ ہے۔ معاذ اللہ! استغفر اللہ!

● مگر برادرانِ عزیز! حقیقتِ حال یہی ہے کہ نفسِ امّارہ اور ابلیس دو قوتیں نہیں بلکہ $\frac{۱۲}{۵۳}$ کے الفاظ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ کے مطابق نفسِ امّارہ ہی ابلیس ہے اور برائی کا حکم کرنیوالا بھی ایک ہے جس طرح نفسِ امّارہ کو قیامت

تک کیلئے مُہلت دیگئی ہے اُسی طرح نفس لوّامہ کو بھی قیامت تک کیلئے مُہلت دی گئی ہے قرآن مجید میں نفس لوّامہ کی نسبت نفس امّارہ' ابلیس کا ذکر کثیر تکرار اور انتہائی اہمیت کیساتھ اِس لیئے آیا ہے کہ یہ نوعِ انسانی کا انتہائی خطرناک دشمن ہے اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۳۶/۶۰ چنانچہ اس انتہائی خطرناک دشمن کے حالی مکالمہ میں اُس کے خطرناک عزائم کی خبر سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ ۷/۱۶ میں نہائت وضاحت کیساتھ بالفاظ ذیل موجود و محفوظ ہے :۔

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ[1] لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ
کہا پس بوجہ اسکے گمراہ پایا تونے مجھے ضرور میں بیٹھونگا واسطے انکے

صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۱۶
راستے تیرے سیدھے

(ابلیس نے بزبانِ حال) کہا پس اس سبب سے کہ تُونے مجھے گمراہ قرار دیا ہے اسلئے میں اُن (نوعِ آدم کو گمراہ کرنے) کیلئے تیرے سیدھے راستے میں ضرور بیٹھونگا۔

ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ[2] وَمِنْ
پھر ضرور آؤں گا اُنکے پاس سے درمیان دو ہاتھ انکے اور سے

خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ
پیچھے اُن کے اور سے دائیں ان کے اور سے بائیں ان کے

وَلَا[3] تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ[4] ۱۷
اور نہیں تو پائیگا اکثریت ان کی قدردان

پھر میں (انہیں گمراہ کرنے کیلئے) اُن کے آگے سے آؤنگا اور اُنکے پیچھے سے آؤنگا۔ اور اُن کے دائیں سے آؤنگا اور انکے بائیں سے آؤنگا۔ (گویا کہ ہر چہار طرف سے آؤنگا یعنی میں انہیں انفرادی منفعت کوشی میں اسی طرح مبتلا کردونگا کہ) تو اُن کی اکثریت کو محنت کشوں کی محنت کا پُورا بدلہ دینے والا نہیں پائیگا۔[4]

● [1] اَغْوَيْتَنِيْ چونکہ باب افعال سے ہے اسلئے اسکے خاصہ وجدان کیمطابق معنی لکھا گیا ہے تُونے مجھے گمراہ پایا ہے۔

● [2] ابلیس کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں سے گمراہ کرنے کی تفسیر کو سمجھنے کیلئے پہلے یہ چیز ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ اس آئت میں گمراہ کرنیکا دعوٰی تو کرتا ہے ابلیس لیکن اِس دعوے کی تکمیل کیلئے آگے ۷/۲۰ میں شیطان کا لفظ آیا ہے۔ نیز ۲/۱۴ اور ۴/۳۸ میں بھی بعض انسانوں کو شیطان کہا گیا ہے' جو خود گمراہ ہونے کے علاوہ دُوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ تو اس طرح ابلیس کبھی تو کسی بنی سنوری بے پردہ عورت کی صورت میں سامنے سے آجاتا ہے' کبھی کسی فحش گانے کی آواز کی صُورت میں پیچھے سے کھینچ لیتا ہے' اِسی طرح کبھی دغا' فریب' رشوت' بلیک' سمگل بلکہ مُلک فروشی کے ایجنٹ کی صُورت میں کبھی دائیں طرف سے آنکلتا ہے اور کبھی بائیں طرف سے آدھمکتا ہے۔

● [3] وَلَا تَجِدُ کی واؤ تفسیری ہے' یعنی اسکے اگلے الفاظ میں ابلیس کے گمراہ کرنے کا نتیجہ بتایا گیا ہے اکثریت کا غیر شاکر' غیر قدردان ہونا۔

● [4] لَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ کا معنی لکھا گیا ہے کہ تُو اُنکی (نوعِ آدم کی) اکثریت کو محنت کشوں کی محنت

کا پُورا بدلہ دینے والا نہیں پائیگا ۔ لفظ شکر کے اِن معنوں کا ثبوت آئت نمبر ۷/۱۰ کی تفسیر میں صفحہ ٣٢ پر ضمنی نوٹ ۳ میں گزر چکا ہے ۔ کہ شکر کے دو معنے ہیں :۔

۱۔ محنت کرنیوالوں کی محنت کا پورا بدلہ دینا ۲/۱۵۸ سے ثابت ہے اور دوسرا معنٰی ہے :۔

۲۔ حصُولِ مقصد کے لئے بھرپور محنت کرنا ۔ یہ معنی اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ۷۶/۲۲ میں ۔ ان ہر دو آیات کی مکمل بحث صفحہ ٣٢٠ پر ملاحظہ فرمائیں ۔

● آگے بڑھنے سے پہلے اس چیز کو ذہن میں تازہ کر لیجئیگا کہ خدا تعالیٰ اور ابلیس کا مکالمہ حالی ہے قالی نہیں یعنی اس حالی مکالمے سے اِس امر کا اظہار مقصود ہے کہ ابلیس یعنی نفسِ امّارہ ذاتی منفعت کوشی اور انفرادی لُوٹ کھسوٹ کا حکم کرتا رہتا ہے ، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ہر شخص خود تو زیادہ سے زیادہ لینا چاہتا ہے اور دوسرے کو کم سے کم دینا چاہتا ہے اور اسطرح ہر حالت میں زد پڑتی ہے کمزور محنت کشوں پر کہ انہیں اُن کی محنت کا پُورا بدلہ نہیں ملتا ۔ اگرچہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ایسے ناہموار نظام میں محنت کش بھی اسی ڈگر پر چل نکلتے ہیں کہ کام تھوڑا کریں اور اُجرت پُوری لیں ۔ لیکن اس طرح توازن برقرار نہیں رہ سکتا ۔ اِس کے برعکس اللہ تعالیٰ انفرادی منفعت کوشی کے خلاف اجتماعی توازن کا حکم دیتا ہے چنانچہ ابلیس کی چوطرفہ یلغار کا یہ جواب دیا گیا ہے :۔

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا
کہا نکل سے اسکے ذلیل دھتکارا ہُوا

لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ
واسطے اسکے اتباع کی تیری سے انکے ضرور بھرونگا میں جہنّم سے تمہارے

اَجْمَعِيْنَ ○ ١٨
سب کے

(اللہ تعالیٰ نے بزبانِ حال) کہا کہ تُو اِس حالت سے نکل تُو ذلیل دھتکارا ہُوا[۱] ۔ یہ ایک یقینی امر ہے کہ اس نوع میں سے جو لوگ تیری اتّباع کریں گے ، انہیں (یعنی نفسِ امّارہ کی اطاعت کرنیوالو!) میں تم سب کے ساتھ جہنّم کو بھر دوں گا ۔ (تم اپنے جہنّمی معاشرہ میں گرفتار ہو جاؤ گے جس میں ہر طرف فتنہ فساد اور عدم اطمینان کی آگ بھڑک رہی ہو گی ۔[۲]

● ملہ اس حقیقت سے کسی کو مجالِ انکار نہیں کہ :۔
نفسِ امّارہ کی اتّباع کرنے والوں کو ہر آن ذلّت اور دھتکار کے سوا اور کوئی مقام حاصل نہیں ۔

● ملہ جہنّم کا معنٰی عام طور لیا جاتا ہے دوزخ اور دوزخ سے مراد لی جاتی ہے اُخروی عذاب کی آگ ۔ لیکن خدا تعالیٰ نے دُنیا اور آخرت کے دونوں عذابوں کو اَلنَّار کہا ہے ۔ جیسے کہ ہمیں دُعا سکھائی گئی ہے :۔ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○ ۲/۲۰۱ اے ہمارے پروردگار ہمیں دُنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرمانا ۔ اور ہمیں دُنیا اور آخرت کی آگ سے بچا لے ۔ دُنیا میں فتنہ و فساد

سے لبریز معاشرہ اور عدم اطمینان بھی ایک ایسی آگ کا عذاب ہے جو ذہنوں کو جلاتا ہے ۔ جہاں انسانی بنیادی حقوق، خصوصاً خوراک، لباس اور رہائش کا عدم توازن زوروں پر ہوتا ہے ۔ اس کے برعکس خدا تعالیٰ نے سلسلۂ درس کی اگلی آیات مجیدہ میں بتا دیا ہے کہ ہمنے ابتدا ہی میں اپنے نبیوں کی معرفت حکم دے دیا تھا :۔

وَيٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ	اور اے آدم تو اور ساتھی تیرا رہ
الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا	جنت میں پھر کھاؤ دونوں سے جہاں چاہو تم دونوں
وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا	اور نہ قریب جاؤ دونوں اس جھگڑے کے ورنہ ہو جاؤ گے دونوں
مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ۱۹	سے ظالموں کے

اور (ہمنے اپنے انبیاء[۱] کی معرفت حکم دیا کہ) اے آدم! (سربراہ ریاست!) تو اور تیرے ساتھی[۳] (عوام) متوازن معاشرہ جنت[۴] میں پُرسکون رہو، اور تم دونوں (تو اور عوام) اس میں سے جہاں سے چاہو کھاؤ۔ مگر اس (انکار و تکبر کے) شجر منکوعہ کے قریب نہ جانا ورنہ تم دونوں (ذاتی مفاد پرستی میں پڑ کر) ظالموں[۶] میں سے ہو جاؤ گے ۔

● ۱؎ یہاں یٰاٰدَمُ سے ماقبل قُلْنَا بھی محذوف ہے ۔ اور انبیاء کا واسطہ بھی محذوف ہے ۔ کیونکہ :۔

● ۲؎ یہاں اٰدَمُ سے مُراد حضرت آدم اللہ کے نبی نہیں ہیں۔ بلکہ سربراہِ ریاست مراد ہے کیونکہ عربی ادب میں آدم کا معنی سربراہِ سلطنت بھی ہے نوعِ آدم بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کے پہلے نبی حضرت آدمؑ بھی ہے ۔ مگر یہ معنے الگ الگ مقام پر موقعہ محل کے مطابق مُراد ہوتے ہیں ۔ یہاں حضرت آدمؑ اسلئے مراد نہیں ہیں کیونکہ اسی قصۂ آدم میں سورۂ طٰہٰ میں آیا ہے وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى $\frac{۲۰}{۱۲۱}$ اسکے معنے یہ ہیں کہ آدم نے خدا تعالیٰ کی نافرمانی کی اور وہ گمراہ ہو گیا قرآنِ مجید کا یہ فتویٰ اللہ تعالیٰ کے نبیوں میں سے کسی ایک پر نہیں لگ سکتا ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جملہ انبیاءِ کرام کے متعلق اعلان کر رکھا ہے :۔

● عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۔ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ۔ $\frac{۲۱}{۲۶ - ۲۷}$ وہ سب کے سب خدا تعالیٰ کے واجب التکریم بندے تھے ۔ وہ بات میں بھی اللہ تعالیٰ سے آگے نہیں بڑھتے تھے اور اُن کا ہر قدم خدا تعالیٰ کے حکم کے مطابق اٹھتا تھا ـــــ پس وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى $\frac{۲۰}{۱۲۱}$ میں آدم سے مُراد سربراہِ ریاست ہے جس نے خلافت ترک اور ملوکیت قائم کر کے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تھی ۔

● ۳؎ زَوج کا معنیٰ لکھا گیا ہے ساتھی ۔ اِس لفظ کا مستقل معنیٰ ہے ہی ساتھی ۔ میاں بیوی کو زوج اسلئے کہا جاتا ہے کہ وہ ایکدوسرے کے زندگی کے ساتھی ہیں ۔ سربراہِ ریاست کے ساتھی عوام ہیں ۔ اور یہاں ریاست کے متوازن نظام

کی ابتدائی کڑی بتائی گئی ہے کہ سربراہِ ریاست اور عوام میں کوئی غیریت نہیں، بلکہ وہ اُس کے ساتھی ہیں۔ ضروریاتِ زندگی کے لحاظ سے وہ بالکل سربراہِ ریاست کے برابر حقوقِ ربوبیت کے حقدار ہیں۔

● ۴ اَلْجَنَّۃ کا معنی لکھا گیا ہے جنتی معاشرہ۔ قرآنی ثبوت کیلئے سورہ طٰہٰ کی آیت ذیل ملاحظہ فرمائیں جس میں جنت کی یہ تعریف بتائی گئی ہے :۔ اِنَّ لَکَ اَلَّا تَجُوْعَ فِیْھَا وَلَا تَعْرٰی ۙ وَ اَنَّکَ لَا تَظْمَؤُا فِیْھَا وَلَا تَضْحٰی ۰ $\frac{20}{118-119}$ (جنت وہ ہے کہ) بیشک تیرا حق ہے کہ نہ تو اس میں بھوکا رہے نہ ننگا۔ اور بیشک نہ تو اس میں پیاسا رہے (نہ بے مکان ہو تاکہ) نہ تو دھوپ میں جلے۔ پس قرآنِ کریم نے ایسے متوازن معاشرہ کو دنیا کی جنت کہا ہے جس میں کوئی فردِ بشر خوراک لباس، پیاس اور رہائش کی چار بنیادی ضرورتوں سے محروم نہ ہو۔ بلکہ ان چاروں کا اُسے قانوناً مساویانہ حق حاصل ہو۔

● ۵ کُلَا اور شِئْتُمَا کے تثنیہ کے صیغوں میں جو سربراہِ ریاست اور عوام کے مساویانہ حقوقِ رہائش و معاش کی ضمانت دیگئی ہے اس سے معاشرہ کے خواص و عوام مُراد ہیں، حضرتِ آدم و حوّا مراد نہیں ہیں، کیونکہ یہاں میاں بیوی کے حقوق کی وضاحت نہیں کی گئی، بلکہ افرادِ معاشرہ اور سربراہِ ریاست کے مساوی حقوق کا اعلان کیا گیا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ریاستی نظام کے قیام کے بغیر چارہ کار نہیں ہے۔ لیکن چونکہ اس نظام میں رزق کے سرچشموں پر سربراہِ ریاست اور اسکے عمّال کا قبضہ و اقتدار ہوتا ہے۔ وہ نشۂ اقتدار میں بدمست ہوکر عوام کے حقوقِ ربوبیت کو نظرانداز کر دیتے ہیں، اسلئے فَکُلَا مِنْ حَیْثُ شِئْتُمَا کے تثنیہ کے صیغوں میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ تم دونوں خواص و عوام کے حقوقِ ربوبیت مساوی متعین کئے گئے ہیں۔

● ۶ وَلَا تَقْرَبَا ھٰذِہِ الشَّجَرَۃَ کے الفاظ میں شجرِ ممنوعہ فَکُلَا مِنْ حَیْثُ شِئْتُمَا کی ضد انفرادی مفاد پرستی ہے، جس کی ابتدا اجتماعی حقوقِ ربوبیت کے انکار اور طبقاتی استکبار سے ہوتی ہے۔ کتبِ روایات میں اسرائیلیات کا دیا ہوا تصوّر صحیح نہیں ہے کہ شجرِ ممنوعہ گندم، انگور یا لسی تھا۔ یہ چیزیں حلال ہیں حرام نہیں۔

● ۷ ظٰلِمِیْنَ ظالم کی جمع ہے، اسکا سہ حرفی مادہ ظ۔ل۔م = ظلم ہے۔ جس کا بنیادی معنی ہے کوئی بے ٹھکانہ کام کرنا، جس کا نتیجہ بالکل اُلٹ برآمد ہو۔ جیسے کہ فَکُلَا مِنْ حَیْثُ شِئْتُمَا کے الفاظ میں اجتماعی معاشی توازن قائم کرنے کا حکم عدل و انصاف کا پیکر بھی ہے اور اجتماعی امن و اطمینان کا موجب بھی۔ لیکن اسکی ضد انفرادی مفاد پرستی ظلم ہے، جس سے بے کس و بے بس افراد کی حق تلفی بھی ہوتی ہے اور نتیجہ بھی اس طرح اُلٹ برآمد ہوتا ہے کہ جس زمین کو اللہ تعالیٰ نے جنت بنانے کا حکم دیا ہے وہ جہنم بن جاتی ہے۔ اور جس معاشرہ کو امن و اطمینان کا گہوارہ ہونا چاہیئے وہ فساد اور عدم اطمینان کا پیکر بن جاتا ہے۔

ابلیس، نفسِ امّارہ کی پہلی فریب کاری

● قرآنِ کریم بتاتا ہے کہ ارشادِ ربانی فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا کے متوازن حکم کیمطابق نوعِ انسانی نے جنتی معاشرہ قائم کرلیا، لیکن ابلیس جس نے نوعِ انسانی کو ناشکر گزار بنانے کا دعوای کر رکھا تھا، اُس نے اپنا اعلان کردہ مفاد پرستی کا حربہ استعمال کرکے ریاست کے سربراہ اور عوام کو الگ الگ انفرادی مفاد پرستی کا فریب دیا۔ جس کی وضاحت سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں مذکور ہے۔ لیکن جیسے کہ پیچھے وضاحت کردی گئی ہے کہ جو شخص اپنے آپکو ابلیس (نفسِ امّارہ) کے مطیع کردے، قرآنِ کریم اُسے شیطان کہتا ہے۔ چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں شیطان کا لفظ اُس مجسّم ابلیس کیلئے آیا ہے، جس نے ابلیس (نفسِ امّارہ) کا محکوم ہوکر معاشرہ کے سربراہ اور عوام دونوں کو انفرادی مفاد پرستی پر اُکسایا۔ اُسے اس میں اپنا مفاد مقصود تھا کہ اجتماعیت کے خاتمہ اور انفرادیت کے نفاذ سے اُسے بھی ذاتی منفعت کے حصول کا موقعہ میسّر آتا تھا۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے :-

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا[1]
پھر وسوسہ دیا واسطے دونوں شیطان نے تاکہ ظاہر کرے واسطے دونوں کے

مَاوُرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا
جو مخفی تھی سے دونوں کے سے برائیوں دونوں کی۔ کہا نہیں روکا تم دونوں کو

رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا
رب تمہارے دونوں نے اس جھگڑہ مگر کہ نہ ہوجاؤ تم دونوں

مَلَكَيْنِ[3] اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ۝ ۲۰
ملک۔ یا تم ہوجاؤ سے ہمیشہ رہنے والے

وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ
اور قسمیں کھا دونوں کو بیشک میں ہوں واسطے تم دونوں کے ضرور میں سے

النّٰصِحِيْنَ ۝ ۲۱
خیر خواہوں کے

پھر اُن دونوں (خواص و عوام) کو شیطان نے وسوسہ[1] دیا تاکہ اُن دونوں کی وہ خرابیاں (جو ابھی تک) اُن دونوں سے مخفی تھیں[2] ان دونوں پر ظاہر ہوجائیں۔ چنانچہ اُس نے اُن دونوں کو کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تم دونوں کو اس شجرِ ممنوعہ سے اسلئے منع کردیا تھا کہ کہیں تم دونوں ملک نہ ہوجاؤ[3] (یعنی تمہارا اختیار و ارادہ نہ چھین جائے۔ اور تم دونوں کہیں اِن نعمتوں) میں ہمیشہ رہنے والے نہ ہوجاؤ[4]۔

اور اُس نے اُن دونوں سے قسمیں کھا کھا کر کہا کہ بلاشبہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں[5]۔ (میں تم دونوں کو تمہارے ہی بھلے کیلئے نصیحت کرتا ہوں)۔

● [1] فَوَسْوَسَ لَهُمَا سے مُراد یہ ہے کہ اُنہیں شیطان (مجسّم ابلیس انسان) نے ورغلایا کہ اجتماعی نظام میں وہ الگ الگ جائدادیں نہیں بنا سکتے، اسلئے انہوں نے انفرادی مفاد پرستی کی راہ اختیار کرلی۔

● [2] لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَاوُرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا کا مفہوم یہ ہے کہ جبتک وہ اجتماعی نظام پر قائم رہے اُسوقت تک اُنکی خود غرضانہ صفات ابھی اُن سے مخفی تھیں۔ لیکن جب انفرادی مفاد پرستی اختیار کرلی تو ظاہر ہوگیا کہ [illegible]

فریب، رشوت، ملاوٹ وغیرہ کیا کیا برائیاں کر سکتے ہیں۔

● ۳ۓ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ کے ضمن میں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ملک اور بشر میں نمایاں فرق یہ ہے کہ جملہ کائناتی قوتوں (ملائکہ) میں ذاتی اختیار و ارادہ موجود نہیں، بلکہ خالقِ کائنات نے انہیں جس جس نہج پر چلا دیا ہے وہ بلا چون و چرا اُس پر چل رہی ہیں۔ لیکن اسکے برعکس نوعِ آدم صاحبِ اختیار و ارادہ ہے :۔ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۔۔ ۴۱/۴۰ جیسے عمل اچھے یا بُرے تم خود چاہو کرو ۴۱/۴۰۔ انہیں فریب دیا گیا کہ کہیں تمہارا اختیار و ارادہ تم سے چھن نہ جائے۔

● ۴ۓ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ سے مراد یہ ہے کہ کہیں تم ان اجتماعی نعمتوں کے دائمی مالک نہ بن سکو۔ اور پھر کسی کی جائداد اس کی اولاد میں تقسیم نہ ہو۔ پس شیطان نے جو نفسِ امّارہ (ابلیس) کا محکوم انسان ہی تھا، ریاستی نظام کے خواص عوام دونوں کو الگ الگ ذاتی ملکیت کی ترغیب دی، حتّٰی کہ سربراہِ نظام کو ملوکیت کے اجرا کا لالچ دیا تاکہ اُس کے لئے حکومت و سلطنت کا دوام ہو جائے۔ یعنی اُسکی موت کے بعد سلطنت کا وارث اُسکا بیٹا ہو اور اُسکی موت کے بعد اس کا بیٹا۔ سورہ طٰہٰ میں اجراءِ ملوکیت کے اسی تصور کو کھل کر بیان کر دیا گیا ہے۔ یہاں ۔۔ ۷/۲۰ میں بصیغۂ تثنیہ آیا ہے فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ کہ شیطان نے خواص و عوام یا صدر و عوام، دونوں کو ورغلایا ۔۔۔ مگر سورہ طٰہٰ ۲۰/۱۲۰ میں اکیلے سربراہِ سلطنت کیلئے بصیغہ واحد آیا ہے :۔ فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ، شیطان نے سربراہِ ریاست کو یہ کہہ کر ورغلایا :۔

قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ۲۰/۱۲۰ اس نے کہا کہ اے آدم! (اے سربراہِ ریاست!) کیا میں تجھے ایک سدا بہار درخت یعنی ایسی حکومت کی خبر دوں جو کبھی پرانی نہ ہو (یعنی) جو ہمیشہ تیرے ہی خاندان میں رہے (تیرے بعد تیرے بیٹے کو ملے اور اسکے بعد تیرا پوتا اسکا وارث ہو) پس یہ ہے سلطنت کو دائمی طور پر نالائق بیٹوں اور عیاش و بدمعاش پوتوں اور پرپوتوں کی طرف منتقل ہوتے چلے جانے کا وہ شیطانی چکر جس کے لالچ کی بدولت استبدادی نظام یعنی نظامِ ملوکیت کی ابتدا ہوئی۔

● فلہٰذا سورہ طٰہٰ کی آیت نمبر ۲۰/۱۲۰ سے بصورتِ نصف النہار ثابت ہو چکا ہے کہ خدا تعالیٰ اور ملائکہ کے مابین مکالمہ میں متوازن اجتماعی نظام زیرِ بحث ہے۔ اور اسکے ضمن میں شیطان اور آدم کے ذکر میں یہ خبر دی گئی ہے کہ ابتدا میں نوعِ آدم کے ذہن میں میری اور تیری کا کوئی تصور موجود نہیں تھا۔ کرہ ارض پر ذاتی ملکیت کی لکیریں نہیں کھینچی گئی تھیں۔ اللہ کی زمین پر اللہ کی مخلوق پوری نوعِ آدم کو مساویانہ طور پر حقِّ رہائش اور حقِّ ضروریاتِ زندگی قانوناً حاصل تھا۔ خدا تعالیٰ کے ہدایت فرمودہ اجتماعی نظام پر کاربند رہ کر صدر و عوام جنت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ یہ تھی وہ اجتماعیت کی جنت جس سے انہیں شیطان نے نکال کر انفرادیت کے جہنم میں گرا دیا۔

● ۵ۓ قَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ کے الفاظ سے کھل کر عیاں ہو چکا ہے کہ یہ اُنہی میں سے ایک نفسِ امّارہ کا محکوم انسان تھا۔ پیچھے وضاحت کی جا چکی ہے کہ نفسِ امّارہ کے محکوم انسان کو قرآن کریم نے شیطان کہا ہے۔ ذیل میں مزید

وضاحت ملاحظہ فرمائیں۔ سورہ نساء میں بتایا گیا ہے کہ ایسے شیطان لوگ خیر خواہی کا لبادہ اوڑھ کر اور عوام کے ہم نشین بن کر انہیں گمراہ کرتے ہیں :- اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَاۨ ﴿۳۶﴾ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۚ ﴿۳۷﴾ وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ﴿۳۸﴾ ۴/۳۷-۳۸

جو لوگ خود بھی (انفرادیت کا شکار ہو کر) بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کا، (یعنی ذاتی مفاد پرستی کا) حکم دیتے ہیں۔ اور جو مال انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے دیا ہے اُسے (خزانہ کر کے) چھپا رکھتے ہیں۔ (ایسے لوگ عذاب کے مستحق ہیں) حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اجتماعیت کے منکروں کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (ایسے لوگ انفرادیت کے عذاب میں مبتلا رہتے ہیں)۔ اور وہ لوگ بھی اسکا شکار بنے رہتے ہیں جو اپنے مالوں کو دکھاوے کیلئے خرچ کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو نہ اللہ پر ایمان ہوتا ہے نہ آخرت پر (یہ سب کارگزاری شیطان (نفس امارہ) کی ہے) حقیقت یہ ہے کہ جس کسی کا شیطان ہم نشین ہو وہ ہم نشینی کے لحاظ سے بہت بُرا ہم نشین ہے (وہ انفرادیت کے عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے)۔

● بس یہی حال ہوا کُرۂ ارض پر قائم ہونیوالے اوّلین مرکزی نظاموں کا کہ کہیں تو وزیر و مشیر بن کر سربراہ نظام کو اجتماعیت سے گمراہ کر کے ملوکیت کی اجراء کروائی اور کہیں ہم نشین کی صورت میں خیر خواہ بن کر عوام کو انفرادیت کے جہنم میں دھکیل دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سربراہ و عوام دونوں نے انفرادی فخر و انکار کے شجرِ ممنوعہ کا مزہ چکھ لیا :-

فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ

پس گرا دیا دونوں کو ساتھ دھوکے کے پھر جب چکھا دونوں نے شجرِ ممنوعہ

بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا

ظاہر ہو گئے واسطے دونوں کے عیب دونوں کے اور لگے دونوں ڈھانپنے اوپر اپنے دونوں

مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَاۤ اَلَمْ

سے قانون جنت کا - اور پکارا دونوں کو رب دونوں کے نے کیا نہیں

اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَاۤ اِنَّ

منع کیا تم دونوں کو سے مذکورہ جھگڑے اور کیا نہیں کہا تھا تم دونوں کو بیشک

الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۲﴾

شیطان ہے واسطے تم دونوں کے ظاہر دشمن

پس شیطان نے (صدر و عوام) دونوں کو دھوکے کیساتھ (اجتماعیت کی بلندیوں سے انفرادیت کی پستیوں میں) گرا دیا۔ پھر جب دونوں نے (انفرادی فخر و انکار کے) شجرِ ممنوعہ کا مزہ چکھا تو ان دونوں کی بُرائیاں ایکدوسرے پر ظاہر ہو گئیں اس پر انہوں نے پھر سے (اجتماعیت کے) جنتی قانون کو اپنے اوپر لاگو کرنا شروع کیا۔ (تو اس طرح پھر معاشرہ جنت بدوش ہو گیا۔ ان کے پروردگار نے (اپنے انبیاء کی معرفت) اُن سے کہا کیا میں نے تمہیں اس (تکبر و انکار کے) شجرِ ممنوعہ سے منع نہیں کیا تھا اور کیا نہیں کہا تھا کہ شیطان تمہارا ظاہر دشمن ہے۔

● ۱؎ فَدَلّٰھُمَا میں دلّٰی کا لفظی معنٰی ہے نیچے لٹکا دیا۔ پس مفہوم یہ ہوا کہ شیطان نے دونوں کو نیچے لٹکا دیا تھا۔ یہ الفاظ بطور مجاز آئے ہیں اور مفہوم یہ ہے کہ شیطان نے انہیں اجتماعیت کی بلندیوں سے انفرادیت کی پستیوں میں گرایا۔

● ۲؎ ذَاقَا کا لفظی معنٰی یہ ہے کہ اُن دونوں نے مزہ چکھا۔ مزہ چکھنے کا محاورہ اُس عمل کے نتیجے کیلئے بولا جاتا ہے جس عمل کی بدولت، عمل کرنیوالے کو انتہائی ذلیل ہونا پڑے۔ چنانچہ انفرادیت کے طبقاتی نظام میں ہر طرف قانون شکنی کا دَور دورہ ہوتا ہے۔ صدر ہو یا عوام کے داخلی طبقات، سب کا باہمی اعتماد اُٹھ جاتا ہے۔ حکومت عوام پر بڑے بڑے ٹیکس لگاتی ہے مگر عوام قِسم قِسم کے حربوں کے ذریعہ انکی ادائیگی سے پہلو تہی کرتے چلے جاتے ہیں۔ خود عوام کا عوام پر اعتماد نہیں رہتا، کیونکہ انفرادی نظام میں ہر شخص ہوسِ زر کے ماتحت ہر آن جھوٹ، فریب، رشوت، ملاوٹ اور چور بازاری وغیرہ کے تمام حربے استعمال کرتا چلا جاتا ہے۔

● ۳؎ بَدَتْ لَھُمَا سَوْاٰتُھُمَا سے مُراد یہ ہے کہ سربراہ و عوام اور خواص و عوام کے خود غرضانہ خصائص کو اجتماعی نظام میں سر اُٹھانے کا موقعہ نہیں ملتا = یہ اسلئے کہ ہر شخص کو اسکی ضروریات زندگی بر وقت اور حسبِ ضروریات ملتی چلی جاری ہوتی ہیں لیکن انفرادی نظام میں ایک طرف تو بے وسیلہ افراد ضروریاتِ زندگی سے محروم ہو جاتے ہیں؛ اسلئے وہ حصولِ ضروریات کیلئے ناجائز طریقے استعمال کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور دُوسری طرف وسائل والے لوگ وسائل کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ دولت سمیٹنے کیلئے ہر جائز ناجائز حربہ استعمال کرتے چلے جاتے ہیں۔ اور اس طرح اس حمام میں سب ننگے ہوتے ہیں۔

● کتبِ روایات نے بَدَتْ لَھُمَا سَوْاٰتُھُمَا سے چیستانی تصور پیدا کیا ہے کہ حضرت آدمؑ و حوّاؓ جنّت میں شجرِ ممنوعہ گندم، انگور یا لستن کھا لینے کی بدولت دونوں ننگے ہو گئے اور ایکدوسرے کی شرمگاہیں اُن پر ظاہر ہو گئیں معاذ اللہ! معاذ اللہ! استغفر اللہ! ۔ کتبِ روایات نے اِن چیستانیات کو ۱۱/۹۱ + ۲۰/۵۵ + ۴۳/۳۲ + ۱۷/۱۷-۱۸ کے خلاف اِس مقام سے شروع کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرتِ آدمؑ کا بُت بنا کر اُسکی پسلی سے اُسکی بیوی نکالی اور انہیں جنّت میں رہنے کا حکم دیا مگر متنبہ کر دیا کہ جنّت میں جہاں سے چاہو کھاؤ مگر اس درخت کے نزدیک نہ جانا۔ وہ درخت کیا تھا؟ روائتی تفاسیر میں درج ہے کہ وہ گندم کا درخت تھا یا انگور کا یا لستن کا درخت تھا۔ لیکن ہُوا یہ کہ دونوں میاں بیوی باز نہ آئے اور اُس ممنوعہ درخت کو چکھ لیا پھر کیا ہُوا؟ دونوں میاں بیوی ننگے ہو گئے، اُن کا لباس اُتر گیا۔ معاذ اللہ! استغفر اللہ!

● شجر کا معنٰی صرف درخت ہی نہیں بلکہ اسکا معنٰی جھگڑا اور تنازعہ بھی ہے۔ آیات زیر بحث میں ھٰذِہِ الشَّجَرَۃَ اور تِلْکُمَا الشَّجَرَۃِ سے کوئی درخت ہرگز مُراد نہیں۔ بلکہ یہاں انفرادی نظام کو جو باہمی جھگڑوں کا تنازعوں کا سرچشمہ ہے، اَلشَّجَرَۃ کہا گیا ہے اور اسی کی قربت سے منع کیا گیا ہے۔ نیز شجرِ ممنوعہ کی تعریف کیگئی اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ کے الفاظ

ہیں - یعنی قوانینِ خداوندی کا انکار اور فخر و تکبر، جس سے اَلشَّجَرَۃَ یعنی جھگڑے اور تنازعے جنم لیتے ہیں - ابتدائی معاشرے اجتماعیت کی اساس پر قائم ہوئے مگر شیطان، ابلیس مجسّم انسانوں کے ورغلانے پر جب انفرادیت رائج ہوئی تو صدور و عوام اور خواص و عوام سب کی مضمر (پوشیدہ) برائیاں کھل کر عیاں ہو گئیں - واضح رہے کہ آیت مجیدہ کے ان الفاظ میں اس امر کی وضاحت موجود ہے کہ انفرادی نظام میں جھوٹ، فریب، رشوت، ملاوٹ اور چور بازاری وغیرہ جرائم کا متعدی امراض کی طرح پھوٹ پڑنا ایک لازمی امر ہے - لیکن اجتماعی نظام میں یہ جرائم از خود دم توڑ دیتے اور خود بخود ختم ہو جاتے ہیں -

● ۴ وَطَفِقَا يَخۡصِفٰنِ عَلَيۡهِمَا مِنۡ وَّرَقِ الۡجَنَّةِ سے کُتب روایات نے یہ تصور دیا ہے کہ جب حضرت آدم اور حوّا جنت میں ننگے ہو گئے تو برہنگی کو ڈھانپنے کیلئے اپنی اپنی شرمگاہوں پر جنت کے درختوں کے پتے جوڑنے شروع کئے - افسوس ہے کہ اس چیستانی تصور میں اللہ تعالیٰ کے اوّلین نبی ؑ کی عصمت و حرمت کا پاس بھی نہیں کیا گیا - حقیقت وُہی ہے جو بیان کر دیگئی ہے کہ ان آیتوں میں حضرت آدم و حوّا کا قصہ نہیں بیان کیا گیا، بلکہ ان میں ابتدائی معاشروں کا تذکرہ ہے کہ کرۂ ارض پر نوعِ آدم زمین میں سے پیدا کیگئی تھی، جس کا واضح ثبوت کھلے الفاظ میں آیات مجیدہ ۱۱/۶۱ + ۲۰/۵۵ + ۵۳/۳۲ + ۷۱/۱۷-۱۸ میں موجود ہے - اللہ تعالیٰ نے اپنے اوّلین انبیاء کی معرفت اجتماعی مرکزی نظام کا حکم دیا - جس سے ایسا جنتی معاشرہ قائم ہوا جس میں رَغَدًا حَيۡثُ شِئۡتُمَا کی قرآنی خبر کے مطابق خواص و عوام کے ہر فرد کو متوازن ضروریاتِ زندگی میسر آتی تھیں، لیکن نفسِ امّارہ کے محکوم شیطانوں نے جنتی متوازن اجتماعی نظام کو انفرادی شیطانی نظام میں بدل دیا - تو پھر صدور و عوام کے وُہ بُرے خصائل جنہیں انہوں نے پھر سے اجتماعی نظام کے قیام کے ذریعہ معدوم کر دیا - بالفاظِ دیگر انہوں نے پھر سے جنتی قانون کو اپنے اُوپر لاگو کر کے اپنے آپکو اُسکے مطیع کر دیا -

● وَرَقِ الۡجَنَّةِ میں ورق بمعنی قانون ہے - اور جنت بمعنی وہ معاشرہ ہے جس میں ہر طرف ضروریاتِ زندگی کی فراوانی ہو - سورہ کہف ۱۸/۱۹ میں ورق بمعنی قانونی سکہ آیا ہے، جو کسی حکومت میں قانوناً چل رہا ہو - سکے کو بھی ورق اس لئے کہا جاتا ہے کہ اُسے قانون کی سند حاصل ہوتی ہے - اور جنت بمعنی متوازن معاشرہ سورہ طٰہٰ ۲۰/۱۱۸-۱۱۹ میں آیا ہے جس کا ذکر پیچھے صفحہ ۱۳۲ پر گزر چکا ہے -

● ۵ نَادٰىهُمَا رَبُّهُمَا کے الفاظ میں انبیاء سلام علیہم کا واسطہ محذوف ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ معاشرہ کے سربراہ اور خواص و عوام میں سے کسی کیساتھ بھی براہِ راست خطاب نہیں کرتا تھا، بلکہ اپنے منتخب نمائندوں انبیاء سلام علیہم ہی کے ذریعہ پیغام پہنچاتا تھا - چنانچہ ابتداءِ آفرینش میں کرۂ ارض پر جہاں جہاں بھی نوعِ آدم پیدا ہوئی تو اُن کی ہدایت کے لئے اُنہی میں سے نبی رسول مبعوث کر کے اجتماعی نظام کے قیام کا حکم دیا - اور پھر جب اجتما

کو ملوکیت اور انفرادیت میں بدل کر عوام و خواص ننگے ہو گئے تو پھر بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء ہی کے ذریعہ ارشاد فرمایا کہ کیا میں نے تمہیں انفرادی مفاد کوشی کے شجرِ ممنوعہ سے منع نہیں کیا تھا؟

● ۱۵؎ شجرِ ممنوعہ کے متعلق پیچھے کھل کر وضاحت کر دی گئی ہے کہ نہ یہ گندم کا درخت ہے نہ انگور کا بستن کا، بلکہ یہ ملعون انفرادی نظام ہے جس میں افرادِ معاشرہ کی ضروریاتِ زندگی کی ضمانت ریاستی نظام کے ذمہ نہیں ہوتی اور اس طرح انفرادی مفاد کے ٹکراؤ سے قدم قدم پر جھگڑے تنازعے (اشجار) پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں۔ سب ایکدوسرے کے دشمن ہو جاتے ہیں۔ اور ہر طرف بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۲/۳۶ + ۷/۲۴ کا منظر پیدا ہو جاتا ہے۔

● ۱۶؎ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ کے الفاظ میں اعلان کیا گیا ہے کہ جو شخص انفرادی نظام کے قیام کی ترغیب دے اور اجتماعی نظام سے روکے وہ شیطان ہے اور نوعِ انسانی کا کھلا دشمن ہے، جو انفرادیت کے ذریعہ نوعِ انسانی کو ناہموار معیشت اور باہمی جھگڑوں، تنازعوں اور عداوتوں کے جہنم میں دھکیلنا چاہتا ہے۔ شیطان وہ شخص ہے جو نفسِ امّارہ کا محکوم ہو کر مجسّم ابلیس بن چکا ہوتا ہے۔ کھلے دشمن کی نشانی ہے ناہموار معاشرہ کی ترغیب یا سفارش کرنیوالا۔

● الختصر! یہاں تک اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ ابتدائی دور میں جب اجتماعیت کو ملوکیت و انفرادیت میں تبدیل کر دیا گیا اور انفرادیت کے بُرے نتائج ظاہر ہو گئے تو پھر چونکہ ابھی جنتی اجتماعی نظام کی خوبیاں نگاہوں کے سامنے تھیں اور اجتماعیت کے شجرِ طیبہ کا خوشگوار ذائقہ ابھی سربراہ و عوام کی زبانوں پر موجود تھا، اس لئے صدر و عوام دونوں اجتماعیت کی طرف لوٹ آئے۔ اپنی غلطی کا عاجزانہ اقرار کیا اور اپنے پروردگار سے مغفرت و رحمت کے طلبگار ہوئے:-

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا
کہا رب ہمارے ظلم کیا ہمنے جانوں اپنی پر اور اگر نہ تو معاف کرے واسطے ہمارے

وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۲۳
اور نہ رحم کرے ہمکو تو البتہ ہم ہو جائینگے میں سے گھاٹا پانیوالوں

(صدر و عوام سب نے کہا) اے ہمارے پروردگار ہمنے (اجتماعیت کی بجائے انفرادیت اختیار کر کے) اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اگر تو ہمیں بچاؤ عطا فرمائے اور ہم پر رحمت نہ کرے تو ہم نقصان اٹھانیوالوں سے ہو جائینگے۔

● اس سے اگلی آیات مجیدہ میں پھر:-

پچھلے مضمون کو تکرار تاکیدی کے طور پر مختصراً دُہرا کر بتایا گیا ہے کہ تم اجتماعیت کو چھوڑ کر ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے ہو۔ تم سب انفرادیت میں سے نکلو اور ذہن نشین کر لو کہ زمین میں تم خواص و عوام کا رہائش و ضروریات زندگی کا مساوی حق ہے:-

قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ
کہا نکلو بعض تمہارا واسطے بعض کے دشمن
وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ
اور واسطے تمہارے بیچ زمین کے حق رہائش اور حق ضروریات ہے
إِلَىٰ حِينٍ ○ ۲۴
تک مدت کے

(اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاءؑ کے ذریعہ) فرمایا کہ تم سب خواص و عوام اس (انفرادیت سے) نکلو۔ تمہارا بعض (ذاتی مفاد کے ٹکراؤ کی بدولت) بعض کا دشمن ہو گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ زمین میں تم سب (خواص و عوام) کیلئے آخری دم تک کیلئے حقِ رہائش بھی مسلّم ہے اور حقِ ضروریاتِ زندگی بھی مسلّم ہے۔

پُوری نوعِ انسانی کیلئے اس عنوان کے ابتدا میں بھی اور انتہا میں بھی مساوی حقوقِ انسانی کا اعلان

● واضح رہے کہ مندرجہ بالا صفحات پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ انسان کے بنیادی حقوق سے متعلقہ عنوان ذیل کے الفاظ میں ۷/۱۰ سے شروع ہُوا ہے:۔

● وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ ۷/۱۰ اور اے نوعِ آدم! بیشک ہم نے تمہارے ایک ایک فرد کو زمین میں حقِ رہائش بھی دیا ہے اور حقِ معاش بھی عطا فرمایا ہے —— اور ۷/۲۴ کے الفاظ ذیل پر ختم ہُوا ہے:۔

● وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ۷/۲۴ اور اے نوعِ انسانی! تم سب کے سب کے آخری دم تک کیلئے زمین میں حقِ رہائش بھی مسلّم ہے اور حقِ ضروریاتِ زندگی بھی مسلّم ہے —— واضح رہے کہ نوعِ انسانی کے انہی پیدائشی حقوقِ رہائش و معاش کا اعلان ۷/۲۴ والے الفاظ ہی میں ۲/۳۶ سورہ بقر میں بھی وضاحتاً گزر چکا ہے۔

● پس سورہ بقرہ اور سورہ اعراف میں عنوانِ بالا سے متعلقہ الفاظ کی یکسانیت سے پوری طرح کھل کر ثابت ہو چکا کہ سورہ اعراف کی آیاتِ بالا میں سورہ بقر ہی کے عنوان کو دہرایا گیا ہے۔ اور ان دونوں مقامات پر پوری نوعِ انسانی کے ایک ایک فرد کے متوازن اور مساوی حقِ رہائش و معاش کا اعلانِ عام کر دیا گیا ہے تاکہ ہر سربراہِ ریاست قرآنِ کریم کے اس تکراری اعلان کے مطابق کرۂ ارض کے ہر گوشے میں ایسا متوازن نظام قائم کرے جس میں ہر فردِ ریاست کے رہائش و معاش کے بنیادی اور پیدائشی حقوقِ بالا کو قانوناً تسلیم کیا جائے تاکہ کرۂ ارض سے بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ کا شیطانی رقص ختم ہو جائے۔ اور پورا کرۂ ارض جنتِ ارضی یعنی متوازن حقوقِ رہائش و معاش کی جیتی جاگتی تصویر بن جائے۔

اُخروی عدالت کی حاضری کو ہمیشہ یاد رکھو

● آیت زیرِ بحث ۷/۲۴ میں وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ کی وضاحت کے بعد اگلی آیت میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ مذکورہ بالا متوازن حقوق کی خلاف ورزی کرنیوالو! سب کیساتھ ساتھ تم بھی سُن لو کہ تم سب نے اسی زمین میں رہنا ہے اِسی میں

میں مرنا ہے، اور زندگی میں کئے گئے اچھے بُرے عملوں کی جواب دہی کیلئے تمہیں اسی زمین میں سے نکال کر حاضر عدالت کرلیا جائیگا:۔

قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَ مِنْهَا تُخْرَجُونَ ﴿٢٥﴾

کہا بیچ اسکے تمنے جینا ہے اور بیچ اسکے تمنے مرنا ہے اور میں سے اسکے نکالے جاؤ گے

(اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کہ (اے نوعِ انسانی!) تم سب اِس زمین ہی میں زندگی گزارنی ہے۔ اور اسی میں مَر جانا ہے اور اِسی میں سے تم (دوسری مرتبہ ۲۰/۵۵) اعمال کی جوابدہی کیلئے نکال لئے جاؤ گے[1]۔

● [1] مِنْهَا تُخْرَجُونَ پر غور کرنے کیلئے آیتِ بالا ۲۵/۷ کی مترادف سورہ طٰہٰ کی آیتِ ذیل ملاحظہ فرمائیں:۔

● مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ ۵۵/۲۰ اے نوعِ آدم! ہمنے تمہیں پہلی مرتبہ زمین میں سے پیدا کیا تھا اور (تمہارے مرنے کے بعد) ہم تمہیں اسی میں لوٹا دیتے ہیں۔ اور (تمہارے اعمال کی جوابدہی کیلئے) ہم تمہیں دوبارہ اسی زمین میں سے نکال لینگے۔

لباس التقویٰ اور جسمانی لباس

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت میں گزشتہ آیاتِ مجیدہ کے ربطِ باہمی کے مطابق اجتماعیت کو لباس التقویٰ کہا گیا ہے لیکن ساتھ ہی بتادیا گیا ہے کہ جسمِ انسانی کے ظاہری لباس اور آدمیت کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ خداوندِ علیم وعلاّم کو معلوم تھا کہ لوگ اُن مخبوط الحواس دیوانوں کو اللہ کے پاس پہنچے ہُوئے بزرگ قرار دیا کریں گے جو دماغی خرابی، دیوانگی اور پاگل پن کی بدولت واہی تباہی کلام کرتے ہیں، انہیں لباس پہنایا جائے تو اُسے پھاڑ دیتے اور ہمیشہ ننگے رہتے ہیں۔ جیسے کہ مادر زاد اور ننگوں کو اللہ کے ولی، ابدال، اوتاد اور غوث قطب وغیرہ کے خدائی عہدیدار قرار دیا جاتا ہے۔ حالانکہ آیتِ ذیل کے مطابق لباس پہننا فرض ہے:۔

يَا بَنِي آدَمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا[1] يُوَارِي سَوْآتِكُمْ وَرِيشًا وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ[2] ذَٰلِكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ[3] ﴿٢٦﴾

اے نوعِ آدم بیشک اُتارا ہے ہمنے اوپر تمہارے حکم لباس کا ڈھانپے برہنگی تمہاری اور خوبصورت ہو اور لباس بچنے کا مذکورہ بالا بہتر ہے۔ مذکورہ بالا میں سے نشانیوں اللہ کی ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں

اے نوعِ آدم بیشک ہمنے تم سب کے سب پر لباس پہننے کا حکم[1] نازل فرمایا ہے (اس شرط کیساتھ) کہ وہ تمہارے ننگ پن کو بھی ڈھانپے اور خوبصورت بھی ہو۔ اور مذکورہ بالا حکم (یعنی پوری نوعِ آدم کے حقِ رہائش وضروریات) کی نافرمانی سے بچنا ہی تو خیر (یعنی بھلائی)[2] ہے۔ مذکورہ بالا حکم اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ لوگ نصیحت پکڑیں[3] (یعنی ایسا استوار نظام قائم کریں جس میں کوئی شخص اپنے حقِ رہائش اور حقِ ضروریاتِ زندگی سے محروم نہ رہے)۔

● ۱؎ لِبَاسًا کی تنوین عوض مضاف ہے اور تقدیرِ کلام یہ ہے :۔ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ حُکْمَ لِبَاسٍ = بیشک ہمنے تم سب پر لباس پہننے کا حکم نازل فرمایا ہے۔ بصورت دیگر اگر اس تنوین کو عوض مضاف تسلیم نہ کیا جائے تو مشاہدہ معارض ہے کہ پہننے کا سِلا سلایا یا اَن سِلا لباس آسمان سے کبھی بھی نازل نہیں ہوتا۔

● ۲؎ ذٰلِکَ اسم اشارہ مذکر بعید ہے جو مذکورہ بالا کیلئے آتا ہے۔ اور مذکورہ بالا چونکہ مستقر و متاع کے حقِ انسانی کا اعلان ہے اسلئے لِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِکَ خَیْرٌ کا معنیٰ لکھا گیا ہے کہ مستقر و متاع کے متوازن حکم کی خلاف ورزی سے بچنا ہی تو بھلائی ہے۔

● غور طلب یہ امر ہے کہ آئت بالا میں جسمانی لباس اور لباس التقوٰی دو چیزیں الگ الگ بیان ہوئی ہیں جسمانی لباس بیک وقت دو شرطوں کیساتھ مشروط ہے کہ ننگ پن کو بھی ڈھانپے اور خوبصورت بھی ہو۔ پس آئت بالا کے مطابق ایسا باریک اور ایسا فِٹ لباس پہننا حکمِ باری کے خلاف ہے جو پہنا ہوا بھی ہو اور جسم کے اعضاء الگ الگ نمایاں بھی ہوں۔ نیز اس آئت مجیدہ میں یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ کے خطاب کیساتھ لباس پہننے کے حکم کے نفاذ سے عیاں ہے کہ مخبوط الحواس ننگے اس حکم سے مستثنےٰ ہیں کیونکہ اُن پر بوجہ دیوانگی کوئی شرعی پابندی لازم ہی نہیں۔ تو اس طرح جن دیوانوں کو قرآنِ کریم دائرۂ آدمیت ہی سے خارج قرار دیتا ہے، ہم ہیں کہ انہیں پہنچے ہوئے بزرگ، ولی، ابدال، اوتاد اور غوث قطب وغیرہ کے خداوندی عہدیدار مانتے ہوئے ہیں۔ فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ !

● آئت بالا میں دوسرے نمبر پر لِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِکَ خَیْرٌ کے الفاظ میں لباسِ تقوٰی کا ذکر آیا ہے۔ لباس کا لفظ سہ حرفی مادہ ل۔ ب۔ س سے ہے۔ جس کا بنیادی معنیٰ ہے لازم ہونا، ڈھانپ لینا، چھپا لینا = کپڑوں کو لباس اس لئے کہتے ہیں کہ وہ جسم کو ڈھانپ لیتے ہیں، چھپا لیتے ہیں۔ اور تقوٰی کا لفظ سہ حرفی مادہ و۔ ق۔ ی سے ہے، جس کا معنیٰ ہے بچانا۔ اور تقوٰی کا معنیٰ ہے خود بچنا۔ اَب چونکہ پیچھے مسلسل آئت نمبر ۱۰ تا ۲۵، سولہ آئتوں میں مستقر و متاع یعنی نوعِ انسانی کے حقِّ رہائش و ضروریاتِ زندگی کا اعلان چل رہا ہے۔ نیز چونکہ آگے بھی یہی عنوان جاری ہے اسلئے کلام کے سیاق و سباق دونوں سے ثابت ہے کہ یہاں مستقر و متاع کے خداوندی حکم کی خلاف ورزی سے بچنا یعنی ایسا نہ ہو کہ حقِ رہائش و متاع سے محرومی نوعِ انسانی کا لباس بن جائے۔ عرفِ عام میں تقوٰی پرہیزگاری لیا جاتا ہے، لیکن اس مشاہداتی حقیقت کو کبھی نہ بھولئے کہ ضروریاتِ زندگی سے محروم افراد سے پرہیزگاری کی کیا امید کی جاسکتی ہے ؟ جبکہ بھوک ننگ تو خود ایمان تک کے لئے زہرِ قاتل ثابت ہوتی ہے۔ تو اس طرح جہاں ہر آن ایمان ہی متزلزل ہو، وہاں پرہیزگاری کہاں سے آسکتی ہے ؟

● قرآنِ کریم نے بھوک کے لباس کو بجائے خود ایک عذاب قرار دیا ہے۔ سورہ نحل میں ایک نافرمان بستی والوں کے متعلق آیا ہے فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۰ ۱۶/۱۱۲ پس اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے

مصنوعی عملوں کی بدولت بھوک اور خوف کے لباس کا مزہ چکھایا۔ پس آیاتِ بالا میں اسی لِبَاسُ الْجُوْعِ وَالْخَوْف سے بچنے ہی کو کہا گیا ہے وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ ۲۶ اور اے نوعِ انسانی مذکورہ بالا حقِ رہائش و ضروریاتِ زندگی کے خداوندی حکم کی خلاف ورزی سے بچنا ہی تو بھلائی ہے۔

● ۱۳ آیتِ مجیدہ زیرِ بحث ۲۶ کا آخری جملہ انسانی غور طلب ہے ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ مذکورہ بالا اللہ تعالیٰ کی آیتیں ہیں، جن کی غرض یہ ہے کہ لوگ اِن سے نصیحت حاصل کریں۔ جیسے کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ اس آیت میں دو لباسوں کا ذکر ہے، جسمانی لباس، اور پوری نوعِ انسانی کے حقِ رہائش و ضروریاتِ زندگی کی مخالفت سے بچنے کا لباس۔ افسوس ہے کہ اِن دونوں کی مخالفت صدیوں سے اس طرح جاری ہے کہ معاشرہ کے دیوانے جو لباس پھاڑ کر ننگے ہو جاتے ہیں انہیں تو اولیا اللہ مانا جاتا ہے اور نوعِ انسانی کو لباس التقوٰی یعنی اسکے متوازن حقِ مستقر و متاع کی یہ کہہ کر مخالفت کی جارہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی بعض لوگوں کی قسمت میں بلا کرایہ رہائشی مکان کی بجائے کرائے کا مکان لکھ رکھا ہے اور ضروریاتِ زندگی کے لحاظ سے اس نے خود کسی کی قسمت میں بھوک ننگ لکھ دی ہوئی ہے۔ چنانچہ بخاری شریف کے باب الحیض میں حضرت انس رضی کی روائت ہے کہ ہر شخص کی سعادت یا شقاوت اور رزق کی تنگی یا فراخی عین اس کی پیشانی پر لکھ دی جاتی ہے جب وہ ابھی ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے، حالانکہ قرآنِ کریم کے دلائلِ قاطعہ کی رُو سے آپ سابقہ صفحات میں ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ پوری نوعِ انسانی کا پیدائشی حق ہے کہ اُسے زندگی کے آخری دم تک بلا کرایہ رہائش اور ضروریاتِ زندگی مسلسل میسر آتی رہیں۔ بالفاظِ دیگر معاشرہ کا ایسا نظام قائم ہونا چاہیئے جس میں مذکورہ انسانی حقوق کی ضامن مرکزی حکومت ہو۔

● پیچھے آپ آئت نمبر ۲۰ میں ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ شیطان (ابلیس مجسّم انسان) نے صدر و عوام کو اجتماعی نظام کی جنت سے نکال کر انفرادی نظام کے جہنم میں جھونک دیا تھا۔ اِس لئے اگلی آئت مجیدہ میں متنبہ کیا گیا ہے کہ آئندہ کے لئے محتاط رہنا:-

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ
اے نوعِ آدم! نہ فتنے میں ڈال دے تم کو شیطان، جیسے نکالا

اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا
ماں باپ تمہارے کو جنت سے کھینچتا تھا سے دونوں کے لباس دونوں کے

لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ
تاکہ ظاہر ہو دونوں پر بُرائی دونوں کی بیشک وہ دیکھتا ہے تم کو وہ اور قبیلہ اُس کا

اے نوعِ آدم! (ہوشیار باش!) ایسا نہ ہو کہ تمہیں بھی شیطان انفرادیت کے فتنے میں مبتلا کر دے، جیسے کہ اُس نے تمہارے اولین ماں باپوں کو اجتماعی نظام کی جنت سے نکال دیا تھا۔ اُس نے اُن پر اُن کا (مستقر و متاع) کا لباس کھینچ لیا تاکہ اُن پر اُن کی برائیاں عیاں ہو جائیں۔ بیشک وہ اور اسکے شطو گروہ تمہیں اس مقام سے دیکھتے ہیں جہاں

مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۗ إِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ سے وہاں نہیں تم دیکھتے ان کو۔ بیشک ہمنے پایا ہمنے شیطانوں کو اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۷﴾ دوست واسطے اُن کے جو نہیں وہ ایمان لاتے	سے تم نہیں دیکھتے بیشک ہم نے شیطانوں کو دوست پایا ہے اُن کا جو (نوعِ آدم ہی کے حقِ مستقر و متاع پر) ایمان نہیں لاتے

● ۱؎ بنی آدم کا معنیٰ لکھا گیا ہے نوعِ آدم۔ کیونکہ قرآنی رہنمائی کے مطابق نوعِ آدم کسی ایک شخص آدم کی اولاد نہیں ہے بلکہ پیچھے واضح کیا جا چکا ہے کہ ۱۱/۶۱ ۲۰/۵۵ ۵۳/۳۲ ۱۷/۱۷-۱۸ کے مطابق نوعِ آدم کو زمین میں سے پیدا کیا گیا تھا۔ نیز خود زیرِ نظر سورہ اعراف ۱۱/۷ میں بھی ارشاد ہوا ہے وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ اور البتہ تحقیق ہم نے تم بہت سوں کو پیدا کیا۔ پھر بہت سوں کو ارتقائی منازل سے گزار کر موجودہ صورت میں لائے۔ (پھر اس طرح جب تم کائناتی قوتوں سے کام لینے کے قابل ہو گئے تو) ہمنے جملہ کائناتی قوتوں کو بزبانِ حال حکم دیا کہ تم سب کی سب نوعِ آدمی کی فرمانبردار ہو جاؤ۔ پس چونکہ ان قرآنی دلائلِ قاطعہ کے مطابق نوعِ انسانی کسی ایک شخص آدم کی اولاد نہیں، اسلئے بنی آدم کا جو معنیٰ لکھا ہے نوعِ آدم، صد فیصد صحیح ہے۔

● ۲؎ سابقہ صفحات میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ نوعِ آدم ابتدائی معاشرہ کے جس فتنے میں مبتلا ہوئی تھی وہ انفرادی مفاد کوشی ہی کا فتنہ تھا۔ اسلئے یہاں لَا يَفْتِنَنَّكُمْ کے الفاظ میں اسی فتنے کی خبر دیگئی ہے۔

● ۳؎ اَبَوَيْكُمْ سے بابا آدم اور حوّا مراد لینا قرآنِ کریم کی رُو سے غلط ہے کیونکہ نوٹ ۱؎ کے مطابق نوعِ آدم کے بہت سے افراد مرد و عورتیں زمین میں سے پیدا کئے گئے تھے۔ اسلئے اَبَوَيْكُمْ کا معنیٰ تمہارے اوّلین ماں باپ صحیح ہے۔ کیونکہ اس نوع کے اوّلین ماں باپ الگ الگ بہت سے مرد عورتوں کی صورت میں زمین میں سے پیدا کئے گئے تھے۔ جن کے ساتھ اجتماعیت کی جنّت سے نکالنے کا ابتدائی واقعہ پیش آیا تھا۔

● ۴؎ لفظ جنّت کی وضاحت بھی پیچھے گزر چکی ہے ۲۰/۱۱۸-۱۱۹ کے مطابق وہ معاشرہ نبوی جنّت ہے جس میں کوئی فردِ معاشرہ حقوقِ ربوبیّت و رہائش سے محروم نہ ہو۔

● ۵؎ نوعِ لباس کے متعلق روایات کا دیا ہوا تصوّر غلط ہے کہ شجرِ ممنوعہ کے استعمال سے حضرت آدمؑ و حوّاؓ مُعاذ اللہ معاذ اللہ ننگے ہو گئے تھے۔ اور انکی شرمگاہیں اُن پر ظاہر ہو گئیں۔ بلکہ جیسے کہ پیچھے عرض کیا جا چکا ہے کہ ابتدائی معاشرہ کے صدور و عوام انفرادی مفاد پرستی کے شجرِ ملعونہ سے منع کیا گیا تھا، جس میں ہر شخص ذاتی نفع اندوزی کیلئے قسم قسم کے دھوکے فریب کے ذریعہ اپنی برائیوں کو خود عیاں کرتا رہتا ہے۔ پس شیطان نے جونسا لباس کھینچ لیا وہ متوازن ضروریاتِ زندگی کا ضامن وہ اجتماعی نظام تھا، جس میں نوعِ آدم کا کوئی ایک فرد بھی اپنے حقوقِ رہائش و ضروریاتِ زندگی سے محروم نہیں رہتا۔ اسی طرح لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا کے الفاظ میں اسی حقیقت کا اعلان کیا گیا ہے کہ اگرچہ نوعِ آدم میں دغا، جھوٹ، فریب

جیسی برائیوں کی استعداد موجود ہے، لیکن اجتماعی نظام میں جہاں ہر کسی کی ضروریاتِ زندگی متوازن انداز میں کم میسر آرہی ہوں، اس نوع کو مذکورہ بالا برائیوں کو بروئے کار لانے کے مواقع ہی میسر نہیں آتے۔ لیکن جب مفاد پرستانہ انفرادی نظام قائم ہو جائے تو صدر دعوام، سب کے سب ذاتی مفاد کیلئے قسم قسم کے ہتھکنڈے استعمال کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور دونوں کی مضمر برائیاں کھل کر عیاں ہو جاتی ہیں۔ دونوں ننگے ہو جاتے ہیں۔

● ع۸ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ یعنی شیطان اور اسکے قبیلہ سے مراد معاشرہ کا وہ لیڈر اور اسکی جماعت ہے جو سب مل کر اجتماعی نظام کے خلاف انفرادی نظام کے قیام و فروغ میں معروفِ عمل ہوں۔

● ع۹ يَرٰىكُمْ...... مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ سے یہ مراد ہے کہ وہ سب کے سب ہر آن تمہارے حالات پر نگاہ رکھتے ہیں کہ اجتماعی معاشرہ میں جہاں کوئی نقص حادثاتی طور پر واقع ہوا تو وہ اجتماعی نظام کے خلاف اپنا پروپیگنڈا تیز کر دیتے ہیں۔ کہ دیکھ لو ہم نہیں کہتے تھے کہ بُرے وقت کیلئے الگ الگ مال جمع کر لیا کرو۔ اور اس طرح وہ تمہارا اجتماعی لباس اُتار کر تمہیں ننگا کرنے کے در پے رہتے ہیں۔ اسکے برعکس تم ہو کہ انہیں اُس مقام سے نہیں دیکھتے جہاں سے وہ دیکھتے ہیں۔ اسلئے تم انکے دھوکے میں نہ آجانا۔ یہاں آیتِ ذیل $\frac{2}{156}$ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اجتماعی نظام میں بھی بعض مقام ایسے آجاتے ہیں جہاں ضروریاتِ زندگی میں کمی واقع ہو جاتی ہے جیسے کہ جنگ کے ایام کے متعلق ارشاد ہوا ہے:—

● وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ؕ $\frac{2}{156}$ اور بیشک ہم تمہارے استقلال کو ظاہر کرتے ہیں دشمن کے حملہ کے خوف، مالوں جانوں اور رزق کے نقصان کیساتھ۔ اے رسول صلعم! اُن مستقل مزاج مومنوں کو خوشخبری دے دیجئے کہ انہیں جب دشمن کی بدولت مذکورہ بالا مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ بیشک ہم اللہ ہی کیلئے ہیں اور ہم (ان مصیبت کے ایام میں بھی اُسی کے قانون کی طرف) رجوع کرنیوالے ہیں۔

● پس سلسلۂ درس کی آیت زیرِ بحث $\frac{7}{27}$ میں متنبہ کیا گیا ہے کہ شیطان اور اُسکی جماعت کے پروپیگنڈے میں نہ آنا جو حادثاتی معائب کے وقت خصوصیت کیساتھ اجتماعیت سے پھسلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ نیز شیطان کے متعلق سابقہ صفحات میں پوری وضاحت کر دی گئی ہے کہ قرآنِ کریم اُن لوگوں کو بھی شیطان قرار دیتا ہے جو نفسِ امارہ کے متبع ہو کر خود بھی گمراہ ہو جاتے ہیں اور دوسروں کو بھی اجتماعیت سے ہٹانے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں $\frac{7}{16}$ - $\frac{4}{38}$ -

● ع۱۱ جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ ...... الخ کا معنیٰ لکھا گیا ہے کہ ہمنے شیطانوں کو اُن لوگوں کا دوست پایا جو نوعِ انسانی کے حقِ مستقر و متاع پر ایمان نہیں لاتے۔ اس آیت کا یہ معنیٰ غلط ہے کہ ہمنے شیطانوں کو اُن لوگوں کا دوست بنایا ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کا یہ کام ہرگز نہیں ہے کہ وہ شیطانوں کیساتھ لوگوں کی دوستی گانٹھتا رہے۔ بلکہ وہ ایسے لوگ، جو نوعِ انسانی کے حقوقِ ربوبیت پر ایمان نہیں لاتے، شیطانوں کو اُن کے ساتھ دوستی گانٹھے ہوئے پاتا

ہے - یہاں فعل جعلنا میں خاصہ وجدان موجود ہے۔

● ۱۲ لَا یُؤْمِنُوْنَ کا معنی لکھا گیا ہے جو لوگ پوری نوعِ انسانی کے حق مستقر و متاع پر ایمان نہیں لاتے یہ معنی یہاں اسلئے ٹھیک ہے کہ آیات مجیدہ ۲/۷ سے ۷/۲۴ تک مسلسل نوعِ انسانی کے حق مستقر و متاع کا عنوان جاری ہے۔ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ○ اے نوعِ انسانی تمہارا حق رہائش بھی مسلم ہے اور حق ضروریات زندگی بھی۔

آباؤ اجداد کا تواتر دلیل صداقت نہیں

● زمانۂ رسالت محمدی میں صدیوں سے انفرادی نظام قائم تھا۔ جس کی صداقت کی دلیل کے طور پر کہا جاتا تھا کہ ہمنے اپنے آباؤ اجداد کو اسی طریقے پر پایا ہے۔ اِس لئے ہم کس طرح یہ مان لیں کہ پوری نوعِ انسانی کے حقوق اللہ نے مساوی قرار دیئے ہیں۔ ارشاد ہوا ہے:—

وَإِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً[1] قَالُوْا وَجَدْنَا[2] عَلَيْهَا
اور جب کام کرتے ہیں بُرا کہتے ہیں پایا ہمنے اوپر اسکے

آبَاءَنَا وَاللّٰهُ أَمَرَنَا بِهَا ۗ قُلْ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَأْمُرُ
باپوں اپنے کو اور اللہ نے حکم دیا ہمیں اسکا۔ کہہ بیشک اللہ نہیں حکم کرتا

بِالْفَحْشَاءِ ۖ أَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا
ساتھ برائی کے کیا تم کہتے ہو اوپر اللہ کے جو نہیں

تَعْلَمُوْنَ ○ ۲۸
تم جانتے

اور جب وہ (ذاتی مفاد پرستی کیلئے عوام کے حقِ ربوبیت میں) غصب[1] کا ارتکاب کرتے ہیں تو (دلیل کے طور پر یہ) کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو اسی روش پر پایا[2] ہے۔ اور اللہ نے ہمیں اسی کا حکم دیا ہے[3]۔ اے رسول[4]! کہدیجیئے کہ بیشک اللہ تعالیٰ الفحشاء کا (یعنی غصب حقوقِ ربوبیت کا) حکم نہیں دیتا۔ کیا تم اللہ تعالیٰ کیلئے وہ کچھ کہتے ہو جسے تم جانتے ہی نہیں (کہ اللہ تعالیٰ ایسے حکم ہرگز نہیں دیتا جو الفحشاء کے ممد ومعاون ہوں)۔

الفحشا بمعنی غصب حقوقِ ربوبیت

● ۱ فعلوا فاحشۃً کا مصدری معنی لیا گیا ہے حقوقِ ربوبیت میں غصب کا ارتکاب کرنا۔ یعنی عوام کو اُنکے حقِ رہائش و ضروریاتِ زندگی سے محروم کر دینا۔ عوام کا استحصال کرنا۔ لفظ فاحشہ کا سہ حرفی مادہ ف - ح - ش ہے جس کا بنیادی معنی ہے کسی بھی کام میں اسکے متعلق متعینہ حدود و قیود کو پھاند جانا۔ چونکہ جنسیات کی حدود و قیود یہ ہیں کہ مرد اور عورت کے ورثاء کی موجودگی میں فریقین قیدِ نکاح میں آجائیں۔ اسلئے اگر کوئی مرد عورت اِن حدود کو پھاند کر جنسی تعلق قائم کریں تو اُنکی اِس حدود شکنی کو بھی فاحشہ کہا جاتا ہے۔ بالفاظِ دیگر عربی ادب میں صرف بدکاری ہی کو فاحشۃ یا الفحشاء نہیں کہا جاتا، بلکہ کسی بھی دائرہ کی حدود شکنی کو اسی مادہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ مثلاً باہمی گفتگو کی حدود و قیود میں ایکدوسرے کا ادب و احترام قائم رکھنا۔ لیکن جب اِن حدوں کو پھاند کر گفتگو کی جائے تو اس حدود شکن گفتگو کو فحش کلامی کہا جاتا ہے۔

● قرآنِ کریم میں لفظ فحشاء کے معنے تقابلِ ضدین کے ذریعہ ۹۰/۱۶ میں اُجاگر کر دیئے گئے ہیں۔ مثلاً عدل کی ضد ہے نا انصافی، جسے ۹۰/۱۶ میں الفحشآء کہا گیا ہے:۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ...... وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ ۹۰/۱۶ بیشک اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے عدل کا...... اور منع کرتا ہے الفحشآء یعنی بے انصافی سے:۔ پس اس قرآنی توضیح کے مطابق ۹۰/۱۶ میں فحشاء کا معنی ہے نا انصافی، خواہ وہ معاشرے کے کسی بھی گوشے میں کی جائے۔ اِس طرح اللہ تعالیٰ نے عین عدل و انصاف کی حدود و قیود کے مطابق مذکورہ عنوانِ ربوبیت کے متعلق اعلان فرمایا ہے:۔ وَلَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ کہ اے نوعِ انسانی تم سب کیلئے زمین میں بلا کرایہ حقِ رہائش بھی مسلّم ہے اور حقِ ضروریاتِ زندگی بھی مسلّم ہے۔ پس اظہر من الشمس ہے کہ ان انفرادی حدودِ خداوندی کو پھاند کر کسی بھی طبقہ کے حقوقِ ربوبیت غصب کئے جائیں تو اس غصب و نہب کو بھی فاحشہ ہی کہا جاتا ہے، جیسے کہ عربی ادب میں فحشاء کا معنی بخل یعنی دوسرے کا حق مارنا بھی ہے، جیسے کہ بخیل آدمی کو عربوں کے ہاں فاحش کہا جاتا ہے۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں لفظ فاحشۃ کی ضد قسط یعنی انصاف لایا گیا ہے قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ ۲۹/۷ کہہ دیجیئگا اے رسولؐ کہ اللہ تعالیٰ نے (فاحشۃ کا حکم نہیں دیا بلکہ انصاف کا حکم دیا ہے کہ پوری نوعِ انسانی کو اُس کے پیدائشی حق کے مطابق رہنے کیلئے بلا کرایہ مکان بھی ملنا چاہیئے اور ضروریاتِ زندگی بھی آخری دم تک ہر کسی کو میسر آتی رہنی چاہئیں۔

● پس مذکورہ بالا قرآنی لغت، تقابلِ ضدین، سیاق و سباقِ کلام، عام لغتِ عرب اور انسانی پیدائشی حقوق کے دلائلِ قاطعہ کے مطابق ثابت ہُوا کہ لفظ فاحشۃ کے متعدد معنوں میں سے ایک معنٰی حقوقِ ربوبیت میں ارتکابِ غصب بھی ہے۔

● ۲ وَاللّٰہُ اَمَرَنَا بِھَا کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ نوعِ انسانی کی قدیمی روش ہی یہ ہے کہ اربابِ اقتدار اپنے اپنے دائرۂ اقتدار میں خواہ کسی کا دائرہ وسیع ہو یا مختصر، اُسکے مطابق اپنے ماتحتوں اور زیر دستوں کے حقوقِ ربوبیت غصب بھی کرتے ہیں اور اس عمل میں اپنے سچے ہونے کی یہ دلیل بھی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی حکم دیا ہے۔ آیت بالا ۲۸/۷ میں زمانۂ رسالتِ محمدی کے منکرینِ ربوبیت کے متعلق یہ خبر دیگئی ہے کہ وہ کہتے تھے اَمَرَنَا بِھَا ہمیں اللہ تعالیٰ ہی نے ایسا کرنے کا حکم دے رکھا ہے۔ آج بھی عوام میں ایسا ہی عقیدہ چل رہا ہے مگر اسکی تردید اگلی آیت مجیدہ میں بالفاظِ ذیل کردیگئی ہے:۔

قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ وَاَقِیْمُوْا وُجُوْھَکُمْ کہہ حکم دیا رب میرے نے ساتھ انصاف کے اور سیدھے کرو چہرے اپنے عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْہُ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ پاس ہر نماز کے اور دعا کرو اُس سے خالص کرنیوالے واسطے اسکے دین کو	کہہ دیجیئگا (اے رسولؐ!) میرے رب نے انصاف کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور سیدھا کرو اپنے چہرے (قبلہ رُخ) ہر صلوٰۃ کے وقت پر اور (صلوٰۃ میں) اُسکے حضور میں دعا کیا کرو، خالص کرنے والے ہو کر اُسکے دین کو واسطے اُسکے۔ (یاد رکھو کہ) جس طرح تمہیں پہلی

كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴿۲۹﴾ ط
جیسے تمہاری ابتدا کی لوٹائے جاؤ گے

مرتبہ (زمین سے) پیدا کیا تھا اُسی طرح تم (دوبارہ) لوٹا لئے جاؤ گے (اعمال کی جوابدہی کیلئے دوبارہ پیدا کر لئے جاؤ گے)

● ۱ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ کی وضاحت اُوپر کر دی گئی ہے کہ سیاق کلام کے مطابق ربوبیت عامہ کا عادلانہ حکم دیا گیا ہے کہ نوعِ انسانی کا ہر فرد رہائش اور ضروریاتِ زندگی کے لحاظ سے متوازن اور مساوی حقوق کا حقدار ہے۔

● ۲ مسجد کا لفظ یہاں ظرفِ زمان ہے بمعنی سجدہ (صلوٰۃ) کا وقت۔ نیز چونکہ صلوٰۃِ موقت کی غرض اجتماعی نظام ربوبیت کا قیام ہے اسلئے اَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ کے الفاظ میں ہر صلوٰۃ (نماز) کے وقت اجتماعیت کو قائم رکھنے کیلئے منہ سیدھا قبلہ رُخ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ سُورہ بقرہ ۲/۱۲۵ میں ارشاد ہُوا ہے وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى اور مقامِ ابراہیم کو جائے صلوٰۃ بناؤ۔ یعنی اِسے صلوٰۃِ موقت کیلئے سمت ٹھہراؤ۔

● ۳ ۵ وَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ کے الفاظ میں حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کے دین کو صرف اُسکے لئے خالص رکھتے ہُوئے ہر صلوٰۃ کے وقت پر اُسکے حضور میں دعا کیا کرو۔ اللہ کے دین میں اُسکا کوئی نبی رسول بھی شریک نہیں۔ اُسکے نبی رسول اُسکا پیغام لوگوں کو پہنچاتے تھے۔ اُسکے حکم میں شریک ہرگز نہیں تھے۔ وَلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا ۱۸/۲۶ اور اللہ تعالیٰ اپنے حکم میں کسی ایک کو بھی شریک نہیں کرتا۔

● آیتِ بالا کے الفاظ وَادْعُوْهُ کو جب فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ۷۳/۲۰ کیساتھ ملایا جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ صلوٰۃِ موقت (نماز) میں عام یعنی حیض نفاس، نکاح طلاق لین دین اور تقسیم وراثت سے متعلقہ آیات مجیدہ کی تلاوت کی اجازت نہیں۔ اور نہ سابقہ اقوام کے اچھے بُرے لوگوں کے قصے اللہ تعالیٰ کو سنانے کی اجازت ہے۔ بلکہ صلوٰۃ (نماز) اللہ کے حضور میں مقامِ دُعا ہے۔ پس اللہ کے حضور صرف دعائیں کی جائینگی اور ہونگی صرف قرآنی غیر قرآن پڑھنا ۴۲/۴ کی رُو سے بھی منع ہے اور ۲۹/۴۵ کی رُو سے بھی اُتْلُ مَاۤ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ پڑھو کتاب میں سے جو تیری طرف وحی کیگئی ہے اور صلوٰۃ (نماز) قائم رکھو۔

صلوٰۃ اور ربوبیت کا چولی دامن کا ساتھ ہے

● واضح رہے کہ قیامِ ربوبیت کے ضمن میں صلوٰۃِ موقت کا مسئلہ اسلئے لایا گیا ہے کہ صلوٰۃ اور ربوبیت عامہ کا چولی دامن کا ساتھ ہے صلوٰۃِ موقت کیلئے مسجد میں جمع ہونے کی غرض ہی یہ ہے کہ ایک اجتماعی نظام کیا جائے اور جو افراد محرومِ ربوبیت ہوں انہیں اُن کا حقِ ربوبیت مہیا کیا جائے۔ اگر حکومت کی طرف سے کوئی ایسا نظام قائم نہ کیا گیا ہو تو حاضرینِ مسجد فردِ محروم کو قدموں پر کھڑا کر دیں۔ ایسا نہ کیا جائے تو غرض صلوٰۃ پوری نہیں ہوتی۔

● ۶ کَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ اعمال کی جوابدہی کیلئے قیامت کی بعثت کو غلط

نہ تصور کرو۔ جس طرح نہیں اللہ تعالیٰ نے پہلی مرتبہ زمین میں سے پیدا کیا تھا ۲۰/۵۵ اُسی طرح دوبارہ بھی پیدا کرلیگا۔ اگر قیامت کی کامیابی کے طلبگار ہو تو پوری نوعِ انسانی کے حقوقِ رُبوبیت پر ایمان لاؤ اور پھر ایسے نظام کے قیام کیلئے معروفِ عمل ہو جاؤ۔ جس میں کوئی فردِ بشر حقِ رہائش اور حقِ ضروریاتِ زندگی سے محروم نہ پایا جائے۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں دو گروہوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک ہدائت یافتہ اور دوسرا گمراہ۔ سیاقِ کلام کے مطابق ہدائت یافتہ گروہ وُہ ہے جو ربوبیتِ عالمین پر ایمان رکھتا ہے اور گمراہ وُہ ہے جو اُسکا منکر ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری ہے:-

فَرِيقًا هَدَىٰ وَفَرِيقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلَالَةُ
ایک گروہ نے ہدائت پائی اور ایک گروہ لازم ہوئی اوپر انکے گمراہی

إِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ
بیشک اُنہوں نے پکڑا شیطانوں کو کارساز سے ساتھ

اللَّهِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُم مُّهْتَدُونَ ۝ ۳۰
اللہ کے اور وہ گمان کرتے ہیں بیشک ہیں وہ ہدائت یافتہ

(جو لوگ نظامِ ربوبیت پر ایمان لائے اور اُس پر عمل کیا اُس) ایک گروہ نے ہدائت پائی اور (جنہوں نے اسکا انکار کیا اُس) ایک گروہ پر گمراہی لازم ہو گئی۔ کیونکہ اُنہوں نے اللہ کیساتھ گمراہ کرنیوالوں کو اپنے مددگار ٹھہرالیا۔ اور وہ (گمراہ) یہ خیال کرتے ہیں کہ وُہ ہدائت یافتہ ہیں۔

● ۱-۲ جو لوگ خدا تعالیٰ کے نازل کردہ متوازن نظامِ معیشت پر ایمان لائیں اور اسکے نفاذ کی کوشش کریں انہیں ہدائت یافتہ گروہ قرار دیا گیا ہے۔ اور جن لوگوں نے اِس نظام کا انکار کیا اور اسکے نفاذ کی مخالفت کی اُس گروہ پر گمراہی لازم قرار دے دی گئی ہے۔ بالفاظِ دیگر اس آئتِ قرآنیہ اور اس کے سیاق و سباق کے مطابق متوازن نظامِ معیشت ہدائت ہے اور اسکا انکار گمراہی ہے۔

● ۳ مِن دُونِ اللّٰہ کا معنیٰ اللہ کے سوا بھی ہے اور اللہ کے ساتھ بھی ہے۔ جیسے کہ پیچھے وضاحت کر دیگئی ہے کہ ۵/۱۱۶ میں آیا ہے (ترجمہ) وُہ وقت قابلِ ذکر ہے جب اللہ تعالیٰ عیسیٰؑ ابن مریمؑ سے قیامت کو پوچھیگا، کیا تُو نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو مِن دون اللہ، اللہ کیساتھ ملا کر دو الٰہ بنالو۔

● ۴-۵ آئتِ بالا میں شیاطین کی وضاحت اِن لفظوں میں موجود ہے کہ نظامِ ربوبیت کے باغیوں کو لوگوں نے اپنے کارساز ٹھہرالیا ہُوا ہے۔ اُن سے مدد مرادیں مانگتے ہیں۔ یہ وہی خلوت نشین ہیں جنہیں ۲/۱۴ میں شیطان کہا گیا ہے وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ ——— جو لوگ معاشرہ کی خدمت سے مُنہ موڑ کر اور خدا تعالیٰ کے عطا کردہ ہاتھ پاؤں توڑ کر خلوتوں میں جا بیٹھتے اور لوگوں کو مُرادیں دینے کے دعویدار بن کر عوام کی جیبوں پر ڈاکے ڈالتے ہیں انہیں شیطان کہا گیا ہے۔

● واضح رہے کہ استعانت کے ضمن میں خدا تعالیٰ نے قرآنِ کریم کے قاری سے اسکے پہلے ہی سبق میں إِيَّاكَ

نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کا اقرار سے لیا ہے کہ ہم صرف تیری فرمانبرداری کرینگے اور صرف تجھ سے ہی مدد مانگینگے۔ اور جن بزرگوں سے لوگ مرادیں مانگتے ہیں انکے متعلق ۲۲/۷۳ میں اعلان کر دیا ہے :۔

● یٰاَیُّھَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَاِنْ یَّسْلُبْھُمُ الذُّبَابُ شَیْئًا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ " اے نوعِ انسانی ایک حقیقت بیان کی جاتی ہے، (کان کھول کر) سُن لو۔ تم جن جن کو اللہ کے ساتھ ملا کر پکارتے ہو۔ (جن جن سے مدد مراد یں مانگتے ہو) وہ سب کے سب مل کر بھی ایک مکھی تک نہیں پیدا کر سکتے، بلکہ مکھی اگر اُن سے کچھ چھین کرلے جائے، تو اُس سے واپس نہیں لے سکتے اَب ظاہر ہے کہ مکھی تو انبیاءِ کرام بھی پیدا نہیں کر سکتے تھے۔ لہٰذا ثابت ہُوا کہ انبیاءِ کرامؑ سے بھی غائبانہ مدد مرادیں مانگنے کی اجازت نہیں۔ بلکہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ۱/۴ کے وعدے کے مطابق، اسلام میں مدد مُرادیں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی سے مانگنے کی اجازت ہے۔ غیر اللہ سے مدد مرادیں مانگنا، خدا تعالیٰ کیساتھ کئے گئے وعدہ کی وعدہ خلافی، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اسکے اختیاراتِ مخصوصہ میں غیر اللہ کو شریک کرنے کا کھلا ارتکابِ شرک ہے العیاذُ باللہ!

● ۳۰ وَیَحْسَبُوْنَ اَنَّھُمْ مُّھْتَدُوْنَ کے الفاظ میں اِس مشاہداتی حقیقت کا بھی اعلان کر دیا ہے کہ غیر اللہ سے مدد مرادیں مانگنے والے اپنے آپکو ہدایت یافتہ سمجھتے ہیں۔ کاش کہ ہم دعویدارانِ ہدایت اپنا جائزہ لیکر خود فیصلہ کریں کہ کیا ہم یَحْسَبُوْنَ اَنَّھُمْ مُّھْتَدُوْنَ کے مصداق تو نہیں ہیں؟

ترکِ زینت اور ترکِ غذا کا عقیدہ مطلقاً غیر قرآنی ہے

● جن غیر اللہ بزرگوں سے مرادیں مانگی جاتی ہیں، اُنکا مشہور و معروف مسلک یہ ہے کہ وہ ایک لنگوٹی کے سوا ترکِ لباس، اور چلّہ کشی کی صُورت میں نمائشی ترکِ غذا کو نام نہاد تقرب الی اللہ کا ذریعہ ٹھہراتے ہیں، اور وجودِ عاشقاں کلّی نماز است کے الفاظ میں لنگوٹی اور عُریانی کو نماز قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ اگلی آیات مجیدہ کی رُو سے ترکِ لباس و غذا حرام مطلق ہے :۔

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ اے بنی آدم پکڑو زینت اپنی نزدیک ہر	اَے نوعِ آدم! ہر صلوٰۃِ موقّت (نماز) کے ہر وقت پر اپنی زینت لئے رہو (ترکِ زینت نہ کرنا لباس نہ اُتارنا) اور کھاؤ پیو (ترکِ غذا نہ کرنا) لیکن (اللہ کے رزق کو) ضائع نہ کرنا۔ بلاشبہ وہ (اللہ تعالیٰ) ضائع کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔
مَسْجِدٍ وَّکُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ نماز کے اور کھاؤ اور پیو اور نہ ضائع کرو۔ بیشک وہ	
لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ۝ ۳۱ نہیں پسند کرتا ضائع کرنے والوں کو	

دیکھا آپنے کہ :- ● ترکِ لباس اور ترکِ خوراک کو تقرب الی اللہ کا نام نہاد ذریعہ قرار دینے کی کس طرح تردید کر دی گئی ہے ۔ نیز نماز اور زینت کو لازم ملزوم قرار دیا گیا ہے ۔ تو اب بتائیے کہ کیا تقرب الی اللہ کا ذریعہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری یعنی لباس پہننے میں اور اللہ تعالیٰ کی نعمتیں کھانے پینے میں ہے یا اُسکی نافرمانی کرکے لنگوٹی پہننے اور چلّہ کشی کرکے کھانا پینا چھوڑ دینے میں ہے ؟ ترکِ لباس اور ترکِ نعماءِ خداوندی ، مطلقاً حرام ہے ۔ اگلی آیت مجیدہ میں اسکے خلاف انتہائی ناراضگی کا اظہار فرمایا گیا ہے :-

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللّٰهِ الَّتِيٓ اَخْرَجَ
کہ کون ہے جو حرام کرے زینت اللہ کی جسے پیدا کیا اس نے

لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ قُلْ هِيَ
واسطے بندوں اپنے اور پاکیزہ میں سے رزق کے ۔ کہہ وہ ہے

لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً
واسطے ان کے جو ایمان لائیں بیچ حیاتی دنیا کی خاص طور پر

يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ
دن قیامت کے اسی طرح ہم کھول کر بیان کرتے ہیں آیتیں واسطے اس قوم کے

يَّعْلَمُوْنَ ۞ ۳۲
کہ وہ جانتے ہیں

(اے رسولؐ !) کہہ دیجیگا ! کون ہے جو اللہ کی اُس زینت (لباس) اور اسکے پاکیزہ رزق کو حرام قرار دیدے جسے اُس نے اپنے بندوں کیلئے پیدا کیا ہے ۔ (زینت اور پاکیزہ رزق دنیا میں بھی مومنوں کیلئے ہے اور قیامت کے دن خالصۃً صرف اُنہی کا حق ہے ۔ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کے لئے اپنی آیتوں کو اسی طرح کھول کھول کر بیان کرتا ہے یعنی اُس قوم کے لئے جو جانتے ہیں (کہ اللہ تعالیٰ اپنی آیتوں کی تفسیر خود کرتا ہے ، خود ہی انہیں کھول کھول کر بیان کرتا ہے) ۵

● ۲ اللہ تعالیٰ نے زینت اور پاکیزہ رزق کو اپنے تمام تر بندوں کا حق بتایا ہے ۔ اور انہیں حرام کرنے کے عمل کو انتہائی غصے اور ناراضگی کا موجب قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ وہ کون ہے جو انہیں حرام کرے ؟

● ۳ اللہ تعالیٰ نے اپنی پیدا کردہ زینت (لباس) اور پاکیزہ رزق کو دنیا کی زندگی میں اپنے تمام بندوں کافر مومن وغیرہ سب کا حق قرار دیا ہے ، مگر قیامت کے دار الجزاء میں انہیں خالصۃً مومنوں ہی کا حق بتایا ہے ۔ یعنی اُن لوگوں کو ان سے محروم ٹھہرا دیا ہے جو دنیا میں نظامِ ربوبیت کے منکر ہیں ۔

● ۵ اس آیت مجیدہ کا آخری جملہ انتہائی غور طلب ہے جس میں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جاننے والوں کیلئے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتا ہے ۔ اور کھول کھول کر یہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ تمام زینتیں اس کے تمام بندوں کا حق ہیں ۔ اِس طرح مومنوں کا دنیا میں بھی ان پر حق ہے اور قیامت کے دن تو یہ کافروں سے علیحدہ

خالصۃً مومنوں ہی کا حق ہیں - اسکے برعکس اہلِ تصوف ہیں کہ پہلے تو چلّہ کشی کے ایام میں اپنے آپ پر لباس اور رزق دونوں کو حرام کر لیتے ہیں۔ اور پھر جب چند یوم کے فریبِ نفس کے بعد بزعمِ خویش مقربِ الی اللہ کے دعویدار بن کر تعویذ گنڈے کی دکان سجاتے ہیں تو تعویذ دیتے وقت کسی کے لئے بڑا گوشت اور کسی کے لئے ماش یا مسور کی دال اور کسی کے لئے بھنڈی، بینگن اور امرود وغیرہ کو یہ کہہ کر حرام کر دیتے ہیں کہ ورنہ تعویذ اثر نہیں کرے گا۔ اِس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہی لوگ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ کے مصداق نہیں ہیں؟

ایک لمحۂ فکریہ ● اہلِ بصیرت کے لئے پیچھے ۲۶ میں ارشاد ہوا ہے۔ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا - اے بنی آدم بیشک ہمنے تم پر لباس پہننے کا حکم نازل کیا ہے تاکہ وُہ تمہارے ننگ پن کو بھی ڈھانپے اور خوبصورت بھی ہو۔ ان قرآنی الفاظ کے مطابق جو شخص لباس نہیں پہنتا ننگا رہتا ہے وہ تو زمرہ بنی آدم ہی سے خارج ہو جاتا ہے ۔مگر ہم ہیں کہ اُسے اللہ کا ولی اور پہنچا ہوا فرد قرار دیتے ہیں۔ اور آئت بالا ۳۲ میں اِنہی لوگوں کے متعلق چیلنج کیا گیا ہے کہ وُہ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ زینتوں اور اُسکے پیدا کردہ رزق کو حرام کرے، جو اُس نے دنیا میں مومن کافر اپنے سب بندوں کے لئے پیدا کیا ہے اور قیامت کو خالصۃً مومنوں کا حق ہو گا۔ اب اِنہی چیزوں کو حرام کر کے اللہ تعالیٰ کے چیلنج کو چیلنج کرنیوالوں پر غور کرنا ہر صاحبِ عقل بصیرت کا اوّلین فرض ہے۔ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ۔

اللہ تعالیٰ نے کیا حرام کیا ہے ● اہلِ تصوف کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی حلال چیزوں کو حرام ٹھہرانے پر پُرغضب تنبیہ کے بعد اگلی آئت مجیدہ میں آنحضور کی زبانِ فیض ترجمان سے اُن عقائد و اعمال سے آگاہ کیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیئے ہیں۔ اہلِ عقل و دانش بغور ملاحظہ فرمائیں۔

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ کہہ بیشک حرام کیا رب میرے نے غضب ربوبیت جو ظاہر ہوا	(اے رسُولؐ!) کہہ دیجئے کہ سوائے اسکے اور کوئی بات نہیں کہ (مذکورہ بالا گوشۂ معیشت میں) میرے رب نے ہر قسم کا استحصال حرام کر دیا ہے، خواہ وُہ ظاہراً کیا جائے یا چھپ چھپا کر کیا جائے۔ نیز ہر قسم کی کمزوری بھی حرام ہے اور ناحق بغاوت بھی۔ اور یہ بھی حرام ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کیساتھ اسکی ذات وصفات یا حکم میں کسی کو شریک کرو
مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ سے اسکے اور جو پوشیدہ ہوا اور کمزوری اور بغاوت بغیر حق کے	
وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ اور یہ کہ تم شرک کرو ساتھ اللہ کے جس ۔ نازل کی ساتھ اسکے کوئی دلیل اور	

اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۳۳	جس کی اس نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی - اور یہ بھی حرام
یہ کہ تم کہو اوپر اللہ کے جو نہیں تم جانتے	ہے کہ تم اللہ کے ذمے لگا کر وہ بات کہو کہ جسے تم جانتے نہیں ۔

● ۱ الفواحش کا معنٰی لکھا گیا ہے استحصال ۔
اس لفظ کا سہ حرفی مادہ ہے ف ۔ ح ۔ ش ، جس کی مکمل بحث پیچھے صفحہ ۲۴۴ پر آیت نمبر ۷/۲۸ کی تفسیر میں یعنی صرخی اَلْفَحْشَآءُ بمعنٰی غصب ربوبیت کے تحت گزر چکی ہے ۔

● ۲ اَلْاِثْمَ کا معنٰی لکھا گیا ہے کمزوری ۔ اس لفظ کا سہ حرفی مادہ ہے ا ۔ ث ۔ م ۔ جس کا مصدری معنٰی ہے کمزور ہو جانا ۔ مضمحل ہو کر ساتھیوں سے پیچھے رہ جانا ۔ دیر ہو جانا وغیرہ ۔ قرآن کریم نے ۲/۲۱۹ میں خمر اور میسر کو اِثْمٌ کَبِیْرٌ کہا ہے ، انسانی کریکٹر کی بہت بڑی کمزوری ۔

● خمر کہتے ہیں ہر نشہ آور چیز کو ۔ چونکہ ان چیزوں کے استعمال سے انسانی قوٰی میں اضمحلال اور کھوکھلا پن پیدا ہوتی ہے اسلئے خمر کو اثم کبیر کہا گیا ہے ۔ اثم کا معنٰی گناہ بھی ہے اسلئے خمر گناہ کبیرہ بھی ہے ۔

● میسر کا لفظ مادہ ی ۔ س ۔ ر سے ہے ، اسکا معنٰی ہے آسانی ۔ اِس طرح میسر ہر اُس مال کو کہتے ہیں جو بلا محنت ہاتھ لگتا ہو ۔ مثلاً نذریں ، نیازیں ، جاگیروں کی آمدنی ، مکانوں اور دکانوں کے کرائے ، سود ، اور جوئے کا روپیہ جو بلا مشقت میسر آتا ہے ، سب میسر میں داخل ہے ۔ اب اِس قسم کی دولت سے جس طرح قوائے انسانی میں اضمحلال اور کمزوری پیدا ہوتی ہے اور ایسا شخص جس طرح بھسکل انگار اور ناکارہ ہو جاتا ہے ، محتاجِ بیان نہیں ۔ قرآن کریم نے خمر اور میسر کے نقصان کو انکے نفع سے زیادہ کہا ہے وَ اِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۲/۲۱۹ اور خمر میسر سے جو کمزوری پیدا ہوتی ہے وہ انکے نفع سے بڑی ہے ۔ خمر کے ذریعہ چند گھنٹوں کیلئے بے خودی سی پیدا ہوتی ہے لیکن اسکا نقصان اتنا بڑا ہے کہ اسکے عادی کے اعضاء کمزور ہوتے ہوتے بالکل ناکارہ ہو جاتے ہیں ۔ اور یہی حال میسر کا ہے کہ بلا محنت مال کا حصول سہل انگار بناتا اور اعضاء کو مضمحل کر کے محنت مشقت کے بالکل ناقابل بنا دیتا ہے ۔

● ۳ وَ الْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ کے الفاظ میں ناحق بغاوت کرنا بھی حرام قرار دیا گیا ہے ۔ لیکن اس سے یہ امر کھل کر عیاں ہو رہا ہے کہ بغاوت بالحق حرام نہیں کیگئی ۔ اسکا مفہوم روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ جس فرد یا قوم کے حقوقِ ربوبیت غصب کئے گئے ہوں ، یعنی جس کا استحصال کیا جا رہا ہو اُسے احتجاج کا حق حاصل ہے ۔ مگر یہ حق کمزوری کیساتھ حاصل نہیں ہو سکتا ۔ اسلئے اثم یعنی کمزوری سے بچنا لازم ہے تاکہ اپنے حقوق کیلئے احتجاج کیا جا سکے ۔ یہ طاقت عوامی اتفاق و اتحاد کی ہے ۔ جیسے کہ بنی اسرائیل کے حقوقِ ربوبیت کیلئے حضرت موسٰی نے قوم بنی اسرائیل کے نوجوانوں کو اکٹھا کر کے عوامی اتحاد کی طاقت مہیا فرمائی تھی ۔ ایسی متحدہ متفق جماعت کی یقیناً اللہ تعالٰی مدد کرتا ہے چنانچہ اللہ تعالٰی کی مددِ خاص ہی سے بنی اسرائیل کامیاب ہو گئے اور فرعون کو مع لاؤ لشکر غرق کر دیا گیا ۔ بنی اسرائیل اور

حضرتِ موسیٰ کا یہ احتجاج فرعون کے خلاف اسکے عمل غصبِ حقوقِ ربوبیت کی بدولت تھا۔ لیکن یاد رہے کہ اگر متوازن حقوقِ ربوبیت میسّر ہوں تو آئتِ بالا کے مطابق حکومت کی بغاوت اور احتجاج کرنا مطلقاً حرام ہے۔

● سے شرک کے متعلق کہا گیا ہے مَالَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا۔ ان الفاظ کا تعلق ۱/۴ کیساتھ ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ گمراہ لوگ غیر اللہ سے مدد مرادیں مانگتے ہیں۔ واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابِ لاریب کے شروع میں اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ۱/۴ کا وعدہ لے لیا ہے کہ اے اللہ! ہم تیری ہی فرمانبرداری کریں گے اور تجھ ہی سے مدد مانگتے رہیں گے۔ غیر اللہ سے مدد مرادیں مانگنا شرک ہے جس کے متعلق مَالَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا کے الفاظ میں بتا دیا گیا ہے کہ جو لوگ غیر اللہ سے مدد مرادیں مانگنے کا جواز اللہ تعالیٰ کے ذمّہ لگاتے ہیں۔ وہ بگوش ہوش سُن لیں کہ اس کے جواز کے لئے اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ یہ لوگ غلط کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے بزرگوں کو اپنے اختیارات سے حصّہ دے رکھا ہے۔ گویا کہ اس نے انہیں خود اپنے شریک بنایا ہُوا ہے۔

● ۵ وَ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ کے الفاظ میں یہ چیز بھی حرام کر دی گئی ہے کہ ایسے احکام و نظریات اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے چلے جائیں جو نہ علم و عقل کی میزان پر پورے اُترتے ہوں اور نہ وہ ذاتِ باری کے شایانِ شان ہوں۔ یہاں علم کی فضیلت اور اہمیت اجاگر کی گئی ہے۔ ۳۶/۱۷ میں ارشاد ہُوا ہے وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا۔ اور اس چیز کے پیچھے نہ لگ جانا جس کا تجھے علم نہ ہو۔ بیشک علم کے جو ذرائع تجھے عطا کئے گئے ہیں) کان، آنکھ اور دماغ، ان سب کے متعلق (قیامت کو) سوال کیا جائے گا۔ کہ کسی عقیدے کو قبول کرتے ہوئے اِن علم کے ذرائع سے کام کیوں نہیں لیا تھا)۔ پس اس آئت میں اس مفروضے کو غلط قرار دیدیا گیا کہ اسلام میں عقل کو دخل نہیں۔ عقل سے بیگانہ قوموں کو قرآنِ کریم نے مُردہ بتایا ہے چنانچہ اگلی آئتِ مجیدہ میں ارشاد ہُوا ہے:۔

وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ

اور واسطے ہر امت میعاد ہے پھر جب آئے میعاد ان کی

لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾

نہ وہ پیچھے رہتے ہیں ایک ساعت اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں

اور (حقیقت یہ ہے کہ) واسطے ہر اُمت کے (اُسکے اپنے اعمال کے مطابق) اسکی میعاد ہے۔ پھر جب اس کی اپنی بدعملیوں کی بدولت اس کی میعاد آجاتی ہے (پوری ہو جاتی ہے) پھر نہ وہ ایک ساعت پیچھے رہ سکتے ہیں اور نہ آگے ہی بڑھ سکتے ہیں۔

اقوامِ عالم کے عروج و زوال کے اٹل خداوندی قوانین

● اِس آئتِ مجیدہ میں اٹل قوانینِ خداوندی کی خبر دی گئی ہے۔ مروّجہ تفاسیر میں اس آئت سے یہ تصوّر اخذ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قوموں کے عروج و زوال کی مدّت پہلے ہی متعیّن کر رکھی ہے، چنانچہ خدا تعالیٰ کے پہلے روز کے لکھے کے مطابق قوموں

کا عروج وزوال رُوبعمل آتا چلا جارہا ہے۔ یہ نظریہ حقیقت کے مطلقاً برعکس ہے جس سے یہ بزدلانہ عقیدہ جنم لیتا ہے کہ جب ہماری قومی زندگی کی میعاد خدا تعالیٰ نے خود مقرر کر رکھی ہے، جس سے ایک ساعت آگے پیچھے نہیں ہو سکتا تو پھر ہمیں قومی وقار کو قائم رکھنے کیلئے جانکاہ مشقتیں اٹھانے کی کیا ضرورت ہے۔ اور اسی چیز کا نتیجہ ہے کہ کرۂ ارض پر قومی زندگی کے لحاظ سے مسلمان قوم سب قوموں سے پس ماندہ ہو کر رہ گئی ہے۔

● قوموں کے عروج وزوال کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے بلا تمیز کافر و مومن جملہ اقوام عالم کے متعلق اعلان کر رکھا ہے:- اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ ۱۳/۱۱ بیشک کسی بھی قوم کے عروج و زوال کا کوئی بھی تغیر اللہ تعالیٰ اُس وقت تک نہیں لاتا جب تک وہ خود اپنے اچھے یا بُرے اعمال کے ساتھ اپنے اندر اچھا یا بُرا تغیر خود پیدا نہیں کرتے۔

● اب اچھے یا بُرے اعمال کے متعلق بھی ملاحظہ فرمالیں کہ مروجہ تفاسیر نے کتنا عظیم دھوکا دے رکھا ہے۔ نیک اعمال کی فہرست میں صرف نماز روزہ وغیرہ شمار ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ اعمال اپنے مقام پر اچھے ہیں مگر یہ قومی عروج سے متعلقہ اعمال کا مقام نہیں لے سکتے۔ قومی عروج کے ضمن میں ارشادِ باری ہے:-

● کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِتَالُ ۲/۲۱۶ ایمان والو! تم پر لڑنا فرض کیا گیا ہے (اپنے آپکو فنونِ حرب سے آراستہ کرلو)۔

● وَاَعِدُّوْا لَھُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّۃٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ تُرْھِبُوْنَ بِہٖ عَدُوَّ اللّٰہِ وَعَدُوَّکُمْ ۸/۶۰ اور دشمنوں کے مقابلے کے لئے استطاعت بھر زیادہ سے زیادہ فوجی قوت تیار کرتے رہو۔ خصوصاً تمہارے ہاں ذرائع رسل و رسائل کی اتنی بہتات ہو کہ تم اس فوجی قوت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اور اپنے دشمنوں کو ہمیشہ لرزہ براندام رکھو۔

● اِن ارشاداتِ خداوندی پر مشاہداتِ عالم گواہ ہیں کہ زندہ قوموں کی صف میں اُن لوگوں کا شمار ہوتا ہے جو با اُصول جنگجو اور جفاکش ہوں۔ نیز جن کے ہاں نت نئے و ن جدید سے جدید جنگی ہتھیار تیار ہو رہے ہوں۔ یعنی جو اپنے آپکو وَاَعِدُّوْا لَھُمْ .... مِّنْ قُوَّۃٍ کی عملی تفسیر بنا دیں۔ لیکن یاد رہے کہ خدا تعالیٰ قومی عروج کو صرف اس دائرے میں محدود نہیں رکھتا کہ تمہارے دشمن لرزہ براندام رہیں۔ بلکہ وہ خارجہ دفاعی قوت کے ساتھ داخلہ امور سمیت ہر گوشے کی اصلاح کا حکم دیتا ہے۔ اگلی آیت میں اپنی آیتوں کی اتباع کے ذریعہ جملہ خطرات سے محفوظ رہنے کا حکم دیا گیا ہے:-

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ
اَے نوعِ آدم اگر جو آئیں تمہارے پاس رسُول میں سے تمہارے

اَے نوعِ آدم اگر جو آئیں تمہارے پاس رسُول تم میں سے جو تم پہ میری آیتیں پڑھیں، تو جو کوئی (ہماری آیتوں کی

يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا
پڑھیں اُو پر تمہارے آئتیں میری پھر جو بچیں اور اصلاح کریں تو نہیں
خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۳۵
خوف اوپر اُن کے اور نہ وہ غمگین ہونگے

ہدائت کے مطابق خارجہ بچاؤ اور داخلہ اصلاح کریں اُن پر نہ مستقبل کا خوف ہوگا اور نہ وہ ماضی کے اعمال کیلئے غمگین ہوں گے۔

● ۱؎ لفظ اِمّا مرکب ہے اِنْ + مَا کا۔ اور اسکا ترجمہ ہے اگر جو۔ اِس آئت کا یہ مفہوم اخذ کرنا کہ اللہ کے نبی رسُول آنحضورؐ کے بعد بھی آتے رہیں گے، مطلقاً غلط ہے۔ کیونکہ ۳۳ ؎ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ کے مطابق آنحضورؐ کے بعد نبیوں کی آمد مطلقاً بند کر دیگئی ہے، یہ اسلئے کہ اُس نے نوعِ انسانی کی ہدائت کیلئے اپنی آخری کتاب، قرآن کریم کی حفاظت خود اپنے ذمہ لے لی ہے۔ اَب نبی رسول کی قائم مقام اللہ کی کتاب ہے۔ چونکہ آنحضور کے بعد رُسل انبیاء کی آمد ختم کر دیگئی ہے اسلئے اِمّا = اِنْ + مَا لاکر کہا گیا ہے کہ اگر جو آنحضورؐ سے پہلے ہمارے رسُول آئیں اور آپ کے بعد نہ آئیں تو دونوں وقفوں میں ہدائت کا ذریعہ اللہ کی آئتیں ہی ہیں نبی رسُولؐ اپنی زندگی میں بھی صرف اللہ کی آئتیں ہی پڑھ کر راہِ ہدائت دکھاتے تھے اور اُنکے بعد بھی راہ ہدائت کی قندیل اللہ کی آئتیں ہیں۔

● ۲؎ تا ۳؎ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ کے الفاظ میں خارجی بچاؤ (مضبوط دفاع) اور داخلی اصلاح کا حکم دیا گیا ہے۔ اور ان دو متوازن اعمال کا نتیجہ بتایا گیا ہے فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ خوف ہوتا ہے مستقبل کا اور حُزن ہوتا ہے ماضی کی سستی کا۔ اِن سے نجات اسکے سوا ممکن نہیں کہ سرحدیں مضبُوط ہوں، یعنی خارجی حملے کے بچاؤ کا پورا پُورا انتظام کیا گیا ہو، اور داخلی طور پر ہر فرد معاشرہ کو ضروریاتِ زندگی سے مطمئن کر دیا گیا ہو۔ یعنی نہ خارجہ حملے کا خطرہ باقی رہے اور نہ داخلی بغاوتوں کا —— آئتِ بالا میں اتّباعِ آیات کا نتیجہ بتا کر اگلی آئت میں مُکذِّبینِ آیات کی خبر دیگئی ہے:۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا
اور جنہوں نے جھٹلایا کو آئتیں ہماری اور تکبر کیا
عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۳۶
سے اُنکے وہ ہیں والے آگ کے۔ وہ اسمیں ہمیشہ رہنے والے ہیں

اور جو لوگ ہماری آئتوں کو جھٹلائیں اور اُن سے تکبّر کریں (یعنی نہ خارجی بچاؤ کا انتظام کریں اور نہ داخلی اصلاح کا) اُن کے لئے خوف و حُزن کی آگ میں جلنا ہے ۱؎ اُس میں ہمیشہ رہینگے۔

● ۱؎ چونکہ سابقہ آئت مجیدہ میں :۔
آیاتِ ربّانی کی اتّباع کا نتیجہ خوف و حُزن سے نجات بتایا گیا ہے۔ اسلئے آیات خداوندی کے انکار اور تکبر کا نتیجہ یقیناً اسکی ضد ہے، خوف و حُزن کی آگ میں جلنا۔ دفاع مضبوط نہ ہو تو دشمن کے حملے کا خوف ہر آن موجود رہتا ہے اور

شکست کے بعد ماضی کا غم لازم ہوجاتا ہے کہ اگر دفاع میں کمی نہ کرتے تو آج یہ روزِ بد دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ اگلی آئت میں خدا تعالیٰ پر اس امر کا افتراء باندھنے کو ظلمِ عظیم بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فتح و شکست پہلے ہی مقرر کر رکھی ہے:۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا
پھر کون بڑھ کر ظالم جو افترا کرے اوپر اللہ کے جھوٹا

اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ
یا جھٹلائے آئتوں اسکی ۔ وہ ہیں کہ پہنچتا ہے انکو حصہ ان کا

مِّنَ الْكِتٰبِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ
میں سے کتاب کے حتی کہ جب آتے ہیں پاس انکے بھیجے ہوئے ہمارے پورا دیتے ہیں انکو

قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ
کہتے ہیں کہاں ہیں وہ جو تم تھے پکارتے سے ساتھ اللہ کے

قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ
کہتے ہیں گم ہوئے سے ہمارے اور گواہ ہوئے اوپر جانوں اپنی بیشک وہ

كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ۝ ۳۷
تھے انکار کرنیوالے

پھر اُس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ کے ذمہ جھوٹ باندھے[۱] یا اسکی آئتوں کو جھٹلائے۔ ایسے لوگ وُہ ہیں کہ انہیں (انکے بُرے عملوں کی سزا کا وہ) حصّہ پہنچتا ہے جو ہماری کتاب میں درج ہے۔ یہانتک کہ جب اُنکے پاس ہمارے بھیجے ہوئے آتے ہیں تو (سزا دینے والے فاتح[۲]) انہیں پُورا بدلہ دیتے ہیں۔ (یعنی انہیں پوری پوری سزا دیتے ہیں)۔ وُہ (بزبانِ حال) کہتے ہیں کہ کہاں ہیں آج وُہ جنہیں تم اللہ کیساتھ پکارتے تھے۔ (اُنہوں نے آج تمہاری مدد کیوں نہیں کی) انکا حالی جواب یہ ہوتا ہے وُہ ہم سے گم ہوگئے ہیں۔ اس طرح وہ اپنے آپ پر خود گواہ ہوتے ہیں کہ وہ (اللہ تعالیٰ کی آئتوں کے) منکر تھے۔

● ۱-۲-۳ ۔ سیاقِ کلام کے مطابق آئت نمبر ۳۵ میں بتایا گیا ہے کہ آیاتِ خداوندی پر عمل کرنیوالے خارجی بچاؤ اور داخلی اصلاح مکمل کرکے مستقبل کے خوف اور ماضی کے حُزن و غم سے نجات پا جاتے ہیں۔ اسلئے آئتِ بالا میں مذکور اللہ تعالیٰ پر افترا سے مُراد یہ ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ذمہ یہ چیز لگاتے ہیں کہ وہ جسے چاہتا ہے فتح دیتا ہے جسے چاہتا ہے شکست دیتا ہے۔* اور آیاتِ خداوندی کی تکذیب یہ ہے کہ نہ وہ خارجی بچاؤ کا انتظام کرتے ہیں اور نہ داخلی اصلاح کا۔ واضح رہے کہ خارجیہ کمزوری اور داخلی بغاوتیں ہی قوموں کی شکست کے دو بڑے اسباب ہیں اسی طرح قانونِ خداوندی کے منکروں کو حملہ آور اقوام کے ذریعہ جو عذاب پہنچتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے اپنی طرف منسوب کرتا ہے جیسے کہ صحابہ کرام کو $\frac{9}{14}$ میں ارشاد ہُوا ہے:۔ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ ۔ تم دشمنوں کیساتھ جنگ کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں سے انہیں عذاب کریگا۔ (یعنی انہیں عذاب کا حصّہ (نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ) تمہارے ہاتھوں پہنچائے گا۔ اِسی طرح آئتِ بالا میں فاتح حملہ آوروں کو رُسُلنا کہا گیا ہے "ہمارے بھیجے ہوئے" جن کے ہاتھوں اللہ سزا دیتا ہے

* تُعِزُّ مَنْ تَشَاۗءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاۗءُ سے اللہ تعالیٰ کا قانونِ مشیّت مراد ہے۔ تفصیل کیلئے تفسیر القرآن بالقرآن جلد دوم کا صفحہ ۲۲ ملاحظہ فرمائیں۔

قیامت کا عذاب

● یہ تو ہوئی دُنیا کی ناکامی یعنی عذابِ شکست۔ اِس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جن منکرینِ آیات کو دُنیوی عذاب ہو چکا، کیا انہیں اُخروی عذاب نہیں ہوگا؟ اِس کا جواب یہ دیا گیا ہے :۔

قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ
کہیگا داخل ہو جاؤ ساتھ جماعتوں کے بیشک گزر ہیں سے

قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ۭ كُلَّمَا دَخَلَتْ
پہلے تمہارے میں سے استحصال کرنیوالے اور استحصال ہونیوالے بیچ آگ۔ جب داخل ہوگی

اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ۭ حَتّٰٓي اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ
جماعت لعنت کریگی بہن اسکی یہانتک کہ جب آجائیں گے بیچ اسکے سب

قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَاۗءِ اَضَلُّوْنَا
کہیگی دوسری جماعت واسطے پہلی اپنی کے رب ہمارے یہ ہیں گمراہ کیا ہم کو

فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ڛ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ
پس دے اِن کو عذاب دُگنا میں سے آگ کے کہیگا واسطے سب کے دُگنا

وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ۝ ۳۸
اور لیکن نہیں تم جانتے

(قیامت کو اللہ تعالیٰ اُن سے) کہیگا[۱] اِن جماعتوں کے ساتھ آگ میں داخل ہو جاؤ جو تم سے پہلے استحصال کرنے والوں[۲] اور استحصال ہونیوالوں[۳] کی گزر چکی ہیں۔ جب ایک جماعت اُخروی آگ کے عذاب میں داخل ہوگی تو اُسکی بہن (دوسری جماعت) اُس پر لعنت کریگی یہانتک کہ جب (اپنے جرائم کی سزا کے طور پر) سب اُس میں داخل ہو جائینگے تو دُوسری جماعت[۴] پہلی جماعت[۵] کے متعلق یہ کہے گی کہ اَے رَبّ ہمارے! یہ ہیں وُہ لوگ جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا۔ پس تُو انہیں آگ کا دُگنا عذاب دے۔ کہے گا (اللہ تعالیٰ کہ) سب کیلئے دُگنا عذاب ہے۔ اور لیکن حال یہ ہے کہ تم لوگ حقیقت کو نہیں جانتے ہو[۶]

● ۱ قَالَ ماضی ہے مگر چونکہ قیامت کے متعلق آیا ہے اسلئے یہ اُسی طرح مستقبل کا فائدہ دیتا ہے جس طرح ۲۵/۳۰ میں آیا ہے وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا۔ اور (قیامت کو) رسولؐ (عربی) کہینگے کہ اَے میرے پروردگار! میری اِس قوم نے اس قرآنِ مجید کو اس طرح پکڑا تھا جیسے چھوڑا ہُوا ہوتا ہے۔

● ۲-۳ جنّ وانس کی بحث پیچھے صفحہ ۲۴۱ پر گزر چکی ہے کہ جنّ وانس کی اصطلاح کے بہت سے معنوں میں سے ایک معنی یہ بھی ہے کہ عوام کا استحصال کرنیوالے اصطلاحاً جنّ ہیں اور استحصال ہونیوالے اصطلاحاً انس ہیں۔

● ۴-۵ اُخْرٰىهُمْ اور اُوْلٰىهُمْ کے الفاظ جامعیّت کے لحاظ سے بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ اِن میں ذیل کے دونوں مفہوم موجود ہیں: پہلا مفہوم یہ ہے کہ اُخروی نار میں بعد میں داخل ہونیوالی جماعت پہلے داخل ہو چکی ہُوئی جماعت کو گمراہ کرنیوالی بتائیگی۔ اِس سے معلوم ہُوا کہ گمراہ کرنیوالے طاغوت جہنم میں پہلے داخل کیے جائیں گے۔

اور گمراہ ہونیوالے بعد میں ۔ اور دُوسرا مفہوم یہ ہے کہ ہر قوم چونکہ اپنی پہلی قوم کے طرزِ عمل کو سند مان کر اُس پر عمل کرتی ہے، اسلئے پچھلے پہلوں کو کہینگے کہ ہمیں انہوں نے گمراہ کر دیا تھا ۔ لیکن خدا تعالیٰ کا یہ جواب مذکور ہے کہ تم یہ نہیں جانتے کہ عقل کے پٹ بند کر کے کسی طاغوت (گمراہ کرنیوالے) یا کسی سابقہ قوم کی تقلید کرنا بھی تو اُسی درجہ کی گمراہی ہے جس سے گمراہ کرنے والے اور گمراہ ہونے والے ایک ہی سطح کے مجرم ہوتے ہیں ۔ اور وُہ ایک جیسے ہی عذاب کے مستحق ٹھہرتے ہیں ۔

• یہ وَلٰکِن لَّا تَعْلَمُوْنَ کے الفاظ میں استحصال کرنے اور استحصال ہونیوالوں کیلئے مساویانہ عذاب کی خبر پر پیدا ہونے والے اِس سوال کا جواب دیا گیا ہے کہ جب استحصال ہونے والوں کا قصور کوئی نہیں، قصور سارا استحصال کرنے والوں کا ہے کہ انہوں نے سادہ لوح عوام کا استحصال کیا ۔ انہیں نقصان پہنچاتے رہے، انہیں مسلسل کمزور اور غریب رکھتے چلے گئے ۔ تو اس پر استحصال ہونیوالوں کو کیوں عذاب دیا جائیگا ۔ وہ بیچارے دُنیا کے عذاب محتاجی اور غریبی میں بھی مبتلا رہے اور قیامت کو بھی عذاب کے مستحق ٹھہرے یہ تو انصاف کا خون کرنے کے مصداق ہے ۔ ایسے عمل کو خدا کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا ۔ جواباً عرض ہے کہ اگر مذکورہ دونوں کا قصور صرف یہ تسلیم کیا جائے کہ ایک جماعت نے گمراہ کیا اور دُوسری گمراہ ہو گئی، تو اس سے ہمیں بھی بظاہر گمراہ ہونیوالی کا کوئی قصور معلوم نہیں ہوتا ۔ بلکہ قصور وار گمراہ کرنیوالی ہی سامنے آتی ہے ۔ مگر یاد رہے کہ گمراہ ہونیوالوں کا قصور یہ ہے کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کی عطا کردہ عقل و بصیرت سے کام نہ لینے کا جرم کر کے بِلا سوچے سمجھے غلط راستہ اختیار کر لیا ۔ اسلئے برابر کے مجرم ٹھہرے ۔ اسی طرح استحصال ہونا بھی گمراہی ہی کی ایک شق ہے ۔ کہ گمراہ کرنیوالوں نے یہ عقیدہ بھی بطورِ اسلام دے دیا کہ بھوک ننگ اور خوشحالی سب اللہ کی دی ہُوئی ہوتی ہے، وہ جس حال میں رکھے، اسکا شکر ادا کرتے رہو ۔ واضح رہے کہ بھوک ننگ کو اللہ تعالیٰ کی دین جاننا اُسکی صفت ربّ العٰلمین کا کھُلا انکار ہے ۔ اِس طرح استحصال ہونیوالے اگر استحصال زدگی کو جزوِ ایمان قرار دیدیں تو برابر کے مجرم ٹھہرتے ہیں ۔

• پیچھے بھی وضاحت کر دیگئی ہے کہ قوم بنی اسرائیل کو آلِ فرعون کی استحصال زدگی سے نکالنے کیلئے حضرت موسیٰ سلامٌ علیہ نے اُنکے مساویانہ حقوقِ ربُوبیّت کا اعلان فرمایا ۔ قوم اس پر ایمان لائی اور اسکے خلاف ایک لمبی تحریک چلانے کے بعد کامیاب ہُوئی ۔ جو لوگ اپنے حقوقِ ربُوبیّت سے دست بردار ہو کر ذلّت و خواری، غلامی، ناداری اور استحصال زدگی کو خدائی دین تسلیم کر کے اس پر مطمئن ہو جاتے ہیں وہ دُنیا میں بھی ذِلّت اور استحصال زدگی کے عذاب میں مبتلا رہتے ہیں اور قیامت کو بھی انہیں استحصال کرنیوالوں کے برابر سزا دی جائیگی ۔

• مسئلہ استحصال کے ضمن میں ہم بہت دُور نکل آئے ہیں ۔ اِسلئے اپنے دَرس کی طرف رجوع

رجُوع الی المقصود کرتے ہُوئے عرض گزار ہیں کہ سلسلۂ درس کی پچھلی آیت مجیدہ میں قیامت کا ذکر آیا ہے کہ جہنم

ہیں جو پچھلے لوگ پہلے لوگوں کے متعلق کہیں گے یہ گمراہ کرنیوالے ہیں۔ بارِالٰہا! انہیں دُگنا عذاب دے۔ اُن کا جواب بالفاظ ذیل درج ہے:-

وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ
اور کہیگی پہلی جماعت ان کی واسطے دوسری انکی پس نہیں ہے واسطے تمہارے
عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ
اوپر ہمارے سے فضیلت پس چکھو عذاب بسبب اسکے جو تھے تم
تَكْسِبُوْنَ ۳۹
کسب کرتے

(گمراہ کرنیوالی یعنی) اُن میں سے پہلی جماعت پچھلی (یعنی گمراہ کرنیوالوں) کو کہیگی۔ پس تم کو ہم پر کیا فضیلت ہے (کہ تمہیں کم عذاب دیا جائے اور ہمیں تم سے دُگنا عذاب دیا جائے) پس تم اپنی اُن کو توتوں کی سزا کا عذاب چکھو جو تم کرتے رہے تھے۔

● ملہ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ کے الفاظ نے گمراہ ہونیوالوں اور استحصال ہونیوالوں کو گمراہ کرنے اور استحصال کرنے والوں کے برابر کے عذاب کا مستحق ہونے کی نہائت کُھل کر وضاحت کردی ہے کہ انہیں جو عقائد دئے گئے جن کے مطابق وہ بداعمالیوں سے باز نہ آئے۔ اِس پر انہوں نے غور تک نہ کیا کہ وہ کونسا صراطِ مستقیم ہے جو برائیاں کرتے چلے جانے کی کھلی چھٹی دیتا ہے کیونکہ گمراہ کرنیوالوں کا قریباً ہر مسلک میں یہی ایک نظریہ ہے کہ تمہارے گناہ بخش دئے جائینگے۔ اِس عقیدہ کیمطابق دلیرانہ بداعمالیاں کیجاتی ہیں۔ اِس طرح صراطِ مستقیم کے نام سے غلط راستے پر لگا کر چونکہ گمراہ کرنیوالے اور گمراہ ہونیوالے نیز استحصال کرنیوالے اور استحصال ہونیوالے سب بداعمالیوں میں برابر کے شریک ہوتے ہیں اسلئے دونوں کو عذاب میں بھی برابر کے شریک قرار دیا گیا ہے۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آئت میں پُرغضب اعلان کردیا گیا ہے کہ مکذبینِ آیاتِ خداوندی اور تکبّر کرنیوالے جنّت میں ہرگز داخل نہیں ہوسکینگے:-

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا
بیشک جو لوگ جھٹلائیں کو آئتوں ہماری اور تکبّر کریں سے اُن کے
لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ
نہ کھولے جائینگے واسطے انکے دروازے آسمان کے اور نہ وہ داخل ہونگے جنّت میں
حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى
یہانتک کہ گزر جائے موٹا رسّہ بیچ سوراخ سوئی کے اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے
الْمُجْرِمِيْنَ ۴۰
مجرموں کو

(بگوشِ ہوش سُن لو کہ) بلاشبہ جو لوگ ہماری آئتوں کو جھٹلاتے ہیں اور (اُنکی عملاً مخالفت کرکے) اُن سے تکبّر کرتے ہیں اُنکے لئے آسمان کے دروازے (یعنی رحمت کے دروازے) نہیں کھولے جائینگے۔ اور وہ (ہرگز ہرگز) جنّت میں داخل نہیں ہونگے جبتک کہ سوئی کے ناکے میں سے موٹا جہازی رسّہ نہ گزر جائے۔ اور ہم اسی طرح مجرموں کو (اُنکے جرموں کی سزا دینگے (انہیں ہرگز جنت میں داخل نہیں کیا جائیگا)۔

● ب۱ اس آئت مجیدہ میں لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ کے الفاظ محاورہ کے طور پر آئے ہیں جو دُنیوی خوشحالی اور خوشگواری کے لئے آتے ہیں۔ جو دنیا میں کائناتی آیات کریمات پر عمل کرنے سے میسّر آتی ہیں اور اُخروی جنّت کی نعمتیں خدا تعالیٰ کی تنزیلی آیات کریمات پر عمل کرنے سے میسّر آئینگی۔ دُنیا میں زرعی خوشحالی صحیفۂ فطرت کی زرعی آیات زرعی قوانین پر عمل کرنے کا نتیجہ ہوتی ہے اور صنعتی ترقی صنعتی قوانینِ کائنات پر عمل کرنے کی مرہونِ منّت ہے۔ نیز اس آئت مجیدہ میں حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِىْ سَمِّ الْخِيَاطِ کا جملہ محال تام کے طور پر آیا ہے کہ جس طرح سوئی کے ناکے میں سے موٹے جہازی رسّے کا گزرنا محالِ تام ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی آئتوں کا ذہنی انکار اور عملی استکبار کرنے والوں کا اُخروی جنت میں داخلہ بھی محالِ تام ہے۔ وہ کبھی بھی جنّت میں داخل نہیں ہو سکینگے۔ (جبتک توبہ کر کے آیات خداوندی کے انکار اور استکبار سے باز نہ آجائیں)۔

● تفسیر القرآن بالقرآن میں متعدد مقامات پر اس اَمر کی توضیح کردیگئی ہے کہ آیاتِ خداوندی دو قسموں پر منقسم ہیں تنزیلی اور تکوینی۔ تنزیلی وہ ہیں جو قرآنِ کریم میں موجود ہیں اور تکوینی وہ ہیں جو ہر آن کائنات میں جاری و ساری ہیں۔ اِن دونوں کی مخالفت دنیا میں بھی مُوجب ذلت ہے اور آخرت میں بھی مُوجب عذاب ہو گی۔

● ربطِ کلام کی رُو سے پچھلی آئت مجیدہ ۴۰/۷ میں خبر دیگئی ہے کہ مجرموں کو جنّت میں ہرگز داخلہ نہ مل سکیگا مگر اس میں بلا توبہ اور اصلاح کا مفہوم محذوف ہے۔ اگلی آئت مجیدہ میں انہی کے متعلق خبر دیگئی ہے کہ وہ جہنّم میں اسی حالت میں ہونگے:۔

لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ واسطے انکے ہیں سے جلن کے ہے بچھونا اور سے اوپر انکے ہے	اُن مجرموں کیلئے بچھونا بھی (شکست و ناکامی کی آگ میں) جلنے کے عذاب کا ہوگا اور اس میں اُنکا اوڑھنا بھی (اسی جلن کے عذاب کا ہوگا۔ مذکورہ بالا طریقے ہی سے ہم ناروا کام کرنیوالوں (ظالموں) کو بدلہ دینگے۔
غَوَاشٍ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الظّٰلِمِيْنَ ۝۴۱ اوڑھنا اور اسی طرح ہم بدلہ دینگے ناروا کام کرنیوالوں کو	

● ب۱ لفظ جہنّم کی وضاحت تفسیر القرآن بالقرآن جلد دوم میں ۳/۱۲ کی تفسیر میں صفحہ ۷۰۱ پر ملاحظہ فرمائیں شکست و ناکامی کی آگ عربی زبان میں جہنّم کا معنی لیا جاتا ہے گہری تہ والا کنواں۔ اس طرح گہرائی اور پستی کے ربط کیمطابق ۳/۱۲ میں جہنّم کا معنی شکست و ناکامی کی ذلت اور پستی ہی صحیح ہے۔ اگلی آئت مجیدہ میں ایمان لانے اور اصلاحِ معاشرہ کے کام کرنے والوں کے متعلق ارشاد ہُوا ہے:۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ اور جو لوگ ایمان لائیں اور کام کریں اچھے نہیں ہم تکلیف دیتے	اور جو لوگ آیاتِ خداوندی پر ایمان لائیں اور اصلاحِ معاشرہ کے کام کریں (جن سے معاشرہ متوازن ہو جائے) ہم

نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ
کسی جان کو مگر مطابق طاقت اسکی وہی ہیں والے جنت کے

هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ ۴۲
وہ ہیں بیچ اسکے رہنے والے ہمیشہ

کسی جان پر اُسکی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے وہی جنت والے ہیں۔ وہ اُس میں ہمیشہ رہیں گے۔

جملہ معترضہ کی اہم قرآنی مثال

● اس آیت مجیدہ کے متن اور اُسکے بالمقابل ترجمہ کے خط کشیدہ الفاظ ایک جملہ معترضہ ہے۔ یعنی اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے بعد عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کی قرآنی پابندی کا جو نفسانی ذہن پر بوجھ پڑتا ہے کہ نہ جانیئے وہ کتنا بھاری عمل ہے۔ اِس بوجھ کو ہلکا کرنے کیلئے درمیان میں یہ جملہ اعتراض لایا گیا ہے کہ ہم کسی نفس پر اسکی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے، بلکہ اصلاحِ معاشرہ کے ضمن میں افراد و اقوام اپنی اپنی وسعت کیمطابق پوری دیانتداری کیساتھ جو اصلاحی کام کرینگے، وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہونگے۔ اِس طرح جملہ معترضہ کو الگ کر کے تقدیرِ کلام یہ ہے وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ...... اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۔
چنانچہ اپنی اپنی وُسعت کے مطابق دیانت و امانت کی اساس پر اصلاحی اعمال بجالانیوالے مومنوں کے معاشرہ کا یہ نقشہ پیش کیا گیا ہے:۔

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ
اور ہم نکالتے ہیں جو بیچ ازہان ان کے میں سے رنجش کے

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ۚ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ
چلتی ہیں سے ماتحت اُنکے نہریں اور کہا سب تعریف واسطے اللہ کے

الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۖ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ
جس نے ہدایت کی ہمارے واسطے اور نہ تھے ہم البتہ ہدایت پاتے اگر نہ

اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ
ہدایت کرتا ہمیں اللہ البتہ تحقیق آئے رسول رب ہمارے کیساتھ حق کے

وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا
اور ندا دیئے جائینگے کہ وہ ہے تمہاری جنت، وارث کئے گئے تم اسکے بوجہ اسکے

كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ ۴۳
تم تھے، تم عمل کرتے

اور ہم اُن (ایسے متوازن معاشرہ کے افراد کے) ذہنوں میں سے ہر قسم کی باہمی رنجش خارج ہوئی پاتے ہیں (کیونکہ) اُن سب کے ماتحت (ضروریاتِ زندگی کی) نہریں بہتی ہوتی ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ سب تعریفیں اچھی اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہمیں اِسی جنتی معاشرہ کی رہنمائی فرمائی ہے حالانکہ اگر وہ ہماری رہنمائی نہ کرتا تو ہم اس راہ کو نہ پاتے۔ بیشک ہمارے پروردگار کے رسول سچی کتاب لاتے رہے تھے۔ اور وُہ حالی ندا دئے جاتے ہیں کہ یہ ہے وہ جنت جس کے تم اُن عملوں کی بدولت وارث کئے گئے ہو جو تم انجام دیتے رہے تھے۔

● اِس آیت مجیدہ میں دُنیوی جنت یعنی مساوی و متوازن معاشرہ کا یہ نشان بتلایا گیا ہے کہ اُس میں ہر فردِ معاشرہ

کے ہاں ضروریاتِ زندگی کی اسقدر فراوانی ہوتی ہے کہ گویا اُن سب کے ماتحت اِنکی نہریں بہہ رہی ہوتی ہیں۔ اور اُس متوازن نظام کی بدولت افرادِ معاشرہ میں باہمی شکر رنجی کا نام ونشان تک موجود نہیں رہتا۔ یہ نمونہ ہے اُخروی جنّت کا۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیاتِ مجیدہ کا ربط آیات نمبر ۳۸ تا ۴۴ کیساتھ ہے جن میں اُخروی جنّت وجہنّم کا ذکر ہے۔ نیز اگلی آیاتِ مجیدہ میں نادیٰ، قالوا، اذّن ماضی کے افعال مضارع کا فائدہ دیتے ہیں جو تحقیق وقوع کیلئے آئے ہیں کہ ایسا ضرور ضرور ہوکر رہیگا:-

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا
اور پکارینگے والے جنّت کے والوں آگ کو کہ بیشک پایا ہمنے

مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ
جو وعدہ کیا ہم سے رب ہمارے نے سچا پھر کیا پایا تمنے جو وعدہ کیا رب تمہارے نے

حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌ ۢ بَيْنَهُمْ اَنْ
سچا کہیں گے ہاں۔ پھر اعلان کریگا ایک اعلان کرنیوالا درمیان انکے کہ

لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۙ﴿۴۴﴾
بیزاری ہے اللہ کی اُوپر ناروا کام کرنیوالوں

اور (قیامت کو) اہلِ جنّت اہلِ نار کو مخاطب کر کے کہینگے[1] کہ ہمارے ساتھ ہمارے پروردگار نے جو (اپنی سچی کتاب کی معرفت) وعدہ کیا تھا (جنّت کا) وہ ہمنے سچا پایا ہے۔ کیا تم نے بھی اُس وعدے کو سچا پایا ہے جو تمہارے ساتھ تمہارے پروردگار نے (اپنی سچی کتاب کی معرفت) کیا تھا؟ وہ کہیں گے ہاں (ہمنے بھی اُسے سچا پایا ہے)۔ پھر (اہلِ جنّت میں سے) ایک اعلان کرنیوالا اعلان کریگا کہ (آج کے دِن) ناروا کام کرنیوالوں پر اللہ تعالیٰ کی بیزاری ہے۔

الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا
وہ لوگ روکتے تھے سے راہ اللہ کی اور ڈھونڈتے تھے اسکی

عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۵﴾
کجی اور وہ تھے ساتھ آخرت کے انکار کرنیوالے

(ناروا کام کرنیوالے ظالم) وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی راہ قرآنِ کریم سے (لوگوں کو) روکتے تھے[2] اور اُس میں کجی تلاش کرتے تھے حقیقت یہ ہے کہ وہ اُخروی (عدالت میں حاضری) کے منکر تھے۔

● [1] نادیٰ کا مصدری معنٰی پکارنا بھی ہے اور مخاطب کرنا بھی ہے۔ تصریفِ آیات کیمطابق اہلِ جنّت واہلِ نار کا یہ مکالمہ جنّت اور نار میں داخل ہونے سے پہلے کا ہے۔ کیونکہ ۲۱/۱۰۲ سے ثابت ہے کہ جنّت اور نار میں باہمی اتنی دُوری ہوگی کہ اہلِ جنّت نار کا کھٹکا تک نہ سن سکینگے (لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَهَا ۲۱/۱۰۲)۔ نادیٰ ماضی بمعنٰی مضارع برائے تحقیق وقوع آئی ہے۔

● [2] جو لوگ اللہ کی سبیل یعنی اُسکے نازل کردہ ضابطۂ حیات قرآنِ کریم سے روکنے والے ہیں اُن کی

پہچان یہ بتائی گئی ہے کہ وُہ اس ضابطۂ خداوندی قرآن کریم میں کمیاں اور کجیاں تلاش کرتے ہیں۔ پس ثابت ہُوا کہ یہ لوگ ہیں جو منزّل من اللہ ضابطے میں خود ہی قسم قسم کی کمیاں اور کجیاں پیدا کرتے ہیں کیونکہ اس میں کسی قسم کی کجی خالقِ کائنات نے چھوڑی ہی نہیں۔ جیسے کہ سورہ کہف میں ارشاد ہُوا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہِ الْکِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّہٗ عِوَجًا ۱۸/۱ سب اچھی تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے اپنے بندے پر اپنی کتاب نازل فرمائی اور اُس (کتاب میں) کسی قسم کی کوئی کجی ہرگز ہرگز نہیں رکھی۔

اصحافِ اعراف

● لفظ اعراف کا معنی ہے اُونچا مقام۔ قرآن کریم کی شہادت کے مطابق چونکہ اللہ کے نبی رسُول عمل واخلاق کے لحاظ سے انتہائی بلند مقام پر فائز ہوتے ہیں اسلئے اصحابِ اعراف جنہیں اگلی آیت مجیدہ میں رِجالٌ (مرد) کہا گیا ہے اللہ کے نبی رسُول مُراد ہیں۔ چنانچہ اگلی آیت مجیدہ میں اہل جنّت اور اہلِ نار کو ایکدوسروں سے جُدا کرنے کی خبر دینے کیساتھ ساتھ بتا دیا گیا ہے کہ اصحابِ اعراف اِن سب کو انکے چہروں کے نشانوں سے پہچان لینگے:۔

وَبَیْنَہُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَی الْاَعْرَافِ رِجَالٌ

اور بیچ دونوں کے پردہ ہوگا اور اوپر مقام بلندوں کے مرد

یَّعْرِفُوْنَ کُلًّا بِسِیْمٰہُمْ ۚ وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّۃِ اَنْ

پہچانینگے سب کو ساتھ نشان چہروں انکے اور کہینگے والے باغ جنّت کے کہ

سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ ۣ لَمْ یَدْخُلُوْہَا وَہُمْ یَطْمَعُوْنَ ﴿۴۶﴾

سلامتی ہو اوپر تمہارے نہیں داخل ہُوئے اسمیں اور وہ امید رکھتے ہونگے

وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُہُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ

اور جب پھیری جائینگی آنکھیں انکی طرف والے آگ کے

قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۷﴾ ع ۵ ۱۲

کہینگے رب ہمارے نہ ٹھہرائیو ہمیں ساتھ قوم غلط کار کے

اور اُن (اہلِ جنّت اور اہلِ نار) دونوں کے درمیان پردہ کر دیا جائیگا (یعنی انہیں ایکدوسرے سے الگ کر دیا جائیگا) اور اونچے مقام پر اللہ کے مرد[۲] (اسکے نبی رسُول) ہونگے وہ سب لوگوں کو انکے چہروں کے نشانوں سے پہچانتے ہونگے۔ اور وہ اہلِ جنّت کو جو ابھی اس میں داخل نہیں ہُوئے ہونگے۔ وا خوشہ کے امیدوار ہونگے[۳] کہیں گے تم پر سلامتی ہو۔ اور جب انکی نگاہیں اہلِ نار کی طرف پھیری جائیں گی تو وُہ (حضورِ الٰہی میں عرض کرینگے کہ) اے ہمارے پروردگار ہمیں اِس غلط کار قوم کا ساتھی نہ بنا ئیو۔

● [۱] لفظ حجاب کا معنی پردہ بھی ہے دُوری اور علیحدگی بھی ہے سُورۃ التطفیف میں ضابطۂ خداوندی کو جھٹلانے والے کے متعلق ارشاد ہُوا ہے اِذَا تُتْلٰی عَلَیْہِ اٰیٰتُنَا قَالَ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ؕ کَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِہِمْ مَّا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ ؕ کَلَّآ اِنَّہُمْ عَنْ رَّبِّہِمْ یَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ؕ ۸۳/۱۳ تا ۱۵ جب اس پر ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ یہ پچھلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ یوں نہیں، بلکہ اُن کے اذہان کو اُن کے اُن عملوں نے زنگ لگا دیا ہے جو وہ کسب

کرتے چلے آرہے ہیں۔ بیشک وہ قیامت کے دن اپنے پروردگار سے محجوب یعنی دور رکھے جائینگے۔ پس آئت زیر بحث ۷/۴۶ میں حجاب کا معنی دوری اور علیحدگی ہے۔ اہل جنت اور اہل نار، جنت اور نار میں بھیجنے سے پہلے ہی ایکدوسرے سے الگ کردیئے جائینگے۔ جیسے کہ سورہ یٰسین میں آیا ہے کہ قیامت کے دن مجرموں کو حکم دیا جائیگا وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ ۳۶/۵۹ مجرمو! آج الگ ہو جاؤ۔

● ۲ رجالٌ سے مراد انبیاء کرام ہیں۔ جیسے کہ انکے لئے خصوصی طور پر ۱۲/۱۰۹ میں رجالٌ کا لفظ لایا گیا ہے وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوحِي إِلَيْهِم ۱۲/۱۰۹ اور اے رسول! نہیں بھیجے ہمنے آپ سے پہلے مگر رجال (مرد) ہی بھیجے تھے کہ ہم اُن رجال کی طرف وحی کرتے تھے۔۔۔ پس یہاں ۷/۴۶ میں رجالٌ سے مراد صرف انبیا کرام ہیں۔

● ۳ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَاهُمْ سے مراد ہے کہ انبیا کرام اہل جنت اور اہل نار کو چہروں کے نشانات سے پہچان لیں گے، جن کے متعلق سورہ قیامت میں خبر دیگئی ہے وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۷۵/۲۲ اُسدن کچھ چہرے تروتازہ ہونگے۔ وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ ۷۵/۲۴ اور کچھ چہرے اُسدن مرجھائے ہوئے ہونگے۔

● ۴ لَمْ يَدْخُلُوهَا وَهُمْ يَطْمَعُونَ کے الفاظ سے بھی ظاہر ہے کہ یہ جنت اور دوزخ میں داخلہ سے پہلے کی بات بتائی جارہی ہے کہ اہل جنت جنت میں داخل نہیں ہوئے ہونگے انکے داخلے کا فیصلہ ہوچکا ہوگا اسلئے وہ اُس کے امید وار ہونگے۔ اب ظاہر ہے کہ یہ خبر اہل جنت کے متعلق ہے۔ لیکن روائتی تراجم میں اہل اعراف کے متعلق یہ غلط تصور از خود پیدا کرلیا گیا ہے کہ اہل اعراف وہ لوگ ہونگے جو موازنہ اعمال کے لحاظ سے نہ جنتی ہونگے نہ جہنمی۔ وہ صرف جنت کے امیدوار ہونگے۔ یہ نظریہ صحیح نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں ایسے لوگوں کا مطلقاً تذکرہ موجود نہیں ہے کہ وہ جنتی ہونگے نہ جہنمی بلکہ جنت اور جہنم کے درمیان رکھے جائینگے۔ اور نہ ہی ایسے لوگوں کی صفت بتائی گئی ہے کہ وہ اہل جنت اور اہل نار کو چہروں سے پہچان لینگے۔ بلکہ یہ صفت انہی رجال (انبیاء کرام) کی ہے جنہیں ۱۲/۱۰۹ میں رجالاً کہا گیا ہے۔ وہ لوگ مطابق تعریف آیات قرآنیہ انبیاء کرام کے سوا کوئی نہیں ہونگے۔

● ۵ وَإِذَا صُرِفَتْ کے مطابق کہ جب اُن کی نگاہیں اہل نار کی طرف پھیری جائینگی سے بھی ثابت ہوا کہ یہ واقعہ اُسوقت کا بیان ہورہا ہے کہ جب اہل جنت اور اہل نار الگ الگ تو کردیئے جائینگے لیکن نہ ابھی اہل جنت، جنت میں داخل کئے گئے ہونگے نہ اہل نار، نار میں۔

● ۶ لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ کے الفاظ میں ہر قسم کے مجرموں کو ظالم کہا گیا ہے۔ ظلم کا معنی ہے کوئی بھی بے ٹھکانہ ناروا کام کرنا۔ یعنی ہر قسم کے جرائم ظلم کی فہرست میں شامل ہیں۔ بالفاظ دیگر ذہن نشین کرنے کی بات یہ ہے کہ ہر ناروا کام ظلم ہے اور ہر ظلم خواہ وہ بڑا ہو یا چھوٹا، قابل سزا جرم ہے جس سے بچنے کا ایک ہی ذریعہ ہے توبہ

کر کے اپنی اصلاح کر لیتا ہے ۵/۶ + ۱۱۹/۱۶ مسئلہ توبہ کی تفصیل اِسی جلد کے صفحہ ۲۹۶ تا ۲۹۹ پر ملاحظہ فرمائیں۔

● آگے بڑھنے سے پہلے اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ الاعراف بمعنی اُونچا مقام کوئی اونچا ٹیلہ نہیں ہوگا بلکہ انبیاء کرام کا مقام بلند نبوت ہوگا سلسلہ سورۃ کی اگلی آیت مجیدہ میں آیا ہے کہ وہ انبیاء کرام[1] اہلِ نار کو مخاطب کر کے یہ کہینگے :-

وَنَادٰىٓ اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ
اور پکار ینگے والے اونچے مقام کے مردوں کو پہچانینگے انکو

بِسِيْمٰىهُمْ قَالُوْا مَآ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ
ساتھ چہروں انکے کہینگے نہ فائدہ دیا سے تمہیں اجماع تمہارے نے اور جو تھے تم

تَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ ۴۸
تم تکبر کیا کرتے

اور اُونچے مقام والے (یعنی اللہ کے نبی رسول[2] اہل جہنم کے) مردوں سے مخاطب ہونگے وہ انہیں (اُنکے چہروں کے نشان سے پہچانینگے۔ کہینگے کہ تمہیں تمہارے اجماع (امت) نے یعنی جس پر تم تکبر کیا کرتے تھے، نے کوئی فائدہ نہیں دیا (یعنی تمہیں اُس نے جرائم کی سزا سے نہیں بچایا)۔

اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ
کیا یہ وہی ہیں جنہیں قسم کھاتے تھے تم نہیں پہنچیگا اُن کو

اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ۭ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ
اللہ ساتھ رحمت کے داخل ہو جاؤ جنت میں نہیں ڈر اوپر تمہارے

وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ۝ ۴۹
اور نہ تم تم غمگین ہو گے

اور اہلِ جنت کی طرف اشارہ کر کے) وہ کہینگے کیا یہی وہ لوگ ہیں[3] جن کے متعلق تم قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان پر رحمت نہیں فرمائیگا (حالانکہ انہیں حکم دیا دیا گیا ہے کہ[4]) تم جنت میں داخل ہو جاؤ تم پر نہ آئندہ کے لئے کوئی خوف ہوگا اور نہ ماضی میں کئے گئے اعمال کے لئے تم غمگین ہو گے۔

● ۱ مَآ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ کے الفاظ میں اِس امر کی وضاحت موجود ہے کہ صداقت کی دلیل کسی عمل پر اکثریت کا اجماع نہیں جس پر یہ لوگ تکبر کرتے ہیں بلکہ صداقت کی دلیل اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب مقدس کے دلائلِ قاطعہ ہیں۔

● ۲-۳ اَهٰٓؤُلَآءِ کا مشارٌ الیہ اہلِ جنت ہونگے۔ جن کے متعلق اجماع والے آج قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ اِن پر اللہ تعالیٰ قیامت کو رحمت نہیں کریگا۔ یہاں یہ محذوف ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں حکم دیگا اور جنت میں داخل ہو جاؤ منظر ہے۔

● ۴ واضح رہے کہ خوف آنیوالے وقت مستقبل کیلئے ہوتا ہے اور حزن غم ماضی میں کئے گئے عملوں کا ہوتا ہے۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں خبر دیگئی ہے کہ وہیں اہلِ نار اہلِ جنت کو مخاطب کر کے کہینگے کہ جنت میں تم کو جو ٹھنڈا پانی اور عمدہ کھانے عطا کئے جائینگے اُن میں سے کچھ ہمیں بھی دینا۔ مگر وہ وہیں کہدینگے کہ جنت کی

نعمتیں اہلِ نار پر اللہ تعالیٰ نے حرام کر رکھی ہیں۔ اسلئے وہ اُن لوگوں کو میسر نہیں آسکتیں جنہوں نے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا تھا:

وَنَادَىٰٓ أَصْحَٰبُ ٱلنَّارِ أَصْحَٰبَ ٱلْجَنَّةِ أَنْ أَفِيضُوا۟

مخاطب ہونگے والے آگ کے والوں جنت کو کہ بخشنا

عَلَيْنَا مِنَ ٱلْمَآءِ أَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ ٱللَّهُ ۚ قَالُوٓا۟ إِنَّ ٱللَّهَ

اوپر ہمارے میں سے پانی کے اور میں سے جو رزق دیا تمکو اللہ کیلئے بیشک اللہ نے

حَرَّمَهُمَا عَلَى ٱلْكَٰفِرِينَ ﴿٥٠﴾

حرام کر دیا اسے اوپر انکار کرنیوالوں کے

ٱلَّذِينَ ٱتَّخَذُوا۟ دِينَهُمْ لَهْوًا وَلَعِبًا وَ

وہ جنہوں نے پکڑا دین اپنا بے مقصد اور کھیل اور

غَرَّتْهُمُ ٱلْحَيَوٰةُ ٱلدُّنْيَا ۚ فَٱلْيَوْمَ نَنسَىٰهُمْ كَمَا

دھوکا دیا انہیں زندگی دنیا نے پس آج ہم بھلا دینگے انکو جیسے

نَسُوا۟ لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هَٰذَا وَمَا كَانُوا۟ بِـَٔايَٰتِنَا

بھلائی ملاقات دن اُن کے اِس کی۔ اور جو تھے ساتھ آئتوں ہماری

يَجْحَدُونَ ﴿٥١﴾

تھے وہ جھگڑتے

اور (وہیں جنت اور دوزخ میں داخل ہونے سے پہلے) اہلِ نار اہلِ جنت کو مخاطب کرکے استدعا کرینگے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں جو جنت میں (ٹھنڈا میٹھا) پانی اور رزق عطا فرمائے گا اس میں سے ہمیں بھی (تھوڑا سا) ازراہِ بخشش عطا کرنا۔ مگر وہ کہینگے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کیلئے حرام کر دیا ہے جو اُسکے ضابطے کا انکار کرنیوالے ہیں۔

وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے دین کو بے مقصد اعمال یعنی کھیل تماشا بنا لیا تھا۔ اور انہیں دُنیا کی زندگی نے دھوکا دے دیا تھا۔ (اللہ تعالیٰ فرمائیگا) آج کے دن ہم انہیں اسی طرح بھلا دینگے جس طرح انہوں نے آج کے اس (یعنی قیامت کے) دن کو بھلا دیا تھا۔ اور جیسے کہ وہ ہماری آئتوں کے متعلق جھگڑا کیا کرتے تھے۔

● ۲ نادیٰ اور قالوا دونوں افعالِ ماضی ہیں لیکن چونکہ قیامت کے ذکر میں آئے ہیں اسلئے تحقق و قوع کیلئے مضارع مستقبل کا فائدہ دیتے ہیں۔

● ۳ اَفِيضُوا کا معنیٰ یہاں پر یہ نہیں کہ ہمیں ازراہِ بخشش عطا کرو۔ بلکہ یہ ہے کہ ہمیں ازراہِ بخشش عطا کرنا۔ ان افعال سے یہ مفہوم اخذ کرنا بالکل غلط ہے کہ اہلِ جنت کے جنت میں اور اہلِ نار کے نار میں چلے جانے کے بعد کے متعلق بتایا گیا ہے کہ اہلِ نار نار کے اندر مذکورہ استدعا کرینگے۔ کیونکہ جنت و جہنم کی باہمی دُوری کی وضاحت ۲۱/۱۰۲ کے مطابق پیچھے گزر چکی ہے کہ اہلِ جنت جہنم کی آواز تک نہ سن سکینگے۔ لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا ۲۱/۱۰۲۔ پس اہلِ جہنم کی مذکورہ استدعا جہنم میں داخل ہونے سے پہلے اُس مقام کی ہے جہاں اہلِ جہنم کو اہلِ جنت سے جدا کر دیا جائیگا۔ اور ابھی جنت اور جہنم میں داخل ہوئے ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کو اپنے علم کے مطابق مفصل کر دیا ہے | ● اوپر اللہ تعالیٰ کی آئتوں کا

انکار کرنیوالوں کی سزا بیان کرنے کے بعد اگلی آیت مجیدہ میں آیاتِ خداوندی کی انکاری صورت کی وضاحت کردیگئی ہے کہ یہ لوگ آیاتِ خداوندی کو مفصل نہیں مانتے، حالانکہ اس نے اپنی آیتوں کو اپنے لامحدود علم کے مطابق مفصل کردیا ہے۔

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ
اور البتہ بیشک آئے ہم پاس انکے ساتھ کتاب کے مفصل کیا ہمنے اوپر علم کے

هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۵۲
ہدایت اور رحمت واسطے اس قوم کے جو ایمان لاتے ہیں

اور بیشک بیشک ہمنے (اپنے انبیاؑء کے ذریعہ) انکے پاس اپنی کتاب بھیجی ہے۔ جسے ہمنے (اپنے لامحدود) علم کیمطابق مفصل کر دیا ہے جو ماننے والی قوم کیلئے ہدایت بھی ہے اور رحمت بھی ہے۔

غور فرمائیں ● اس آیت سے آیاتِ ماقبل میں قیامت کی سزا جزا کے تفصیلی بیان میں اہل نار کی وضاحت اس طرح فرمائی گئی ہے کہ انہیں اس امر کی سزا دی جائیگی کہ وہ ہماری آیتوں کو انکار کرتے تھے۔ یہ نہیں کہ وہ لوگ مانتے نہ تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں ہیں۔ بلکہ یہ کہ وہ اللہ کی آیتوں کو مفصل نہیں مانتے تھے۔ انکے اس عقیدے کے ردّ کے طور پر آیتِ بالا میں اعلانِ عام کردیا گیا ہے کہ ہم نے انکار کرنیوالوں کی طرف اپنی ایک اکلوتی کتاب بھیجی ہے۔ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ میں کِتٰبٍ بصیغہ واحد آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ہی کتاب نازل ہوئی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی اعلان کر دیا گیا ہے کہ ہم نے اُسے اپنے لامحدود علم کے مطابق مفصل کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے علم سے کس کا علم افضل ہے؟ ● غور طلب یہ امر ہے کہ اللہ تعالیٰ تو یہ کہے کہ میں نے اپنی کتاب کو لا محدود علم کے مطابق مفصل کر دیا ہے مگر علماءِ کرام یہ کہیں کہ نہیں یہ مفصل نہیں مجمل ہے اسکی تفصیل ان کتبِ روایات میں موجود ہے جو عن فلاں عن فلاں کے ذریعہ آنحضورؐ کے دو سو سال بعد آپکی طرف منسوب کئے جانے کی بدولت یکسر ظنی ہیں یقینی نہیں۔ تو بتائیے کہ کیا ایک یقینی کتاب کی تفصیل ظنی کتابیں کر سکتی ہیں؟ ہرگز نہیں پھر دیکھئے کہ قرآن کو غیر مفصل ماننے میں کتنی آیات کریمات کا انکار کرنا پڑتا ہے۔

● قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ۝ ۶/۹۹ بیشک ہمنے اپنی آیتوں کو تفقہ کرنیوالی قوم کیلئے مفصل کردیا ہے۔
● قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۝ ۶/۱۲۶ بیشک ہمنے اپنی آیتوں کو نصیحت حاصل کرنیوالی قوم کیلئے مفصل کردیا ہے۔
● اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ۝ ۶/۱۱۵ (اے رسولؐ!) کہدیجیئے کہ کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور حاکم تلاش کروں جبکہ اُس نے اپنا حکمنامہ ایک مفصل کتاب کی صورت میں تمہاری طرف نازل کردیا ہے۔

اس عنوان کی مکمل بحث کہ قرآنِ کریم کی تفصیل، تفسیر اور تبیین خود قرآنِ کریم کے اندر موجود ہے اور خود اللہ تعالیٰ نے کردی ہوئی ہے پیچھے صفحہ ۲۴۸ ملاحظہ فرمائیں اور اس امر کی مفصل بحث کہ قرآنِ کریم کی تبیین کا ذریعہ تصریفِ آیات قرآنیہ ہے اور خود آنحضورؐ بھی تبیینِ قرآنِ کریم بذریعہ تصریفِ آیاتِ قرآنیہ فرمایا کرتے تھے، صفحہ ۲۴۷ پر ملاحظہ...

فرمائیں۔

● آیتِ بالا میں اپنے علمِ لامحدود کے مطابق اپنی کتاب کی خود تفصیل کرنے کے اعلان کے بعد پھر اُنہی لوگوں کی طرف رُخ کیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی کتاب کو مفصّل تسلیم نہیں کرتے۔ ارشاد ہوا کہ ایسے لوگ اپنے مذکورہ جُرم کی سزا کے منتظر ہیں:۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ
نہیں انتظار کرتے وہ مگر سزا اُسکی کی۔ جس دن آجائے گی
تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ
سزا اُسکی کہینگے وہ جنہوں نے بھلا دیا سے پہلے بیشک آئے
رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا
رسول رب ہمارے کے۔ پس کیا ہیں واسطے ہمارے سے شفاعیتوں کے پھر وہ شفاعت کریں
لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ قَدْ
واسطے ہمارے یا ہم لوٹائے جائیں پھر ہم عمل کریں سوائے اُنکے جو ہم نے کئے تھے بیشک
خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا
گھاٹا دیا انہوں نے جانوں اپنی کو اور گم ہوا سے انکے جو تھے وہ
يَفْتَرُوْنَ ۝ ۵۳ ع ۶ / ۱۴
وہ بہتان باندھتے

وُہ نہیں انتظار کرتے مگر اُس (اپنے جُرم تکذیبِ آیات) کی سزا کا۔ جس دن قیامت کو جُرم کی سزا آجائیگی تو اس دن وہ لوگ جنہوں نے اس سے پہلے (دُنیوی زندگی میں) اسے بھلا دیا تھا۔ یہ کہینگے کہ بیشک ہمارے رب کے رسُول حق (مفصّل کتاب) لیکر آئے تھے۔ کیا آج کوئی شفاعیتوں میں سے کوئی ہمارا شفیع ہے، جو ہماری شفاعت کرے؟ یا ہم (دُنیا میں واپس) لوٹائے جائیں۔ تاکہ ہم اُن بُرے اعمال کے خلاف جو ہم کرتے رہے تھے (اچھے) عمل کریں۔ بیشک انہوں نے اپنے آپکو نقصان پہنچایا۔ اور وُہ بہتان جو وُہ باندھتے تھے کہ قیامت کو ہماری شفاعت ہو جائیگی) اُن سے گم ہو جائیگا۔ (کسی کام نہیں آئیگا)۔

● ۱ـ تاویل کا معنیٰ ہے نتیجہ۔ تکذیبِ آیاتِ خداوندی کا نتیجہ ہے دُنیا و آخرت کی سزا۔

شفیع صرف اللہ تعالیٰ ہے

● ۲-۳ـ آیتِ بالا میں عقیدۂ شفاعت کو افتریٰ محض کہا گیا ہے۔ سُورہ زُمر میں شفاعت کا عقیدہ رکھنے والوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ؕ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ۝ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ؕ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ ۳۹ ـ ۴۳ ـ ۴۴ کیا لوگوں نے اللہ کے سوا کوئی اور شفیع بنا لئے ہیں (اے رسول!) کہہ دیجیئے گا! اگرچہ نہ وُہ کسی چیز کے مالک ہی ہوں اور نہ ہی وُہ عقل رکھتے ہوں۔ (اے رسول!) آپ اعلان کر دیجیئے گا کہ شفاعت ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں (یعنی شفاعت اللہ کے سوا اور کسی کا حق ہے ہی نہیں کیونکہ) آسمانوں اور زمین میں صرف اُسی کی حکومت ہے۔ پھر تم اعمال کی جوابدہی کیلئے) اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ـــــ دیکھا آپنے! کہ شفاعت ساری کی ساری صرف اُس ذاتِ مقدّس کیلئے مختص بتائی گئی ہے جو آسمانوں

اور زمین کی حکومت کا مالک ہے - اور جس کے حضور میں قیامت کے دن سب لوگ اعمال کی جوابدہی کیلئے حاضر کئے جائینگے - پس ثابت ہے کہ اللہ کے سوا کوئی اور شفیع نہیں ہے -

● نیز غیر اللہ کو شفیع ٹھہرانے کو سورہ یونس میں شرک قرار دیا گیا ہے یہ اسلئے کہ جب ۳۹/۴۴ کیمطابق اللہ کے سوا شفیع کوئی اور ہے ہی نہیں تو کسی اور کو شفیع قرار دینا صریحاً شرک ثابت ہوتا ہے - اس شرک کی وضاحت بالفاظ ذیل کر دیگئی ہے :- وَيَقُولُونَ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللَّهِ ۚ قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللَّهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ ۚ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝ ۱۰/۱۸ اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ کے ہاں یہ ہمارے شفاعتی ہیں (اے رسولؐ!) کہہ دیجیئگا کیا تم اللہ تعالیٰ کو اس چیز کی خبر دیتے ہو جسے وہ (تمہارے زعم کیمطابق) جانتا نہیں نہ آسمان میں نہ زمین میں - وہ (اللہ تعالیٰ) پاک ہے اس چیز سے جو تم (غیر اللہ کو شفیع ٹھہرا کر) اُسکے ساتھ شرک کرتے ہو -

● اس آئت میں غرض شفاعت بتا دیگئی ہے کہ کیا غیر اللہ شفیع اللہ تعالیٰ کو یہ بتائیں گے کہ یہ شخص مجرم نہیں ہے اسے معاف کر دیا جائے - شفیع صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو اسلئے بتایا گیا ہے ۳۹/۴۴ کہ وہ آسمانوں اور زمین کی جملہ پوشیدگیوں کو اچھی طرح جانتا ہے - نیز وہ بے انصافی کرنیوالا ہرگز نہیں ہے کہ وہ کسی غیر مجرم کو مجرم گردان کر اُسے سزا دیدے -

ایک غلطی کا ازالہ

● مسئلہ شفاعت کے ضمن میں اہل روایات کو آئت ذیل سے غلطی لگی ہے - مَن ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِندَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۲/۲۵۵ اسکا یہ غلط مفہوم لیا جاتا ہے کون ہے جو اللہ کے ہاں اسکی اجازت کے بغیر شفاعت کرے - حالانکہ تصریف آیات کیمطابق یہاں اِلَّا بِإِذْنِهِ کا معنی ہے اُسکے قانون کیخلاف شفاعت کرے - اذن بمعنی قانون آگے صفحہ ۴۷۲ پر آئت نمبر ۷/۵۸ میں آرہا ہے وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ ۖ وَالَّذِي خَبُثَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا اور صحت مند زمین کی پیداوار اپنے رب کے اذن (قانون) کیمطابق اچھی اور جو ناقص زمین ہے نہیں پیدا ہوتی اسکی پیداوار مگر ناقص ہی پیدا ہوتی ہے — جس طرح یہاں اذن بمعنی قانون ہے کیونکہ صحت مند زمین سے اچھی فصل اور ناقص زمین سے ناقص فصل کا پیدا ہونا اللہ تعالیٰ کا قانون ہے - اسی طرح ۲/۲۵۵ میں اِلَّا بِإِذْنِهِ کا مفہوم بھی اذن بمعنی قانون کیمطابق یہ ہے کہ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کے قانون کے خلاف اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی کی شفاعت کر سکے - اور اللہ تعالیٰ کو کسی شفاعت کی عدم ضرورت کی خبر اگلے الفاظ میں دیدیگئی ہے يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وہ اللہ تعالیٰ خود جانتا ہے جو کچھ مجرموں کے آگے ہے اور جو کچھ انکے پیچھے ہے مکمل حالات کو خود جانتا ہے اُسے کسی شفاعتی کی کیا ضرورت ہے - پھر شفاعت کے عدم قانون خداوندی ہونے کا اعلان قُل لِّلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا ۳۹/۴۴ کے الفاظ میں کر دیا ہے - نیز ۱۰/۱۸ میں عقیدہ شفاعت کو شرک قرار دیدیا ہے - اور

شفاعت کے عدم قانونِ خداوندی کی خبر الَّا بِاِذْنِهٖ ۲/۲۵۵ میں بالفاظ ذیل دے دی گئی ہے :-

● یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَ لَا خُلَّةٌ وَّ لَا شَفَاعَةٌ ۲/۲۵۴ ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو رزق دیا ہے اُس میں سے اُس دن سے پہلے پہلے اللہ کی راہ میں خرچ کر لو جس میں نہ کوئی سودا بازی ہو گی نہ کوئی دوستی کام آئیگی اور نہ شفاعت ہو گی ـــــ اس آئت میں یوم سے مُراد موت کا دن بھی ہے اور قیامت کا دن بھی۔ جس طرح موت کے دن سودا بازی دوستی اور شفاعت کی نفی کر دیگئی ہے کہ اُس دن شفاعت سمیت کسی بھی طریقے سے مرنیوالے کو موت سے نہیں بچایا جا سکتا' اسی طرح قیامت کے دن بھی کوئی مجرم جو بلا توبہ و اصلاح مر گیا ہو شفاعت کیسے کسی بھی طریقے سے جرائم کی سزا سے بچ نہ سکیگا۔ شفاعت اور انصاف ایکدوسرے کی ضد ہیں اور خدا تعالیٰ ایسا نہیں ہےکہ کسی بھی شخص سے ساتھ قیامت کو بے انصافی کرے۔

● آئتِ بالا ۷/۵۳ کے الفاظ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَیَشْفَعُوْا کی تفسیر کے ضمن میں تعریف آیات کے ذریعۂ مسئلۂ شفاعت کے مرکزی نقطہ کی وضاحت آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ شفاعت ساری کی ساری صرف اور صرف اللہ کیلئے ہے لِلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِیْعًا ۳۹/۴۴ اور اسکی اس صفتِ مخصوصہ میں کسی کو شامل کرنے کو ۱۰/۱۸ میں شرک کہا ہے۔ مسئلۂ شفاعت کے ضمن میں انتہائی حیرت انگیز امر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِیْعًا کا اعلان جس ذاتِ اقدس رسولِ اکرم سے کرادیا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی اور شفیع ہے ہی نہیں' ہمنے اُسی ذات رسولِ اکرمؐ کو شفیع قرار دے لیا ہے' اب سلسلۂ درس کی اگلی آئت ملاحظہ فرمائیں :-

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بیشک ہے رب تمہارا اللہ جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُغْشِی الَّیْلَ بیچ چھ دنوں کے پھر قائم ہوا اوپر سلطنت اپنی کے وہ ڈھانپتا ہے رات کو النَّهَارَ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ وَ النُّجُوْمَ دن پر اُسے طلب کرتا ہے جلدی اور سورج اور چاند اور ستارے مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ مطیع کئے گئے ساتھ قانون اسکے خبردار واسطے اسی کے ہے پیدا کرنا اور حکم کرنا تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ ۵۴ بابرکت ہے اللہ پروردگار جہانوں کا	(اے نوعِ انسانی!) بیشک تمہارا پروردگار ہے وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ وقفوں میں پیدا کیا پھر وہ اس عظیم سلطنت پر پورا پورا کنٹرول کئے ہوئے ہے۔ وہ (اپنے قانونِ جاریہ کے مطابق) رات کو دن پر ڈھانپ دیتا ہے۔ پھر وہ اُسے جلدی طلب کرتا ہے (یعنی دن اپنے مقررہ وقت پر پھر نکل آتا ہے) اور سورج اور چاند اور ستارے اُسکے قانون کے مطابق (اپنے اپنے مدار پر) محوِ گردش ہیں۔ خبردار! (بگوشِ ہوش سُن لو کہ) واسطے اُسی کے ہے پیدا کرنا اور حکم کرنا۔ بابرکت ہے اللہ جو تمام جہانوں کی مخلوق کا ایک جیسا رب ہے (تم اسکے حکم ربوبیت میں تصرف کرنا)۔

● ۱؎ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ کا یہ روایتی معنیٰ غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک تخت پر بیٹھا ہوا ہے کیونکہ نہ اللہ تعالیٰ کا کوئی مادی جسم ہے اور نہ اُسکا بیٹھنے کا کوئی مادی تخت ہے۔ بلکہ عرش کا معنیٰ ہے سلطنت اور استوٰی کا یہ معنیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی اس عظیم سلطنت پر پوری طرح کنٹرول کئے ہوئے ہے۔ انسان کے سوا کوئی بھی چیز اُس راہ سے ہٹ نہیں سکتی جو اسکے لئے مقرر کر دیا گیا ہے۔ صرف حضرتِ انسان کو صاحبِ اختیار وارادہ پیدا کیا گیا ہے۔ اور یہ حکم دیکر کہ بُرے عملوں سے بچو اور نیک کام کرو، اعلان کر دیا گیا ہے اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ $\frac{۴۰}{۴۱}$ اچھے یا بُرے جیسے بھی عمل تم خود چاہو خود کرو۔ یہ تمہارا اپنا اختیار وارادہ ہے۔

● ۲؎ اَمْر کا معنیٰ بھی قانون ہے، جیسے کہ قرآنی لغت کیمطابق $\frac{۱۴}{۳۲}$ میں آیا ہے وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ اور اللہ نے کشتیوں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے تاکہ وہ اسکے امر (قانون) کے مطابق سمندر میں چلتی رہیں۔ اب دیکھئے کہ سمندر میں کشتیوں کے چلنے کا ایک مخصوص خداوندی قانون ہے کہ لوہے تک کی بنی ہوئی وہ کشتیاں اور بڑے بڑے جہاز پانی پر تیرتے پھرتے ہیں جو اپنے حجم کے پانی کے وزن سے ہلکے ہوں مگر جو اپنے حجم کے پانی کے وزن سے بھاری ہوں وہ ڈوب جاتے ہیں۔ پس مذکورہ مشاہدۂ عالم کیمطابق تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ کا صاف معنیٰ یہ ہے کہ کشتیاں اللہ تعالیٰ کے متعینہ قانون کیمطابق سمندر میں چلتی ہیں۔ اور اسی طرح سورج چاند ستارے وغیرہ سب اللہ تعالیٰ کے اُس متعینہ قانون کیمطابق افلاک کی پہنائیوں میں اپنے اپنے مدار پر محوِ گردش ہیں جو اُنکے لئے متعین کر دیا گیا ہے۔

● ۳؎ آئتِ بالا زیرِ بحث $\frac{۷}{۵۴}$ کا آخری جملہ ہے تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ جس کا مفہوم یہ ہے کہ بابرکت ہے اللہ تعالیٰ جو پوری کائنات کے تمام جہانوں کی پوری مخلوق کا ایک جیسا رب ہے۔ یوں نہیں کہ کسی کو اُس نے وافر سامانِ ربوبیت کا حق عطا فرما دیا ہے اور کسی کو اسقدر محدود کہ اُسکے اہل وعیال کی ضروریاتِ ربوبیت پوری بھی نہ ہو تی ہوں۔ اِس جملہ مبارکہ کے الفاظ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ سے کھل کر عیاں ہو رہا ہے کہ پورے عالمین کے حقوقِ ربوبیت میں ہرگز ہرگز کوئی امتیاز روا نہیں رکھا گیا۔ پیچھے صفحہ ۳۴۸ پر وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ $\frac{۷}{۲۴}$ + $\frac{۲}{۳۶}$ کی تفسیر میں وضاحت کی جا چکی ہے کہ زمین میں ہر فردِ انسانی کا حق ہے کہ اُسے مرتے دم تک کیلئے بلا کرایہ مکان بھی میسر رہے اور ضروریاتِ زندگی بھی متوازن ومساوی انداز سے ملتی رہیں۔ اور ایسا متوازن انتظام قائم کرنا مرکزی حکومت کا فریضہ ہے جس حکومت میں ایسا انتظام نہ ہو وہ اسلامی حکومت نہیں کہلا سکتی، بلکہ وہ $\frac{۲۸}{۴}$ کیمطابق فرعونی حکومت ہو سکتی ہے۔

سلسلۂ درس کی اگلی آیاتِ مجیدہ میں تضرع خوف اور طمع کیساتھ مخفی انداز میں بحضورِ خداوندی دعا کرنے کا حکم دیا گیا ہے بغور ملاحظہ فرمائیں :-

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۭ اِنَّهٗ لَا اور دعا کرو رب اپنے کو عاجزی کیساتھ خفیہ انداز میں بیشک وہ نہیں	اور اپنے پروردگار کے حضور میں دُعا کیا کرو عاجزی کیساتھ مخفی انداز میں (یعنی مشکلات کے وقت صرف اُسی سے

یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ۵۵
پسند کرتا حد سے بھاندنے والوں کو

مدد مانگا کرو اور قوانین خداوندی کی مخالفت کرکے مشکلات کو دعوت نہ دیا کرو ۳ بیشک وہ (اللہ) حد سے پھاندنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا
اور مت تم فساد کرنا بیچ زمین کے پیچھے اصلاح اسکی

وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۴ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ
اور دعا کرو اسے خوف اور طمع سے بیشک رحمت اللہ کی

قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ ۵۶
نزدیک ہے سے توازن قائم کرنیوالوں

اور (اللہ تعالیٰ کی حد سے پھاند کر) زمین میں فساد نہ کرنا پیچھے اسکے کہ اسکی اصلاح ہو چکی ہو (یعنی جب ہر فرد معاشرہ کے حقوق ربوبیت محفوظ ہو چکے ہوں) اور اُس اللہ ہی کے حضور دعا کیا کرو (اسکے قوانین کی مخالفت کے بُرے نتیجے سے ڈرتے ہوئے اور اسکے قوانین پر عمل کرنے کے بہتر نتیجے کا) طمع رکھتے ہوئے ۴ بیشک اللہ کی رحمت ان لوگوں کے قریب ہے جو (نظام ربوبیت قائم کرکے معاشرہ میں توازن قائم کرنیوالے ہیں۔

● ۱ اُدْعُوْا کا سہ حرفی مادہ ہے د۔ ع۔ و جسکا بنیادی معنی ہے بلانا پکارنا دعا کرنا۔ اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرنے کے دو مقام ہیں۔ ایک ہے صلوٰۃ موقّت (نماز) اور دوسرا ہے مشکل وقت پر غائبانہ مدد مرادیں مانگنا۔ قرآن مجید نے نماز کو بھی خالصتہً اللہ تعالیٰ کیلئے مختص کر رکھا ہے اور غائبانہ مرادیں مانگنے کو بھی۔ صلوٰۃ نماز بھی مقام دعا ہے وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ۷۲/۱۸ مسجدیں صرف اللہ کیلئے ہیں۔ پس اللہ کیساتھ غیر اللہ کو مت پکارو۔ صلوٰۃ میں دعا بھی مانگی جاتی ہے اور اُسی سے مدد مانگنے کا اقرار بھی کیا جاتا ہے اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ۱/۴ ۔

● ۲ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَةً کے الفاظ میں دعا کے آداب سکھائے گئے ہیں عاجزی اور خفیہ انداز کیساتھ اس حکم الٰہی کے مطابق اللہ تعالیٰ کو زور کی آواز کیساتھ پکارنا شجرِ ممنوعہ ہے۔ نیز واضح رہے کہ اُدْعُوْا فعل امر جمع میں خود آنحضور بھی شامل ہیں اور حضرت علیؓ بھی جنہیں مشکلوں کے وقت پکارا جاتا ہے۔ حالانکہ آنحضورؐ سمیت جملہ بزرگوں کو صرف حضور الٰہی میں دعا کرنے کا حکم دیا گیا ہے جسکے مطابق خود آنحضورؐ اور آپکے صحابہؓ اور دیگر تمام بزرگ خود اللہ تعالیٰ سے مرادیں مانگتے تھے۔ اس طرح غیر اللہ سے مرادیں مانگنا حکم باری کے بھی خلاف ہے۔ نیز سنّتِ رسول اور تعامل صحابہؓ کے بھی خلاف ہے۔

● ۳ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ کے جملہ مبارکہ سے عیاں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حد سے پھاندنا اُسکی ناراضگی کا موجب ہے۔ نیز ظاہر ہے کہ حدود اللہ کو پھاند کر انسان خود مشکلات میں گرفتار ہو جاتا ہے مثلاً آگ میں انگلی ڈالیں تو یقیناً جل جائیگی۔ پس انتہائی بلیغ انداز کیساتھ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حدوں سے پھاند کر مشکلات کو دعوت نہ دیا کرو۔ قوانین خداوندی کی حدود میں محدود رہو اور ہمیشہ اسی کے حضور میں نہ زور زور سے نہیں بلکہ مخفی انداز میں عاجزانہ دعائیں بھی کیا کرو اور غائبانہ مدد مرادیں بھی صرف اسی سے مانگا کرو۔

● ۴ آیت نمبر ۵۵ میں اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَةً آیا ہے کہ اپنے رب کے حضور عاجزی کیساتھ خفیہ دعا کیا

کرو - اس آیت نمبر ۵۶ میں وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا آیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ دُعا کیساتھ خوف اور طمع کی شرط بھی عائد کردیگئی ہے - اس سے عیاں ہے کہ دُعا کیساتھ بُرے اعمال کے بُرے نتیجے کے خوف سے بُرے عملوں سے بچنا ہوگا اور نیک اعمال کے اچھے نتیجہ کے طمع کیساتھ نیک اعمال بجالانے ہونگے - اس سے ثابت ہوا کہ دُعا اپنے آپ کو نیک اعمال بجالانے اور بُرے اعمال سے بچنے کی تحریک ہے جس میں یہ بھی شامل ہے کہ جس مقصد کے حصول کے لئے دُعا کی جائے اسکے حصول سے متعلقہ قوانینِ خداوندی پر عمل کرنا لازم ہے - اور اس عمل کیساتھ ہی حصولِ مقصد کا طمع کیا جاسکتا ہے اسکے برعکس قانونی حدود شکنی کا لازمی نتیجہ حصولِ مدعا سے محرومی ہی ہے - اور اس خطرہ سے بچنے کا ایک ہی ذریعہ ہے قوانینِ خداوندی کی پابندی -

● سلسلۂ درس کی اگلی آیات مجیدہ میں قیامِ نظامِ ربوبیت کے ربط کیمطابق زمین کی پیداوار کا مستقل قاعدہ بتادیا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے قانون کیمطابق بارشیں برساتا ہے اور اس پانی کیساتھ اچھی زمین سے اچھی پیداوار نکلتی ہے اور ناقص زمین ناقص فصل ہی دیتی ہے :-

وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ
اور وہ ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو خوشخبری دینے والی درمیان ہاتھوں

رَحْمَتِهٖ ۭ حَتّٰٓي اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ
رحمت اسکی یہانتک کہ جب اٹھاتی ہے وہ بادل بھاری ہانک لاتے ہیں ہم

لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَاۗءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ
طرف زمین مردہ کے پھر نازل کرتے ہیں ہم ساتھ اسکے پانی پھر نکالتے ہیں ہم ساتھ اسکے

مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ
سے تمام میوے مانند مذکورہ ہم نکالینگے مُردے شاید کہ تم

تَذَكَّرُوْنَ ۝ ۵۷
نصیحت حاصل کرو

اور وہ (اللہ تعالیٰ ہی) ہے جو اپنے قانون کے مطابق اپنی رحمت سے پہلے بارش کی خوشخبری دینے کیلئے ہوائیں بھیجتا ہے - یہانتک کہ جب ہوائیں بھاری بادلوں کو اٹھالاتی ہیں تو ہم اُسے (اپنے قانون کیمطابق) مُردہ زمین کی طرف ہانک کرلے جاتے ہیں - پھر ہم (اپنے قانون کیمطابق) اُس پانی کیساتھ ہر قسم کے میوے نکالتے ہیں - اسی طرح ہم قیامت کے دن مُردوں کو نکالینگے (یہ بیان اسلئے کیا گیا ہے) تاکہ تم نصیحت حاصل کرو - (کہ معاشی توازن کے قیام کیلئے خدا تعالیٰ نے پورے کارخانۂ کائنات کو ہر آن سرگرمِ عمل رکھا ہوا ہے)

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ
اور زمین تندرست نکلتی ہے پیداوار اسکی ساتھ قانون رب اسکے

وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ۭ كَذٰلِكَ
اور جو ناقص ہے نہیں نکلتی مگر ناقص پیداوار - مانند اسی کے

اور صحتمند زمین سے اُس کی پیداوار اُسکے رب کے قانون کے مطابق (زیادہ اور عمدہ) نکلتی ہے اور جو زمین ناقص ہو - اُس میں سے نہیں نکلتی مگر ناقص فصل ہی نکلتی ہے - اسی طرح ہم [illegible] کو پھیر پھیر کر لاتے ہیں اُس

نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّشْکُرُوْنَ ۞ ۵۸ || قوم کیلئے جو بھرپور محنت کرنیوالے ہیں۔[۸]

ہم پھیرتے ہیں اپنی آیتیں واسطے قوم بھرپور محنت کرنیوالے

ع ۱۴

● لہ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِہٖ کے جملہ میں آمد بارانِ رحمت کی خوشخبری دینے والی ٹھنڈی ہواؤں کا ذکر ہے جو خدا تعالیٰ کے متعیّنہ طبعی قوانین کیمطابق کالی گھنگھور گھٹاؤں سے آگے آگے چلتی ہیں بَیْنَ یَدَیْ کا لفظی معنی ہے درمیان دو ہاتھوں کے مگر اسکا اصطلاحی معنی ہے آگے یا سامنے۔

● لہ ۲ سُقْنٰہُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ کیمطابق قانونِ قدرت یہ ہے کہ بادل ہوا کے کندھوں پر سوار ہو کر آتے ہیں اور مُردہ زمین کیطرف ہانک دئیے جاتے ہیں۔ جس علاقے میں زور کی گرمی پڑتی ہے وہاں ہوا گرم ہو کر ہلکی ہو جاتی اور اوپر اٹھ جاتی ہے۔ اس خلاء کو پُر کرنے کیلئے سمندر کی ٹھنڈی ہوا اپنے کندھوں پر بادلوں کو اٹھا کر تیزی سے اس طرف بڑھتی ہے۔

● لہ ۳ فَاَنْزَلْنَا بِہِ الْمَآءَ کی خبر کے مطابق ہوا کے ذریعہ سمندر سے اٹھا کر لائے گئے بادل پہاڑوں سے ٹکرا کر مُردہ زمین پر برس پڑتے ہیں اور اُسے زندہ کر دیتے ہیں۔ سائنسی تحقیق کیمطابق زمین پانی اور فضائی گیسوں کے آمیزے کیساتھ زندہ ہو جاتی ہے یعنی گرمی کی شدت کیساتھ جو اسکی صلاحیتِ نمو ر چکی ہوتی ہے زندہ ہو جاتی ہے۔ ۵۰/۸ میں اس آمیزے کو مَآءً مُّبٰرَکًا کہا گیا ہے وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَکًا ۵۰/۸۔

● لہ ۴ فَاَخْرَجْنَا بِہٖ مِنْ کُلِّ الثَّمَرٰتِ کے الفاظ میں اسی چیز کی خبر دیگئی ہے کہ اُن فضائی گیسوں اور پانی کے آمیزے کیساتھ زمین میں سے ہر قسم کے میوہ جات اور فصلیں نکالی جاتی ہیں۔

● لہ ۵ کَذٰلِکَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰی یہ جملہ معترضہ ہے کہ جس طرح ہم فضائی گیسوں اور پانی کے آمیزے سے مُردہ زمین کو زندہ کر لیتے ہیں اسی طرح قیامت کو مخصوص گیسوں اور پانی کے مخصوص آمیزے کیساتھ مُردوں کو زندہ کر کے زمین میں سے نکال لینگے۔ یعنی اس طرح مخصوص گیسوں اور پانی کا آمیزہ برسا کر مُردوں کو قیامت کے دن زمین میں سے نکال لینے کی خبر ۵۰/۱۱ میں کَذٰلِکَ الْخُرُوْجُ کے الفاظ میں آئی ہے اور ۳۵/۹ میں کَذٰلِکَ النُّشُوْرُ کے الفاظ آئے ہیں۔

● لہ ۶ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ کے الفاظ بارش کیساتھ مُردہ زمین کو زندہ کرنے اور اُس میں سے ہر قسم کے پھل اور اجناس پیدا کرنے کی خبر کے بعد لائے گئے ہیں تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں کہ یہ بارشیں برسانے اور فصلیں اگانے کا عظیم کائناتی نظام پوری نوعِ انسانی کیلئے ہے۔ اسکے ماحصل سے پوری نوعِ انسانی کا فیضیاب ہونا ضروری ہے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ مرکزی طور پر ریاستی نظامِ ربوبیّت قائم کر کے مذکورہ رزق کی منصفانہ تقسیم کی جائے۔

● لہ ۷ وَالْبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخْرُجُ نَبَاتُہٗ بِاِذْنِ رَبِّہٖ وَالَّذِیْ خَبُثَ لَا یَخْرُجُ اِلَّا نَکِدًا کے الفاظ میں صراحتاً بتلا دیا گیا ہے کہ اِذن کا معنی قانون ہے کیونکہ صحت مند زمین سے عمدہ غذا کا پیدا ہونا اور ناقص زمین سے ناقص پیداوار کا میسر آنا خدا

تعالیٰ کا دائمی قانون ہے یعنی ہمیشہ سے ایسا ہوتا چلا آیا ہے اور ہمیشہ تک ایسا ہی ہوتا چلا جائیگا - قرآنِ کریم میں تصریفِ آیات کے ذریعہ اذن بمعنی قانون ذیل کے دیگر متعدد مقامات سے ثابت ہے :-

۱- وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۱۰/۱۰۰ اور کسی نفس کیلئے یہ نہیں ہے کہ وُہ اللہ کے اذن (قانون) کے بغیر ایمان لے آئے - اور کفر و ایمان کا قانونِ خداوندی یہ ہے :- وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ ۱۸/۲۹ اور کہدیجیگا اے رسول! کہ حق قرآن تمہارے رب کی طرف سے آگیا ہے پس جو کوئی خود چاہے اس پر ایمان لائے اور جو کوئی خود چاہے انکار کردے -

۲- كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ ۲/۲۴۹ بارہاں اللہ کے اذن (قانون) کے مطابق چھوٹی جماعت بڑی جماعت پر غالب آئی ہے - اور غلبے کا قانون اسی آئت کے اگلے الفاظ میں بیان کردیا ہے ثابت قدمی وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۲/۲۴۹ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ثابت قدم رہنے والوں کیساتھ ہے (ثابت قدم رہنے والے ہی غالب آتے ہیں)

۳- وَمَا اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ ۳/۱۶۶ اور جس دن دو گروہوں میں مقابلہ ہوا اُس دن تمہیں جو شکست کی مُصیبت پہنچی تھی وُہ اللہ کے اذن (قانون) کے مطابق پہنچی تھی - اور فتح و شکست کے قانون کا اعلان اس سے ماقبل آئت مجیدہ ۳/۱۶۵ میں موجود ہے اَوَلَمَّا اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۳/۱۶۵ کیا اور جب تمہیں (جنگِ اُحد میں) شکست کی مُصیبت پہنچی حالانکہ اس سے پہلے تم انہی دشمنوں کو (جنگِ بدر میں) اس سے دُگنی شکست دے چکے تھے - تم نے اس شکست پر کہا کہ یہ کیوں آئی - کہدیجیگا اے رسول! کہ یہ تمہارے اپنے ہی افراد کی کوتاہی کی بدولت آئی ہے - بیشک اللہ تعالیٰ فتح و شکست سمیت ہر چیز کے اندازے پیمانے اور قوانین متعیّن کرنیوالا ہے -

■ اِس آئت مجیدہ ۳/۱۶۵ میں اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ کا مفہوم بھی اُجاگر کردیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا قدیر ہے - لفظ قدیر مادہ قدر سے صفت مشبّہ ہے - اور قدر کا معنیٰ ہے اندازہ پیمانہ اور قانون - اِس طرح عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ کا معنیٰ ہے ہر چیز کے صحیح صحیح اندازے پیمانے اور قانون مقرر کرنیوالا - اور فتح کا قانون ہے ثبات قدمی - چنانچہ جنگ اُحد کی شکست کی موجب صحابہؓ کے ایک دستہ کی سستی ہی تھی -

۴- مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۶۴/۱۱ نہیں آتی کوئی مُصیبت مگر اللہ کے اذن (قانون) ہی کیطابق آتی ہے - اور اِس قانون کی خبر بالفاظ ذیل دیگئی ہے وَمَا اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ ۴۲/۳۰ اور جو بھی مصیبت تمہیں آتی ہے پس وُہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہُوئی ہوتی ہے - پس قانونِ خداوندی یہ ہے کہ ہم جو کچھ بوئینگے وہی کچھ کاٹیں گے -

● ۵۸ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ کے جملہ مبارکہ میں سابقہ آیات مجیدہ میں پھیر پھیر کر لائے گئے بیان کو اس قوم کیلئے بتایا گیا ہے جو بھرپور محنت کر کے بھرپور بدلہ پانیوالے ہیں۔ بالفاظِ دیگر کام چوروں کیلئے اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی مقام نہیں۔ شکر کا معنی ہے بھرپور محنت کر کے بھرپور صلہ حاصل کرنا سورہ دہر میں اخروی عطاءِ جنت کو بھرپور محنت کا بھرپور صلہ قرار دیا گیا ہے اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ۝ ۷۶/۲۲ بیشک یہ جنت تمہاری بھرپور محنت کی جزا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تمہاری اپنی سعی مشکور ہوئی ہے۔ یعنی تمہاری اپنی ہی بھرپور محنت کا بھرپور بدلہ تمہیں جنت کی صورت میں دیا گیا ہے۔ ۲/۱۵۸ میں آیا ہے فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ۔ اسکا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانی محنت کا پورا پورا بدلہ دینے والا ہے۔ یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ شکر کرتا ہے۔

● مذکورہ پند و نصائح کے بعد سلسلۂ درس کی اگلی آئت نمبر ۵۹ سے لیکر آئت نمبر ۱۵۶ تک مسلسل سابقہ امتوں کا ذکر آیا ہے جنہوں نے قوانین خداوندی کی مخالفت کر کے اپنے آپکو قَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ کے زمرہ سے خارج کر دیا اور عذاب خداوندی کی مستحق ہوئیں۔ چنانچہ بالترتیب قوم نوحؑ قوم عادؑ قوم ثمودؑ قوم لوطؑ قوم شعیب اور قوم موسیٰ کا ذکر لایا گیا ہے تاکہ وہ قوم جسے قرآن کریم دیا گیا ہے اور جس کی طرف حضور خاتم النبیینؐ مبعوث فرمائے گئے تھے، نصیحت حاصل کر کے خدا تعالیٰ کی فرمانبردار ہو جائے:-

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ
بیشک بھیجا ہم نے نوحؑ کو طرف قوم اسکی پھر کہا اے قوم میری

اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّيْٓ اَخَافُ
حکم مانو اللہ کا۔ نہیں واسطے تمہارے حاکم سوائے اسکے بیشک میں ڈرتا ہوں

عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ ۵۹
لئے تمہارے عذاب دن بڑے سے

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ ۶۰
کہا سرداروں نے میں سے قوم اسکی بیشک ہم دیکھتے ہیں تجھے بیچ گمراہی کھلی

قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ
کہا اے قوم میری نہیں ساتھ میرے گمراہی اور لیکن میں رسول ہوں

مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ۶۱
سے رب جہانوں کے

البتہ تحقیق ہمنے نوحؑ کو انکی قوم کی طرف (رسول بنا کر) بھیجا پھر انہوں نے کہا کہ اے میری قوم تمہارے لئے اللہ کے سوا اور کوئی بھی فرمانبرداری کے لائق نہیں ہے۔ بیشک میں (تمہاری بداعمالیوں کی بدولت) تمہارے لئے بڑے دن (قیامت) کے عذاب سے خوف کھاتا ہوں (یعنی چاہتا ہوں کہ تم اس عذاب سے بچ جاؤ۔ لیکن قوم نے جواب دیا):-

اسکی قوم کے سرداروں نے کہا کہ ہم تجھے کھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں (کیونکہ تو ہماری آبائی روش سے ہٹ گیا ہے۔ اس پر آپنے فرمایا):-

(حضرت نوحؑ نے) کہا کہ اے میری قوم! میں گمراہ نہیں ہوں۔ بلکہ میں تمام جہانوں کے رب کی طرف سے بھیجا ہوا ہوں۔ (میرا کام نظام ربوبیت قائم کرنا ہے) ؎۱

● ۶۱ وَلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے جملہ مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت نوحؑ نے اپنا تعارف جہانوں کے

رب کے بھیجے ہوئے کے الفاظ میں پیش کیا - یعنی ربوبیت عالمین کی تبلیغ فرمائی - جس پر قوم کے سرداروں نے آپکی روش کو غلط قرار دیا مگر حضرت نے فرمایا کہ میں جو کچھ کہتا ہوں اپنی طرف سے نہیں کہتا بلکہ تمہیں تمہاری پرورش کرنے والے کا پیغام پہنچا رہا ہوں - تمہیں نصیحت کر رہا ہوں :-

اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ
میں پہنچاتا ہوں تمہیں پیغامات رب اپنے کے اور نصیحت کرتا ہوں واسطے تمہارے

وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۶۲
اور جانتا ہوں سے اللہ جو نہیں تم جانتے

(حضرت نوحؑ نے فرمایا) میں تمکو اللہ کے وہ پیغامات پہنچاتا ہوں اور تمہیں اللہ کی طرف سے وہ نصیحت کرتا ہوں جو تم نہیں جانتے -

اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ
کیا اور تعجب کرتے ہو تم کہ آئی پاس تمہارے نصیحت طرف سے رب تمہارے

عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ
بذریعہ بشر کے میں سے تمہارے تاکہ وہ ڈرائے تمہیں اور تاکہ تم بچو اور تاکہ تم

تُرْحَمُوْنَ ۝ ۶۳
تم رحم کئے جاؤ

کیا اور تم نے اس چیز پر تعجب کیا ہے کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی نصیحت تمہیں میں سے ایک بشر[1] کے ذریعہ آئی ہے تاکہ وہ تمہیں تمہارے فرائض منصبی سے آگاہ کرے اور تاکہ تم اپنے رب کی مخالفت سے بچ جاؤ اور تاکہ تم پر رحم کیا جائے - (لیکن قوم نے آپکو جھٹلا دیا) :-

[1] سورہ ھود ۱۱/۲۷ میں رجل کا متبادل بشر آیا ہے -

فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ
پھر جھٹلایا اُسے پھر نجات دی ہم نے اُسے اور انکو جو ساتھ اسکے تھے

فِي الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ
بیچ کشتی کے اور غرق کیا ہم نے انکو جنھوں نے جھٹلایا ساتھ آئتیں ہماری

اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ۝ (ع)
بیشک وہ تھے قوم اندھے

ربع ۸ ۱۵

پھر انہوں نے (حضرت نوحؑ کو) جھٹلا دیا - پھر ہم نے اُسے اور ان لوگوں کو جو اُسکے ساتھ کشتی میں تھے (طوفان سے) بچا لیا اور اُن لوگوں کو ہم نے (طوفان میں) غرق کر دیا جنھوں نے ہماری آئتوں کو جھٹلایا تھا - بلاشبہ وہ (عقل کی) اندھی قوم تھی (انہیں حقائق دکھائی ہی نہیں دیتے تھے) -

سُورہ ھود ● [1] عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ قوم نوح اس عقیدے کی حامل تھی کہ نبی بشر نہیں ہوتے بلکہ مافوق البشر ہوتے ہیں - اسی چیز کے متعلق سُورہ ھود میں ارشاد ہوا ہے :- فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ ۱۱/۲۷ پس حضرت نوح کی قوم کے سرداروں نے کہا کہ ہم تجھے نہیں دیکھتے مگر تو ہمارے جیسا ایک بشر ہے اور ہم نہیں دیکھتے کہ نہیں کی تیری پیروی کی طرف ایسے لوگوں نے جو ہمارے رذیلے ہیں جن کی رائے صرف صد البصر ہے —— اس آئت مجیدہ میں سرداران قوم کے

کے انکار کی دو وجہیں بتائی گئی ہیں۔ پہلی یہ کہ نبی رسول بشر نہیں ہو سکتے۔ اور دوسری یہ کہ اُن پر سب سے پہلے قوم کے سرداروں کو ایمان لانا چاہیئے۔ نہ یہ کہ قوم کے رذیلے لوگ اس پر پہلے ایمان لے آئیں۔ بالفاظِ دیگر انکے خیال میں اعلیٰ و ادنیٰ اور اونچ نیچ کی طبقاتی تقسیم صحیح تھی، اللہ کے نبی کو اسی چیز کی تائید کرنی چاہیئے۔ تاکہ اونچ طبقہ کے لوگ اس پر فوراً ایمان لے آئیں۔ اِس طرح جب انکی منشاء کے خلاف حضرت نوح کے گرد معاشرہ کے ستائے ہوئے غریب لوگ اکٹھے ہو گئے تو اب قوم کے سرداروں نے یہ مطالبہ کیا کہ ہم اُس وقت تک آپکے پاس نہیں آسکتے جبتک آپ ان ادنیٰ لوگوں کو اپنے سے دُور نہ کر دیں۔ لیکن انبیاء کی غرض بعثت ہی ادنیٰ و اعلیٰ کی تمیز کو ختم کرنا ہوتی تھی، اس لئے آپ نے جواب دیا۔

● وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ۝ وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ ۱۱/۲۹-۳۰ اور میں اِن (معاشرہ کے ستائے ہوئے لوگوں) کو اپنے سے دُور کرنیوالا نہیں ہوں۔ (میری غرض بعثت ہی اعلیٰ و ادنیٰ کی تمیز کو ختم کرنا ہے) بیشک یہ لوگ اللہ کے حضور حاضر ہونیوالے ہیں۔ و لیکن تم جاہل قوم ہو۔ اے میری قوم اگر میں انہیں اپنے سے دُور کر دوں تو (یہ قیامت کو اللہ کے حضور شکایت کرینگے) پھر کون ہے جو اس جرمِ عظیم کی سزا سے مجھے اللہ تعالیٰ سے بچا سکے۔ کیا پھر تم کیوں نصیحت حاصل نہیں کرتے۔

سورہ مومنون

● سورہ مومنون میں بھی حضرت نوح کے سردارانِ قوم کا یہ اعتراض کہ تو بشر ہے اسلئے ہم تجھ پر ایمان نہیں لاسکتے" بالفاظِ ذیل درج ہے:۔ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰۗىِٕكَةً ښ مَّا سَمِعْنَا بِھٰذَا فِيْٓ اٰبَاۗىِٕنَا الْاَوَّلِيْنَ ۝ ۲۳/۲۴ پس اُسکی قوم کے سرداروں نے ایکدوسرے کو کہا کہ یہ نوح نہیں ہے مگر صرف تمہارے جیسا ایک بشر ہی ہے۔ وہ ارادہ کرتا ہے کہ نبوّت کا دعویدار ہو کر تم پر فضیلت حاصل کرلے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ نبی بھیجنا چاہتا تو ملائکہ کو نازل کر دیتا۔ ہمنے اپنے باپ دادوں سے یہ ہرگز نہیں سُنا (کہ اللہ کے نبی بشر ہوتے ہیں)۔

● اس آیت مجیدہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ قوم نوحؑ اللہ تعالیٰ کی ہستی کی منکر نہیں تھی۔ تبھی تو اُنہوں نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ نبی بھیجنا چاہتا تو ملائکہ کو نبی بنا کر نازل کر دیتا۔

مسئلہ بشریت انبیاء اور قرآن کریم

● قرآن کریم میں خود آنحضورؐ سمیت جملہ انبیاء کرام سے بصورت اعلان اقرارِ بشریت کرا دیا گیا ہے ۱۸/۱۱۰ + ۴۱/۶ میں قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۔ کہہ دیجیئگا اے رسولؐ کہ یہ ایک پکی بات ہے کہ میں تمہارے جیسا ہی ایک بشر ہوں۔ (فرق یہ ہے کہ) میری طرف وحی کیجاتی ہے۔ سورہ بنی اسرائیل میں آنحضورؐ کا یہ اقرار درج ہے هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۱۷/۹۳ نہیں ہوں میں مگر صرف اور صرف تمہارے جیسا ہی بشر رسول ہوں۔

حضرت نوح کو طوفان سے کس طرح بچایا گیا؟

• حضرتِ نوح کی قوم پر پانی کے طوفان کا عذاب لاکر انہیں غرق کر دیا گیا مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرتِ نوح اور آنکے ساتھیوں کو کس طرح طوفانِ آب سے بچایا گیا تھا۔ اس کا جواب سورہ ھود کی آیت نمبر ۳۷ میں بالفاظِ ذیل دیا گیا ہے :۔

• وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا ۚ إِنَّهُم مُّغْرَقُونَ ○ ۱۱/۳۷ اور (نوح کی طرف وحی کی گئی کہ) آپ ایک کشتی ہماری نگرانی میں ہماری وحی (سائنسی اصولوں) کیمطابق بنائیں اور مجھے ظالموں (ہماری آیتوں کو جھٹلانیوالوں) کے متعلق مخاطب نہ کرنا۔ بلاشبہ وہ غرق کئے جانیوالے ہیں۔

• ملے یہاں وحی بمعنی سائنسی اصول یعنی خدا تعالیٰ کے متعینہ کائناتی قوانین ہے۔ یہاں اگر وحی بمعنی وحی نبوت لیا جائے تو حضرت نوح سے موجودہ سائنسدان زیادہ عقلمند ثابت ہوتے ہیں جنھوں نے بلا وحی الٰہی ہوائی جہاز راکٹ اور خلائی جہاز تک تیار کر لیئے ہیں اور حضرت نوح ایک کشتی بھی بلا وحی الٰہی نہ بنا سکے تھے۔

• آیت بالا ۱۱/۳۷ میں بتایا گیا ہے کہ حضرت نوح اور آپکے ساتھیوں کو پانی کے طوفان سے بچانے کیلئے آپ سے کشتی بنوائی گئی تھی۔ اس سے کھل کر ثابت ہوتا ہے کہ آپکو کائناتی قوانین کیمطابق ہی بچایا گیا تھا۔ اس خبر میں اس چیز کا دائمی حکم موجود ہے کہ مصائب کے دفعیہ کیلئے صرف دعائیں ہی نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے متعینہ کائناتی قوانین پر عمل کرنا بھی ضروری ہے جیسے کہ طوفانِ آب سے بچنے کیلئے حضرت نوح کو حکماً کشتی تیار کرنا پڑی تھی۔

قومِ نوح کے پانچ پیر

• سورۂ نوح میں قومِ نوح کے متعلق آیا ہے :۔ وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ○ ۷۱/۲۳ اور انہوں نے (آپس میں ایکدوسرے کو کہا کہ تم اپنے کارسازوں اور مددگاروں کو نہ چھوڑنا۔ اور نہ چھوڑنا ودّ کو نہ سُواع کو اور نہ یغوث یعوق اور نسر کو چھوڑنا ۔۔۔ لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا عذاب طوفانِ آب کی صورت میں آیا تو انکے مذکورہ پانچ پیروں نے انکی کوئی مدد نہ کی اور وہ سب غرق ہو گئے۔ اس آیت ۷۱/۲۳ سے ثابت ہوتا ہے کہ قومِ نوح نے مذکورہ بالا پانچ بزرگوں ودّ سواع یغوث یعوق اور نسر کو اللہ تعالیٰ کی صفات میں شریک کر رکھا تھا یعنی انہیں مشکلکشا اور کارساز بنا رکھا تھا کیونکہ وہ قوم خدا تعالیٰ کی ہستی کی منکر تو نہیں تھی۔ جیسے کہ پیچھے ۲۳/۲۴ کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ قوم کے سرداروں نے قوم سے کہا کہ نوح تو تمہارے جیسا ایک بشر ہے اگر اللہ نے رسول بھیجنا ہوتا تو ملائکہ کو رسول بنا کر بھیج دیتا ہمنے اپنے آباؤ اجداد سے یہ سُنا ہی نہیں کہ رسول بشر ہوتے ہیں۔

کیا طوفانِ نوحؑ ساری زمین پر آیا تھا؟

• روائتی تفاسیر کا دیا ہوا تصور یہ ہے کہ طوفانِ نوحؑ ساری زمین پر آیا تھا اور دلیل یہ دی جاتی ہے کہ حضرت نوح نے حضورِ الٰہی میں عرض کیا تھا رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا ○ ۷۱/۲۶ اسکا معنی یہ لیا جاتا ہے کہ حضرت نوح نے کہا کہ اے میرے پروردگار تو پوری زمین پر کافروں کی کوئی بستی باقی نہ چھوڑیو۔ یہ ترجمہ غلط ہے کیونکہ الارض کے الف لام کی بدولت خاص وہ خطۂ ارضی مراد ہے جس میں

قوم نوح کی بستیاں آباد تھیں۔ الارض بمعنٰی مخصوص خطۂ ارض کی مثال ۲۸/۳ میں ملاحظہ فرمائیں اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ اسکا معنٰی صاف ہے کہ فرعون نے زمین کے اس حصّے میں سرکشی اختیار کی تھی جس میں اسکی حکومت تھی۔ پس طوفان نوح زمین کے صرف اس علاقے پر آیا تھا جس میں وہ نافرمان قوم آباد تھی۔ یہ پہاڑوں میں گھرا ہوا علاقہ تھا کہ پانی جُودی پہاڑی کی چوٹی تک پہنچ گیا اور اس علاقے کی تمام بستیاں غرقاب ہوگئیں اور پوری نافرمان قوم ختم کردی گئی۔

کیا کشتیٔ نوح میں ہر نوع کے جوڑے سوار کئے گئے تھے؟

● روائتی تفاسیر کا دیا ہوا ایک تصوّر یہ بھی ہے کہ کشتیٔ نوح میں سانپ بچھو گوہ، کرلی مکھی مچھر وغیرہ ہر نوع کے جوڑے سوار کئے گئے تھے۔ اور دلیل یہ دیجاتی ہے فَاسْلُكْ فِيهَا مِن كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ ۲۳/۲۷ (ہمنے نوح کو کہا کہ) ہر ضروری نوع کے دو دو جوڑے کشتی میں سوار کرلیں۔ یہ حکم اسلئے دیا گیا تھا کہ اُس پہاڑی وادی میں اس عظیم طوفان کی بدولت کوئی جاندار زندہ بچنے والا نہیں تھا۔ اسلئے پانی اترنے کے بعد جب دوبارہ زندگی شروع کی جائے تو وہ نوعیں جو انسانی زندگی کیلئے ضروری ہیں گائے، بھینس بھیڑ بکری اور گھوڑا گدھا وغیرہ کی نسل کشی کی جاسکے۔ اسکے سوا موذی جانوروں اور حشرات الارض سانپ بچھو، گوہ کرلا وغیرہ کی انسانی زندگی کو نہ ضرورت ہے اور نہ انکے دو دو جوڑے سوار کئے گئے تھے روائتی تفاسیر کو دھوکا ہوا ہے مِن كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ میں آمدہ كُلٍّ کے لفظ سے۔ حالانکہ كُلٍّ کا لفظ موقعہ محل کیمطابق ضروری اشیاء کا حامل ہوتا ہے۔ غیر ضروری چیزیں اسکے دائرہ سے از خود خارج ہو جاتی ہیں۔ مثلاً ملکہ سبا کے متعلق حضرت سلیمان کے ایک عامل ہُد ہُد نے حضرت کو یہ خبر دی تھی :۔

● اِنِّي وَجَدتُّ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَأُوتِيَتْ مِن كُلِّ شَيْءٍ ۲۷/۲۳ بیشک میں نے ایک عورت کو دیکھا ہے جو عوام پر حکومت کرتی ہے اور اُسے ہر (ضروری) چیز دیگئی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں كُلِّ شَيْءٍ کا معنٰی ضروریاتِ سلطنت کے دائرے میں محدود ہے یعنی سلطنت کی ہر ضروری چیز فوج، خزانہ، راشن، اسلحہ، عمارتیں، محلات اور قلعے دیوانخانے وغیرہ نہ کہ سانپ بچھو گوہ کرلے، مکھی مچھروں کے ہجوم بھی اسکے پاس موجود تھے۔

حضرت نوح کی بسائی ہوئی متوازن بستیاں

● حضرت نوح جن غیر متوازن بستیوں کی طرف مبعوث کئے گئے تھے انکا نقشہ آپ پیچھے ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ انکے باشندے اعلیٰ و ادنیٰ اور غریب و امیر کی ظالمانہ تقسیم میں منقسم تھے۔ چنانچہ جب حضرت نوح نے متوازن حقوقِ ربوبیّت عامہ کا اعلان فرمایا تو مفلوک الحال لوگ آپکے گرد جمع ہوگئے اور آپ پر ایمان لے آئے مگر انکا استحصال کرنیوالے سرداروں نے کہا کہ ہم آپ پر اُسوقت تک ایمان نہیں لاسکتے جبتک آپ ہمارے ان رزیلوں کو اپنے سے دور نہ کردیں۔ لیکن آپنے انکا یہ مطالبہ قبول نہ کیا اسلئے وہ لوگ باقاعدہ طور پر آپکی مخالفت پر ڈٹ گئے۔ چنانچہ انکی اسی ناہمواری کی بدولت ان پر پانی کا عذاب لایا گیا اور وہ ختم کر دیئے گئے۔ لیکن جب پانی اترا تو سابقہ مکانات گر چکے تھے اور سر چھپانے

کیلئے کوئی عمارت باقی نہ رہی تھی۔ اسلئے اب اوّلین کام کیا جانیوالا یہ تھا کہ نئی بستیاں بسائی جائیں۔ چنانچہ بسائی گئیں۔

● لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ بستیاں جو طوفان کے بعد حضرت نوحؑ نے بسائی تھیں کیا انکا انداز متوازن تھا یا حسب سابق عدم توازن کا مرقع تھا؟ یعنی کیا حضرت نوحؑ نے یہ انداز اختیار کیا تھا کہ اپنے بھائی بھتیجوں بھانجوں سالوں ہم زلفوں کو اور انکی اولادوں کو جو آپ پر ایمان لاکر طوفان سے بچ گئے تھے انہیں تو زمین کے کئی کئی پلاٹ الاٹ کر دیئے ہوں اور عمارتیں بنانے کیلئے کئی کئی درخت بھی دیدیئے ہوں تاکہ وہ کرایہ پر دینے کیلئے کوارٹر دکانیں اور گودام تعمیر کرکے باآرام استحصالی زندگی کا اہتمام کرلیں اور جن مومنوں سے آپکا کوئی نسبی تعلق نہیں انہیں صرف اس بناپر کہ نہ وہ حضرت کے ننھال سے تھے نہ ددیال اور نہ سسرال سے اسلئے انہیں کوئی زمین نہ دیگئی ہو اور انہیں حضرت کے عزیزوں اور قریبیوں کا کرایہ دار بننے پر مجبور کر دیا گیا ہو۔

● پھر کیا یہ ممکن ہے کہ حضرت نوحؑ نے طوفان کے بعد جو ریاستی نظام قائم کیا تھا اس میں آپنے صرف ددیالی ننھالی اور سسرالی قرابت داروں کو ہی اعلیٰ مناصب عطا فرمائے ہوں اور جن سے آپکا کوئی نسبی تعلق نہیں تھا انہیں چپڑاسی وغیرہ بناکر تذلیلِ انسانیت کی ہو؟ ان سوالوں کا جواب مطلق نفی میں ہے، اگر طوفان کے بعد بھی پھر وہی نافرمان، غیر متوازن معاشرہ قائم فرمایا تھا تو ظاہر ہے کہ طوفان لاکر نافرمانوں کو ختم کرنا مطلقاً عبث ٹھہرتا ہے۔ اسلئے آپنے ایسا متوازن نظام کیا جس میں نہ کوئی بھوکا تھا نہ ننگا نہ کوئی بے علاج تھا نہ بے مکان۔ اور یہی تھی جملہ انبیاء سمیت حضرت نوحؑ کی غرض بعثت، ناہموار و غیر متوازن معاشرہ کو مٹانا اور ہموار و متوازن معاشرہ قائم کرنا۔ سَلٰمٌ عَلٰی نُوْحٍ $\frac{37}{79}$ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۝ $\frac{37}{181}$ -

● قوم نوح کے تذکرہ کے بعد قوم ھود کی نافرمانیوں کا ذکر سلسلۂ درس کی اگلی آیات مجیدہ میں بالفاظِ ذیل لایا گیا ہے:-

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ
اور طرف قوم عاد بھائی انکے ھود کو بھیجا کہا اے میری قوم

اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۚ اَفَلَا
حکم مانو اللہ کا نہیں ہے واسطے تمہارے میں سے حاکم سوائے اسکے کیا پھر نہیں

تَتَّقُوْنَ ۝ ۶۵
تم بچتے

اور قوم عاد کی طرف (انکی رہنمائی کیلئے بھیجے) انکے بھائی ھود کو (بھیجا) انہوں نے کہا کہ اے میری قوم اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرو۔ تمہارے لئے اسکے سوا کوئی اور فرمانبرداری کے لائق نہیں ہے کیا پھر تم (اس حقیقت ثابتہ کے باوجود اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے) نہیں بچتے۔ (تمہیں اپنے حاکم حقیقی کی مخالفت سے بچنا چاہیئے)

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا
کہا سرداروں نے جنہوں نے انکار کیا میں سے قوم اسکی بیشک ہم

آپکی قوم کے ان سرداروں نے جنہوں نے (ہمارے نازل کردہ ضابطے کا) انکار کیا یہ کہا بیشک ہم تجھے بیوقوفی میں دیکھتے ہیں

لَنَرٰىكَ فِیْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ
ضرور دیکھتے ہیں تجھے بیچ بیوقوفی کے اور بیشک ہم گمان کرتے ہیں تجھے میں سے

الْكٰذِبِیْنَ ۞ ۶۶
جھوٹوں کے

اور بلاشبہ ہم گمان کرتے ہیں کہ تُو جھوٹوں میں سے ہے۔

فرمایا۔

قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ سَفَاهَةٌ وَّ
کہا اے میری قوم نہیں ہے ساتھ میرے بیوقوفی اور

لٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۞ ۶۷
لیکن ہوں میں بھیجا ہوا طرف سے پروردگار جہانوں کے

(حضرت ھُوْدؑ نے) کہا کہ اے میری قوم میں بیوقوف نہیں ہوں۔ ولیکن میں اُس ذات کا بھیجا ہُوا ہوں جو پُورے عالمین (ساری کی ساری مخلوق) کا ایک جیسا رب ہے (میں اپنے رب کا پیغامِ ربوبیّت لیکر آیا ہوں)

اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَاَنَا لَكُمْ
پہنچاتا ہوں تمکو پیغامات رب اپنے کے اور میں ہوں واسطے تمہارے

نَاصِحٌ اَمِیْنٌ ۞ ۶۸
نصیحت کرنیوالا امین

میں تم کو اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور میں تم سب کیلئے باامانت نصیحتیں کرنیوالا ہوں۔ (اللہ کے پیغامات اور اسکی نصیحتوں میں نہ کمی کرنیوالا ہوں نہ زیادتی کرنے والا)۔

اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ
کیا اور تم تعجب کرتے ہو کہ آئی پاس تمہارے نصیحت طرف سے

رَّبِّكُمْ عَلٰی رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِیُنْذِرَكُمْ وَاذْكُرُوْٓا
رب تمہارے بذریعہ بشر کے جو میں سے تمہارے تاکہ وہ ڈرائے تمکو اور یاد کرو

اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِی
جب بنایا تم کو جانشین سے پیچھے قوم نوح کے اور زیادہ کیا تمکو بیچ

الْخَلْقِ بَصْۜطَةً فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۞ ۶۹
پیدائش کے زیادہ کرنا پس یاد کرو نعمتیں اللہ کی تاکہ تم فلاح پاؤ

اور کیا تم اِس چیز پر تعجب کرتے ہو کہ تمہاری طرف تمہارے رب کی نصیحت تمہی میں سے ایک بشر کے ذریعہ آئی ہے تاکہ وہ تمہیں تمہارے فرائضِ منصبی سے آگاہ کرے۔ اور تم اُس وقت کو یاد کرو کہ تمہیں اللہ نے قوم نوح کے بعد اُس کا جانشین بنایا اور تمہیں افزائشِ نسل کے پھیلاؤ میں زیادہ کیا۔ پس اللہ تعالٰی کی نعمتوں کو یاد کرو۔ (تاکہ تم بُرے عملوں سے بچو اور) آخرت میں کامیاب ہو جاؤ۔

قومِ عاد نے بھی اللہ کے شریک بنا رکھے تھے

● جس طرح قوم نوح نے پانچ پیروں کو اللہ کا شریک قرار دے رکھا تھا اُسی طرح قوم عاد نے بھی اپنے بزرگوں کو اللہ کے شریک بنا رکھا تھا۔ اسلئے انہوں نے حیرانی سے کہا۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ
انہوں نے کہا کیا تو آیا ہے ہمارے پاس تاکہ ہم حکم مانیں اللہ اکیلے کا

وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا
اور ہم چھوڑ دیں جو تھے حکم مانتے باپ دادے ہمارے پس لے آ ہم پر جو

تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ ۷۰
تو وعدہ دیتا ہے ہمیں اگر ہے تو میں سے سچوں کے

(قوم عاد نے حضرت ھُودؑ کو) کہا کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ ہم اکیلے اللہ کی فرمانبرداری کریں اور جن (بزرگوں) کی فرمانبرداری ہمارے باپ دادے کرتے تھے انہیں چھوڑ دیں۔ پس تو لے آ (وہ عذاب) جس کا تو ہمیں وعدہ دیتا ہے اگر تو سچوں میں سے ہے۔

● ۱؎ لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ کے الفاظ سے کھل ثابت ہوتا ہے کہ قوم عاد (اللہ تعالیٰ کی ہستی کی منکر نہیں تھی بلکہ قوم نوح کی طرح اللہ تعالیٰ کیساتھ اُسکی صفاتِ مخصوصہ میں غیر اللہ کو شریک کر رکھا تھا۔ غیر اللہ کو حاجت روا، مشکلکشا اور دستگیر قرار دے رکھا تھا۔ اور حضرت ھُودؑ کو عذاب لانے کی دعوت دیدی تھی۔ اللہ تعالیٰ کسی قوم پر بلاوجہ عذاب نازل نہیں کرتا بلکہ قومیں اپنے بُرے اعمال کی بدولت خود عذاب الٰہی کی مستحق ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ قوم عاد اپنے غلط عقائد اور بُرے اعمال کی بدولت رفتہ رفتہ عذاب کے خداوندی پیمانے پر پوری اترتی چلی گئی۔ حتیٰ کہ وہ وقت آ گیا کہ حضرت ھُودؑ اُن کے بُرے اعمال کے مطابق ۔۔ ارشاد فرمایا:۔

قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ
کہا بیشک لازم ہو گئی اوپر تمہارے طرف سے رب تمہارے رسوائی

وَّغَضَبٌ ۭ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَاۗءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ
اور غصہ کیا تم جھگڑتے ہو مجھ سے بیچ ناموں کے کہ نام رکھ لئے تم نے وہ

اَنْتُمْ وَاٰبَاۗؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ
تم نے اور باپوں تمہارے نے نہیں نازل کی اللہ نے ساتھ اسکے میں سے

سُلْطٰنٍ ۭ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ
کوئی دلیل پس تم انتظار کرو بیشک میں ہوں ساتھ تمہارے میں سے

الْمُنْتَظِرِيْنَ ○ ۷۱
انتظار کرنیوالوں کے

(حضرت ھُودؑ نے قوم سے) کہا کہ تمہاری بداعمالیوں کی بدولت تم پر تمہارے رب کی طرف سے ذلت اور غضب لازم ہو چکا ہے۔ کیا تم میرے ساتھ اُن ناموں کے بارے میں جھگڑتے ہو جو تم نے اور تمہارے پہلے باپ دادوں نے رکھ لئے ہیں۱؎ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ پس تم بھی (نتیجے کا) انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔

● ۱؎ فِيْٓ اَسْمَاۗءٍ سَمَّيْتُمُوْهَا کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ قوم عاد نے اپنے بزرگوں کے ایسے نام رکھ لئے ہوئے تھے جن کی کوئی دلیل اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل نہیں ہوئی۔ افسوس ہے کہ ایسے ہی نام اہلِ اسلام نے اپنے بزرگوں کے رکھ لئے ہیں جن کی دلیل قرآن کریم میں موجود نہیں ہے مثلاً شیخ الشیوخ مشکلکشا، دستگیر، غوث قطب ابدال اوتاد وغیرہ۔ قوم عاد پر

ایسے ہی عقائد و اعمال کی بدولت عذابِ خداوندی نازل ہوا۔ لیکن حضرت ھود اور اُنکے ساتھیوں کو عذاب سے بچا لیا گیا:۔

فَاَنْجَیْنٰهُ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا
پس بچا لیا ہمنے اسے اور جو تھے ساتھ اسکے ساتھ رحمت طرف سے اپنی

وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَمَا كَانُوْا
اور کاٹ دی ہمنے جڑ ان لوگوں کی جھٹلایا ساتھ آیتوں ہماری اور نہیں تھے

مُؤْمِنِیْنَ ۝ ۷۲
ایمان لانیوالے

پھر ہمنے اُسے (ھودؑ) کو عذاب سے بچا لیا اور ان لوگوں کو بھی جو اسکے ساتھ تھے اپنی طرف سے اپنی رحمت کیساتھ اور کاٹ ڈالی ہمنے جڑ اُن لوگوں کی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور نہیں تھے وہ ایمان لانیوالے۔

ع ۹/۱۶

سورہ ھود • سورہ ھود میں قوم عاد کے متعلق ارشاد ہوا ہے وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ۝ ۱۱/۵۰ اور ہمنے قوم عاد کی طرف اُنکے بھائی ھود کو بھیجا۔ اُس نے کہا اے قوم اکیلے اللہ کی فرمانبرداری کرو۔ تمہارے لئے اسکے سوا کوئی حاکم نہیں۔ نہیں ہو تم مگر غیر اللہ کی فرمانبرداری کو اللہ کا حکم بنا کر اُس اللہ پر بہتان باندھنے والے ہو۔ مگر قوم نے جواب دیا:۔

• قَالُوْا یٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَیِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِیْۤ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِیْنَ ۝ ۱۱/۵۳ انہوں نے کہا اے ھود تو کوئی واضح دلیل ہمارے پاس نہیں لایا۔ اور ہم تیرے کہنے پر اپنے الاہوں کو چھوڑنے والے نہیں ہیں جن کی ہم فرمانبرداری کرتے ہیں۔

• چونکہ قوم ھود کے بڑے بڑے آدمی آپ ایمان نہ لائے صرف غریب عوام ہی آپکے ساتھ ہوئے اسلئے قوم نے کہا:۔

• اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ قَالَ اِنِّیْۤ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْۤا اَنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِیْدُوْنِیْ جَمِیْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ۝ اِنِّیْ تَوَكَّلْتُ عَلَی اللّٰهِ رَبِّیْ وَرَبِّكُمْ ...... اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ ۱۱/۵۴ تا ۵۶ ہم اسکے سوا کچھ نہیں کہتے کہ ہمارے الاہوں میں سے جن کا حکم ہم واجب الاتباع مانتے ہیں کسی الٰہ نے تجھے برائی سے مس کیا ہے۔ حضرت نے فرمایا بیشک میں اللہ کو گواہ ٹھہراتا ہوں اور تم بھی گواہ ہو جاؤ کہ بلاشبہ میں اس سے بری ہوں جو تم (اپنے بزرگوں کو) اللہ کیساتھ شریک کرتے ہو۔ پس تم سب مل کر میرے خلاف تجویز کر لو، پھر مجھے مہلت نہ دینا۔ بیشک میں نے اللہ پر بھروسہ کیا ہے جو میرا بھی اور تمہارا بھی ایک جیسا رب ہے...... میرا پروردگار سیدھے راستے پر ہے۔

• سورہ سورہ آل عمران سورہ مریم میں حضرت مسیح کا یہی قول درج ہے اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ۝ ۳/۵۱ + ۱۹/۳۶ بیشک اللہ تعالیٰ میرا اور تمہارا ایک جیسا رب ہے۔ پس اُسی رب العلمین کی فرمانبرداری کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔

● ۲ ـ ۱۱/۵۶ میں آیا ہے اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ یہ ایک محاورہ ہے جسکا مفہوم یہ ہے کہ میرا رب سیدھے راستے کی رہنمائی کرنیوالا ہے۔ اور سیدھا راستہ ۳/۵۱ + ۱۹/۳۶ میں بتا دیا گیا ہے فَاعْبُدُوْهُ صرف اُس اکیلے کی فرمانبرداری کرو۔ اور اس سے ماقبل پر سہ مقامات پر آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرا اور تمہارا ایک جیسا رب ہے۔ یعنی نوعِ انسانی میں نظامِ ربوبیت قائم کرنا ہی سیدھا راستہ ہے۔ صراطِ مستقیم کا معنیٰ ہے منزلِ مقصود پر پہنچنے کا چھوٹے سے چھوٹا بے خطر راستہ۔ نظامِ ربوبیت ہی چھوٹے سے چھوٹا اور بے خطر راہ ہے جس میں نہ کسی کے حقوقِ ربوبیت غصب ہوتے ہیں اور نہ ہی معاشرہ میں کسی بغاوت کا خطرہ پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ خطرات صرف اور صرف غصبِ حقوق ہی سے پیدا ہوتے ہیں۔

سورۂ شعراء ● قوم عاد کا ذکر سورۂ شعراء میں بھی آیا ہے :- كَذَّبَتْ عَادُ ۨ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ۚۖ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ ۲۶/۱۲۳ تا ۱۲۶ قوم عاد نے رسولوں کو جھٹلایا۔ اُنکے بھائی ھودؑ نے اُنہیں کہا تم کیوں اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے نہیں بچتے۔ بیشک میں تمہاری طرف امانتدار رسول ہوں۔ پس تم اللہ کی مخالفت سے بچو اور میری اطاعت کرو۔ جس طرح میں اللہ کی کتاب کیمطابق عمل کرتا ہوں تم بھی کتاب اللہ پر عمل کرکے اللہ کے قانون کی مخالفت سے بچ جاؤ۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ کا یہ معنیٰ غلط ہے کہ اللہ سے بچو۔ بلکہ لفظ اللہ کا الف لام عوض مضاف ہے اور مضاف ہے قانون۔ اور صحیح معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قانون کی مخالفت کے بُرے نتیجے سے بچ جاؤ۔

قوم عاد ایک جابر قوم تھی۔ وہ اپنی فتح کی یادگاریں بڑے بڑے مینار بنایا کرتے تھے

● سورۂ شعراء کی آیاتِ مجیدہ ۱۲۸ تا ۱۳۰ میں حضرت ھودؑ کے یہ الفاظ آئے ہیں اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ۝ۙ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ۝ۚ وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ۝ ...... اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝

۲۶/۱۲۸ تا ۱۳۰ + ۱۳۵ حضرت ھودؑ نے کہا کیا تم ہر بلند مقام پر (اپنی فتح کی) یادگار تعمیر کرتے رہو۔ (یہ تم بالکل فضول کام کرتے ہو) اور تم محل اور مینار بناتے ہو گویا کہ تم ہمیشہ رہو گے۔ اور جب تم کسی قوم پر پنجہ مارتے ہو (یعنی جارحانہ حملہ کرتے ہو تو فتح کے بعد) جبار بن کر اُسے غلام بنا لیتے ہو۔

● ۱ ـ تَعْبَثُوْنَ کا مادہ ع - ب - ث = عبث ہے جسکا معنیٰ ہے ہر وہ کام کرنا جس میں انسانی توانائی عقل محنت اور دولت بے فائدہ خرچ کی جائے۔ یادگاروں پر کروڑوں روپیہ کا خرچ تعبثون کے زمرہ میں آتا ہے۔ یادگاریں رات کے اندھیرے میں مجرموں کو پناہ دینے کے سوا کسی بھی کام نہیں آتیں۔ انہیں مجرم قومیں بناتی ہیں۔ قرآن کریم میں آیا ہے قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ ۲۷/۶۹ کہ زمین میں سیر کرو اور دیکھو کہ مجرم قوموں کا کیا انجام ہوا۔ جو عوام کے حقوقِ ربوبیت غصب کرکے یادگاریں، قلعے اور محلات تعمیر کرتے رہے گویا کہ وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں مگر وہاں آج دن کے وقت اُلّو بولتے ہیں اور رات کو چور اور ڈاکو وہاں پناہ لیتے ہیں۔

● حضرت ھودؑ کے مذکورہ ۲۶/۱۲۵ تا ۱۳۵ کے وعظ کے جواب میں مغرور قوم نے جواب دیا :۔ قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ۝ اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ۝ ۲۶/۱۳۶ تا ۱۳۸ انہوں نے کہا کہ آپ ہمیں نصیحت کریں یا نہ کریں ہمارے لئے برابر ہے (ہم اپنی روش سے باز نہیں آئینگے کیونکہ) یہی ہمارے بزرگوں کا طریقہ ہے اور ہم عذاب کئے جانیوالے نہیں (یعنی ہمیں اللہ کا عذاب نہیں آئیگا) ـــــ یہ اسلئے کہ انکے علماء و مشائخ نے انکے مروجہ اعمال کو اللہ تعالیٰ کے احکام کیمطابق قرار دے رکھا تھا ۔ لیکن ارشاد باری ہے :۔

● فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ ۲۶/۱۳۹ پس انہوں نے حضرت ھودؑ کو جھٹلایا ۔ اسکے بدلے میں ہم نے انہیں ہلاک کر دیا ۔ اور اکثریت مومن نہ ہوئی ۔

سورۂ حٰم سجدہ ● سورۂ حٰم سجدہ میں قوم ھودؑ کے متعلق آیا ہے :۔ فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِی الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ[1] وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ؕ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ۝ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا[2] فِیْۤ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْیِ فِی الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰی وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝ ۴۱/۱۵-۱۶ ۔

(مفہوم) پھر جو قوم عاد تھے ۔ انہوں نے زمین میں تکبر کیا جسکا اللہ کے سوا کسی کو حق نہیں اور کہا کہ ہم سے بڑھکر قوت کے لحاظ سے کون طاقتور ہے ۔ کیا اور انہوں نے غور نہ کیا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا وہ قوت کے لحاظ سے اُن سے طاقتور ہے اور وہ ہماری آئتوں کے بارے میں (حضرت ھودؑ کیساتھ) جھگڑتے تھے ۔ پھر ہمنے اُن پر (انکی سرکشی کے بدلے میں) ایسی تند و تیز اور لگاتار چلنے والی ٹھنڈی ہوا بھیجی جس سے ہیبتناک آوازیں بھی نکلتی ہیں ۔ تاکہ ہم انہیں دُنیا کی زندگی میں رسوائی کا عذاب چکھائیں حالانکہ آخرت کا عذاب بہت زیادہ رسوا کرنیوالا ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ انکی کوئی مدد نہ دُنیا میں کیگئی تھی اور نہ آخرت میں کیجائیگی ۔

● [1] فَاسْتَكْبَرُوْا ..... بِغَيْرِ الْحَقِّ کے الفاظ سے یہ تصور پیدا کرنا غلط ہے کہ کسی قوم یا کسی فرد کو کسی وقت پر تکبر کرنے کا حق حاصل ہو جاتا ہے ۔ ۴۵/۳۷ میں آیا ہے وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ اِس آئت مجیدہ میں لَهٗ کا جار مجرور مقدم لاکر حصر یہ اعلان کر دیا گیا ہے کہ کبریائی صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہے اسلئے تکبر کا حق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو ہے ۔ پس اُوپر ۴۱/۱۵ میں بِغَيْرِ الْحَقِّ کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے تکبر کیا جسکا نہ کسی قوم کو حق حاصل ہے نہ کسی فرد کو ۔

● [2] رِيْحًا صَرْصَرًا کا معنی ہے لگاتار چلنے والی تند و تیز ہوا جس میں ٹھنڈک بھی ہو اور اس سے مہیب آوازیں بھی نکلتی ہوں ۔ مادہ ص ۔ ر ۔ ر ۔ صر کا بنیادی معنی ہے کسی کام میں دوام پایا جانا ۔ اسی مادہ سے ہے لفظ اصرار یعنی کسی چیز کی طلب میں نہ ٹوٹنے والا تسلسل ۔ پس اس طرح رِيْحًا صَرْصَرًا کا معنی ہے مسلسل چلنے والی ہوا ۔ نیز صَرَّ يَصُرُّ صَرِيْرًا ۔ صَرِيْرًا کا معنی ہے سخت آواز نکالنا ۔ پس قوم عاد پر بھیجی گئی وہ شدید و مہیب آندھی تھی جس سے ہیبتناک آوازیں بھی نکلتی

تھیں اور اُس میں ٹھنڈ بھی تھی - صرّ کا معنٰی ٹھنڈ اور جاڑا ہے

● عـ۳ اَیَّامٍ نَّحِسَاتٍ کا لفظی معنٰی ہے نحس دِن بُرے دِن - ہر قوم خود اپنے اعمال کیساتھ اُنہی دنوں کو اپنے لئے خود بُرے بنا لیتی ہے جو نیک عمل کرنیوالوں کیلئے خوشی اور شادمانی کے دن ہوتے ہیں - ویسے اپنے مقام پر تو ہر دن سعید ہی سعید ہے - افراد اور قومیں خود انہیں اپنے بُرے عملوں کیساتھ نحس (منحوس) بنا لیتی ہیں - اَیَّامٍ نَّحِسَاتٍ کسی قوم کے ایّامِ زوال کو بھی کہتے ہیں - قومِ عاد کا زوال شروع ہو چکا تھا -

● عـ۴ خِزْیِ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا کے الفاظ میں جو دُنیا کی زندگی میں رسوائی کا ذکر آیا ہے وہ اَیَّامٍ نَّحِسَاتٍ کے الفاظ سے عیاں ہے کہ جب قومِ عاد کا زوال شروع ہو چکا تو انہیں پے در پے رسوائیاں آتی رہیں حتّٰی کہ انہی ایّامِ زوال میں ان پر تیز و تند ٹھنڈی ہیبتناک آوازوں والی اور مسلسل چلنے والی آندھی کا عذاب آ گیا اور وہ سب کے سب ختم ہو گئے -

سُورہ قمر

● سُورہ قمر میں قومِ عاد پر لائی گئی آندھی کی شدّت بالفاظِ ذیل بیان ہوئی ہے :- كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ○ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ○ تَنْزِعُ النَّاسَ كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ○ ۵۴/۱۸-۲۰ قومِ عاد نے (میری آیتوں کو) جھٹلایا - پھر میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا؟ ہمنے اُن پر مسلسل چلنے والی ٹھنڈی ہوا انکے زوال کے دنوں میں بھیجی - وہ انسانوں کو اس طرح اُٹھا اُٹھا کر پھینکتی تھی گویا کہ وہ کھجور کے جڑ سے اکھڑے ہوئے پیڑ ہیں -

سُورۃ الذّٰرِیٰت

● قومِ عاد کے متعلق سُورہ الذّٰرِیٰت میں ارشاد ہوا ہے :- وَفِي عَادٍ إِذْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيحَ الْعَقِيمَ[1] ○ مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ أَتَتْ عَلَيْهِ إِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيمِ ○ ۵۱/۴۱-۴۲ اور قومِ عاد کے تذکرہ میں بھی نشانی ہے جب ہمنے اُن پر بے خیر ہوا[1] بھیجی - وہ جس چیز پر آتی تھی اُسے نہیں چھوڑتی تھی مگر بوسیدہ ہڈیوں کی طرح کر دیتی تھی (یعنی اُس آندھی میں ایسے کیمیاوی اثرات موجود تھے جس سے چیزیں بوسیدہ ہڈیوں کی طرح ہو جاتی تھیں -

● عـ۱ رِیْحَ الْعَقِیْم کا معنٰی ہے وہ ہوا جس میں خیر و بھلائی نہ ہو - بانجھ عورت کو اسلئے عقیم کہا جاتا ہے کہ اُس سے کھیتی کا پھل خیر و بھلائی میسّر نہیں ہوتا، یعنی اُس سے اولاد پیدا نہیں ہوتی -

سُورہ احقاف

● قومِ عاد پر لائے گئے عذاب کے متعلق سُورہ احقاف میں بتایا گیا ہے فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ أَوْدِيَتِهِمْ قَالُوا هَٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ۚ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُم بِهِ ۖ رِيحٌ فِيهَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ○ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا فَأَصْبَحُوا لَا يُرَىٰ إِلَّا مَسَاكِنُهُمْ ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ○ ۴۶/۲۴ تا ۲۵ - (مفہوم) پس جب انہوں نے دیکھا اُسے ابر اپنی کھیتیوں کی طرف بڑھتا ہوا تو کہا یہ ایک بادل ہے جو ہم پر مینہ

والا ہے (حضرت ھودؑ نے فرمایا نہیں) بلکہ یہ وہ عذاب ہے جس کیلئے تم جلدی کرتے تھے - یہ ایک آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے۔ وہ اپنے رب کے امر (قانون ۱۴/۱۴) کے مطابق ہر چیز کو برباد کر دیگی۔ پھر اسکے ساتھ وہ ایسے نابود ہو گئے کہ انکے گھروں (کے کھنڈروں کے) سوا اور کچھ باقی نظر نہیں آتا تھا۔ اسی طرح ہم مجرموں کو (انکے برے عملوں کی) سزا دیتے ہیں۔ (قوم عاد نے جسے ابر سمجھا وہ لگاتار چلنے والی آندھی تھی)

سورۃ الحاقۃ - سات راتیں آٹھ دن مسلسل آندھی چلتی رہی

● تصریف آیات کیساتھ اس امر کی وضاحت تو ہو چکی ہے کہ قوم عاد پر مسلسل چلنے والی آندھی کا عذاب لایا گیا تھا۔ سورہ الحاقہ میں اس امر کی خبر دیگئی ہے کہ وہ خطرناک آندھی مسلسل سات راتوں اور آٹھ دنوں کے لمبے وقفے پر مشتمل تھی۔ وَأَمَّا عَادٌ فَأُهْلِكُوا بِرِيحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَمَانِيَةَ أَيَّامٍ حُسُومًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَىٰ كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝ فَهَلْ تَرَىٰ لَهُم مِّن بَاقِيَةٍ ۝ ۶۹/۸-۶ پھر جو قوم عاد تھی وہ لوگ (اپنی بداعمالیوں کی بدولت خوفناک آوازوں والی شدید مہلک آندھی کیساتھ ہلاک کئے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ان پر لگاتار سات راتوں اور آٹھ دن کے لئے مسلط کر دیا پھر اے مخاطب! تو نے اس قوم کو (تصور کی نگاہ کیساتھ) دیکھ لیا ہے کہ وہ اس آندھی میں جڑوں سے اکھڑے ہوئے کھجور کے کھوکھلے تنوں کی طرح گرے پڑے ہیں۔ پھر کیا تو نے (نگاہ تصور کیساتھ) دیکھا ہے کہ ان کا کوئی ایک متنفس بھی باقی بچا ہے؟ (کوئی نہیں بچا)۔

حضرت ھود اور آپکے ساتھیوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے قانون جاریہ کیمطابق نجات دی تھی

● قوم عاد کی تباہی کے ضمن میں حضرت ھود اور آپکے ساتھی مومنوں کو کس طرح نجات دیگئی تھی جبکہ طوفان آب کے عذاب سے بچانے کیلئے حضرت نوح کو حکم دیا گیا اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا ۲۳/۲۷ کہ ہماری نگرانی میں خود ہمارے متعین کردہ سائنسی قوانین کیمطابق ایک کشتی بنائیں۔ کشتی بنانے کا حکم کیوں دیا گیا؟ اسکا جواب بالکل سیدھا اور صاف ہے کہ اللہ تعالیٰ کے متعینہ سائنسی قوانین جاریہ میں پانی کے طوفان سے بچاؤ کیلئے کشتی ہی ضرورت ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے اپنے قانون کے مطابق نافرمان قوم کو پانی میں غرق کر دیا اور حضرت نوح اور آپکے ساتھیوں کو عظیم طوفان سے کشتی کے ذریعہ بچا لیا۔

● اسکے بعد باری آئی قوم عاد کی جس کیلئے طوفان باد یعنی ایک شدید آندھی کا عذاب تجویز کیا گیا جسکی خوفناک آوازیں انسانی زندگیوں کو ختم کرنے کیلئے کافی تھیں۔ پھر آندھی کی شدت کا یہ عالم کہ کھڑے بیٹھے اور لیٹے ہر عادی کو جڑوں سے اکھڑے ہوئے کھجور کے درختوں کی طرح پچھاڑ کر رکھ دے۔ تو ایسی حالت میں اس عظیم و شدید طوفان باد سے حضرت ھود اور آپکے ساتھیوں کو کس طرح بچایا گیا تھا؟

● اس سوال کا جواب بھی بالکل سیدھا اور صاف ہے کہ جس طرح پانی کے طوفان سے بچاؤ کیلئے حضرت نوح کو

کشتی بنانے کا حکم دیا گیا تھا۔ اُسی طرح حضرت ھودؑ کو ہوا کے طوفان کے بچاؤ کیلئے ایسی زمین دوز پناہ گاہیں تیار کرنے کا حکم دیا گیا جو اس آندھی کے طوفانِ عظیم کی زد سے نہ صرف محفوظ رہیں بلکہ وہاں اسکی وہ ہیبتناک آواز بھی نہ پہنچ سکے جو انسانی زندگی کے خاتمہ کیلئے کافی تھی۔ اب یہ سوال ہے کہ پناہ گاہیں بنانے کا حکم قرآنِ کریم میں موجود نہیں ہے۔ اسکا جواب اصحاب عقل و بصیرت کیلئے حضرت نوحؑ کے نام کشتی کی تیاری کے حکم میں موجود ہے جو قوانینِ جاریہ کی بالادستی کا دائمی ثبوت ہے کہ قیامت تک کیلئے جس جس قسم کے خطرات پیدا ہوتے چلے جائیں اُسی اُسی قسم کے بچاؤ کے سامان مہیا کرتے چلے جاؤ۔ حضرات انبیاء سلام علیہم کے تذکارِ جلیلہ جو سورہ اعراف کے سلسلۂ درس میں شروع ہیں۔ آئندہ آیات کریمات میں آپ دیکھیں گے کہ ہر مقام پر انکی حفاظت مادی ذرائع ہی کیساتھ کیگئی تھی تاکہ اہلِ اسلام اس سے غافل ہو کر پسماندہ نہ ہو جائیں۔

● قوم عاد کے عبرتناک انجام کے ذکر کے بعد اگلی آیات مجیدہ میں قوم ثمود کا ذکر آ رہا ہے۔ جو اپنی بداعمالیوں کی بدولت قومِ متشکّرون کے زمرہ سے خارج ہو چکی تھی۔ اسکے متکبّر سرداروں نے اللہ کی پیدا کردہ چراگاہوں اور اُسکے جاری کردہ چشموں کو ذاتی ملکیت قرار دیکر عوام کے مویشیوں کو اپنے رحم و کرم پر موقوف کر رکھا تھا۔ اُنکی طرف حضرت صالحؑ کو معبوث فرمایا گیا لیکن جب انہوں نے چشموں اور چراگاہوں پر عوام کے مساویانہ حقِ استعمال کا اعلان کیا تو متکبّر سرداروں نے منافقانہ طور پر عوام کے حقِ مساوات کو تسلیم کر لیا۔ اِس پر ایک اونٹنی کو آزمائشی طور پر آزاد چھوڑا گیا کہ اگر اُسے چشموں اور چراگاہوں سے نہ روکا گیا تو یہ عوام کے حقِ مساوات کو تسلیم کرنے کا عملی ثبوت ہوگا۔ اور اگر اُسے نقصان پہنچایا گیا تو یہ عوام کے حقِ مساوات کے غصب پر اصرار سمجھا جائیگا۔ اور قوم کے نافرمان لوگ عذابِ خداوندی کے مستحق ٹھہرینگے۔ اس وسیع عنوان کو سورہ اعراف میں اجمالاً بیان کیا گیا ہے۔ جسکی تفصیل سورہ ھودؑ ابراہیمؑ حجر فرقان شعراء، نمل، عنکبوت، حم سجدہ، ذاریت، نجم، قمر حاقہ، فجر اور شمس میں کیگئی ہے اِس قرآنی تفصیل کو تکراری بیانات کے سوا باقی تمام محوّلہ سورتوں سے وضاحتاً پیش کیا جائیگا۔ سورہ اعراف کا اجمالی بیان یہ ہے:-

وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا ۗ قَالَ يَا قَوْمِ
اور طرف قوم ثمود کے بھائی انکے صالح کو بھیجا۔ کہا اے قوم میری

اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ قَدْ جَاءَتْكُم
حکم مانو اللہ کا نہیں واسطے تمہارے کوئی حاکم سوا اسکے بیشک آئی پاس تمہارے

بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ ۖ هَٰذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ
دلیل طرف سے رب تمہارے۔ یہ ہے اونٹنی اللہ کی

لَكُمْ آيَةً ۖ فَذَرُوهَا تَأْكُلْ فِي أَرْضِ اللَّهِ
واسطے تمہارے نشانی پس چھوڑ دو اسے یہ کھائے بیچ زمین اللہ کے

اور ہمنے قوم ثمود کیطرف اُنکے بھائی صالحؑ کو (رسول بنا کر) بھیجا۔ انہوں نے کہا کہ اے میری قوم تم اکیلے اللہ کی محکومیت (فرمانبرداری) کرو۔ تمہارے لئے اُسکے سوا اور کوئی فرمانبرداری کیا جانے والا نہیں ہے۔ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح دلیل آ چکی ہے۔ (کہ رب کی ربوبیت میں سب کا مساویانہ حق ہے یعنی چشموں اور چراگاہوں میں غریب عوام کے مویشیوں کا بھی مساویانہ حق ہے) یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لئے (حقِ مساوات کی) نشانی قرار دیگئی ہے اِسے چھوڑ دو (کہ یہ اللہ کی اونٹنی) اللہ کی زمین

وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ ۷۳

اور نہ مس کرنا اسے ساتھ برائی کے ورنہ پکڑیگا تمکو عذاب دردناک

(چراگاہوں) میں کھائے (اور چشموں سے پانی پئے ۲۶/۱۵۵) پس تم اسے ضرر نہ پہنچانا - ورنہ تمہیں دردناک عذاب پکڑ لیگا۔

● ۱۰۲ چشموں اور چراگاہوں میں حقِ مساوات اور اللہ کی اونٹنی کی وضاحت تصریفِ آیات کے ذریعہ قرآنِ کریم کے دوسرے مقامات سے پیش کیجائیگی انشاء اللہ! - فی الحال سلسلۂ درس کی اگلی آیات ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت صالح نے مزید فرمایا:-

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ

اور یاد کرو جب بنایا تمکو جانشین سے بعد قوم عاد کے

وَّبَوَّاَكُمْ فِى الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا

اور ٹھکانہ دیا تمکو بیچ زمین کے بناتے ہو سے نرم مٹی اُسکی

قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ

محلات اور تراشتے ہو پہاڑوں کو گھر پس یاد کرو نعمتیں

اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ ۷۴

اللہ کی اور نہ پھرو بیچ زمین کے فساد کرنیوالے

اور (اے میری قوم) اُسوقت کو یاد کرو جب اُس (اللہ) نے تمہیں قومِ عاد کے بعد (اُنکا) جانشین بنایا - اور تمہیں ایسی زمین میں آباد کیا کہ تم اسکی نرم مٹی سے محل تعمیر کرتے ہو اور اُسکے پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے ہو - پس تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور (اُس کے قانونِ مساواتِ ربوبیت کی مخالفت کر کے) زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔

● آیاتِ بالا ۷/۵۹ + ۷/۶۵ + ۷/۷۳ کے الفاظ پر غور کرنے سے عیاں ہو رہا ہے کہ حضراتِ نوحؑ، ھودؑ اور صالحؑ کی تبلیغ کے ابتدائی الفاظ ایک ہیں يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ - جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح قومِ نوح نے اللہ کیساتھ اپنے پانچ پیروں ودّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو شریک کر رکھا تھا - اسی طرح قومِ عاد اور قومِ ثمود نے بھی اپنے بزرگوں پیروں کو اللہ کے شریک ٹھہرایا ہوا تھا - نیز جس طرح حضرتِ نوح کی تبلیغ پر صرف غرباء ہی نے لبیک کہا تھا اُسی طرح قومِ عاد و ثمود کے غریبوں ہی نے حضراتِ ھود اور صالح کی تبلیغ کو قبول کیا تھا چنانچہ قومِ ثمود کے سرداروں نے حضرتِ صالح پر ایمان لانیوالے غریبوں سے یہ کہا:-

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ

کہا سرداروں نے جنہوں نے تکبر کیا میں سے قوم اُسکی

لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ

واسطے اُنکے جو کمزور کر دئے گئے واسطے اُنکے جو ایمان لائے ہیں سے اُنکے

اُس (حضرت صالح) کی قوم کے متکبر سرداروں نے اُن لوگوں کو کہا جو کمزور کر دئے گئے تھے اُن میں سے جو (حضرت صالح) پر ایمان لے آئے تھے کہا کیا تم نے جان لیا (مان لیا) ہے کہ صالح واقعی اپنے رب کا بھیجا ہوا رسول ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ (بےشک)

أَتَعْلَمُوْنَ أَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ
کیا تم جانتے ہو یہ کہ بیشک صالح بھیجا گیا طرف رب اپنے کے

جان لیا (اور مان لیا) ہے کہ واقعی وہ اپنے رب کا رسول ہے) وہ جو کچھ دیکر بھیجا گیا ہے ہم اُس پر ایمان لے آئے ہیں۔

قَالُوْٓا إِنَّا بِمَآ أُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝۷۵
کہا انہوں نے بیشک ہم ہیں ساتھ اسکے جو بھیجا گیا ساتھ اسکے ایمان لانیوالے

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا إِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ
کہا جنہوں نے تکبر کیا بیشک ہم ساتھ جسکے تم ایمان لائے

بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝۷۶
ساتھ اسکے انکار کرنیوالے

جن لوگوں نے تکبر کیا تھا (انہوں نے بڑی دلیری سے) کہا کہ جس (ضابطے) کیساتھ تم ایمان لائے ہو بیشک ہم ہیں ساتھ اُسکے (یعنی ہم اسکا) انکار کرنیوالے ہیں۔

فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ
پس کاٹ ڈالے پاؤں اونٹنی کے اور سرکشی کی سے حکم

رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ
رب اپنے اور کہا اے صالح لے آ ہم پر ساتھ اسکے جو وعدہ دیتا ہے ہکو

إِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۷۷
اگر ہے تو میں سے رسولوں کے

پھر اُنہوں نے (مذکورہ) اُونٹنی کے پاؤں کاٹ ڈالے اور اپنے پروردگار کے حکم کی نافرمانی کی اور (بڑی دلیری سے) کہا کہ اے صالح! اگر تو رسولوں میں سے ہے تو جس (عذاب) کا تو ہمیں وعدہ دیتا ہے اُسے ہم پر لے آ۔

● قوم ثمود کے اس انتہائی مختصر ذکر کے بعد سلسلۂ درس کی اگلی آیت میں اُن پر لائے گئے عذاب کا بھی ذیل کے الفاظ میں مختصر ذکر کردیا گیا ہے:-

فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ
پھر پکڑ لیا انہیں زلزلے نے پھر ہوگئے وہ بیچ گھروں اپنے

جٰثِمِيْنَ ۝۷۸
گھٹنوں پر گرے ہوئے

پھر (انکی نافرمانی کی بدولت) انہیں ایک زلزلے (کے عذاب) نے پکڑ لیا۔ پھر وہ اپنے اپنے گھروں سے گھٹنوں پر (اوندھے) گرے ہوئے رہ گئے۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ حضرت صالح اور آپکے ساتھیوں سے ہجرت کروا کر اُنہیں زلزلہ کے عذاب سے بچا لیا گیا۔ اور آپ نے قوم کے طلبِ عذاب کے جواب میں اُن سے منہ موڑ لیا اور یہ کہہ کر ہجرت فرما گئے کہ میں نے تمہیں اللہ کا پیغام پہنچا دیا ہے:-

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ
پھر منہ موڑ لیا سے انکے اور کہا اے قوم میری بیشک پہنچا دیا میں نے تمہیں

حضرت صالح نے (اُنکے طلبِ عذاب پر) اُن سے مُنہ موڑ لیا اور یہ کہتے ہوئے ہجرت فرما گئے کہ) اے میری قوم!

رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا
پیغام اپنے رب کا اور نصیحت کی میں نے واسطے تمہارے اور لیکن نہیں
تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ○ ۷۹
تم پسند کرتے نصیحت کرنیوالوں کو

بیشک میں نے تمہیں اپنے رب کا پیغام (مساواتِ ربوبیّت) پہنچا دیا ہے۔ اور تمہیں نصیحت کی ہے۔ لیکن تم ہو کہ نصیحت کرنیوالوں کو پسند نہیں کرتے۔

● قوم ثمود سے متعلقہ سورہ اعراف کے اجمالی ذکر کے بعد اس اجمال کی تفصیل تصریف آیات کے ذریعہ دوسرے مقامات پر ملاحظہ فرمائیں :۔

سورہ ھود

● سورہ ھود میں قوم ثمود کا ذکر بالکل سورہ اعراف والے الفاظ میں شروع ہُوا ہے وَ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا م قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ○ $\frac{11}{61}$ اور ہمنے قوم ثمود کیطرف اُنکے بھائی صالحؑ کو بھیجا۔ اُس نے کہا کہ اَے میری قوم اکیلے اللّٰہ کی فرمانبرداری کرو۔ تمہارے لئے اسکے سوا کوئی فرمانبرداری کیا جانیوالا نہیں ہے۔ وہ وہی عظیم الشان ذات ہے جس نے تمہیں (تمہارے ابتدائی باپوں کو ابتدا میں $\frac{32}{7}$) زمین سے پیدا کیا اور اسی میں تمہیں آباد کر دیا۔ پس تم بُرے عمل ترک کر کے اُسی سے مغفرت طلب کرو (اور نیک عملوں کے ذریعہ) اُسی کیطرف رجوع کرنیوالے ہو جاؤ بیشک میرا رب ہر کسی کے قریب بھی ہے $\frac{50}{16}$۔ اور ہر کسی کی رجعت کو (بشرطِ اصلاح $\frac{6}{54}$) قبول بھی کرتا ہے۔

قوم ثمود بھی آبائی تواتر کی قائل تھی

● سورہ ھود کی اگلی آیت $\frac{11}{62}$ میں قوم کا جواب درج ہے قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ○ $\frac{11}{62}$ قوم نے کہا اَے صالحؑ! اِس سے پہلے ہمیں تجھ سے بڑی اُمیدیں تھیں (کہ تو ہمارے آبائی تواتر مذہب کی تائید کریگا لیکن) تو ہمیں اُن بزرگوں کی فرمانبرداری سے منع کرتا ہے جن کی عبودیت ہمارے باپ دادے تواتر سے اختیار کئے ہوئے تھے حقیقت یہ ہے کہ تو (جس انسانی مساوات) کیطرف ہمیں بُلاتا ہے اسکے متعلق ہم شک میں مبتلا ہیں۔ آپنے فرمایا :۔

● قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ○ $\frac{11}{63}$ حضرت صالحؑ نے فرمایا کہ اَے میری قوم! کیا تم نے غور کیا ہے کہ بیشک میں اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل (ربوبیّت) پر ہوں۔ اور اُس نے مجھے اپنی رحمت (قانونِ مساوات) عطا فرمایا ہے۔ پھر اسکے بعد اگر میں اپنے رب کی نافرمانی (کر کے تمہاری ہمنوائی) کروں تو کون ہے جو اللّٰہ کے مقابلے پر میری مدد کرے۔ پھر تم مجھے نقصان کے سوا کسی چیز میں بھی زیادہ نہیں کرتے —— اِس ذکر کے بعد سورہ ھود میں بھی چراگاہوں اور چشموں میں عوامی مساوات کے ضمن میں اجمالاً اونٹنی کا ذکر بالفاظ ذیل آیا ہے جسکی تفصیل سورہ قمر کی تصریف آیات میں آگے آرہی ہے :۔

● وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ

قَرِيبٌ ○ [۱۱/۶۴] حضرت صالحؑ نے فرمایا یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لئے (چشموں اور چراگاہوں میں عوامی حق مساوات کی) نشانی (مقرر کیگئی) ہے۔ اسے آزاد چھوڑ دو۔ یہ اللہ کی اونٹنی اللہ کی زمین (چراگاہوں) میں کھائے (اور اللہ کے چشموں سے پانی پئے [۲۶/۱۵۵]) پس تم اسے ضرر نہ پہنچانا۔ ورنہ تمہیں قریبی[۲] عذاب پکڑ لیگا۔

● [۱] إِن كُنتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ میں اِن، اِنّ کا مخفف ہے اور معنے یہ ہے کہ میں بلاشبہ واضح دلیل ربوبیت عامہ پر ہوں۔

● [۲] سورۃ اعراف میں آیا ہے عَذَابٌ أَلِيمٌ اور یہاں آیا ہے عَذَابٌ قَرِيبٌ یعنی نافرمانی کے بعد فوراً آپکڑنے والا دردناک عذاب۔ قوم ثمود کی نافرمانی کا جام بالکل لبریز ہو چکا تھا۔ آخری اتمام حجت کے طور پر مذکورہ اونٹنی کو اس قوم کے لئے آخری نشانی قرار دیا گیا تھا۔ جس کو ضرر پہنچاتے ہی عذاب قریب آگیا۔

قوم ثمود کو تین دن کی مہلت دیگئی تھی

● سورہ ھود کی اگلی آیت میں قوم ثمود کی آخری نافرمانی کی خبر بالفاظ ذیل دیگئی ہے:۔ فَعَقَرُوهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوا فِي دَارِكُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ ۖ ذَٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوبٍ ○ فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا صَالِحًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ۗ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ ○ [۱۱/۶۵-۶۶] پس انہوں نے اونٹنی کے پاؤں کاٹ ڈالے تو حضرت صالحؑ نے انہیں بارشاد خداوندی خبر دی کہ اپنے گھروں میں تین دن کیلئے فائدہ اٹھالو۔ یہ (اللہ کے عذاب کا) وعدہ ہے جو جھٹلایا جانے والا نہیں ہے۔ پھر جب ہمارا حکم آگیا تو ہم نے اپنی رحمت (یعنی اپنے قانون) کے مطابق (ہجرت کروا کر) حضرت صالحؑ کو اور ان لوگوں کو جو اُن پر ایمان لائے تھے اُس دن کی رسوائی سے بچالیا۔ بیشک تیرا پروردگار ہی تو قوت والا اور غالب ہے۔ پھر کیا ہوا؟ حضرت صالحؑ سے اُن کے صحابہؓ سمیت ہجرت کروا دیگئی اور نافرمان قوم پر عذاب آگیا:۔

● وَأَخَذَ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ[۱] فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جَاثِمِينَ ○ كَأَن لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا ۗ أَلَا إِنَّ ثَمُودَ كَفَرُوا رَبَّهُمْ[۲] ۗ أَلَا بُعْدًا لِّثَمُودَ ○ [۱۱/۶۷-۶۸] اور جن لوگوں نے (عوام کے حقوق ربوبیت غصب کر کے) ظلم کیا انہیں (زلزلے کی) خوفناک آواز نے پکڑلیا۔ پھر وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل اوندھے گرے ہوئے رہگئے۔ گویا کہ وہ وہاں کبھی تھے ہی نہیں۔ خبردار! قوم ثمود نے بلاشبہ اپنے رب (کی ربوبیت عامہ) کا انکار کیا تھا۔ خبردار! قوم ثمود کیلئے اپنے رب سے (بوجہ انکار ربوبیت) دوری ہے۔

● [۱] سورۃ ھود میں الرَّجْفَةُ آیا ہے اور یہاں الصَّيْحَةُ ہے۔ رجفہ کا معنی ہے لرزنا۔ اسلئے رجفہ زلزلہ کیلئے آتا ہے اور صیحہ کا معنی ہے خطرناک آواز۔ دونوں کے اشتراک سے مُراد ہے ایسا عظیم زلزلہ جس سے توڑ پھوڑ کی زور کی آواز پیدا ہو۔

● [۲] جہاں قرآن مجید میں رب تعالیٰ کے انکار کا ذکر ہوتا ہے وہاں انکار ربوبیت عامہ مراد ہوتی ہے۔ جیسے کہ قوم ثمود [۷/۷۵] کے مطابق رب تعالیٰ کی ہستی کی منکر نہیں تھی۔ بلکہ وہ چشموں اور چراگاہوں پر غاصبانہ قبضہ کر کے صرف اپنے رب کی ربوبیت ہی منکر تھی۔

سورہ شعراء

● سورہ شعراء میں قوم ثمود کی نافرمانی اور آمد عذاب کا تذکرہ بالفاظ ذیل آیا ہے:۔ كَذَّبَتْ ثَمُودُ الْمُرْسَلِينَ

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ۝ ۲۶/۱۴۱ تا ۱۴۳ قوم ثمود نے حضرت صالح سمیت سابقہ رسولوں کو جھٹلایا وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب انہیں اُنکے بھائی صالحؑ نے کہا کہ تم اللہ کی مخالفت سے کیوں نہیں بچتے۔ بیشک میں تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں۔ اَتُتْرَكُوْنَ فِیْ مَا هٰهُنَاۤ اٰمِنِیْنَ ۝ ۲۶/۱۴۶ کیا تم اسی حالت میں امن کیساتھ چھوڑ دیئے گئے ؟ نہیں ہرگز نہیں۔ قوم ثمود کا سب سے بڑا جرم یہ تھا کہ عوامی چراگاہوں اور چشموں پر مالکانہ حقوق قائم کرکے اُن کے حقِ مساوات کو غصب کر رکھا تھا۔ حضرت صالحؑ نے فرمایا فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ۝ ۲۶/۱۵۰ پس تم اللہ کی مخالفت سے بچو اور میری اطاعت کرو۔ جس طرح میں قانونِ خداوندی کی اطاعت کرتا ہوں تم بھی اُسی طرح قوانینِ خداوندی کی اطاعت کرو۔ لیکن قوم نے کہا:۔ مَاۤ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۖۚ فَاْتِ بِاٰیَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ یَوْمٍ[1] مَّعْلُوْمٍ ۝ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابُ یَوْمٍ[2] عَظِیْمٍ ۝ ۲۶/۱۵۳ تا ۱۵۶ اُنہوں نے کہا کہ (تُو رسول نہیں ہے) سوائے اِسکے نہیں کہ تُو دھوکا کھایا ہوا ہے۔ اور نہیں ہے تو مگر ہمارے جیسا بشر ہے (اِسلئے تُو رسول نہیں ہوسکتا) اگر تُو سچوں سے ہے تو کوئی نشانی لا۔ آپ نے فرمایا یہ اونٹنی (غرباء کے مویشیوں کی نمائندہ مقرر کیجاتی) ہے معلوم (مقررہ) وقفہ میں پانی پینے کی باری اِسکے (یعنی غرباء کے مویشیوں کے) لئے بھی ہے اور ایک معلوم وقفہ میں تمہارے مویشیوں کے لئے بھی ہے تم اسے ضرر نہ پہنچانا۔ ورنہ تمہیں بڑے دن کا عذاب پکڑ لے گا۔

● [1] لفظ یَوم کا مطلق معنٰی ہے کوئی سا چھوٹا یا بڑا وقفہ۔ شِرْبُ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ میں یَوم کا معنٰی ہے پانی پینے کی باری کا معلوم وقفہ۔ حضرتِ صالح نے عوام کے مویشیوں کے پانی پینے کیلئے الگ الگ وقفے مقرر کر دئے۔ اِن الفاظ کا روائتی تصوّر ہرگز صحیح نہیں کہ ایک دِن لوگوں کے مویشیوں کے پانی پینے کا مقرر کیا گیا تھا اور ایک دن اونٹنی کے پانی پینے کا۔ اپنی باری پر اونٹنی چشمے کا سارا پانی پی جاتی تھی' بالفاظِ دیگر اونٹنی کی باری کے دِن باقی سارے مویشیوں کو پیاسا رہنا پڑتا تھا۔ یہ اچھی نشانی تھی جو عوام کے مویشیوں کو پیاسا رہنے پر مجبور کر دیتی تھی۔ اَیسے جیستانی تصوّرات مطلقاً غیر قرآنی ہیں۔ نیز حضرت صالح کی اونٹنی کے متعلق جو یہ مشہور ہے کہ وہ پہاڑ میں سے نکلی تھی' قرآنِ کریم میں اس کا بھی کوئی ثبوت موجود نہیں۔

● [2] عَذَابُ یَوْمٍ عَظِیْمٍ کے الفاظ میں لفظ یوم سے مراد وہ دِن ہے جس دن قوم ثمود پر عظیم زلزلے کا عذاب آیا تھا قوموں پر آنیوالے عذاب کے دن کو بھی یومِ عظیم قرار دیا گیا ہے۔

سُورہ نمل ● سورہ نمل میں قوم ثمود کے متعلق آیا ہے کہ اُس میں نو سردار تھے جنہوں نے حضرت صالح پر شبخون مار کر انہیں قتل کرنے کی تجویز کی :۔ وَكَانَ فِی الْمَدِیْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ یُّفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ وَلَا یُصْلِحُوْنَ ۝ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَیِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِیِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ ۲۷/۴۸ - ۴۹ اور شہر میں نو فسادی سردار تھے جو اُس زمین میں فساد پھیلاتے اور اصلاح نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے ایک دوسرے کو کہا کہ قسم کھا کر عہد کرو کہ ہم صالح اور اُس کے اہل (صحابہؓ) پر ضرور شبخون مار کر انہیں ہلاک کر دیں گے۔ پھر اُس کے وارث کو کہہ دیں گے کہ ہم (اُس کے) اور

اِسکے اہلِ صحابہؓ کی ہلاکت کے وقت موجود نہیں تھے۔ اور بلاشبہ ہم (اپنے بیان میں) سچے ہیں ــــــــ لیکن ہوا یہ کہ :۔

● وَمَكَرُوا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا[1] وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ○ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةً ۢ بِمَا ظَلَمُوْا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ○ ۲۷ / ۵۰ تا ۵۲ اُنہوں نے شبخون مارنے کی ایک خفیہ تجویز کی اور ایک خفیہ تجویز ہم نے بھی کی (اُن پر عذاب لانے کی اور حضرت صالح کو اُن کے صحابہؓ سمیت ہجرت کروانے ۷/۹) اور انہیں ہماری تجویز[1] کا کوئی شعور تک نہ تھا۔ پھر اَے مخاطب غور کر کہ اُن کی خفیہ بُری تجویز کا کیا انجام ہُوا۔ ہم نے اِن نو سرداروں اور اُن کی پوری منکر قوم سب کو ہلاک کر دیا۔ پھر (تصوّر کی نگاہ سے) دیکھو کہ وُہ ہیں اُن کے گھر جو اُنکے ظلم کی بدولت (کھنڈرات کی صُورت میں) ویران پڑے ہیں۔ بے شک مذکورہ بالا بیان میں عقل مند قوم کے لئے عبرت کی ایک عظیم نشانی ہے۔

● [1] لفظ مکر کے سہ حرفی مادہ م۔ک۔ر کا بنیادی معنیٰ ہے ایسی خفیہ تجویز کرنا جس کا مدِّ مقابل کو علم نہ ہونے پائے جیسے کہ قوم ثمود کے حضرت صالح اور اُن کے صحابہؓ کو قتل کرنے کی خفیہ بُری تجویز کے لئے مکر کا لفظ آیا ہے۔ یہی لفظ اللہ کی طرف سے ہو تو اسکا معنیٰ اچھی خفیہ تجویز ہوتا ہے۔ نیز یہ لفظ مکر آنحضورؐ کی ہجرت کے لئے آیا ہے جیسے کہ خود رسول اکرمؐ کے متعلق بھی بتایا گیا ہے :۔ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ۭ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ○ ۸/۳۰ اور (اَے رسولؐ!) وُہ وقت قابلِ ذکر ہے جب انکار کرنیوالوں نے آپکے لئے یہ خفیہ تجویز کی کہ وُہ یا تو آپکو عمر قید کر دیں یا قتل کر دیں اور یا آپکو ملک بدر کر دیں۔ اور (حالت یہ تھی کہ) وُہ بھی ایک خفیہ تجویز کر رہے تھے اور اللہ بھی ایک خفیہ تجویز کر رہا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام خفیہ تجویزیں کرنیوالوں سے بہتر تجویز کرنیوالا ہے۔ اِس آیت مجیدہ ۸/۳۰ میں بھی آنحضورؐ سے ہجرت کروانے کی تجویز کا ذکر ہے اور ۲۷/۵۰ میں بھی حضرت صالح سے ہجرت کروانے کا ذکر ہے۔ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ.... ۷/۹ سے عیاں ہے کہ حضرت صالح قوم سے مُنہ موڑ کر ہجرت فرما گئے۔ اِس سے آگے قوم ثمود کا ذکر سُورہ قمر میں ملاحظہ فرمائیں :۔

سُورہ قمر

● كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ○ فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ○ ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ○ ۵۴ / ۲۳ تا ۲۵ قوم ثمود نے انذار کرنیوالوں (یعنی رسُولوں) کو جھٹلایا پس اُنہوں نے کہا کہ کیا ہم اپنے میں سے ایک اکیلے بشر کی اتباع کریں۔ پھر تو ہم گمراہی اور پاگل پن میں مبتلا ہو جائینگے کیا ہم میں سے اُس شخص (صالح) پر نصیحت نامہ نازل ہُوا ہے ؟ بلکہ وُہ تو بڑھ کر جھوٹا اور لاف زن ہے۔

● قوم ثمود کے متکبّر سرداروں کے مندرجہ بالا بیان کے جواب میں ارشاد ہُوا ہے :۔

● سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ○ اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ○ وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَاۗءَ

قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ۵۴/۲۶ تا ۲۸ ـــــ وہ عنقریب کل کو (تین دن کے بعد ۱۱/۶۵) جان لینگے کہ کون بڑھکر جھوٹا اور لاف زن ہے۔ بیشک ہم ایک اونٹنی کو (عوام کے مویشیوں کے نمائندہ کے طور پر) اُنکی آزمائش کیلئے بھیجنے والے ہیں (جسے بھیج دیا گیا ہے) پھر (ہمنے صالح کو کہا کہ) اُنکے انجام کا انتظار کر اور خود مستقل مزاج رہ۔ اور انکو خبر دیدے کہ (چشموں کا) پانی اُنکے (یعنی امراء اور غرباء) کے درمیان بٹا ہوا ہے (اللہ تعالیٰ کے پانی پر سب کا مساوی حق ہے) ہر کوئی اپنی اپنی باری پر حاضر کیا گیا ہے (یعنی سب اپنی اپنی باری پر اپنے اپنے مویشیوں کو پانی پلایا کریں ــــــ یہ تھا وہ عہد جو حضرت صالح نے قوم کے سرداروں سے لیا، جس پر عمل درآمد کی نشانی ایک اونٹنی مقرر کیگئی، جو غرباء کے مویشیوں کے نمائندہ کے طور پر اپنی باری پر چراگاہی مویشیوں سمیت روزانہ پانی پیتی تھی۔ اُسے کھلا چھوڑ دیا گیا تھا اور اُسے ضرر نہ پہنچانا عوام کے پانی کے حقِ مساوات پر عمل درآمد کی نشانی قرار دیا گیا۔ مذکورہ اونٹنی کو اللہ کی اونٹنی اسلئے کہا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پانی کی مساویانہ تقسیم کی نشانی مقرر کی گئی تھی۔

سُورۃ الشمس

• سورہ الشمس میں آیا ہے كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوٰهَا ۝ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰهَا ۝ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ۝ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۝ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ۝ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ۝ ۹۱/۱۱ تا ۱۵
قوم ثمود نے اپنی سرکشی کیساتھ (حضرت صالح کو) جھٹلایا۔ وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب اُن میں سے ایک انتہائی خبیث آدمی (اونٹنی کو قتل کرنے کیلئے) اٹھا۔ حالانکہ اُنہیں اللہ کے رسولؐ نے کہا تھا کہ یہ اونٹنی (غرباء کے مویشیوں کی نمائندہ) بھی اللہ کی ہے اور پانی بھی اللہ کا ہے۔ (اسے ضرر پہنچا کر عہد مساوات کو توڑ نہ دینا) مگر انہوں نے اُسے جھٹلا دیا۔ پھر اونٹنی کے پاؤں کاٹ ڈالے پھر اُنکی (اس عہد شکنی اور چشموں اور چراگاہوں کے مساویانہ حقوق کے غصب کے بدترین) گناہ کے بدلے اللہ نے ان پر (خوفناک آواز زلزلے والے زلزلے کے ذریعہ) ہلاکت نازل کی اور انہیں برابر کر دیا اور اُس نے انکے اس عبرتناک انجام کی کوئی پرواہ نہ کی۔

قومِ ثمود کے جرائم

۱• سورہ اعراف ۷/۷۵ میں مذکور ہے کہ قوم ثمود کے سردار اپنے لئے بڑائی چاہتے تھے، انتہائی متکبر تھے۔
۲• سورہ اعراف ۷/۷۵ ہی میں آیا ہے کہ انہوں نے اپنے میں سے بہت سے لوگوں کو کمزور کر دیا تھا۔
۳• وہ سورہ نمل ۲۷/۴۹ کے مطابق اللہ کو مانتے تھے مگر ۱۱/۶۲ کیمطابق اکیلے اللہ کو نہیں مانتے تھے بلکہ اپنے بزرگوں کو اُسکے شریک بنا رکھا تھا۔
۴• سورہ شعراء ۲۶/۱۵۴ میں درج ہے کہ وہ رسولوں کو بشر نہیں مانتے تھے۔ اِسی لئے حضرت صالح کی نبوت کا انکار کر دیا۔
۵• سورہ ھود ۱۱/۶۲ میں ہے کہ وہ تواتر کے قائل تھے اور آباؤ اجداد کی روش کو صداقت کی دلیل جانتے تھے۔
۶• سورہ نمل ۲۷/۴۹ میں آیا ہے کہ قوم ثمود کے نو متکبر سرداروں نے حضرت صالح اور آپکے صحابہؓ پر شبخون مار کر قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ یہ اسلئے کہ وہ چشموں اور چراگاہوں کی مساوات کے منکر تھے مگر حضرت صالح نے اُن سے مساوات کا عہد لیا تھا۔
۷• سورہ اعراف ۷/۷۷ + سورہ ھود ۱۱/۹۹ + سورہ شعراء ۲۶/۱۵۷ + سورہ قمر ۵۴/۲۹ اور سورہ شمس ۹۱/۱۲-۱۴ میں بتکرار کثیر قوم ثمود کا یہ جرم مذکور ہے کہ چشموں اور چراگاہوں کو عالمی انسانی سطح پر سب لوگوں کے مویشیوں کا مساوی حق تسلیم کرنے پر جو ایک اونٹنی کو

اس عہد کی نشانی ٹھہرایا گیا تھا، انہوں نے اُسکے پاؤں کاٹ کر عہدِ مساوات کو توڑ دیا - جس کے بدلے تین دن کی مہلت کا اعلان کرنے کے بعد فوراً زلزلہ کا عذاب آگیا -

ناقۂ صالحؑ کی حقیقت

● حضرت صالحؑ کی اونٹنی کو اس کے سوا کوئی اور فضیلت حاصل نہیں تھی کہ وہ چشموں اور چراگاہوں کے عہدِ مساوات کی نشانی قرار دیگئی - قومِ ثمود پر عذاب ایذاءِ ناقہ کی بدولت نہیں آیا تھا، بلکہ چشموں اور چراگاہوں جیسی عوامی چیزوں پر غاصبانہ قبضہ جمانے کی بدولت آیا تھا جن پر پوری نوعِ انسانی کے مشترکہ استعمال کا مساویانہ حق روزِ روشن کے سورج کی طرح عیاں ہے - بالفاظِ دیگر اونٹنی کا قتل نظریۂ مساواتِ ربوبیت کا قتل تھا جو اللہ تعالیٰ کے اوّلین اعلانِ ربوبیتِ عامہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۱/۱ کی کھلی مخالفت ہے -

روایاتی تفسیر

● روائتی تفسیروں نے جہاں حضرت صالحؑ کی اونٹنی کی پیدائش کے متعلق یہ تصوّر پیش کیا ہے کہ وہ پلی پلائی جوان اور حاملہ اونٹنی پہاڑ سے نکلی تھی اُسی طرح اُسکے قتل کے متعلق ذیل کا افسانہ پیش کیا ہے :-

● جیسے کہ پیچھے ۲۷/۴ کیمطابق گزر چکا ہے کہ قومِ ثمود کے نو متکبر سرداروں نے حضرت صالحؑ پر شبخون مارنے کی قسم کھائی تھی نیز ۹۱/۱۲ کیمطابق انہی میں سے ایک انتہائی شقی سردار نے ناقۂ صالحؑ پر ہاتھ اٹھایا اور اُسکے پاؤں کاٹ دیئے تھے - جس کی غرض عہدِ مساوات کو توڑنا تھا - لیکن اسکے برعکس تفسیر موضح القرآن میں سورۂ شعراء ۲۶/۱۵۷ کی تفسیر کے ضمن میں قتلِ ناقۂ صالحؑ کے متعلق لکھا ہے :-

● "ایک عورت بدکار کے گھر مویشی بہت تھے - اس نے چارے اور پانی کی تکلیف سے اپنے ایک یار کو سکھایا کہ اُس اونٹنی کے پاؤں کاٹ ڈالے - اس کے تین دن بعد عذاب آیا" ——— اِس بیان پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر قتلِ ناقہ محض ایک بدکار عورت کا فعل تھا تو ساری قوم پر عذاب کیوں لایا گیا - اِسی طرح پانی پلانے کیلئے جو باریاں مقرر کیگئی تھیں کہ قوم کے سرداروں اور غریب عوام کے مویشی روزانہ اپنی اپنی باری پر پانی پلانے کیلئے حاضر کئے جایا کرینگے، تاکہ کوئی مخاصمت پیدا نہ ہونے پائے - تو کیا مذکورہ بدکار عورت کے مویشیوں کو اپنی باری پر پانی میسّر نہیں آتا تھا ؟

قومِ لوطؑ کا تذکرہ

● سورۂ اعراف میں قومِ لوطؑ کا تذکرہ بھی اجمالی طور پر نہائت اختصار کیساتھ آیا ہے اس قوم نے اغلام اور رہزنی جیسے عظیم جرائم کی مجرم ہوکر اپنے آپکو قومِ نیشکوروں کے زمرہ سے خارج کرلیا تھا - انکی بستی میں آنیوالے مرد (رجال) انکی ہوسِ اغلام کا نشانہ بنتے تھے - چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیات مجیدہ میں اُنکا اجمالی ذکر بالفاظِ ذیل آیا ہے :-

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ

اور لوطؑ جب کہا واسطے قوم اپنی کیا تم کرتے ہو بے حیائی

مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ○ ۸۰

نہیں بڑھا تم سے ساتھ اسکے سے کوئی ایک سے جہانوں کے

اور لوطؑ (کو ہمنے انکی قوم کی طرف بھیجا) وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب انہوں نے اپنی قوم کو کہا کہ تم ایسی بے حیائی کے مرتکب ہوتے ہو کہ تم سے پہلے دُنیا میں اِس بُرائی کا مرتکب کوئی ایک شخص بھی نہیں ہوا -

اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ

بیشک تم ضرور آتے ہو مردوں کے پاس شہوت سے سوائے

النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۝ ۸۱

عورتوں بیشک ہو تم قوم حد سے گزرنے والے

(حضرت لوطؑ نے مزید فرمایا) بیشک تم ضرور جنسی تسکین کے لئے عورتوں کی بجائے مردوں کے پاس آتے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی حدیں پھاندنے والی قوم ہو۔

● قوم لوطؑ کا ذکر قرآن مجید میں سورہ اعراف، ھود، حجر، انبیاء، شعراء، نمل، عنکبوت، صٰفّٰت، ذٰریٰت، قمر اور سورہ فیل میں آیا ہے۔ ہم انشاء اللہ تکرار کو چھوڑ کر اس کی تفصیل تمام سورتوں سے پیش کریں گے۔ فی الحال اجمالی ذکر بغور ملاحظہ فرمائیں:۔

وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ

اور نہیں تھا جواب قوم اُسکی کا۔ مگر یہ کہ کہا انہوں نے نکال دو انکو

مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ۝ ۸۲

سے بستی اپنی بیشک یہی وہ ہیں بندے پاک بننے والے

اور (حضرت لوطؑ کی تبلیغ ہدایت پر) اُن کی قوم کا جواب اِسکے سوا نہیں تھا کہ انہوں نے آپس میں ایک دوسرے کو کہا کہ انہیں اپنی بستی سے نکال دو۔ یہ لوگ بڑے پاک بننا چاہتے ہیں (یہاں ایسے پاک لوگوں کا کیا کام ہے ؟)

● سلسلۂ درس کی اس سے اگلی دو آیتوں میں انتہائی اختصار کیساتھ حضرت لوطؑ کی ہجرت اور انکی قوم کے بُرے انجام کی خبر دی گئی ہے:۔

فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ

پھر بچا یا اسکو اور ساتھیوں اُسکے کو سوائے بیوی اس کی کہ تھی وہ

مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝ ۸۳

میں سے پیچھے رہنے والوں

پھر (ہمنے اُس قوم کی بداعمالیوں کی بدولت عذاب بھیجا مگر ہم لوطؑ سے اور اسکے ساتھیوں سے ہجرت کروا کر) انہیں عذاب سے بچا لیا سوائے اُسکی بیوی کے۔ وہ (اپنے عملوں کی بدولت) پیچھے رہنے والوں سے تھی

وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۭ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ

اور برسایا ہمنے اُوپر انکے ایک مینہ۔ پس دیکھ کیسا ہوا

عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ ۸۴ ع ۱۲ / ۱۷

انجام مجرموں کا

اور ہمنے (اُنکی بدعملیوں کی سزا کے طور پر) اُن پر (پتھروں کا) ایک مینہ برسایا۔ پھر (اے مخاطب!) غور کر کہ اُس مجرم قوم کا کیا انجام ہُوا۔

سُورہ ھود ● سورہ ھود میں قوم لوطؑ پر عذاب نازل کرنے کے ذکر میں اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ ان پر مٹی کے پکے ہوئے نشان زدہ پتھروں کی بارش برسائی گئی تھی۔ اور یہ پتھراؤ اللہ تعالیٰ نے اپنے با اقتدار رسولوں سے منجنیقوں کے ذریعہ کرایا تھا۔ نیز یہ اللہ کے رسول قوم لوط کی طرف آنے سے پہلے حضرت ابراہیم کے پاس آئے، اور انہیں دو بیٹوں اور ایک پوتے کی خوشخبری دی۔ قرآن مجید میں اُن رسولوں کو پہلے حضرت ابراہیمؑ کے مہمان کہا گیا ہے اور پھر حضرت لوطؑ کے مہمان کہا گیا ہے۔

سورہ ھود میں اس پہلے مجملے ذکر کو قدرے وضاحت کے ساتھ بالفاظ ذیل شروع کیا گیا ہے :-

● وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ إِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ۖ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ۝ ۱۱/۶۹ اور بیشک ہمارے رسول ابراہیمؑ کے پاس خوشخبری لیکر آئے - اور اُن سے کہا سلماً، آپ نے کہا سلٰمٌ پھر حضرت ابراہیمؑ (مہمانوں کی پانی وغیرہ کی فوری تواضع کے بعد) نہ ٹھہرے مگر انکی مہمانی کیلئے ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آئے -

● ۱ فَمَا کی فَا میں وہ وقفہ مضمر ہے جو آنیوالے مہمانوں کی اولین لازمی تواضع پانی وغیرہ پلانے کیلئے مختص ہوتا ہے کہ سب سے پہلے مہمان کی بھوک کا نہیں بلکہ پیاس کا فوری انتظام کیا جاتا ہے - اس اولین مہمان نوازی کو حضرت ابراہیم جیسے مہمان نواز کی طرف سے کس طرح نظر انداز کیا جا سکتا تھا کہ انہوں نے مہمانوں کو پانی وغیرہ تو پلایا نہ ہو اور بچھڑا ذبح کرنے لگ گئے ہوں -

● سورہ ھود کی اس سے اگلی آئت مجیدہ میں آیا ہے فَلَمَّا رَاٰۤ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ۚ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ۱۱/۷۰ پھر جب حضرت نے دیکھا کہ انکے ہاتھ کھانے تک نہیں پہنچے تو انہیں مخدوش جانا اُن سے خوف زدگی کو ذہن میں چھپایا (مہمانوں نے بھانپ لیا اور) کہا کہ خوف نہ کھائیں، بیشک ہم قوم لوط کی طرف (اُسکی تباہی کیلئے) بھیجے گئے ہیں (ہم حضرت لوط کے مہمان ہیں انہوں نے آپکو حضرت اسماعیل کی پیدائش کی خوشخبری دی) تو اس پر آپکی بیوی تعجب کیساتھ ہنس پڑی کہ کیا میں بڑھیا بانجھ بیٹا جنونگی - اسکے متعلق ارشاد ہوا ہے :-

● وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ ۲ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ۝ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰۤى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا ۭ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ۝ ۱۱/۷۱-۷۲ اور اُنکی بیوی پاس کھڑی تھی وہ (بیٹے اسماعیل کی خوشخبری پر اس حیرت کیساتھ کہ بڑھیا بیٹا جنے گی) ہنس پڑی ۲ - اس پر ہمنے (اپنے رسولوں کے ذریعے دوسرے بیٹے) اسحٰق کی اور پوتے یعقوب کی خوشخبری دیدی - اُس نے کہا میں جنونگی جبکہ میں بانجھ ہوں اور یہ میرا خاوند بوڑھا ہے - یہ تو بڑی عجیب چیز ہے -

● ۱ کھانے تک ہاتھ نہ پہنچے اسلئے کہ وہ حضرت ابراہیم کے بھی مہمان تھے ۱۵/۵۱ + ۵۱/۲۴ اور حضرت لوط کے بھی مہمان تھے ۱۱/۷۷ + ۱۵/۵۲ اسلئے انہوں نے پانی حضرت ابراہیم کے ہاں پیا اور کھانا حضرت لوط کے ہاں جا کھایا -

● ۲ سورہ صٰفّٰت میں آیا ہے کہ حضرت ابراہیم بوڑھے ہو گئے مگر اولاد نہیں تھی - اسلئے حضورِ الٰہی میں دعا فرمائی رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ۝ ۳۷/۱۰۰+۱۰۱ اے میرے پروردگار مجھے صالح اولاد عطا فرما - اس پر ہمنے اُسے ایک بُردبار بیٹے کی خوشخبری دیدی ——— یہ حضرت ابراہیم کے پہلے بیٹے حضرت اسماعیل کی خوشخبری تھی - کیونکہ اُنہی کے متعلق آیا ہے فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْۤ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْۤ اَذْبَحُكَ ۳۷/۱۰۲ پھر جب وہ (جوان ہو گیا) آپکے کام میں ہاتھ بٹانے لگا تو آپنے کہا کہ اے میرے پیارے بیٹے میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کرتا ہوں ——— اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ابراہیم کو پہلی خوشخبری حضرت اسماعیل کی دی گئی اور دوسری خوشخبری حضرت اسحاق کی تھی - چنانچہ اس سے آگے ۳۷/۱۱۲ میں ارشاد ہوا ہے وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

اور (اسماعیلؑ کی خوشخبری کے بعد) ہمنے اُسے اسحاق نبی کی خوشخبری دی جو صالحین میں سے تھا۔ پس واضح رہے کہ حقیقت یہ ہے کہ:-

● حضرت ابراہیم کو پہلی خوشخبری حضرت اسماعیل کی دیگئی تھی جو ۳۷/۱۰۱ میں مظہر ہے اور ۱۱/۷۱ میں محذوف ہے اور دوسری خوشخبری حضرت اسحٰقؑ کی تھی جو ۳۷/۱۱۲ میں بھی مظہر ہے اور ۱۱/۷۱ میں بھی مظہر ہے۔ آپکے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل تھے اور چھوٹے تھے حضرت اسحاقؑ، جو ۳۷/۱۰۱ + ۱۱۲ میں بھی بالترتیب ثابت ہے اور سورہ ابراہیم میں بھی اسی ترتیب کیساتھ خود حضرت ابراہیم کے الفاظ میں موجود ہے:- اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ ۝ ۱۴/۳۹ سب اچھی تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے (میری دُعا پر) بڑھاپے میں (ایکے بعد دیگر دو بیٹے) اسماعیل اور اسحاق عطا فرمائے۔ بلاشبہ میرا پروردگار ضرور دُعا کو سُننے والا ہے ـــــ پس ۱۱/۷۱ میں حضرت کے پہلے بیٹے حضرت اسماعیل کی پہلی خوشخبری محذوف ہے جس پر آپکی بڑھیا بیوی تعجب کیساتھ ہنس پڑی۔ مگر اس پر اُسے دُوسرے بیٹے اسحٰق کی بھی خوشخبری دیگئی اور پوتے یعقوب کی خوشخبری بھی دیدیگئی یعنی آپ کی زندگی ہی میں پوتا بھی آپکو دیا جائیگا۔ اور ساتھ ہی مائی صاحبہ کو کہا گیا:-

● قَالُوْۤا اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَ بَرَكٰتُهٗ عَلَیْكُمْ اَهْلَ الْبَیْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۝ ۱۱/۷۳ اللہ کے رسُولوں نے کہا اے خاتون کیا تُو اللہ کے امر پر تعجب کرتی ہے۔ اے ابراہیمؑ کے گھر والو! تم پر اللہ کی رحمت اور برکت ہو، بیشک وُہ بہت بہت تعریفوں والا اور بہت بہت بزرگی والا ہے۔

● اس درمیانی واقعہ کے بعد بتایا گیا ہے:- فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِیْمَ الرَّوْعُ وَ جَآءَتْهُ الْبُشْرٰى یُجَادِلُنَا فِیْ قَوْمِ لُوْطٍ ؕ اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ لَحَلِیْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِیْبٌ ۝ ۱۱/۷۴،۷۵ پھر جب حضرت ابراہیمؑ سے خوف دُور ہُوا اور انکے پاس خوشخبری پہنچ گئی تو (ہمارے رسولوں کے ذریعہ) ہم سے قومِ لُوط کے بارے میں جھگڑنے لگا۔ بیشک ابراہیم البتہ ضرور بُردبار، گداز ذہن اور اللہ کی طرف رجُوع ہونیوالا تھا ـــــ اس پر اپنے رسولوں کے ذریعہ کہا گیا:-

● یٰۤاِبْرٰهِیْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَ اِنَّهُمْ اٰتِیْهِمْ عَذَابٌ غَیْرُ مَرْدُوْدٍ ۝ ۱۱/۷۶ اے ابراہیم! اِس چیز سے اعراض کریں۔ بیشک تیرے رب کا عذاب آچکا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اُنکے پاس نہ لوٹایا جانیوالا عذاب آگیا ہے ـــــ حضرت ابراہیم کے مہمان یہاں سے فارغ ہوکر حضرت لوطؑ کے ہاں جا مہمان ہُوئے:-

● وَ لَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَ ضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّ قَالَ هٰذَا یَوْمٌ عَصِیْبٌ ۝ ۱۱/۷۷ اور جب ہمارے رسُول لوطؑ کے پاس پہنچے تو اُن پر اُنکا آنا گراں گزرا اور آپنے گرمی تنگی محسوس کی اور فرمایا کہ یہ آج کا دن بہت سخت ہے ـــــ یہ اسلئے کہ آپکی قوم اغلام باز تھی۔ چنانچہ ارشاد ہُوا:- وَ جَآءَهٗ قَوْمُهٗ یُهْرَعُوْنَ اِلَیْهِ ؕ وَ مِنْ قَبْلُ كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ ؕ قَالَ یٰقَوْمِ هٰۤؤُلَآءِ بَنَاتِیْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ لَا تُخْزُوْنِ فِیْ ضَیْفِیْ ؕ اَلَیْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ ۝ ۱۱/۷۸ اور (حضرت لوطؑ کے خدشے کیمطابق) اسکی قوم انکی طرف بے اختیار دوڑتی ہُوئی آئی۔ اور وُہ اس سے پہلے بھی برائیوں کے مرتکب ہوتے تھے

حضرت لوطؑ نے فرمایا کہ تمہارے لئے (جنسی تسکین کیلئے تمہاری بیویاں) یہ میری بیٹیاں ہی پاکیزہ ترین ہیں۔ پس تم اللہ (کے قانون کی مخالفت سے) بچو اور میرے مہمانوں میں مجھے رسوا نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی سمجھ دار آدمی موجود نہیں ہے (کہ مہمان تو پوری بستی کے سانجھے مہمان ہوتے ہیں)۔

● هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِیْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ کا لفظی معنی یہ ہے کہ یہ میری بیٹیاں تمہارے لئے پاکیزہ ہیں۔ اسکا یہ مفہوم نہیں ہے کہ حضرت لوطؑ نے اپنی حقیقی بیٹیوں کے متعلق کہا تھا، کیونکہ اللہ کا نبی اپنی بیٹیاں مذکورہ قسم کے بدکاروں کے نکاح میں نہیں دے سکتا تھا۔ اسلئے یہاں قوم کی بیٹیاں یعنی افرادِ قوم کی بیویاں مُراد ہیں۔ لیکن مذکورہ بدکاروں نے انتہائی ڈھٹائی کیساتھ جواب دیا۔

● قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِیْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِیْدُ ﴿۷۹﴾ ۱۱ انہوں نے کہا بیشک تو جانتا ہے کہ (اپنی بیویوں) تیری بیٹیوں کیساتھ (غیر فطری فعل کا) ہمارا کوئی حق نہیں۔ کیونکہ تو جانتا ہی ہے کہ ہم کیا چاہتے ہیں —— وہ غیر فطری فعل چاہتے تھے، جس پر عورتیں کبھی راضی نہیں ہوسکتیں۔ کیونکہ اس سے جنسی تسکین کی بجائے اُلٹی بدنی اور ذہنی تکلیف کیساتھ ساتھ احساس کمتری اور ذلت میں بھی مبتلا ہو کر رہ جاتی ہیں۔

● حضرت لوطؑ نے قوم کے بُرے ارادوں اور اپنی دفاعی کمزوری کے پیش نظر مہمانوں کے تحفظ کے لئے انتہائی حسرت سے کہا:۔ قَالَ لَوْ اَنَّ لِیْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِیْٓ اِلٰی رُكْنٍ شَدِیْدٍ ﴿۸۰﴾ آپ نے کہا کاش میرے پاس تمہارے مقابلے کی طاقت ہوتی پس میں مضبوط سہارے کی پناہ لیتا ہوں —— رُكْنٍ شَدِیْدٍ یعنی مضبوط سہارا صرف اور صرف ذاتِ باری کی مدد ہے، جو اپنے نیکوکار بندوں، خصوصًا انبیاءِ کرام کی ہر وقت مدد فرماتا ہے۔ چنانچہ اگلی آئت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ خود مہمانوں ہی نے آپ کو تسلّی دیتے ہوئے فرمایا:۔

● قَالُوْا یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ یَّصِلُوْٓا اِلَیْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ وَلَا یَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ مُصِیْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَیْسَ الصُّبْحُ بِقَرِیْبٍ ﴿۸۱﴾ ۱۱ —مہمانوں نے کہا اے لوطؑ! بیشک ہم تیرے رب کے بھیجے ہوئے ہیں۔ یہ (بدکار لوگ) آپ تک نہیں پہنچ سکینگے۔ آپ اپنی بیوی کے سوا اپنے اہل کے افراد کو لے کر رات کے ایک حصے میں یہاں سے نکل جائیں۔ اور آپ میں سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے۔ بیشک جو عذاب ان بدکاروں پر آنیوالا ہے، وہ آپکی بیوی کو بھی پہنچیگا۔ بلاشبہ انکے عذاب کا وقت صبح ہے۔ کیا صبح قریب نہیں؟ یقیناً یقیناً قریب ہے۔ آیا ہی چاہتی ہے)۔

قومِ لوطؑ پر لائے گئے عذاب کی تفصیل

● حضرت لوطؑ اپنی نافرمان بیوی کے سوا اپنے جملہ اہل کیساتھ بستی سے ہجرت کر گئے اور حسبِ وعدہ صبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا عذاب باندازِ ذیل آ گیا:۔

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِیَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّیْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ﴿۸۲﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ وَمَا هِیَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ بِبَعِیْدٍ ﴿۸۳﴾ ۱۱/۸۲-۸۳ پھر جب ہمارا حکم آ گیا تو ہمنے اُس بستی کی اونچی عمارتوں کو پیوندِ زمین کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمنے اُس پر مٹی کے پکے ہوئے کھنگروں کے پتھر بارش کی طرح پے در پے لگاتار برسائے، جن پر تیرے پروردگار کے

قانون[۶] کے مطابق ایک ہی نشان کندہ[۵] تھا۔ اور (اے رسول!) وہ بستی (آپ کے مخالف) ظالموں سے کچھ دُور نہیں ہے۔

● ۱؎ جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا کا مفہوم یہ ہے کہ بستی کی اُونچی عمارتوں کو توڑ پھوڑ کر اُس قوم کو ختم کر دیا۔
● ۲؎ مَطَرٌ بارش کو کہتے ہیں اور مَطَرٌ کا معنی ہے برسنا۔ اس طرح اَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً کا معنی یہ ہے کہ ہم نے اُس پر بارش کی طرح پتھر برسائے۔

● ۳؎ حِجَارَةً مِّن سِجِّيلٍ کے الفاظ انتہائی غور طلب ہیں۔ سِجِّيل کا معنی ہے آگ میں پکایا ہوا مٹی کا کھنگر۔ اس طرح حِجَارَةً مِّن سِجِّيلٍ کا معنی ہے آگ میں کھنگر کی حد تک مٹی کے پکائے ہوئے پتھر۔ سورہ ذاریات میں انہی پتھروں کو کہا گیا ہے حِجَارَةً مِّن طِينٍ ۳۳/۵۱ یعنی مٹی کے پتھر۔ اب مشاہدہ گواہ ہے کہ مٹی میں پتھر جیسی سختی اُس وقت پیدا ہوتی ہے جب اُسے آگ میں پتھر کی حد تک پکایا جائے۔

● ۴؎ مَّنضُودٍ کا لفظ مادہ ن۔ ض۔ د ۔ نضد سے ہے، جس کا مصدری معنی ہے تہ بہ تہ ہونا۔ اور مَطَرٌ یعنی بارش کی طرح برسنے کی حالت میں اسکا مصدری معنی ہے پے در پے لگاتار برسنا۔ پس ثابت ہوا کہ قوم لوطؑ پر مٹی کے کھنگر کی حد تک پکائے ہوئے پتھر بارش کی طرح لگاتار برسائے گئے تھے۔

● ۵-۶؎ یہاں حِجَارَةً مِّن سِجِّيلٍ ہی کیلئے بصورتِ حال آیا ہے مُّسَوَّمَةً عِندَ رَبِّكَ، یعنی اُن کھنگروں کی حد تک مٹی کے پکائے ہوئے کھنگروں کی حالت یہ تھی کہ ہر ایک پر ایک ہی نشان کندہ تھا۔ مُّسَوَّمَةً حال ہے بمعنی نشان کندہ۔ اور عِندَ رَبِّكَ کے الفاظ میں رب تعالیٰ کے قانون کا اظہار کیا گیا ہے کہ ہر ایک پتھر پر ایک ہی نشان کندہ کرنا رب تعالیٰ کے کائناتی قانون کیمطابق تھا۔ (تفصیل حسب ذیل ہے) :۔

● آیاتِ مجیدہ ۸۲-۸۳/۱۱ کے الفاظ کی حاکمیت کیمطابق قوم لوطؑ پر لائے گئے عذاب کی حقیقت یہ ثابت ہوتی ہے کہ اُس بدکار قوم پر اُس دور کی حدِّ ایجاد کیمطابق منجنیقوں کیساتھ کھنگروں کے گولے برسائے گئے تھے۔ اور چونکہ منجنیق کے خانے میں ایک ہی سائز کے گولے آسکتے ہیں، اسلئے ہر منجنیق کے خانے کیمطابق الگ الگ ایک ہی سائز کے سانچوں میں گیلی مٹی تھاپ کر گولے بنائے جاتے تھے۔ بالکل اُسی طرح جیسے آجکل ایک ہی سائز کے سانچے میں اینٹیں تھاپی جاتی ہیں اور سانچے میں کھدا ہوا ایک ہی نشان سب اینٹوں پر کندہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ اسی طرح مذکورہ گولے گیلی مٹی کے تھاپ کر بنائے جاتے تھے اور الگ الگ منجنیقوں کے خانوں کے سائز کیمطابق سانچوں میں کھدا ہوا الگ الگ ایک ہی نشان گولوں پر کندہ ہوتا چلا جاتا تھا۔ پھر انہیں آگ میں پکا کر کھنگر کی حد تک پکا لیا جاتا تھا تاکہ جہاں گریں خود نہ ٹوٹیں مگر مقامِ مضروب پر تباہی لے آئیں۔

● سابقہ زمانوں میں ایسی ہی منجنیقوں کیساتھ کھنگروں کے گولے برسائے جاتے تھے۔ گولوں پر الگ الگ منجنیق کے خانے کے سائز کے الگ الگ نشان کندہ ہوتے تھے، جسے مُّسَوَّمَةً عِندَ رَبِّكَ یعنی تیرے رب کے قانون کے مطابق کہا گیا ہے۔ یہاں

لفظ رب سے مراد رب تعالیٰ کا کائناتی قانون ہے اور عِنْدَ مضاف حرفِ جار قرآن مجید میں "کے مطابق" کے معنوں میں مستعمل ہے۔ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ○ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ○ $\frac{3}{162-163}$ اس آیت کے ترجمہ کو بغور ملاحظہ فرمائیں۔ اسی میں عِنْدَ اللّٰهِ کا معنی ہے اللہ کے قانونِ مکافات کیمطابق :۔ کیا وہ شخص جس نے رضاءِ الٰہی کی اتباع کی، اُس شخص کی مانند ہے جس نے اللہ کو ناراض کیا جس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اللہ کے قانون کیمطابق (عنداللہ) انکے الگ الگ درجے ہیں۔ اللہ دیکھتا ہے جو وہ عمل کرتے ہیں۔

المختصر! ● یہاں تک یہ ثابت ہو چکا کہ قوم لُوط کی بستی پر مٹی کے پکے ہوئے ایک ہی نشان والے اللہ کے قانون کے مطابق بنائے گئے کھنگروں کے پتھر منجنیقوں کے ذریعہ لگاتار برسائے گئے تھے، جو اَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ۙ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ $\frac{11}{82-83}$ کے خداوندی ارشاد سے عیاں ہے۔ اب اس ضمن کا آخری سوال یہ ہے کہ یہ کھنگروں کے نشان کندہ گولوں کی بارش کس سے کروائی گئی تھی؟

● اسکا جواب $\frac{51}{31 \text{ تا } 34}$ سے ثابت ہے کہ یہ بارش بدلائلِ ذیل اللہ کے رسولوں اور حضرات ابراہیم ولوط سلام علیہما کے مہمانوں سے کرائی گئی تھی۔ جب حضرت ابراہیمؑ نے اپنے مہمانوں سے پوچھا۔ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ○ $\frac{51}{31}$ اے اللہ کے رسولو! تمہاری مہم کیا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا :- قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ۙ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ۙ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ○ $\frac{51}{32-34}$ انہوں نے کہا بیشک ہم مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں تاکہ ہم حد سے نکلنے والوں کیلئے تیرے رب کے قانون کے مطابق مٹی کے بنائے گئے نشان کندہ پتھر لگاتار برسائیں۔

● اِن الفاظِ خداوندی سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسُول، حضرات داؤد وسلیمان سلام علیہما کی طرح رسُول ہونے کیساتھ ساتھ صاحبِ اقتدار بھی تھے۔ انکا منجنیق بردار فوجی دستہ پیچھے خفیہ مقام جھاڑیوں وغیرہ میں محفوظ تھا، جسے وعدہ والی صبح سے پہلے پہلے رات کے وقت موقعہ پر لایا گیا اور حضرت لُوط سے راتوں رات ہجرات کروا کر صبح کے وقت نشان کندہ کھنگروں کے پتھروں کی لگاتار بارش کیساتھ بدکار قوم کی بستی کو پیوندِ خاک کر دیا گیا۔ چنانچہ حکمِ خداوندی کیمطابق اللہ تعالیٰ کے مذکورہ مقتدر رسُولوں نے پہلے حضرت ابراہیم سلام علیہ کو دو بیٹوں اور ایک پوتے کی خوشخبری دی اور پھر قوم لُوط پر منجنیقوں کے ذریعہ پتھراؤ کر کے اُسے کیفرِ کردار تک پہنچا دیا۔

● قوم لُوط پر عذاب بھیجنے کا ذکر سُورہ اعراف، ھود، حجر، انبیاء، شعرآء، نمل، عنکبوت، صٰفّٰت، ذاریات، قمر اور سُورہ فیل میں آیا ہے۔ عذاب کی تفصیل کے طور پر سُورہ قمر میں کہا گیا ہے اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا $\frac{54}{34}$ بیشک اُن پر ہم نے پتھر پھینکے سُورہ اعراف، شعرآء اور نمل میں قوم لوط کے عذاب کے متعلق ایک ہی الفاظ آئے ہیں وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ $\frac{7}{84}$ + $\frac{26}{173}$ + $\frac{27}{58}$ ہم نے ان پر مینہ برسایا۔ پھر کیسا بُرا مینہ تھا جو متنبہ کئے گئے (مجرموں) پر برسایا گیا تھا۔

● سورہ عنکبوت میں آیا ہے کہ اللہ کے رسولوں نے حضرت لوطؑ سے کہا اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰٓى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا

مِّنَ السَّمَآءِ ۲۹/۳۴ بیشک ہم اِس بستی کے رہنے والوں پر آسمان سے عذاب نازل کرنیوالے ہیں۔ سُورہ حجر میں آیا ہے وَ اَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّیْلٍ ۱۵/۷۴ اور ہمنے اُن پر کھنگر کے پتھروں کا مینہ برسایا۔ سُورہ ذٰریٰت میں آیا ہے کہ اللہ کے رُسُل سلامٌ علیہم نے حضرت ابراہیم سلامٌ علیہ سے کہا قَالُوْا اِنَّا اُرْسِلْنَا اِلٰی قَوْمٍ مُّجْرِمِیْنَ ۙ لِنُرْسِلَ عَلَیْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِیْنٍ ۙ مُّسَوَّمَةً ۵۱/۳۲ تا ۳۴ انہوں نے کہا بیشک ہم مجرموں کی قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں تاکہ ہم اُن پر مٹی کے پکائے ہُوئے نشان کندہ پتھر برسائیں۔ اور سُورہ ھود میں ارشاد ہُوا ہے وَ اَمْطَرْنَا عَلَیْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّیْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ۙ مُّسَوَّمَةً ۱۱/۸۲ – ۸۳ اور ہم نے اُن پر مٹی کے پکے ہُوئے کھنگروں کے نشان کندہ پتھر برسائے۔

● قرآن بھر میں پھیلی ہُوئی مذکورہ بالا آیات کریمہ کی شہادت اور قرآن کریم کے مستقل اسلوب بیان تصریف آیات سے مکمل کر ثابت ہو چکا کہ بدکار قوم لوط پر مٹی کے کھنگر کی حد تک پکے ہُوئے پتھر بارش کی طرح پے در پے لگاتار برسائے گئے تھے۔ اور وُہ اُس دَور کی عسکری اسلحہ صنعت کیمطابق ایجاد کردہ منجنیقوں کے ذریعہ برسائے گئے تھے۔ اور برسانے والے، اللہ تعالیٰ کے پاکیزہ رسل سلامٌ علیہم، حضرات داؤد و سلیمان سلامٌ علیہما کی طرح اللہ تعالیٰ کے رسُول ہونے کے علاوہ کسی حصّہ زمین میں صاحبِ اقتدار بھی تھے۔

ایک اہم سوال کا جواب

● یہاں معترض اعتراض کرسکتا ہے، جبکہ آیات بالا میں منجنیقوں کا ذکر مطلقاً موجود نہیں تو پھر یہ تصوّر کس طرح صحیح تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ اِسکا جواب بالکل سادہ اور صاف ہے کہ جہاں ۸/۱۷ میں آیا ہے وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ اور نہیں تیر اندازی کی آپنے، جب آپنے تیراندازی فرمائی۔ دیکھئے یہاں کمان کا ذکر موجود نہیں، جس کے ذریعہ آنحضور نے تیراندازی فرمائی تھی۔ لیکن چونکہ تیراندازی کمانؔ کے ذریعہ کیجاتی ہے، اِسلئے کمان کا ذکر نہ موجود ہونے کے باوجود ۸/۱۷ میں تیراندازی بذریعہ کمان مذکور ہے اسی طرح آیاتِ بالا میں مٹی کے کھنگر کی حد تک پکے ہُوئے پتھروں کا بارش کی طرح برسانا بذریعہ منجنیقوں مذکور ہے۔

دو اور اہم سوالات

● یہاں پہنچ کر عنوان بالا کے متعلق ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قوم لُوط پر کھنگر والے پتّھر برسانے والوں کے متعلق مشہور تو یہ ہے کہ وُہ فرشتے تھے۔ اِسکا جواب از روئے قرآن کریم یہ ہے کہ قوم لُوط پر بھیجے گئے عذاب کا ذکر گیارہ سورتوں میں آیا ہے جیسے کہ پیچھے درج کر دیا گیا ہے، مگر کسی ایک سُورت میں بھی اللہ کے مذکورہ رسُولوں کیلئے ملائکہ کے الفاظ مطلقاً نہیں آئے۔ یا تو اُنکے لئے رُسُلُنَا کے الفاظ آئے ہیں یعنی ہمارے رسُول اور یا ضَیْفِ اِبْرٰهِیْمَ اور ضیف لُوط یا ضَیْفِیْ کے الفاظ آئے ہیں، یعنی حضرت ابراہیم کے مہمان اور حضرت لُوط کے مہمان۔ چنانچہ رُسُل اور مُرْسَلُوْنَ کے الفاظ آیاتِ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:۔

● سُورہ ھود میں آیا ہے وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِیْمَ بِالْبُشْرٰی ۱۱/۶۹ اور بیشک بیشک ابراہیمؑ کے پاس ہمارے رسُول خوشخبری لیکر آئے۔ اِسی سُورہ مجیدہ میں آیا ہے وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا ۱۱/۷۷ اور جب ہمارے رسول لُوط کے پاس آئے

سُورہ حجر میں آیا ہے کہ حضرت ابراہیم نے آنیوالوں سے پوچھا قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۱۵/۵۷ اے اللہ کے رسُولو! تمہاری مہم کیا ہے۔ حضرت ابراہیم کے عین یہی الفاظ سُورہ ذٰریٰت میں آئے ہیں قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۵۱/۳۱ پھر سُورہ حجر میں آیا ہے فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ِۨ الْمُرْسَلُوْنَ ۱۵/۶۱ پھر جب اللہ کے رسُول آلِ لُوط کے پاس آئے۔

● اب ملاحظہ فرمائیں انہی اللہ کے رسُولوں کیلئے ضیف ابراہیم اور ضیف لُوط کے الفاظ آیاتِ ذیل میں آئے ہیں:۔

● سُورہ حجر میں آیا ہے وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ۱۵/۵۱ اور اے رسُول اِن لوگوں کو ابراہیم کے مہمانوں کی خبر دیجئے۔ سُورہ ذٰریٰت میں ارشاد ہوا ہے هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ۵۱/۲۴ کیا آپکے پاس ابراہیم کے مہمانوں کی خبر پہنچی ہے (یقیناً سابقہ سُورتوں میں پہنچ چکی ہے)۔ سُورہ ھود میں آیا ہے کہ جب قوم لُوط بُرے ارادے کیساتھ حضرت لُوط کی طرف آئی تو آپنے فرمایا وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ۱۱/۷۸ مجھے میرے مہمانوں میں رُسوا نہ کرو ——— سُورہ حجر میں ارشاد ہوا ہے اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ۱۵/۶۸ بیشک یہ میرے مہمان ہیں۔ پس مجھے ان میں رُسوا نہ کرو ——— سُورہ قمر میں ارشاد ہوا ہے وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ ۵۴/۳۷ اور بیشک اُن بدکاروں نے حضرت کو اُن کے مہمانوں کیساتھ بدکاری کے لئے پھسلانا چاہا۔ (مگر نہ پھسلا سکے)۔

● پس مذکورہ آیاتِ مقدسہ میں جب متعدد بار بتکرار کثیر رُسُل اور ضَیف کے الفاظ آئے ہیں اور ملائکہ کا لفظ ایک مرتبہ بھی کہیں نہیں آیا اسلئے کھل کر ثابت ہوا کہ یہ ملائکہ نہیں تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کے صاحبِ اقتدار رسُول تھے۔ حضرات ابراہیمؑ و لُوطؑ کے مہمان بشر تھے۔

● **دُوسرا اہم سوال** یہ ہے کہ جب سابقہ نافرمان اقوام کو طوفانِ آب، طوفانِ باد، طوفانِ برق اور زلزلوں کے ذریعہ ختم کیا گیا تھا تو قوم لُوط پہ انسانوں ہی کے بنائے ہُوئے کھنگریا لے پتھروں کی بارش خود انسانوں ہی سے کیوں کرائی گئی تھی جبکہ قوم لُوط کے وقت بھی اللہ تعالیٰ کے مذکورہ بالا لشکر جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ موجود تھے۔ اِس کا جواب قوم نوح پر لائے گئے پانی کے عذاب میں موجود ہے کہ حضرت نوحؑ کو آمدِ طوفان کی خبر دینے کیساتھ حکم دیدیا گیا کہ طوفان سے بچنے کے لئے کشتی تیار کرلیں۔ اِس حکمِ خداوندی میں کھل کر اعلان کر دیا گیا ہے کہ جو بھی عذاب آئے گا مادی ذرائع سے آئے گا، چنانچہ پانی کا سیلاب، آندھی کا طوفان، بجلی اور زلزلے سب مادی چیزیں ہیں اور ان سے بچاؤ بھی مادی ذرائع ہی کے ساتھ ممکن ہوگا، جیسے کہ طوفانِ آب سے محفوظ رہنے کے لئے مادی چیز کشتی ہی کام دے سکتی ہے۔ اِس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح سے کشتی ہی تیار کرائی تھی۔

● اللہ تعالیٰ کی اس سنّتِ مبارکہ کے مطابق جو قرآنِ کریم سے بطور نمونہ پیش کیگئی ہے، حضرت ھُود سے یقیناً ایسی پناہ گاہیں بنوائی گئی تھیں جن میں آندھی کا اثر نہ ہو کیونکہ آپکی قوم پر ایسی آندھی کا عذاب لایا گیا تھا جو مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن چلتی رہی اور قومِ ھود کو ختم کرگئی۔ قومِ ثمود پر مہلک آواز والے زلزلے کا عذاب لایا گیا مگر حضرت صالح سے عبرت

کروائی گئی۔ اسی طرح قوم لوطؑ پر کھنگر یالے پتھروں کی بارش کا عذاب لایا گیا مگر حضرت لوطؑ سے ہجرت والی گئی۔ حضور مکّی مدنی سرکارؐ کی مخالف قوم چونکہ بارہا آنحضورؐ پر جارحانہ حملے کرکے آپ پر جارحانہ جنگ ٹھونستی رہی، اسلئے اُس قوم پر جنگ ہی کا عذاب نازل ہوتا رہا۔ جنگ بدر، اُحد، خندق اور حُنین وغیرہ سب اُنکی لائی ہُوئی جنگیں تھیں۔ اِس لئے جس طرح نوحؑ کو کشتی بنانے کا حکم دیا گیا تھا، اُسی طرح آنحضورؐ کو اور آپکے مقدس صحابہؓ کو زیادہ سے زیادہ فوجی قوت تیار کرنے کا حکم دیا وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ ۸/۶۰ دشمن کے مقابلے کیلئے استطاعت بھر زیادہ سے زیادہ فوجی قوّت تیار کرتے رہو چنانچہ آنحضورؐ کی بے پناہ فوجی تیاری ہی کا نتیجہ تھا کہ دشمن بڑی سے بڑی فوجی قوت کے ساتھ حملہ آور ہوتا رہا، مگر ہر بار شکست یاب ہوکر لوٹتا رہا۔ اور آخرالامر آنحضورؐ کی فوجی قوت ہی کے سامنے معرکۂ مکّہ معظّمہ میں دشمن نے بلا جنگ و جدال شکست تسلیم کرلی۔

● المختصر! ہم یہ بتا رہے ہیں کہ قوم لوطؑ پر اپنے صاحب اقتدار رسُولوں کے ذریعہ کھنگر یالے پتھروں کی بارش فوجی انداز کیساتھ منجنیقوں کے ذریعہ کیوں کرائی گئی تھی۔ یہ اسلئے کہ قیامت تک کے اہلِ اسلام کو متنبّہ کرنا تھا کہ یاد رکھو زمین میں اقتدار بھی فوجی قوّت ہی کیساتھ میسّر آیا کریگا اور قائم بھی عسکری قوت ہی کیساتھ رہ سکیگا۔ جیسے کہ حضرت داؤد اعظم (داؤد ذالاید) کی عظیم سلطنت کا راز ان لفظوں میں بتایا گیا ہے وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ۳۴/۱۰ اور ہم نے اسکے لئے لوہے کو نرم پایا (یعنی وہ لوہے کے جنگی ہتھیار (اسلحہ) بکثرت تیار کرتے تھے۔ اور آپکو اسی کا حکم دیا گیا تھا اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ ۳۴/۱۱ یہ کہ آپ لوہے کی زرہیں بنائیں اور (اُن کے حلقوں میں جسم کے ہر عضو کے مطابق صحیح صحیح) اندازہ رکھنے کا اہتمام فرمائیں۔

اِسی طرح:۔

● حضرت سلیمانؑ کے متعلق بتایا گیا ہے کہ اُن کے ہاں پگھلے ہُوئے تانبے کے چشمے بہتے تھے وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ۳۴/۱۲ یعنی آپکے ہاں تانبے کے اسلحی پُرزہ جات ڈھلا کرتے تھے۔ بالفاظِ دیگر حضرات داؤد و سلیمان سلامٌ علیہما کی مضبوط حکومتوں کا راز ہمہ وقتی جدید سے جدید اسلحہ کی تیاری تھا۔

● اِسی طرح اللہ تعالیٰ کے مذکورہ بالا مقتدر رسُول اُس دَور کی اسلحی ترقی کے مطابق ایسے گرز بار توپخانے کے مالک تھے جن میں مٹی کے کھنگر یالے نشان کندہ پتھر استعمال کئے جاتے تھے۔ اور دشمن کو آنِ واحد میں تہ و بالا کرکے رکھدیا جاتا تھا۔ جس طرح مذکورہ صاحب اقتدار فوجی اسلحہ کی تیاری میں قوموں کی صفِ اوّل میں سب سے آگے اور غالب تھے اُسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضور خاتم النبیینؐ کو بھی جدید سے جدید اسلحہ کا حکم ۸/۶۰ دیا۔ جس کی بدولت ثابت قدم صحابۂ رسُولؓ زندگی بھر غالب رہے۔ یہ ایک انتہائی تباہ کُن المیہ ہے کہ اہلِ اسلام کو مادیّت سے بالکل بیگانہ کرکے دُنیا بھر میں نِیم جاندہ کر رکھ دیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ سورہ فیل کی تفصیل یہ بتائی گئی ہے کہ ابرہہ نامی شاہِ یمن ہاتھیوں کی فوج لیکر بیت اللہ شریف کو مسمار کرنے کیلئے حملہ آور ہُوا۔ اللہ تعالیٰ نے کنکر بردار پرندوں کی فوج بھیج کر انہیں تباہ کردیا۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ

جب یہودیوں نے بیت المقدس پر قبضہ کیا اور اسکے ایک حصّے کو جلا دیا، کیا اُسے بچانے کیلئے کوئی پرندوں کی فوج آئی تھی۔ جواب ظاہر ہے ہرگز نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اِس سے پہلے سلطان صلاح الدینؒ نے بھی ۵۸۳ھ میں فوجی قوت ہی کیساتھ بیت المقدس کو فتح کیا تھا اور اب بھی فوجی قوت ہی کیساتھ بیت المقدس بنی اسرائیل سے واپس لیا جاسکتا ہے۔

سُورہ فیل ● واضح رہے کہ سُورہ فیل میں بھی قوم لُوط کی تباہی کا حیرت انگیز واقعہ بیان کیا گیا ہے جس پر مذکورہ سُورت (سُورہ فیل) کے وُہ الفاظ بطور شاہد عادل موجود ہیں جو پیچھے لائی گئی تین سُورتوں کے حوالوں سے پیش کئے جاچکے ہیں حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيلٍ۔ سورہ فیل میں قوم لُوط کو اصحٰب الفیل کہا گیا ہے۔ عربی زبان میں فیل الرائے بیوقوف اور موٹی عقل والے آدمی کو کہتے ہیں۔ دیکھئے لغت منتہی الارب ربع سوم صفحہ ۴۳۵۔ نیز دیکھئے مفردات امام راغب مطبوعہ اہلحدیث اکادمی کشمیری بازار لاہور کے صفحہ ۸۱۹ پر درج ہے:۔ رَجُلٌ فِيلُ الرَّأْيِ وَ فَالُ الرَّأْيِ۔ کمزور رائے آدمی۔ قوم لُوط کی اغلام بازی کی رائے ناقص، کمزور اور عقل کے خلاف تھی۔

● قوم لُوط وُہ لوگ تھے کہ حضرت لُوط کی تبلیغ کے باوجود اُس عظیم خباثت پر اڑے رہے کہ اُن سے پہلے اس کی مرتکب کوئی قوم نہ ہُوئی تھی۔ اور وہ لوگ اس فعلِ بد کو مل کر متحد ہو کر انجام دیتے تھے۔ قرآنِ کریم کا مستقل اسلوبِ بیان ہے تعارفِ آیات، جس کے مطابق حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيلٍ کے الفاظ دو سُورتوں ھُود اور حِجر میں آئے ہیں، بالکل یہی الفاظ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيلٍ $\frac{۱۰۵}{۴}$ سورہ فیل میں آئے ہیں۔

● سورہ فیل کی تفصیل کو سمجھنے کیلئے پہلے اس چیز کا جاننا ضروری ہے کہ قرآنِ کریم کی آخری سورتوں میں انتہائی اختصار کیساتھ اُن قصص کو دُہرایا گیا ہے جو پیچھے قرآن بھر میں پہلے ہو گئے ہیں، جیسے کہ سورہ فجر میں اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ کے وُہی الفاظ آئے ہیں جو سُورہ فیل میں اصحابِ فیل کا واقعہ یاد دلانے کیلئے آئے ہیں۔ دیکھئے ارشاد ہُوا ہے:۔

● اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝ الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۝ وَثَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْاَوْتَادِ ۝ الَّذِينَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ۝ فَاَكْثَرُوا فِيهَا الْفَسَادَ ۝ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۝ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ۝ $\frac{۸۹}{۱۴ تا ۶}$۔

(مفہوم) اُے رسول! کیا آپنے غور نہیں کیا کہ آپکے رب نے قوم عاد کیساتھ کیا کیا تھا۔ اُونچے نشانوں اور بلند عمارتوں والوں کیساتھ جن کی مثل شہروں میں پیدا نہ کئے گئے تھے۔ اور آپکے رب نے قوم ثمود کیساتھ کیا کیا تھا، جنھوں نے وادی میں چٹانیں تراش تراش کر گھر بنائے۔ اور آپکے رب نے لشکروں والے فرعون کیساتھ کیا کیا تھا جنھوں نے شہروں میں سرکشی کی، بلکہ اُن میں بہت زیادہ فساد کیا۔ آپ کے رب نے اِن سرکش قوموں کیساتھ یہ سلوک کیا کہ اُن سب پر عذاب کا کوڑا برسا دیا۔ بیشک آپکا رب (بدعمل اقوام و افراد کی) گھات میں ہے۔ (مہلت دینے کے بعد عذاب نازل کرتا ہے)۔

● دیکھئے! ان آیات مجیدہ میں قوم عاد و ثمود اور لشکروں والے فرعون کے متعلق یاد دلایا گیا ہے، غور فرمائیے کہ ان

سرکشوں کیساتھ آپکے رب نے کیا سلوک کیا تھا - اور خود ہی اختصاراً جواب دیدیا ہے کہ اُس نے ان سب پر اپنے عذاب کا کوڑا برسا دیا تھا - اب غور فرمائیے کہ یہاں صرف عذاب کا کوڑا برسانے کی خبر دیگئی ہے - مگر ان سب کے الگ الگ عذاب کی تفصیل دیکھئے قرآن بھر میں پھیلی ہوئی ہے - یہاں صرف ان اقوام کے نشان بتا دیئے ہیں کہ قوم عاد ارم و عماد والی تھی - قوم ثمود کا نشان یہاں بتایا گیا ہے جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ - اور فرعون ذِی الْاَوْتَادِ ، اب صاف ظاہر ہے کہ انہی نشانوں ارم و عماد ، جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ اور ذِی الْاَوْتَادِ کے الفاظ کے حوالوں سے ان قوموں کے الگ الگ حالات قرآن بھر سے دیکھنے اور اُن پر غور کرنے اور عبرت حاصل کرنے کی دعوت دیگئی ہے -

● اسی طرح سورہ فیل میں قوم لوط کا نام انتہائی ناراضگی کیساتھ اصحاب الفیل رکھا گیا ہے ، موٹی عقل اور کمزور رائے والے جیسے کہ $\frac{۲۱}{۷۴}$ میں اس قوم کے متعلق آیا ہے کَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِیْنَ ۝ وہ خبیث عمل بجالاتے تھے بلاشبہ وہ قوم بدعمل ، حد سے پھاندنے والے تھے - اُن پر لائے گئے عذاب کے لئے سورہ فیل میں تَرْمِیْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّیْلٍ $\frac{۱۰۵}{۴}$ کے الفاظ لائے گئے ہیں ، کہ وہ ، وہ تھے جن پر کھنگر یالے پتھر برسوائے گئے تھے - اور ان کھنگر یالے پتھر برسانے والوں کو سورہ فیل میں کہا گیا طَیْرًا اَبَابِیْلَ - جس سے قوم طیر کا گروہ مراد ہے - ابابیل کا معنیٰ گروہ ہے - یہ کسی پرندے کا نام نہیں مفردات امام راغب کے صفحہ ۹ پر درج ہے کہ ابابیل کا واحد ابالۃٌ - ابیلٌ ہے - اور اس کا معنیٰ ہے اونٹوں کا گروہ - سورہ فیل میں چونکہ ابابیل کا لفظ طَیْرًا پر داخل ہوا ہے ، اسلئے اس کا معنیٰ ہے طیر کا گروہ - اب اگر تصریف آیاتِ قرآنیہ کیساتھ بیان حِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّیْلٍ ، یعنی کھنگر یالے پتھر پھینکنے والے پرندے ثابت ہوں تو طیر بمعنی پرندے ہوگا اور اگر قرآن بھر میں حِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّیْلٍ کو برسانے والا فوجی گروہ ہی ثابت ہو تو اُس سے مراد طیر قوم کا فوجی گروہ ہوگا - اب چونکہ قرآن مجید کی متعدد سورتوں سے بتکرار کثیر ثابت ہو چکا کہ ، کھنگر یالے پتھر صرف قوم لوط پر برسوائے گئے تھے اور برسانے والا اللہ تعالیٰ کے صاحبِ اقتدار رسولوں کا فوجی دستہ تھا - اسلئے ثابت ہوا کہ یہاں پرندوں کا گروہ مراد نہیں بلکہ طیر قوم کا فوجی دستہ ، فوجی رجمنٹ مُراد ہے -

● جیسے کہ مختلف رجمنٹوں کے نام اُن کے قبائل یا علاقوں کے ناموں پر ہوتے ہیں - مثلاً پنجاب رجمنٹ ، بلوچ رجمنٹ ، مرہٹہ رجمنٹ ، سکھ رجمنٹ اور گورکھا رجمنٹ وغیرہ - پس طَیْرًا اَبَابِیْلَ سے مراد طیر رجمنٹ کا دستہ ہے - اہل عرب میں کلبی قبیلہ اور قبیلہ بنو اسد بہت مشہور قبیلے ہیں - وہ اپنے اپنے کسی بزرگ کلب اور اسد کے نام پر کلبی اور بنو اسد کہلاتے ہیں - اسی طرح وَدِیا ابراہیمی میں قبیلہ طیر اپنے کسی بزرگ کے نام سے مشہور تھا ، جس کے نام پر قبیلہ طیر کا نام طیر چل رہا تھا - اور اس قبیلہ کی رجمنٹ کے دستے کو طَیْرًا اَبَابِیْلَ کہا گیا ہے - اور جس طرح سورہ فجر میں قوم ثمود ، عاد اور قوم فرعون کے عذاب کی خبر دی گئی ہے فَصَبَّ عَلَیْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ کہ تیرے رب نے اُن پر عذاب کا کوڑا برسا دیا - اسی طرح قوم لوط کے متعلق سورہ فیل میں ارشاد ہوا ہے — وَّاَرْسَلَ عَلَیْهِمْ طَیْرًا اَبَابِیْلَ ۝ لا تَرْمِیْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّیْلٍ ۝ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ پھر آپکے رب نے اُن پر قوم طیر

کا فوجی دستہ بھیجا جس نے اُن پر مٹی کے پکے ہوئے کھنگر یا لے پتھر برسا دئے ۔ اور انہیں کھائے ہوئے بھس کی مانند کر دیا

● مذکورہ بالا ابتدائی اور تمہیدی وضاحت کے بعد اب پوری سورہ فیل اور تصریف آیات کے ذریعہ اسکا مفہوم ذرا خالی الذہن ہو کر ملاحظہ فرمائیں ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝ ۱۰۵ / ۱ تا ۵

(مفہوم) اللہ رحمان و رحیم کے نام کیساتھ پڑھیگا (اے صاحب قرآن !) کیا آپنے موٹی عقل والی (قوم لوط) پر غور کیا ہے ۔ کیا آپکے رب نے انکی بُری تجویز کو ناکام نہیں کر دیا تھا ؟ ۔ اور کیا اُن پر طَیر (رجمنٹ کا فوجی) دستہ نہیں بھیجا تھا جس نے اُن پر (مٹی کے پکے ہوئے) کھنگروں کے پتھر پھینکے ۔ پھر اُنہیں روندے ہوئے بھس کی طرح کر دیا ۔

● ۱؎ اصحٰب الفیل کی وضاحت پیچھے گزر چکی ہے ۔ موٹی عقل اور ناقص رائے والے ۔ دیّوث لوگ ۔

● ۲-۳؎ عام تراجم میں طَيْرًا اَبَابِيْلَ کا معنی پرندوں کا جھنڈ لیا گیا ہے مگر آگے چل کر اُن کا جو کام بتایا گیا ہے تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۔ اس میں تَرْمِيْهِمْ رمی سے ہے ۔ جس کا معنی ہے نشانہ پر تیر مارنا ۔ تیر کیساتھ مارے ہوئے شکار کو رَمِيَّة کہتے ہیں ۔ چونکہ اس مادہ میں نشانہ باندھنے کا تصوّر موجود ہے اسی لئے رَمْیُ الرَّصَاص کا معنی ہے گولی چلانا ۔ اسی طرح رَمْیُ الْحِجَارَة مِنْ سِجِّيْلٍ کا معنی ہے مٹی کے پکے ہوئے کھنگروں کے پتھر نشانہ باندھ کر نشانے پر پھینکنا ۔ یہ پرندوں کا کام نہیں بلکہ یہ ماہر نشانہ بازوں کا کام ہے ۔

● رمی کا مصدری معنی نشانے پر تیر مارنے کے علاوہ گوپئے کیساتھ نشانے پر پتھر مارنا بھی ہے ۔ مگر چونکہ یہاں نشان کندہ کھنگر یالے پتھروں کے نشانے پر پھینکنے کا ذکر ہے جو مخصوص نشان کندہ سانچوں میں ٹھاپ کر آگ میں پکائے جاتے تھے اسلئے یہاں گوپئے کی بجائے منجنیقوں کے ذریعہ نشانہ باندھ کر پھینکنا مراد ہے ۔

● ۴؎ حِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے کہ سجّیل کا معنی ہے کھنگر کی حد تک پکائی ہوئی مٹی کو سجّیل کہتے ہیں ۔

● ۵؎ قوم لوط کی بستی پر سنگباری کے نتیجے میں اُس کی حالت بتائی گئی ہے جیسے کہ کسی کھیتی کو مویشی جی بھر کر اجاڑ چکتے ہیں اور پیروں کیساتھ روند دیتے ہیں ۔

انگوٹھی میں نگینہ

● واضح رہے کہ قرآن کریم کی ہر سورت اور آیت مجیدہ میں اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ تمام الفاظ اپنے اپنے مقام پر اس طرح ہوتے ہیں جیسے انگوٹھی میں نگینہ ۔ کوئی بھی لفظ نہ بھرتی کا ہوتا ہے نہ بلا ضرورت نازل کیا ہوتا ہے ۔ قرآن مجید کی مختلف سورتوں میں قوم لوط کا ذکر لایا گیا ہے ۔ اُن پر برسائے گئے پتھروں کیلئے حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ کے الفاظ بلا مقصد نہیں لائے گئے ۔ اور اُن پر مُسَوَّمَةً کی مخصوص تصریف بطور حال لا کر اس امر کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ یہ نشان کندہ کھنگر یالے پتھر منجنیقوں کے ذریعہ برسائے گئے تھے ۔ اور اس سوال کا جواب پیچھے بھی دیا جا چکا ہے کہ آیات مجیدہ کے تکرار

کے باوجود منجنیقوں کا نام کیوں نہیں آیا - مزید وضاحت پیش خدمت ہے - مثلاً جب آپ کہتے ہیں کہ میں نے فائر کیا تو یہ ضروری نہیں کہ آپ بندوق یا ریوالور کا نام لیں - سننے والا جانتا ہے کہ فائر یا تو بندوق کے ساتھ کیا جاتا ہے اور یا ریوالور وغیرہ کے ساتھ - وہ کلام کے موقعہ محل کے مطابق خود سمجھ لیتا ہے کہ فائر بندوق کے ساتھ کیا گیا ہے یا ریوالور کے ساتھ - پھر شکاری بندوق کیساتھ یا فوجی بندوق کیساتھ -

● اگر بانداز تعمق غور کیا جائے تو سورہ فیل کے روائتی مفہوم میں اہل اسلام کو غیر مسلح کرنے کی کھلی کوشش موجود ہے - کیونکہ کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر بیت اللہ شریف کی حفاظت اپنے ذمہ لے رکھی ہے، جیسے کہ اس نے اسے ہاتھیوں والوں سے محفوظ رکھا - اسی عقیدے سے اس نظریے نے جنم لیا ہے کہ دین بھی اللہ کا ہے، اسلئے اسکی حفاظت بھی اسی کے ذمہ ہے - جس طرح اس نے چڑیوں سے ہاتھیوں کو مروا دیا تھا، اسی طرح ہماری، ہمارے گھروں کی، ہماری مسجدوں کی، ہمارکی حکومت کی بھی وہی حفاظت کریگا، ہمیں کسی بھی فوجی طاقت کی ضرورت نہیں - یہی وجہ ہے کہ اہل اسلام کی پچاس ساٹھ حکومتوں میں باوجود اسکے کہ ان میں سونے کے، تیل کے اور لوہے کے ذخائر بافراط موجود ہیں، مگر کسی ایک اسلامی حکومت میں اسلحہ سازی تو کیا، لوہے تک کا کارخانہ موجود نہیں - بالفاظ دیگر چڑیوں سے ہاتھی مروانے کے عقیدے نے مسلمانوں کو اس مقام پر لا کھڑا کر دیا ہے کہ اہل اسلام کو اسلحہ کی ضرورت نہیں - اسکے لئے چڑیوں کی فوج کافی ہے، جو چونچوں اور پنجوں کے ذریعہ نشانے پر کنکر مارتی ہیں جس سے ہاتھی معہ سوار چھد کر مر جاتا ہے -

● اسکے برعکس سورہ فیل کے صحیح قرآنی مفہوم کے مطابق جو تصریف آیات کے مستقل اسلوب قرآنیہ کیساتھ پیش کیا گیا ہے - اس سے ہر آن جدید سے جدید اسلحہ تیار کرتے رہنے کا سبق ملتا ہے - جیسے کہ مذکورہ صاحب اقتدار رسولوں نے اس دور کی اعلیٰ ایجاد کے مطابق اسلحہ تیار کر رکھا تھا، جس کا حکم آنحضورؐ اور آپکے صحابہؓ کرام کے نام بالفاظ ذیل جاری کیا گیا تھا :-

وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ ۸:۶۰ - اور دشمنوں کے مقابلے کے لئے استطاعت بھر زیادہ سے زیادہ اعلیٰ قوت تیار کرتے رہو، خصوصاً ذرائع رسل و رسائل کی تمہارے ہاں وہ بہتات موجود ہو کہ تم اسکے ساتھ اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو دہلاتے رہو - (وہ تم پر حملہ کی جرأت نہ کریں گھر بیٹھے کانپتے رہیں) -

● اس آئت مجیدہ میں حکم دیا گیا ہے کہ اہل اسلام کے ہاں ہمیشہ کیلئے انکی اسلحہ فیکٹریوں میں دن رات جدید سے جدید اسلحہ تیار ہوتا رہے، کیونکہ پرانی بندوقوں اور چھوٹی توپوں کیساتھ دور مار میزائلوں والا دشمن کس طرح دہل سکتا ہے - اور پرانے طیاروں کیساتھ میراج لڑاکا طیاروں کا مقابلہ کس طرح ہو سکتا ہے -

ایک اہم آخری سوال

● اللہ کے رسولوں حضرات ابراہیمؑ اور لوطؑ کے مہمانوں کے متعلق آخری سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر وہ اللہ کے رسولؑ ہی تھے تو اس چیز کا کیا جواب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو بیٹوں اور پوتے کی بشارت خود کیوں نہ دی جبکہ وہ خود اللہ کے برگزیدہ نبی رسولؑ تھے - اور ان پر زندگی بھر وحی کا نزول

جاری رہا تھا؟

● اس اعتراض کا جواب اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ کی اساس پر یہ ہے کہ اُسکا ہر کام وقتی حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ مثلاً حضرات یعقوبؑ اور یوسفؑ دونوں نبی تھے۔ مگر حضرت یوسف کے زندہ سلامت اور صاحبِ اقتدار ہونے کی خبر اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوبؑ پر براہِ راست نازل نہ فرمائی، حالانکہ وُہ خود نبی تھے اور اُن پر زندگی بھر نزولِ وحی جاری رہا تھا بلکہ دُوسرے نبی حضرت یوسفؑ کے ذریعہ بھجوائی گئی تھی، حالانکہ حضرت یعقوب سلامٌ علیہ ہر سال برس کیلئے فراقِ فرزند میں مضطرب و بیقرار وقت گزار رہے تھے۔ اِس میں حکمت یہ تھی کہ حضرت یوسفؑ کے کندھوں پر قیامِ ربُوبیتِ عامہ کی چودہ سالہ ذمہ داری ڈالدی گئی تھی۔ جبتک چودہ سال پورے نہ ہوجاتے اور غلّے کا بے لوث کنٹرول اہلِ عالم کے سامنے عملاً مکمل نہ ہوجاتا کہ نہ صرف آپنے ملکِ مصر میں چودہ سالہ طویل عرصہ میں مسلسل غلّہ مہیّا فرمایا بلکہ دُور دُور کے قحط زدہ لوگ بھی غلّہ لینے آتے رہے، حتّٰی کہ جن لوگوں میں غلّہ خریدنے کی سکت موجود نہ ہوتی اُنہیں صدقہ کی مد سے غلّہ دیا جاتا تھا۔

● جب حضرت یوسفؑ اس چودہ سالہ امتحان میں صد فیصد کامیاب ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے یوسفؑ نبی کی معرفت اپنے یعقوبؑ نبی کو حضرت یوسف کے عہدۂ عزیزِ مصر (وزیرِ اعظم) کی وردی کی قمیص بھجوا کر مطلع کیا کہ آپکا بیٹا نہ صرف یہ کہ زندہ ہے بلکہ عہدۂ عزیزِ مصر پر فائز المرام رہکر غلّے کے چودہ سالہ کنٹرول کی وہ خدمت انجام دے چکا ہے، جس سے متعلقہ خواب کو شاہِ مصر کی کابینہ کے گیارہ ستارے، اُسکا وزیرِ اعظم (عزیزِ مصر) اور خود شاہِ مصر سمجھنے تک سے قاصر رہے تھے۔ ملکِ مصر کا آفتاب (شاہِ مصر) ملک مصر کا چاند (وزیرِ اعظم) اور مصر کی کابینہ کے گیارہ رکن (گیارہ ستارے) سب کے سب حضرت یوسفؑ کے سامنے سجدہ ریز، یعنی اپنے اپنے اختیارات سے حضرت یوسف کے حق میں دست بردار ہوچکے ہیں یعنی اُنکے مطیع ہوچکے ہیں۔ بس ؛۔

● جس طرح حضرت یعقوبؑ نبی کو بیٹے کی زندگی کی خوشخبری براہِ راست بذریعہ وحی نہیں دیگئی تھی اُسی طرح حضرت ابراہیم کو دو بیٹوں اور ایک پوتے کی خوشخبری براہِ راست نہ دیگئی۔ اس میں حکمتِ بالغہ یہ تھی کہ جنابِ خلیل سلامٌ علیہ نے دعا فرمائی تھی۔ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ٥ ۳۷/۱۰۰ اَے میرے پروردگار! مجھے صالحین میں سے اولاد عطا فرما۔ لیکن اُدھر بوڑھے میاں بیوی پر رحمتِ باری اسقدر فراواں جوش عمل میں آئی کہ بیک وقت دو بیٹوں اور ایک پوتے کی خوشخبری کا فیصلہ کردیا گیا۔ اب ایک بڑھیا کو ایک بیٹا جننے کی خوشخبری پر تعجب کرنا ایک لازمی امر تھا۔ چنانچہ ایک بیٹے کی خوشخبری پر مائی صاحبہ مسکرا پڑیں کہ اَب بڑھیا بیٹا جنے گی؟ اس پر ایک اور بیٹے اور ایک پوتے کی بھی حینِ حیات خوشخبری دیدیگئی۔ اِس پر مائی صاحبہ نے فرمایا يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّ هٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ٥ ۱۱/۷۲ اِس پر اپنے رسولوں کے ذریعہ وحی کیگئی اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ٥ ۱۱/۷۳ اَے خاتون! کیا تو اللہ کے قانون پر تعجب کرتی ہے؟ اَے (ابراہیمؑ کے) گھر والو! تم پر اللہ کی رحمت و برکت ہے (تم دونوں میں قوتِ تولید پیدا کردینا قانونِ خداوندی کیلئے کچھ مشکل نہیں)۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بے حد تعریفوں والا بہت بڑی شان والا ہے۔

• اُدھر حضرت یعقوب سلامٌ علیہ کیلئے بھی خوشخبری کا معاملہ تھا' وہاں بھی براہِ راست وحی کی بجائے دُوسرے نبی کے ذریعہ کا مخصوص انداز اختیار کیا گیا۔ اور اِدھر حضرت ابراہیم کیلئے بھی خوشخبری کا معاملہ تھا' وہ بھی براہِ راست کی بجائے بذریعہ دُوسرے رسُولوں کے خوشخبری دیگئی۔ سَلٰمٌ عَلٰی یَعْقُوْبَ۔ سَلٰمٌ عَلٰی اِبْرٰهِیْمَ۔

قومِ شعیبؑ

• سلسلۂ درس کی اگلی آیات مجیدہ میں قومِ لوطؑ کے بعد قومِ شعیبؑ اہلِ مدین کی بداعمالیوں اور اُن پر لائے گئے عذاب کا ذکر کیا گیا ہے۔ اُس قوم نے ناپ تول میں کمی کر کے ناجائز نفع اندوزی کے ذریعہ اللہ کی زمین میں فساد برپا کر رکھا تھا:۔

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ
اور طرف مدین کے بھائی ان کے شعیب کو کہا اے قوم میری

اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ قَدْ
حکم مانو اللہ کا نہیں واسطے تمہارے کوئی حاکم سوائے اُسکے بیشک

جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا
آئی پاس تمہارے دلیل سے رب تمہارے پس پورا کرو

الْكَیْلَ وَالْمِیْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَ
ناپ کو اور ترازو کو اور نہ کم دو لوگوں کو چیزیں

هُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ
انکی اور نہ فساد کرو بیچ زمین کے پیچھے درستی اس کی

ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ ۸۵
مذکورہ بالا ہے بہتر واسطے تمہارے اگر ہو تم ماننے والے

اور ہم نے اہلِ مدین کی طرف اُنکے بھائی شعیب کو (رسول بناکر بھیجا) انہوں نے کہا کہ اے میری قوم صرف اکیلے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرو۔ تمہارے لئے اُسکے سوا کوئی فرمانبرداری کے لائق نہیں ہے۔ بیشک تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل آ چکی ہے۔ پس تم ناپ اور تول کو پُورا کرو۔ اور لوگوں کو چیزیں (کم ناپ کر اور کم تول کر) نہ دیا کرو۔ اور زمین کی اصلاح ہو چکنے کے بعد اس میں (کم ناپ تول کے ذریعہ) فساد نہ پھیلاؤ۔ اور اگر تم اپنے دعوئ ایمان میں سچے ہو تو تمہارے لئے وُہ (یعنی ناپ تول کو پورا کرنا اور لوگوں کو کم ناپ کر یا کم تول کی بجائے پُورا ناپ تول کر چیزیں دینا) ایک بہتر امر ہے

عبادت کا معنیٰ ہے حکم ماننا اور الٰہ کا معنیٰ ہے حاکم

• ۱۵ عربی لغت کے مطابق لفظ الٰہ سے مراد ہے وُہ اکلوتی ذاتِ مقدّس جس کا حکم مانا جائے، جس کی فرمانبرداری کی جائے۔ چنانچہ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ کے الفاظ میں وضاحت کر دیگئی ہے کہ الٰہ وُہ ہے جس کی عبودیّت اختیار کی جانی چاہیئے۔ اُعْبُدُوا اللّٰهَ کا یہ معنیٰ غیر واضح اور مُبہم ہے کہ اللہ کی عبادت کرو۔ اور عبادت کا یہ معنیٰ مطلقًا غلط ہے کہ اللہ کے نام کا جاپ جپتے رہو۔ یا دن رات نفل پڑھتے رہو۔ اُعْبُدُوا اللّٰهَ بصیغۂ امر کا بدل اگلے الفاظ میں بصیغۂ امر لایا گیا ہے فَاَوْفُوا الْكَیْلَ وَالْمِیْزَانَ، اللہ کی فرمانبرداری کرو، یعنی ناپ تول کو پُورا کرو۔ اِسی چیز کی وضاحت اگلے الفاظ میں بصیغۂ نہی موجود ہے وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ اور لوگوں کو اُن کی چیزیں کم ناپ تول کر نہ دیا کرو۔ اور اِن جملہ اعمال کو فساد فی الارض قرار دیا گیا ہے وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ

اِصْلَاحِهَا۔ پس آیت مجیدہ کے ان موجود و محذوف الفاظ سے صراحتًا ثابت ہوا کہ ناپ تول کو پورا کرنا اور لوگوں کی چیزوں میں کمی نہ کرنا اُعْبُدُوا اللّٰهَ میں داخل ہے، فلھذا ثابت ہوا کہ پورا ناپنا اور پورا تولنا عین عبادتِ خداوندی ہے اور اسی طرح ہر وہ کام عبادتِ خداوندی میں شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کیا جائے، یعنی جو کام بھی اُسکی عبودیت کی حدود میں محدود رہتے ہوئے انجام دیا جائے وہ عین اللہ کی عبادت میں داخل ہے۔

● ؏۲ یہاں زمین کی اصلاح سے مُراد یہ ہے کہ جب مسئلہ طور پر تول اور شیر وغیرہ کی مقدار میں متعین ہو چکی ہوں تو اُن میں کمی بیشی کرنا خداتعالیٰ کی نافرمانی اور صریحاً فساد فی الارض ہے۔

● ؏۳ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ کے الفاظ سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ قوم شعیب کے جو لوگ خریداروں سے دام تو پورے وصول کرتے تھے مگر اُنہیں چیزیں کم دیتے تھے وہ اپنے آپکو مومن ہی قرار دیتے اور مومن ہی سمجھتے تھے۔ لیکن اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ میں ان شرطیہ آیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ناپ تول میں کمی کرنا شرطِ ایمان کے صد فیصد خلاف ہے۔ پس ایمان کی ایک شرطیہ بھی ہے کہ تجارتی کاروبار میں نہ ملاوٹ ہو نہ کم ناپ تول یعنی ناجائز نفع اندوزی سے پوری طرح پرہیز کی جائے۔ ورنہ دائرہ ایمان سے از خود خارج ہو جاتا ہے۔

قومِ شعیبؑ مومنوں کو دھمکیاں دیتی تھی

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے کہ حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم کو بالفاظ فصل منع فرمایا کہ ضابطۂ خداوندی پر ایمان لانیوالوں کو دھمکیاں نہ دو بلکہ فسادیوں کے انجام پر غور کرو۔

وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ
اور نہ بیٹھو پر ہر راستے۔ دھمکاتے ہو تم اور روکتے ہو

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا
سے راستے اللہ کے جو ایمان لایا ساتھ اسکے اور تم تلاش کرتے ہو اسکی کجی

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ وَانْظُرُوْا
اور یاد کرو جب تھے تم تھوڑے پھر کثرت دی تمکو اور غور کرو

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ ۸۶
کس طرح ہوا انجام فسادیوں کا

(حضرت شعیبؑ نے فرمایا اے میری قوم!) اور تم راستوں میں اسلئے مت بیٹھا کرو کہ تم انہیں دھمکاؤ، جو (ضابطۂ خداوندی[1] پر) ایمان لے آئے ہیں اور تم انہیں اللہ تعالیٰ کی راہ سے (یعنی اُس کے نازل کردہ ضابطۂ حیات سے) روکتے ہو۔ اور اِس (ضابطۂ خداوندی) میں بھی تلاش کرتے ہو۔ اور تم اپنے اُس وقت کو یاد کرو کہ جب تم تعداد میں تھوڑے تھے۔ پھر اُس نے تمہیں (اپنے قانون کے مطابق) زیادہ کر دیا۔ اور غور کرو کہ فسادیوں کا کیا انجام ہوتا چلا آیا ہے۔

● ؏۱ یہاں سَبِيْلِ اللّٰهِ کا معنٰی ہے اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ضابطۂ حیات، جسے نوعِ انسانی کے لئے زندگی گزارنے کا راستہ کہا گیا ہے۔ اور اسی سبیل یعنی ضابطۂ حیات کے متعلق ارشاد ہوا ہے تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا کہ تم اُس میں کجیاں تلاش کرتے ہو۔ آج بھی جب قرآنی ضابطۂ حیات جو مساواتِ انسانیہ کا علمبردار ہے، پیش کیا جاتا ہے تو یہ جواب ملتا ہے کہ اگر اُمت کے ہم

فرد کو ضروریاتِ زندگی میسر آنا شروع ہو جائیں تو محنت مشقت والے کام کون کرے گا، حالانکہ جن ممالک میں قرآن کریم سے چرا کر متوازن آئین نافذ ہو چکا ہے، وہاں کوئی رکاوٹ موجود نہیں۔ تمام کام بوجوہ احسن انجام پذیر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔
سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں حضرت شعیبؑ کے الفاظ میں خبر دیگئی ہے کہ کچھ لوگ ضابطۂ الٰہی پر ایمان لے آئے اور کچھ لوگوں نے انکار کر دیا۔

وَإِنْ كَانَ طَائِفَةٌ مِّنكُمْ آمَنُوا بِالَّذِي
اور بیشک ہے ایک گروہ میں تمہارے ایمان لایا ساتھ اسکے جو
أُرْسِلْتُ بِهِ وَطَائِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوا فَاصْبِرُوا
بھیجا گیا میں ساتھ اسکے اور ایک گروہ نہ ایمان لایا پس انتظار کرو
حَتَّىٰ يَحْكُمَ اللَّهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ﴿٨٧﴾
یہانتک فیصلہ کرے اللہ درمیان ہمارے اور وہ ہے بہتر فیصلے کرنیوالوں کا

(حضرت شعیب نے قوم سے فرمایا) اور بیشک تم میں سے ایک گروہ اُس (ضابطۂ خداوندی) کے ساتھ ایمان لایا ہے جو میں دیکر بھیجا گیا ہوں۔ اور ایک گروہ ہرگز ایمان نہیں لایا پس تم اُسوقت تک (اپنی بداعمالیوں کے نتیجے کا) انتظار کرو کہ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان فیصلہ کر دے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ فیصلہ کرنیوالوں میں بہتر فیصلہ کرنیوالا ہے۔

• [۱] یہاں اِنْ نہ نافیہ نہ شرطیہ۔ بلکہ اِنَّ کا مخفف ہے بمعنی بیشک۔ واضح رہے کہ:
یہاں قرآن مجید نے اہلِ قواعد کی یہ غلطی نکالی ہے کہ وہ اِنْ کو اِنَّ کا مخفف صرف اسوقت تسلیم کرتے ہیں جب اس پر لام مفتوح داخل ہو۔ مگر یہاں بتایا گیا ہے کہ اِنْ بلا دُرود لام بھی عربی ادب میں اِنَّ کا مخفف بمعنی بیشک بھی مستعمل ہے۔
• [۲] یہاں اِصْبِرُوْا کا معنی ہے اپنے اپنے مقام پر مستقل مزاجی کیساتھ عمل کرتے رہو اور نتیجے کا انتظار کرو۔
• [۳] حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ کے الفاظ میں وضاحت کر دیگئی ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے اعمال کیمطابق فیصلہ کرتا ہے:-
• [۴] وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِيْنَ کے جملۂ مبارکہ میں بتایا گیا ہے کہ اُسکے فیصلے عام قاضیوں اور ججوں جیسے نہیں ہوتے جو کبھی غلط بھی ہو جاتے ہیں کیونکہ اُنکے فیصلے گواہوں کی صحیح یا غلط گواہیوں کیمطابق صحیح بھی ہو سکتے ہیں اور غلط بھی ہوتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ چونکہ ہر واقعہ کا خود عینی گواہ ہے اسلئے اُسکے فیصلے ہرگز ہرگز غلط نہیں ہوتے۔ آیتِ بالا میں مذکور حضرت شعیب کے قول کے جواب میں قوم نے کہا:

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِن قَوْمِهِ
کہا سرداروں جنہوں نے تکبر کیا سے قوم اسکی
لَنُخْرِجَنَّكَ يَا شُعَيْبُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِن
ضرور ہم نکال دینگے تجھے اے شعیب اور جو لوگ ایمان لائے ساتھ تیرے
قَرْيَتِنَا أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا ۚ قَالَ أَوَلَوْ
بستی اپنی یا ضرور تم لوٹ آؤ گے بیچ گروہ ہمارے۔ کہا کیا اور اگرچہ

(حضرت شعیبؑ کے جواب میں) اُنکی قوم کے سرداروں نے کہا جنہوں نے تکبر کیا، کہ اے شعیب ہم آپکو اور اُن لوگوں کو جو آپ پر ایمان لے آئے ہیں اپنی بستی سے نکال دینگے اور یا تم ضرور ہماری جماعت میں واپس لوٹ آؤ گے (حضرت شعیبؑ نے فرمایا کیا ہم واپس آسکتے ہیں) اگرچہ ہم (تمہاری جماعت کے اعتقاد و اعمال سے) نفرت کرتے ہوں۔ (جن افراد نے

كُنَّا كٰرِهِيْنَ ۝ ۸۸
ہوں ہم کراہت کرنیوالے

تمہارے مذہب سے بیزار ہو کر اُسے ترک کر دیا ہے وہ واپس نہیں آسکتے)۔

قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ
بیشک بہتان باندھا اوپر اللہ کے جھوٹ اگر لوٹ جائیں ہم بیچ

مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ
جماعت تمہاری پیچھے اسکے جب نجات دی ہمیں اللہ نے سے اس کے

وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ
اور نہیں لائق واسطے ہمارے کہ ہم لوٹ جائیں بیچ اسکے مگر یہ کہ

يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ
چاہے اللہ رب ہمارا محیط ہے رب ہمارا ہر چیز پر علم کی رو سے

عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ
اوپر اللہ کے بھروسہ کیا ہمنے۔ رب ہمارے فیصلے کر درمیان ہمارے اور درمیان

قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ۝ ۸۹
قوم ہماری کے ساتھ حق کے اور تو ہے بہتر فیصلے کرنیوالوں کا

(حضرت شعیبؑ نے فرمایا) اگر ہم تمہاری ملت (مذہب) میں لوٹ جائیں تو (اسکا مطلب یہ ہے کہ) بیشک ہم نے اللہ تعالیٰ پر (نزولِ وحی کا) بہتان باندھا، پیچھے اِسکے کہ اُس نے ہمیں اُس (تمہارے غلط مذہب) سے نجات دیدی ہے۔ اور ہمارے لئے یہ لائق نہیں ہے کہ ہم اس (تمہارے مذہب) میں لوٹ جائیں۔ بیشک یہ کہ ہمارا رب تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ ہم (تمہارے مذہب میں) نہ لوٹیں۔ ہمارا پروردگار علم کی رُو سے ہر چیز پر محیط ہے۔ ہم نے اللہ (کے قانون) پر بھروسہ کیا ہے۔ اَے ہمارے پروردگار! تُو ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے مطابق فیصلہ کر دے۔ بلاشبہ تُو فیصلے کرنیوالوں میں بہتر (صحیح صحیح) فیصلے کرنیوالا ہے۔

اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ کا صحیح مفہوم

• ۱۔ اِلَّآ جو اہلِ قواعد کے ہاں صرف استثنائیہ مانا گیا ہے قرآن مجید میں ذیل کے متعدد معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

۱۔ اِلَّآ استثنے کیلئے ہے۔ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۴۷/۱۹ پس جان لے وہ کہ اللہ کے سوا کوئی فرمانبرداری کے لائق نہیں۔

۲۔ اِلَّآ استغراق کیلئے ہے۔ اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ ۳۸/۱۴ نہیں تھیں سب مذکورہ قومیں کہ سب نے رسولوں کو جھٹلا دیا۔

۳۔ اِلَّآ اِنْ لا کے معنوں میں ہے۔ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ ۹/۴۰ اگر تم اُسکی مدد نہ کرو تو اللہ اُسکی مدد (کا فیصلہ) کر چکا ہے۔

۴۔ اِلَّآ عاطفہ بمعنی اور ہے۔ اِنِّيْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۝ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًۢا بَعْدَ سُوْٓءٍ ۲۷/۱۰-۱۱ بیشک میں وہ ہوں کہ میری طرف سے بھیجے ہوئے رسول ڈرا نہیں کرتے اور نہ میرا وہ بندہ ڈرتا ہے جو کبھی کوئی زیادتی کر بیٹھے اور قرآنی اعمال صالحہ کیساتھ برائی کو نیکی میں بدل لیا ہو۔ (اُسے بھی کسی قسم کا خوف نہیں ہوگا)۔

۵۔ اِلَّآ تاکید یہ بمعنی یقیناً، برائے تصدیق ماقبل ہے۔ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۝ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۸۷/۶-۷ اے رسول بیشک ہم آپکو پڑھاتے ہیں، پھر آپ بھولتے نہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی چاہا ہے کہ آپ بالکل نہ بھولیں۔

۲۔ اہلِ قواعد کے ہاں سَ صرف مستقبل قریب کیلئے مانا گیا ہے لیکن یہاں بتایا گیا ہے کہ سَ تاکید کیلئے بھی آتا ہے

کیونکہ جب آنحضورؐ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے پڑھایا جارہا تھا اسوقت ارشاد ہوا تھا سَنُقْرِئُكَ - اب ظاہر ہے کہ اسکا یہ معنیٰ ہرگز صحیح نہیں کہ ہم آپکو عنقریب پڑھائینگے - بلکہ صحیح معنیٰ یہ ہے کہ بیشک ہم آپکو پڑھاتے ہیں پھر آپ بھولتے نہیں - اور اسکے بعد جو اِلَّا آیا ہے وہ تاکید یہ معنیٰ یقیناً برائے تائید ماقبل کیلئے آیا ہے - اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ - بیشک اللہ نے یہی چاہا ہے کہ جو کچھ آپکو پڑھایا جائے آپ اُسے ہرگز ہرگز نہ بھولیں، بس مشیتِ الٰہی یہی ہے - اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ میں آمدہ اِلَّا کو قواعد میں استثنٰے بالمشیت کہتے ہیں - جو ماقبل کی تصدیق اور استمرار کیلئے آتا ہے - یعنی جہاں اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ آئے تو اسکا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ جو کچھ کہا گیا ہے، اللہ نے یہی چاہا ہے، یہی مشیتِ الٰہی ہے، اِسکے خلاف کبھی نہیں ہوگا۔

● اسی طرح سلسلۂ درس کی آیت زیر بحث ۸۹ میں مَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ کے بعد آیا ہے اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ یہاں بھی اِلَّا تاکید یہ معنی یقیناً برائے تصدیق ماقبل کیلئے آیا ہے، تردید کیلئے نہیں آیا - اور اسکا معنیٰ یہ ہے :- اور ہمارے لئے یہ لائق نہیں کہ ہم اِس (تمہارے مذہب) میں واپس لوٹ جائیں - بیشک یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہتا بھی یہ ہے کہ ہم تمہارے باطل مذہب میں لوٹ کر نہ جائیں ——— یہ مفہوم حضرت شعیبؑ کی شانِ نبوت اور آپکے صحابہؓ کی شانِ عصمت کے عین مطابق ہے کیونکہ یہ اَمر ہرگز باور نہیں کیا جاسکتا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ چاہا ہو کہ حضرت شعیبؑ کے صحابیؓ اپنی قوم کے اُس باطل مذہب میں واپس لوٹ جائیں جس میں شبانہ روز ناپ تول کی کمی کیساتھ اللہ کی زمین میں فساد کیا جارہا تھا - اور ستم بالائے ستم یہ ہے کہ ایسا کرنیوالوں کو اُنکے علماء کی طرف سے مومن ہونے کی سند حاصل تھی - سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں سردارانِ قوم شعیب کے متعلق یہ بھی مذکور ہے :-

وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ
اور کہا سرداروں نے جنہوں نے انکار کیا میں سے قوم اسکی

لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝
البتہ اگر تمنے اتباع کی شعیب کی بیشک تم ہو اسوقت ضرور گھاٹا پانیوالے

اور اُس (حضرت شعیبؑ) کی قوم نے (آپس میں ایکدوسرے کو) کہا کہ بیشک اگر تم شعیبؑ (کی نبوت) پر ایمان لائے تو بلاشبہ تم اُسوقت ضرور نقصان اٹھانیوالوں سے ہوجاؤ گے (ہم تمہیں ہر طرح سے نقصان پہنچائیں گے۔

● اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں انتہائی اختصار کیساتھ قوم شعیب کا یہ انجام بتایا گیا ہے کہ وہ لوگ حضرت شعیب پر ایمان لانے والوں کو نقصان تو نہ پہنچا سکے - بلکہ خود ہی اپنے بدعملوں کی بدولت عذابِ الٰہی کے شکار ہو کر اپنے اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہگئے۔

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ
پھر پکڑ لیا انکو زلزلے نے پھر ہو گئے وہ بیچ گھروں اپنے

جٰثِمِيْنَ ۝ ۹۱
گھٹنوں پر اوندھے پڑے

پھر اُنہیں زلزلے (کے عذاب) نے پکڑ لیا - پھر وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے رہگئے (پوری قوم کو زلزلہ کے عذاب کیساتھ ختم کر دیا گیا)۔

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ جنہوں نے جھٹلایا شعیب کو گویا کہ نہیں رہے وہ اس میں	وُہ لوگ جنہوں نے حضرت شعیبؑ (کی نبوت اور اُن کے ذریعہ نازل کردہ ضابطۂ الٰہی کا) انکار کیا۔ گویا کہ وُہ اس بستی میں کبھی تھے ہی نہیں، جنہوں نے شعیب کو جھٹلایا۔ وہی تھے گھاٹا پانیوالے۔
اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۲﴾ جنہوں نے جھٹلایا شعیب کو تھے وُہی گھاٹا پانیوالے	

حضرت شعیبؑ کی ہجرت • اللہ تعالیٰ کی والئی سُنّتِ مبارکہ یہ ہے کہ جب کسی نافرمان قوم پر اُسکا عذاب آنیوالا ہوتا تو اپنے نبی رسول معہ اُسکے صحابہؓ کے اُس بستی سے ہجرت کروالیتا تھا۔ چنانچہ اگلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ حضرت شعیب قوم کو یہ کہتے ہوئے اُن سے منہ موڑ گئے (ہجرت فرما گئے) کہ اے قوم میں نے تمہیں اللہ کے پیغامات پہنچا دیے اور تمہیں نصیحت کردی ہے۔

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ پس منہ موڑا اُن سے اور کہا اے میری قوم تحقیق پہنچائے میں نے تمہیں	پھر اُس (حضرت شعیبؑ) نے اُن سے منہ موڑ لیا اور کہا (یعنی یہ کہتے ہوئے ہجرت فرما گئے) کہ اے میری قوم میں نے (اپنا فرض ادا کرتے ہوئے) تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیے۔ اور تمہیں نصیحت کی۔ پھر (اُسکے بعد) میں انکار کرنیوالوں (پر آمدِ عذاب کے بدلے) کس طرح افسوس کروں؟
رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ پیغامات رب اپنے کے اور نصیحت کی میں نے واسطے تمہارے پھر کس طرح	
اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿۹۳﴾ ع ۹ افسوس کروں اُوپر قوم انکار کرنیوالوں کے	

سورہ ھود • سورہ اعراف کی آیاتِ بالا میں حضرت شعیبؑ اور اُنکی قوم کا تذکرہ اختصاراً اور اجمالاً بیان ہُوا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل تصریفِ آیات کے ذریعہ سُورہ ھود، حجر، شعراء، عنکبوت میں موجود ہے۔ پہلے سورہ ھود پیشِ خدمت ہے:۔

• وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۚ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ۝ وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ۝ — ۱۱ / ۸۴ تا ۸۶

(مفہوم) اور ہمنے اہلِ مدین کی طرف اُن کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ انہوں نے کہا اے میری قوم اکیلے اللہ کی فرمانبرداری کرو۔ تمہارے لئے اس کے سِوا اور کوئی فرمانبرداری کے لائق نہیں ہے۔ اور تم ناپ تول میں کمی نہ کرو۔ بیشک میں تمہیں (ناپ تول میں کمی کے ذریعہ ناجائز مال کیساتھ) مالدار دیکھتا ہوں۔ اِسلئے میں تمہارے لئے گھیر لینے والے دِن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ اور اے میری قوم پھر (سُن لو کہ) ناپ اور تول کو انصاف کیساتھ پورا کرو (یعنی نہ لینے وقت زیادہ لو اور نہ دیتے وقت کم دو)

خصوصاً لوگوں کو انکی چیزیں کم نہ دو۔ اور (ناپ تول کی کمی کیساتھ) زمین میں فساد نہ کرتے پھرو۔ تمہارے لئے وُہ مال بہتر ہے جو اللہ کے حکم کے مطابق نفع کے طور پر) باقی بچے۔ اگر تم واقعی مومن ہو تو (ناپ تول پورا کرو) میں تم پر داروغہ بنا کر نہیں بھیجا گیا —— لیکن قوم کم ناپنے اور کم تولنے والے پنساریوں نے جواب دیا:-

● قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ۝ ۸۷/۱۱ انہوں نے کہا اے شعیبؑ! کیا تیری صلوٰۃ[1] تجھے (ہمارے متعلق) یہ حکم دیتی ہے کہ ہم اُن کی اطاعت چھوڑ دیں جن کی ہمارے آباؤ اجداد کرتے آئے ہیں۔ یا (ہم ناپ تول میں کمی کرنا ترک کر دیں) جو ہم اپنے مال کمانے کیلئے اپنی منشا کیمطابق کرتے ہیں۔ بیشک تُو خود بُردبار اور خود سمجھ دار ہے (تُو جانتا ہے کہ تجارت میں ایسا کرنا ہی پڑتا ہے)۔

● [1] صلوٰتُکَ بمعنی تیری صلوٰۃ کے مرکب اضافی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قوم شعیبؑ کی بھی ایک صلوٰۃ تھی۔ مگر حضرت شعیب کی صلوٰۃ انکی صلوٰۃ سے مختلف تھی۔ قوم نے کہا کہ تیری صلوٰۃ یہ حکم دیتی ہے کہ ہم باپ دادا کے معبودوں کو بھی چھوڑ دیں اور تجارت میں جو ناپ تول میں کمی کر کے زیادہ مال کماتے ہیں اُسے بھی ترک کر دیں"۔

صلوٰۃِ موقت کی حقیقت کو بدل دینا سابقہ اُمتوں کی پرانی روش ہے

● صلوٰۃِ موقت (نماز) جس کا حکم جملہ انبیاء کرامؑ لیکر آتے رہے اور جسے خود رسولِ اکرمؐ بھی لیکر آئے تھے، اُسکی رُو سے لازم آتا ہے کہ صلوٰۃ گزار مومن کی صلوٰۃ اسکی زندگی کے ہر گوشے میں دخیل ہو، یعنی صلوٰۃِ موقت جسے عرفِ عام میں نماز کہا جاتا ہے کے ذریعہ حضورِ الٰہی میں کئے گئے وعدہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کے مطابق مُصلّی (نمازی) اس امر کا پابند ہو جاتا ہے کہ جھوٹ، فریب، دھوکا دہی، چوری چکاری اور ناپ تول میں کمی وغیرہ، اللہ تعالیٰ کی ہر نافرمانی سے دُور رہے۔ صلوٰۃ موقت میں کئے گئے وعدے پر قائم رہنا اقامتِ صلوٰۃ ہے۔ جسکی تاکید اَقِيْمُوا الصَّلٰوۃَ کے الفاظ میں باری تعالیٰ کی طرف سے بار بار کیگئی ہے۔

صلوٰۃ پوجا پاٹ نہیں ہے

● لیکن سابقہ اُمتوں ہی میں، حقیقتِ صلوٰۃ کو پوجا پاٹ کے تصور کیساتھ بدل دینے کی پُرانی روش چلی آئی ہے۔ وُہی صلوٰۃ، جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ہر بیحیائی اور ہر بُرے کام سے بچنے کا ذریعہ قرار دیگئی ہے اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ۴۵/۲۹، اُس کو ہر بُرے کام کی سزا سے بچانیوالی قرار دے لیا جاتا ہے، بالکل اُسی طرح جیسے کہ موجودہ اُمت میں یہ عقیدہ راسخ ہو چکا ہے کہ بھائی! نماز گناہ بخشوانے کا ذریعہ ہے، اسی طرح قوم شعیب کا عقیدہ بھی صلوٰۃ کے متعلق یہ تھا کہ ہم جو ناپ تول میں کمی کر کے مال کماتے ہیں نماز کی بدولت اللہ تعالیٰ ہمارے تمام گناہ معاف کرتا چلا جاتا ہے۔ لیکن جب حضرت شعیب نے قوم کے سامنے صلوٰۃ (نماز) کا حقیقی تصور پیش کیا، جس کی رُو سے ناپ تول پورا کرنا جزوِ صلوٰۃ ہے تو اس پر قوم نے انتہائی تعجب کیساتھ پوچھا، اے شعیب کیا تیری نماز تجھے یہ حکم دیتی ہے کہ ہم پوجا پاٹ کا وہ طریقہ ترک کر دیں جو باپ دادا سے چلا آ رہا ہے، اور مال کمانے میں وُہ ہیر پھیر چھوڑ دیں جو ہم اپنی منشا کے مطابق کرتے چلے آ رہے ہیں۔

بے روح نماز

● جس نماز کو صرف پوجا پاٹ بنالیا جائے کہ اُدھر نمازیں بھی پڑھی جارہی ہوں اور اُدھر بلیک مارکیٹ اور ملاوٹ وغیرہ بھی چل رہی ہو، وہ ایک بے روح نماز ہے۔ لیکن برادرانِ عزیز! یہ تصور بھی مطلقًا غلط ہے کہ اس میں روح پیدا کرنے کی بجائے، خود اسے ترک کرکے بیٹھ جائیں۔ یہ تلقین و تبلیغ بھی امتِ مسلمہ کیخلاف ایک انتہائی خطرناک سازش ہے کہ چھوڑو جی اِس بے روح نماز میں کیا پڑا ہے۔ جب خلافت علی منہاج النبوۃ قائم ہوگی تو وہ صلوٰۃ قائم کریگی بالفاظِ دیگر جبتک ایسی حکومت قائم نہ ہو، اسوقت تک کھلے بندوں رشوت ملاوٹ خوب چلاتے چلے جاؤ۔ نہ ایسی حکومت قائم ہو اور نہ ہم رشوت ملاوٹ اور کم ناپ تول کو ترک کرکے بے روح نمازمیں روح ڈالیں۔ نہ نو من تیل ہو اور نہ رادھا ناچے۔ اِس کے برعکس حکم یہ ہے کہ صلوٰۃِ موقت نماز کو پڑھو بھی اور اسے قائم بھی کرو۔ یعنی جھوٹ، فریب، کم ناپ تول اور ہر قسم کے بُرے کاموں سے صد فیصد پرہیز بھی کرو۔ حضرت شعیب نے کب حکومت قائم کرنے کے بعد صلوٰۃِ موقت قائم فرمائی تھی اور کیا خود آنحضور مکی مدنی سرکار قیامِ حکومت سے پہلے صلوٰۃِ موقت (نماز) ادا نہیں کیا کرتے تھے؟

رجوع الی المقصود

● سورہ ھود کی آیتِ بالا کے مطابق جب صلوٰۃ کی اُس وضاحت پر جو حضرت شعیب نے فرمائی تھی، قوم شعیب نے تعجب کیا تو آپنے جوابًا ارشاد فرمایا کہ دیکھو لو میں تجارتی ہیر پھیر نہیں کرتا اور مجھے تم سے بہتر یعنی پاکیزہ روزی مل رہی ہے۔ جب میں تجارتی ہیر پھیر سے پرہیز کرسکتا ہوں تو تم کیوں نہیں کرسکتے؟

● يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ[1] كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ۭ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۭ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ۝ 11/88

(مفہوم) اَے میری قوم بیشک[1] میں اپنے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل پر ہوں اور وُہ مجھے (ناپ تول میں کمی کئے بغیر) عمدہ (پاکیزہ) روزی دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ میں یہ ارادہ نہیں رکھتا کہ جس چیز سے تمہیں منع کرتا ہوں، خود اسکے ضمن میں تمہاری مخالفت کروں۔ میں تو اپنی طاقت کے مطابق اصلاح کا ارادہ رکھتا ہوں مجھے اللہ تعالیٰ ہی سے اسکی توفیق حاصل ہے میں نے اللہ تعالیٰ کے قانون پر بھروسہ کیا ہے اور اُسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

● [1] یہاں اِنْ كُنْتُ میں بھی اِنْ بلا ورودِ لام مفتوح اِنَّ کا مخفف ہے بمعنی بیشک۔

● حضرت شعیب نے مزید فرمایا۔ وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ۭ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ۝ وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ۝ 11/89-90

اور اَے میری قوم تمہیں میری مخالفت اِس چیز کا مجرم نہ بنادے کہ تم پر وُہی عذاب آجائے جو قوم نوح یا قوم ھود یا قوم صالح پر آیا تھا۔ اور قوم لوط تو تم سے دُور نہیں گزری ہے۔ اور تم ناپ تول پورا کرکے) اپنے پروردگار سے بچاؤ طلب کرو اور اُسی کی طرف رجوع کرو۔ بیشک میرا رب رجوع کرنیوالوں کیلئے بڑا مہربان اور محبت کرنیوالا ہے۔

● لیکن قوم نے جواب دیا۔ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ

لَرَجَمْنٰكَ ۡ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ۝ ۱۱/۹۱ قوم نے کہا اَے شعیب! آپ کی بہت سی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں جو آپ کہتے ہیں - اور بلاشبہ ہم آپ کو اپنے اندر ایک کمزور (تاجر) پاتے ہیں - اور اگر آپ کی برادری نہ ہوتی تو ہم آپ کو پتھر مار مار کر مار ڈالتے - اور آپ ہمارے مقابلے پر غالب آنیوالے نہیں ہیں ——— اسکے جواب میں حضرت نے فرمایا :-

● قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَاۗءَكُمْ ظِهْرِيًّا ۭ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝ وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰي مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۭ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ۭ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ۝ ۱۱/۹۲-۹۳ -

(مفہوم) حضرت شعیب نے فرمایا کہ اَے میری قوم! کیا تمہیں اللہ کی نسبت میری برادری کا زیادہ ڈر ہے اور اُسے تم نے پس پشت ڈال دیا ہے (اس طرح تم عذاب سے نہیں بچ سکتے) بیشک میرا پروردگار تمہارے اعمال کا احاطہ کرنیوالا ہے - اور اَے میری قوم! تم اپنی جگہ پر عمل کرتے رہو اور میں اپنی جگہ پر عمل کرنیوالا ہوں - تم عنقریب جان لو گے کہ کس پر رسوا کُن عذاب آتا ہے یعنی کون جھوٹا ہے (بس اب) تم نتیجہ کا انتظار کرو - اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنیوالا ہوں -

● سُورہ ھود کی اس سے اگلی آیت میں نتیجہ کی خبر دیگئی ہے :-

● وَلَمَّا جَاۗءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۭ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ۝ ۱۱/۹۴-۹۵ اور جب ہمارا عذاب آگیا تو ہم نے اپنی رحمت کیساتھ شعیب کو اُن لوگوں کو جو آپ کے ساتھ ایمان لائے تھے (ہجرت کروا کر ۷/۹۳) عذاب سے بچالیا اور جن لوگوں نے (عوام پر مدتوں ظلم کیا تھا) اُنہیں زلزلہ کی ایک گڑگڑاہٹ نے پکڑ لیا اور وہ اپنے گھروں میں اُوندھے پڑے ہوئے رہگئے - گویا کہ وہ وہاں کبھی رہے ہی نہیں تھے (اَے مخاطب) خبردار! اہلِ مدین کے لئے اُسی طرح اللہ تعالیٰ سے دوری ہے جیسے قوم ثمود اللہ سے دور ہوگئی تھی -

سورہ حجر ● سورہ حجر میں قوم شعیب کا تذکرہ انتہائی اختصار کیساتھ آیا ہے - سورہ حجر میں اور سورہ شعراء میں قوم شعیب کو اصحٰب الایکہ کہا گیا ہے یعنی بن والے - اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مدین کی بستی ایک بن میں آباد تھی - چنانچہ ارشاد ہوا ہے :- وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ ۝ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ۝ ۱۵/۷۸-۷۹ اور بیشک بن والے بھی ضرور (عوام پر) ظلم کرنے والے تھے - پھر ہم نے اُن سے بدلہ لیا (قوم لوط و شعیب) کی دونوں بستیاں یقیناً ایک کھلی شاہراہ پر تھیں -

سورہ شعراء ● سورہ شعراء میں قوم شعیب کا ذکر سورہ ھود کی طرح تفصیلاً بیان ہوا ہے، جس میں بتایا گیا ہے کہ اس قوم نے بھی قوم نوح، ہود اور صالح کی طرح حضرت شعیب کی نبوت کا یہ کہکر انکار کر دیا کہ چونکہ تو ہمارے جیسا بشر ہے اسلئے تو اللہ کا رسول نہیں ہوسکتا - كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْــــَٔيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اِنِّىْ

لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝ لا فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ۝ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۝ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ وَاتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ ۝ ۲۶/۱۷۷ تا ۱۸۴

(مفہوم) بن والوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا - وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب انہیں شعیب نے کہا کہ تم اللہ کی مخالفت سے کیوں نہیں بچتے - بیشک میں تمہارے لئے امانتدار رسول ہوں - پس اللہ کی مخالفت سے بچو اور میری اطاعت کرو - میں تم سے اجرِ رسالت نہیں مانگتا میرا اجر صرف رب العلمین کے ذمّہ ہے - تم پیمانے پورے کرو اور لوگوں کو نقصان دینے والے نہ بنو - ترازو کی سیدھی ڈنڈی کیساتھ تولا کرو - اور ناپ تول میں کمی کر کے زمین میں فساد نہ کرتے پھرو - اور پھر سن لو) اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے بچو جس نے تمہیں بھی پیدا کیا ہے اور ابتدائی مخلوق کو بھی اُسی نے پیدا کیا تھا -

● حضرت شعیبؑ کے اس لمبے وعظ کا کوئی اثر نہ ہُوا - قوم نے اسکا یہ جواب دیا - قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ۝ لا وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۚ فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ ۲۶/۱۸۵ تا ۱۸۷
قوم شعیب نے کہا کہ سوائے اسکے اور کوئی بات نہیں کہ تُو فریب خوردہ ہے (کہ تُو اللہ کا رسول ہے) سوائے اسکے اور کوئی بات نہیں کہ تو ہمارے جیسا بشر ہے (بشر رسول نہیں ہو سکتا) بلا شبہ ہم گمان کرتے ہیں کہ تُو جھوٹوں میں سے ہے - پس اگر تُو سچا ہے تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دے -

● لہ یہاں اِنْ پر لام مفتوح داخل ہُوا ہے اسلئے یہاں بھی اِنْ، اِنَّ کا مخفف ہے بمعنی بلاشبہ ——— سورہ شعراء کی اگلی آیت میں حضرت شعیب کا جواب اور آمدِ عذاب کی خبر دیگئی ہے - قَالَ رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ ۲۶/۱۸۸-۱۸۹ حضرت شعیب نے فرمایا تم جو عمل کرتے ہو، میرا پروردگار انہیں اچھی طرح جانتا ہے - انہوں نے حضرت کو جھٹلایا - پھر انہیں چھا جانے والے دن کے عذاب نے پکڑ لیا - بلا شبہ وہ بڑے دن کا عذاب تھا -

سورہ عنکبوت

● سورہ عنکبوت میں حضرت شعیبؑ اور آپکی قوم کا تذکرہ انتہائی اختصار کیساتھ ذیل کے الفاظ میں ضمناً لایا گیا ہے :- وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۙ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝ ۲۹/۳۶-۳۷ اور اہلِ مدین کی طرف اپنے اُن کے بھائی شعیب کو بھیجا - پھر انہوں نے کہا اے میری قوم اللہ کی فرمانبرداری کرو اور قیامت کے دن کی امید رکھو اور زمین میں (کم ناپ تول کیساتھ) فساد نہ پھیلاتے پھرو - مگر انہوں نے حضرت شعیب کو جھٹلا دیا - اسلئے انہیں زلزلہ نے پکڑ لیا - پھر وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے -

● قوم شعیب کی سزا کے طور پر الصَّيْحَةُ ۱۱/۹۴ اور الرَّجْفَةُ ۲۹/۳۷ کے الفاظ آئے ہیں - الصَّيْحَة کا معنی ہے گرج

گڑگڑاہٹ - اور اَلرَّجْفَۃُ کا معنٰی ہے زور سے ہلنا، زلزلہ - دونوں کے اتّصال سے ثابت ہوتا ہے کہ اس قوم پر ایسا زلزلہ لایا گیا تھا جس کے توڑ پھوڑ کے نتیجے میں زوردار گڑگڑاہٹ بھی پیدا ہوئی تھی - اس نافرمان قوم کو تو اس عذاب کیساتھ ختم کر دیا گیا اور حضرت شعیب کو نزولِ عذاب سے قبل ہجرت کروا دی گئی - اور آپ ان سے یہ کہتے ہوئے منہ موڑ گئے کہ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے، اللہ کے پیغامات تمہیں پہنچا دیئے ہیں -

● سلسلۂ درس کی اگلی سولہ آیاتِ مجیدہ میں سابقہ اقوام کے حالات پر مختصر تبصرہ کیا گیا ہے - ملاحظہ فرمائیں ارشاداتِ باری :-

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِىْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِىٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ

اور نہیں بھیجا ہمنے بیچ کسی بستی کے بیں سے کوئی نبی مگر پایا ہمنے

اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ۝٩٤

اہل اسکے کو بیچ سختی اور ضرر کے تاکہ وہ عاجزی کریں

اور ہم نے کسی بھی بستی میں کوئی نبی نہیں بھیجا مگر (اسوقت کہ جب) ہم نے اسکے رہنے والوں کو (انکی سرکشی کی بدولت ناہموار معاشرہ کی) سختی اور تکلیف میں پایا - (اور نبی اسلئے بھیجا جاتا کہ وہ عاجزی اختیار کریں -

ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى

پھر بدل دیا ہمنے جگہ بدحالی کے خوشحالی یہانتک کہ

عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ

وہ بھول جاتے اور کہتے بیشک مس کیا باپوں ہمارے کو سختی نے اور آسانی نے

فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝٩٥

پھر پکڑا ہمنے انکو اچانک اور وہ نہ رکھتے شعور

پھر ہم (اپنے نبی کے ذریعہ بھیجے ہوئے متوازن ضابطے کیساتھ) انکی بدحالی کو خوشحالی کیساتھ بدل دیتے تھے حتیٰ کہ وہ ایک عرصہ کے بعد) پھر بھول جاتے (بدکردار ہو جاتے) اور کہتے کہ ہمارے باپ دادا پر کبھی تنگی اور کبھی آسانی آیا کرتی تھی پھر ہم انہیں (انکے بُرے عملوں کی بدولت) اچانک پکڑ لیتے - مگر انہیں شعور تک نہ ہوتا (کہ ہم پکڑے جانیوالے ہیں) -

نیز فرمایا :-

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا

اور بیشک اگر والے بستیوں کے ایمان لاتے اور بچتے

لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ

ضرور کھولتے ہم اوپر انکے برکتیں سے آسمانوں کے اور زمین کے

وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝٩٦

اور لیکن جھٹلایا انہوں نے پھر پکڑا ہمنے انکو بدلے اسکے تھے وہ کسب کرتے

اور اگر بستیوں والے (ہمارے متوازن ضابطۂ حیات پر) ایمان لاتے اور (اسکی مخالفت سے عملاً) بچتے تو ہم اُن پر (عذاب کی بجائے) آسمانوں اور زمین کی برکتوں (کے دروازے) کھول دیتے - لیکن وہ ہمارے ضابطے کو جھٹلاتے رہے - پھر ہم انہیں انکی بداعمالیوں کی بدولت پکڑتے رہے -

اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ

کیا پھر نڈر ہوگئے والے بستیوں کے کہ آوے پاس انکے

کیا پھر (بدعمل) بستیوں والے نڈر ہو گئے ہیں (یعنی انہیں بے خوف نہیں ہونا چاہیئے) کہ اُن پر ہمارا عذاب رات کے

بَأْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ۝ ۹۷ عذاب ہمارا رات کو اور وہ ہوں سوئے ہوئے	وقت آجائے جب وہ سوئے ہوئے ہوں۔
اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا اور کیا نڈر ہوئے والے بستیوں کے کہ آوے پاس انکے عذاب ہمارا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝ ۹۸ دن چڑھے اور وہ ہوں کھیلتے	کیا اور بستیوں والے نڈر ہو گئے ہیں (بداعمالیوں سے باز نہیں آتے) کہ اُن پر ہمارا عذاب دن چڑھے آجائے جب وہ لہو و لعب (کھیل تماشوں ہی) مشغول ہوں۔
اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ کیا پھر وہ نڈر ہوئے تجویز اللہ سے پس نہیں نڈر ہوتی تجویز اللہ سے اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ ۹۹ ع ۱۲ مگر قوم گھاٹا پانیوالی	کیا پھر وہ (بستیوں والے بدعمل لوگ) اللہ تعالیٰ کی تدبیر (اعمال کی سزا) سے بے خوف ہو گئے ہیں (جو انکے اپنے اعمال کا بدلہ ہے ۹۸/۷) پس اللہ تعالیٰ کی تدبیر (اعمال کی سزا) سے وہی لوگ نڈر ہو جاتے ہیں جو نقصان اٹھانیوالے ہیں

افرادِ معاشرہ کی ذمہ داری سربراہِ مملکت پر ہے

• اس سے اگلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ معاشرہ کے جرائم کا اصل ذمہ دار سربراہِ مملکت ہوتا ہے، جس کے قبضۂ اختیار میں پورے ملک کے رزق کے سرچشمے ہوتے ہیں۔ ارشاد ہوا ہے۔

اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْ کیا اور نہیں عیاں ہوا واسطے انکے وارث ہوئے زمین کے سے بَعْدِ اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَ پیچھے وارثوں اسکے کہ اگر چاہیں ہم پہنچائیں انکو بدلے گناہوں انکے اور نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝ ۱۰۰ ہم مہر پاتے ہیں اوپر ذہنوں ان کے پس وہ نہیں سنتے	کیا اور (مذکورہ بالا عذابوں کی خبر سے) اُن لوگوں پر عیاں نہیں ہو گیا جو زمین کے پہلے وارثوں کے بعد زمین کے وارث ہوئے ہیں (یعنی جو اسوقت زمین کے الگ الگ حصّوں پر حکومت کر رہے ہیں) اگر ہم اپنے قانونِ مشیت کیمطابق انہیں انکے گناہوں کے بدلے (جرائم کی) سزا پہنچائیں۔ (ان سے اقتدار چھن جائے) حقیقت یہ ہے کہ (انکی برائیوں کی کثرت کی بدولت) ہمنے انکے ذہنوں پر (عدمِ تدبر ۱۶۹/۷ کی) مہریں لگی پائی ہیں۔ پس وہ سنتے ہی نہیں۔

• ملہ اس آیت مجیدہ میں يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ کے الفاظ میں روئے سخن سربراہانِ مملکت کی طرف کیا گیا ہے اور انہیں پر ان کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ سنتے ہی نہیں۔ کیسی صحیح خبر دی گئی ہے کہ یہ لوگ اس بات کو سننے کیلئے بھی تیار نہیں ہوتے کہ ملک کا خزانہ عوام کے خون پسینے کی کمائی سے بھرتا ہے، اسلئے اس سے اُن کی ضروریاتِ زندگی کا پورا کرنا اور انہیں ہر قسم کی سہولتیں مہیا

کرنا تمہارا اوّلین فرض ہے۔ مگر وہ عیش کوشیوں میں معروف رہنے والے کب سنتے ہیں۔ لیکن اِن والیانِ ریاست کو وارننگ دیدیگئی ہے کہ تمہاری فرض ناشناسی کی بدولت تم پر بھی تمہارا پیمانۂ ظلم لبریز ہو چکنے پر عذاب آسکتا ہے۔ کرۂ ارض کا مشاہدہ گواہ ہے کہ جو سربراہان سلطنت عوام کی ضروریاتِ زندگی مہیا کرنے میں مصروفِ عمل رہتے ہیں انہیں حکومتیں الٹنے کا کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوتا۔ لیکن جو عوام کے حقوقِ ربوبیت سے غافل ہیں آئے دن انکی حکومتوں کے تختے الٹتے رہتے ہیں۔ اسی عنوانِ ربوبیت سے متعلق آگے چلکر آیت نمبر ۱۰۳ سے ۱۳۷ تک فرعون کی حکومت کا تختہ الٹنے کا ذکر ہے، جس نے اپنی رعایا کے ایک حصہ یعنی بنی اسرائیل کے حقوقِ ربوبیت قانوناً غصب کر رکھے تھے، یہ حقیقت تو آگے چل کر اپنے مقام پر بیان کیجائیگی، فی الحال سلسلۂ درس کی اگلی آیات کو بیات ملاحظہ فرمائیں۔ اس سے آگے ارشاد ہوا ہے :-

تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا

مذکورہ بستیاں ہیں ہم بیان کرتے ہیں اوپر تیرے سے خبریں ان کی

وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا

اور بیشک آئے پاس انکے رسول انکے ساتھ دلائل کے۔ پھر نہ ہوئے کہ ایمان لاتے

بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ۚ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى

بوجہ اسکے کہ جھٹلایا سے پہلے مثل مذکورہ مہریں لگی پاتا ہے اللہ اوپر

قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ۱۰۱

ذہنوں انکار کرنیوالوں کے

(اے رسول!) مذکورہ بالا بستیوں کی خبریں ہمنے آپ پر بیان کی ہیں۔ اور البتہ تحقیق انکے پاس انکے رسول (اپنے اپنے وقت پر) دلائلِ قاطعہ کیساتھ آئے لیکن وہ اُن پر اسلئے ایمان نہ لائے کیونکہ وہ (اور انکے اسلاف) اس سے پہلے ان دلائل کو جھٹلا چکے تھے اس طرح (اسلاف کی تقلید کر کے) واضح دلائل کا انکار کرنیوالوں کے اذہان پر (عدم تدبر $\frac{۱۰۰}{۱۷۹}$ کی) مہریں لگی ہوئی پاتا ہے۔

● علٰہ یَطْبَعُ فعل ثلاثی مجرّد ہوں میں خاصہ وجدان موجود ہے۔ بصورتِ دیگر خدا تعالیٰ عادل نہیں ٹھہرتا کہ لوگوں کے ذہنوں پر خود ہی نافرمانی اور انکار کی مہریں لگاتا ہے اور خود ہی سزا دیتا ہے۔ نوعِ انسانی کے خود عدم تدبر کی دلیل اسی سورۂ اعراف کی آیت نمبر ۱۷۹ کی تفسیر میں دیکھئے اور افعال ثلاثی مجرّد میں خاصہ وجدان کی مکمل بحث تفسیر القرآن بالقرآن جلد اوّل کے دیباچہ کے صفحہ ۱۰۵ پر بھی موجود ہے، اور وجدان کے مادہ وجد کے الفاظ میں سلسلۂ درس کی اگلی آیت میں بھی ملاحظہ فرمائیں۔ ارشادِ باری ہے :-

وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ

اور نہیں پایا ہمنے واسطے بہتوں ان کے سے عہد اور بیشک

وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ۝ ۱۰۲

پایا ہمنے بہتوں ان کے کو حدیں پھاندنیوالے

اور ہم نے اُن مذکورہ بالا اقوام) کی اکثریت کو بلاشبہ اپنے عہد (وفا کرتے) نہیں پایا۔ اور بلاشبہ ہم نے اُن کی اکثریت کو ضرور ضرور حدیں پھاندنے والے پایا۔

• ملا۔۲ اس آئت مجیدہ وَجَدْنَا کے دو مرتبہ کے تکرار کیساتھ ارشاد ہوا ہے کہ انہیں عہد شکن ہمنے نہیں بنایا تھا بلکہ وہ خود عہد شکن تھے، ہمنے انہیں عہد شکن پایا تھا۔ نیز ہمنے انہیں حدّ سے پھاندنیوالے نہیں بنایا تھا، بلکہ وہ خود حدّود شکن تھے ہمنے انہیں حدّ سے پھاندنے والے پایا تھا۔ پس ان دلائلِ قاطعہ کے مطابق بھی اوپر یَطْبَعُ اللّٰهُ میں خامہ وجدان موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انکے اذہان پر مُہریں نہیں لگائی تھیں، بلکہ ان کی اپنی لگائی ہوئی پائی تھیں۔

قوم فرعون

• سلسلۂ درس کی اگلی آیات مجیدہ میں حضرت موسیٰؑ، فرعون اور قوم فرعون کا تذکرہ شروع ہو رہا ہے واضح رہے کہ یہ ذکر قرآن مجید کی ۲۷ سورتوں سورہ بقرہ، نسآء، مائدہ، انعام، اعراف، انفال، یونس، ھود، ابراہیم، نحل، بنی اسرائیل، کہف، مریم، طٰہٰ، انبیآء، مومنون، فرقان، شعرآء، نمل، قصص، عنکبوت، سجدہ، احزاب، حٰمٓ سجدہ، مومن، زُخرف، دُخان، جاثیہ، ذٰریٰت، قمر، صف، جمعہ، تحریم، حاقہ، مزمّل، نازعات اور فجر میں آیا ہے ان میں سے پانچ سورتوں اعراف، یونس، طٰہٰ، شعرآء اور قصص میں تفصیلاً بیان ہوا ہے اور باقی اجمالاً۔ سلسلۂ درس میں سابقہ اقوام نوحؑ، عادؑ، ثمودؑ، لوطؑ اور شعیبؑ کے مذکورہ بالا اذکار کے بعد قوم فرعون کا ذکر بالفاظِ ذیل شروع ہوا ہے:-

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى پھر بھیجا ہمنے سے بعد ان کے موسیٰ کو ساتھ نشانیوں اپنی طرف فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ فرعون اور سرداروں اسکے پس ظلم کیا ساتھ انکے پس غور کر كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ○ ۱۰۳ کس طرح ہوا انجام فساد کرنیوالوں کا	پھر اُن (مذکورہ بالا انبیآءؑ) کے بعد ہمنے موسیٰؑ کو اپنی واضح نشانیوں کیساتھ فرعون اور اسکے سرداروں کی طرف بھیجا۔ پس انہوں نے اُن (ہماری آئتوں) کیساتھ ظلم کیا (یعنی انہیں جھٹلا دیا)۔ پھر (اے رسولؐ!) غور کیجئیگا کہ فسادیوں کا کیا انجام ہوا۔

ناہموار تقسیمِ رزق فساد ہے اور ناہموار تقسیم کرنیوالے فسادی ہیں

• ملا اس آئت مجیدہ میں فرعون اور اُسکے سرداروں کو فسادی کہا ہے اور فساد کی تعریف فرعون ہی کے ذکر میں سورہ قصص میں کر دی ہے اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ ...... اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ○ ۲۸/۴ بیشک فرعون نے اپنی سلطنت کی زمین میں سرکشی اختیار کی۔ یعنی اپنے عوام کے الگ الگ طبقات بنا دیے تھے۔ اُن میں سے ایک طبقے کو کمزور کر دیا...... بلاشبہ وہ فسادیوں میں سے تھا ــــــ دیکھئے اس آئت میں بتایا گیا ہے کہ عوام کے اقتصادی طبقے بنا کر کسی گروہ کو کمزور کر دینا، اسکا حقِ ربوبیت غصب کر لینا فساد ہے۔

• سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں حضرت موسیٰؑ کا فرعون کیساتھ اوّلین خطاب درج ہے جس میں آپنے پورے عالمین کے حقوقِ ربوبیت کا اعلان فرمایا:-

وَقَالَ مُوسٰى يٰفِرۡعَوۡنُ اِنِّىۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِيۡنَۙ ﴿۱۰۴﴾
اور کہا موسیٰ نے اے فرعون بیشک میں بھیجا ہوا ہوں طرف سے رب تمام جہانوں کے

اور حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ اے فرعون! میں (تیری طرف اور تیرے سرداروں کی طرف) اُسکا بھیجا ہوا آیا ہوں جو بنی اسرائیل سمیت جن کے حقوقِ ربوبیت تُو نے غصب کر رکھے ہیں) تمام جہانوں کا ربّ ہے۔

قصّہ موسیٰ و فرعون کا پس منظر و پیش منظر

● ۱ سورہ زخرف میں بھی آپکا یہی خطاب درج ہے وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا مُوۡسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَقَالَ اِنِّىۡ رَسُوۡلُ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۴۳/۴۶ اور بیشک ہم نے موسیٰ کو فرعون اور اسکے سرداروں کی طرف بھیجا۔ پس اس نے کہا بیشک میں تمام جہانوں کے رب کا بھیجا ہوا ہوں۔ حضرت موسیٰ کو جب نبوّت عطا فرمائی گئی تو اُسوقت بھی یہ الفاظ دہرائے گئے تھے اِنِّىۡۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۲۸/۳۰ بیشک میں ہی اللہ ہوں رب تمام جہانوں کا۔ واضح رہے کہ ان الفاظ کا قِصّہ حضرت موسیٰ کیساتھ ایک مخصوص تعلق ہے اور اس قصّے کا مخصوص پس منظر یہ ہے کہ حضرت یوسفؑ نے اپنے دورِ اقتدار میں اپنے گیارہ بھائیوں کو مصر میں لا آباد کیا تھا۔ اِس طرح حضرت یوسف سمیت بارہ بھائیوں کی اولاد مصر میں بڑھی پھولی، جو وہاں بنی اسرائیل کہلائی۔ وہاں ان کی کئی پشتیں گزر گئیں۔ مگر عرصہ دراز گزرنے کے بعد بنی اسرائیل کو غیر مصری، غیر ملکی قرار دے کر ان سے شہری حقوق قانوناً چھین لئے گئے۔ اب انکا کام صرف یہ قرار پایا کہ وہ مصریوں کی خدمت کریں، اُنکی بیگاریں بجالائیں ضروریاتِ زندگی انہیں صرف اِتنی دی جاتی تھیں کہ وہ اگلے دن کی بیگار کیلئے زندہ رہ سکیں۔

● سورہ قصص ۲۸/۴ میں آیا ہے کہ فرعون نے انہیں کمزور کر دیا تھا۔ اس پر ۲۸/۵ میں ارشاد ہوا ہے وَنُرِيۡدُ اَنۡ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيۡنَ اسۡتُضۡعِفُوۡا۔ اور ہم نے ارادہ کیا کہ ہم اُن لوگوں (بنی اسرائیل) پر احسان کریں جو کمزور کر دئیے گئے تھے ـــــ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارادے کی تکمیل کیلئے حضرت موسیٰ کو پیدا کیا۔ اور خود فرعون کے گھر میں پال کر جوان کیا، منصبِ نبوّت سے نوازا اور اس اوّلین اعلان کیساتھ فرعون کی طرف بھیجا کہ میں تو عالمین کے رب کا بھیجا ہوا ہوں اور تُو بنی اسرائیل کے حقوقِ ربوبیت غصب کئے ہوئے ہیں۔ المختصر! اس قصّے کا پس منظر یہ ہے کہ فرعون اور اسکی قوم بنی اسرائیل کے حقوقِ ربوبیت دبائے ہوئے تھے۔ جنہیں واپس دلانے کیلئے حضرت موسیٰ کو مبعوث فرمایا گیا۔ اور اسکا پیش منظر یہ ہے کہ فرعون، بنی اسرائیل کے حقوقِ ربوبیت دینے کیلئے تیار نہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے اسکے لشکروں سمیت سمندر کی آبنائے میں غرق کر دیا اور اسکے نفیس محلّات اور بھرے خزانے یعنی اسکی پوری حکومت بنی اسرائیل کے حوالے کر دی۔ (تفصیل آگے آرہی ہے)۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں حضرت موسیٰ کے اوّلین خطاب کا دوسرا اہم ترین حصّہ ذیل کے الفاظ خداوندی میں نازل ہوا ہے:۔

حَقِيقٌ عَلَىٰٓ أَن لَّآ أَقُولَ عَلَى ٱللَّهِ إِلَّا
قائم اُوپر کہ نہ کہوں میں اوپر اللہ کے سوائے
ٱلْحَقَّ ۚ قَدْ جِئْتُكُم بِبَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ فَأَرْسِلْ
حق کے بیشک آیا ہوں تمہارے پاس ساتھ دلیل طرف رب تمہارے پس بھیج
مَعِيَ بَنِيٓ إِسْرَٰٓءِيلَ ﴿۱۰۵﴾
ساتھ میرے بنی اسرائیل کو

(حضرت موسیٰ نے مزید فرمایا کہ میں) اس پر قائم ہوں کہ اللہ کے ذمہ لگا کر سچ کے سوا کچھ نہ کہوں[۱]۔ بیشک میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے (اُسکی ربوبیتِ عالمین کی) ایک واضح دلیل لایا ہوں (اَے فرعون اگر تو انہیں حقوقِ ربوبیت نہیں دیتا تو) بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے[۲] (تاکہ وہ پُرامن ہجرت کر کے کسی اور جگہ جا کر اپنے حقوقِ ربوبیت حاصل کریں)

نہ فرعون خود اللہ تعالیٰ کی ہستی کا منکر تھا، نہ اسکے سردار نہ اس کی ساری قوم

● ۱۔ أَن لَّآ أَقُولَ عَلَى ٱللَّهِ إِلَّا ٱلْحَقَّ کے الفاظ سے عیاں ہے کہ فرعون اللہ تعالیٰ کی ہستی کا منکر نہیں تھا۔ ورنہ وہ یہ کہتا کہ اَے موسیٰ! میں تو تیرے اللہ کو مانتا ہی اور تُو کہتا ہے کہ میں اِس پر قائم ہوں کہ اللہ کے ذمہ جھوٹ نہ لگاؤں۔ اِسی طرح فرعون کے سردار بھی اللہ تعالیٰ کی ہستی کے منکر نہیں تھے۔ سورہ طٰہٰ میں آیا ہے کہ سردارانِ فرعون نے اللہ تعالیٰ کے ذمہ کوئی جھوٹ لگا دیا تو حضرت موسیٰ نے فرمایا ہ۔ وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوا عَلَى ٱللَّهِ كَذِبًا ۲۰/۶۱ افسوس ہے تم پر، اللہ کے ذمہ بہتان نہ باندھو —— اِسی طرح پوری قوم فرعون بھی اللہ تعالیٰ کی ہستی کی منکر نہیں تھی۔ سورہ دخان میں آیا ہے کہ قوم فرعون کی طرف اللہ کا رسول (حضرت موسیٰ) تشریف لایا، جس نے کہا کہ اللہ کے بندوں (بنی اسرائیل) کو میرے حوالے کر دو، میں اللہ کا امانتدار رسول ہوں۔ اس سے اگلے الفاظ یہ ہیں وَّأَن لَّا تَعْلُوا عَلَى ٱللَّهِ ۴۴/۱۹ اور اللہ کے خلاف سرکشی نہ کرو —— اگر وہ خدا تعالیٰ کے منکر ہوتے تو یہ کہتے کہ ہم تو تیرے اللہ ہی کو نہیں مانتے اور تُو ہمیں اُسکی مخالفت سے منع کرتا ہے۔

● سورہ مومن میں کابینۂ فرعون کے مردِ مومن کے الفاظ ذیل سے ثابت ہوتا ہے کہ قوم فرعون حضرت یوسف کو اللہ کا رسول مانتی تھی بلکہ انہیں اللہ کا آخری رسول مانتی تھی ہ۔ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوسُفُ مِن قَبْلُ بِٱلْبَيِّنَٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِى شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُم بِهِۦ ۖ حَتَّىٰٓ إِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَن يَبْعَثَ ٱللَّهُ مِنۢ بَعْدِهِۦ رَسُولًا ۴۰/۳۴ بیشک تمہارے پاس اِس سے پہلے واضح دلائل کے ساتھ حضرت یوسف آئے۔ پھر جو متوازن ضابطۂ حیات وہ لائے تم اس میں ہمیشہ شک کرتے رہے۔ یہانتک کہ جب وہ فوت ہو گئے تو تم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ یوسف کے بعد کوئی اور رسول نہیں بھیجیگا —— پس فرعون اور قوم فرعون اللہ کو بھی مانتے تھے اور حضرت یوسفؑ پر ایمان رکھتے تھے اور اُنہیں اللہ کا آخری رسول مانتے تھے۔

● المختصر! فرعون اور قوم فرعون کو انکار تھا اللہ کی ربوبیتِ عالمین کا۔ وہ خود اپنے آپکو عوام کا ربِ اعلیٰ کہتا تھا ۷۹/۲۴ أَنَا۠ رَبُّكُمُ ٱلْأَعْلَىٰ۔ اور یہ کہہ کر انکا بلا شرکت غیرے استبدادی حاکم ڈکٹیٹر بنا ہوا تھا مَا عَلِمْتُ لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرِى ۲۸/۳۸۔

قصۂ موسیٰ و فرعون کو سمجھنے کا بنیادی نکتہ

● ۲۔ فَأَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيٓ إِسْرَٰٓءِيلَ کے الفاظ انتہائی اہم ہیں اور جبتک اِن کی تہ تک نہ پہنچا جائے اُسوقت تک قرآن مجید کی سورتوں میں

پہلے ہوئے قصہ موسیٰ و فرعون کو سمجھا نہیں جاسکتا - اس کا پس منظر پیچھے پیش کر دیا گیا ہے کہ فرعون نے بنی اسرائیل کے حقوقِ ربوبیت غصب کر رکھے تھے - اور حضرت موسیٰ چونکہ بچپن سے لیکر پوری جوانی تک فرعون کے ہاں رہے تھے، اسلئے جانتے تھے کہ سرزمینِ مصر میں بنی اسرائیل کو شاہی قانون میں غیر ملکی قرار دیکر انہیں حقوقِ ربوبیت سے قانوناً محروم کر رکھا ہے اسلئے وہ جانتے کہ فرعون انہیں حقوقِ ربوبیت نہیں دیگا - اسلئے آپنے پہلا اور آخری ایک ہی مطالبہ پیش کیا کہ بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے - یعنی انہیں پُرامن ہجرت کی اجازت دیدے تاکہ یہ لوگ کسی اور مقام پر آباد ہو جائیں، جہاں انہیں انکے پیدائشی اور انسانی حقوقِ ربوبیت میسر آسکیں - اس مطالبے میں مرکزی نکتہ ہی بنی اسرائیل کے حصولِ حقوقِ ربوبیت کا تھا - جنہیں فرعون اور سردارانِ فرعون ماننے کیلئے تیار نہیں تھے - چنانچہ متنازعہ مسئلہ صرف بنی اسرائیل کے حقوقِ ربوبیت کے تسلیم و انکار کا تھا جو سرزمینِ مصر میں بحیثیتِ غیر ملکی آباد تھے - چنانچہ فرعون نے اسی کے ضمن میں کہا کہ اگر تو انکے حقوقِ ربوبیت کی کوئی واضح دلیل لایا ہے تو پیش کر۔

قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ کہا اگر تو آیا ہے ساتھ نشانی کے پس آ ساتھ اسکے	(فرعون نے کہا) کہ اگر تو کوئی دلیل (ربوبیتِ عامہ) لایا ہے تو اگر تو سچوں میں سے ہے تو اُسے پیش کر - (کیا غیر ملکی اقوام کے حقوق مُلکی اقوام کے برابر ہوتے ہیں ؟) -
اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۞ ۱۰۶ اگر ہے تو میں سے سچوں کے	

● اس کے جواب میں حضرت موسیٰ نے دو دلیلیں پیش کیں - ایک عصا اور دوسری ید بیضا - ان الفاظ کی پہلے عام لغت اور پھر قرآنی لغت ملاحظہ فرمائیں - اِسکے بعد اگلی آیتِ مجیدہ پیش کی جائیگی - تاکہ صحیح مفہوم کے سمجھنے میں آسانی رہے - واضح رہے کہ قصہ موسیٰ سلام علیہ کے تحت قرآن مجید میں لفظ عصا تین معنوں میں استعمال ہوا ہے ۔

۱ - عصاء بمعنی سہارا ۲ - عصاء بمعنی جماعت ۳ - عصاء بمعنی قانون

● قرآنی لغت تو بعد میں پیش کی جائیگی - پہلے لغتوں کے حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں ۔

● لغت مِراۃ القرآن نشر کردہ مکتبۃ السلام کشمیری بازار لاہور کے صفحہ ۳۰۴ پر ہے ۔ عصاء الرجل سونٹا سے مارنا (اسم کی صورت میں سونٹا لاٹھی) - عصاء القوم قوم کو جمع کیا (اسم کی صورت میں اجتماع، جماعت) - اَلنَّاسُ عَبِيْدُ الْعَصَا عوام، ڈنڈے کے، یعنی قانون کے بندے ہیں - قانون کے بغیر قابو نہیں آتے) -

● مفتاح اللغات مطبوعہ کراچی کے صفحہ ۵۲۲ پر ہے ۔ "عصاءٌ" لکڑی - لاٹھی (یعنی سہارا) زبان - پنڈلی کی ہڈی - عورتوں کا سربند - سر پہ باندھنے کا رُومال - گروہ - جماعت - شق العصاء ، جماعت میں تفرقہ ڈالا -

● المنجد مطبوعہ دارالاشاعت کراچی کے صفحہ ۸۱۱ کالم اوّل پر ہے ۔ العصاء ، لاٹھی، سہارے کی چیز (یعنی سہارا) اجتماع - جماعت

پنڈلی کی ہڈی - زبان - زیادہ ملامت کرنا - القی المسافر العصاء - مسافر اپنے مقام پر پہنچ گیا - (بمعنی منزل) اَلنَّاسُ عَبِیْدُ العصآءِ لوگ ڈنڈے سے ڈرتے ہیں" (یعنی عوام قانون کے بندے ہیں، قانون کے بغیر قابو میں نہیں رہتے ——— پس خط کشیدہ اور نمبر لگے الفاظ پر غور فرمائیں کہ المنجد میں عربی ادب کے مطابق لفظ عصاء کے متعدد معنوں میں محولہ تینوں قرآنی معنے موجود ہیں - سہارا، جماعت، قانون -

عصاء کے قرآنی معنوں کو سمجھنے میں رکاوٹ

● عصاء کے صحیح معنے سمجھنے میں رکاوٹ ہے وہ تصور جو اسرائیلیات سے اخذ کرلیا گیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ اُسے زمین پر پھینکتے تھے وہ سانپ بن جاتا تھا قرآن مجید میں آیا ہے فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ اَلْقٰی کا مصدری معنی عربی لغت کے مطابق پھینکنا بھی ہے اور پیش کرنا بھی ہے - پھینکنے کا مفہوم لیا جائے تو عصاء بھی ڈنڈا ہی ہوگا - لیکن اگر القی کا مصدری معنی پیش کرنا لیا جائے تو وہ ڈنڈا نہیں بلکہ دلیل و براہن کے طور پر کوئی عالمگیر خداوندی قانون ہوگا - سب سے پہلے تو یہ چیز غور طلب ہے جبکہ حضرت موسیٰ کے ذمہ صرف دو کام تھے، عصاء یعنی ڈنڈا زمین پر پھینکنا اور بغل میں سے ہاتھ نکال کر دکھانا - اور یہ دونوں کام معجزاتی طور پر انجام پاجاتے تھے کہ ڈنڈے کا سانپ بن جاتا تھا اور ہاتھ سفید ہوجاتا تھا، تو پھر جب حضرت موسیٰ جیسے شاہ زور کو جو مکا مارے تو نوجوان کو ڈھیر کردے جب یہ نشانیاں دیکر فرعون کی طرف جانے کا حکم دیا گیا تو انہوں نے یہ کیوں کہا کہ میری زبان غیر فصیح ہے میرے ساتھ ہارونؑ کو نبی بنا کر بھیجئے کیونکہ وہ مجھ سے زیادہ فصیح البیان ہے - اِس سے بھی ثابت ہُوا کہ یہ کوئی جسمانی کام نہیں تھا بلکہ زبان سے پیش کرنے والے دلائل تھے (تفصیل آگے آرہی ہے)

● دوسرے نمبر پر قرآن مجید میں دو مقامات پر ۲۷/۱۰ + ۲۸/۳۱ میں بتایا گیا ہے کہ جب عصاء پیش کیا جاتا تھا تو وہ سانپ نہیں بن جاتا تھا بلکہ سانپ جیسا ہوتا ہے وَاَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ ۲۷/۱۰ اور پیش کر عصاء اپنا - پھر موسیٰ نے غور کیا کہ وہ ہل چل مچا دیگا، گویا کہ وہ سانپ تھا - بالکل یہی الفاظ ۲۸/۳۱ میں بھی آئے ہیں - اب غور فرمائیں کہ قرآن مجید میں دو مرتبہ کے تکرار کیساتھ كَاَنَّهَا جَآنٌّ کے الفاظ کاف تشبیہ، مشبّہ اور مشبّہ بہٖ موجود کیساتھ آئے ہیں پس اہلِ علم سے مخفی نہیں کہ جہاں حرف تشبیہ وارد ہوتا ہے وہاں حقیقت ہرگز نہیں ہوتی - ویسے تو جہاں مشاہدہ معارض ہو وہاں حرفِ تشبیہ نہ بھی موجود ہو تو پھر بھی حقیقت نہیں مانی جاتی، جیسے اگر کہا جائے اَلزَّیْدُ اَسَدٌ" کہ زید شیر ہے تو اس سے یہ مطلب نہیں لیا جاتا کہ زید کی چار ٹانگیں اور لمبی گچھے دار دُم ہے، بلکہ اُس سے اسمیں شیر جیسی بہادری کا ہونا مراد لیا جاتا ہے - لیکن جب حرف تشبیہ لاکر کہا جائے اَلزَّیْدُ كَالْاَسَدِ تو پھر گرامر کی رُو سے بھی اس امر کا تصور تک ختم ہوجاتا ہے کہ زید سچ مچ کا شیر بن گیا ہے -

● اسی طرح جب عصاء کے متعلق دو مرتبہ کے تکرار کیساتھ مشبّہ، مشبّہ بہٖ اور حرف تشبیہ، تینوں چیزیں لاکر اعلانِ عام کردیا گیا ہے کہ عصاء سچ مچ کا سانپ نہیں بن جاتا تھا - بلکہ وہ سانپ جیسا ہوتا تھا - سانپ کی طرح ہل چل مچا دینے والا تھا - كَاَنَّهَا جَآنٌّ میں ھَا ضمیر مونث مشبّہ عصاء کیلئے آئی ہے جَآنٌّ مشبّہ بہٖ ہے یعنی جن کیساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور کاف حرفِ تشبیہ اصالتاً موجود ہے - پس ڈنڈے کا اصل سانپ بننے کا تصور تک بھی قائم نہیں کیا جاسکتا -

کاف حرفِ تشبیہ کی قرآنی مثالیں

● قرآنِ مجید میں کاف تشبیہ کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ جنّت کی عورتوں کے متعلق کہا گیا ہے کَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ۵۵/۵۸ وہ عورتیں یاقوت و مرجان جیسی گرانقدر ہونگی کیا اس آیت سے یہ مراد لی جاسکتی ہے کہ جنت کی عورتیں پتھر کی بنی ہونگی؟ اسی طرح منکرینِ قرآن کے متعلق ارشاد ہوا ہے كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ۙ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ۷۴/۵۰-۵۱ گویا کہ وہ بدکے ہوئے گدھے ہیں جو شیر سے بھاگتے ہیں ـــــ بتائیے کیا ان آیتوں سے یہ مراد لی جاسکتی ہے کہ منکرینِ قرآن واقعۃً گدھے بنگئے تھے، انکا جسم واقعی گدھے کے جسم میں تبدیل ہوگیا تھا ـــــ نیز غور و فکر نہ کرنیوالوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۷/۱۷۹ وہ ڈنگروں جیسے ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے۔

● اِن قرآنی مثالوں سے کھل کر ثابت ہوچکا کہ جس طرح کاف حرفِ تشبیہ کی موجودگی میں نہ جنّتی عورتیں پتھر کی ہونگی، نہ منکرینِ قرآن سچ مچ گدھے بنگئے تھے اور نہ عدمِ تدبّر کی بدولت کوئی شخص ڈنگر بن جاتا ہے اُسی طرح كَاَنَّهَا جَآنٌّ میں کاف حرفِ تشبیہ کی موجودگی کی قرآنی دلیل کیمطابق ڈنڈا سانپ نہیں بن جاتا تھا بلکہ جس طرح قرآنِ کریم کے منکر گدھوں جیسے بیوقوف ہوتے ہیں اور عقل سے کام نہ لینے والے ڈنگروں جیسے بے عقل ہوتے ہیں، اُسی طرح عصائے موسیٰ جہاں پیش کیا جاتا تھا وہاں سانپ کی طرح ہل چل مچادیتا تھا۔

عصاء بمعنی قانونِ ربوبیتِ عالمینی بھی ہے

● حضرت موسیٰ کو وادیٔ طور میں جب عطاءِ نبوت کیوقت مخاطب فرمایا گیا تو ارشاد ہوا يٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۲۸/۳۰ اے موسیٰ بیشک میں اللہ تمام جہانوں کی مخلوق کا ایک جیسا رب ہوں۔ ہر ذی جان کا حق ہے کہ اُسے اُسکی ضروریاتِ رزق متوازن انداز کیساتھ مساویانہ طور پر ملنی چاہئیں۔ یہی قانونِ ربوبیتِ عالمینی وہ عصاء تھا کہ جب حضرت موسیٰ نے پیش کیا تو فرعون کے ہاں ہل چل مچ گئی کیونکہ اُس نے بنی اسرائیل کے حقوقِ ربوبیت قانونی طور پر غصب کر رکھے تھے۔ یعنی اُسکی سلطنت میں کتے گدھے اور سؤر تک ضروریاتِ رزق سے باقاعدہ طور پر سرفراز تھے مگر بنی اسرائیل کو محض بیگاری بنا دیا گیا اور مساویانہ انسانی حقوق سے محروم کر رکھا تھا۔

یدِ بیضاء

● اِسکے ضمن میں یہ بتانا ضروری ہے کہ یہ الفاظ قرآن مجید میں اس مُروّجہ مُرکب اضافی کی صورت میں نہیں آئے۔ الگ الگ آئے ہیں دونوں کی الگ الگ لغت ملاحظہ فرمائیں۔ ید کا لفظ انتہائی وسیع المعنیٰ ہے۔ المنجد کے صفحہ ۵۳ ۴ پر لغت اضداد کی رُو سے ذیل کے معنے مذکور ہیں:۔ ہاتھ، ہتھیلی، نعمت، احسان، جاہ، مرتبہ، قدرت، طاقت، ندامت، ذلّت، جماعت۔ کھانا، ظلم سے روک، راستہ، فریاد رسی وغیرہ۔ حضرت موسیٰ کے ذکر میں ید بمعنی جماعت ہے۔

● بیضاء کے لفظ کا سہ حرفی مادہ ب۔ ی۔ ض، بیض ہے۔ یہ بھی لغتِ اضداد میں سے ہے۔ اسکا معنی سفید ہونا بھی ہے اور تباہ و برباد ہونا بھی ہے۔ لغت منتہی الارب مطبوعہ مطبع اسلامیہ لاہور جلد چہارم کے صفحہ ۱۷۵ کالم ۳۔ سطر ۱۲-۱۳ پر لکھا ہے:۔ بیضاء = بلاد سختی، گندم و جو بے پوست، آفتاب، زمین ویران، ضد عامر ـــــ عامر کا معنی ہے آباد، اسکی ضد بیضاء کا ایک معنی ہے تباہ و برباد۔ واضح رہے کہ عصاء اور ید بیضاء کا ذکر قرآن مجید میں پانچ مقامات پر آیا ہے اور ہر مقام پر دونوں کا ذکر لازم و ملزوم کی صورت میں بالکل ساتھ ساتھ لایا گیا ہے سورہ قصص میں ان دونوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ ۭ اِنَّهُمْ

کَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ۲۸/۳۲ یہ دو دلیلیں ہیں ربوبیت کی تیرے رب کی طرف سے عطا کردہ فرعون اور اسکے سرداروں کیلئے، بیشک وہ حد میں پھاندنے والی قوم ہے۔ یہ دو دلیلیں تھیں جو زبان سے پیش کی جانیوالی تھیں، جیساکہ حضرت موسیٰ نے حضورِ الٰہی میں عرض کی:۔ وَاَخِیْ ھٰرُوْنُ ھُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً ۲۸/۳۴ اور میرا بھائی ہارونؑ زبان کی رُو سے مجھ سے زیادہ فصیح ہے۔ اُسے میرے ساتھ مددگار بناکر بھیج۔

● عصا اور ید بیضاء کو دو دلیلیں ۲۸/۳۲ میں کہا گیا ہے۔ عصاء کی لغت اوپر گزر چکی ہے ڈنڈا۔ سہارا۔ جماعت اور قانون۔ ید کے متعدد معنوں میں ایک معنٰی جماعت بھی آپ اُوپر ملاحظہ فرما چکے ہیں اور بیضاء کا ایک معنٰی از روئے لغت تباہ و برباد بھی اُوپر گزر چکا ہے۔ اسلئے مرکب ید بیضاء کا معنٰی ہوا تباہ حال جماعت۔

● واضح رہے کہ ید کے لغوی معنے جماعت کیمطابق حضرت موسیٰ کو الگ الگ دو حکم دیئے گئے ہیں۔ اُن پر اس چیز کو ذہن میں محفوظ رکھتے ہوئے غور فرمائیں کہ حضرت موسیٰ کا فرض متعین کیا گیا تھا بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے آزاد کرنا۔

۱۔ وَاضْمُمْ یَدَكَ اِلٰی جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ ۲۰/۲۲ اور اپنی جماعت بنی اسرائیل کو اپنے دامنِ شفقت میں ضم کر لیجئے۔ وہ (فرعون کے استبداد کی چکی میں پسی ہوئی قوم اپنے چھنے ہوئے حقوقِ ربوبیت کے حصول کیلئے) بغیر کسی کمی کے تباہ حال نکل آئیگی۔

۲۔ وَاَدْخِلْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ ۲۷/۱۲ اور اپنی جماعت (قوم بنی اسرائیل) کو اپنی جھولی میں ڈال لیں، متحد کرلیں۔ وہ (مظلوم قوم اپنے حقوقِ ربوبیت کے حصول کی تحریک میں) بغیر کسی کمی کے تباہ حال نکل آئیگی۔

۳۔ اُسْلُكْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ ۲۸/۳۲ اپنی جماعت (قوم بنی اسرائیل) کو اپنے گریبان سے منسلک کر لیجئے۔ وہ (بوقت ضرورت احتجاجاً) تباہ حال نکل آئیگی۔

● دیکھئے! ان آیات کریمات میں حضرت موسیٰؑ کو ایک تو حکم دیا گیا ہے کہ آپ اپنی قوم کو اپنی جھولی میں ضم کرلیں (اُنہیں اپنی جھولی میں ڈال کر متحد کرلیں) اور دُوسری خبر دیگئی ہے کہ وہ تباہ حال نکل آئیگی۔ ان دونوں کا متبادل ذکر تصریف آیات کے ذریعہ سورہ یونس میں موجود ہے وَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰی وَاَخِیْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُیُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُیُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ ۱۰/۸۷ اور ہمنے موسیٰ اور اُسکے بھائی کو وحی کے ذریعہ حکم دیا کہ اپنی قوم (بنی اسرائیل) کو شہر میں گھر بنا کر (الگ بستی بسا کر) ٹھکانہ دو۔ نیز اپنے گھروں کو آمنے سامنے بناؤ اور اجتماعی نظام قائم کرو (یعنی باہمی تعاون کے ذریعہ ہر آن ایکدوسرے کی مدد کرتے رہو) یہ ہے اَدْخِلْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ، وَاضْمُمْ یَدَكَ اِلٰی جَنَاحِكَ اور اُسْلُكْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ کی تفسیر۔ حضرات موسیٰ و ہارون نے ایک الگ قرآنی بستی بساکر قوم بنی اسرائیل کو متحد کرلیا۔ اِس طرح تحریک ربوبیت کو کامیاب کرنے کیلئے ضرورت پڑنے پر ہزاروں تباہ حال افراد بطور احتجاج باہر نکل آئے تھے۔ اِس طرح حضرت موسیٰ نے فرعون پر ثابت کر دکھایا کہ انہوں نے جو قوم بنی اسرائیل کیلئے حقوق ربوبیت کا مطالبہ کیا تھا، اِس پر ربوبیتِ عالمینی کا عالمگیر قانون بھی بطور دلیل موجود تھا، اور اس تحریک کے پیچھے پوری قوم

بنی اسرائیل بطور احتجاج موجود تھی جو بوقتِ ضرورت تباہ شدہ باہر نکل آتی تھی۔

حضرت موسیٰؑ کی قوم بنی اسرائیل دیکھنے کیلئے واقعتہً تباہ حال ہو چکی تھی

● آیاتِ بالا میں حضرت موسیٰؑ کو اپنی تباہ حال قوم کو مجتمع کرنے اور انہیں تحریکِ ربوبیت کیلئے اپنے ساتھ ملانے کے احکام ہدیہ قارئین کئے جا چکے ہیں اسکے بعد وہ آیات مجیدہ پیش خدمت ہیں، جن میں اِن احکام کی تعمیل صورت بیان کیگئی ہے۔ پیچھے صفحہ ۔ پر سلسلۂ درس کی آئت مجیدہ ۷/۱۰۶ میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کے متعلق فرعون سے یہ مطالبہ کیا کہ اگر تو انہیں حقوقِ ربوبیت نہیں دیتا تو انہیں میرے ساتھ پُرامن ہجرت کرنے کی اجازت دیدے تاکہ وہ کسی اور جگہ جاکر اپنے جائز حقوقِ ربوبیت حاصل کریں۔ لیکن فرعون نے جواب دیا کہ اگر تو مطالبۂ حقوقِ ربوبیت میں سچا ہے اور اگر اسکے ضمن میں کوئی دلیل لایا ہے تو لا پیش کر۔ فرعون کے اس سوال کے جواب میں حضرت موسیٰ نے جو دو دلیلیں پیش کیں انکا ذکر اگلی آئت ۷/۱۰۷ میں بالفاظ ذیل آیا ہے:۔

فَأَلْقَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ ﴿١٠٧﴾

پھر پیش کیا سہارا اپنا ۔ پھر اچانک وہ تھا اژدھا ظاہر

وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنَّاظِرِينَ ﴿١٠٨﴾

اور نکالی قوم اپنی پھر اچانک تھی وہ تباہ حال واسطے دیکھنے والوں کے

اس پر (حضرت موسیٰؑ نے) اپنا عصا (تحریک کا سہارا عالمگیر قانونِ ربوبیت) پیش کیا۔ تو وہ (فرعون کیلئے) اچانک اژدھا جیسا ۲۷/۱۰ ، ۲۸/۳۱ تھا۔ اور اپنی قوم کو احتجاج کیلئے نکالا، تو وہ غور کرنیوالوں کے لئے واقعتہً اچانک تباہ حال تھی۔

● واضح رہے کہ سورہ شعراء میں بھی بالکل آیاتِ بالا ۷/۱۰۷-۱۰۸ والے الفاظ آئے ہیں جن میں یہی خبر دی گئی ہے کہ جب فرعون نے حضرت موسیٰ سے بنی اسرائیل کے حقوقِ ربوبیت کیلئے دلیل طلب کی تو ارشاد ہوا ہے:۔

● فَأَلْقَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ ۝ وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنَّاظِرِينَ ۝ ۲۶/۳۲-۳۳ پس موسیٰ نے اپنا عصا، سہارا تحریک، اللہ تعالیٰ کی ربوبیت عالمین کا ناقابلِ انکار ثبوت پیش کیا تو وہ فرعون کیلئے اچانک اژدھا جیسا تھا۔ (جو بنی اسرائیل کے غصبِ ربوبیت کے تمام فرعونی دلائل کو نگل گیا) نیز آپ نے اپنی قوم کو احتجاج کیلئے نکالا تو وہ غور کرنیوالوں کیلئے اچانک واقعتہً تباہ حال نکل آئی۔ بالفاظِ دیگر کسی بھی صاحب غور و تدبر کیلئے حضرت کے یدِ بیضاء، یعنی آپکی تباہ حال قوم بنی اسرائیل کو دیکھنے اور اسکی تباہ حالی پر غور کرنے کے بعد قانونِ ربوبیتِ عالمین کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کے سوا چارہ کار نہ تھا۔ چنانچہ جب فرعون اور اس کے درباری دلائلِ موسوی کے سامنے لاجواب ہوگئے تو فرعون نے باہر سے جادو بیان عُلماء کو بلایا تاکہ مذہبی دلائل کے تقدس کے ذریعہ حضرت موسیٰ کو قائل کرسکیں کہ ایک غیر ملکی قوم کو نہ متوازن حقوقِ ربوبیت کا حق حاصل ہے اور نہ ہجرت کا۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں مذکور ہے:۔

قَالَ الْمَلَأُ مِن قَوْمِ فِرْعَوْنَ إِنَّ هَٰذَا لَسَاحِرٌ

کہا سرداروں نے سے قوم فرعون کے ۔ بیشک یہ ہے جادو بیان

قوم فرعون کے سرداروں نے (لاجواب ہونے کے بعد) کہا کہ بیشک یہ (موسیٰ) ایک بہت بڑا جادو بیان عالم ہے۔ (اس کے

عَلِيْمٌ ﴿۱۰۹﴾
بڑا علم والا

دلائل کا جواب ہمارے پاس نہیں ہے)

يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾
ارادہ کرتا ہے کہ نکالدے تمکو سے زمین تمہارے ملک کے پھر کیا والا تم حکم کرتے ہو

یہ ارادہ کرتا ہے کہ تمہیں (فرعون اور اسکے حکام و عمال کو) تمہاری زمین سے نکال باہر کرے۔ پھر تم (اس کے بارے میں) کیا حکم دیتے ہو۔

قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِى الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۱۱۱﴾
کہا ڈھیل دے اسکے اور بھائی اسکے کو اور بھیج بیچ شہروں کے اکٹھا کرنیوالے

(قوم کے سرداروں نے (فرعون) کو کہا کہ تو اسے اور اسکے بھائی کو ڈھیل دے اور اپنے شہروں میں (علماء کو) اکٹھے کرنیوالے بھیج۔

يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۱۱۲﴾
آئیںگے پاس تیرے ساتھ ہر جادو بیان عالم کے

وہ (اکٹھا کرنیوالے) تیرے پاس ہر عالم جادو بیان کو لے آئینگے۔

لفظ سحر کی لغوی تحقیق

● لفظ سحر کا مادہ س-ح-ر = سحر ہے جسکا بنیادی معنٰی ہے دھوکا اور فریب۔ اس سے اسم فاعل ہے ساحر بمعنٰی دھوکا دینے والا۔ تاج العروس میں اسکا معنٰی لکھا ہے ایسا دھوکا جس سے پتہ ہی نہ لگے کہ کس طرح دھوکا دیا گیا ہے۔ صاحب محیط نے اسکا معنٰی لکھا ہے موڑنا۔ یعنی کسی چیز کو موڑ ماڑ کر اسے اُسکی غیر حقیقت میں پیش کرنا۔ صاحب تہذیب نے اسکا معنٰی کسی چیز کی اصل حقیقت کو غیر حقیقت کی طرف پھیر کر دھوکا دینا لکھا ہے۔

● اسی مادہ سے لفظ سحر ہے جو رات کے اسوقت کو کہتے ہیں جب صبح کی ابتدا ہو رہی ہو۔ تو اسوقت دھوکا لگتا ہے کہ ابھی پو پھٹی نہیں، حالانکہ پو پھٹ چکی ہوتی ہے عنز مَسْحُوْرٌ اس بھیڑ کو کہتے ہیں جس کے تھن تو لمبے لمبے ہوں مگر دودھ تھوڑا دیتی ہو۔ المختصر، اس مادہ کے بنیادی معنوں کے مطابق سحر کا معنٰی دھوکا ہے، جادو کا تو دنیا بھر میں وجود تک موجود نہیں۔ جو لوگ جادو کے کھیل دکھاتے ہیں، انکی حقیقت اسکے سوا نہیں ہوتی کہ وہ تماشہ دیکھنے والوں کو دھوکا دیتے ہیں۔ رسّی کا سانپ نہیں بنتا، بلکہ سانپ انکے پاس موجود ہوتا ہے، لوگوں کو دکھاتے ہیں رسّی مگر ہاتھ کی صفائی کیساتھ ٹوکری کے نیچے رکھ دیتے ہیں سانپ۔ اِس کے بعد جب ٹوکری اٹھا کر دکھاتے ہیں تو لوگ سمجھ لیتے ہیں کہ رسّی کا سانپ بن گیا ہے۔

● قرآن مجید میں مادہ سحر کا معنٰی دھوکا موجود ہے۔ $\frac{۲۳}{۸۶ \text{ تا } ۸۹}$ میں آیا ہے قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ...... قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ۝ اے رسول! ان سے پوچھیگا کہ ان گنت آسمانوں اور اس عظیم سلطنت کا رب کون ہے۔ ضرور کہینگے کہ اللہ ہے ...... آپ کہدیجیئگا کہ پھر تم کو خدا کے ساتھ شریک ٹھہرانے میں کہاں سے سحر

ہو گیا ہے، کہاں سے دھوکا لگ گیا ہے۔ قرآنی لغت کے مطابق سحر کا معنیٰ تقابل ضدین کے ذریعہ جھوٹ بھی بتایا گیا ہے۔ ۱۰/۷۶ میں آیا ہے فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِندِنَا قَالُوٓا إِنَّ هَٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِينٌ ؕ پس جب انکے پاس ہماری طرف سے حق سچ آگیا تو انہوں نے کہا یہ ظاہرا سحر ہے جھوٹ ہے۔ دیکھئے یہاں حق کی ضد بتائی ہے سحر، اور حق کی ضد جھوٹ ہے جادو نہیں۔ آیات بالا میں ایسے سٰحِرٌ عَلِيمٌ، ایسے عالموں، مذہبی علماء کو کہا گیا ہے جو مذہب کے تقدس کے پردے میں عوام کو دھوکا دیتے ہیں۔ آج کے دور میں بھی علماء کرام نے عوام کو دھوکا دے رکھا ہے کہ جو لوگ بھوکے ننگے ہیں، انکی قسمت میں خود اللہ تعالیٰ نے بھوک ننگ لکھی ہوئی ہے اور جو لوگ آسودہ حال ہیں، انکی قسمت میں آسودگی خود اللہ تعالیٰ نے لکھی ہوئی ہے۔

● حالانکہ ۱/۱ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے مطابق ربوبیت عالمین میں ہر فرد معاشرہ برابر کا حقدار ہے۔ اس دور کے علماء نے چونکہ مسئلہ ربوبیت کو غلط سمت کی طرف موڑ کر لوگوں کے اذہان میں مذہبی طور پر راسخ کر دیا تھا کہ بنی اسرائیل غیر ملکی ہیں، اس لئے ان کے حقوق مصریوں کے برابر نہیں ہیں۔ مصری لوگ اپنے آپکو حضرت یوسفؑ کے پیروکار مانتے تھے اور کہتے تھے لَن يَبْعَثَ اللّٰهُ مِنۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ۴۰/۳۴ اللہ تعالیٰ اس (یوسف) کے بعد کوئی رسول نہیں بھیجیگا۔

● المختصر، سحر کا معنیٰ ہے جھوٹ اور دھوکا۔ اور ساحر کا معنیٰ ہے جھوٹ کو سچ کر دکھانے والا۔ اور سٰحِرٌ عَلِيمٌ کا معنیٰ ہے ایسا عالم جو بات کو موڑ ماڑ کر جھوٹ کو سچ کر دکھائے۔ چنانچہ فرعونیوں نے حضرت موسیٰؑ کو بھی انکے دلائل سننے کے بعد سٰحِرٌ عَلِيمٌ کہا ۷/۱۰۹ جادو بیان عالم۔ اور عالموں کو بھی سَحَّارٍ عَلِيمٍ کہا ۲۶/۳۷ جادو بیان علماء۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بتایا ہے کہ:۔

وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوٓا إِنَّ لَنَا

اور آئے جادو بیان علماء پاس فرعون کے کہا بیشک واسطے ہمارے

لَأَجْرًا إِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ۝ ۱۱۳

ضرور ہے بدلہ اگر ہوں ہم، ہم غالب آنیوالے

اور (فرعون کے بلانے پر) فرعون کے پاس جادو بیان علماء آگئے انہوں نے (فرعون کو) کہا کہ اگر ہم غالب آگئے تو ہمیں اسکا ضرور ضرور بدلہ ملنا چاہیئے۔

قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝ ۱۱۴

کہا ہاں اور بیشک ہوگے تم ضرور میں سے مقربین کے

(فرعون نے) کہا ہاں، اور بیشک تم میرے مقربین میں ہو جاؤ گے۔ تمہیں میں اپنی کابینہ میں شامل کر لونگا۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى إِمَّآ أَنْ تُلْقِيَ وَإِمَّآ أَنْ نَّكُوْنَ

کہا اے موسیٰ کیا یہ کہ تو پیش کریگا اور یا کہ ہم ہوں

نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ۝ ۱۱۵

ہم پیش کرنیوالے

(باہر سے آنیوالے سحر بیان علماء نے) کہا اے موسیٰ آپ (اپنے دلائل) پیش کرینگے یا ہم پیش کریں۔

قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّاۤ اَلْقَوْا سَحَرُوْۤا اَعْیُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِیْمٍ ۝۱۱۶	(اس پر حضرت موسٰیؑ نے (فرمایا، تم (اپنے دلائل) پیش کرو۔ پھر جب انہوں نے (اپنے دلائل) پیش کئے تو (فرعون کی ملکیت مصر کے جھوٹے جاہ وجلال کے اظہار کیساتھ) عوام کی نگاہوں کو دھوکا دیا (ان میں خیرگی پیدا کردی) اور انہیں (فرعون کے غیظ وغضب سے) ڈرایا۔ اور وہ (بنی اسرائیل کے غصبِ حقوقِ ربوبیت کی ایک بہت بڑی پُرفریب دلیل لائے۔
کہا پیش کرو پھر جب پیش کیا دھوکا دیا آنکھوں لوگوں کو اور ڈرایا ان کو اور آئے ساتھ دھوکے بڑے کے	

تفسیر بذریعہ تصریفِ آیات

● ۱۱۶ – واضح رہے کہ سَحَرُوْۤا اَعْیُنَ النَّاسِ اور وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ معطوف معطوف علیہ کے دونوں جملوں کو متصل رکھ کر مفہوم سمجھنا لازم ہے۔ اوّل الذکر میں آیا ہے کہ باہر سے آنیوالے مسحر بیان علماء نے لوگوں کی آنکھوں پر سحر کر دیا۔ اسکا معنی عام مترجمین نے یہ لکھا ہے کہ انہوں نے جادو کے ذریعہ لوگوں کی نظر بندی کر دی۔ اِس سے ثابت ہُوا کہ اگر ساحرینِ فرعون نے رسیاں اور سوٹیاں پھینکی تھیں تو وہ سانپ نہیں بنی تھیں۔ بلکہ لوگوں کی نگاہوں کو دھوکا دیا گیا تھا ۲۰/۶۶ میں بھی اسی چیز کی تائید موجود ہے کہ جب مذکورہ علماء نے اپنی رسیاں اور سوٹیاں پیش کیں تو فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِیُّهُمْ یُخَیَّلُ اِلَیْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰی پس اچانک انکی رسیوں اور سوٹیوں کے متعلق انکی سحر بیانی سے موسٰیؑ کے خیال میں آیا کہ وہ دوڑتی ہیں۔ دیکھئے یُخَیَّلُ اِلَیْهِ کے الفاظ نے کس طرح کھول کر رکھ دیا ہے کہ اگر انہوں نے واقعۃً رسیاں اور سوٹیاں پھینکی تھیں تو وہ سانپ نہیں بن گئیں تھیں بلکہ حضرت موسٰیؑ کے صرف خیال ہی میں آیا تھا کہ وہ دوڑتی ہیں۔ اِسی طرح عصاءِ موسٰیؑ عالمگیر قانونِ ربوبیت کے متعلق ۲۷/۱۰ + ۲۸/۳۱ میں کَاَنَّهَا جَآنٌّ کے الفاظ سے ثابت ہے کہ وہ سانپ نہیں تھا بلکہ سانپ کی طرح ہلچل مچا دینے والا تھا۔

● واضح رہے کہ سَحَرُوْۤا اَعْیُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ کے معطوف اور معطوف علیہ کے جملہ معطوفہ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ میں باری تعالٰی نے خبر دی ہے کہ ساحرینِ فرعون نے عوام کو فرعون کے جبر وتشدّد اور غیظ وغضب سے ڈرا کر انکی آنکھوں میں خیرگی پیدا کر دی تھی۔ جیسے کہ سورہ شعراء میں علماءِ فرعون نے فرعون کے غلبے کو بطور دلیل پیش کیا تھا۔ فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِیَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ ۲۶/۴۴ پس انہوں نے اپنی رسیاں اور سوٹیاں (یعنی بنی اسرائیل کے غصبِ حقوقِ ربوبیت کی دلیلیں) پیش کیں اور کہا کہ بلاشبہ **غلبہِ فرعون** کی بدولت ہم ہی غالب آنیوالے ہیں۔

● ایک طرف بنی اسرائیل کے حقوقِ ربوبیت کے غصب کی دلیل فرعون کا ملکی قانون تھا دوسری طرف علماءِ فرعون نے اس پر خود ساختہ مذہبی قوانین کے ذریعہ انہیں محرومِ ربوبیت ثابت کرنے کے لئے اپنے حبال اور عصی پیش کئے۔ حبال، حبل کی جمع ہے قرآن مجید میں اسکا معنی قانون آیا ہے وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا ۳/۱۰۳ اللہ کی رسی اُسکے قانون قرآنِ مجید کو مضبوط تھام لو۔ اسی طرح عصی جمع ہے عصاء کی۔ اور عصا کا معنی قانون پیچھے صفحہ ۲۳۰ پر ثابت کیا جا چکا ہے۔ پس علماءِ فرعون نے عوام کو فرعون کے غیظ وغضب سے ڈرایا اور اسکے حق میں خود ساختہ قوانین پیش کئے۔ اُدھر خود فرعون نے عوام کو مخاطب کر کے سرزمینِ مصر پر اپنا بادشاہی حق جتا

ہوئے کہا :-

● قَالَ یٰقَوْمِ اَلَیْسَ لِیْ مُلْکُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ ۴۳/۵۱ فرعون نے کہا اے میری قوم کیا ملکِ مصر میرا نہیں ہے ۔ اور کیا اسکے دریا میرے حکم کے ماتحت نہیں بہتے ؟ پھر تم کیوں عقل نہیں کرتے ۔۔۔ ان الفاظ میں فرعون نے اس استبدادی عقیدے کی نشاندہی کی کہ زمین اور اسکے خزانوں کے مالک بادشاہ ہوتے ہیں ۔ سیاسی ضرورت کیمطابق وہ جسے چاہیں خوشحال کریں اور جسے چاہیں کمزور کر دیں جیسے کہ ۲۸/۴ کا حوالہ پیچھے گزر چکا ہے کہ فرعون نے بنی اسرائیل کو کمزور کر رکھا تھا ۔ سلسلۂ درس کی آیتِ بالا ۷/۱۱۶ کیمطابق علماءِ فرعون نے غلبۂ فرعون پیش کیا اور بنی اسرائیل کے غصب حقوقِ ربوبیت کے حق میں اپنی رسیاں اور سوٹیاں یعنی کمزور اور بودے دلائل پیش کئے ۔ حضرت کیطرف سے ردِ عمل کے متعلق ، سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بالفاظِ ذیل ارشاد ہوا ہے :-

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ
اور وحی کی ہمنے طرف موسیٰ کے کہ پیش کر قانونِ ربوبیت اپنا

اور ہمنے موسیٰ کو وحی فرمائی کہ آپ اپنا عصا (عالمگیر قانونِ ربوبیت عامہ) پیش کریں (پھر جب آپنے اُسے پیش کیا تو) وہ اچانک اُن

فَاِذَا هِیَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ۝ ج ۱۱۷
پھر اچانک وہ نگل گیا جو انہوں نے بہتان باندھا

تمام بہتانوں کو نگل گیا جو انہوں نے باندھے تھے

فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ج ۱۱۸
پھر ثابت ہوا حق اور جھوٹا ہو گیا جو تھے وہ عمل کرتے

پھر حق ثابت ہو گیا اور (بنی اسرائیل کے غصبِ حقوقِ ربوبیت کا جو عمل وہ کرتے چلے آرہے تھے) جھوٹا ثابت ہو گیا ۔

● یلہ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ کے الفاظ میں تلقف کا سہ حرفی مادہ ل ۔ ق ۔ ف لقف بمعنی نگل جانا ہے جو مجاز کے طور پر نمایاں کامیابی کے اظہار کیلئے آتا ہے ۔ اور یافکون کا مادہ ا ۔ ف ۔ ک افک بمعنی بہتان باندھنا ہے ۔ یعنی حضرت موسیٰ کا عصا ، عالمگیر قانونِ ربوبیتِ عالمینی اُن تمام دلائل کو نگل گیا جو علماءِ فرعون نے فرعون کے حقِ ملوکیت اور بنی اسرائیل کے غصبِ حقوقِ ربوبیت کیلئے اِفکاً یعنی بہتاناً اللہ تعالیٰ کے ذمہ لگائے تھے ۔

دلائل کا تقابل تھا ، شعبدہ بازی کا مقابلہ نہیں تھا

● واضح رہے کہ افک کا معنیٰ جادو نہیں کہ مَا يَاْفِكُوْنَ کا معنیٰ یہ کیا جائے کہ جو انہوں نے جادو کے ذریعہ سانپ بنائے تھے ۔ بلکہ اسکا معنیٰ بہتان باندھنا ہے ۔ ۲۴/۱۱ میں آیا ہے ۔ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ وہ آئے ساتھ بہتان کے ۔ ۳۷/۱۵۱-۱۵۲ میں آیا ہے ۔ اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ۝ وَلَدَ اللّٰهُ خبردار وہ اپنے بہتان کیساتھ کہتے ہیں کہ اللہ نے بیٹا بنایا ہے ۔۔۔ پس لفظ افک کے معنوں کے مطابق علماءِ فرعون نے فرعون کے حق میں اور بنی اسرائیل کے حقوقِ ربوبیت کیخلاف اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھ کر جو غلط دلائل دیتے تھے ، اُن دلائل کو حضرت موسیٰ کی پیش کردہ عالمگیر ربوبیت عالمینی کی لاجواب دلیل کھا گئی ۔ نہ یہ کہ بنی اسرائیل کے حقوقِ ربوبیت کے جواز و عدم جواز کا فیصلہ اس چیز پر رکھا گیا تھا کہ سانپ بنا کر میدان میں چھوڑیں ، جسکا سانپ مدِ مقابل کے سانپوں کو کھا جائے اُسے غالب مانا جائے ۔ العجب !

● ذرا غور کیجئے کہ اگر سانپ بنانے کا تقابل تسلیم کیا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ زندگی دینا تو صرف اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفت ہے۔ حضرت موسیٰ نے تو بقول روایات صرف ایک ڈنڈے میں زندگی پیدا کر دی معجزانہ طور پر، لیکن ساحرین فرعون کس طرح خدائی اختیارات کے مالک ہو گئے اور کس طرح ایک نہیں بلکہ ودجنوں سرٹیوں اور رسیوں میں جان ڈالدی؟ —— واضح رہے کہ دلائل کا مقابلہ تھا چنانچہ مَا یَأْفِکُوْنَ کے قرآنی الفاظ کی ناقابل تردید سند کیمطابق ساحرین فرعون نے اپنے دلائل میں خدا تعالیٰ پر بہتان باندھا تھا مگر جب حضرت موسیٰ نے اپنا عصاء عالمگیر قانون ربوبیت عالمین پیش کیا تو علماء فرعون وہیں موقعہ ہی پر شکست یاب ہو گئے۔

فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ۱۱۹

پس ہار گئے وہاں اور لوٹے مطیع ہوکر

پس (علماء فرعون) وہیں مغلوب ہو گئے۔ اور (حضرت موسیٰ کے) مطیع ہوکر (وہاں سے) لوٹے۔

وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ۱۲۰

اور گرے جادوبیان علماء سجدہ کرتے ہوئے

اور (نتیجہ یہ ہوا کہ) وہ جادو بیان علماء سجدہ میں گر گئے (یعنی انہوں نے شکست تسلیم کر لی)۔

قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۱۲۱

کہا ایمان لائے ہم ساتھ رب جہانوں کے

انہوں نے کہا کہ ہم عالمین کے رب پر ایمان لے آئے ہیں (ہم رب تعالیٰ کا عالمگیر قانون ربوبیت عامہ تسلیم کر لیا ہے)

رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۱۲۲

رب موسیٰ کا اور ہارون کا

ہم موسیٰ کے رب پر اور ہارون کے رب پر ایمان لے آئے ہیں (یعنی موسیٰ اور ہارون کا پیش کردہ نظریہ ربوبیت صحیح ہے)۔

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ

کہا فرعون نے تم ایمان لائے ہو ساتھ اسکے پہلے کہ میں اجازت دوں

(اس پر وہیں) فرعون نے کہا کہ تم اس سے پہلے اس پر ایمان لائے ہو کہ میں تمہیں اجازت دوں۔

لَكُمْ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ

واسطے تمہارے بیشک یہ ہے تجویز جو تجویز کی تم نے وہ بیچ شہر کے

لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۱۲۳

تاکہ نکالو تم سے اس کے اہل اسکے پس ضرور تم جان لوگے

بیشک یہ (تم سب کی مشترکہ) تجویز[1] ہے جو تم نے اس ملک[2] کے متعلق کی ہے کہ تم اسکے وارثوں کو اس سے نکالدو۔ پھر تم اس کا نتیجہ ضرور جان لوگے۔ [2] یہاں فِی بمعنی کے متعلق ہے اور یہاں المدینہ سے مراد ملک مصر ہے۔

لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ

ضرور کاٹونگا ہاتھ تمہارے اور پاؤں تمہارے بوجہ بغاوت کے

ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۱۲۴

پھر ضرور سولی دونگا تمکو سب کو

میں ضرور تمہاری بغاوت[3] کے بدلے تمہارے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دونگا (یعنی ہاتھوں میں ہتھکریاں اور پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر قید کر دونگا[4])۔ اور پھر تم سب کو سولی دیدونگا۔

● [1] مَکْرٌ مَّکَرْتُمُوْهُ کے الفاظ میں فرعون نے کہا کہ باہر سے آئے ہوئے علماء نے موسیٰ سلام علیہ کیساتھ مل کر اس ملک

کے وارثوں (خاندانِ فرعون) کو یہاں سے نکال دینے کی تجویز کی ہے۔ سورہ شعرآ میں اسکے متعلق فرعون کے یہ الفاظ آئے ہیں:-
قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۚ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ...
۲۶/۴۹ فرعون نے کہا، تم اس سے پہلے ایمان لے آئے ہو کہ میں تمہیں اجازت دوں۔ بیشک یہ (موسیٰ) تمہارا بڑا ہے جس نے تمہیں اس دھوکا دہی کی تجویز سکھائی ہے۔ پس تم ضرور اسکا نتیجہ جان لوگے۔ میں تمہاری اس بغاوت کے عوض تمہارے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پیروں میں بیڑیاں ڈالکر قید کرونگا اور پھر تم سب کو سُولی دونگا ——— المختصر باہر سے آئیوالے علماء کے ایمان لانے کو فرعون نے انکی موسیٰ کیساتھ مشترکہ باغیانہ تجویز قرار دیا اور حضرت موسیٰ کو انکا استاد و سرغنہ قرار دیا۔

● ۱؎ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ کا معنی اُلٹے ہاتھ پاؤں کاٹنا نہیں، بلکہ مِنْ خِلَافٍ کا معنی ہے بوجہ یعنی بسبب بغاوت کے اور یہاں مِنْ بمعنی وجہ ہے۔ پوری تفصیل پیچھے سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۳۳ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

● سُورہ طٰہٰ میں بھی فرعون کے بالکل یہی الفاظ آئے ہیں اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ ۲۰/۷۱ بیشک وہ (موسیٰ) تمہارا بڑا ہے جس نے تمہیں دھوکا دہی کی تجویز سکھائی ہے۔ پس میں تمہاری بغاوت کی بدولت تمہارے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پیروں میں بیڑیاں ڈالکر قید کر دونگا۔ اور پھر تمہیں سولی دیدونگا۔ مگر انہوں نے جواب دیا:-

قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۱۲۵
کہا بیشک ہم طرف رب اپنے لوٹنے والے ہیں
وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ
اور نہیں تُو انتقام لیتا ہم سے مگر کہ ایمان لائے ساتھ آیتوں
رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ؕ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا
رب اپنے جب آئیں ہمارے پاس اے رب ہمارے ڈال دے اوپر ہمارے
صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ۱۲۶ ع ۱۴ / ۱۸
استقامت اور فوت کر ہم کو فرمانبردار

(فرعون کے حق شناس علماء نے کہا) بلاشبہ ہم اپنے رب کیطرف لَوٹنے والے ہیں (ہم اپنے رب کی عالمگیر ربوبیّتِ عامہ پر ایمان لائے ہیں۔ اور (اے فرعون!) تو ہم سے صرف اس چیز کا انتقام لیتا ہے کہ ہم رب کی آیتوں پر جبکہ وہ ہمارے پاس آگئی ہیں، ایمان لائے ہیں اے ہمارے رب تو ہمیں استقامت عطا فرما اور ہمیں موت دینا اس حالت میں کہ ہم تیرے فرمانبردار ہوں (ہم چاہتے ہیں کہ فرعون کی سختی کے باوجود تیرے فرمانبردار رہکر مریں)۔

● سورہ طٰہٰ میں اِن حق شناس علماء کا یہ جواب درج ہے:-
● قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ؕ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۲۰/۷۲-۷۳ = (فرعون کے حق پسند علماء نے) کہا ہم تجھے اُن واضح دلائل پر جو ہمارے پاس آگئے ہیں اور اُس ذات پر جس نے ہمیں پیدا کیا ہے ہرگز ترجیح نہیں دینگے۔ تُو ہمارے متعلق جو بھی فیصلہ کرنا چاہتا ہے کر دے۔ ہم اپنے رب (کی عالمگیر ربوبیّتِ عامہ) پر ایمان لے آئے ہیں تاکہ وہ ہماری

خطائیں معاف کر دے ۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بھلائی والا اور بڑھ کر باقی رہنے والا ہے ۔

● علماءِ حق شناس کی اس حق پسندی کا فرعون اور اسکے سرداروں پر کوئی اثر نہ ہُوا ۔ بلکہ قوم فرعون کے سرداروں نے فرعون کو کہا :-

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى
اور کہا سرداروں نے قوم فرعون کے کیا تُو چھوڑتا ہے موسیٰ

وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَ
اور قوم اسکی تاکہ بغاوت کریں بیچ زمین کے اور وہ چھوڑ دیں تجھے اور

اٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْىٖ
حکام تیرے کو ۔ کہا ضرور ہم قتل کرینگے بیٹے ان کے اور زندہ رکھینگے

نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ○ ۱۲۷
عورتیں اُن کی اور بیشک ہم اُوپر اُنکے غالب آنیوالے ہیں

اور قوم فرعون کے سرداروں نے (فرعون کو) کہا ، کیا تُو موسیٰ اور اسکی قوم کو (آزاد) چھوڑتا ہے تاکہ وہ (تیری حکومت کی) زمین میں بغاوت پھیلائیں اور تجھے بھی چھوڑ دیں (یعنی تیرے اختیارات ربوبیت کا بھی انکار کر دیں[۱]) اور تیرے حکام کو بھی چھوڑ دیں (انکا حکم بھی نہ مانیں) اُس نے کہا ضرور ہم اُنکے ابناء القوم (تحریکِ ربوبیت میں آگے بڑھ کر حصّہ لینے والوں) کو قتل کرینگے اور (پیچھے رہنے والے عورت صفت افراد کو زندہ رکھیں گے اور بیشک ہم اُن پر غالب آنیوالے ہیں[۳]

● [۱] يَذَرَكَ کا لفظی معنٰی یہ ہے کہ وہ تجھے چھوڑ دیں گے ۔ مگر چونکہ حضرت موسیٰ نے قوم سے اُسکے دعویٰ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى $\frac{79}{24}$ کا انکار کروا دیا تھا اسلئے اِس سے اُسکی ربوبیت کا انکار مراد ہے ۔

● [۲] اٰلِهَه جمع ہے اِلٰہ کی اور اِلٰہ کا معنٰی ہے حاکم اسلئے اٰلِهَتَكَ کا معنٰی ہے تیرے مقرر کردہ حکام ۔ پیچھے صفحہ ۔ پر ثابت کیا جا چکا ہے کہ فرعون ، اُسکے سردار اور اسکی قوم ، سب خدا تعالیٰ کی ہستی کو مانتے تھے ۔ یہاں چونکہ فرعون کو بغاوت کا خطرہ پیدا ہو چکا تھا اسلئے سرداران فرعون نے کہا کہ اگر تُو موسیٰ اور اُسکی قوم کو آزاد چھوڑتا ہے تو وہ تیرے ربِّ اعلیٰ کے اعلان کا بھی انکار کر دیں اور تیرے مقرر کردہ حکام کا حکم بھی نہیں مانیں گے ۔ ملک میں بغاوت پھیلا دیں ۔

● [۳] فرعون نے بغاوت کو کچلنے کیلئے اعلان کیا کہ ہم اُنکے ابناء القوم کو قتل کر دینگے جو تحریک میں آگے بڑھ کر حصّہ لینگے اور جو پیچھے رہ جائینگے عورت صفت افراد ہیں اُنہیں زندہ چھوڑ دینگے ۔ فرعون کے اِس اعلان کے جواب میں حضرت موسیٰ نے اپنی قوم کو مستقل مزاج رہنے کا حکم دیا :-

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ
کہا موسیٰ نے واسطے قوم اپنی کے مدد چاہو اللہ سے اور ثابت قدم رہو

اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ
بیشک ہے زمین واسطے اللہ کے وارث کرتا ہے اُسکا جسے چاہتا ہے سے

(فرعون کے مذکورہ بالا اعلان کے جواب میں) حضرت موسیٰ نے قوم کو کہا کہ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو اور ثابت قدم رہو ۔ (حالات کا مقابلہ مستقل مزاجی کیساتھ کرو) بلاشبہ زمین اللہ کی ہے (فرعون کی نہیں ہے) ۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے بھی زمین کا

عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ○ ۱۲۸
بندوں اپنے اور انجام ہے واسطے بچنے والوں

وارث بناتا ہے اپنے قانونِ مشیت کیمطابق بناتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بہتر انجام قوانینِ الٰہی کی نگہداشت کرنیوالوں کا ہوتا ہے۔

● سلہ زمین اللہ کی ہے یعنی اِس پر ملکیت کا دعویٰ شرک ہے۔

زمین کی وراثت طاقت سے ملتی ہے

● سلہ وراثتِ ارضی کا قانونِ مشیت ہے طاقت۔ چنانچہ بنی اسرائیل کی مغضوبیا کی بدولت اُن سے حکومت کے چھن جانے کا ذکر کرنے کے بعد ۳/۱۱۲ میں بتایا گیا ہے:۔ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ = وُہ جہاں کہیں بھی ہوں ان پر غلامی مسلط کر دی گئی سوائے اسکے کہ یا تو وہ حَبْلُ اللّٰه کیساتھ غلامی سے نکل سکیںگے اور یا حَبْلٌ مِّنَ النَّاسِ کیساتھ۔ حبل کا معنی ہے قانون۔ پس اِس آیتِ مجیدہ میں غلامی سے نکلنے کے دو طریقے بتائے گئے ہیں، یعنی یا تو اللہ تعالیٰ کے عادلانہ قانون کے ذریعہ طاقت حاصل کی جا سکتی ہے اور یا انسانوں کے بنائے ہُوئے ظالمانہ قانون کیساتھ طاقت حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ بنی اسرائیل کا مشاہدہ گواہ ہے کہ جنہیں کرۂ ارض پر چپہ بھر زمین کی حکومت حاصل نہیں تھی جب انہوں نے انسانوں کے بنائے قانون کے ذریعہ بڑی حکومتوں سے طاقت حاصل کر لی تو درجنوں مسلمان حکومتوں کے وسط میں اُنکی حکومت قائم ہو چکی ہُوئی ہے ۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں آیا ہے کہ جب فرعون نے اپنے اعلان کے مطابق بنی اسرائیل پر سختی کی تو انہوں نے حضرت موسیٰ کو کہا:۔

قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ
کہا ایذا دئے گئے ہم سے پہلے کہ تو آیا پاس ہمارے اور سے
بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ
پیچھے جو آیا تو پاس ہمارے کہا قریب ہے رب تمہارا کہ ہلاک کرے
عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ
دشمن تمہارے کو اور جانشین بنائے تمکو بیچ زمین کے پھر وہ دیکھے
كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ○ ۱۲۹ ع
کیسے تم عمل کرتے ہو

(قوم بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ کو) کہا کہ آپکے آنے سے پہلے بھی ہم ایذا دئے جاتے تھے اور آپکے آنے کے بعد بھی (ہم ایذا دئے جا رہے ہیں۔ اِس پر حضرت موسیٰ نے) کہا قریب ہے کہ (تمہاری مستقل مزاجی کی بدولت) تمہارا پروردگار تمہارے دشمن فرعون کو ہلاک کر دے اور تمہیں زمین میں اسکا جانشین بنا دے۔ پھر وہ دیکھیگا کہ (حکومت میسر آنے کے بعد) تم کیسے عمل کرتے ہو۔ (کیا تم عوام کے حقوقِ ربوبیت ادا کرتے ہو یا نہیں)۔

فرعونیوں پر قحط کا عذاب

● اسکے بعد تحریکِ آزادی کو کچلنے کیلئے جب فرعون نے سختی شروع کر دی۔ دلائل کی رُو سے جھوٹا ہو چکنے کے باوجود نہ اُنکے حقوقِ ربوبیت تسلیم کئے اور نہ انہیں ہجرت کی اجازت دی۔ تو حضرت موسیٰ نے احتجاج کے طور پر مختلف شعبوں میں ترکِ کار شروع کرا دی۔ مصر کے زرخیز کھیتوں میں مشقت کرتے تھے بنی اسرائیل، اور اُنکی محنت کا ماحصل لے جاتے تھے مصری۔ حضرت موسیٰ نے کھیت مزدوروں سے ترکِ کار کرا دی، جس کے نتیجے میں قحط پڑ گیا۔ چنانچہ اگلی

آیت مجیدہ میں یہی خبر دی گئی ہے :۔

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ
اور بیشک پکڑا ہم نے قوم فرعون کو ساتھ قحط کے

وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ○ ۱۳۰
اور کمی سے پھلوں کی تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں

اور بلا شبہ ہمنے قوم فرعون (کی ضد کی بدولت) اُسے قحط سالی میں مبتلا کر دیا۔ اور پھلوں کی پیداوار میں کمی ہوگئی۔ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں (یعنی بنی اسرائیل کے حقوق ربوبیت تسلیم کریں)۔

● لیکن قوم فرعون نے انتہائی ڈھٹائی کیساتھ رزق کی فراخی کو اپنی طرف منسوب کیا اور قحط کو حضرت موسیٰ اور آپکی قوم کی نحوست قرار دیا ہے۔

فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ
پس جب آتی پاس انکے بھلائی کہتے واسطے ہمارے ہے یہ

وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى
اور اگر پہنچے انہیں برائی نحوست ٹھہراتے ہیں طرف سے موسیٰ

وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ
اور جو ہیں ساتھ اُسکے۔ خبردار یقیناً نحوست انکی طرف سے اللہ کے

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ ۱۳۱
اور لیکن بہت اُنکے نہیں وہ جانتے

پس جب (بنی اسرائیل کی محنت شاقہ کی بدولت) اُنہیں فراوانی میسّر آتی تو (اُسے اپنی طرف منسوب کرکے) کہتے " یہ ہمارے لئے ہے۔ کیونکہ زمین اور باغات ہمارے ہیں) اور اگر (بنی اسرائیل کے ترک کار سے) اُن پر قحط آجاتا تو اُسے موسیٰ اور اُن کے ساتھیوں کی نحوست قرار دیتے۔ خبردار اُن کی نحوست (اُن کی ضد کی بدولت) اللہ کے قانون کیمطابق تھی۔ ولیکن اُن کی اکثریت جانتی ہی نہیں تھی (کہ زمین کا مالک اللہ ہے اور فصلیں اور پھل محنت کے بغیر میسّر نہیں آتے)۔

● حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل سے ترک کار کروا کر ثابت کر دیا کہ انہیں بنی اسرائیل کی محنت سے غلہ میسّر آتا ہے۔ لیکن انہوں نے کہا۔

وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا
اور کہا جو بھی تو لائے ہمارے پاس ساتھ اسکے سے نشانی تاکہ تو دھوکا دے ہمکو

بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ○ ۱۳۲
ساتھ اسکے پس نہیں ہم ساتھ تیرے ایمان لانیوالے

اور (فرعونیوں نے) کہا تُو جو بھی نشانی لائیگا کہ تو اُس کے ذریعہ ہمیں دھوکا دے (کہ بنی اسرائیل کے حقوق مصریوں کے برابر ہیں) تو جان لے کہ ہم اس پر ایمان لانیوالے نہیں ہیں۔ (ہم پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوسکتا)۔

طوفان، ٹڈی دل، چیچڑیوں، مینڈکوں اور فسادِ خون کی متعدی بیماریوں کے عذاب

● اسکے بعد حضرت موسیٰ نے فرعونیوں پر مزدوروں کی محنت کی اہمیت کا عملی ثبوت پیش کرنے کیلئے دوسرے شعبوں میں بھی بنی اسرائیل سے ترکِ کار کے ذریعہ احتجاج کرانا شروع کر دیا۔ چنانچہ جب شعبۂ انسدادِ سیلاب کے منصوبوں بنی اسرائیل نے کام

چھڑا دیا تو صدیوں کے آرام طلب اور سہل انگار فرعونی سیلاب پر قابو نہ پا سکے اور موسم برسات میں طوفان کی روک تھام نہ ہو سکی اس لئے پانی دارالسلطنت کے گھروں میں گھس آیا۔ اسی طرح جب شعبۂ ٹڈی دل کے بنی اسرائیل محنت کاروں نے ترکِ کار کر دی تو ٹڈی دل نے ملک میں تباہی مچا دی۔ فی زمانہ ترکِ کار کو ہڑتال کہا جاتا ہے۔ چنانچہ ہر شعبہ کے محنت کش بنی اسرائیل مزدوروں کی ترکِ کار / ہڑتالوں کی بدولت معاشرہ طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا ہو گیا۔ طوفان کی بدولت بستیاں سیم زدہ ہو گئیں، آب و ہوا بے حد مرطوب ہو گئی، اسلئے حشرات الارض، چچڑیوں کی بہتات باعثِ عذاب بن گئی، نیز فسادِ خون کی بیماریاں پھوٹ پڑیں۔ ساتھ ہی جب طوفان کا پانی اُترا تو مینڈکوں کی بہتات پیچھے چھوڑ گیا، جس نے معاشرہ کی زندگی حرام کر دی اب چونکہ یہ سب پروگرام اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت موسیٰ کے ذریعہ قوم بنی اسرائیل کو خود دیئے تھے، اسلئے انہیں اس نے اپنی طرف منسوب کیا ہے :-

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ

پس بھیجا ہمنے اوپر انکے سیلاب اور ٹڈی دل اور چچڑیوں

وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ فَاسْتَكْبَرُوْا وَ

اور مینڈک اور خون نشانیاں کھلی کیونکر تکبر کیا اور

كَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝۱۳۳

تھے وہ قوم جرم کرنیوالے

پھر ہمنے اُن (فرعونیوں) پر سیلاب کا عذاب بھیجا اور ٹڈیوں کا اور چچڑیوں (جُوؤں کا حشرات الارض) کا عذاب بھیجا۔ اور مینڈکوں اور فسادِ خون کی بیماریوں کا عذاب کھلی نشانیاں بھیجیں، اِس لئے کہ انہوں نے تکبر کیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک مجرم قوم تھی۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ بنی اسرائیل کے سرِعلی احتجاج کا نتیجہ برآمد ہونے پر قوم فرعون حضرت موسیٰ کو کہتی کہ آپ اپنے پروردگار سے دعا کر کے یہ عذاب دور کر دیں (بنی اسرائیل کو کام پر لگا دیں) ہم آپ پر ایمان لے آئینگے اور بنی اسرائیل کو آپکے ساتھ ہجرت کرا دینگے :-

وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا

اور جب واقع ہوتا اوپر انکے عذاب کہتے اے موسیٰ دعا کرو واسطے ہمارے

رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ

رب اپنے سے ساتھ اسکے عہد کیا ساتھ تیرے البتہ اگر کھودے تو ہم سے عذاب

لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ۝۱۳۴

ضرور ہم ایمان لائینگے لئے تیرے اور ضرور بھیجینگے ساتھ تیرے بنی اسرائیل کو

اور جب اُن پر (مذکورہ بالا عذابوں میں سے کوئی) عذاب واقع ہوتا تو کہتے کہ اے موسیٰ ہمارے لئے اپنے رب کے ہاں دعا کیجئے، جس کا اُس نے آپ سے عہد کیا ہے۔ اگر آپ ہم سے عذاب دُور کر دیں تو بیشک ہم آپ پر ایمان لے آئینگے اور ضرور بنی اسرائیل کو آپکے ساتھ بھیج دینگے (یعنی اُن کی ہجرت کرا دیں گے)۔

بُرا ہو علاقائی تعصب کا فرعونیوں نے اسکی حد کر دی

● فرعون اور فرعونیوں نے اپنی خود پیش کردہ شرط کے مطابق بھی جب اُن سے عذاب دور ہو جاتا اپنا وعدہ توڑ دیتے۔ حکومتوں کا یہی قاعدہ ہے کہ جب مزدور

ہڑتال کر دیں تو اُنکے ساتھ وعدہ کرتے ہیں کہ تم کام پر آجاؤ تمہارے مطالبات ضرور پورے کر دیئے جائینگے۔ لیکن جب وہ کام پر آجاتے ہیں تو خود اپنا کیا ہوا وعدہ توڑ دیتے ہیں۔ اسی طرح فرعون والے بھی ہجرت کی اجازت کا وعدہ کر کے ہڑتال کھلوا لیتے مگر وعدہ پورا نہ کرتے۔ اس طرح حضرت موسٰی کو متعدد بار ہڑتال کرانا پڑی۔ میعادی وعدے کی میعاد نے تو حل ختم ہو جانا ہوتا ہے۔ سلسلۂ سورۃ کی اگلی آیت مجیدہ میں بار بار کی کرائی گئی ہڑتالوں اور اہلِ فرعون کے میعادی وعدوں اور وعدہ کی مدت گزرنے پر اہلِ فرعون کے وعدہ توڑنے کا ذکر بالفاظِ ذیل آیا ہے:۔

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ إِلَىٰ أَجَلٍ هُم بَالِغُوهُ
پھر جب کھول دیتے ہم سے انکے عذاب۔ تک میعاد تھے وہ پہنچنے والے اُسے

إِذَا هُمْ يَنكُثُونَ ○ ۱۳۵
اچانک وہ وعدہ توڑ دیتے

پھر جب ہم اُنکے مقررہ وعدے کے وقت تک کیلئے، جس تک وہ پہنچنے والے تھے، عذاب اٹھا لیتے (یعنی بنی اسرائیل کو کام پر لگا دیتے) تو وہ (وعدہ کی میعاد پوری ہونے پر) اچانک وعدہ توڑ دیتے۔

● بالآخر جب فرعون نے بار بار وعدہ توڑا تو حضرت موسٰی اپنی قوم کے انقلابی نوجوانوں کو ساتھ لیکر رات کے وقت ہجرت فرما گئے لیکن جیسے کہ پیچھے ۱۰۵/۷ میں حضرت موسٰی کا مطالبہ گزر چکا ہے اَرْسِلْ مَعِيَ بَنِي إِسْرَائِيلَ بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے مگر ۱۱۰/۷ میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ اس پر فرعون نے اپنی کابینہ سے کہا يُرِيدُ أَن يُخْرِجَكُم مِّنْ أَرْضِكُمْ وہ موسٰی ارادہ رکھتا ہے کہ تمہیں تمہاری زمین سے نکال دے، یعنی وہ بنی اسرائیل کو اسلئے لے جانا چاہتا ہے کہ تمہارے مشقت کے کام ٹھپ کر کے تمہیں ناکارہ کر دے اور خود طاقت حاصل کر کے تمہیں سرزمینِ مصر سے نکال کر اس پر خود قابض ہو جائے۔

● چنانچہ جب اسے پتہ چلا کہ حضرت موسٰی اپنی انقلابی جماعت کیساتھ ہجرت فرما گئے ہیں تو لشکروں سمیت تعاقب کیا۔ حضرت موسٰی نے بحیرہ قلزم کی آبنا کو پار کرنا تھا۔ آبناء کا پانی جزر کی حالت میں تھا یعنی اسوقت آبناء پایاب تھی۔ آپ ساتھیوں سمیت اُسے پار کر چکے تھے کہ فرعون آپہنچا۔ اس نے مدّ کی آمد کا جائزہ لئے بغیر فوج کو آبناء میں اتار دیا مگر مدّ آگئی وہ غرق ہو گئے۔ ارشادِ باری ہے:۔

فَانتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ بِأَنَّهُمْ
پس بدلہ لیا ہمنے ان سے پھر غرق کیا ہمنے انکو بیچ سمندر کے بسبب اسکے کہ انہوں نے

كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ ○ ۱۳۶
جھٹلایا کو آئتوں ہماری اور تھے سے ان کے بے خبر

پس ہم نے اُن (فرعون اور اسکے لشکروں) سے انتقام لیا اور انہیں سمندر کی موجوں میں غرق کر دیا۔ یہ اسلئے کہ انہوں نے ہماری آئتوں کو جھٹلایا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اُن (ہماری آئتوں) سے بے خبر تھے۔

● ملہ یَمّ کا معنیٰ مفتاح اللغات مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی کے صفحہ ۹۰۸ پر دریا، سمندر اور سمندر کی موجیں درج ہے۔ ۲۰/۴۸ + ۲۸/۴ میں بھی یَم کا لفظ آیا ہے۔ اس سے دریائے نیل مراد نہیں لیا جا سکتا۔ کیونکہ اس پر تو پل موجود تھا۔ یہ بحیرہ قلزم کی آبناء تھی، اسکو پار کر کے حضرت موسٰی کو حدودِ مصر سے پار ہو جانا مقصود تھا۔ بحیرہ قلزم کی آبناء کیلئے جس میں سمندر کا مدّ و جزر آتا تھا ۲/۴۸ میں اسے

مد کی حالت کا سمندر کا خشک راستہ کہا گیا ہے طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۔ روایتی تفاسیر میں آیا ہے کہ دریا میں ڈنڈا مارنے سے پانی میں راستے بن گئے تھے، اسکے متعلق اِضْرِبْ بِعَصَاكَ الْبَحْرَ کی تشریح، تفسیر القرآن بالقرآن جلد اوّل کے صفحہ ۴۱ ۔ ۴۲ پر دیکھئے، اور جو روایتی تصور ہے کہ پتھر پر ڈنڈا مارنے سے بارہ چشمے پھوٹ پڑتے تھے، اِس کے ضمن میں اِضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ کی وضاحت جلد اوّل کے حصہ تفسیر کے صفحہ ۴۸ پر ملاحظہ فرمائیں ۔

موت کے وقت کی توبہ قبول نہیں

● سورہ یونس کی آیت نمبر ۹۰ میں آیا ہے کہ جب فرعون غرق ہونے لگا تو توبہ کی ۔ مگر قبول نہ ہوئی ۔ یہ اِس لئے کہ قانونِ خداوندی کے مطابق موت کے وقت توبہ قبول نہیں ہوتی ۔ توبہ سے متعلق مکمل بحث اِسی جلد سوم کے صفحہ ۱۵۱ پر گزر چکی ہے ۔

کیا پوری قوم بنی اسرائیل سے ہجرت کرائی گئی تھی؟

● ہجرت موسیٰ کے ضمن میں ایک اہم سوال یہ ہے کہ کیا قوم کے جملہ افراد بوڑھوں، بچوں، بیماروں، حاملاؤں اور زچّوں سب سے ہجرت کرائی گئی تھی ۔ اس کا جواب حالات کے مطابق بالکل ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی کوئی کام عقل و دانش کے خلاف ہرگز نہیں کرتے تھے ۔ پیچھے آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ حضرت موسیٰ کا اوّلین مطالبہ بنی اسرائیل کی پُرامن ہجرت کا تھا مگر اسکی اجازت آخر دم تک فرعون نے نہ دی ۔ اسلئے یہ پُرامن ہجرت نہیں تھی، بلکہ پُرخطر ہجرت تھی، جس میں بیماروں، بوڑھوں، بچوں اور زچہ عورتوں کیلئے آرام دہ سواریوں کا انتظام نہیں تھا ۔ سواریاں صرف گھوڑے ہو سکتے تھے، جن پر بوڑھوں اور بیماروں کا سفر کرنا ممکن نہیں ۔ پھر فرعون کے تعاقب کا خطرہ سر پر سوار تھا ۔ اِس لئے ایسے حالات میں بچوں، بیماروں، بوڑھوں اور زچہ عورتوں کو ساتھ لے جانا فعلِ پیغمبر ہرگز نہیں ہو سکتا ۔ اسلئے آپ کا اپنی قوم کی انقلابی جماعت کیساتھ ہجرت فرمانا ہی متصوّر ہو سکتا ہے ۔

غیر دانشمندانہ ہجرت کے خوفناک نتائج

● ۱۹۲۴-۲۵ء کے قریب جب ہندوستان پر انگریز حکمران تھا، علمائے کرام نے کافر کی حکومت سے نکل جانے، ہجرت کر جانے کا فتویٰ دیدیا ۔ چنانچہ افغانستان کی اسلامی سلطنت کی طرف ہجرت شروع ہو گئی ۔ پنجاب اور سندھ کے لاکھوں خاندانوں نے بچوں، بوڑھوں اور حاملاؤں سمیت ہجرت کر دی ۔ چنانچہ اس غیر دانشمندانہ ہجرت کا نتیجہ یہ ہوا کہ افغانستان کی سڑکوں اور راستوں پر حاملہ عورتوں کے ہاں بچے پیدا ہوئے، بوڑھے اور بیمار سفر کی صعوبتیں برداشت نہ کر سکے اور سڑکوں کے کنارے ہزارہا لاوارث لاشوں کے انبار لگ گئے ۔ جو لوگ افغانستان پہنچ گئے ان کے لئے نہ خوراک کا انتظام تھا نہ رہائش کا، اور نہ ہی سندھ اور پنجاب کے گرم علاقوں کے باشندے افغانستان کی برفانی سردی کی شدت برداشت کر سکے ۔ ہزاروں افراد ٹھٹھر ٹھٹھر کر مر گئے جو باقی بچے، وہ اس حالت میں کافر حکومت میں واپس آ گئے کہ نہ گھر رہے نہ در رہے ہجرت کرتے وقت اپنی املاک اونے پونے داموں ہندوؤں کے ہاتھ بیچ کر غلط ہجرت کی نذر کر چکے تھے اور ہزارہا خاندانوں کی حالت یہ ہو گئی کہ پھوٹی کوڑی تک پلّے نہ رہی ۔

آنحضور نبی اکرم کی ہجرتِ مبارکہ

● حضور نبی اکرمؐ کی ہجرت مبارکہ کو تصوّر میں لائیں ۔ کہ آپنے ہجرت سے پہلے مدینہ

منورہ میں اپنے معاون پیدا کئے، جنہوں نے مہاجرینِ مکہ کو نہ صرف ٹھکانہ دیا بلکہ ہر قسم کی مدد کر کے قدموں پر کھڑا کر دیا۔ خدا تعالیٰ نے انہیں انصار کے معزز لقب سے ملقب فرمایا جو آنحضور اور آپکے مہاجر ساتھیوں کیلئے ہر وقت چشم براہ تھے۔ پس حضرت موسیٰ کی طرف سے بچوں، بوڑھوں، بیماروں، حاملاؤں اور زچہ عورتوں سمیت ایک پر خطر ہجرت کروانے کا تصور تک بھی نہیں کیا جا سکتا۔

● سلسلۂ درس کی پچھلی آیت مجیدہ ۱۳۶/۷ میں بتایا گیا ہے کہ فرعون کو اُسکے لشکروں سمیت غرق کر دیا گیا۔ اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے :-

وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ کَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ
اور وارث کیا ہمنے قوم کو جو تھے کمزور کر دئے گئے

مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِیْ بٰرَکْنَا فِیْهَا
مشرقوں زمین کے اور مغربوں اسکے وہ کہ برکت دی ہمنے بیچ اسکے

وَتَمَّتْ کَلِمَتُ رَبِّکَ الْحُسْنٰی عَلٰی بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ
اور پورا ہوا قانون رب تیرے کا بوجہ احسن اوپر بنی اسرائیل کے

بِمَا صَبَرُوْا وَدَمَّرْنَا مَا کَانَ یَصْنَعُ فِرْعَوْنُ
بسبب اسکے کہ ثابت قدم رہے اور ختم کر دیا ہمنے جو تھا تصنع کیا فرعون

وَقَوْمُهٗ وَمَا کَانُوْا یَعْرِشُوْنَ ۝ ۱۳۷
اور قوم اسکی نے اور جو تھے وہ سلطنت بناتے

اور (فرعون کو غرق کر دینے کے بعد) ہمنے مصر کی زمین کے مشرقوں اور مغربوں کا جس میں ہمنے (فراوانیٔ اجناس و ثمرات کی) برکت رکھ دی ہوئی ہے، اُس قوم کو وارث بنا دیا جو (فرعون اور قوم فرعون کی طرف سے) کمزور کر دیئے گئے تھے[1]

اور پورا ہو گیا بنی اسرائیل پر تیرے رب کے قانون کیمطابق اُس کا وعدہ، اِس وجہ سے کہ وہ ثابت قدم رہے (فرعون کے مظالم کا مقابلہ مستقل مزاجی کیساتھ کیا۔ اِس لئے ہم نے فرعون اور اسکی قوم کی (تمام نام نہاد اصلاحی تصنع) بناوٹ[2] بھی اور جو وہ (استبدادی) سلطنت[3] بناتے رہے تھے، ختم کر دی۔

حکومتِ فرعون کے وارث بنی اسرائیل ہوئے

● [1] غرقِ فرعون کے بعد اُسکی حکومت کا وارث اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو بنا دیا۔ اسکے لئے آیتِ بالا میں اَوْرَثْنَا کے بعد مشارق و مغارب کے الفاظ آئے ہیں، یعنی پوری کی پوری سلطنت کا وارث بنی اسرائیل کو بنا دیا گیا تھا۔ سورہ شعراء میں اسکے لئے یہ الفاظ آئے ہیں :- فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ۝ وَّکُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ کَرِیْمٍ ۝ کَذٰلِکَ ۖ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۝ ۲۶/۵۷ تا ۵۹ ہمنے فرعونیوں کو لدے پھدے باغوں، بہتے چشموں، بھرے خزانوں اور نفیس مکانوں سے نکال دیا۔ بالکل ایسا ہی ہوا۔ اور اُن کا وارث بنی اسرائیل کو بنایا —— سورہ دخان میں آیا ہے :-

● کَمْ تَرَکُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ۝ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ کَرِیْمٍ ۝ وَّنَعْمَةٍ کَانُوْا فِیْهَا فٰکِهِیْنَ ۝ کَذٰلِکَ ۖ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِیْنَ ۝ ۴۴/۲۵ تا ۲۸ = فرعونیوں کیلئے بھرے باغات، چشمے، کھیتیاں، نفیس مکان اور نعمتیں پیچھے چھوڑ گئے جن میں وہ مزے کیا کرتے تھے۔ بالکل ایسا ہوا تھا۔ اور ہمنے اِن سب چیزوں کا وارث دوسری قوم (بنی اسرائیل کو) بنا دیا۔ بنی اسرائیل

کو عطا کردہ اسی حکومت کے متعلق سورہ بقرہ میں بار بار کہا گیا ہے:- یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ۔ ۲/۴۷، ۴۸، ۱۲۲ اے بنی اسرائیل میری اُس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر کی اور بیشک میں نے تمہیں مصر کی حکومت عطا کر کے تمہیں لوگوں پر فضیلت بخشی تھی۔ اس سوال کا جواب تفسیر القرآن بالقرآن جلد اول کے صفحہ ۴۵ میں موجود ہے کہ فرعون کے مرنے کے بعد مصر کی حکومت بنی اسرائیل کے کن افراد کے سپرد ہوئی۔

● ۲ یَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ فرعون کا عوام کی فلاح و بہبود کا دعوے محض تصنع یعنی بناوٹ محض تھا۔ بنی اسرائیل کو کمزور کر رکھا تھا مگر قارون کو جو قوم بنی اسرائیل ہی میں سے تھا اسلئے نواز رکھا تھا کہ وہ بنی اسرائیل کے استحصال میں فرعون اور فرعونیوں کا معاون تھا۔

● ۳ وَدَمَّرْنَا مَا کَانَ یَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا کَانُوْا یَعْرِشُوْنَ کا عام تراجم میں یہ معنیٰ لکھا ہے:- اور فرعون اور اُسکی قوم نے جو کچھ بنایا تھا ہم نے اُسے تباہ کر دیا اور وہ اونچی عمارتیں بناتے تھے (ترجمہ مولوی احمد علی لاہوری مرحوم) یہ ترجمہ اسلئے صحیح نہیں کہ خود اسی آیت ۷/۱۳۷ کے الفاظ اَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ کَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ کی مخالفت بھی کرتا ہے اور اوپر دی گئی آیات مجیدہ ۲۶/۵۷ تا ۵۹ اور ۴۴/۲۵ تا ۲۷ کی بھی مخالفت کرتا ہے، جن میں اعلان کیا گیا ہے کہ غرقِ فرعون کے بعد اُن کے اُن باغوں، چشموں، خزانوں اور نفیس مکانوں کا وارث بنی اسرائیل کو بنا دیا گیا جن میں وہ مزے کیا کرتے تھے۔ اگر فرعون اور فرعونیوں کی بنائی ہوئی مذکورہ چیزوں اور بلند عمارتوں کو تباہ کر دیا گیا تھا تو بتایئے کیا بنی اسرائیل کو کھنڈرات کا وارث بنایا گیا تھا۔ فرعون اور فرعونیوں نے عوامی اصلاحات کا جو تصنع بنایا ہوا تھا، اُسکا خاتمہ کر دیا گیا اور اُسکی جگہ ربوبیتِ عامہ پر مبنی اصلاحی نظام کیا گیا جس میں ہر فردِ انسانی کے حقوقِ ربوبیت مساوی اور متوازن تسلیم کئے گئے تھے۔

● ۴ وَمَا کَانُوْا یَعْرِشُوْنَ کا یہ روائتی ترجمہ کہ وہ جو اونچی عمارتیں بناتے تھے سب تباہ کر دی گئی تھیں بوجوہ بالا غلط ہے۔ یَعْرِشُوْنَ کا سہ حرفی مادہ ع۔ ر۔ ش ہے عرش کا معنیٰ عربی ادب کیمطابق سلطنت بھی ہے۔ اسلئے یَعْرِشُوْنَ کا معنیٰ ہے جو وہ ظالمانہ سلطنت بناتے رہے تھے، اُسے ختم کر دیا گیا اور حضرت موسیٰ کی ہدایات کے مطابق ربوبیتِ عامہ بردوش حکومت قائم کی گئی جس میں کوئی بھوکا تھا ننگا۔ نہ بے علاج تھا نہ بے مکان۔

بنی اسرائیل کا ایک عجیب واقعہ

● فرعون لشکروں سمیت غرق ہو گیا، حکومت مومنہ خاتون ملکہ مصر اور فرعون کابینہ کے رجلِ مومن اور حضرت ہارون کے سپرد ہوئی۔ حضرت موسیٰ اپنی جماعت کو سمندر کی آبناء سے پار کر کے لے جا رہے تھے کہ اُنکا گزر ایک بستی سے ہوا جہاں کے لوگ بتوں کے سامنے جھکے بیٹھے تھے۔ اس پر بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے مطالبہ کیا۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا	اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر کی آبناء سے پار اُتارا تو وہ
اور پار کیا ہم نے بنی اسرائیل سمندر سے پھر وہ آئے	ایک ایسی قوم پر آئے جو بتوں کے آگے جھکے ہوئے تھے اُنہوں

عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا يٰمُوْسَى
اور پر ایک قوم کے جھکے بیٹھے تھے آگے بتوں کے واسطے انکے کہا اے موسیٰ

اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۚ قَالَ اِنَّكُمْ
بنا واسطے ہمارے ایک دیوتا مانند واسطے انکے دیوتاؤں کے کہا بیشک تم ہو

قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ۝ ۱۳۸
قوم جہالت کرتے ہو

(بنی اسرائیل) نے کہا کہ اے موسیٰ ہمیں بھی ایک دیوتا بنا دیجئے جیسے کہ ان لوگوں کے دیوتے ہیں۔ (حضرت موسیٰ نے اس کے جواب میں) فرمایا بیشک تم ایسی قوم ہو جو تم جہالت کرتے ہو۔

● ۱؎ اگرچہ بنی اسرائیل حضرت موسیٰ کی قیادت میں ایک طویل عرصہ سے فرعون کے خلاف سرگرم عمل رہی تھی، اور حضرت نے انہیں وحدتِ باری سے پوری طرح روشناس کر دیا تھا اور بُت پرستی کے شرک سے بھی آگاہ کر دیا تھا، لیکن صدیوں کی غلامی نے انکے دماغ ایسے ماؤف کر رکھے تھے کہ بُت پرستوں کو بُتوں کے ساتھ سجدہ ریز دیکھ کر انہیں یاد ہی نہ رہا کہ کس سے کہہ رہے ہیں کہ ہمیں ایک بُت بنا دیجئے۔ لیکن حضرت نے نہائت تحمّل اور متانت کیساتھ آج جاہلوں پر کھل کر واضح کر دیا:۔

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ
بیشک یہ عمل ضائع ہونیوالا ہے جو ہیں وہ بیچ اسکے اور غلط ہے

مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ۱۳۹
جو ہیں وہ عمل کرتے

(آپنے فرمایا) بیشک یہ لوگ جس کام میں لگے ہوئے ہیں ضائع ہونیوالا ہے اور جو وہ عمل کر رہے ہیں وہ باطل ہے (غلط ہے درست نہیں ہے)

قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ
کہا کیا میں سوائے اللہ تلاش کروں تمہارے لئے حاکم حالانکہ اُس نے

فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ ۱۴۰
فضیلت دی انکو اوپر جہانوں کے

فرمایا کیا میں تمہارے لئے اللہ کے سوا کوئی اور حاکم تلاش کروں حالانکہ اُس نے تمہیں (تمہارے زمانے اور علاقے کے) لوگوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے (تمہیں حکومت تک سے نواز دیا ہے)۔
(اگلی آئت میں خدا تعالیٰ کا خطاب ہے)

وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ
اور جب نجات دی ہمنے تمکو سے قوم فرعون کے پہنچاتے تھے تمکو

سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ
برا عذاب ذلیل کرتے تھے بیٹوں تمہارے کو اور درگزر کرتے تھے

نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ
عورتوں تمہاری سے اور بیچ اسکے تمہارے آزمائش تھی رب تمہارے

اور (وُہ وقت قابلِ ذکر ہے) جب ہمنے تم کو قوم فرعون سے نجات دی۔ وہ تمہارے ابنائے قوم (یعنی آگے بڑھ کر حقوقِ ربوبیت مانگنے والوں) کو ذلیل کرتے تھے اور تمہاری عورتوں (پیچھے رہنے والے عورت صفت افراد) سے درگزر کرتے تھے۔ اس میں تمہارے لئے تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہاری استقامت کا ایک بہت بڑا اظہار تھا۔

عَظِيمٌ ○ ۱۴۱
بہت بڑا

ع ۱۶

● ۱؎ بَلَاءٌ اگر بندوں کی طرف سے ہو تو اسکا مصدری معنی ہوتا ہے آزمانا، اور اگر اللہ کی طرف سے ہو تو اسکا مفہوم ہوتا ہے ظاہر کرنا۔ کیونکہ اللہ عالم الغیب ہے کوئی چیز پوشیدہ نہیں، اسے کسی کو آزمانے کی ضرورت نہیں۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت کریمہ میں وادی طور میں کتابِ موسیٰ کو الواح (یعنی تختیوں) پر لکھوانے کا ذکر باندازِ ذیل اور بالفاظِ ذیل آیا ہے:۔

وَ وٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّ
اور وعدہ ٹھہرایا ہمنے موسیٰ سے تیس راتوں کا اور

اَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ
پورا کیا ہمنے ساتھ دس راتوں کے پھر پوری ہوئی مدت رب اسکے کی

اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَ قَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ
چالیس راتیں اور کہا موسیٰ نے واسطے بھائی اپنے ہارون کے

اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَ اَصْلِحْ وَ لَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ
جانشین کر میرا بیچ قوم میری اور اصلاح کرنا اور نہ اتباع کرنا راستے

الْمُفْسِدِيْنَ ○ ۱۴۲
فسادیوں کی

اور ہم نے موسیٰ کیساتھ (کتاب کو الواح میں لکھوانے کا) تیس[۱] راتوں کا وعدہ ٹھہرایا۔ پھر (ایک مخصوص واقعہ کی بدولت) ہمنے اُسے دس راتوں کے ساتھ پورا کیا۔ (اس طرح) اُس (موسیٰ) کے رب کی مدت پوری ہوئی چالیس راتیں۔ اور موسیٰ نے (قوم میں سے آتے وقت) اپنے بھائی ہارون کو کہا کہ تُو میرے (بعد) میری قوم میں میری جانشینی (کے فرائض ادا) کرنا۔ اور اصلاح کرنا۔ اور فساد کرنیوالوں کے راستے کی پیروی نہ کرنا۔

● ۱؎ کتابتِ کتاب کا کام تیس راتوں ہی کا تھا۔ لیکن دس راتوں کی تاخیر ذیل کے مخصوص واقعہ کی بدولت ہوگئی:۔

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَ كَلَّمَهٗ
اور جب آیا موسیٰ واسطے مدت ہماری اور کلام کی اُس سے

رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۭ قَالَ
رب اسکے نے کہا اے میرے رب دکھا مجھکو میں دیکھوں تجھے کہا

لَنْ تَرٰىنِيْ وَ لٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ
ہرگز نہ دیکھیگا تو مجھے اور لیکن دیکھ طرف پہاڑ کے پھر اگر ٹھہرا

اور جب آیا موسیٰ ہمارے مقررہ وقت پر اور اُس کے رب نے اس سے (بذریعہ جبریل) کلام کیا تو موسیٰ نے کہا اے میرے رب مجھے (اپنا آپ) دکھا کہ[۱] میں تجھے دیکھوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تُو مجھے ہرگز نہیں دیکھیگا[۲]۔ اور لیکن تُو پہاڑ کی طرف دیکھ۔ اگر وہ اپنی جگہ پر ٹھہرا رہا تو تُو مجھے دیکھ سکیگا پھر جب اُس کے رب نے پہاڑ کو (ایک شدید زلزلے کے ساتھ ہلایا)

مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ

جگہ اپنی پر تو تو ضرور دیکھیگا مجھے پھر جب روشن کیا رب اسکے نے

لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ

واسطے پہاڑ کے کر دیا اسکو ریزہ ریزہ اور گرا موسیٰ بیہوش ہو کر

فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَ

پھر جب آفاقہ ہوا کہا پاک ہے تو میں توبہ کرتا ہوں طرف تیری اور

اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ۱۴۳

میں ہوں پہلا مومنوں کا

(۲/۵۵) اور تجلی کے ساتھ اُسے روشن کیا تو اُسے ریزہ ریزہ کر دیا۔ اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ پھر جب آفاقہ ہوا (یعنی ہوش میں آیا تو) کہا کہ اَے میرے پروردگار تو دیکھے جانے سے (۶/۱۰۳) پاک ہے۔ میں تیرے حضور میں توبہ کرتا ہوں (آئندہ تجھے دیکھنے کا سوال نہیں کروں گا)۔ اور میں ایمان لانیوالوں میں سے پہلا ایمان لانیوالا ہوں (کہ تجھے کوئی نہیں دیکھ سکتا)۔

حضرت موسیٰ نے اللہ کو دیکھنے کا سوال کیوں کیا؟

● ۱ اس سوال کا جواب تصریفِ آیات قرآنیہ کی رُو سے یہ ہے:۔ ۲/۵۵-۵۶ میں بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے:۔ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ وہ وقت قابلِ ذکر ہے (اَے بنی اسرائیل جب تمہارے کچھ افراد نے) کہا کہ اَے موسیٰ ہم آپ پر اُسوقت تک ایمان نہیں لائینگے یہانتک کہ ہم اللہ تعالیٰ کو ظاہراً نہ دیکھیں (اس پر حضرت موسیٰ نے اللہ کو دیکھنے کی درخواست کی) تو تمکو زلزلے نے پکڑ لیا اور تم دیکھتے تھے (تم بیہوش ہو گئے) پھر ہم نے تمہیں اس بیہوشی کی موت سے اُٹھایا تاکہ تم شکر گزار ہو جاؤ۔

● ۲ یہ کہاں کا واقعہ ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنے والے کتنے آدمی تھے۔ اسکا جواب ۷/۱۵۵ میں دیا گیا ہے:۔ وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ اور موسیٰ نے (کتاب لکھنے کیلئے) اپنی قوم میں سے ستر آدمیوں کو ہماری مقررہ (۳۰ راتوں کی) مدت کیلئے چُنا۔ پھر جب (اللہ کو دیکھنے کا مطالبہ کیا) تو انہیں زلزلے کی گڑگڑاہٹ نے پکڑ لیا۔ اِن تینوں مقامات ۷/۱۴۳ + ۷/۱۵۵ + ۲/۵۵-۵۶ کو یکجا کیا جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ ان ہر سہ آیات مجیدہ میں ایک ہی واقعہ کے مختلف حصّے بیان ہوئے ہیں۔ یہ ستر آدمی تھے، جنہیں حضرت موسیٰ نے کتاب لکھنے کیلئے منتخب کیا مگر جب وادیِ طور میں پہنچے تو انہیں شوق پیدا ہوا کہ جب حضرت موسیٰ کیساتھ کلام بیاں ہوتی ہے تو کیوں نہ اللہ کو دیکھ لیا جائے۔ اُنہوں نے کہا کہ ہم اُسوقت تک ایمان نہ لائینگے کہ اللہ آپ کے ساتھ کلام کرتا ہے جبتک آپ ہمیں ظاہراً نہ دکھا دیں۔ اِس پر حضرت نے رَبِّ اَرِنِيْ کا مطالبہ کر دیا۔ خدا تعالیٰ کو تو ۶/۱۰۳ کے مطابق کوئی آنکھ دیکھ ہی نہیں سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس پہاڑ کی طرف دیکھو، کیا پہاڑ ہماری تجلی کی تاب لا سکتا ہے۔ اس کی چمک سے پہاڑ میں زلزلہ آگیا، توڑ پھوڑ سے گڑگڑاہٹ پیدا ہوئی۔ وہ ستر آدمی مع حضرت موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑے، دس راتوں کے بعد ہوش آیا۔ حضرت موسیٰ نے اپنے ساتھیوں کے مطالبہ پر رَبِّ اَرِنِيْ کا مطالبہ کیا تھا۔ اور دس راتوں کی بیہوشی کی بدولت تیس راتوں میں دس راتوں کی تاخیر ہو گئی تھی۔

● ۲؎ لَن تَرٰىنِیْ کے الفاظ میں چونکہ مضارع پر لَن داخل ہوا ہے اسلئے اسکا معنی یہ ہے کہ تُو کبھی بھی مجھے نہیں دیکھیگا۔ ۶/۱۰۴ میں کلیہ کے طور پر اعلان کر دیا گیا ہے لَا تُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ، اُسے نہ کوئی آنکھ دیکھ سکتی ہے اور نہ کوئی بصیرت اُسے پاسکتی ہے۔ جو اہلِ تصوف یہ کہتے ہیں کہ ہمنے اللہ کو دیکھا ہے، وہ دو جرموں کے مجرم ہوتے ہیں۔ پہلا یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ۶/۱۰۴ کے قرآنی کلیے کی تکذیب کرتے ہیں اور دوسرا یہ کہ اپنے آپکو حضرت موسیٰ سے افضل قرار دیتے ہیں کہ وہ تو ایک صاعقہ یعنی بجلی کی چمک کی تاب نہ لا سکے تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کو دیکھتے ہیں۔

تجلّٰی رَبُّهٗ کا روائتی مفہوم

● ۳؎ تَجَلّٰی رَبُّهٗ کی تفسیر معہ فائدہ، اصلی روائتی تفسیر موضح القرآن میں بالفاظِ ذیل درج ہے:- "پس جسوقت کہ روشنی کی پروردگار اسکے نے، یعنی نور اپنا یا نورِ عرش کا، سوئی کے ناکے کے برابر ظاہر کیا واسطے پہاڑ کے تو کر دیا پہاڑ کو ریزہ ریزہ، اور گر پڑا موسیٰ بیہوش ہو کر دہشت اسکی سے۔ فائدہ روائت میں ہے کہ ستر ہزار پردوں کے پیچھے سے سوئی کے ناکے کے برابر نور ظاہر کیا تھا۔ اس ساعت میں جو دیوانہ زمین کے اوپر تھا ہوشیار ہوگیا، جو بیمار تھا تندرست ہوگیا۔ تمام زمین سرسبز ہوگئی اور کھارے پانی میٹھے ہوگئے"۔ ——— یہ ہے روائتی تفسیر کہ نہ سمندر کا پانی میٹھا ہوا ہے اور نہ ریگستانِ عرب سرسبز ہوا، نہ خطِ استوا کا کوئی بھی ریگستانی علاقہ۔ اب آئیے تَجَلّٰی رَبُّهٗ کے قرآنی مفہوم کی طرف۔ ۹۲/۲ میں آیا ہے وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰی، شہادت ہے دن کی جب وہ ہر چیز کو روشن کر دیتا ہے اس طرح فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ کا معنی ہے پھر جب اسکے رب نے پہاڑ پر (بجلی کی) روشنی ڈالی۔ کس چیز کی روشنی ڈالی؟ صاعقہ کی۔ بجلی کی چمک، جو اسقدر تیز تھی کہ پہاڑ میں زلزلہ آگیا، جسکی توڑ پھوڑ سے رجفہ یعنی گڑگڑاہٹ پیدا ہوئی۔ یہ زور کی بجلی تھی جس کی تاب پہاڑ نہ لا سکا اور ریزہ ریزہ ہوگیا۔

● اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور آپکے ستر ساتھیوں پر تجرباتی درس کے ذریعہ واضح کر دیا ہے کہ انسان تو بجلی کی چمک نہیں دیکھ سکتا، اِسے دیکھنے کی کوشش کرے تو بینائی ضائع کر بیٹھتا ہے۔ ذرا سی شدّت کی بجلی کی دہشت سے بیہوش ہو جاتا ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کو کیا دیکھ سکتا ہے جو ذات انتہائی لطیف ہے۔ تجربہ کی رُو سے لطیف چیزیں دیکھی ہی نہیں جاسکتیں۔ مثلاً ہوا لطیف ہے، جسم پر لگتی اور حلق میں سے گزرتی ہوئی صرف محسوس ہوتی ہے مگر دکھائی نہیں دیتی۔ ایتھر کی صوتی اور عکسی لہریں آواز اور تصویریں لاتی ہیں مگر خود دکھائی نہیں دیتیں، کیوں؟ اسلئے کہ لطیف ہیں۔ یہی مشاہداتی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نہ دکھائی دینے کی وجہ بھی ساتھ ہی بیان کر دی گئی ہے لَا تُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ ...... وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ۶/۱۰۴ اُسے نہ کوئی آنکھ دیکھ سکتی ہے اور نہ کوئی عقل و بصیرت اُسے پا سکتی ہے ...... کیونکہ وہ خود تو لطیف ہے نہ دکھائی دینے والا ہے مگر وہ ہر چیز کو ٹھیک ٹھیک باخبر ہے۔

● ۴؎ حضرت موسیٰ کے الفاظ تُبْتُ اِلَیْكَ کا مفہوم سیاقِ کلام کیمطابق بالکل یہ ہے کہ میں توبہ کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی تجھے دیکھنے کی درخواست نہ کرونگا۔ چنانچہ آپنے ہوش میں آنے کے بعد توبہ کر لی تو ارشاد ہوا توبہ قبول۔ ہمارے ضابطۂ حیات کو مضبوط

تمام لیجئے :-

قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ
کہا اے موسیٰ بیشک میں نے برگزیدہ کیا تجھ کو اوپر لوگوں کے
بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ ۖ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ
ساتھ پیغاموں اپنے اور ساتھ کلام اپنے - تھام لے جو دیا میں نے تجھے اور ہو جا
مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ ۱۴۴
میں سے شکر گزاروں کے

فرمایا (اللہ تعالیٰ نے) اے موسیٰ میں نے تجھے لوگوں کے مقابلے پر اپنے پیغامات اور اپنے کلام کے ذریعہ برگزیدہ ٹھہرایا ہے آپ اس چیز (ہمارے نازل کردہ ضابطۂ حیات) کو مضبوط تھام لیجئے جو ہم نے آپ کو (بذریعہ وحی) عطا فرمایا ہے - اور (اس پر عمل کر کے) بھرپور جزا پانے والوں میں سے ہو جائیں [1]

● [1] لفظ شکر کا سہ حرفی مادہ ش-ک-ر = شکر ہے جس کا بنیادی معنیٰ ہے بھرا ہوا ہونا۔ الشکرا اس اونٹنی کو کہتے ہیں جس کے تھن دودھ سے بھرے رہیں - اور دودھ سے بھرے ہوئے تھنوں کو ضرۃ شکریٰ کہتے ہیں۔ پس ان معنوں کے مطابق آیتِ بالا میں حضرت موسیٰ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ ایسا متوازن معاشرہ قائم فرمائیں جس میں ہر کوئی ضروریاتِ زندگی سے بھرپور فیضیاب ہوتا رہے۔ سورہ طٰہٰ میں آپکے نام ابتدائی خطاب میں بھی اسی چیز کا حکم دیا گیا ہے :-

● اِنَّنِىْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِىْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِىْ ۝ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰى ۝ ۲۰/۱۵ اے موسیٰ بیشک میں اللہ ہوں - میرے سوا کوئی صاحب حکم نہیں - پس تو صرف میری محکومیت اختیار کرنا اور میری نصیحت کے مطابق الصلوٰۃ (اجتماعی نظام) قائم کرنا - بیشک وہ گھڑی ضرور آنیوالی ہے جسے میں نے مخفی رکھا ہے کہ اس میں ہر شخص کو اسکی محنت کی اتنی اجرت دی جائے، جس کیلئے وہ کوشش کرتا ہے - واضح رہے کہ قرآنی معاشرہ میں ہر شخص سے محنت لی جاتی ہے اسکی طاقت کے مطابق اور محنت کی اجرت (جزا) دی جاتی ہے اسکی ضرورت کے مطابق - جس شخص کے کندھوں پر دس افراد کا بوجھ ہے اُسے دس افراد کی ضرورت کے مطابق اجرت ملنی ضروری ہے، کیونکہ اسکی سعی و کوشش دس افراد کی ضروریاتِ زندگی بہم پہنچانے کیلئے ہوتی ہے اور یہی مفہوم ہے لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰى کا۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیاتِ مجیدہ میں بتایا گیا ہے کتابِ موسیٰ دنیوی ہنگاموں سے دور وادیِ طور میں الواح پر لکھوائی گئی تھی :-

وَكَتَبْنَا[1] لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ[2] مِنْ كُلِّ شَىْءٍ
اور لکھی ہم نے واسطے اسکے بیچ تختیوں کے، سے ہر چیز
مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ
نصیحت اور تفصیل واسطے ہر چیز کے، پس پکڑ اُسے ساتھ قوت کے

اور ہم نے اس (موسیٰ) کیلئے (لکڑی کی) تختیوں[2] پر لکھوائی[1] ہر چیز نصیحت کی اور تفصیل ہر چیز کی۔ پھر (ہم نے حکم دیا) اِسے مضبوطی کیساتھ تھام لے اور اپنی قوم کو بھی حکم دے کہ وہ اسے اچھی طرح پکڑ لیں (یعنی اس میں مندرج احکام پر پوری طرح

وَأْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوا بِأَحْسَنِهَا سَأُورِيكُمْ دَارَ الْفَٰسِقِينَ ۝ ۱۴۵

اور حکم کر قوم اپنی کو پکڑیں ساتھ اچھی طرح فرور دکھاؤں گا تمہیں انجام حد میں پھاندنے والوں کا

عمل کریں[۳]) میں ضرور تم کو ان لوگوں کا گھر (بُرا انجام[۴]) دکھادوں گا جو حد میں پھاندنے والے ہیں۔

● [۱] کَتَبْنَا سے یہ مراد نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب موسیٰ کو خود لکھا تھا۔ بلکہ یہاں سفر کاتبوں سے لکھوانا مراد ہے۔

● [۲] الواح کا لفظ حضرت نوح کی کشتی کی تعریف میں ۵۴/۱۳ میں آیا ہے ذاتِ اَلْوَاحٍ کہ وہ لکڑی کے تختوں سے بنائی گئی تھی کتابِ موسیٰ کی الواح کے متعلق یہ تصور صحیح نہیں کہ وہ مٹی کی بنی ہوئی تھیں کیونکہ جب حضرت موسیٰ سے بہت دَور پہلے دَورِ نوح میں لکڑی کے تختے بنائے جا چکے تھے تو حضرت موسیٰ کے دَور میں مٹی کی غیر مضبوط تختیوں پر کتاب لکھوانے کی کیا مجبوری تھی؟

● [۳] يَأْخُذُوا بِأَحْسَنِهَا کا یہ معنی غلط ہے کہ وہ اُسکے یعنی کتاب کے اچھے حصّوں پر عمل کریں۔ کتاب تو ساری ہی احسن ہے اسلئے اَحْسَنِهَا کے مرکب اضافی میں مضاف الیہ ضمیر هَا کتاب کیمطابق اچھے عمل کیلئے آئی ہے کہ لوگ اس پر اچھی طرح عمل کریں۔ اسی چیز کی تائید آیت مجیدہ کے یہ الفاظ کرتے ہیں فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ کہ کتاب کی پوری نصائح کو مضبوط پکڑ لے، پوری کتاب پر عمل کر۔

● [۴] یہاں دَارَ الْفَٰسِقِينَ کا معنی فاسقوں کا وہ گھر ہے جو اُنکے فسق کی سزا کے طور پر انہیں میسر آنے والا اُنکا بُرا انجام ہے۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بنی اسرائیل کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ جنہے اُن میں سے نافرمانوں کو اپنی آیتوں سے پھرا ہوا پایا تھا۔

سَأَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَإِن يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوا بِهَا وَإِن يَرَوْا سَبِيلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا وَإِن يَرَوْا سَبِيلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ ۝ ۱۴۶

فرور میں پھرے ہوئے پاتا ہوں سے آیتوں اپنی انہیں جو تکبر کرتے ہیں بیچ زمین کے بغیر حق کے اور اگر دیکھیں ہر نشانی نہیں ایمان لاتے ساتھ اسکے اور اگر دیکھیں راہ راست نہیں پکڑتے اسے راستہ اور اگر دیکھیں راہ گمراہی کی۔ پکڑ لیں اسے راستہ۔ مذکورہ بالا اسلئے کہ بیشک انہوں نے جھٹلایا ساتھ آیتوں ہماری کو اور تھے وہ ان سے غافل رہنے والے

جو لوگ زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں (انسان کو تکبر کا کوئی حق حاصل نہیں) میں انہیں ضرور اپنی آیتوں[۱] سے پھرا ہوا پاتا ہوں ان کی حالت یہ ہے کہ اگر (ربوبیتِ عامہ) کی ہر ایک نشانی بھی دیکھ لیں تو پھر بھی اُس پر ایمان نہیں لاتے۔ اگر وہ (ربوبیتِ عامہ کا) سیدھا رستے کو (عملی صورت میں بھی) دیکھ لیں تو پھر بھی اس پر نہیں چلتے۔ اور اگر گمراہی کی راہ دیکھیں تو اس پر چلتے ہیں۔ انکی مذکورہ بالا حالت اسلئے ہے کہ ہماری آیتوں کو جھٹلا دیا اور وہ اُن سے (یعنی ہماری آیتوں سے) غافل رہتے ہیں

● [۱] حرف سَ کی بحث تفسیر القرآن بالقرآن کے سیپارہ ۲ صفحہ ۹۴ پر ملاحظہ فرمائیں کہ یہ مستقبل قریب کے علاوہ حال کی تاکید کیلئے بھی آتا ہے۔

● ۱۲۱ سَاَصْرِفُ کا یہ معنی غلط ہے کہ میں تکبر کرنیوالوں کو عنقریب اپنی آیتوں سے پھیر دونگا' کیونکہ انہی کے متعلق آگے ارشاد ہوا ہے کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا، انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلا دیا ہے (عنقریب جھٹلائیں گے نہیں بلکہ جھٹلا چکے ہیں)۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ
اور جنہوں نے جھٹلایا ساتھ آیتوں ہماری - اور ملاقات

الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا
آخرت کی ضائع ہوئے اعمال ان کے نہیں بدلہ دیئے جائینگے مگر جو

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ ع ۱۷
تھے وہ عمل کرتے

اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو اور آخرت کے دن کی (حضور الٰہی میں) حاضری کو جھٹلایا اُن کے اعمال ضائع ہوگئے[۱] انہیں صرف اُن عملوں کا بدلہ دیا جائیگا جو وہ خود بجالایا کرتے تھے۔

● ۱ یہاں اعمال کے ضائع ہونے کی وجہ بتا دی گئی ہے کہ وہ لوگ اللہ کی آیتوں اور آخرت کے دن کی حاضری کو جھٹلاتے ہیں۔ بالفاظِ دیگر اُخروی جزا اُن نیک اعمال کی دی جائیگی جو حضورِ الٰہی میں حاضری کے خوف سے کئے جائینگے۔ اسکے سوا حکومت کے ڈر سے بُرے عملوں سے بچا جائے' یا اسلئے نیک کام کئے جائیں کہ لوگ انکی تعریف کریں' تو جس غرض کیلئے بُرے کاموں سے بچتے رہے کہ دست اندازی پولیس سے بچتے رہیں یا یہ کہ لوگ انکی تعریف کریں' انہیں انکا مطلوبہ بدلہ مل گیا' دست اندازی پولیس سے بھی بچے رہے اور دُنیا میں تعریفیں کراتے اور خوش ہوتے رہے۔ پس قیامت میں اُن اعمال کا بدلہ دیا جائیگا جو خالص اللہ تعالیٰ کیلئے قیامت کی حاضری سے ڈر کر کئے جائیں۔

بچھڑے کی پوجا ● سلسلۂ درس کی اگلی آیات مجیدہ میں اسوقت کے متعلق بتایا گیا ہے جب حضرت موسیٰ طور پر کتاب لکھوانے کیلئے گئے تو پیچھے قوم بنی اسرائیل نے سامری کے کہنے پر ایک بچھڑے کو معبود بنالیا' اُس سے مرادیں مانگنے لگے۔

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ
اور پکڑا قوم موسیٰ نے سے پیچھے اسکے سے گہنوں انکے

عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ۭ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ
بچھڑا ایک جسم واسطے اسکے آواز کیوں نہ غور کیا انہوں نے بیشک وہ

لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا
نہیں کلام کرتا ان سے اور نہ ہدایت کرتا راہ کی پکڑا اسکو اور

اور انہوں (بنی اسرائیل) نے موسیٰ کے (طور پر جانے کے) بعد اُنکے زیورات کیساتھ سنگارے ہوئے بچھڑے کو معبود بنا لیا۔ جو محض ایک جسم تھا[۱] جس کے لئے صرف بچھڑے کی آواز تھی۔ اُنہوں نے کیوں نہ غور کیا کہ بیشک نہ اُن سے کلام کرتا تھا۔ اور نہ وہ اُنہیں سیدھے راستے کی رہنمائی کرتا تھا۔ اُنہوں نے اُس (بیکار جسم) کو معبود بنالیا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ ظالم

كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۝ ۱۴۸ — تھے وہ ظلم کرنیوالے || کام کرنیوالے تھے۔

● ملہ مِنْ حُلِيِّهِمْ سے پہلے مُزَيَّنًا محذوف ہے۔ اور تقدیرِ کلام یہ ہے مُزَيَّنًا مِنْ حُلِيِّهِمْ یعنی وہ انکے زیورات کے ساتھ سنگارا ہوا تھا۔ روائتی تفاسیر میں آیا ہے کہ سامری ایک سنار تھا، اس نے جس بچھڑے کی پوجا کرائی تھی وہ کوئی زندہ بچھڑا نہیں تھا۔ بلکہ اس نے قوم کے زیورات لیکر اُنکا ایک بچھڑا ڈھالا اور اس میں جبریل کی گھوڑی کے پاؤں تلے کی مٹی ڈالکر بچھڑے کی آواز پیدا کی تھی۔ (جس قوم میں غور و فکر کا مادہ باقی نہ رہے وہ جبریل کو پروں والی مخلوق، مانکر پھر اُسے گھوڑی پر سوار کرتے ہیں) قرآن کریم پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ایک زرد رنگ کا بے داغ خوبصورت بچھڑا تھا ۲/۶۹ جو نہ بوڑھا تھا نہ بچہ ۲/۶۸، اُسے نہ کنوئیں میں جوتا جاتا تھا نہ ہلوں میں ۲/۷۱۔ سامری خود سانڈ دیوتا کی پوجا کرتا تھا۔ جسے اُس نے گھنگرو اور ٹلیاں پہنا رکھی تھیں اور اُسے مرادیں دینے والا بتا کر لوگوں سے معبود منوا لیا۔ بعض عورتوں نے بھی فرطِ عقیدت کیساتھ اپنے زیور اتار کر اُسے پہنا دئے۔ آج بھی یہی حالت ہے کہ بعض لوگ بکرے یا بیل بچھڑے وغیرہ کو گوٹے والا اُچھاڑ چڑھا کر اور زیورات پہنا کر گلیوں اور بازاروں میں نمائش کرتے پھرتے ہیں۔ لوگ اُن سنگارے ہوئے جانوروں سے مرادیں مانگتے اور اُن کے حضور میں نذر و نیاز پیش کرتے ہیں۔ یہی حالت مذکورہ بچھڑے کی تھی اور جو لوگ ان جانوروں کو اچھاڑ چڑھا کر اور زیور پہنا کر نمائش کرتے پھرتے ہیں، سامری اسی قسم کا گئو پرست آدمی تھا۔

● سامری کے متعلق سورہ طٰہٰ میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰ جب کتاب لکھوا کر واپس آئے تو دیکھا کہ سامری نے قوم بنی اسرائیل کو بچھڑے کی پوجا پر لگا دیا ہے۔ پہلے تو آپ اپنے بھائی ہارون کو ناراض ہوئے پھر سامری کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

● قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ۝ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ۝ ۲۰/۹۵-۹۶ حضرت موسیٰ نے پوچھا کہ اے سامری تیرا کیا معاملہ ہے۔ اُس نے کہا میں نے وہ چیز سمجھی ہے جسے لوگ نہیں سمجھے میں نے سابقہ رسول کے اثر (منسوب احادیث) میں سے ایک اثر (ایک حدیث) لی اور اُسے لوگوں کے سامنے پیش کیا اور میرے نفس نے مجھے ایسا ہی سمجھایا —— یہ تو ہے ۲۰/۹۵-۹۶ کا صحیح ترجمہ کہ تو میں اپنے گزرے ہوئے رسولوں کی طرف منسوب احادیث کو انکے اثر قرار دے لیتی ہیں۔ سامری نے ایسی ہی کوئی روائت منسوب پیش کی جسمیں سابقہ کسی رسول کی طرف گئو سالہ پرستی منسوب کیگئی تھی۔ قوم نے کسی سابقہ رسول کی سُنت سمجھ کر بچھڑا پرستی شروع کر دی۔

● روائتی تفاسیر نے انہی آیات مجیدہ ۲۰/۹۵-۹۶ ہی کے الفاظ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ کا یہ معنٰی لیا ہے کہ سامری نے کہا کہ میں نے حضرت جبریل کی گھوڑی کے پہیوں کی مٹی بھر مٹی اٹھالی۔ (یہ کوئی نہیں سوچتا کہ سامری کو جبریل اور اسکی گھوڑی کہاں مل گئے تھے؟) —— حضرت موسیٰ نے قوم کو بھی انکا وعدہ یاد دلایا ہے۔ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۲۰/۸۶ کہا اے میری قوم کیا تمہارے رب نے تم سے (اپنی خالص فرمانبرداری کا) اچھا وعدہ نہیں لیا تھا (تمہیں کیا ہو گیا) انہوں نے جواب ۲۰/۸۷ دیا:-

● قَالُوا مَا أَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلَٰكِنَّا حُمِّلْنَا أَوْزَارًا مِّن زِينَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنَاهَا فَكَذَٰلِكَ أَلْقَى السَّامِرِيُّ ۝ فَأَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهُ خُوَارٌ فَقَالُوا هَٰذَا إِلَٰهُكُمْ وَإِلَٰهُ مُوسَىٰ فَنَسِيَ ۝ $\frac{۲۰}{۸۷-۸۸}$ قوم نے کہاکہ (اے موسیٰ) ہمنے از خود آپکے وعدے کیخلاف نہیں کیا۔ لیکن ہم قوم کی زینت (زیورات جو بچھڑے کو پہنائے گئے تھے) کا بوجھ اٹھوائے گئے ہم نے اُسے بلا سوچے سمجھے اٹھالیا۔ پس اسی طرح سامری نے (بچھڑے کو سنگار کر) ہمیں پیش کیا۔ یعنی اُس نے قوم کیلئے ایک بچھڑا نکالا جو محض ایک جسم ہے۔ اُس میں صرف بچھڑے کی آواز ہے۔ پس سامری اور اُسکے ساتھیوں نے کہاکہ یہ بچھڑا ہی تمہارا بھی معبود ہے اور موسیٰ کا بھی یہی معبود ہے۔ موسیٰ اپنے اس معبود کو بھول گیا ہے۔ تفسیر القرآن بالقرآن جلد اول کے صفحہ ۴۲ تا ۵۵ پر اسکی وضاحت کی جاچکی ہے کہ اُسی بچھڑے کو ذبح کرا کے عملاً ثابت کردیا گیا تھا کہ وہ جو اپنے آپکو چھری سے نہیں بچاسکا، وہ تمہاری کیا مرادیں پوری کرے گا۔ سورۂ طٰہٰ میں ہے کہ حضرت موسیٰ نے سامری کو کہاکہ دیکھ ہم تیرے معبود کو ابھی جلاکر اسکی راکھ دریا میں بہادیتے ہیں۔

● وَانظُرْ إِلَىٰ إِلَٰهِكَ الَّذِي ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا لَّنُحَرِّقَنَّهُ ثُمَّ لَنَنسِفَنَّهُ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ۝ $\frac{۲۰}{۹۷}$ اور تو اپنے معبود کیطرف دیکھنا جس کے سامنے تو جھکا ہوا ہے ہم اُسے ضرور ضرور (تیرے سانڈ دیوتا کو ذبح کرکے $\frac{۲}{۱۷}$) جلادینگے پھر اسکی راکھ بکھیر کر دریا میں بہاکر نیست ونابود کردینگے۔ اِس آیت مجیدہ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ سامری نے زیورات کا بچھڑا نہیں ڈھالا تھا۔ بلکہ وہ ایک اصلی بچھڑا تھا جو ذبح بھی ہوسکتا تھا اور جل کر راکھ بھی ہوسکتا تھا۔ اسکے برعکس زیورات کے ڈھالے ہوئے بچھڑے کو چونکہ جلانے اور اسکی راکھ بنانے کا تصور ہی پیدا نہیں ہوتا، اسلئے ثابت ہوا کہ وہ بچھڑا ایک حقیقی بچھڑا تھا، جسے ذبح کرکے، جلاکر اور راکھ بناکر دریا میں بہادیا گیا تھا اور سامری سُنار نہیں تھا۔ بلکہ ایک گئو پرست مُشرک تھا جس نے حضرت موسیٰ کی عدم موجودگی میں کسی سابقہ رسول کی سنت بناکر گئو سالہ کو قوم کا اور حضرت موسیٰ کا معبود بتاکر گئو سالہ پرستی شروع کرادی تھی۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں خود قوم موسیٰ کے ہاتھوں بچھڑے کو ذبح کرواکر اُسے اُن سے چھڑانے کا وہی ذکر اختصاراً کیا گیا ہے جو سورۂ بقرہ، آیت نمبر ۶۵ تا ۷۲ میں تفصیلاً بیان ہوا ہے۔ اور ساتھ ہی بچھڑا پرستی سے قوم بنی اسرائیل کی ندامت بھی مذکور ہے:-

وَلَمَّا سُقِطَ فِي أَيْدِيهِمْ وَرَأَوْا أَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوا
اور جب چھڑوایا گیا بذریعہ ہاتھوں انکے اور دیکھا بیشک تحقیق گمراہ ہوگئے

قَالُوا لَئِن لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُونَنَّ
کہا البتہ اگر نہ رحم کرتا ہم پر رب ہمارا اور بچاتا واسطے ہمارے ضرور ہوتے ہم

مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝ ۱۴۹
سے گھاٹا پانیوالوں کے

اور جب خود اُنکے (بنی اسرائیل کے) ہاتھوں (بچھڑے کو ذبح کروا کر اُسے اُن سے چھڑوا دیا گیا اور اُنہوں نے جان لیا کہ بلاشبہ وہ (گئو سالہ پرستی کرکے) گمراہ ہوگئے تھے تو اُنہوں نے کہاکہ اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہ کرتا اور ہمیں (گئو سالہ پرستی سے) بچا نہ لیتا تو ضرور ہم (اخروی) نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوجاتے۔

● ۱؎ سُقِطَ کا لفظی معنی ہے گروایا دیا گیا۔ یہاں بنی اسرائیل سے گئو سالہ پرستی کا چھڑانا مراد ہے جو اُنسے نیچ کرا کے چھڑائی گئی۔
● ۲؎ فِی بمعنی بذریعہ کی قرانی دلیل اور مثال پہلی جلد کے دیباچہ کے صفحہ ۹۵ پر ملاحظہ فرمائیں۔
● ۳؎ رَاَوْا کا معنی انہوں نے دیکھا بھی ہے اور غور کیا بھی ہے۔ کیونکہ دیکھنے کیساتھ ہی متصلاً مقامِ غور ہے۔
● ۴؎ یَغْفِرْ لَنَا میں غفر کا مصدری معنی ہے بچانا۔ یہاں گئو سالہ پرستی سے بچانا مقصود ہے
● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت موسیٰ کو کوہِ طور ہی پر خبر پہنچ گئی تھی کہ قوم نے گئو سالہ پرستی شروع کر دی ہے۔ اسلئے آپ انتہائی غصے کی حالت میں واپس آئے اور اپنے بھائی سے بھی ناراض ہوئے اور قوم سے بھی۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے:-

وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ
اور جب لوٹا موسیٰ طرف قوم اپنی غصے میں افسوسناک، کہا
بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِیْ مِنْۢ بَعْدِیْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ
بری ہے جو جانشینی کی تم نے میری بعد میرے کیا تم نے جلدی کی حکم رب اپنے
وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِیْهِ یَجُرُّهٗۤ
اور رکھیں تختیاں اور پکڑا ساتھ سر بھائی اپنے کھینچا اُسے
اِلَیْهِ ۚ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ
طرف اپنی کہا بیٹے ماں میری کے بیشک قوم نے کمزور کر دیا مجھے
وَكَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ ۖ٘ فَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَآءَ
اور قریب تھا قتل کر دیتے مجھے پس نہ ہنسا ساتھ میرے دشمنوں میرے کو
وَلَا تَجْعَلْنِیْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝۱۵۰
اور نہ ٹھہرا مجھے ساتھ قوم ظالموں کے

اور جب حضرت موسیٰ (قوم کی نافرمانی پر) افسوس کرتے ہوئے غضبناک حالت میں اپنی قوم کی طرف واپس آئے تو (اپنے بھائی سے اور قوم سے کہا) تم نے میرے بعد میری بُری جانشینی کی ہے، کیا تم نے اپنے رب کے حکم (اُسکے عذاب کے لئے) جلدی کی ہے اور تختیاں (ایک طرف) رکھ دیں۔ اور اپنے بھائی کو موقعہ پہ آپکڑا اُسے اپنی طرف بلایا۔ اُس نے کہا اے میری ماں جائے بیشک قوم نے مجھے کمزور کر دیا (میرا ساتھ نہ دیا) اور قریب تھا کہ سب میری مخالفت کر دیتے۔ پس تو مجھ پر میرے دشمنوں کو مت ہنسا۔ اور مجھے ظالموں (گئو سالہ پرستی کرنے والوں کا) ساتھی نہ ٹھہرا۔

● ۱؎ اَخَذَ بِرَاْسِ اَخِیْهِ یَجُرُّهٗۤ کا معنی روائتی تفاسیر میں یہ لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ نے حضرت ہارون کو سر کے بالوں سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ بلکہ سورہ طٰہٰ کے الفاظ فقل لَا تَاْخُذْ بِلِحْیَتِیْ وَلَا بِرَاْسِیْ ۲۰/۹۴ سے روائتی تراجم نے یہ نقشہ پیش کیا ہے کہ حضرت موسیٰ نے ایک ہاتھ سے حضرت ہارون کی ڈاڑھی پکڑ لی اور دوسرے سے سر کے بالوں کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ العیاذ باللہ!

● حضرت موسیٰ و ہارون دونوں سگے بھائی بھی تھے اور دونوں اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبی بھی تھے۔ اسی طرح دنیاوی کے اخلاق کا جو نقشہ روائتی تراجم نے پیش کیا ہے اس سے بڑھ کر انبیاء کرام کی کیا توہین ہو سکتی ہے؟ اَخَذَ بِرَاْسِ کا لفظی ترجمہ ہے سر سے

پکڑا اور محاوراتی معنی ہے سر پر پہنچ گیا۔ موقعہ پر آ گیا۔ جب قوم بچھڑے کی پوجا میں معروف تھی۔ اور یَجُرُّہٗۤ اِلَیۡہِ کا، محاوراتی مفہوم یہ ہے جواب طلبی کیلئے اپنے پاس بلایا۔ جب آپ غصّے کی حالت میں لوگوں کے سامنے ناراض ہونے لگے تو حضرت ہارونؑ نے کہا فَلَا تُشۡمِتۡ بِیَ الۡاَعۡدَآءَ ۔ مجھ پر میرے دشمنوں کو مت ہنسائیے۔ قوم کو میرا مذاق اڑانے کا موقعہ نہ دیجئے میرا قصور کوئی نہیں۔ میں نے بہت سمجھایا مگر قوم نے ایک نہ مانی۔ اور یہی مفہوم ہے ۲۰/۹۴ کے الفاظ لَا تَاۡخُذۡ بِلِحۡیَتِیۡ وَلَا بِرَاۡسِیۡ کا کہ لوگوں کے سامنے میری مذمت نہ کریں کیونکہ لوگوں کو مجھ پر ہنسنے کا موقعہ میسر آ جائیگا۔

● انبیاء کرام کتنے ہی غصّے کی حالت میں ہوں، انسانی اخلاق کا دامن کبھی نہیں چھوڑتے۔ جب حضرت موسیٰؑ حقیقتِ حال سے آگاہ ہوئے تو فرمایا:۔

قَالَ رَبِّ اغۡفِرۡ لِیۡ وَلِاَخِیۡ وَاَدۡخِلۡنَا

کہا اے میرے رب معاف کر واسطے میرے اور واسطے بھائی میرے اور داخل کر ہم کو

فِیۡ رَحۡمَتِکَ ۫ۖ وَاَنۡتَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِیۡنَ ۱۵۱

بیچ رحمت اپنی　اور تو ہے بڑھ کر رحم کرنیوالا رحم کرنیوالوں کا

(حضرت ہارونؑ کے حقیقتِ حال واضح کرنے پر حضرت موسیٰ نے حضورِ خداوندی میں عرض کیا) اے میرے پروردگار مجھ سے اور میرے بھائی سے جو کمزوری ہو گئی ہے اسکے بدلے) مجھے بھی معاف فرما اور میرے بھائی کو بھی معاف فرما حقیقت یہ ہے کہ تو سب رحم کرنیوالوں کا بڑھ کر رحم کرنیوالا ہے۔

جواباً ارشاد ہوا:۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ اتَّخَذُوا الۡعِجۡلَ سَیَنَالُہُمۡ غَضَبٌ

بیشک جنہوں نے　پکڑا　بچھڑا　ضرور پہنچیگا انہیں غضب

مِّنۡ رَّبِّہِمۡ وَذِلَّۃٌ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ؕ وَکَذٰلِکَ

سے رب ان کے اور ذلت　زندگی میں　دنیا کے　اور مثل مذکورہ

نَجۡزِی الۡمُفۡتَرِیۡنَ ۱۵۲

ہم بدلہ دیتے ہیں افترا کرنیوالوں کو

(اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ تم دونوں سے ہم نے درگزر کیا مگر) بلاشبہ جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود بنایا ہے، انہیں اُنکے رب کی طرف سے ضرور عذاب اور ذلت آئیگی۔ اور اس مذکورہ طریقے سے ہی ہم افترا کرنے والوں کو (اُنکے افترا کا) بدلہ دیتے ہیں۔

وَالَّذِیۡنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِہَا

اور جنہوں نے عمل کئے　برے　پھر توبہ کی　سے پیچھے اسکے

وَاٰمَنُوۡۤا ۫ اِنَّ رَبَّکَ مِنۡۢ بَعۡدِہَا لَغَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ۱۵۳

اور ایمان لائے بیشک رب تیرا ہے　سے بعد اسکے ضرور معاف کرنیوالا مہربان

اور (ہمارا قانون یہ ہے کہ) جو لوگ برے عمل کریں پھر اسکے بعد توبہ کریں اور (عملاً) ایمان لائیں، یعنی پھر برے عمل نہ کریں) تو بیشک تیرا رب اس کے بعد ضرور معاف کرنے والا مہربان ہے۔

سامری کا بائیکاٹ

● حضرت موسیٰ پر حقیقتِ حال نمایاں ہو گئی کہ قصوروار سامری ہے تو آپ نے اُسے یہ کہکر قوم سے خارج کر دیا۔ قَالَ فَاذۡہَبۡ فَاِنَّ لَکَ فِی الۡحَیٰوۃِ اَنۡ تَقُوۡلَ لَا مِسَاسَ ۲۰/۹۷ کہا چلا جا یہاں سے پس تجھ پر لازم ہے کہ تو یہ کہے کہ میرا (موسیٰ، ہارون اور سابقہ انبیاء کیساتھ کوئی میل نہیں کوئی واسطہ نہیں)۔ تو اس طرح واقعۂ سامری کے اثرات مذاہل

کرنے اور قوم کی اصلاح کر چکنے کے بعد جب آپکا پوری طرح غصہ اتر گیا تو سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے۔

وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۖ
اور جب دور ہوا سے موسیٰ غصہ پکڑیں تختیاں

وَفِي نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ هُمْ لِرَبِّهِمْ
اور بیچ تحریر انکی ہدایت اور رحمت ہے واسطے انکے وہ واسطے رب اپنے

يَرْهَبُونَ ○ ۱۵۴
ڈرتے ہیں

اور جب حضرت موسیٰ سے غصہ (پوری طرح رفع ہو گیا تو۔ کتاب کی لکھی ہوئی الواح کو اٹھایا (اور کار تبلیغ میں معروف ہو گئے) انکی تحریر میں ان لوگوں کے لئے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں، ہدایت بھی تھی اور رحمت بھی تھی۔

کتاب لکھوانے کیلئے ستّر کاتبوں کو چُنا گیا تھا

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں پھر پیچھے گزرے ہوئے واقعہ کتابت کتاب کی طرف رخ کیا گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اسکی وضاحت کچھ اور بالفاظ ذیل فرمائی ہے۔

وَاخْتَارَ مُوسَى قَوْمَهُ سَبْعِينَ رَجُلًا لِّمِيقَاتِنَا ۚ
اور چنے موسیٰ نے قوم اپنی سے ستر آدمی واسطے وعدے ہمارے

فَلَمَّا اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ
پھر جب پکڑا ان کو زلزلے نے کہا رب میرے اگر چاہتا تو ہلاک کرتا تو انکو

مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ۖ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاءُ
سے پہلے اور مجھے بھی کیا تو ہلاک کرتا ہے ہمکو بوجہ اسکے جو کیا بیوقوفوں نے

مِنَّا ۖ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ۖ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَاءُ
سے ہمارے نہیں ہے وہ مگر قانون تیرا گمراہ کرتا ہے ساتھ اسکے جسے تو چاہے

وَتَهْدِي مَنْ تَشَاءُ ۖ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا
اور تو ہدایت دیتا جسے تو چاہے تو ہی ہے مددگار ہمارا معاف کر واسطے ہمارے

وَارْحَمْنَا ۖ وَاَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِينَ ○ ۱۵۵
اور رحم کر ہمکو اور تو ہی ہے بہتر معاف کرنے والوں کا

اور موسیٰ نے (ہماری کتاب لکھوانے کے) ہمارے وعدہ کیلئے ستر آدمیوں کو چُنا۔ پھر جب (موسیٰ سمیت) ان سب کو (بجلی کی کڑک سے پیدا شدہ $\frac{2}{55}$) زلزلے نے آپکڑا۔ (اور وہ سب بیہوش ہو گئے تو حضرت موسیٰ نے ہوش میں آنے کے بعد) کہا کہ اے اللہ اگر تو (اپنی متعینہ اقدار کے مطابق) چاہتا تو ان سب کو اور مجھے بھی اس سے پہلے ہلاک کر دیتا۔ کیا تو بیوقوفوں کی جد کے بدلے ہمیں ہلاک کرتا ہے (ہرگز ہلاک نہیں کرتا) جو ہم سے بیوقوفوں نے کی ہے $\frac{2}{55}$۔ نہیں ہے یہ مگر تیرا قانون مشیت ہے۔ اسی کیساتھ تو اپنی متعینہ اقدار کے مطابق کسی کو گمراہ اور کسی کو ہدایت یافتہ پاتا ہے اپنے قانون مشیت کے مطابق۔ تو ہی ہمارا کارساز ہے۔ پس تو ہی ہماری لغزش کے ضرر سے ہماری توبہ کی بدولت بچالے۔ اور ہم پر رحم کر حقیقت یہ ہے کہ تو بچانے والوں کا بہتر بچاؤ دینے والا ہے۔

● اس آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ نے جو اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی التجا کی تھی $\frac{2}{55}$ تو یہ انکے ستر ساتھیوں میں

میں سے بعض کی ضد کی بدولت تھی۔ جیسے کہ سورہ بقرہ میں وضاحتاً بتایا گیا ہے۔

● وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ نَرَى اللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْكُمُ الصَّاعِقَةُ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ ۔ ثُمَّ بَعَثْنَاكُم مِّن بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۔ ۲/۵۵-۵۶ اور (اے زمانۂ رسالت محمدی کے یہودیو!) وہ وقت قابل ذکر ہے جب تم نے (تمہارے بزرگوں کے ان ستر افراد میں سے بعض بیوقوفوں نے (۷/۱۵۵) جنہیں حضرت موسیٰ کتاب لکھوانے کیلئے طور پر لے گئے تھے) یہ کہا کہ ہم اسوقت تک آپ پر ایمان نہیں لائیں گے (کہ آپکے ساتھ اللہ کلام کرتا ہے) جبتک ہم اللہ تعالیٰ کو ظاہر نہ دیکھ لیں (اس پر موسیٰ نے ہم سے رب أرنی ۷/۱۴۳ کی التجا کر دی۔ تو تمہارے بڑوں کو بجلی کی کڑک والے زلزلے ۷/۱۴۳ نے پکڑ لیا اور وہ اس منظر کو تم (تمہارے بزرگ) آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ (پھر ایسا ہوا کہ موسیٰ سمیت تمہارے بزرگ بیہوش ہوگئے ۷/۱۴۳) پھر اس موت کی سی حالت کے بعد ہم نے تمہیں (تمہارے بزرگوں کو) ہوش میں لاکر کھڑا کر دیا تاکہ تم (تمہارے بزرگ) میرا شکر کریں۔ (میرے احکام کیمطابق زندگی بسر کریں)۔

● ملہ فِتْنَتُكَ میں فتنہ کا لفظی معنیٰ آزمائش ہے۔ لیکن جب یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مستعمل ہو تو اسکا معنیٰ آزمائش نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہے وہ ہرکسی کے ماضی، حال اور مستقبل کو اچھی طرح جانتا ہے۔ یہاں اس لفظ کا معنیٰ قرآنی لغت کے مطابق بتا دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کا قانونِ مشیت۔ جیسے کہ متصلہ الفاظ میں آیا ہے تُضِلُّ بِهَا مَن تَشَاءُ کہ تو جسے گمراہ پاتا ہے مطابق اسکے یعنی اپنے قانونِ مشیت ہی کے مطابق پاتا ہے اور جسے ہدائت یافتہ پاتا ہے اپنے قانونِ مشیت ہی کے مطابق پاتا ہے۔ تُضِلُّ میں خاصہ وجدان ہے۔ کسی کو گمراہ، اللہ نہیں کرتا۔ جو بھی گمراہ ہوتا ہے خود ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے گمراہ ہوا ہوا پاتا ہے کرتا نہیں، اور اسی طرح جو کوئی ہدائت اختیار کرتا ہے خود کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے ہدائت یافتہ پاتا ہے۔ مَن تَشَاءُ کی بحث تفسیر القرآن بالقرآن جلد دوم کے صفحہ ۲۷ پر تُعِزُّ مَن تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَن تَشَاءُ ۳/۲۶ کی تفسیر میں گزر چکی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ اب ہدائت و گمراہی کا قانونِ مشیت یہ ہے قُلِ الْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ فَمَن شَاءَ فَلْيُؤْمِن وَمَن شَاءَ فَلْيَكْفُرْ ۱۸/۲۹ اے رسول! کہدیجئے گا کہ حق قرآن کریم تمہارے رب کیطرف سے ہے جو کوئی خود چاہے اس پر ایمان لائے اور ہدائت پائے جو کوئی خود چاہے انکار کردے اور گمراہ ہو جائے۔

رجوع الی المقصود ● سلسلہ درس کی اگلی آئت مجیدہ میں حضرت موسیٰ کی دعا و التجا کے باقی الفاظ بیان کئے گئے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی آرزو سے توبہ کرنے کے بعد آپنے دُنیا و آخرت کی بھلائی طلب فرمائی۔

وَاكْتُبْ لَنَا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ

اور لکھ واسطے ہمارے بیچ اس دنیا کے بھلائی اور | اور (اے ہمارے پروردگار) لکھ دے ہمارے لئے اس دنیا اور آخرت میں بھلائی (یعنی ہم ضرور بھلائی کے کام کرینگے) اللہ نے

فِي الْآخِرَةِ إِنَّا هُدْنَا إِلَيْكَ ۚ قَالَ عَذَابِي أُصِيبُ بِهِ
بیچ آخرت کے بیشک ہم نے رجوع کیا طرف تیری۔ کہا عذاب اپنا پہنچاتا ہوں ساتھ اس کے

مَنْ أَشَاءُ ۖ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۚ فَسَأَكْتُبُهَا
جسے چاہوں اور رحمت میری وسیع ہوئی ہر چیز سے پھر ضرور لکھوں گا اسے

لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ
واسطے انکے جو بچتے ہیں اور وہ دیتے ہیں زکوٰۃ اور جو ہیں وہ

بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٥٦﴾
ساتھ آیتوں ہماری ایمان لاتے

فرمایا میں اپنا عذاب اُسے پہنچاتا ہوں، جسے اپنے قانونِ مشیت کے مطابق چاہتا ہوں۔ (یعنی بُرے عمل کرنیوالوں کو پہنچاتا ہوں) حقیقت یہ ہے کہ میری رحمت ہر چیز سے وسیع ہے[1] پس ضرور اپنی رحمت ان لوگوں کے لئے لکھتا ہوں (فرض کرتا ہوں) جو میرے قانون کی مخالفت سے بچتے ہیں۔ اور معاشرہ کے دُبلوں کو فربہی دیتے ہیں اور وہ لوگ ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں (زبانی زبانی ایمان نہیں بلکہ اُن پر عملاً ایمان لاتے ہیں)۔

● ۱ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ کے الفاظ میں اعلان کیا گیا ہے کہ میری، اللہ کی رحمت ہر چیز سے وسیع ہے۔ یعنی اُس کا قانونِ مشیت یہ ہے کہ کوئی شخص اس کی رحمت سے محروم نہ رہے۔ لیکن جو لوگ بُرے عمل بجالاتے ہیں وہ خود اللہ کی رحمت سے دُور ہوتے ہیں۔ جیسے کہ اسی آیت مجیدہ میں آیا ہے کہ میں ان لوگوں کیلئے اپنی رحمت فرض کر دیتا ہوں، جو میرے قانون کی مخالفت سے بچتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔ یعنی دُبلوں، کمزوروں کو انکی ضروریاتِ زندگی مہیا کرکے انہیں فربہی دیتے ہیں۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں زمانۂ رسالتِ محمدی کے اُن یہود و نصاریٰ کا ذکر لایا گیا ہے جو آنحضور[صلعم] پر ایمان لائے اور نیک عمل کئے۔

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي
وہ لوگ جو اتباع کرتے ہیں ہمارے رسول نبی مکی کی جسے

يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ
پاتے ہیں اسے لکھا ہوا پاس اپنے بیچ توراۃ کے اور انجیل کے

يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ
حکم کرتا ہے ساتھ احکام الٰہیہ کے اور منع کرتا ہے انہیں سے منکرات الٰہیہ سے

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ
اور حلال جانتا ہے واسطے انکے پاکیزہ چیزیں اور حرام بتاتا ہے اُوپر ان کے

الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي
ناپاک چیزیں اور اُتارتا ہے سے اُنکے بوجھ اُن کے اور طوق جو

وہ لوگ ہمارے مکی رسول نبی (پر ایمان لاکر اُس) کی اتباع کرتے ہیں جسے (یعنی جس کی آمد کی خوشخبری) اپنے ہاں توراۃ اور انجیل میں لکھی ہوئی پاتے ہیں۔ وہ انہیں معروف یعنی قرآنی احکام کا حکم دیتا ہے اور منکر یعنی ان کاموں سے منع کرتا ہے جو قرآن نے منع کئے ہیں۔ اور وہ احکام قرآنیہ کے مطابق طیبات (یعنی) پاکیزہ چیزیں حلال بتاتا ہے۔ اور وہ اُنکے لئے خبائث (یعنی ناپاک چیزوں کو حرام بتاتا ہے۔ اور وہ اُنکے بوجھ اُتارتا ہے اور اُنکے وہ طوق دُور کرتا ہے جو اُن پر (اُنکی گردنوں میں) پڑے ہوئے ہیں۔ پس جو لوگ اِس (نبی اُمّی) پر ایمان لائیں اور اسکی تعظیم کریں اور اسکی مدد کریں اور اُس نُور (قرآن کریم) کی

كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۚ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ
ہیں۔ تو جو ان کے پھر جو لوگ ایمان لائیں ساتھ اسکے اور عزت کریں اسکی

وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ ۙ
اور مدد کریں اسکی اور اتباع کریں نور کی جو اتارا گیا ساتھ اسکے

أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿١٥٧﴾ ع
وہی ہیں وہی کامیاب ہونیوالے

اتباع کریں جو اس پر نازل کیا گیا ہے۔ وہی لوگ ہیں وہی تو فلاح پانے والے (یعنی دنیا و آخرت میں کامیاب ہونے والے) ہیں۔

● ۱؎ امی کا لفظ جہاں آنحضورؐ کی تعریف کیلئے آیا ہے وہاں اسکا معنی ان پڑھ نہیں بلکہ مکی ہے کیونکہ ۴۲/۷ میں مکہ معظمہ کو ام القری کہا ہے۔ اسلئے ام کیساتھ یائے نسبتی لگا کر امی کہا یعنی مکی کہا جاتا ہے۔ سورہ جمعہ میں اسکی وضاحت بالفاظ ذیل کر دیگئی ہے۔ هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ ۶۲/۲ وہ اللہ ہی ہے جس نے مکے والوں میں انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا —— آنحضورؐ کو جن لوگوں کے اندر انہی میں سے رسول مبعوث فرمایا گیا تھا وہ سب ان پڑھ نہیں تھے بلکہ مکی تھے جن میں مکی رسول مبعوث کیا گیا تھا۔ ۶۲/۲ کا یہ معنی کس قدر تعجب انگیز غلط ہے کہ وہ اللہ ہی ہے جس نے ان پڑھوں میں ایک ان پڑھ رسول مبعوث فرمایا۔ یاللعجب!

● ۲؎ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ کے الفاظ سے ثابت ہے کہ آنحضورؐ کی تشریف آوری کی خبر توراۃ میں بھی نازل کر دیگئی تھی اور انجیل میں بھی اسے نازل کر دیا گیا تھا۔ توراۃ و انجیل کے جن موجودہ نسخوں میں آنحضورؐ کی خوشخبری موجود نہیں ثابت ہوتا ہے کہ ان میں سے متعصب یہود و نصاریٰ نے خرد و خارج کر دی ہے۔

● ۳؎ المعروف کا لفظی معنی ہے جانا ہوا۔ یہ ایک قرآنی اصطلاح ہے جس کا مفہوم ہے احکام قرآنیہ۔

● ۴؎ المنکر المعروف کی ضد ہے یعنی غیر معروف یہ بھی قرآنی اصطلاح ہے بمعنی وہ کام جن سے قرآن نے منع کر دیا ہے۔

● ۵؎ و ۶؎ یُحِلُّ اور یُحَرِّمُ کا یہاں لفظی معنی مراد نہیں کہ مکی رسول حلال کرتا حرام کرتا ہے کیونکہ اللہ کے رسول اللہ کا پیغام پہنچاتے تھے، اللہ کے دین میں رد و بدل کرنے کے مجاز نہیں تھے۔ ۱۰/۱۵ میں خود آنحضورؐ کا اعلان موجود ہے مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِن تِلْقَاءِ نَفْسِي ۔ میں اس امر کا مجاز نہیں ہوں کہ اللہ کے کلام کو اپنی خواہش سے بدل دوں۔ کسی چیز کو حلال یا حرام ٹھہرانے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ رسول کے ذمہ صرف اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچانا ہے مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ ۵/۹۹۔ چنانچہ آنحضور کو حکم دیا۔ يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ۵/۶۷ اے رسول جو کچھ آپکے رب کی طرف سے آپکی طرف نازل کیا گیا ہے، اسے لوگوں تک پہنچا دیں۔ اگر کسی چیز کو آنحضور حلال یا حرام کریں تو دین اللہ کا خالص ہو جاتا ہے، جس کے متعلق آنحضور کو حکم دیا گیا ہے:-

● إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللَّهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّينَ ۝ أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ ۳۹/۲-۳ بیشک ہم نے آپ کی

طرف اپنی سچی کتاب نازل فرمائی ہے۔ پس آپ اللہ کی فرمانبرداری کریں اُسکے دین (قرآن) کو خالص رکھتے ہوئے۔ خبردار اللہ کیلئے خالص دین ہے (ملاوٹ والا دین اسکے ہاں مقبول نہیں)۔

● سورہ تحریم میں آیا ہے يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ ۶۶/۱ اے نبی! آپ کیوں حرام کرینگے اُس چیز کو جو اللہ نے آپکے لئے حلال فرمائی ہے (یعنی آپ ایسا ہرگز نہیں کرینگے) اس آیت میں دو چیزوں کا ثبوت ملتا ہے۔ پہلی یہ ہے۔ حلال و حرام کرنا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور دوسری یہ کہ آنحضور کو نہ کسی چیز کو حلال و حرام کرنے کا حق حاصل ہے اور نہ آپ نے کسی چیز کو حرام (یا حلال) کبھی بھی کیا تھا۔ پس آیت بالا زیر بحث ۷/۱۵۷ میں مذکورہ بالا حقائق قرآنیہ کے مطابق يُحِلُّ اور يُحَرِّمُ کا صحیح معنی یہی ہے جو لکھا گیا ہے کہ وہ (اُمّی نبی رسولؐ) پاکیزہ چیزوں کو حلال بتاتا ہے اور ناپاک چیزوں کو حرام بتاتا ہے (حلال و حرام کرتا نہیں)۔

● ۸ يَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ کا دائرہ بہت وسیع ہے کہ آنحضورؐ نے عوام پر قرآنی احکام نافذ کر کے قرآنی سلطنت کی حدود میں بسنے والوں پر پڑے ہوئے تمام بوجھ اتار دیئے تھے۔ یعنی نظام ربوبیت کے قیام کی بدولت ضروریات زندگی کے جس بوجھ تلے الگ الگ افراد دبے ہوئے تھے، وہ تمام بوجھ مرکزی حکومت کی طرف منتقل کر دئیے گئے۔ اور اغلال یعنی طوق لوگوں نے اپنے اپنے بزرگوں کی تقلید کے پٹے اپنی گردنوں میں ڈال رکھے تھے، نیز قومی، قبائلی، علاقائی اور خاندانی رسم و رواج کے جو قلادے اپنی اپنی گردنوں میں پہنے ہوئے تھے، آنحضور نے سب کے سب اتار پھینکے۔ اور انہیں ان تمام جکڑ بندیوں سے آزاد کر دیا۔

● ۹ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ کے الفاظ میں آنحضورؐ پر ایمان لانے کی صحیح صورت بتادی گئی ہے کہ آنحضور پر صحیح ایمان اُس شخص کا ہے کہ ایمان لانے کے بعد آپکی تعظیم و تکریم میں کسی قسم کی کمی نہ رہنے دے اور قرآنی نظام کے قیام میں آپکی مدد بھی کرے۔ جبتک آنحضور بنفس نفیس اُمت میں موجود رہیں اسوقت تک آپکی حمایت اور مدد کرنا اپنا فرض جانے اور جب آپ دنیا سے تشریف لے جائیں تو آپکے قائم کردہ نظام اور آپکے قرآنی مشن کو آگے سے آگے بڑھانے میں خود بھی کوشاں رہے اور جو لوگ اس نظام کے سربراہ ہوں انکی مدد کرتا رہے۔

● ۱۰ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ کے الفاظ میں آنحضورؐ پر ایمان لانے کی عملی تصدیق کا اعلان کر دیا ہے کہ جو لوگ آنحضورؐ پر ایمان لائیں ان پر لازم ہے کہ وہ اُس نور کی اتباع کریں جو آنحضور کے ساتھ نازل کیا گیا تھا۔ وہ قرآن کریم ہے۔ اس جملے میں أُنزِلَ مَعَهُ کے الفاظ انتہائی اہم ہیں۔ کیونکہ قرآن کریم تو آپکی طرف نازل کیا گیا تھا۔ نہ یہ کہ آپ بھی نازل ہوئے تھے اور قرآن کریم بھی آپ کے ساتھ نازل ہوا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ نزول کریم سے ماقبل زمین پر موجود تھے۔ قرآن کریم کو نازل فرمایا گیا تھا اور آپکو زمین میں بحیثیت نبی مبعوث فرمایا گیا تھا۔ تو اس طرح قرآن اور رسول کی معیت یہ ہے کہ قرآن کریم کے نزول سے پہلے آپ محمد بن عبد اللہ تھے، اس کے نزول کے ساتھ آپ محمد رسول اللہ ہوئے۔ بالفاظ دیگر اہل عالم کی طرف قرآن کے نزول

اور آنحضور کی بعثتِ مبارکہ میں مضمر ہے کیونکہ ایک ہی وقت پر ادھر آپ کی طرف قرآنِ کریم نازل ہوا اُدھر آپ نبی رسول ہو گئے۔

● نیز وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ کے الفاظ میں دو چیزوں کا اعلان کیا گیا ہے **ا** - پہلی یہ کہ قرآن نور ہے اور **ب** دوسری یہ کہ قرآنِ کریم ہی واجب الاتباع ہے۔ ان ہر دو شقوں کی الگ الگ وضاحت پیش خدمت ہے:-

ا - قرآن نور ہے - سورہ نساء میں ارشاد ہوا ہے:- یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْكُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا ؁ 4/175 اے نوعِ انسانی بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دلیلِ قاطعہ آگئی ہے یعنی ہمنے تمہاری طرف نور (قرآنِ کریم) نازل کر دیا ہے - اور 7/157 میں بھی نور کو نازل کردہ بتایا گیا ہے - اور اس آیت مجیدہ 4/175 میں بھی نور کو نازل کردہ بتایا گیا ہے - اسی طرح سورہ تغابن میں بھی آیا ہے فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا 64/8 پس ایمان لاؤ اللہ کیساتھ اور اُسکے رسول کیساتھ اور اس نور کیساتھ جو ہمنے نازل فرمایا ہے - یہاں پہنچ کر سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ نور کیا ہے جو اللہ کی طرف سے آنحضور پر نازل کیا گیا ہے - اسکا جواب بھی خود اللہ تعالیٰ نے بالفاظِ ذیل دے دیا ہوا ہے:-

● اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِیْلًا ؁ 76/23 اے رسول! بیشک ہمنے آپ پر قرآن کو اس طرح نازل کیا ہے جو نازل کرنے کا حق ہے - پس کھل کر ثابت ہو چکا کہ آنحضور پر خدا تعالیٰ کی طرف سے جو نور نازل کیا گیا وہ قرآن کریم ہے - اس سے اگلا سوال اس خداوندی نور قرآنِ کریم کے متعلق یہ ہے کہ اسے سمجھنے کیلئے کیا کسی اور کتاب کی ضرورت ہے؟ اسکا دو لفظی جواب تو یہ ہے کہ کیا سورج کی موجودگی میں کسی چراغ، فانوس، لیمپ یا کسی ہائی سے ہائی کینڈل پاور بلب کی ضرورت ہوتی ہے؟ ہرگز ہرگز نہیں ہوتی - اسی طرح آفتابِ ہدایت قرآن کریم سے بڑھکر اور کونسی روشن کتاب ہو سکتی ہے کہ اس آفتاب کی موجودگی میں کوئی گوشہ تاریک رہ گیا ہو جسے وہ روشن کریگی - قرآنِ کریم کو سمجھنے کیلئے خود قرآنِ کریم کافی ہے - جس نے ہدایت کے ہر گوشے کو خود روشن کر رکھا ہے - قرآنِ کریم کو غیر اللہ کتابوں کا محتاج قرار دینا سورج کو چراغ دکھانے کے مصداق ہے - خدا تعالیٰ نے اسے بار بار نور کہا ہے آفتابِ ہدایت - قرآنِ کریم کو سمجھنے کے اصول خدا تعالیٰ نے خود اسکے اندر نازل کر دئے ہیں - جو ادارہ بلاغ القرآن کی طرف سے انتہائی محنت کے ساتھ تفسیر القرآن بالقرآن جلد اوّل کے دیباچہ میں "قرآن فہمی کے قرآنی اصول" کے عنوان میں جمع کر دئیے گئے ہیں۔

ب - اس ضمن کی دوسری شق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ نورِ ہدایت ہی واجب الاتباع ہے - سورہ اعراف میں ارشاد ہوا ہے:-

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِیَآءَ 7/3 - ایمان والو! صرف اُس کتاب کی اتباع کرو جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل کیگئی ہے - یعنی اللہ کی اتباع ہے - اسکے سوا کسی اور (جھوٹے) مددگار کی اتباع نہ کرنا - یہ تو ہے ایمان والوں کی طرف کھلا حکم - اسی ضمن میں خود آنحضور کو بھی یہی حکم بتکرار دیا گیا ہے:-

● وَاتَّبِعْ مَا یُوْحٰٓی اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ 33/2 + 6/106 + 10/109 اور اے رسول آپ اتباع کریں جو آپکی طرف آپکے رب کی طرف وحی کیا گیا ہے ـــــ اس حکم پر عمل کرنے کا اعلان بھی آنحضور کی طرف سے نفی اثبات کے حصر کیساتھ بتکرار کرا دیا گیا ہے:-

● اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ 6/50 + 7/203 + 10/15 + 46/9 - میں نہیں اتباع کرتا مگر صرف اور صرف اس کتاب کی اتباع

کرتا ہوں جو میری طرف وحی کیگئی ہے ـــــ یہاں پہنچ کر آخری سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صرف اکیلئے قرآن کریم کی اتباع کا حکم کیوں دیا گیا ہے؟ اسکا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم مفصل ہے اور اسکی موجودگی میں کسی اور کتاب کی تلاش شرک میں داخل ہے سورہ انعام میں آنحضور کی زبان مبارک سے اعلان کرا دیا گیا ہے :-

● اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ ۶/۱۱۵ کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور حاکم تلاش کروں حالانکہ اس نے اپنا حکمنامہ ایک مفصل کتاب (قرآنِ کریم کی صورت میں نازل کر دیا ہے ـــــ اس آئت مجیدہ سے روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ قرآنِ کریم خود مفصل کتاب ہے - اپنی تفصیل آپ کرتی ہے اسلئے کسی اور کتاب کی ضرورت نہیں - اور دوسرا یہ کہ یہی اللہ کا حکمنامہ ہے - کسی اور کتاب کی تلاش گویا کہ اللہ کے سوا کسی اور حاکم کی تلاش ہے، جو کھلا شرک ہے - نیز سورہ عنکبوت میں ارشاد فرمایا ہے کہ قرآنِ کریم کافی ہے :- اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ؕ ۲۹/۵۱ کیا لوگوں کیلئے یہ کافی نہیں؟ (یقیناً کافی ہے) کہ ہم نے آپ پر اپنی کتاب نازل فرمائی ہے جو اُن پر پڑھی جاتی ہے - بلاشبہ مذکورہ کتاب میں ایمان لانیوالوں کیلئے رحمت بھی ہے اور نصیحت بھی ہے -

● سلسلۂ درس کی پچھلی آئت مجیدہ میں حضور نبی اکرمؐ پر ایمان لانے کی عملی صورت کی وضاحت کے بعد اگلی آئت میں ایک مخصوص انداز کیساتھ اس اہم حقیقت کا اعلان فرما دیا گیا ہے کہ جناب مکی مدنی سرکارؐ کے بعد کوئی اور نبی رسول مبعوث نہیں کیا جائے گا آپ خاتم النبیین ہیں :-

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ
کہدیجئے اے نوعِ انسانی بیشک میں ہوں رسول اللہ کا طرف تمہاری

جَمِيْعَا ۨالَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ
سب کی - جو کہ واسطے اسکے ہے حکومت آسمانوں اور زمین کی نہیں حاکم

اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ
مگر وہ، زندگی دیتا ہے اور موت دیتا ہے پس ایمان لاؤ ساتھ اللہ کے

وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ
اور رسول اسکے نبی مکی کے، جو ایمان رکھتا ہے ساتھ اللہ کے

وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۱۵۸
اور احکام اسکے اور اتباع کرو اسکی تاکہ تم ہدایت پاؤ

(اے رسولؐ!) اعلان کر دیجئیگا کہ اے نوعِ انسانی! بلاشبہ میں تم سب کے سب کی طرف اللہ کا رسولؐ (بن کر آیا) ہوں (اُس اللہ کا رسول کہ) آسمانوں اور زمین کی حکومت صرف اسی کی ہے - اُسکے کوئی فرمانبرداری کے لائق نہیں - وہی (اپنے متعینہ قوانین کے مطابق زندگی دیتا ہے اور موت دیتا ہے - پس تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اسکے رسول نبی مکی پر ایمان لاؤ، جو خود بھی اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور اُسکے مجلہ احکام پر ایمان رکھتا ہے اور اُس اللہ ہی کی فرمانبرداری کرو تاکہ تم ہدایت پاؤ -

آنحضور آخری نبی رسول تھے

● اس آئت مجیدہ میں سرفہرست آنحضورؐ سے یہ اعلان کرایا گیا ہے کہ مجھے ساری نوعِ انسانی کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا تھا - ان الفاظ سے جو بدیہی نتیجہ

برآمد ہوتا ہے وہ اسکے سوا نہیں ہے چونکہ نوعِ انسانی تا قیامِ قیامت موجود رہنے والی ہے اس لئے آپ قیامت تک کی نوعِ انسانی کے لئے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں ۔ بالفاظِ دیگر آپکے بعد دوسرا نبی رسول ہرگز ہرگز نہیں بھیجا جائیگا ۔ اللہ تعالیٰ کی سنتِ مبارکہ یہ تھی کہ ایک نبی رسول کے بعد دوسرا نبی رسول اسوقت بھیجا جاتا تھا جب لوگ اللہ کی کتاب کے متن میں بوجہ نابالغ ذہن تحریف کر لیتے تھے ۔ لیکن آنحضور کے بعد اسلئے کوئی نبی رسول نہیں آئیگا کہ اپنی کتاب قرآن کریم کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے اٹھا رکھا ہے ۔ اور اسکے متن میں کوئی قوم یا فرد زیر زبر تک کی تحریف نہیں کر سکتا ۔ دیکھئے ارشادِ باری :-

● اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ ؈ ۱۵/۹ بیشک اپنے نصیحت نامے (قرآنِ کریم) کو ہم ہی نے نازل فرمایا ہے اور ہم خود ہی اسکی حفاظت کرنے والے ہیں ۔ اس خداوندی حفاظت کی مشاہداتی صورت یہ ہے کہ ایک طرف تو یہ پاکیزہ صحیفہ اوراق پر لکھا ہوا موجود ہے اور دوسری طرف یہ ضخیم کتاب حفاظِ کرام کے حافظوں میں محفوظ ہے ۔ اگر بتقاضائے بشریت کسی نسخۂ قرآن میں کوئی زیر زبر غلط لکھی گئی ہو تو اسکی تصحیح حفاظِ کرام کر دیتے ہیں ۔ اور اگر بشری تقاضے کے مطابق کسی حافظ کو اپنے حافظے میں کوئی مغالطہ محسوس ہو تو وہ اوراق میں محفوظ نسخۂ قرآن سے مغالطہ دور کر لیتا ہے ۔ اس طرح پورے کرۂ ارض پر مسلسل طور پر خدا تعالیٰ کا نازل کردہ صحیح متن صرف اور صرف ایک ہے جو اوراقِ مبارکہ اور حفاظِ کرام کے حافظوں میں ہر آن موجود و محفوظ ہے اور قیامت تک موجود و محفوظ رہیگا ۔ تو اس طرح چونکہ اللہ کا پیغام اپنی صحیح شکل و صورت میں قیامت تک کیلئے موجود و محفوظ رہنے والا ہے اسلئے کسی پیغمبر کے آنے کی ضرورت نہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضور کے بعد رسل انبیاء کی آمد کا سلسلہ مطلقاً بند کر دیا گیا ہے ۔

باقی سب نبی اپنی اپنی قوم کی طرف مبعوث کئے گئے تھے مگر آنحضور کو پوری نوعِ انسانی کیلئے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے

● آنحضور پر آمدِ انبیاء کا سلسلہ مطلقاً بند کر دینے کی ایک قرآنی دلیل اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَیۡكُمۡ جَمِیۡعًا کے مطابق یہ ہے کہ آنحضور کو قیامت تک کی نوعِ انسانی کیلئے رسول بنایا گیا ہے مگر سابقہ سب نبی رسول اپنی اپنی قوم کی طرف بھیجے گئے تھے جیسے کہ آیاتِ ذیل سے عیاں ہے :-

● حضرت نوح :- لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِهٖ ۷/۵۹ اور بیشک ہمنے نوح کو اسکی قوم کی طرف بھیجا تھا ۔

● حضرت ھود :- وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمۡ هُوۡدًا ۷/۶۵ اور قوم عاد کی طرف انکے بھائی ھود کو بھیجا ۔

● حضرت صالح :- وَاِلٰی ثَمُوۡدَ اَخَاهُمۡ صٰلِحًا ۷/۷۳ اور قوم ثمود کی طرف انکے بھائی صالح کو بھیجا ۔

● حضرت لوط :- وَلُوۡطًا اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِهٖ ۷/۸۰ اور لوط کو بھیجا ۔ اس نے اپنی قوم کو کہا ۔

● حضرت شعیب :- وَاِلٰی مَدۡیَنَ اَخَاهُمۡ شُعَیۡبًا ۷/۸۵ اور اہلِ مدین کی طرف انکے بھائی شعیب کو بھیجا ۔

● حضرت موسیٰ :- ثُمَّ بَعَثۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ مُّوۡسٰی بِاٰیٰتِنَاۤ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ وَمَلَا۟ئِهٖ ۷/۱۰۳ پھر انکے بعد ہمنے موسیٰ کو اپنی آیتوں کیساتھ فرعون اور اسکے درباریوں کی طرف مبعوث فرمایا ۔

● حضرت عیسیٰ :- وَاِذۡ قَالَ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَیۡكُمۡ ۶۱/۶ اور جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا

جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف رسول بن کر آیا ہوں۔ یہ تو تھے سابقہ انبیاء کے متعلق ارشادات خداوندی کہ وہ سب الگ الگ اپنی قوم کی طرف بھیجے گئے تھے۔ لیکن آنحضور کے متعلق خود آنحضور ہی سے اعلان کرا دیا گیا تھا:-

● **حضور نبی اکرم** :- قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا ۷/۱۵۸ اے رسول! اعلان فرما دیجئے کہ اے قیامت تک کی نوع انسانی! بیشک میں تم سب کے سب کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں — پس آیات بالا کے مطابق چونکہ سابقہ انبیاء صرف اپنی اپنی قوم کی طرف بھیجے گئے تھے مگر آنحضور قیامت تک کی نوع انسانی کیلئے رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔ اس لئے اوپر والی آیت مجیدہ سے ثابت ہوا کہ آپکے بعد قیامت تک کوئی نبی رسول نہیں آئیگا، آپ یقیناً یقیناً خاتم النبیین ہیں۔ اور آپکی رسالت قرآن کریم، صد فیصد صحیح متن کیساتھ گھر گھر موجود و محفوظ ہے اور قیامت تک موجود و محفوظ رہیگی۔ آنحضور کی شان خاتم النبیین پر آیت ذیل بھی ایک دلیل قاطع ہے:-

● وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۞ ۳۴/۲۸ اور اے رسول! ہمنے آپکو نہیں بھیجا مگر آپ (قیامت تک کی) پوری نوع انسانی کیلئے کافی ہیں خوشخبری دینے والے اور ڈرانیوالے ہیں لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اس آیت سے بھی کھل کر ثابت ہوچکا کہ آنحضور بحیثیت رسول، بشیر اور نذیر قیامت تک کی نوع انسانی کیلئے کافی ہیں۔ بالفاظ دیگر آپکے بعد قیامت تک کیلئے کسی اور نبی رسول کی ضرورت ہی نہیں۔ آپکی رسالت یعنی قرآن کریم موجود ہے۔

آیت خاتم النبیین ● مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ۳۳/۴۰ - محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں (تم سب کے دینی باپ ہیں) اور آپ وہ ذات گرامی ہیں جن کیساتھ نبیوں کی (آمد) کو ختم کر دیا گیا ہے۔

لفظ خاتم کی بحث ● لفظ خاتم کا سہ حرفی مادہ خ۔ت۔م = ختم ہے۔ جب اسکا صلہ علیٰ آئے تو اسکا معنیٰ ہوتا ہے مُہر جیسے خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ۔ لیکن چونکہ ۳۳/۴۰ میں خاتم کا صلہ علیٰ نہیں آیا اسلئے یہاں اسکا معنیٰ مُہر نہیں ہے اسکا معنیٰ ختم کرنا ہے۔ اب آیئے حقیقت حال کی طرف!۔ تا مفتوحہ کیساتھ لفظ خاتَم اسم آلہ ہے فاعَلٌ کے وزن پر۔ اب فاعَلٌ بہ عین مفتوحہ کا معنیٰ ہے مَا يُفْعَلُ بِهِ الْفِعْلُ یعنی وہ آلہ جسکے ساتھ کام کیا جاتا ہے۔ اسی طرح:-

● كَاتَبٌ بہ تاء مفتوحہ کا معنیٰ ہے مَا يُكْتَبُ بِهِ الشَّيْءُ۔ یعنی وہ آلہ قلم پنسل وغیرہ، جن کیساتھ کچھ لکھا جاتا ہے۔

● قَابَرٌ بہ باء مفتوحہ کا معنیٰ ہے مَا يُقْبَرُ بِهِ الْقَبْرُ یعنی کسی وغیرہ وہ آلہ جس سے قبر کھودی جاتی ہے۔ اسی طرح:-

● ضَارَبٌ بہ را مفتوحہ کا معنیٰ ہے مَا يُضْرَبُ بِهِ یعنی لاٹھی یا کوڑا وغیرہ وہ آلہ جسکے ساتھ مارا جائے۔ اسی طرح:-

● عَالَمٌ بہ لام مفتوحہ کا معنیٰ ہے مَا يُعْلَمُ بِهِ الشَّيْءُ یعنی وہ آلہ جس کے ساتھ کسی چیز کو جانا جائے، کائنات کو عالم اسلئے کہا جاتا ہے کہ اسکے ساتھ اسکے پیدا کرنیوالے، اللہ تعالیٰ کی موجودگی کا علم حاصل ہوتا ہے۔ پس اسی طرح:-

● خَاتَمٌ بہ تا مفتوحہ کا معنیٰ ہے مَا يُخْتَمُ بِهِ الشَّيْءُ یعنی وہ آلہ جس کے ساتھ کسی چیز کو ختم کر دیا جائے۔ اور

● خاتم النبیین کا معنی ہے مَا خُتِمَ بِهِ النَّبِيُّوْنَ یعنی وہ ذاتِ مقدس جس کے ساتھ نبیوں کی آمد کو ختم کر دیا گیا۔

نوٹ ● پیچھے واضح کیا جا چکا ہے کہ ختم بمعنی مہر لگانا اسوقت ہوتا ہے جب اسکا صلہ علیٰ آئے جیسے خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ۔ چونکہ خاتم النبیین پر علیٰ نہیں آیا اسلئے اسکا نبیوں کی مہر کا معنی لینا خود قرآنی لغت اور قرآنی قواعد کے خلاف ہے۔

آنحضور کیلئے خَاتَمَ النبیین پر تاء مکسور کیوں نہیں آیا؟ ● اس سلسلے کا ایک سوال یہ ہے کہ اگر خاتم النبیین بہ فتح تاء سے نبیوں کا ختم کرنا ہی مراد ہے تو خاتم النبیین بہ تاء مکسورہ کیوں نہیں لایا گیا کہ تنازعہ ہی ختم ہو جاتا؟ جواباً عرض ہے کہ خاتِم بہ تاءِ مکسورہ فاعل کے وزن پر فاعل ہے۔ اور آنحضور کو خاتِم النبیین اسلئے نہیں کہا گیا کہ آنحضور کو یہ اختیار حاصل نہیں تھا کہ آپ نبیوں کی آمد کو ختم کر دیتے یا جاری رکھتے۔ نبیوں کو ختم کرنے کا اختیار صرف اسی ذاتِ گرامی کو ہے، جس نے یہ سلسلہ جاری کیا تھا۔ آنحضور کا جو صحیح منصب ہے، $\frac{۳۳}{۴}$ میں اس کی خبر دیگئی ہے کہ آپکی ذات کیساتھ نبیوں کی آمد اسی ذاتِ مقدس نے ختم کر دی ہے، جس نے ان پاک نفوس کا سلسلہ جاری فرمایا تھا۔ (وما علینا الا البلاغ)

● پیچھے آپ دیکھ چکے ہیں کہ آیت نمبر ۱۰۳ تا ۱۵۶ میں حضرت موسیٰ اور فرعون کا تذکرہ گزر چکا ہے، جس میں اخیر میں بنی اسرائیل کی نافرمانیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ آیات مجیدہ ۱۵۷ تا ۱۵۸ میں جملہ معترضہ کے طور پر آنحضور کی شانِ خاتم النبیین بیان کیگئی ہے۔ اس کے بعد سلسلۂ درس کی اگلی آیات مجیدہ میں زمانۂ رسالتِ محمدی کے یہودیوں کے ایک گروہ کی خبر دینے کے بعد دورِ موسوی کے یہودیوں کے متعلق مزید بتایا گیا ہے۔

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَ اور سے قوم موسیٰ ہے ایک گروہ رہنمائی کرتے ہیں ساتھ حق کے اور	اور قوم موسیٰ میں سے ایک جماعت ایسی ہے جو حق (توراۃ) کے ساتھ لوگوں کی رہنمائی کرتے ہیں۔ اور وہ اسی کے ساتھ (جھگڑوں کے) فیصلے کرتے ہیں۔ ملے اسی جماعت کی خبر $\frac{۳}{۱۱۳}$ میں بھی موجود ہے۔ آگے موسوی دور کے یہود کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔
بِهٖ يَعْدِلُوْنَ ○ ۱۵۹ ساتھ اسکے فیصلے کرتے ہیں	
وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا اور بانٹا ہم نے انکو دو دس قبیلے جماعتیں۔	اور ہم نے انہیں (یعنی بنی اسرائیل کو انکی داخلی انتظامی سہولت کیلئے) بارہ قبیلوں کی (بارہ) جماعتوں میں تقسیم کر دیا۔ اور جب انہوں نے (فوجی ٹریننگ کے دوران) موسیٰ سے پانی مانگا (یعنی پانی کی کمیابی کی شکایت کی) تو ہم نے موسیٰ کو وحی کی کہ اپنی جماعت کو لیکر پتھریلی زمین کی طرف لے چل (پھر انہوں نے دیکھا کہ اس (کوہسار) میں) بارہ چشمے جاری ہو گئے ہوئے تھے۔ تحقیق ہر جماعت نے اپنا ستر
وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ اَنِ اور وحی کی ہم نے طرف موسیٰ، جب مانگا پانی اس سے قوم اسکی نے کہ	
اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ چل ساتھ جماعت اپنی کے پتھر کو، پھر جاری ہوتے ہوئے اسکے دو دس	

عَيْنًا ۖ قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۖ وَظَلَّلْنَا
چشمے بیشک جان لیا ہر گروہ نے گھاٹ اپنا اور سایہ کیا ہم نے

عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَأَنزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ ۖ
اور پر ان کے بادلوں کو اور نازل کئے ہم نے اوپر ان کے میٹھے پھل اور بٹیر

كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ۚ وَمَا ظَلَمُونَا
کھاؤ سے پاکیزہ جو رزق دیا ہم نے تم کو اور نہ ظلم کیا انہوں نے ہم پر

وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝ ۱۶۰
اور لیکن تھے جانوں اپنی کو ظلم کرتے

گھاٹ پہچان لیا۔ اور ہم نے اُن پر بادلوں کا سائبان کی طرح سایہ کر دیا۔ (بارشوں کی بہتات کر دی) اور ان کے ساتھ ہم نے میٹھے پھل اور بٹیر کی قسم کے پرندے نازل فرمائے (پیدا کر دئیے تھے اور کہا کر) جو پاکیزہ رزق ہم نے تمہیں دیا ہے اُسے کھاؤ۔ اور انہوں نے (ہماری نافرمانیاں کر کے) ہم پر کوئی ظلم نہیں کیا تھا۔ بلکہ انہوں نے اپنے آپ ہی ظلم کر لیا تھا۔

● یہ سارا مضمون سورہ بقرہ آیت نمبر ۵۷ تا ۶۰ میں گزر چکا ہے جس کی تفسیر تفسیر القرآن بالقرآن جلد اوّل کے صفحہ ۴۴ تا ۴۷ پر گزر چکی ہے۔ یہاں پر انتہائی اختصار کے ساتھ الفاظ کی قرآنی لغت پیش خدمت ہے۔

● ۱ اِسْتَسْقٰی کا مصدری معنٰی ہے پانی مانگنا۔ یہاں اسے محاورہ کے طور پر لایا گیا ہے کہ جب حضرت موسٰی مدین کے سہل انگار بنی اسرائیل کو جنگلوں میں فوجی ٹریننگ کیلئے لے گئے تو وہاں پانی کی کمی کی شکایت کی۔

● ۲ عصا کا معنٰی جماعت بھی ہے۔ تفصیل کیلئے پیچھے اسی سورہ اعراف کی آیت نمبر ۱۰۷ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

● ۳ الحجر میں الف لام عوض مضاف ہے اور اصل لفظ ہے الارض الحجر یعنی پتھریلی زمین۔ اِس آیت میں یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ پانی کے چشمے میدانی علاقوں میں نہیں ہوتے بلکہ پہاڑی علاقوں میں چشمے بہہ رہے ہوتے ہیں۔

● ۴ اِضْرِبْ فعل امر مادہ ض۔ ر۔ ب = ضرب سے ہے جس کا معنٰی چلنا بھی ہے جیسے کہ ۴/۱۰۱ میں گزر چکا ہے وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ کا معنٰی ہے جب تم زمین میں چلو۔ بِعَصَاکَ کی بآ نے اسے متعدی بنا دیا ہے۔ اور معنٰی یہ ہے اپنی جماعت (عصا) کو پہاڑی زمین میں لے چل جہاں قدرتی چشمے پھوٹتے پھرتے ہیں۔

● ۵ فَانْۢبَجَسَتْ کا متبادل لفظ ۲/۶۰ میں فَانْفَجَرَتْ آیا ہے۔ جب حضرت موسٰی حکم باری کے مطابق اپنی جماعت کو پہاڑی علاقے (کوہسار) میں لے گئے تو وہاں بارہ چشمے جاری تھے۔ ہر قبیلے کیلئے الگ الگ چشمہ متعین کر دیا گیا۔ اور اس طرح ہر جماعت نے اپنے اپنے گھاٹ کو پہچان لیا اور سب اپنے اپنے چشمے سے پانی حاصل کرتے رہے۔

● ۶ ظَلَّلْنَا عَلَیْکُمُ الْغَمَامَ بطور محاورہ آیا ہے۔ یعنی اتنی زیادہ بارشیں برسیں گویا کہ بادلوں کے سائبان تن گئے۔

● ۷ مَنّ کا معنٰی نعمت بھی ہے، میٹھی رطوبت اور میٹھی چیز بھی ہے۔ بنی اسرائیل کو جنگلوں اور کوہساروں میں فوجی ٹریننگ کے دوران درختوں کے میٹھے پھل اور میٹھی گوند بھی میسر تھی۔ اِنہی کو مَنّ یعنی نعمت کہا گیا ہے۔

● ۸ اَلسَّلْوٰی بمعنٰی بٹیر ہے جس پر الف لام عہدی جنس ہے۔ یعنی بٹیر کی قسم کے پرندے۔ بارشوں کی بہتات سے درختوں

میں میٹھی گوندی، میٹھے پھل اور بٹیر کی قسم کے پرندے بکثرت پیدا ہو گئے تھے۔

● ملہ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡہِمُ الۡمَنَّ وَ السَّلۡوٰی، اَنۡزَلۡنَا کا معنی پیدا کرنا ہے آسمان سے نازل کرنا نہیں۔ جیسے وَّ یُنَزِّلُ لَکُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ رِزۡقًا ۱۳/۴۰ میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسمان سے رزق نازل کرتا ہے اور وَّ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخۡرَجَ بِہٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزۡقًا لَّکُمۡ ۲/۲۲ میں آسمان سے انزالِ رزق کی تشریح کر دی گئی ہے کہ آسمان سے پانی نازل کیا جاتا ہے اور اُسکے ساتھ تمہارے لئے ثمرات میں سے رزق نکالا جاتا ہے۔ اسی طرح اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡہِمُ الۡمَنَّ وَ السَّلۡوٰی کا یہ مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی نازل فرمایا جس سے جنگل میں خودرو پھل اور میٹھی گوندی پیدا ہوئی۔ نیز بٹیر کی قسم کے پرندوں کی بہتات ہو گئی۔ اسکے برعکس آسمان سے بھنے ہوئے بٹیر نازل نہیں ہوتے تھے۔

● ملہ وَ لٰکِنۡ کَانُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ یَظۡلِمُوۡنَ ۝ کے الفاظ میں بنی اسرائیل کی ہر نافرمانی کو اپنی جان پر ظلم بتایا گیا ہے، جیسے کہ اگلی آیت میں مثال کے طور پر بنی اسرائیل کے ایک بستی میں عوام کے ذمہ دارانہ انداز میں سکونت کرنے کے حکم کی روگردانی کا ذکر کیا گیا ہے، اُنہیں حکم دیا گیا تھا کہ حِطَّۃٌ کے الفاظ میں اِس مسلک و منشور کا اعلان کرو کہ غریب عوام کے بوجھ اتارنا ہماری ذمہ داری ہے۔ مگر اُنہوں نے یہ منشور بدل کر استحصالی نظام کے الفاظ استعمال کئے۔ جن کے بدلے اُن پر ذلت و غلامی مسلط کر دی گئی۔

وَ اِذۡ قِیۡلَ لَہُمُ اسۡکُنُوۡا ہٰذِہِ الۡقَرۡیَۃَ وَ
اور جب کہا گیا واسطے اُنکے ٹھہرو اِس بستی میں اور

کُلُوۡا مِنۡہَا حَیۡثُ شِئۡتُمۡ وَ قُوۡلُوۡا حِطَّۃٌ وَّ ادۡخُلُوا
کھاؤ اسکے جہاں سے چاہو تم اور کہو بوجھ اتارنا اور داخل ہو

الۡبَابَ سُجَّدًا نَّغۡفِرۡ لَکُمۡ خَطِیۡٓـٰٔتِکُمۡ ؕ سَنَزِیۡدُ
دروازوں میں فرمانبردار ہو کر تو ہم بچا لینگے تمہیں بدحالیوں تمہاری اور ضرور ہم زیادہ کرینگے

الۡمُحۡسِنِیۡنَ ۝۱۶۱
توازن قائم کرنیوالوں کو

اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب اُنہیں کہا گیا کہ اس بستی میں سکونت اختیار کرو اور اس میں سے کھاؤ جہاں سے تم چاہو۔ اور کہو (اعلان کر دو کہ ہمارا فرض عوام کے) بوجھ اتارنا ہے اور دروازوں میں داخل ہونا پورے پورے فرمانبردار ہو کر (اس طرح) ہم دور کر دینگے بدحالیاں تمہاری۔ اور ہم ضرور معاشرے میں توازن قائم کرنے والوں کو زیادہ کریں گے (زیادہ دیں گے)۔

● ملہ حِطَّۃٌ کا سہ حرفی مادہ ح - ط - ط = حطّ ہے اسکا بنیادی معنی ہے کسی چیز کو اوپر سے اتار کر نیچے رکھنا (متعدی) اور خود اوپر سے نیچے آنا (لازم) حَطَّ فِی الْمَکَانِ کا معنی ہے وہ مکان میں اُترا۔ المحطّ اُترنے کی جگہ۔ انحطاط بمعنی گراوٹ ہے۔ ۲/۵۸ + ۷/۱۶۱ میں یہ لفظ حِطَّۃٌ بنی اسرائیل کو اسلامی معاشرہ کے منشور کے طور پر دیا گیا تھا کہ ہم عوام کے بوجھ اتار دینگے۔ ایک اور بستی کا بھی ذکر آیا جسکے حکمران عیش و عشرت میں پڑ کر اسقدر کمزور ہو گئے تھے کہ بنی اسرائیل کو صرف فاتحانہ انداز کیساتھ داخل ہونے کی ضرورت تھی مگر وہ داخل نہ ہوئے اور حِطَّۃ کے لفظ کو بھی بدل دیا۔ اس کی پوری تفصیل اسی جلد میں سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۲۱

۲۱ تا ۲۶ میں گزر چکی ہے۔

● ؁ سُجَّدًا کے مادہ س - ج - د ، سجد کا بنیادی معنیٰ ہے پورا پورا فرمانبردار ہونا - سجدہ صلوٰۃ اسکی تمثیلی شکل ہے۔

● ؁ نَّغْفِرْ کے مادہ غ - ف - ر ، غفر کا ایک معنیٰ ڈھانپنا، چھپانا اور خطرے کو دور کر دینا بھی ہے۔

● ؁ خَطِیْٓـٰٔتِ کا معنیٰ خطائیں، مالی کمزوریاں اور معاشی بدحالیاں بھی ہے۔

● مُحْسِنِیْنَ کا سہ حرفی مادہ ح - س - ن ، حسن ہے جسکا بنیادی معنیٰ ہے توازن قائم کرنا اور مُحْسِنِیْن کا معنیٰ ہے توازن قائم کرنے والے ــــ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بنی اسرائیل کے منشور حِطَّةٌ کو بدل دینے کی بدولت ذلّت کے عذاب کی خبر دیگئی ہے :-

فَبَدَّلَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَیْرَ
پس بدلدیا جنہوں نے ظلم کیا، میں سے انکے قول سوائے
الَّذِیْ قِیْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِجْزًا مِّنَ
اسکے جو کہا گیا واسطے اُن کے پس بھیجا ہمنے اوپر انکے عذاب سے
السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا یَظْلِمُوْنَ ﴿ع﴾ ۱۶۲ ع ۲۰/۱۰
آسمان بوجہ اسکے جو تھے وہ ظلم کرتے

پس اُن میں سے ظالموں نے (حِطَّةٌ کو) اُس لفظ کے ساتھ بدل دیا، جو انہیں نہیں کہا گیا تھا - پھر ہم نے اُن پر آسمان کی طرف سے (یعنی اپنے متعینہ قانون کے مطابق) ذلّت (یعنی غلامی کا عذاب) بھیج دیا۔

● ؁ مِنَ السَّمَآءِ کے الفاظ کا ایک قرآنی محاورہ بھی ہے - انسانی بداعمالیوں کی بدولت، قانونِ مکافات کیمطابق جو سزا، اللہ تعالیٰ کیطرف سے لازم ہو جاتی ہے اس کیلئے مِنَ السَّمَآءِ کے الفاظ آتے ہیں۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بنی اسرائیل کی اُس نافرمانی کا ذکر لایا گیا ہے جو انہوں نے اجتماعیت کی مخالفت میں کی تھی :-

وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْیَةِ الَّتِیْ كَانَتْ حَاضِرَةَ
اور پوچھ ان سے بابت اس بستی کے جو تھی موجود
الْبَحْرِ اِذْ یَعْدُوْنَ فِی السَّبْتِ اِذْ تَاْتِیْهِمْ حِیْتَانُهُمْ
سمندر پر جب سرکشی کی بیچ ہفتے، جب آتیں انکو مچھلیاں انکی
یَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّیَوْمَ لَا یَسْبِتُوْنَ لَا تَاْتِیْهِمْ
وقفہ میں اُن کے زور دار کر اور وقفہ نہ ہوتا، نہ آتیں انکو
كَذٰلِكَ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ۱۶۳
مثل مذکورہ - ہمنے ظاہر کیا انکو بسبب اسکے تھے حدیں توڑتے

اور (اے رسولؐ!) آپ ان (اپنے زمانہ کے بنی اسرائیل) سے پوچھئیگا، اُن بستی والوں کے متعلق جو سمندر کے کنارے پر آباد تھے - جب ہفتہ وار اجتماع سے سرکشی کرتے تھے - جب اُنکا غلط گمان تھا کہ) مچھلیاں اُنکے اجتماع کے وقفہ میں زور دار کر آتی ہیں اور اجتماع کے وقفہ سے باقی وقت میں نہیں آتی بمثل مذکور ہی تھا گمان اُنکا ہمنے انہیں ان کی حدود شکنی کے ساتھ ظاہر کر دیا۔

● ۱ لفظ سبت کا سہ حرفی مادہ س - ب - ت = سبت ہے - اسکا بنیادی معنٰی ہے کام چھوڑ دینا - اور یوم السبت کا معنٰی ہے وہ وقفہ جس میں کام چھوڑ دیا جائے - قرآن کریم نے اسی وقفہ کو یَوْمُ الْجُمُعَةِ یعنی کام چھوڑ کر جمع ہونے کا وقفہ بتایا ہے - از روئے قرآن کریم یہ سارا دن چھٹی کا نہیں ہے کیونکہ جمعہ کی صلوٰۃ کیلئے کام چھوڑ کر آنے کا حکم دیا گیا ہے ۶۲/۹ اور صلوٰۃ کے خاتمے پر پھر جا کر کام پر لگ جانے کا حکم ہے ۶۲/۱۱ -

● ۲ یوم کا معنٰی عربی لغت میں دن رات ۲۴ گھنٹے کا وقفہ بھی ہے - اور ہر وقفہ بھی مراد ہے خواہ وہ بہت چھوٹا ہو یا قیامت جتنا لمبا ہو

● ۳ نبلوھم میں بلو کا سہ حرفی مادہ ب - ل - و = بلو ہے - اسکا بنیادی معنٰی ہے آزمانا ، امتحان کرنا - لیکن جب اس فعل کا فاعل اللہ تعالٰی ہو تو اللہ علیم و خبیر کیلئے آزمانے کا سوال پیدا نہیں ہوتا - اسلئے اسکا معنٰی ظاہر کرنا ہوتا ہے - اگلی آیت میں آیا ہے :-

وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُونَ قَوْمًا ۙ
اور جب کہا ایک جماعت نے ان میں سے کیوں تم سمجھاتے ہو قوم کو

اللَّهُ مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ۖ
اللہ ہلاک کرنیوالا ہے انکو یا عذاب کرنیوالا ہے انکو عذاب سخت

قَالُوا مَعْذِرَةً إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ○ ۱۶۴
کہا معذرت طرف رب تمہارے اور تاکہ وہ بچ جائیں

وہ وقت قابلِ ذکر ہے کہ جب اُن میں سے ایک جماعت نے کہا کہ تم اُیسی قوم کو کیوں نصیحت کرتے ہو (جنکی بدعملی اس حد کو پہنچ چکی ہے کہ) اللہ ہلاک کرنیوالا ہے اور یا انہیں بہت سخت عذاب کرنیوالا ہے تو اُنہوں نے کہا کہ تمہارے رب کے ہاں معذرت کیلئے (کہ اتمام حجت ہو جائے) اور شاید کہ وہ (ایمان لائیں) اللہ کے عذاب سے بچ جائیں -

فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَنجَيْنَا
پھر جب بھول گئے جو نصیحت کئے گئے تھے ساتھ اسکے بچا لیا ہمنے

الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ
انہیں جو منع کرتے تھے سے برائی کے اور پکڑ لیا ہمنے انکو جنہوں نے

ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَئِيسٍ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ○ ۱۶۵
ظلم کیا ساتھ عذاب بُرے بسبب اسکے جو تھے حد سے بڑھتے

پھر جب وہ اُس نصیحت کو جو انہیں کی گئی تھی بھول گئے تو ہم نے اُن لوگوں کو عذاب سے بچا لیا جو انہیں برائیوں سے منع کرتے تھے اور پکڑ لیا ہمنے بہت بُرے عذاب کے ساتھ اُن لوگوں کو جنھوں نے ظلم کیا بسبب اسکے جو وہ اللہ کی حدیں پھاندتے تھے -

فَلَمَّا عَتَوْا عَن مَّا نُهُوا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ
پھر جب حد پھاند گئے اس سے جو منع کئے گئے تھے اسکے کہا ہمنے واسطے ان کے

كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ○ ۱۶۶
ہو جاؤ بندر ذلیل

پھر جب وہ مجرم لوگ ان برائیوں میں حد سے گزر گئے جن سے وہ منع کئے گئے تھے تو ہمنے انہیں کہا (اُنکے لئے فیصلہ کر دیا) کہ دُوسروں کے اشاروں پر ناچنے والے) ذلیل بندروں کی مانند ہو جاؤ -

وَّثْلُهٗ يَأْخُذُوْهُ ۭ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ۭ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ ۱۶۹

تو اسکو لیتے ہیں اسے ۔ کیا نہ لیا گیا اوپر ان کے وعدہ کتاب کا کہ نہ کہیں گے ذمہ اللہ کے مگر حق اور درس دیں گے اسکا جو بیچ اسکے ۔ اور گھر آخرت کا بہتر واسطے انکے جو بچتے ہیں کیا پھر نہیں تم عقل کرتے

کے ذمہ حق کے سوا کچھ نہ لگائیں گے (یعنی جو چیز کتاب میں ہرگز نہیں اُسے اللہ کی طرف منسوب نہیں کریں گے) اور اسی چیز کا لوگوں کو درس دیا کریں گے جو کتاب کے اندر موجود ہے حقیقت یہ ہے کہ اچھا انجام اُن لوگوں کے لئے ہے جو ضابطۂ خداوندی کی مخالفت سے بچتے ہیں۔ پھر تم لوگ عقل سے کیوں کام نہیں لیتے۔

وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۭ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ○ ۱۷۰

اور جو لوگ وابستہ ہوتے ہیں ساتھ کتاب کے اور قائم کرتے ہیں اجتماعی نظام، بیشک ہم نہیں ہم ضائع کرتے بدلہ اصلاح کرنیوالوں کا

اور جو لوگ (غیر اللہ کتابوں سے منہ موڑ کر) ہماری کتاب کے ساتھ وابستہ ہو جائیں اور اجتماعی منصفانہ نظام مساوات قائم کریں (وہی معاشرہ کے مصلح ہیں) بیشک ہم معاشرہ کی اصلاح کرنیوالوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔

تمسک بالکتب

● ملہ تمسک بالکتب کی مظہر صورت صلوٰۃ کا نظام مساوات ہے، جو صلوٰۃ موقّت کے اجتماعات سے شروع ہوتا اور اس مقام پر جا پہنچتا ہے کہ اُس نظام کی حدود میں نہ کوئی بھوکا ہوتا ہے نہ ننگا، نہ بے علاج ہوتا ہے نہ بے مکان۔ ہر فرد معاشرہ کی اُن بنیادی ضرورتوں کا اہتمام مسجد ہی نظام صلوٰۃ کے ذمہ ہوتا ہے جو اسلامی ریاست کا ایک اہم شعبۂ تنفیذیہ ہے ۔۔۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں بنی اسرائیل ہی کے متعلق ارشاد ہوا ہے۔

وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○ ۱۷۱ ع

اور جب ہلایا ہم نے پہاڑ کو اوپر انکے گویا کہ وہ سائبان تھا اور گمان کیا انہوں نے بیشک وہ گرنے والا اوپر انکے، پکڑو جو دیا ہم نے تم کو ساتھ قوت کے اور یاد رکھو جو بیچ اسکے تاکہ تم بچ جاؤ

اور وہ وقت قابل ذکر ہے جب ہم نے (بنی اسرائیل سے) وادیٔ طور میں عہد لیتے وقت اپنے قانون کیساتھ زلزلہ کے ذریعہ پہاڑ کو ہلا دیا۔ وہ اسوقت پہاڑ کے دامن میں تھے گویا کہ وہ ان پر سائبان کی طرح تھا۔ (زلزلے کی بدولت) انہوں نے گمان کیا کہ وہ ان پر گرنے ہی والا ہے۔ (پھر عہد لیا کہ) پکڑو زور سے اُس کتاب کو جو ہم نے دی ہے۔ اور جو کچھ اسکے اندر موجود ہے۔ اُسے خوب یاد رکھو (اور اس پر عمل کرو) تاکہ تم دنیا اور آخرت کے عذاب سے بچ جاؤ۔

● ملہ یہ واقعہ سورہ البقرہ کی آیت نمبر ۹۳ میں وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ۭ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ کے الفاظ میں ذکر ہوا ہے کہ جب

وَّمِثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ
اُلْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا
مَا فِيْهِ ؕ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ
اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ ۱۶۹

(تو اسکی لیتے ہیں اسے، کیا نہ لیا گیا اوپر ان کے وعدہ - کتاب کا کہ نہ کہیں گے ذمہ اللہ کے مگر حق اور درس دیتے - اسکا جو بیچ اسکے۔ اور گھر آخرت کا بہتر واسطے انکے جو بچتے ہیں - کیا پھر نہیں تم عقل کرتے)

کے ذمہ حق کے سوا کچھ نہ لگائیں گے (یعنی جو چیز کتاب میں مرقوم نہیں اُسے اللہ کی طرف منسوب نہیں کریں گے) اور اسی چیز کا لوگوں کو درس دیا کریں گے جو کتاب کے اندر موجود ہے حقیقت یہ ہے کہ اچھا انجام اُن لوگوں کے لئے ہے جو ضابطۂ خداوندی کی مخالفت سے بچتے ہیں۔ پھر تم لوگ عقل سے کیوں کام نہیں لیتے۔

وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا
الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ۝ ۱۷۰

(اور جو لوگ وابستہ ہوتے ہیں ساتھ کتاب کے اور قائم کرتے ہیں - اجتماعی نظام، بیشک ہم نہیں ہم ضائع کرتے بدلہ اصلاح کرنیوالوں کا)

اور جو لوگ (غیر اللہ کتابوں سے مُنہ موڑ کر) ہماری کتاب کے ساتھ وابستہ ہو جائیں اور اجتماعی منصفانہ نظام مساواتِ قائم کریں (وہی معاشرہ کے مصلح ہیں) بیشک ہم معاشرہ کی اصلاح کرنیوالوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔

تمسک بالکتب

● ملہ تمسک بالکتب کی مظہر صورت صلوٰۃ کا نظام مساوات ہے، جو صلوٰۃ موقّت کے اجتماعات سے شروع ہوتا اور اس مقام پر جا پہنچتا ہے کہ اُس نظام کی حدود میں نہ کوئی بھوکا ہوتا ہے نہ ننگا، نہ بے علاج ہوتا ہے نہ بے مکان۔ ہر فرد معاشرہ کی اُن بنیادی ضرورتوں کا اہتمام نظام صلوٰۃ کے ذمہ ہوتا ہے جو اسلامی ریاست کا ایک اہم شعبہ متعینہ ہے ـــــ سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں بنی اسرائیل ہی کے متعلق ارشاد ہوا ہے:-

وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّ
ظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ
بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ ۱۷۱ ع

(اور جب ہلایا ہم نے پہاڑ کو اوپر انکے گویا کہ وہ سائبان تھا اور - گمان کیا انہوں نے بیشک وہ گرنے والا اوپر انکے، پکڑو جو دیا ہم نے تم کو - ساتھ قوت کے اور یاد رکھو جو بیچ اسکے تاکہ تم بچ جاؤ)

اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب ہم نے (بنی اسرائیل سے وادیٔ طور میں عہد لیتے وقت اپنے قانون کیساتھ زلزلہ کے ذریعہ پہاڑ کو ہلا دیا۔ وہ اسوقت پہاڑ کے دامن میں تھے گویا کہ وہ ان پر سائبان کی طرح تھا۔ (زلزلہ کی بدولت) انہوں نے گمان کیا کہ وہ ان پر گرنے ہی والا ہے۔ (پھر عہد لیا کہ) پکڑو زور سے اُس کتاب کو جو ہم نے تمہیں دی ہے۔ اور جو کچھ اسکے اندر موجود ہے۔ اُسے خوب یاد رکھو (اور اس پر عمل کرو) تاکہ تم دنیا اور آخرت کے عذاب سے بچ جاؤ۔

● ملہ یہ واقعہ سورہ البقرہ کی آیت نمبر ۹۳ میں وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ کے الفاظ میں ذکر ہوا ہے کہ جب

بنی اسرائیل سے کتابِ خداوندی کو مضبوطی کیساتھ پکڑے رہنے کا عہد لیا گیا، اسوقت وہ وادیِ طور میں اُسکی جُھکی ہوئی چٹانوں کے نیچے تھے گویا کہ پہاڑ ان پر سایہ کئے ہوئے تھے۔ اخذِ عہد کے وقت پر زلزلہ آگیا۔ تو انہوں نے گمان کیا کہ پہاڑ ان کے اُوپر گرنے والا ہے۔

● اللہ کی کتاب پر عمل کرنے کا جو عہد لیا گیا ہے، اُسکی غرض بتائی گئی ہے لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۔ اس دُنیا اور آخرت دونوں کی کامیابی کے متعلق خبر و تنبیہ ہے کہ اللہ کی کتاب پر عمل کرنے سے نوعِ انسانی دُنیوی خطرات سے بچ جاتی ہے اور اُخروی نجات کی بھی مستحق ہو جاتی ہے۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آئت مجیدہ کے سامنے لانے سے پہلے چند تمہیدی سطور پیشِ خدمت ہیں، بغور ملاحظہ فرمائیں۔ واضح رہے کہ کتابِ خداوندی پر صحیح صحیح عمل اسی صورت میں ممکن ہے کہ نوعِ انسانی اپنے خالق و مالک کو رب مانے، اور اُسکی کتاب کے اولین سبق ربوبیتِ عالمینی پر پورا پورا ایمان لائے۔ یعنی انفرادی مفاد پرستیوں سے بالاتر رہکر پوری نوع کی ربوبیتِ عالمینی کے مشاہداتِ انفس و آفاق میں موجود ہیں $\frac{51}{21-20}$

● انفس میں اس طرح کہ خود انسان جو خوراک کھاتا ہے اسکے جسم کا اندرونی نظام شاہد ہے کہ وہ اُس غذا سے حاصل کردہ خون کو سر کے بالوں سے لیکر پاؤں کے ناخنوں تک ہر عضو پر ٹھیک ٹھیک تقسیم کرتا اور ہر عضو کو اُسکا پورا حصّہ پہنچاتا چلا آرہا ہے۔ اور کائنات میں سے ہر جگہ اور ہر آن موجود جیز درخت پر غور فرمائیں کہ اسکی جڑیں زمین سے غذا حاصل کرتی ہیں مگر درخت کا داخلی نظام اس خوراک کے ہر عضو تنا، ٹہنوں، ٹہنیوں، شاخوں، پتوں اور پھل تک صحیح صحیح تقسیم کرتا ہے۔ نہ تو وہ درخت کے نچلے اعضاء میں کوئی تمیز روا رکھتا ہے نہ اوپر کے اعضاء میں، نہ اسکے شمالی اور جنوبی حصوں میں تمیز روا رکھتا ہے نہ مشرقی نہ غربی میں، بلکہ سب کو ایک سطح پر رکھ کر سب کی مساوی اور متوازن ربوبیتِ عامہ کرتا چلا جارہا ہے۔ پس ربوبیتِ عامہ سے متعلقہ انفس و آفاق کی اِن دو مثالوں کے بعد اگلی آئت کا مفہوم ملاحظہ فرمائیں جو ربوبیتِ عامہ ہی کے متعلق ہے:۔

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيٓ آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ
اور جب نکالا رب تیرے نے سے زریۃ آدم سے پیٹھوں ان کی

ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰٓ أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ
اولاد کو ان کی اور گواہ کیا اُن کو اُوپر اپنے آپ کے، کیا نہیں میں

بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوا بَلَىٰ ۛ شَهِدْنَا ۛ أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ
ساتھ رب تمہارا۔ کہا ہاں گواہ ہوئے ہم یہ کہ تم کہو دن

اور (اے رسولؐ!) وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب آپکا پروردگار نوعِ آدم کی پیٹھوں سے اُنکی اولاد کو نکالتا ہے (پیدا کرتا ہے) اور (اُنکے شعور کی آمد پر) انہیں اُنکی اپنی جانوں پر گواہ ٹھہراتا ہے اور (بزبانِ حال) کہتا ہے کیا میں تمہارا رب نہیں۔ وہ (بزبانِ حال) کہتے ہیں ہاں (تو ہمارا رب ہے) ہم اِسکی گواہی دیتے ہیں۔ (لوگو! تمہیں اس حالی عہد پر اسلئے گواہ ٹھہرایا جاتا ہے) کہ تم قیامت

الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ۝ ۱۷۲ قیامت کے بیشک ہم تھے اس سے بے خبر	کے دن نہ کہو کہ ہم اس (ربوبیت عامہ کے تصور) سے بے خبر تھے۔
اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَاۗؤُنَا مِنْ یا تم کہو سوائے اسکے نہیں کہ شرک کیا باپ دادا ہمارے نے سے قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا پہلے اور تھے ہم اولاد سے پیچھے ان کے کیا پھر تو ہلاک کرتا ہے بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ ۱۷۳ بسبب اسکے جو کیا جھٹلانیوالوں نے	یا تم یہ کہو کہ سوائے اسکے اور کوئی بات نہیں کہ شرک تو (یعنی ربوبیت عامہ میں خیانت ہمارے) باپ دادا نے کی تھی اور ہم تو انکے بعد آنیوالے انکی اولاد تھے (جو توارث ہمنے ان سے پایا اس پہ چل پڑے، قصوروار تو وہ تھے) کیا تو ان جھٹلانیوالوں کے بدلے ہمیں ہلاک کرتا ہے۔ (اس کی سزا ہمیں دیتا ہے)

آیتِ الست

● ملہ اس آیت مجیدہ میں اِذْ اَخَذَ، اَشْهَدَ، قَالُوْا اور شَهِدْنَا پے درپے آنیوالے چار ماضی کے صیغوں کا ہمنے مضارع میں ترجمہ کیا ہے۔ کیوں؟ اس کیوں کا جواب تو اپنے مقام پر آگے آرہا ہے۔ پہلے ہم یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ قرآن مجید کی روائتی تفسیروں میں اس آیت کو آیتِ الست کہا جاتا ہے اور اسکے ساتھ یہ قصہ چسپاں کیا گیا ہے کہ نوعِ آدم کی پیدائش سے کروڑوں سال پہلے اللہ تعالیٰ نے پوری نوعِ آدم کی روحوں کو حضرت آدم کی پشت سے نکالکر انہیں یکجا جمع کرکے ارشاد فرمایا:۔ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ، کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا بلیٰ۔ ہاں تو ہمارا رب ہے۔ اس روائتی تصور کیمطابق مولوی احمد علی صاحب لاہوری مرحوم نے آیتِ بالا کا یہ ترجمہ لکھا ہے:۔

● "اور جب تیرے رب نے بنی آدم کی پیٹھوں میں سے انکی اولاد کو نکالکر ان سے خود انکی جانوں پر اقرار کرایا، کیا میں تمہارا رب نہیں؟ انہوں نے کہا ہاں ہم اقرار کرتے ہیں۔ کبھی قیامت کے دن کہنے لگو کہ ہمیں اسکی خبر نہیں تھی۔" (مترجم نسخہ خدام الدین صفحہ ۲۲۲)

● محترم مولوی احمد علی مرحوم نے بنی آدم کا صحیح ترجمہ لکھا اور صحیح مفہوم تحریر کیا ہے کہ اس آیت مجیدہ میں بنی آدم کی پیٹھوں سے انکی اولاد کو نکالنے کا ذکر ہے اکیلے حضرت آدم کی پیٹھ سے انکی قیامت تک کی اولاد کو نکالنے کا ذکر نہیں۔ لیکن شاہ عبدالقادر صاحب مرحوم کے موضح القرآن میں جو ہر مترجم قرآن مجید کے حاشیے پر موجود ہے اس آیت کی تفسیر بالفاظِ ذیل درج ہے:۔

● "اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی پشت سے انکی اولاد نکالی، سب سے اقرار کرایا اپنی خدائی کا، پھر پشت میں ڈالا۔"

● اب غور فرمائیں کہ آیت مجیدہ میں مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ کے الفاظ آئے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی پشت سے نہیں، بلکہ بنی آدم کی پشتوں سے انکی اولاد نکالنے یعنی پیدا کرنے کا ذکر کیا ہے۔ جس کیلئے بنی آدم بھی جمع کا صیغہ لایا گیا ہے اور ظہورہم میں بھی جمع کے دو صیغے لائے گئے۔ لیکن روائتی تفاسیر میں عربی ادب کو پامال کرکے حضرت آدم کی اکیلی پیٹھ سے بیک وقت انکی ساری اولاد کو نکالنے کا تصور دیا گیا ہے جو بنی آدم کی پیٹھوں سے شبانہ روز نکلتی چلی آرہی ہے۔

عہدِ الست کیا ہے

● یہاں پہنچ کر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر حضرت آدم کی پیٹھ سے بیک وقت پوری نوعِ آدم

کو نکالنے اور اُن سے عہد لینے کا روائتی تصوّر غلط ہے تو پھر عہدِ الست کیا ہے؟ جس کیلئے آئت زیرِ بحث ۷/۱۷۲ میں اِذْ اَخَذَ، اَشْهَدَ، قَالُوْا اور شَهِدْنَا کے پے درپے چار فعل بصیغہ ماضی لائے گئے ہیں جن سے روائتی تراجم نے ان افعال سے ماضی کا مذکورہ بالا قصّہ اخذ کیا ہے۔ اور اس سلسلے میں سب سے پہلے اس چیز کا کیا جواب ہے کہ قواعدِ عرب کیمطابق ماضی کا معنٰی مضارع میں لینے کا کوئی کلیہ ہے؟ جواباً عرض ہے کہ قواعدِ عرب میں ماضی کا معنٰی مضارع میں لینے کے گیارہ کلیے ہیں، جنہیں اہلِ قواعد نے ذیل کی رُباعی میں بیان کر دیا ہے:۔ آمدہ ماضی بمعنٰی مضارع چند جا۔ عطف ماضی بر مضارع، در مقامِ ابتدا

بعد موصول و ندا و بعدِ حیث و کلّما۔ در جزا و شرط و عطف ہر دو در دعا

قرآنِ کریم اہلِ قواعد کی غلطیاں بھی نکالتا ہے

● یہ تو ہیں ماضی بمعنٰی مضارع کے دہ کلیے جو اہلِ قواعد نے لکھے ہیں۔ لیکن قواعد کی موجودہ معلومہ حد چونکہ صرف انسانی کوششوں تک محدود ہے جس میں سہو ممکن ہے اسلئے انکی سہو کی نشاندہی خود قرآنِ کریم کرتا ہے جو وہ خود جامع علوم ہے۔ قرآنِ کریم بتاتا ہے کہ رب تعالٰی کے قوانینِ جاریہ کیلئے بھی ماضی کا صیغہ استعمال ہوتا ہے لیکن اُسکے معنے مضارع کے لئے جاتے ہیں۔ جیسے کہ آسمان سے پانی نازل کرنا خدا تعالٰی کی سنّتِ جاریہ ہے جو زمانہ ماضی میں بھی آسمان سے پانی برستا تھا، زمانہ حال میں بھی برستا ہے اور مستقبل میں بھی قیامت تک برستا رہیگا۔ لیکن خدا تعالٰی کی اس سنّتِ جاریہ کو قرآنِ کریم نے بصیغہ ماضی بیان کیا ہے:۔

● وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۲۳/۱۸ ● وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا ۲/۲۲

دیکھیے! ۲/۲۲ میں افعال اَنْزَلَ اور اَخْرَجَ دونوں ماضی ہیں۔ اب اگر ان کا ترجمہ ماضی ہی میں لیا جائے تو ذیل کا مفہوم پیدا ہوتا ہے جو مشاہدات کی مخالفت کی بدولت غلط ہے، مطلقاً غلط ہے:۔

(ترجمہ بصیغہ ماضی):۔ اور اللہ تعالٰی نے ماضی کے کس زمانے میں آسمان سے پانی برسایا، پھر اُسکے ساتھ میووں سے رزق نکالا۔

اب بتلایئے! کیا آسمان سے پانی صرف زمانہ ماضی میں برساتا تھا اور کیا اسکے ساتھ زمین میں سے میووں کا رزق زمانہ ماضی ہی میں نکالا تھا حالانکہ زمانہ حال میں بھی یہ سب کام بدستور ہو رہے ہیں اور زمانہ مستقبل میں بھی قیامت تک بدستور ہوتے رہینگے؟ ہمارے اس سوال کا جواب مشاہدات کی زبان میں یہی مل رہا ہے اور قیامت تک ملتا رہیگا کہ یہ سب کام صرف ماضی کیساتھ مختص نہیں بلکہ بصورت سنّتِ جاریہ زمانہ حال میں بھی جاری ہیں اور قیامت تک بھی جاری رہینگے۔

● فلہٰذا قرآنی شہادت اور عالمی مشاہدات کیمطابق ماضی بمعنٰی مضارع کا ایک کلیہ یہ بھی نکھر کر عیاں ہو چکا کہ ہر وہ کام جو کائنات کی وسعتوں میں خدا تعالٰی کی سنّتِ جاریہ کی صورت میں ہو رہا ہے اُسے بھی عربی قواعد میں بصیغہ ماضی بیان کیا جاتا ہے لیکن اسکے معنے بصیغہ مضارع لئے جائینگے خواہ ماضی پر اِذْ (ظرف) بھی داخل ہوا ہو ـــــ تو اس طرح چونکہ نوعِ آدم کی پشت سے انکی اولاد کا پیدا ہونا صرف زمانہ ماضی کیساتھ مخصوص نہیں، بلکہ رب تعالٰی کی سنّتِ جاریہ کی صورت میں زمانۂ حال میں بھی بدستور پیدا ہو رہی ہے اور قیامت تک پیدا ہوتی چلی جائیگی، اسلئے سلسلہ مدرکھ کی اگلی آئت زیرِ بحث ۷/۱۷۲ میں اِذْ اَخَذَ وغیرہ فعل ماضی چونکہ سنّتِ جاریہ پیدائشِ اولادِ بنی آدم

کیلئے آئے ہیں، اسلئے انکا معنی مضارع میں لیا جائیگا اور ۔

● وَاِذۡ اَخَذَ رَبُّكَ مِنۡۢ بَنِىۡۤ اٰدَمَ مِنۡ ظُهُوۡرِهِمۡ ذُرِّيَّتَهُمۡ کا صحیح معنی بصورتِ مضارع ہی لیا جانا لازم ہے اور جو مشاہداتِ عالم کے عین مطابق ہے وہ یہ ہے ۔ اے رسول! وہ وقت قابلِ غور ہے جب آپکا پروردگار بنی آدم کی پشتوں سے انکی اولاد کو نکالتا ہے، پیدا کرتا ہے اور ۔

● وَاَشۡهَدَهُمۡ عَلٰٓى اَنۡفُسِهِمۡ اَلَسۡتُ بِرَبِّكُمۡ قَالُوۡا بَلٰى کا صحیح معنی یہ ہے ۔ اور (انکی آمدِ شعور پر) انہیں انکی اپنی اپنی ذات پر گواہ ٹھہراتا اور (بزبانِ حال) کہتا ہے، کیا میں تمہارا رب نہیں؟ وہ سب الگ الگ بزبانِ حال کہتے چلے جا رہے ہیں ہاں (تو ہمارا رب ہے، ہم تیری ربوبیت کی گواہی دیتے ہیں)

ہر شخص اپنے رب کی ربوبیت کا خود گواہ ہے

● غور فرمائیں کہ ہر شخص، مرد ہو یا عورت، جب بنی آدم میں سے اپنے باپ کی پشت سے رحمِ مادر میں منتقل ہونے سے مقررہ مدت کے بعد پیدا ہوتا ہے تو سب سے پہلے اسے اپنی ربوبیت ہی کی فکر لاحق ہوتی ہے اور اسی فکر میں ماں کی چھاتیوں کی طرف لپکتا ہے، جہاں اسکے رب نے اسکے پیدا ہونے سے پہلے ہی دودھ کی دو نہریں جاری کر دی ہوتی ہیں۔ چنانچہ اسکی اولین ربوبیت ماں کی چھاتیوں کے دودھ سے ہوتی ہے، جسکے ذریعہ بچہ پلتا اور بڑھتا ہے۔ دودھ کی ان نہروں کے خشک ہونے سے پہلے ہی اسے دانت مل جاتے ہیں۔ اور اب اناج اسکی ربوبیت کا ذریعہ بنتا ہے۔ اور اس طرح ہر شخص ربِ تعالیٰ کی ربوبیت سے فیضیاب ہوتا ہوا پھر صبح شام اپنے اندر بھوک محسوس کرتا ہے، جسے مٹانے اور ربوبیت کو بدستور جاری رکھنے کیلئے اسے انواع و اقسام کے کھانے مہیا ہوتے ہیں، جسے پیدا کرنے کیلئے اسکے رب نے پوری کائنات کو مصروفِ عمل کر رکھا ہے، سورج شبانہ روز پانی سے بخارات بنا کر آسمانوں میں پہنچا رہا ہے جو رزق کی پیداوار کیلئے بارشوں کا موجب بنتے ہیں۔ زمین فصلیں اور پھل اگاتی اور انہیں سورج پکاتا ہے۔ تو اس طرح جب وہ شعور کی نگاہ سے اپنے چاروں طرف سامانِ ربوبیت کی افزائش کی طرف غور کرتا ہے تو بزبانِ حال یا بزبانِ قال پکار اٹھتا ہے کہ اے میرے پیدا کرنے والے **بیشک تو میرا رب ہے۔**

● وہ رب جس نے میرے پیدا ہونے سے پہلے ہی میری ابتدائی ربوبیت کیلئے میری ماں کی چھاتیوں پر دودھ کی نہریں جاری کر دی تھیں، یہ نہریں ابھی خشک نہیں ہونے پائی تھیں کہ دانت عطا کر دئے۔ اور دانتوں کے ذریعہ جو اناج میری ربوبیت کا ذریعہ بننے والا تھا، اسکی افزائش کیلئے پورے کارخانۂ کائنات کو مصروفِ عمل کر رکھا ہے۔ تو ہی ہے جو سورج کی تپش کیساتھ سمندروں، دریاؤں، جھیلوں اور جوہڑوں کے پانی کو بھاپ بنا بنا کر ہر آن فضا میں پہنچاتا رہتا ہے، اور پھر اسے بارش کی صورت میں زمین میں برسا کر غلوں اور میووں کی افزائش کا سامان کرتا رہتا ہے۔ تو ہی میرا رب ہے جس نے زمین میں فصلیں پیدا کرنے کی صلاحیت رکھدی ہے اور زمین سے نکلی چھوٹی نرم و نازک انگوری کی حفاظت کیلئے باد نسیم کو اسے پنکھا کرنے کی خدمت پر متعین کر دیا ہے۔ اس طرح میری ربوبیت کا سامان بننے والی فصلیں انگوری کی کمزور حدود سے نکل کر قدموں پر کھڑی ہو جاتی ہیں۔ پھر آفتاب کی تمازت ہی کیساتھ بڑھتی

جھومتی پھولتی ہیں، چاند ان میں پھل لاتا ہے، آسمان کے ان گنت ستارے ان پر کیمیاوی اثرات نازل کرتے ہیں اور سورج اس پھل کو پکا کر فصلیں تیار کر دیتا ہے ۔ آندھیاں فصلوں سے زہریلے اثرات زائل کر دیتی ہیں ۔ حتیٰ کہ سینکڑوں قسم کے اناج اور پھل پک کر میری ربوبیت کیلئے تیار ہو جاتے ہیں ۔ اور ربوبیت کا یہ سلسلہ سردی، گرمی بہار اور خزاں ہر موسم میں جاری رہتا ہے ۔ پس میری پیدائش سے لیکر آخری دم تک سلسلۂ ربوبیت کو جاری رکھنے والے بلا شبہ تو میرا رب ہے ۔

● علیٰ ہذا القیاس ہر شخص اپنے آپ میں بھوک محسوس کرتا ہے اور اسکے دماغ کیلئے مندرجہ بالا طریقوں سے پوری کائنات کو سامانِ ربوبیت کیلئے معروفِ عمل پا کر چار دانگ عالم میں اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کے خداوندی فرمان کو بزبانِ حال گونجتا ہوا پاتا ہے اور خود بزبانِ حال یا بزبانِ قال پکار اٹھتا ہے بَلٰی ۔ ہاں تو ہی میرا رب ہے ۔ یہ کارخانۂ کائنات جسے تو نے شبانہ روز سامانِ ربوبیت پیدا کرنے کیلئے وقفِ عمل رکھا ہے، یہ کسی مخصوص طبقے کی عیش پرستی کی تکمیل کیلئے پیدا نہیں کیا گیا، بلکہ اے میرے رب! تیری پیدا کردہ نعمت پر تیرے ایک ایک بندے کا مساوی حق ہے ۔

برادرانِ عزیز! ● یہ ہے اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کا خداوندی عہد جو کارگاہِ کائنات میں ہر آن بزبانِ حال گونج رہا ہے اور ہر شخص اپنے آپ میں بھوک محسوس کرنے اور اسے نعماءِ خداوندی کیساتھ مٹانے کی عملی صورت میں بَلٰی کا جواب دے رہا ہے ۔ حالی قال کی خبر 41/11 میں دی گئی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا فرمایا تو انہیں بزبانِ حال کہا ۔ اِئْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا 41/11 تم دونوں آجاؤ خوشی کیساتھ یا ناخوشی کیساتھ ۔ تو زمین و آسمان نے بزبانِ حال جواب دیا ۔ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ۝ 41/11 (زمین و آسمان) دونوں نے بزبانِ حال کہا کہ ہم دونوں آگئے ہیں فرمانبردار ہو کر ۔ جو لوگ رب تعالیٰ کے نظامِ ربوبیت پر غور نہیں کرتے، ایسے لوگوں کو قرآنِ کریم نے ڈنگروں سے بدتر قرار دیا ہے :۔

● لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ 7/179 انکے پاس ہمارے دیئے ہوئے دماغ ہیں وہ انکے ساتھ سوچتے نہیں، انکے پاس ہماری دی ہوئی آنکھیں ہیں وہ انکے ساتھ دیکھتے نہیں، انکے پاس ہمارے دیئے ہوئے کان ہیں، انکے ساتھ سنتے نہیں ۔ وہ ڈنگروں جیسے ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر ۔

● پس جو لوگ غور و فکر نہیں کرتے انہیں دائرہ آدمیت سے خارج قرار دیدیا گیا ہے، انکے غور نہ کرنے سے ربوبیتی حقائق میں کوئی فرق نہیں آتا ۔ حقیقتِ حال کا اعلان وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ، اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو خود اسکے اپنے آپ پر گواہ ٹھہرا دیا ہوا ہے ۔ چوبیس گھنٹوں میں ہر شخص متعدد بار سامانِ ربوبیت کا محتاج بھی ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامانِ ربوبیت سے سرفراز بھی ہوتا چلا جا رہا ہے ۔ اس طرح اللہ تعالیٰ اپنی ربوبیت کا حالی اقرار ہر فرد نوعِ آدم سے لے رہا ہے اور ہر فرد حالی اقرار کرتا چلا آرہا ہے ۔

● ملے اسی ناقابلِ انکار حالی اقرار کے متعلق آیت زیرِ بحث کے آخری الفاظ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ میں تنبیہ کر دی گئی ہے کہ کہیں تم قیامت کے دن یہ نہ کہنے لگو کہ ہم تو اس نظامِ ربوبیت سے بے خبر تھے اور اگلی آیت مجیدہ 7/173 میں یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ کہیں تم یہ نہ کہنے لگو کہ ہمنے باپ دادا کو ربوبیتِ عامہ میں خیانت کرتے پایا تھا اسلئے ہم تو انکی روش پر چلتے رہے تھے ۔

قصور وار تو وہ ہیں ہم نہیں۔

اسلاف کا تواتر حجت نہیں

● آیت نمبر ۱۷۳ میں اسلاف کے تواتر کو یہ کہکر درجۂ حجت سے خارج کر دیا گیا ہے:۔ اَوۡ تَقُوۡلُوۡۤا اِنَّمَاۤ اَشۡرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنۡ قَبۡلُ۔ یا کہیں تم قیامت کو یہ کہنے لگو کہ ربوبیت میں خیانت کا شرک تو کیا تھا ہمارے باپ دادوں نے۔ مجرم وہ ہیں ہم نہیں۔ پس آبائی متوارث عقائد و اعمال اس صورت میں قابلِ حجت نہیں ٹھہرتے کہ باپ دادا سے ایسا ہوتا چلا آرہا ہے۔ بلکہ دلیل و حجت اللہ کی کتاب ہے۔ چنانچہ اسلاف کے ہر اُس تواتر کو رد کر دیا گیا ہے جو قرآن کریم کے بنیادی مسئلۂ ربوبیتِ عامہ کے خلاف ہو۔

● مثلاً اسوقت ربوبیت کے متعلق ہمارا آبائی متوارث تواتر یہ ہے کہ معاشرہ میں بعض افراد کے ہاں سامانِ ربوبیت کی اسقدر فراوانی ہے کہ وہ انکے پیروں تلے ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے مگر بعض کے ہاں اسکا اسقدر فقدان ہے کہ انکے ہاں جائز اور لازمی ضرورت کے طور پر اپنی اور اپنے بچوں کی بھوک مٹانے کیلئے بھی میسر نہیں۔ اب چونکہ یہ تواتر صدیوں سے چلا آرہا ہے' اسلئے اسے صدیوں سے یہ کہکر عین اسلام قرار دیدیا گیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بے پرواہی ہے کہ بعض کو چاروقت انواع و اقسام کی نعمتیں مہیا کر رہا ہے اور بعض کے بچوں تک کو دووقت کی پیٹ بھر سوکھی روٹی بھی نہیں دیتا۔ قرآنِ کریم نے ایسے تواتر کو گمراہی اور اخروی ہلاکت کا موجب قرار دیا اور اعلان کر دیا ہے:۔

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الۡاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ ۝ ۱۷۴	اور مثل مذکورہ بالا ہم اپنی آیتوں کو کھول کھول کر بیان کرتے ہیں تاکہ (لوگ آبائی تواتر کو حجت ٹھہرانے اور قرآنی دلائل کو پس پشت پھینکنے سے) باز آجائیں۔
اور مثل مذکورہ بالا ہم کھول کر بیان کرتے ہیں آیتیں اپنی اور تاکہ وہ لوٹ آئیں	

● واضح رہے کہ پیچھے آیت نمبر ۱۰۳ تا ۱۵۵ میں مسلسل حضرت موسیٰؑ، فرعون اور موسوی دور کے بنی اسرائیل کا ذکر چلا آرہا ہے۔ آیت نمبر ۱۵۶ تا ۱۵۹ میں دورِ محمدی کے اُن بنی اسرائیل کا ذکر آیا ہے جو آنحضورؐ پر ایمان لائے تھے اور آپکی اطاعت و معاونت کی تھی۔ آیت نمبر ۱۶۰ تا ۱۷۱ میں دورِ موسوی کے بنی اسرائیل کے ذکر کا بقیہ لایا گیا ہے اور ۱۷۲ تا ۱۷۴ میں ربوبیتِ عالمینی کی چاردانگ عالم میں حالی گونج اور ہر فرد نوعِ آدم کے حالی اقرارِ ربوبیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اب چونکہ حضرتِ موسیٰؑ، فرعون اور دورِ موسوی کے بنی اسرائیل کے ذکر کا بنیادی مسئلہ ربوبیتِ عالمینی ہے اور فرعون نے رب تعالیٰ کے نظامِ ربوبیت کو اس حالت میں ٹھکرا دیا جب انکے پاس اللہ کے نبی حضرات موسیٰؑ و ہارونؑ لیکر آئے۔ لیکن اس نے صاف انکار کر دیا۔ سلسلہ ذکر کی اگلی آیت میں اس فرعون کی حالت عوام پر بیان کرنے کا آنحضورؐ کو حکم دیا گیا ہے:۔

وَاتۡلُ عَلَيۡهِمۡ نَبَاَ الَّذِىۡۤ اٰتَيۡنٰهُ اٰيٰتِنَا	(اے رسول!) پڑھیگا اُن (مخاطبینؐ) پر خبر اس شخص کی جسے ہمنے (اپنے رسولوں موسیٰ و ہارون کے ذریعہ) اپنی آیتیں
اور پڑھ اوپر ان کے خبر اس شخص کی دی ہمنے اُسے آیتیں اپنی	

فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ۝۱۷۵

پھر وہ نکل گیا ان سے پھر پیچھے لگا اسکے گمراہ کرنے والا پس وہ تھا میں سے گمراہوں کے

پہنچائیں پھر وہ اُن سے صاف نکل گیا۔ پس نفس شیطان اس کے پیچھے لگ گیا۔ اور وہ گمراہوں میں تھا۔

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ۗ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝۱۷۶

اور اگر چاہتے ہم ضرور بلند کرتے اسے ساتھ انکے اور لیکن وہ چمٹا ساتھ پستی کے اور پیروی کی خواہش اپنی کی پھر مثال اسکی مانند مثل کتے کے اگر تو لادے اوپر اسکے وہ ہانپے یا چھوڑ دے اسے ہانپے مذکورہ بالا حال اس قوم کا جو جھٹلاتی ہیں آیتیں ہماری پس بیان کر قصہ تاکہ وہ غور کریں

اور اگرچہ ہم تو اپنے قانونِ مشیّت[۵] کے مطابق چاہتے تھے کہ اُسے (اپنی آیتوں کی اتباع کی بدولت) بلند مرتبہ عطا کریں۔ لیکن وہ (ہماری آیتوں کا انکار کرکے) پستی[۶] کے ساتھ چمٹ گیا۔ اُس نے اپنی ہوائے نفس کی اتباع کی۔ پس اُسکا حال کتے کے حال جیسا تھا۔ کہ اگر تُو اس پر بوجھ لادے[۷] تو وہ پھر بھی ہانپے اور اگر تُو اُسے چھوڑ دے تو وہ پھر بھی ہانپے۔ یہ حال اس قوم کا ہوتا ہے جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں۔ پس آپ (سابقہ آیات کریمات میں مذکور کا) قصہ اپنے مخاطبین پر بیان کیجئے تاکہ وہ غور و فکر کریں (کہ قوموں کا کتوں جیسا حال کیوں ہوجاتا ہے)۔

● ۱۔ عَلَيْهِمْ میں ضمیر کا مرجع سابقہ آیات کریمات میں مذکور دورِ رسالت محمدی کے بنی اسرائیل ہیں۔

● ۲۔ اَلَّذِیْ سے مراد فرعون ہے۔ کیونکہ سیاقِ کلام میں مورد آیت نمبر ۱۰۳ سے جس گمراہ شخص کی گمراہی کا ذکر مسلسل ستر، آیات کریمات میں مذکور ہے۔ وہ فرعون ہی ہے۔ جسے حضرت موسیٰ اور ہارون سلام علیہما کے ذریعہ اسکے رب کی آیتیں پہنچائیں گئی تھیں مگر وہ انہیں مسلسل جھٹلاتا چلا گیا۔ اِسکے برعکس روائتی تفاسیر نے اس اَلَّذِیْ کیساتھ ذیل کا عجیب و غریب قصہ چسپاں کر رکھا ہے۔

۱۷۵ کی روائتی تفاسیر

● تفسیر حسینی مطبوعہ مطبع محمدی کانپور کے صفحہ ۲۱۰ پر اَلَّذِیْ سے بلعم باعورنامی کوئی روائتی ولی مراد لیا گیا ہے اصلی تفسیر موضح القرآن شاہ عبدالقادر مرحوم کے صفحہ ۱۹۱ پر تفسیر حسینی والا ہی روائتی قصہ بالفاظ ذیل درج ہے:-

"یہ قصہ بلعم باعور کا ہے جو کنعانیوں اور جباروں میں سے تھا۔ اور صحیفے حضرت ابراہیم کے پڑھتا تھا۔ اور اسم اعظم جانتا تھا۔ جب وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام متوجہ لڑائی جباروں سے ہوئے تو جباروں نے رجوع بلعم باعور سے کیا جو مستجاب الدعوات تھا۔ اور کہا کہ اُوپر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اور قوم اُسکی کے بددعا کر بلعم باعور نے انکار کیا اور آخر اپنی بیوی کے بہکانے پر جباروں سے رشوت قبول کی۔ اور اُوپر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اور اسکی قوم کے بددعا کی۔ حق تعالیٰ نے اسم اعظم یاد اسکی سے بھلا دیا۔ اور وہ بے ایمان ہوگیا...... اور جب حضرت موسیٰ کی طرف بددعا کرنے کو۔ جس گدھے پر سوار تھا وہ لولا کر اس ارادے سے پھر جا۔ (مگر) وہ نہ

مانا اور باز نہ آیا۔"

● یہ ہے اَلَّذِیۡۤ اٰتَیۡنٰہُ اٰیٰتِنَا فَانۡسَلَخَ کی روائتی تفسیر کہ زمانۂ موسیٰ میں بلعم باعور نامی ایک شخص مستجاب الدعوت موجود تھا۔ یعنی اسکی دعا اور بد دعا بارگاہِ الٰہی میں رد نہیں کی جاتی تھی۔ کیوں تھا؟ ——— اسلئے کہ اسے اسم اعظم یاد تھا۔ اہل روایات نے اسم اعظم کا بھی عجیب و غریب تصور پیدا کر رکھا ہے کہ جسے اسم اعظم یاد ہو، اسکی دعا یا بد دعا ضرور ضرور قبول ہو جاتی ہے۔ اور اس تصور کیمطابق بعض لوگ اسم اعظم کی تلاش میں زندگی برباد کر لیتے ہیں حالانکہ اسم اعظم اسم ذات اللہ ہے۔ اور دعا کیا ہے؟ اس کے لئے پمفلٹ "فلسفۂ دعا" ملاحظہ فرمائیں۔

● ۳؎ اٰتَیۡنٰہُ اٰیٰتِنَا کا وہ روائتی مفہوم ہرگز صحیح نہیں ہے جو اوپر بیان ہوا ہے کہ بلعم باعور کو اللہ کی آئتیں اور اسم اعظم دیا گیا تھا جو اسے یاد ہو گیا تھا، جس کی بدولت اسکی دعا یا بد دعا بارگاہِ الٰہی سے رد نہیں کی جاتی تھی۔ بلعم باعور کا قصہ تو محض ایک تراشیدہ ہے۔ یہ فرعون کا قصہ ہے اور اٰتَیۡنٰہُ اٰیٰتِنَا میں نبیوں کا واسطہ محذوف ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اٹل قانون یہ ہے کہ وہ نوعِ انسانی کو اپنی آئتیں اپنے نبیوں کے ذریعہ ہی دیتا رہا تھا۔ کسی غیر نبی کو اپنی آئتیں اور نام نہاد اسم اعظم ہرگز نہیں دیا کرتا تھا۔ چنانچہ فرعون کو بھی اپنی آئتیں اپنے دو نبیوں حضرات موسیٰؑ اور ہارونؑ کے ذریعہ دی گئی تھیں۔

● ۴؎ فَانۡسَلَخَ مِنۡہَا میں سَلَخَ مادہ س۔ ل۔ خ سے ہے، جسکا بنیادی معنی کسی چیز سے اس طرح صاف نکل جاتا ہے جس طرح سانپ کینچلی سے صاف نکل جاتا ہے۔ حضرت موسیٰ فرعون کو اللہ تعالیٰ کی آیات مجیدہ مسلسل پہنچاتے رہے مگر اس نے اپنے اوپر انکا معمولی سا اثر بھی نہ رہنے دیا، صاف نکل گیا۔

● ۵؎ لَوۡ شِئۡنَا لَرَفَعۡنٰہُ کے الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے قانونِ مشیت کی وضاحت فرمائی ہے اور وَلٰکِنَّہٗۤ اَخۡلَدَ اِلَی الۡاَرۡضِ اور اَلَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا کے الفاظ میں اپنے قانون مشیت کی خبر دی ہے کہ اگر فرعون ہماری آئتوں سے نصیحت حاصل کر کے بلندی کی راہ پر چل پڑتا تو ہمارا قانونِ مشیت اُسے رفع کر دیتا۔ لیکن چونکہ وہ زمین، یعنی پستی کیساتھ چمٹا رہا اسلئے اُسے ہمارے قانونِ مشیت کے مطابق بلندی نصیب نہ ہوئی۔

● ۶؎ ارض کا معنی زمین ہے۔ چونکہ یہ ہمیشہ پیروں کے نیچے رہتی ہے اسلئے اس لفظ کا مجازی معنی پستی ہے۔

● ۷؎ تَحۡمِلۡ کا سہ حرفی مادہ ح۔ م۔ ل۔ حمل، جس کا مصدری معنی ہے بوجھ اٹھانا اور اُٹھوانا۔ ہمارے ملک میں کتوں پر توجہ نہیں لادا جاتا۔ لیکن آئت مجیدہ میں خبر دی گئی ہے کہ اِس پر اسکی طاقت کیمطابق بوجھ لادا جا سکتا ہے یعنی اس سے یہ خدمت لی جا سکتی ہے۔ بعض ممالک میں کتوں کو چھوٹی چھوٹی گاڑیوں کے آگے جوت کر ان سے بوجھ اٹھوایا جاتا ہے۔ مگر کتب روایات نے اسے اسقدر منحوس قرار دے دیا ہے کہ جس گھر میں کتا موجود ہو وہاں رحمت کا فرشتہ نہیں آتا۔ دیکھئے مترجم بخاری شریف مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی

● ۸؎ مَثَل بفتحۂ مفتوحہ کا معنی حال بھی ہے جیسے کہ ۲/۲۱۴ میں آیا ہے اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّۃَ وَلَمَّا یَاۡتِکُمۡ مَّثَلُ الَّذِیۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِکُمۡ۔ کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ تمہارا ابھی وہ حال ہوا نہیں جو تم سے پہلے لوگوں پر گزر چکا ہے۔

● ۹۔ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ، یہ اس آیت مجیدہ کا آخری جملہ ہے۔ جس آیت مجیدہ کے داخلی مفہوم کے مطابق دعوت تفکر دی گئی ہے کہ ان اسباب پر بنظرِ غائر توجہ دی جائے جن کی بدولت قومیں ہر حالت میں ہانپتی رہتی ہیں، خواہ وہ مال و دولت کیساتھ لدی ہوئی ہوں یا زبوں حالی میں ہوں۔ یہ حالت اس قوم کی ہوتی ہے جس کا ہر فرد حصولِ زر کی دوڑ میں باؤلے کتے کی طرح شبانہ روز دیوانہ وار بھاگ رہا ہو، خواہ وہ مالدار ہو یا غریب۔ ہانپتے کتے کی مثال ایسی اقوام پر صد فیصد صادق آتی ہے۔ سلسلہ درس کی اگلی آیت میں قوموں کے اس حال کو بہت برا حال قرار دیا گیا ہے:۔

سَآءَ مَثَلَا ۨالْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا
برا حال قوم کا جو جھٹلاتے ہیں

بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ۝۱۷۷
کو آیتیں ہماری اور جانوں اپنی ہیں وہ ظلم کرتے

بہت برا حال ہے اس قوم کا جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اور خود آپس میں ایک دوسرے پر ظلم کرتے ہیں [۱۰]

● ۱۰۔ اَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ کے الفاظ میں اَنْفُسَهُمْ کا یہ معنی بھی صحیح ہے کہ وہ اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں اور یہ معنی بھی صحیح ہے کہ وہ آپس میں ایکدوسرے پر ظلم کرتے ہیں۔ جسکی عملی صورت یہ ہے کہ پوری کی پوری قوم اسقدر پست ہو چکی ہو کہ داخلی طور پر ہر فرد ملکر ایکدوسرے کا مال ناجائز طریقوں سے کھا رہا ہو یعنی سب کے سب ایکدوسرے پر ظلم کر رہے ہوں۔ دکاندار اشیاءِ خوردنی میں ملاوٹ کر رہے ہوں، دودھ میں پانی، آٹے میں پھک، ہلدی میں رنگ، گھی میں چربی جیسی مضرِ صحت چیزیں ملا کر خود اپنے ہی افراد کو نشانۂ ظلم بنا رہے ہوں۔ تھوک فروش مصنوعی قحط پیدا کر کے غریب عوام کی جیبیں کاٹ کر خود ایکدوسرے پر مظالم کے پہاڑ توڑ رہے ہوں۔ العیاذ باللہ!

● ایسی قومیں خود گمراہ ہو جاتی ہیں۔ سلسلہ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں ہدایت و گمراہی کے متعلق فیصلہ کر دیا گیا ہے:۔

مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ
جس کو ہدایت دے اللہ پس وہ ہدایت پانیوالا ہے

وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۱۷۸
اور جسے گمراہ کر دے پس وہی ہیں گھاٹا پانیوالے

جو (کوئی ہدایت پائے) اسے اللہ ہدایت یافتہ ٹھہراتا ہے۔ وہی ہدایت پانیوالا ہے اور جو کوئی خود گمراہ ہو جائے) اسے اللہ گمراہ ٹھہراتا ہے۔ پس ایسے لوگ گھاٹا پانے والے ہیں۔

● ۱۱۔ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ اور مَنْ يُّضْلِلْ کا یہ معنی صحیح نہیں کہ جسے اللہ ہدایت دے وہ ہدایت پانے والا ہے اور جسے اللہ گمراہ کر دے وہ گمراہ ہونیوالا ہے۔ یہ آیت متشابہ ہے جو ذیل کی محکم آیت کے ماتحت رکھی جائیگی:۔

● فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۳۹/۴۱ پس جس شخص نے خود ہدایت پائی اسکا فائدہ خود اس کے لئے ہے اور جو کوئی خود گمراہ ہو گیا اسکا وبال اسکے اپنے اوپر ہے۔ نیز اسی مسئلہ کے متعلق ایک اور محکم آیت مجیدہ میں اعلان کر دیا گیا ہے:۔ قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۱۸/۲۹ اے رسولؐ! اعلان کر دیجئے کہ حق قرآن کریم

تمہارے رب کی طرف سے ہے، پس جو چاہے اس پر خود ایمان لائے اور جو چاہے خود کافر ہو جائے ـــــ ان محکم آیات مجیدہ کے ماتحت اُوپر $\frac{۸}{۱۷۸}$ کا معنیٰ لکھا گیا ہے کہ جو شخص خود ہدایت پائے اُسے اللہ تعالیٰ ہدایت یافتہ ٹھہراتا ہے۔ اور جو کوئی خود گمراہ ہو جائے اُسے اللہ تعالیٰ گمراہ ٹھہرا دیتا ہے۔ ہدایت پانا یا گمراہ ہو جانا حضرت انسان کا اپنا کام ہے اللہ تعالیٰ نہ کسی کو زبردستی ہدایت دیتا ہے نہ کسی کو زبردستی گمراہ کرتا ہے۔ ہدایت و گمراہی کی مکمل بحث تفسیر جلد اوّل کے دیباچہ کے صفحہ ۳۱ تا ۴۳ کو بغور ملاحظہ فرمائیں۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں اسی مسئلہ کی تائید کی گئی ہے کہ لوگ خود ہی سنتے، دیکھتے اور غور نہیں کرتے۔

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ
اور بیشک پھیلا یا ہم نے واسطے جہنم کے بہت میں سے

الْجِنِّ وَالْإِنسِ ۖ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ
جنوں کے اور انسانوں کے واسطے انکے دماغ ہیں نہیں غور کرتے

بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا
ساتھ انکے اور واسطے انکے ہیں آنکھیں، نہیں دیکھتے ساتھ اُن کے

وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا ۚ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ
اور واسطے انکے ہیں کان نہیں سنتے ساتھ انکے وہ ہیں مثل چوپایوں کے

بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ۝۱۷۹
بلکہ وہ ہیں زیادہ گمراہ وہی ہیں وہ بے خبر

اور بیشک ہم نے لوگوں کی اکثریت کو خواہ وہ استحصال کرنیوالے ہیں یا استحصال ہونیوالے ہیں، جہالت میں بکھرے ہوئے (منتشر) پایا ہے۔ اُنکے پاس (ہمارے دئیے ہوئے) دماغ ہیں وہ اُنکے ساتھ غور نہیں کرتے۔ اُنکے پاس (ہماری دی ہوئی آنکھیں ہیں) وہ اُنکے ساتھ دیکھتے نہیں، اور اُنکے پاس ہمارے دئیے ہوئے کان ہیں، وہ اُنکے ساتھ سنتے نہیں۔ وہ ڈنگروں جیسے ہیں بلکہ اُن سے بھی گمراہ (اُن سے بھی گئے گزرے) یہی لوگ (ربوبیت کے نظام خداوندی سے) غافل ہیں۔

● ۱ قرآن کریم میں استحصال کرنیوالوں کو بھی جنّ کہا گیا ہے اور اُنکا شکار ہونیوالوں کو انسان کہا گیا ہے $\frac{۶}{۱۲۹}$ ۔ مسئلہ جنّ کی تفصیلی بحث اسی جلد کے صفحہ ۲۴۱ پر ملاحظہ فرمائیں۔

● ۲ ذَرَأْنَا کا لفظی معنیٰ بکھیرنا بھی ہے ۔ جَعَلَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَمِنَ الْأَنْعَامِ أَزْوَاجًا ۖ يَذْرَؤُكُمْ فِيهِ $\frac{۴۲}{۱۱}$ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بھی جوڑے جوڑے اور چوپایوں کو بھی جوڑے جوڑے بنایا ہے اور اُس نے تمہیں زمین میں بکھیر دیا ہے۔ ہم نے آیت بالا زیر بحث میں ذَرَأْنَا کا معنیٰ ثلاثی مجرد کے خاصہ وجدان کے مطابق یہ لکھا ہے کہ :۔ ہم نے جنّ و انسان کو جہالت میں بکھرے ہوئے (منتشر و پراگندہ) پایا ہے قومی انتشار موجب جہالت ہوتا ہے۔

● ۳ قلوب کا معنیٰ لکھا گیا ہے اذہان، چونکہ قلوب کا فعل بتایا گیا ہے تفقہ کرنا۔ مگر یاد رہے کہ تفقہ صرف ذہن کرتا ہے دل کا کام تفقہ کرنا نہیں۔ دل تو محض ایک پمپ ہے جو سر کے بالوں سے لیکر پاؤں کے ناخنوں تک خون پہنچاتا ہے عربی زبان میں دل کو بھی اسلئے قلب کہا جاتا ہے کہ وہ انسانی جسم کے اندر اُلٹا لٹکا ہوا ہے۔ جس آیت مجیدہ میں قلب کا فعل تفقہ

کرنا ثابت ہو وہاں قلب کا معنیٰ ذہن اور دماغ ہوتا ہے دل نہیں ہوتا۔

● ۲ اس آیت مجیدہ میں یہی گمراہی کے متعلق فیصلہ دیدیا گیا ہے کہ اُسے انسان خود اختیار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کو گمراہ نہیں کرتا۔ اس نے تو ہر کسی کو ذہن، دماغ عطا فرمایا ہے تاکہ وہ اُسکے ساتھ تفقہ کرکے (سوچ سمجھ کر) سیدھا راستہ اختیار کرے ہر کسی کو آنکھیں دی گئی ہیں تاکہ وہ ہر بُرے عمل کا بُرا نتیجہ خود اپنی آنکھوں دیکھ کر عبرت حاصل کرے۔ ہر کسی کو کان دئے گئے ہیں کہ ہر داعیٔ صراطِ مستقیم کی آواز کو سُنے اور عقل و بصیرت کی میزان پر تول کر اور ذہن و دماغ کی کسوٹی پر کس کر خود صحیح راستہ اختیار کرے۔ مگر جو لوگ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ آنکھوں، کانوں اور دماغ سے کام نہیں لیتے وہ خود گمراہ ہو جاتے ہیں۔ انہیں اللہ گمراہ نہیں کرتا۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں حکم دیا گیا ہے کہ ان ڈنگروں سے صرفِ نظر کرکے اللہ کے حضور میں اسمآءِ حسنیٰ کیساتھ دعا کیا کرو:۔

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ
اور واسطے اللہ کے ہیں نام اچھے پس دعا کرو اس سے

بِهَا ص وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ط
ساتھ انکے اور چھوڑ دو انکو جو کجی پیدا کرتے ہیں بیچ ناموں اسکے

سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ۱۸۰
ضرور بدلہ دئے جائینگے جو تھے وہ عمل کرتے

اور اللہ ہی کیلئے ہیں اچھے نام، پس تم اس (اللہ) کے حضور میں اسکے اسمآءِ حسنیٰ کیساتھ دعا کیا کرو[۱]۔ اور اُن لوگوں کو چھوڑ دو جو اُس (اللہ) کے ناموں میں کجی پیدا کرتے ہیں۔ (تاکہ وہ اُس اللہ ہی کی سند کے ساتھ غلط راہ پر چلیں) وہ ضرور اُنہی عملوں کا بدلہ دئے جائیں گے جو وہ خود کیا کرتے تھے[۲]۔

● ۱ فَادْعُوْهُ بِهَا کے الفاظ میں بصورتِ نصف النہار ثابت و مبرہن ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں اسکے اسمآءِ حسنیٰ کیساتھ دعا کرنے کا نہ ٹلنے والا حکم دیا گیا ہے۔ نیز چونکہ فَادْعُوْهُ کا حکم بصیغۂ جمع آیا ہے اسلئے ہر مسلمان پر فرض کر دیا گیا ہے کہ وہ اسمآءِ حسنیٰ کیساتھ اللہ کے حضور میں دعا کیا کرے۔ اِس سے اگلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ کہاں سے اور کس کتاب میں ملیں گے؟ باری تعالیٰ نے جن اسمآء کے ساتھ اپنے حضور میں دعا کرنے کا حکم دیا ہے، انہیں اپنی کتاب لاریب ہی میں خود ہی بیان کر دیا ہے۔ سورہ حشر میں آیا ہے:۔

● هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۚ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (۵۹ : ۲۲ تا ۲۴)

ایک لمحۂ فکریہ

● اب فَادْعُوْهُ بِهَا کے واضح حکم کی روشنی میں آنحضور کی شانِ فرمانبرداری کے مطابق عیاں ہے کہ آپ اور آپکے صحابۂ کرام ضرور اسمآءِ حسنیٰ کیساتھ حضورِ الٰہی میں دعا کیا کرتے تھے لیکن اگر مسلمانوں کا جائزہ لیا جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ اہلِ اسلام میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس حکم پر عمل نہیں ہو رہا، سوائے اُن حضرات کے جنہوں نے اللہ کے حکم اور سنتِ رسول کے

کے مطابق اسماء الحسنیٰ والی آیات مجیدہ ۲۲ تا ۲۴/۵۹ کو اذکار صلوٰۃ کا حصہ تسلیم کیا ہے۔ واضح رہے کہ مساجد اور صلوٰۃ مقام دعا ہیں:۔ وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ۱۸/۷۲ وَ اَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ ۱۹/۷۲ مسجد میں یعنی صلوٰۃ کی جگہیں خالص اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں، پس اللہ کے ساتھ کسی اور کے حضور میں دعا نہ کرنا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کا بندہ محمدؐ رسول اللہ جب مسجد کے اندر قیام صلوٰۃ میں کھڑا ہوتا ہے تو اللہ کے حضور میں دعا کرتا ہے۔

● پس آیاتِ بیّنات ۱۸۰/۷ فَادْعُوْهُ بِهَا اور ۱۹/۷۲ وَ اَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ کو جب ایکدوسری کے قریب لاکر غور کیا جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ فَادْعُوْهُ بِهَا کا حکم صلوٰۃ موقّت (نماز) کے متعلق ہے اور ۱۹/۷۲ سے کھل کر عیاں ہو رہا ہے کہ آنحضور سلام علیہ اپنی نماز میں اسماءِ حسنیٰ والی آیات کریمات ضرور ضرور پڑھا کرتے تھے، جس سے نہ صرف یہ کہ آنحضور بھی اپنی نماز میں فَادْعُوْهُ بِهَا کے خداوندی حکم پر زندگی بھر عمل کرتے رہے تھے، بلکہ آپکی سنتِ مطہرہ پر آپکے صحابہؓ بھی عامل رہے تھے اور آج آنحضور کی امّت بھی آنحضور کی سنتِ مطہرہ پر عمل کر کے یعنی نماز میں اسماءِ حسنیٰ والی آیتیں ۲۲ تا ۲۴/۵۹ تلاوت کر کے ۱۸۰/۷ کے خداوندی حکم کی عدم تعمیل کے جرم عظیم سے بچ سکتی ہے۔

● ۱۸۰/۷ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَاۗىِٕهٖ کی تفسیر ساتھ ہی اس سے اگلے الفاظ میں کردی گئی ہے سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ میں معنوی الحاد کر کے انکے مفہوم کو اپنی منشا کے مطابق پھیر کر بُرے عملوں میں لگ جاتے ہیں انہیں ان کے بُرے اعمال کی سزا ضرور دی جائیگی۔ يُلْحِدُوْنَ کے سہ حرفی مادہ ل۔ح۔د۔ لحد کا معنی ہے کسی چیز کو پھیر دینا۔ مثلاً غفورٌ رحیم کے معنوں کو اس طرح پھیر لینا کہ ہم کتنے بھی گناہ اور کتنی بھی اسکی نافرمانیاں کرتے رہیں وہ غفورٌ رحیم ہے، وہ ہمیں ضرور ضرور بخش دیگا۔ اور اس معنوی الحاد کو بنیاد بنا کر نیکیوں سے بے پرواہ اور برائیوں میں مشغول ہو جانا، مذکورہ بالا معنوی الحاد ہی کا نتیجہ ہے سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ کے الفاظ میں متنبہ کر دیا گیا ہے کہ اس غلط گمان میں نہ رہیں، انکے اُن عملوں کی سزا ضرور دی جائیگی، جن پر وہ اسماءِ خداوندی میں الحاد کر کے دلیر ہو جاتے ہیں۔ اور توبہ کر کے اُن سے الگ ہو جانا ضروری نہیں سمجھتے۔

● سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں ملحدین کی ضد مومنین کا ذکر ہے جو خود بھی حق (قرآن) پر قائم رہیں اور اُسی کی ہدایت کریں

وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ
اور میں سے جو پیدا کیا ہمنے ایک گروہ ہے ہدایت کرتے ہیں

اور جو (مخلوق) ہمنے پیدا فرمائی ہے اُن میں سے ایک گروہ ایسا بھی ہے جو حق (قرآن) کی طرف (لوگوں کی) رہنمائی کرتے ہیں۔

بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿ع﴾ ۱۸۱
ساتھ حق کے اور ساتھ اسکے وہ فیصلے کرتے ہیں

اور اُسی کیساتھ (لوگوں کے جھگڑوں کے) فیصلے کرتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ
اور جو لوگ جھٹلائیں کو ہماری آیتیں ضرور ہم انکو بتدریج پکڑیں گے

اور جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں، انہیں ہم ضرور بتدریج اس مقام سے پکڑیں گے، جسے وہ جانتے ہی نہیں۔ (جس کا

مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٨٢﴾
سے وہاں کہ نہیں جانتے وہ

انہیں گمان بھی نہیں ہے)۔

وَأُمْلِي لَهُمْ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ﴿١٨٣﴾
اور مہلت دیتا ہوں واسطے انکے بیشک تجویز میری پکی ہے

اور میں لوگوں کو (توبہ اور اصلاح کیلئے) مہلت دیتا ہوں۔ بلاشبہ میری یہ تجویز پکی (مبنی بر انصاف) ہے۔

● ۱ اس آیت مجیدہ میں خبر دی گئی ہے کہ حق پرست جماعت ہمیشہ موجود رہتی ہے اور آئندہ بھی موجود رہیگی۔

● ۲-۳ نافرمانوں کو بتدریج پکڑنا، توبہ اور اصلاح ہی کیلئے مہلت دینے کی غرض سے ہے۔ اور مہلت دینے کے بعد کے انداز گرفت کو مبنی بر انصاف بتایا گیا ہے۔ ایسے لوگوں کو پتہ ہی نہیں ہوتا کہ اُن پر گرفت کس طرف سے آرہی ہے اور نہ ہی اُن اقوام اور اُن افراد کو آمدِ عذاب کا پتہ چلتا ہے جن کا پیمانۂ ظلم اس دنیا میں لبریز ہو جاتا ہے۔ انہیں آخرت کے عذاب کے علاوہ دنیا میں بھی عذابِ خداوندی آپکڑتا ہے۔ باوجود اسکے کہ اپنے آپکو بڑے ہوشیار اور چالاک شمار کرتے ہیں مگر وہ بھانپ ہی نہیں سکتے کہ کس جانب سے ان پر تدریجاً عذاب آرہا ہے۔ حقیقت یہ ہوتی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی نافرمانیوں کے ذریعہ اپنے گرد خود ہی عذاب کے جال بُن رہے ہوتے ہیں، جن میں خود ہی پھنس جاتے ہیں۔ اسی چیز کی خبر ۴۲/۳۰ میں دی گئی ہے وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ اور جو بھی مصیبت تمہیں آتی ہے وہ تمہارے اپنے ہی ہاتھوں کی لائی ہوئی ہوتی ہے۔

● سلسلہ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں زمانۂ رسالت کے اُن لوگوں کو مخاطب کیا گیا ہے جو آنحضورؐ کو دیوانہ اور آپکی تبلیغ کو دیوانگی قرار دیتے ہیں:-

أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا مَا بِصَاحِبِهِمْ مِنْ
اور کیا نہیں غور کیا انہوں نے نہیں ہے ساتھ ساتھی ان کے میں سے

جِنَّةٍ إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ مُبِينٌ ﴿١٨٤﴾
دیوانگی۔ نہیں ہے وہ مگر آگاہ کرنیوالا ظاہر

کیا اور انہوں (بتان تراشوں) نے غور نہیں کیا (انہیں ہمارے رسول کے لائے ہوئے پیغام کی عظمت پر غور کرنا چاہیئے) انکا ساتھی دیوانہ نہیں (یہ تو انکے مکہ کا) ساتھی ہے (اب اسکا منصب یہ ہے کہ) نہیں ہیں وہ مگر انہیں اُنکے فرائضِ منصبی سے کھلے طور پر آگاہ کرنیوالا ہے۔

● اس آیت مجیدہ میں آنحضورؐ کی قبل نبوت کی زندگی کیلئے صَاحِبِهِمْ کے الفاظ آئے ہیں۔ آپ اُن جھٹلانیوالوں کے یعنی مکہ کے ساتھی تھے۔ آپنے اپنی قبل نبوت کی زندگی بھی عوام کی خدمت کیلئے وقف کر رکھی تھی۔ اور بعد نبوت بھی آپکا پیغام اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے الفاظ سے شروع ہوا تھا، جس میں ہر فرد نوعِ انسانی کی ربوبیت کا اعلان عام موجود ہے۔ کیا ایسا شخص دیوانہ شمار کیا جا سکتا ہے؟ آنحضورؐ کی عظیم شفقتِ انسانی کا نقشہ ۹/۱۲۸ میں بالفاظ ذیل کھینچا گیا ہے:-

● لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ بیشک (اے انکار کرنیوالو!) تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک رسول آگیا ہے۔ اس پر تمہاری بدحالیاں گراں گزرتی ہیں۔ تمہاری بھلائی پر حریص

ہے اور جو لوگ ایمان لے آئے ہیں ان پر خصوصی شفقت کرنیوالا مہربان ہے ـــــ عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ کے الفاظ میں کھول کر بتا دیا گیا ہے کہ آپکی انسانی شفقت کی یہ حالت تھی کہ خواہ کانٹا کسی بھی فردِ انسانی کو چبھتا، مگر درد آنحضور کو ہوتی تھی۔ واضح رہے کہ یہ مومن کافر ہر فردِ انسانی کیلئے آنحضور کا خاصہ تھا، کیونکہ مومن کیلئے الگ باندازِ خصوص بر عموم ارشاد ہوا ہے بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ، یعنی یہ پوری نوعِ انسانی کا مونس و غم خوار مومنوں پر خصوصی رحمت و شفقت کرنیوالا ہے۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں پھر آنحضور کے مخالفین ہی کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ وہ کیوں حکومتِ الٰہیہ پر غور نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ہر چیز پر دعوتِ تفکر دی ہے کہ دیکھو کس طرح ہر چیز قوانینِ خداوندی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے:۔

اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
کیا اور نہیں غور کیا بیچ حکومت آسمانوں کے اور زمین کے

وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰۤى اَنْ یَّكُوْنَ
اور جو پیدا کیا اللہ نے سے چیز کے اور کہ ہو قریب یہ کہ ہو

قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَهٗ
بیشک قریب میعاد ان کی۔ پھر ساتھ کس بات کے پیچھے اس کے

یُؤْمِنُوْنَ ○ ۱۸۵
ایمان لائیں گے

کیا اور انہوں (یعنی ضابطۂ خداوندی کے منکروں) نے غور نہیں کیا آسمانوں اور زمین کی حکومت پر اور ہر چیز پر اللہ تعالیٰ کا کنٹرول ہے جو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی ہے (کہ کس طرح آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ رب العزت کے قوانین کیمطابق مصروفِ عمل ہے) اور ہو سکتا ہے کہ انکی میعاد بلاشبہ قریب ہو۔ پھر یہ لوگ اس (ہمارے نازل کردہ ضابطۂ حیات[1]) کے سوا اور کس حدیث پر ایمان لائیں گے؟

مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ ؕ
جسے گمراہ قرار دے اللہ پس نہیں ہدایت دینے والا واسطے اسکے

وَیَذَرُهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ○ ۱۸۶
اور وہ چھوڑ دیتا ہے انہیں بیچ سرکشی انکی کے سرگردان

جو شخص کہ اللہ تعالیٰ اُسے (اسکی انتہائی سرکشی کی بدولت) گمراہ قرار دیدے، اُسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ اور وہ انہیں انکی سرکشی میں سرگردان چھوڑ دیتا ہے۔

● [1] فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ میں قابلِ ایمان صرف اپنے نازل کردہ ضابطۂ حیات قرآن کریم کو ٹھہرایا گیا ہے $\frac{۳۹}{۲۳}$ میں آیا ہے اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ كِتٰبًا۔ اللہ تعالیٰ نے احسن حدیث اپنی کتاب نازل فرمائی ہے۔ اور $\frac{۴۵}{۶}$ میں فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰیٰتِهٖ یُؤْمِنُوْنَ کے الفاظ میں صرف اپنی آیتوں کو اسلئے قابلِ ایمان قرار دیا گیا ہے کہ قیامت تک کیلئے شک و ریب سے پاک صرف اور صرف اُسکی آیاتِ کریمات ہیں جو اسکی آخری کتاب قرآن مجید میں محفوظ ہیں۔ اسکے سوا باقی کوئی بھی کتاب دست بُرد زمانہ سے ہرگز ہرگز محفوظ نہیں۔ حتیٰ کہ تورات، زبور اور انجیل کی بھی یہ حالت ہے کہ انکا ایک ایڈیشن دوسرے ایڈیشن سے مختلف و متضاد ہوتا ہے خود تورات و انجیل والے اِن کتابوں میں اپنی مرضی کی ترمیم و تنسیخ کرتے رہتے ہیں۔ صرف قرآن کریم ہی وہ کتاب ہے جس کی حفاظت

کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لے رکھا ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ٥ ۱۵/۹ نیز یہی وہ واحد کتاب ہے :-

● جس میں باطل نہ آگے کی طرف سے داخل ہو سکتا ہے نہ پیچھے کی طرف سے لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۴۱/۴۲ اسی لئے دنیا بھر میں اس ایک اکیلی کتاب کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ کی سند حاصل ہے اور اسی لئے اسکے سوا کسی اور کتاب کو ناقابلِ ایمان قرار دیا گیا ہے ۴۵/۶ نیز ناقابلِ اتباع ۷/۳ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ؕ اتباع کرو صرف اُسکی جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور اُسکے سوا (جھوٹے) خیر خواہوں کی اتباع ہرگز نہ کرنا۔

● پیچھے آیت نمبر ۱۸۵ میں استفہامی حصر کیساتھ اعلان کیا گیا ہے کہ آیاتِ قرآنیہ کے سوا کوئی حدیث واجب الاتباع نہیں۔ اگلی آیت میں ارشاد ہوا ہے :-

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ

سوال کرینگے آپ سے متعلق سزا کے وقت کے کونسا وقت ہے آنے اسکا

قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا

کہہ سوائے اسکے نہیں، علم اسکا ہے پاس میرے رب میرے نہیں ظاہر کریگا کو وقت اسکا مگر

هُوَ ؕ ثَقُلَتْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا

وہ بھاری ہے بیچ آسمانوں کے اور زمین کے نہیں آئیگی تم کو مگر

بَغْتَةً ؕ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا

اچانک سوال کرینگے آپ سے گویا آپ آگاہ ہیں سے اسکے کہہ سوائے اسکے نہیں

عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ١٨٧

علم اسکا ہے پاس اللہ کے اور لیکن بہت لوگ نہیں جانتے

(اے رسول!) لوگ آپ سے (نافرمانی کے عذاب کے آنے کے) وقت کے متعلق پوچھینگے کہ اسکے آنے کی گھڑی کونسی ہے۔ آپ فرما دیجیئگا کہ اسکا علم میرے پروردگار کے پاس ہے۔ اُسے اُسکے وقت پر وُہی ظاہر کریگا۔ آسمانوں اور زمین میں وُہ (عذاب کی گھڑی) بہت سخت ہے۔ نہیں آئیگی تمہارے پاس مگر اچانک۔ (اے رسول!) لوگ آپ سے اسکے متعلق اس طرح پوچھینگے گویا کہ آپ اس کے وقت سے آگاہ ہیں۔ کہہ دیجئے کہ اُس کا علم اللہ ہی کے پاس ہے۔ اور لیکن اکثر لوگ (اس حقیقتِ حال کو) نہیں جانتے۔

● ۳ السَّاعَة کا لفظ قرآن کریم میں مختلف معنوں میں آیا ہے۔ وقوعِ قیامت کیلئے استعمال ہوا۔ نیز کسی بھی وقفہ کیلئے۔ ایک لمحہ کیلئے۔ انقلاب کی گھڑی اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی دُنیوی سزا کے وقت کیلئے بھی آیا ہے۔

● ۱ الساعة بمعنی قیامت :- اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ٥ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ٥ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ ٥ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ٥ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ٥ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِى الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ٥ ۳۰/۱۱ تا ۱۶

(مفہوم) اللہ ہی مخلوق کو پیدا کرتا ہے۔ پھر وُہ (اُس میں سے نوعِ انسانی کو اُسکی موت کے بعد قیامت کے دن) دوبارہ پیدا کریگا

پھر تم اسی کے حضور میں حاضر کئے جاؤ گے - اور جس دن السَّاعة (قیامت) قائم ہوگی اُس دن مجرم لوگ (اپنے جرموں کی سزا سے بچنے) سے مایوس ہو جائینگے - اور اُس دن انکے ٹھرائے ہوئے (اللہ کے) شریکوں میں سے کوئی بھی انکا شفیع نہ ہوگا - اور وہ اپنے (ٹھرائے ہوئے) شریکوں کا انکار کرنیوالے ہونگے - اور جس دن اَلسَّاعَةُ (قیامت) قائم ہوگی (اُسدن شریک ٹھرانے والے اور شریک ٹھرائے گئے ایکدوسرے سے) الگ الگ ہو جائینگے - پھر جو لوگ ایمان لائیں اور اصلاح کے کام کریں وہ (جنّت کے) باغ میں خوش رکھے جائینگے - اور وہ لوگ ہماری آیتوں کا انکار کریں اور انہیں جھٹلائیں وہ عذاب کیلئے حاضر کئے جائینگے -

٢ السَّاعة بمعنی کوئی بھی وقفہ : - لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ ٩/١١٧ بیشک اللہ تعالی رجوع برحمت ہوا اپنے نبی (عربی) پر اور ان مہاجرین و انصار پر، جنہوں نے اسکی اتباع کی تنگی کے وقفہ میں -

٣ السَّاعة بمعنی ایک لمحہ : - فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ٥ ١٦/٦١ = جب اُن پر تباہی کا وقت آتا ہے تو پھر نہ ایک لمحہ پیچھے رہ سکتے ہیں نہ ایک لمحہ آگے بڑھ سکتے ہیں -

٤ السَّاعة بمعنی انقلاب کی گھڑی : - اصحاب کہف جو ملک میں ربوبیت بدوش انقلاب لانا چاہتے تھے مگر ناسازگار حالات کی بدولت درمیانی وقفہ ایک غار میں گزار رہے تھے - آخر جب انکی خوراک ختم ہوگئی تو خوراک لانے کیلئے اپنے ایک آدمی کو باہر بھیجا تو اسوقت سابقہ ظالم حکومت بدل چکی تھی، حالات سازگار ہو چکے تھے - قرآن مجید میں اس انقلاب کی گھڑی کو بھی السَّاعة کہا گیا ہے : - وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ١٨/٢١ = اور اسی طرح ہمنے انکو (خوراک لانے کے ذریعہ) مطلع فرمایا کہ وہ جان لیں کہ بیشک اللہ تعالی کا وعدہ سچا ہے اور انقلاب کی گھڑی میں کوئی شک نہیں - (وہ انکی انتھک اور صبر آزما کوشش کی راہ میں طویل مشکلات کا مقابلہ کرنے کی بدولت ضرور ضرور آنیوالی ہے) اصحابِ کہف ایک انقلابی جماعت تھی جو انتہائی کٹھن مصائب کا مقابلہ کرنے کے بعد معاشرہ میں نظامِ ربوبیت کے قیام کا انقلاب لانے میں کامیاب ہوئی پورے حالات کیلئے ادارہ بلاغ القرآن کا پمفلٹ "قصہ اصحاب کہف" ملاحظہ فرمائیں۔

٥ السَّاعة بمعنی خدا تعالی کی نافرمانی کی دُنیوی سزا کی گھڑی : - قوموں کی گوناگوں نافرمانیوں کے بدلے بعض قوموں کے جرائم کا پیمانہ جب اِسی دنیا میں چھلک جاتا ہے تو اُن پر قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود، قوم شعیب اور قوم لوط وغیرہ کی طرح دنیا ہی میں لازم کر دیا جاتا ہے چنانچہ ایسے عذاب کی آمد کی گھڑی کو سورہ یوسف میں بالفاظِ ذیل السَّاعة کہا گیا ہے : - وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ٥ اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ٥ ١٢/١٠٦-١٠٧ اور لوگوں کی اکثریت اللہ پر ایمان نہیں لاتی مگر وہ اس طرح ایمان لاتے ہیں کہ وہ ایمان باللہ کے باوجود مشرک ہوتے ہیں - کیا پھر وہ نڈر ہوگئے ہیں کہ انکے پاس اللہ کا ڈھانپ لینے والا (چھا جانیوالا) عذاب آئے (یعنی اس طرح اُن پر اچانک) اللہ کے عذاب کی گھڑی آجائے کہ انہیں شعور تک نہ ہو کہ عذاب آرہا ہے -

● سلسلۂ درس کی آیت زیرِ بحث ۷/۱۸۷ میں اَلسَّاعَۃ کے لفظ میں آنحضورؐ کے مخالفوں کو اُنکی گوناگوں نافرمانیوں کی اس دنیوی سزا کی آمد کے متعلق کہا گیا ہے کہ اسکا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، جسکے متعلق اُنکا سوال تھا اَیَّانَ مُرْسٰھَا - یعنی ہماری سزا کی آمد کا وقت کونسا ہے۔ مخالفوں کے اس سوال کا جواب آنحضورؐ سے دلوایا گیا ہے قُلْ اِنَّمَا عِلْمُھَا عِنْدَ رَبِّیْ کہہ دیجئے گا کہ اسکا علم میرے پروردگار کے پاس ہے، اُسکے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔ وَعِنْدَہٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُھَآ اِلَّا ھُوَ ۶/۵۹ = میں غیب دان نہیں ہوں غیب کی چابیاں صرف اور صرف اللہ کے پاس ہیں، غیب کو اُسکے سوا کوئی نہیں جانتا۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیت میں آنحضورؐ کے غیب دان نہ ہونے کے ساتھ ساتھ خود آنحضورؐ سے یہ بھی اعلان کرادیا گیا ہے کہ میں کسی چیز کا مختار نہیں ہوں۔ اس تفصیل کے لئے اگلی آیت کی آمد کا انتظار کریں۔ فی الحال سابقہ آیت مجیدہ ۷/۱۸۷ کے بقایا فٹ نوٹ ملاحظہ فرمائیں یہاں تک صرف ایک فٹ نوٹ نمبر ۱ ختم ہوا ہے۔

● ۲ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُھَا عِنْدَ رَبِّیْ کے جملہ میں اِنَّمَا کے حصر کیساتھ خود آنحضورؐ سے اعلان کرا دیا گیا ہے کہ لوگو! تمہاری نافرمانیوں کی سزا کے آنے کے وقت (اَلسَّاعَۃ) کا علم صرف اور صرف اللہ کے پاس ہے میرے پاس نہیں ہے۔

● ۳ لَا یُجَلِّیْھَا لِوَقْتِھَآ اِلَّا ھُوَ کے جملے میں بھی نفی اثبات کے حصر کیساتھ کہلایا گیا ہے کہ لوگو! تمہاری نافرمانیوں کی سزا کو اُسکے وقت پر صرف اللہ تعالیٰ ہی ظاہر کریگا۔ ان ہر دو جملوں میں خود آنحضورؐ سے آپکی عدم غیب دانی کا اعلان کرایا گیا ہے۔

● ۴ ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کے الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ قوموں پر عذاب کی گھڑی بڑی سخت ہوتی ہے خواہ وہ سماوات کے کسی بھی کرّے میں ہوں اور خواہ زمین میں ہوں۔ کیونکہ اسکا عذاب ٹالا نہیں جا سکتا۔

● ۵ لَا تَاْتِیْکُمْ اِلَّا بَغْتَۃً کے الفاظ سے عیاں ہے کہ اللہ کا عذاب اچانک آجاتا ہے، یعنی اُسوقت کہ جب نافرمان قوم کو گمان تک نہیں ہوتا کہ اب عذاب آنیوالا ہے۔

● ۶ کَاَنَّکَ حَفِیٌّ کے الفاظ میں بھی آنحضورؐ کے غیب دان ہونے کی دلیلِ استفہامیہ انداز میں پیش کیگئی ہے کہ اے رسول! یہ لوگ عذاب کی آمد کے وقت کے متعلق اس طرح پوچھینگے، جیسے کہ آپ اس سے آگاہ ہیں، یعنی آپ تو غیب دان ہیں ہی نہیں۔

● ۷-۸ پیچھے ضمنی نوٹ ۲ میں گزر چکا ہے قُلْ اِنَّمَا عِلْمُھَا عِنْدَ رَبِّیْ کہہ دیجئے گا اے رسول! کہ عذاب کے وقت کا علم میرے رب کے پاس ہے۔ یہاں نوٹ ۷ میں پھر اسی چیز کا اعادہ ان الفاظ میں کر دیا گیا ہے قُلْ اِنَّمَا عِلْمُھَا عِنْدَ اللہِ - یہ تکرار تاکیدی ہے جس میں انتہائی وضاحت کیساتھ اعلان فرما دیا گیا ہے کہ آنحضورؐ غیب دان نہیں تھے۔ اور نوٹ ۸ میں بھی اسی چیز کی خبر دیگئی ہے کہ لوگوں کی اکثریت اس حقیقت سے بے خبر ہے جو باقی انبیاء کو عموماً اور آنحضورؐ کو خصوصاً غیب دان قرار دیتی ہے۔ نیز واضح رہے کہ آنحضورؐ کی ذات والا صفات کو نہ صرف یہ کہ غیب دان قرار دیا جاتا ہے بلکہ نفع نقصان کے مالک بھی ٹھہرایا جاتا ہے لیکن اگلی آیت میں دونوں چیزوں کی نفی کر دیگئی ہے۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا
کہہ نہیں میں مالک واسطے جان اپنی کے نفع کا اور نہ تکلیف کا

اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ
مگر جو چاہا اللہ نے اور اگر ہوتا میں جاننے والا غیب کا کثرت حاصل کرتا

مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْۗءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّ
میں سے خیر کے اور نہ تکلیف مجھے تکلیف نہیں میں مگر آگاہ کرنیوالا اور

بَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ ۱۸۸ ع ۲۳ / ۱۴
خوشخبری دینے والا واسطے قوم کے جو مانتے والے ہیں

(اے رسولؐ!) کہہ دیجئے گا کہ میں اپنی جان کیلئے بھی کسی نفع اور تکلیف کا مالک نہیں[1] (کوئی اختیار نہیں رکھتا) سوائے اسکے کہ مجھے بھی نفع اور ضرر اللہ تعالیٰ کے قانونِ مشیت کیمطابق ہی پہنچتا ہے[2] اور (میں غیب دان بھی نہیں کیونکہ) اگر میں عالم الغیب ہوتا تو بہت سی بھلائی اکٹھی کر لیتا اور مجھے کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچتی[3]۔ نہیں ہوں میں مگر اُس قوم کو انکے فرائضِ منصبی سے آگاہ کرنیوالا اور اچھے عملوں کی اچھی جزا کی خوشخبری دینے والا ہوں[4] جو (قرآنی حقائق پر) ایمان لانیوالے ہیں۔

● [1] لَآ اَمْلِكُ کے الفاظ میں آنحضور کے مختارِ کل ہونے کی نفی کر دی گئی ہے کہ آپکو یہ صفات نہ ذاتی طور پر حاصل تھیں نہ عطائی طور پر کیونکہ ملکیت کی دو ہی صورتیں ہوتی ہیں ذاتی یا عطائی۔ جیسے کہ سمیع و بصیر کی صفات خدا تعالیٰ کی ذاتی ہیں اور انسان کیلئے عطائی، فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا $\frac{76}{2}$ لیکن کسی بھی انسان یا نبی رسول کیلئے یہ نہیں آیا جَعَلْنٰهُ مُخْتَارًا لِّكُلِّ شَيْءٍ۔

● [2] اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ کے الفاظ میں اِلَّا استثنیٰ بالمشیت ہے، جس سے قانونِ مشیت ہی کی استثنیٰ مراد ہے کہ آنحضور کو بھلائیاں اور نفع بھی میسر آیا کرتے تھے اور آپ کو تکالیف و مصائب بھی آتے تھے مگر وہ سب قانونِ مشیت کیمطابق آتے تھے۔ آنحضور کا قانونِ خداوندی میں کوئی عمل دخل ہرگز نہیں تھا۔

● [3] وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ...... الخ کے الفاظ میں بھی آنحضور کی غیب دانی کی نفی کر دی گئی ہے۔ سورہ جن میں ہر ایک رسول کے متعلق آیا ہے لَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ $\frac{72}{26}$ اللہ تعالیٰ اپنے غیب پر کسی ایک کو بھی مطلع نہیں کرتا تھا۔ سوائے اپنے رسولوںؑ کے کہ انہیں وحی کے ذریعہ حقائق سے باخبر کیا کرتا تھا۔ اس پر قرآنِ حکیم کی آیاتِ ذیل گواہ ہیں کہ سورہ آل عمران $\frac{3}{44}$ میں حضرت مریمؑ کے صحیح حالات بیان کرنے کے بعد ارشاد ہوا ہے:۔ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ (اے رسولؐ) یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ پر وحی کرتے ہیں۔ اور اسی طرح سورہ یوسف $\frac{12}{102}$ میں حضرت یوسف کے صحیح صحیح حالات بیان کرنے کے بعد ارشاد ہوا ہے:۔ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ۔ (اے رسولؐ!) یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپکی طرف وحی کرتے ہیں — دیکھئے ان آیاتِ کریمات میں ذٰلِكَ اسمِ اشارہ بعید کیساتھ جس کے مشارٌ اِلَیہ حضرت مریمؑ اور حضرت یوسف کے صحیح حالات ہیں، جو ماقبل مذکور ہیں، مطلع کیا گیا ہے۔ اور اس طرح واضح کر دیا گیا ہے کہ $\frac{12}{102}$ + $\frac{72}{26-27}$ میں جو خبریں دی گئی ہیں، فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ کا یہ مطلب نہیں کہ کسی نبی رسول کو عالم الغیب بنایا جاتا ہے بلکہ سابقہ واقعات کے صحیح صحیح حالات اور عالی حقائق سے نبی رسولوں کو بذریعہ وحی باخبر کیا جاتا تھا۔

حقیقتہً نمبر وز | ● آنحضور یا کسی بھی نبی رسولؐ کو اگر عالم الغیب بنایا جاتا تھا تو جس وقت سے وہ عالم الغیب بنا دئیے گئے

تھے اسوقت وحیِ الٰہی کی ضرورت باقی نہیں رہتی تھی۔ حالانکہ آنحضورؐ جملہ انبیاءؑ کی زندگی کے آخری دم تک کیلئے وحیِ الٰہی کا اجراء اہلِ اسلام کی متفقہ مسلّمہ حقیقت ہے، جس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر بقول بعضے آنحضورؐ عالم الغیب تھے تو آنحضورؐ پر آپکی آخری زندگی تک وحی کا سلسلہ کیا محض تکلّف برائے تکلّف تھا؟ العیاذ باللہ!

● ۵ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ کے الفاظ میں بھی آنحضورؐ کے عالم الغیب ہونے کی نفی کر دیگئی ہے کہ اگر آپ عالم الغیب ہوتے تو آپکو کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچتی، جیسے کہ جنگِ اُحد کے موقعہ پر جو مسلمانوں کی فتح شکست میں تبدیل ہوگئی تھی اور آنحضورؐ کو جو تکلیف پہنچی تھی اگر آپ عالم الغیب ہوتے تو آپکو پتہ چل جاتا کہ عقبی درہ خالی ہوگیا ہے اور دشمن پیچھے سے حملہ کرنیوالا ہے۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ آپ عالم الغیب نہیں تھے، نہ ذاتی نہ عطائی۔

● ۶ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ میں ان نافیہ آیا ہے اور اِلَّا اثبات کا ہے، یعنی نفی اثبات کیساتھ خود آنحضورؐ سے اعلان کروایا گیا ہے کہ آپ نہ غیب دان تھے نہ مختارِ کل بلکہ عوام کو انکے فرائضِ منصبی سے آگاہ کرنیوالے تھے، بُرے کام کے بُرے انجام سے ڈرانے والے تھے اور نیک کاموں کے نیک انجام کی خوشخبری دینے والے تھے۔ بالفاظِ دیگر الفاظ زیرِ بحث میں آنحضورؐ کے صحیح مقام نبوّت و رسالت کو اُجاگر کیا گیا ہے۔

● ۷ لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ کے الفاظ مخوّلہ بالا نصائح کے متعلق آئے ہیں جن میں یہ بتا دیا گیا ہے کہ آنحضورؐ کے صحیح مقام کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو محوّلہ بالا نصائحِ خداوندی پر ایمان لانیوالے ہیں اور جو خود آنحضورؐ کی قرآنی احادیثِ مبارکہ پر ایمان لاتے ہیں جو خود اللہ تعالیٰ نے قل کے فعل امر کیساتھ اپنے الفاظ میں آنحضورؐ کی زبانِ مبارک سے کہلوا دئیے ہیں، کہ نہ میں عالم الغیب ہوں اور نہ ہی کارخانۂ کائنات میں میرا کوئی عمل دخل ہے، نہ ذاتی نہ عطائی۔

نہ اپنے لئے نہ تمہارے لئے

● سلسلہ درس کی آیتِ مجیدہ $\frac{۷}{۱۸۸}$ میں جن الفاظ کیساتھ آنحضورؐ سے اعلان کرایا گیا ہے، وہ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا کے الفاظ میں آیا ہے۔ نیز معمولی تبدیلی کیساتھ یہی اعلان آنحضورؐ سے سورہ یونس میں بھی کرا دیا گیا ہے:۔ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا $\frac{۱۰}{۴۹}$ کہدے اے رسول! کہ میں اپنی جان کیلئے بھی نہ کسی ضرر کا مالک ہوں نہ نفع کا۔ اور ساتھ ہی سورہ جنّ میں آنحضورؐ سے اس امر کا اعلان بھی کرا دیا گیا ہے کہ لوگو! میں تمہارے لئے بھی نہ کسی تکلیف کا ہی مالک ہوں نہ کسی بھلائی کا:۔ قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ۝ قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ۝ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ۝ $\frac{۷۲}{۲۱ تا ۲۳}$ اے رسول! کہتا جا کہ میں تمہارے لئے کسی ضرر کا اختیار رکھتا ہوں نہ بھلائی کا۔ نیز کہہ دے کہ (اگر میں اللہ کا پیغام پہنچانے میں کوتاہی کروں تو) مجھے بھی اللہ سے بچانے والا کوئی نہیں، اور نہ مجھے اسکے سوا کسی کے ہاں پناہ ملیگی۔ مگر (میرا فریضہ) پہنچانا ہے اللہ سے آئے ہوئے اسکے پیغامات کو۔ (یہ میرے فرض کی ادائیگی ہی مجھے اللہ سے بچا سکتی اور اسکے ہاں پناہ کا موجب بن سکتی ہے)۔

مسئلہ حیات النبیؐ و حاضر و ناظر

● واضح رہے کہ اہلِ اسلام میں آنحضورؐ کے متعلق مسئلہ غیب اور مختارِ کل کے علاوہ دو

مسائل اور بھی متنازعہ چلے آرہے ہیں۔ یہ مسئلہ حیات النبی (حاضر و ناظر) اور مسئلہ بشر نور ہے۔ مسئلہ اول الذکر کا فیصلہ تو آنحضورؐ کی وفات مبارکہ کا اعلان ہے جو آپکے مخالفین کے ساتھ ہی متوازی انداز میں کر دیا گیا ہے۔

● اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ۝ ۳۹/۳۰ (اے رسولؐ!) بلاشبہ آپ بھی مرنیوالے ہیں اور وہ آپکے مخالفین بھی مرنیوالے ہیں۔ اس آیت مجیدہ کے خلاف اگر آنحضور کو موت سے مستثنیٰ قرار دیا جائے تو یہی استثنیٰ آپکے مخالفین کیلئے بھی لازم آتی ہے۔ لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ کسی کیلئے بھی کسی استثنیٰ کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ چنانچہ خود آنحضور مرض الموت میں مبتلا ہو کر فوت ہو گئے تھے۔ صحابہ کرامؓ نے آپکی تجہیز و تکفین فرمائی اور آپکی قبر مبارک آج تک مدینہ منورہ میں موجود ہے۔ اس قرآنی دلیل کیمطابق جب آنحضور فوت ہو چکے ہیں تو حاضر و ناظر کا مسئلہ خود ختم ہو گیا۔ جسکے متعلق قرآن مجید میں الگ کھلے دلائل بھی موجود ہیں۔

● سورہ آل عمران میں حضرت مریم کی کفالت کا صحیح واقعہ بیان کرنے کے بعد کہ آپکی کفالت کے۔ دعویداروں کے جھگڑنے کے باوجود کفالت مریمؑ کا فیصلہ حضرت زکریا کے حق میں ہوا اور باقی دعویداران کفالت سے اس پر دستخط لئے گئے آنحضور کو کہا گیا ہے۔ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۠ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ۝ ۳/۴۴ اے رسول! یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ پر وحی کرتے ہیں۔ اور آپ اُسوقت اُن کے پاس حاضر و ناظر نہیں تھے جب وہ دستخط دے رہے تھے کہ مریمؑ کی کفالت کون کریگا اور نہ ہی آپ اسوقت انکے پاس حاضر و ناظر تھے۔ جب وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے۔ اسی طرح سورہ یوسف میں حضرت یوسف کا قصہ بیان کرنے کے بعد ارشاد ہوا ہے۔ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْۤا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ۝ ۱۲/۱۰۲ اے رسول! یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ پر وحی کرتے ہیں۔ اور آپ اسوقت اُنکے پاس حاضر نہیں تھے جب برادران یوسف اپنی مہم پر اکٹھے ہوئے تھے اور جب انہوں نے یوسف کیلئے بُری تجویز بنائی۔

● یہ تو ہوئیں قرآنی دلائل قاطعہ آنحضور کے قبل پیدائش عدم حاضر ناظر ہونے کی۔ اسکے علاوہ آنحضور کو آپکی زندگی میں ہر جگہ حاضر و ناظر تسلیم کرنا بھی حقائق کا منہ چڑانے کے مترادف ہے کہ یہ ایک مسلّمہ امر ہے کہ ہجرت مبارکہ سے ماقبل آنحضور مکہ معظمہ میں تھے مدینہ منورہ میں نہیں تھے اور ہجرت مبارکہ کے بعد آپ مدینہ منورہ میں تھے مکہ معظمہ میں نہیں تھے۔ اور عین ہجرت مبارکہ کے دوران آپ منزل بمنزل سفر میں تھے؛ نہ مکہ میں تھے نہ مدینہ میں تھے۔ اور اسکے بعد آپ فوت ہو گئے تو آپکا جسد اطہر قبر مبارک میں ہے، اس کے سوا آپ کہیں بھی حاضر ناظر نہیں ہیں۔

مسئلہ بشر نور

● اسکے علاوہ آنحضور کے متعلق ایک متنازعہ مسئلہ یہ ہے کہ کیا آپ نوع البشر میں سے تھے یا اس کے سوا کسی نوری مخلوق میں سے تھے۔ اس مسئلہ کا فیصلہ بھی اللہ تعالیٰ نے سورہ کہف اور سورہ حٰم سجدہ میں دو مرتبہ کے تکرار کیساتھ خود آنحضور کی قرآنی حدیث کیساتھ آپ ہی سے کرا دیا ہے۔ قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰۤى اِلَيَّ ۱۸/۱۱۰ + ۴۱/۶ اے رسولؐ! اعلان فرما دیجئے کہ میں تمہارے جیسا بشر ہوں (کسی نوری مخلوق میں سے نہیں ہوں) میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ مسئلہ بشریت میں ایک انتہائی نازک پہلو یہ ہے کہ آنحضور جسمانی لحاظ سے عام بشروں جیسے بشر تو تھے، لیکن عملی لحاظ سے آپ خدا تعالیٰ کے صد فیصد فرمانبردار

بندے تھے۔ اس گوشے میں آپ ہرگز ہرگز عام بشروں جیسے نہیں تھے۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔

● المختصر آنحضور کے متعلق چاروں متنازعہ مسائل بشر، نور، حاضر ناظر، علم غیب اور مختار کل، ہر مسئلہ کا فیصلہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب لاریب میں آج سے چودہ سو سال پیشتر کا کر دیا ہوا ہے۔ افسوس ہے کہ امت قرآنی دلائل کو پس پشت پھینک کر بلاوجہ معروف پیکار چلی آرہی ہے۔

● سلسلۂ درس کی پچھلی آیت نمبر ۱۸۸ میں لَا اَمْلِكُ ۔۔۔۔ الخ کے الفاظ میں آنحضور سے اعلان کروایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قوانین مشیت میں میرا کوئی عمل دخل نہیں ہے بلکہ سب کام قوانین خداوندی کے مطابق سرانجام ہوتے چلے جارہے ہیں۔ اگلی آیت مجیدہ میں اس کے ضمن میں نوع انسانی کی شبانہ روز کی پیدائش اور افزائش نسل کے قانون مشیت کی وضاحت کیگئی ہے جو انتہائی غور طلب ہیں:-

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ
وہی ہے جو پیدا کرتا ہے تم کو سے جرثومۂ حیات اکیلے اور

جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا
ٹھہرایا بیچ اسکے جوڑا اسکا تاکہ سکون پائے طرف اسکے۔ پھر جب ڈھانپتا ہے اسکو

حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا
بوجھ اٹھاتی ہے بوجھ ہلکا پھر چلتی ہے ساتھ اسکے پھر جب بوجھل ہوجاتی دعا کرتے ہیں دونوں

اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ
اللہ رب اپنے دونوں کے البتہ اگر عطا کرے تو ہمکو صحتمند، ضرور ہونگے ہم

مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ ۱۸۹
بیچ سے شکرگزاروں کے

وہ اللہ ہی ہے (اے نوع انسانی!) تم کو ایک ہی جرثومۂ حیات سے پیدا کرتا ہے۔ اور اس نے اسی میں اسکا جوڑا رکھدیا ہوا ہے تاکہ مذکر مونث کیساتھ سکون حاصل کرسکے۔ پھر جب مذکر مونث کو ڈھانپتا ہے تو وہ حمل خفیف اٹھالیتی ہے پھر اسکے ساتھ چلتی پھرتی ہے۔ پھر جب وہ بوجھل ہو جاتی ہے تو دونوں میاں بیوی اپنے رب تعالیٰ کے حضور میں دعا کرتے ہیں کہ اگر تو ہم کو تندرست بچہ عطا فرماتا ہے تو ہم دونوں ضرور تیرے شکرگزار ہوں گے۔

فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ
پھر جب دیتا ہے دونوں کو تندرست بچہ ٹھہراتے ہیں دونوں شریک

فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ ۱۹۰
بیچ اسکے جو دیا دونوں کو پس بلند ہے اللہ سے اسکے جو وہ شرک کرتے ہیں

پھر جب (اللہ تعالیٰ اپنے قانون مشیت کے مطابق تندرست بچہ عطا کرتا ہے تو پھر وہ دونوں اس میں جو اللہ نے عطا فرمایا ہے، (غیر اللہ کو) شریک ٹھہراتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مشرک لوگ جو شرک کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس سے بلند و بالا ہے۔

● ۱؎ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ میں خَلَقَ فعل ماضی مضارع کے معنوں میں آیا ہے۔ کیونکہ قرآن کریم کا مستقل اسلوب بیان یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنی سنت جاریہ کو ماضی کے صیغے میں بیان کرتا ہے تو ماضی مضارع کے معنے دیتی ہے۔ جیسے کہ بارش کی سنت جاریہ جو صرف اور صرف زمانہ ماضی کیساتھ مختص نہیں، بلکہ ماضی حال اور مستقبل تینوں زمانوں میں بدستور جاری ہے، قرآن کریم اسکے لئے ماضی کا

صیغہ استعمال کرتا ہے مگر مراد مضارع ہوتا ہے :- وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۲/۲۲ - دیکھئے یہاں اَنْزَلَ وَاَخْرَجَ دونوں افعال ماضی ہیں جو مضارع کے معنے دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی نازل کرتا ہے اور اسکے ساتھ تمہارے لئے میوے پیدا کرتا ہے۔ اس کے برعکس یہاں پر ماضی کے معنے رفقط ہی آتے ہیں اور نہ مشاہدات کا ساتھ ہی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمانہ ماضی میں پانی آسمان سے برسایا تھا اور زمانہ ماضی میں میوے پیدا کئے تھے۔ جس طرح اس سنّتِ جاریہ متواترہ کیلئے اَنْزَلَ اور اَخْرَجَ افعال ماضی برائے مضارع آئے ہیں، اُسی طرح آیتِ زیرِ بحث میں خَلَقَ، حَمَلَتْ اور اَثْقَلَتْ وغیرہ افعال ماضی برائے مضارع آئے ہیں اور ان کا صحیح معنی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر زمانے ماضی حال اور مستقبل میں ایک ہی جرثومۂ حیات سے نوعِ انسانی کی دونوں صنفوں مذکر و مؤنث کو پیدا کرتا چلا آرہا ہے اور کرتا چلا جائیگا۔

● ۲ے نفسِ واحدہ سے یہاں جرثومۂ حیات مراد ہے جو نطفہ کی صورت میں بوقت اختلاط نمودار ہوتا ہے۔ پوری نوعِ انسانی مرد اور عورتیں سب کے سب اسی سے پیدا ہوتے چلے آرہے ہیں۔ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا کا معنی یہ ہے کہ اس نفسِ واحدہ یعنی جرثومۂ حیات، نطفۂ انسانی میں اس کا جوڑا رکھدیا گیا ہے مذکر و مؤنث۔ یعنی ایک جرثومۂ حیات ہے، جس میں مذکر و مؤنث دونوں صنفیں بننے کی صلاحیت موجود ہے۔ رحمِ مادر میں جس صنف کی نشوونما غالب آتی ہے، بچہ اس صنف کا حامل پیدا ہوتا ہے۔ لبعض دفعہ کسی بھی صنف کی نشوونما مکمل نہیں ہوتی اور بچہ نہ لڑکا بنتا ہے نہ لڑکی، اُسے مخنث کہا جاتا ہے۔

● ۳ے جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا کے جملہ میں زوج کا معنی جوڑا ہے، نہ بیوی ہے نہ خاوند۔ اِن لفظوں میں وضاحت کردیگئی ہے کہ جرثومۂ حیات یعنی نطفۂ خدا تعالیٰ کا وہ شاہکارِ عظیم ہے کہ اُسکے اندر لڑکا بننے کے خواص بھی موجود ہیں اور لڑکی بننے کے بھی۔ نطفے کے اس صنفی اشتراک پر مشاہدہ گواہ ہے کہ مردوں کے سینے پر بھی پستانوں کے دو نشان موجود ہیں جو صنفِ مذکر کا حصّہ نہیں بلکہ صنفِ مؤنث کا حصّہ ہے۔ نیز لبعض عورتوں کو مونچھیں اور ڈاڑھی نکل آتی ہے جو عورتوں کا حصّہ نہیں بلکہ صرف اور صرف مردوں کا حصّہ ہے۔

● ۴ے لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا کے جملہ میں لِيَسْكُنَ فعل مضارع لاکر اس اَمر کی تصدیق کردیگئی ہے کہ یہاں کوئی ماضی کا واقعہ بیان نہیں ہو رہا بلکہ خدا تعالیٰ کے قانونِ جاریہ کی وضاحت کی جارہی ہے، کہ یہ ایک مستقل قانونِ خداوندی ہے کہ مذکر کو مؤنث کے بغیر سکون حاصل نہیں ہوتا، اسی لئے جرثومۂ حیات میں مذکر و مؤنث دونوں کا اہتمام کردیا گیا ہے۔

● ۵ تا ۸ے پھر فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا ...... الخ میں جو افعال ماضی آئے ہیں حَمَلَتْ، فَمَرَّتْ، اور اَثْقَلَتْ وغیرہ، یہ بھی خدا تعالیٰ کی سُنّتِ جاریہ سے متعلق ہونے کی بدولت مستقبل کا فائدہ دیتے ہیں کہ مذکر یا مؤنث بننا بھی ہمیشہ سے جاری ہے اور ہر زمانوں میں مؤنث کا حملِ خفیف اٹھالینا، پھر اسکے ساتھ چلتے پھرتے رہنا اور پھر حملِ ثقیل کی منزل تک پہنچ جانا بھی ہر زمانوں میں جاری و ساری ہے۔ اسلئے یہ تمام افعال ماضی برائے مضارع آئے ہیں۔

● ۹ے دَعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا کے الفاظ میں شرک کرنیوالوں کا طریقہ بتایا گیا ہے کہ جب حمل ظاہر ہو جاتا ہے تو میاں بیوی

دونوں اللہ کے حضور میں تندرست بچے کی پیدائش کی دعا کرتے ہیں، یعنی حمل کے پورے وقفہ میں رحم کے اندر کے مخفی تعامل پر خالص اللہ تعالیٰ ہی کا تسلط تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن :-

● بحث ۱۱ فَلَمَّآ اٰتٰهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰهُمَا کے الفاظ میں مشرک افراد کا طریقہ بتا دیا گیا ہے کہ پہلے تو بڑی شدت کیساتھ اللہ کے حضور میں دعائیں کرتے ہیں اگر تو ہمیں تندرست بچہ عطا فرمائے تو ہم ضرور تیرے شکر گزار ہونگے۔ لیکن جب انہیں صحیح سالم بچہ عطا کر دیا جاتا ہے تو اُسے غیر اللہ کی طرف منسوب کر کے اس کا نام بھی رکھ دیتے ہیں پیر اندرتہ۔ العیاذ باللہ استغفر اللہ!

● بحث ۱۲-۱۳ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ کے آخری جملہ مبارکہ میں يُشْرِكُوْنَ بصیغہ مضارع لاکر پوری طرح وضاحت کر دی گئی ہے کہ آیت زیر بحث ۷/۱۸۹ میں کوئی ماضی کا قصہ بیان نہیں کیا گیا، بلکہ مشرکوں کی دائمی عادت کی وضاحت فرمائی گئی ہے۔

روائتی تفسیر

● آیات مجیدہ ۷/۱۸۹-۱۹۰ کی قرآنی تفسیر تو آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں اب انکی روائتی تفسیر کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیں جس میں نفس واحدہ سے مراد لی گئی ہے حضرت آدمؑ اور زوجہا سے مراد لی گئی ہے حضرت حواؑ۔ یعنی حضرت حواؑ کو حضرت آدمؑ میں سے نکالا گیا بتایا ہے۔ چنانچہ مشہور معروف ترجمہ شاہ اشرف علی تھانوی میں لکھا ہے :-

● "وہ اللہ ایسا قادر و منعم ہے جس نے تم کو ایک تنِ واحد (آدمؑ) سے پیدا کیا اور اس ہی سے اُسکا جوڑا (حوا) بنایا تاکہ وہ اُس جوڑے سے اُنس حاصل کرے۔ پھر جب میاں نے بیوی سے قربت کی تو اسکو حمل رہ گیا ہلکا سا۔ سو وہ اسکو لئے ہوئے چلتی پھرتی رہی۔ پھر جب وہ بوجھل ہو گئی تو دونوں میاں بیوی اللہ سے جو انکا مالک ہے دعا کرنے لگے کہ اگر آپنے ہم کو سالم اولاد دیدی تو ہم خوب شکر گزاری کرینگے۔ سو جب اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو صحیح سالم اولاد دیدی تو اللہ کی دی ہوئی چیز میں، وہ دونوں اللہ کے شریک قرار دینے لگے۔ سو اللہ تعالیٰ پاک ہے انکے شرک سے۔"

● اب غور فرمائیے! مرحوم تھانوی صاحب کے ترجمہ میں جب نفس واحدہ سے مراد لی گئی ہے حضرت آدم اور جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا سے حضرت حوا مراد لی گئی ہیں۔ تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس سے اگلا سارا ذکر جسے ایک واقعہ ظاہر کیا گیا ہے، حضرت آدم و حوا ہی کا ہوا کہ جب میاں بیوی کا نے قربت کی تو حضرت حوا نے ہلکا سا حمل اٹھالیا پھر جب وہ بوجھل ہو گئیں تو میاں بیوی حضرت آدم و حوا نے صحیح سالم اولاد کے لئے حضورِ الٰہی میں دعا کی۔ لیکن جب آپکو صحیح سالم بچہ عطا کر دیا گیا تو معاذ اللہ معاذ اللہ حضرت آدم و حوا دونوں نے اُس بچے میں غیر اللہ کو شریک کر لیا ——— یہی حال باقی سب تراجم کا ہے کہ نفس واحدہ سے مراد حضرت آدم اور زوجہا سے مراد حضرت حوا لیکر، اللہ تعالیٰ کے پہلے نبی رسول کو مشرک ثابت کر دکھایا ہے العیاذ باللہ!

قرآنی اسلوبِ بیان کو رہنما اصول بنایا جائے

● افسوس ہے کہ روائتی تراجم میں قرآنی اسلوب بیان تصریف آیات کو نظر انداز کر کے اللہ تعالیٰ کے اوّلین پاکیزہ نبی رسولؑ کی طرف شرک تک منسوب کر دیا ہے۔ حالانکہ عربی قواعد کے مطابق بھی اور قرآنی اسلوب بیان کے مطابق بھی ان آیات کریمات میں اللہ تعالیٰ کے قانونِ جاریہ کی

کی وضاحت کیگئی ہے اور عوام الناس کی حالت بیان کیگئی ہے۔ قانونِ جاریہ یہ کہ نفسِ واحدہ یعنی ایک ہی جرثومۂ حیات میں اللہ تعالیٰ نے لڑکا بننے کی صلاحیت بھی رکھدی ہوئی ہے اور لڑکی بننے کی بھی۔ پھر یہ کہ مؤنث کو حمل مذکر کے اختلاط ہی سے ٹھہرتا ہے جو پہلے پہل خفیف ہوتا ہے پھر حملِ ثقیل ہوجاتا ہے۔ قرارِ حمل کے بعد دورانِ حمل میں پوری احتیاط و پرہیز کیساتھ صحیح سالم بچے کا پیدا ہونا سنّتِ جاریہ ہے۔ لیکن عوام الناس کی یہ حالت بتائی گئی ہے کہ وہ دورانِ حمل تو خدا تعالیٰ سے دعائیں مانگتے ہیں مگر جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اُسے غیر اللہ کی طرف منسوب کردیتے ہیں۔ اِس سے عیاں ہے کہ ان آیات کریمات ۱۸۹-۱۹۰/۷ میں ماضی کا کوئی قصّہ بیان ہی نہیں کیا گیا۔ بلکہ جیسے کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ ان میں قانونِ جاریہ کی حکمیت اور لوگوں کی جہالت کا نقشہ کھینچا ہے۔

• واضح رہے کہ ایک تو قواعدِ عرب کا مستقل قاعدہ ہے کہ جب ماضی پر اسم موصول داخل ہو تو وہ مضارع بن جاتی ہے اور دوسرا یہ کہ دائمی کاملاتی قوانینِ مشیّت کیلئے بھی جب ماضی کے افعال آئیں تو مضارع کا قاعدہ دیتے ہیں چند مثالیں پیش خدمت ہیں جن میں قوانینِ جاریہ کیلئے ماضی کے صیغے مستعمل ہیں:۔

• اَنزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۲۲/۲ میں اَنزَلَ فعل ماضی کا معنیٰ سنّتِ جاریہ کیمطابق یہ ہے کہ اللہ آسمان سے پانی نازل کرتا ہے۔

• فَاَخرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزقًا ۲۲/۲ میں اَخرَجَ فعل ماضی کا معنیٰ قانونِ جاریہ کیمطابق یہ ہے کہ اللہ پانی کیساتھ میوے پیدا کرتا ہے۔

• وَمَآ اَنزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِن مَّآءٍ ۱۶۴/۲ میں اَنزَلَ فعل ماضی کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی نازل کرتا ہے

• فَاَحيَا بِهِ الاَرضَ بَعدَ مَوتِهَا ۱۶۴/۲ میں اَحیا فعل ماضی کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس پانی کیساتھ مُردہ زمین کو زندہ کرتا ہے۔

• اَنزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۱۷/۱۳ میں اَنزَلَ فعل ماضی کا معنیٰ ہے اللہ آسمان سے پانی نازل کرتا ہے۔

• فَسَالَت اَودِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا ۱۷/۱۳ میں فَسَالَت فعل ماضی کا معنیٰ یہ ہے کہ پھر نالے اپنی اپنی مقدار کیمطابق بہ نکلتے ہیں۔

• فَاحتَمَلَ السَّيلُ زَبَدًا رَّابِيًا ۱۷/۱۳ میں فَاحتَمَلَ فعل ماضی کا معنیٰ یہ ہے کہ پھر پانی کا سیلاب پھولا ہوا جھاگ لاتا ہے۔

• اِسی طرح هُوَ الَّذِی خَلَقَكُم مِّن نَّفسٍ وَّاحِدَةٍ میں خَلَقَ فعل ماضی خدا تعالیٰ کی سنّتِ جاریہ کے بیان کیلئے آیا ہے اسلئے صرف زمانہ ماضی کیلئے مختص نہیں بلکہ اُسی طرح تینوں زمانوں کیلئے آیا ہے جس طرح اوپر کی مثالوں میں آسمان سے پانی کا نازل ہونا اور اس سے میووں کا پیدا ہونا تینوں زمانوں میں جاری و ساری چلا آرہا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ ایک ہی جرثومۂ حیات سے مذکر و مؤنث دونوں صنفوں کو مسلسل پیدا کرتا چلا آرہا ہے۔

(نوٹ) نفسِ واحدہ کی بحث اسی جلد کے صفحہ ۲۲۸ تا ۲۳۴ پر گزر چکی ہے وہاں بھی ملاحظہ فرمائیں، جو نوعِ انسانی کی اولین تخلیق کے ضمن میں مکمل مفصل اور ایک شاہکار بحث ہے۔ جو تصریفِ آیات قرآنیہ کی رُو سے ایک علمی دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔

رجوع الی المطلب

• سلسلہ درس کی آیات کریمات زیرِ بحث ۱۸۹-۱۹۰/۷ میں عام انسانی حالت بیان کیگئی ہے کہ پہلے تو اولاد مانگتے ہیں اللہ تعالیٰ سے، مگر جب اللہ تعالیٰ صحیح سالم بچہ عطا کرتا ہے۔ تو عطاءِ ربّانی میں غیر اللہ کو

شریک کر لیتے ہیں کہ یہ فلاں پیر صاحب کی نظرِ کرم کا نتیجہ ہے۔ فلاں صاحبِ مزار کی کرامت ہے یا فلاں صاحبِ کشف کی عطاءِ خاص ہے۔ اس میں کسی مذہب و ملت کی تمیز موجود نہیں۔ جملہ مذاہب کے پیروکار اپنے اپنے مذہبی پیشواؤں رشیوں اوتاروں اور گرووں کو خدا کا شریک ٹھہرا لیتے ہیں۔ اگر ہندو ہیں تو سری رام چندر کی طرف منسوب کر کے رام دتہ مل نام رکھتے ہیں۔ سکھ ہیں تو گوروت سنگھ کے نام سے موسوم کرتے ہیں، مسلمان ہیں تو پیراندتہ وغیرہ نام رکھ لیتے ہیں۔

● سلسلۂ درس کی سابقہ آیاتِ مجیدہ کے اخیر پر ان تمام مشرکوں کے متعلق ذیل کے الفاظ میں اعلانِ بیزاری کیا گیا ہے فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ اور اس سے اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ کے ٹھہرائے تمام شریکوں، اوتاروں، گرووں، رشیوں، پیروں وغیرہ زندوں اور مُردوں سب کے متعلق استفہام انکاری کے محکم حصر کیساتھ اہلِ فکر و نظر کو متنبہ کیا گیا ہے :۔

اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۱۹۱﴾ کیا شریک کرتے ہیں جو نہیں پیدا کرتے کچھ بھی اور وہ پیدا کئے گئے ہیں	کیا یہ لوگ اُن کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کرتے۔ بلکہ وہ خود پیدا کئے گئے ہیں (یعنی جو خود مخلوق ہیں، خود محتاج ہیں، وہ اُنکی مدد کیا کرینگے ؟)
وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۲﴾ اور نہیں طاقت رکھتے واسطے انکے مدد کی اور نہ اپنے آپ کی وہ مدد کرتے ہیں	حقیقت یہ ہے کہ وہ اُن کی مدد کرنے کی طاقت ہی نہیں رکھتے بلکہ وہ تو اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے (خود گوناگوں مشکلوں اور حاجتوں میں گرفتار رہتے ہیں)۔

● اِن آیاتِ مجیدہ میں اللہ کے شریک ٹھہرائے گئے افراد کی بے بسی کا ایسا صحیح نقشہ کھینچ کر رکھ دیا گیا ہے جس پر مشاہدہ گواہ ہے کہ جن لوگوں سے مرادیں مانگی جاتی ہیں وہ خود مصائب و مشکلات میں گرفتار پائے جاتے ہیں۔ مگر مریدوں کی حالت یہ ہے کہ پیر صاحب خود بیمار ہو کر ڈاکٹروں کے زیرِ علاج ہیں۔ لیکن مرید پھر بھی اپنے بیماروں کیلئے وہاں سے پانی دم کرا رہے ہوتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ ایمان والو! اگر تم انہیں اس روش سے باز کرو تو وہ تمہارے پیچھے نہیں آنے لگینگے :۔

وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ اور اگر تم بلاؤ انہیں طرف ہدایت کے نہ اتباع کرینگے تمہاری سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿۱۹۳﴾ برابر ہے اوپر تمہارے یا بلاؤ تم انہیں یا تم چپ رہو	اور (ایمان والو!) انہیں تم ہدایت کی طرف بلاؤ تو وہ تمہاری پیروی نہیں کریں گے۔ تمہارے لئے برابر ہے کہ تم اُن کو (ہدایت کی طرف) بلاؤ یا (نہ بلاؤ) خاموش رہو۔ (وہ ہدایت کی طرف آنے والے نہیں)۔

● سلسلہ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں اُن کو براہِ راست مخاطب کیا گیا ہے کہ تم جن سے مدد مانگتے ہو وہ تو تم جیسے بندے ہی ہیں:۔

إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ
بیشک وہ لوگ جنہیں تم پکارتے ہو سوائے اللہ کے بندے ہیں وہ

أَمْثَالُكُمْ فَادْعُوهُمْ فَلْيَسْتَجِيبُوا لَكُمْ
مثل تمہاری پس پکارو ان کو پھر چاہیئے کہ قبول کریں واسطے تمہارے

إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ○ ۱۹۴
اگر ہو تم سچے

(اَے شریک ٹھہرانیوالو!) جن کو تم اللہ کے سوا (مُرادوں کے حصول کے لئے) پکارتے ہو وہ تمہارے جیسے ہی (محتاج) بندے ہیں۔ پھر بھی تم اُنہیں پکارتے ہو پھر اگر تم اُنہیں پکارنے میں سچے ہو تو چاہیئے کہ وہ تمہاری پکار کو قبول کریں (یعنی تمہاری مرادیں پوری کریں۔ وہ کیا مرادیں پوری کریں گے مرادیں تو سب کی ہم پوری کرتے ہیں)۔

● لوگ جن متوفی بزرگوں سے مرادیں مانگتے ہیں، اگلی آیت میں انکی بے بسی کی بھی خبر دیدی گئی ہے اور مرادیں مانگنے والوں کو چلنج دیا گیا ہے:۔

أَلَهُمْ أَرْجُلٌ يَمْشُونَ بِهَا أَمْ لَهُمْ
کیا واسطے انکے پاؤں ہیں چلتے ہیں وہ ساتھ ان کے یا واسطے انکے

أَيْدٍ يَبْطِشُونَ بِهَا أَمْ لَهُمْ أَعْيُنٌ يُبْصِرُونَ
ہاتھ ہیں پکڑتے ہیں ساتھ انکے یا واسطے انکے آنکھیں ہیں دیکھتے ہیں

بِهَا أَمْ لَهُمْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا قُلِ
ساتھ انکے یا واسطے اُن کے کان ہیں سنتے ہیں ساتھ انکے۔ کہہ

ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ كِيدُونِ فَلَا
پکارو شریکوں اپنوں کو پھر وہ تجویز کریں میری اور نہ

تُنظِرُونِ ○ ۱۹۵
مہلت دیں مجھے

(اور اَے میرے شریک ٹھہرانیوالو! پھر سُن لو کہ جن متوفی بزرگوں سے تم مرادیں مانگتے ہو) کیا انکے پاس پَیر ہیں جن کے ساتھ وہ چلتے ہیں۔ یا انکے پاس ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑتے ہیں۔ یا انکی آنکھیں جن کے ساتھ وہ دیکھتے ہیں۔ یا کیا ان کے پاس کان ہیں جن کے ساتھ وہ سنتے ہیں (اُن کے پاس تو کچھ بھی نہیں سب گل سڑ کر مٹی ہو چکا ہے) اَے رسول! آپ اِن سے کہہ دیجئے گا کہ تم اپنے ٹھہرائے ہُوئے (زندہ مردہ سب) شریکوں کو پکارو۔ پھر وہ میرے لئے بُری تجویز کریں اور مجھے مہلت نہ دینا (یقیناً یقیناً وہ میرا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گے)۔

إِنَّ وَلِيِّيَ اللَّهُ الَّذِي نَزَّلَ الْكِتَابَ
بیشک مددگار میرا اللہ جس نے نازل کی کتاب

وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ ○ ۱۹۶
اور وہ ہے مددگار نیکوکاروں کا

(یہ بھی اعلان کر دیجئے گا کہ میرا مددگار اللہ تعالیٰ ہے جس نے (مجھ پر) کتاب نازل فرمائی ہے۔ نیز وہ تمام نیکوکاروں کا مددگار ہے۔

● اس سے اگلی آیت مجیدہ میں اللہ تعالیٰ کے شریک ٹھہرانیوالوں کو مخاطب کیا گیا ہے اور تکرار تاکیدی کے حصر کے ساتھ

انکے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کے متعلق اعلان کردیا گیا ہے کہ وہ اتنے بے بس ہیں کہ نہ وہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں اور نہ اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں :-

وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ
اور جن کو تم پکارتے ہو سوا اسکے بس نہیں کو طاقت رکھتے

نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ○ ۱۹۷
مدد تمہاری کی اور نہیں اپنے آپ کی وہ مدد کرتے ہیں

اور (اے اللہ کے شریک ٹھہرانیوالو! پھر سن لو کہ) جن کو تم اللہ کا شریک ٹھہرا کر مدد کیلئے) پکارتے ہو۔ وہ تمہاری مدد کی طاقت ہی نہیں رکھتے، بلکہ وہ تو خود اپنی بھی مدد نہیں کر سکتے۔

وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا
اور اگر تم بلاؤ اُن کو طرف ہدایت کے نہیں وہ سنتے

وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ○ ۱۹۸
اور دیکھتا ہے تو انکو دیکھتے ہیں طرف تیری اور وہ نہیں غور کرتے

اور (اے ایمان والو! شریک ٹھہرانیوالوں کو) اگر تم ہدایت کی طرف بلاؤ (یہ لوگ اس شرک میں اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ) سنتے ہی نہیں۔ (اے رسولؐ!) آپ انہیں دیکھتے ہیں کہ وہ آپکی طرف دیکھ رہے ہیں مگر وہ کچھ نہیں سمجھتے۔ (کیونکہ وہ عقل و بصیرت کے پٹ بند کئے ہوئے ہیں)۔

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ
پکڑیئے درگزر اور حکم کیجئے ساتھ احکام قرآنیہ کے اور منہ موڑ لیجئے

عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ○ ۱۹۹
طرف سے جاہلوں کے

(اے رسول!) درگزر کی راہ اختیار کیجئے اور (ایمان والوں کو) احکام قرآنیہ دیجئے اور (غیر اللہ سے مرادیں مانگنے والے) جاہلوں سے اعراض فرمائیے[1]

● [1] اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ سے مراد یہ ہے کہ یہ لوگ غیر اللہ کو اللہ کے اختیاراتِ خصوصی میں شریک کرکے اُن سے غائبانہ مرادیں مانگتے ہیں۔ یہ لوگ اس قدر آگے بڑھ جاتے ہیں کہ انہیں سمجھانا اور نہ سمجھانا برابر ہے، اسی لئے پہلے ارشاد ہوا ہے خُذِ الْعَفْوَ کہ آپ اِن سے درگزر کیجئے اور پھر حکم دیا گیا ہے کہ ان جاہلوں سے مطلقاً اعراض کر جائیگا۔ کیونکہ یہ لوگ عقل و بصیرت سے کام ہی نہیں لیتے اس سے اگلی آیت مجیدہ میں آنحضور کو اس کے ضمن میں ایک مخصوص نصیحت فرمائی گئی ہے :-

وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ
اور اگر وسوسہ ڈالے تجھے اللہ کا نافرمان وسوسہ تو پناہ مانگ

بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ ۲۰۰
ساتھ اللہ کے بیشک وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے

اور (اے رسولؐ!) اگر کوئی خدا تعالیٰ کا نافرمان شخص آپ کو (ان سے اعراض کے ضمن میں) کوئی وسوسہ ڈالے تو آپ (اسکے خلاف) اللہ سے پناہ طلب کیجئے۔ بلاشبہ وہ (اللہ تعالیٰ) خوب خوب سننے والا بھی ہے اور خوب خوب جاننے والا بھی ہے۔

● [1] نَزْغٌ کا معنی جھگڑا بھی ہے اور وسوسہ بھی ہے۔ یہاں وسوسہ مراد ہے۔ ارشاد ہوا کہ آپکو جو مذکورہ مشرکوں سے اعراض کر جانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر کوئی فسادی انسان آپکو یہ وسوسہ ڈالے کہ آپ نے اللہ کا رسول ہو کر مشرکوں کو تبلیغ کرنے کی بجائے

اعراض کر لیا ہے تو اسکے وسوسہ میں نہ آئیے اور ان غالی مشرکوں کیساتھ اپنا وقت ضائع نہ فرمائیے، اس وسوسہ سے خدا کی پناہ طلب کیجئے۔ اللہ تعالیٰ سننے والا اور جاننے والا ہے وہ آپکی مدد فرمائے گا۔ اس سے آگے ارشاد ہوا ہے کہ تقوٰی شعار ایسا ہی کرتے ہیں:-

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ
بیشک جو تقوٰی شعار ہیں جب ملے انہیں گروہ میں سے شیطان کے

تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ۝ ۲۰۱
نصیحت لیتے ہیں پھر اچانک وہ ہوشیار ہو جاتے ہیں

وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا
اور بھائی ان کے مدد کرتے ہیں ان کی بیچ شرارت کے پھر نہیں

يُقْصِرُوْنَ ۝ ۲۰۲
وہ کمی کرتے

بیشک جو لوگ تقوٰی شعار ہیں جب اُنہیں وسوسہ ڈالنے والا کوئی فسادیوں کا گروہ ملتا ہے تو (اللہ کا حکم یاد کرکے) نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ پھر وہ (اُن وسوسہ انداز فسادیوں سے) فوراً چوکنے ہو جاتے ہیں۔

اور ان (فسادیوں) کے بھائی (بند) اس شرارت میں اُنکی مدد کرتے ہیں (اُنہیں سکھاتے پڑھاتے رہتے ہیں) پھر وہ اس میں کمی نہیں کرتے۔

● ملے اِخْوَانُهُمْ کا معنٰی ہم نے لکھا ہے اُنکے بھائی بند جو انہیں سکھا پڑھا کر بھیجتے تھے کہ آنحضورؐ سے یہ سوال کرو آپ پر یہ اعتراض کرو۔ دراصل وہ لوگ چاہتے تھے کہ آنحضور ایسی آیتیں انکے پاس لائیں جن میں انکے باطل نظریات کی تائید موجود ہو جیسے کہ ۱۰/۱۵ میں بتایا گیا ہے کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ یا تو اس قرآن کے سوا کوئی اور قرآن لائیں یا اسے ہماری مرضی کیطابق بدل دیں۔ لیکن آنحضور کو حکم ہوا کہ آپ کہہ دیجئیگا کہ میری یہ شان ہی نہیں کہ میں اس میں تبدیلی کروں، میں تو اُسکی اتباع کرتا ہوں جو میری طرف میرے رب کی طرف سے وحی کیا جاتا ہے۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں اسی چیز کی خبر دیگئی ہے اور قُلْ کے حکم کیساتھ آنحضور سے مذکورہ بالا اعلان کرا دیا گیا ہے:-

وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا
اور جب نہیں آتے آپ پاس انکے ساتھ آیت کے کہتے ہیں

لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ۭ قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا
کیوں نہیں پسند کرتا تو اسکو، کہہ سوائے اسکے نہیں میں پیروی کرتا ہوں جو

يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۚ هٰذَا بَصَاۗىِٕرُ مِنْ
وحی کی جاتی ہے طرف میری، طرف سے رب میرے کے یہ ہیں عقل کی باتیں سے

رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ ۲۰۳
رب تمہارے اور ہدایت اور رحمت واسطے قوم کے جو ایمان لاتے ہیں

اور (اے رسولؐ!) جب آپ اُنکی مرضی کی کوئی ایک بھی آیت نہیں لاتے تو وہ کہتے ہیں کہ تو ایسی آیت (بنا لاتا) کیوں پسند نہیں کرتا (جو ہمارے نظریات کی تائید کرے) آپ کہہ دیجئیگا کہ سوائے اسکے اور کوئی بات نہیں کہ میں تو صرف اسکی اتباع کرتا ہوں جو میری طرف میرے رب کی طرف سے وحی کیا جاتا ہے یہ (قرآن) تمہارے رب کی طرف سے (نازل کردہ) عقل و بصیرت کی باتیں ہیں اور ہدایت اور رحمت ہے اس قوم کے لئے جو اس پر ایمان لاتے ہیں۔

● ۱؎ هٰذَا بَصَآئِرُ کے الفاظ میں ایک اہم حقیقت بیان کر دی گئی ہے کہ قرآن کریم میں درج ہر بات عقل و بصیرت پر مبنی ہے۔ اور ساتھ ہی بتا دیا گیا ہے کہ یہ ہدایت بھی ہے اور رحمت بھی ہے لیکن اگلی آیت مجیدہ میں حکم دیا گیا ہے کہ جب قرآن مجید پڑھا جائے تو خاموشی کیساتھ سنا کرو تاکہ اس کے مندرجات کو سمجھو اور اللہ کے احکام پر عمل کر کے دنیا و آخرت کے جملہ خطرات سے بچ جاؤ۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا اور جب پڑھا جائے قرآن تو سنو واسطے اسکے اور چپ رہو	اور (اے ایمان والو!) جب قرآن پڑھا جائے تو اُسے سنو، اور خاموش رہو (تاکہ اُسے سمجھو اور اُس پر عمل کرو) تاکہ تم رحم کئے جاؤ (عمل کے بغیر تم رحم کے مستحق نہیں ہو سکتے)
لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ○ ۲۰۴ تاکہ تم رحم کئے جاؤ	

قرآنِ کریم کے خلاف کفارِ مکہ کا منصوبہ

● آیت بالا میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ دو حکم دئے گئے ہیں اور ایک حکم کا نتیجہ بتایا گیا ہے، پہلا حکم یہ ہے کہ جب قرآن کریم پڑھا جائے تو سنو۔ دوسرا حکم یہ کہ خاموش رہو تاکہ اُسے سمجھو اور اس پر عمل کرو۔ اور تیسرا اسکا نتیجہ بتایا گیا ہے کہ تم پر رحم کیا جائے۔ اسکے مقابلے پر کفارِ مکہ کے سرداروں نے بھی اپنے پیروکاروں کو دو حکم دئے تھے اور تیسرا نتیجہ بتایا تھا جسے $\frac{41}{26}$ میں درج قرآن کر دیا گیا ہے:۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ○ اور کہا کافروں نے نہ سنو اس قرآن کو اور اس میں شور مچاؤ تاکہ تم غالب آؤ ۔۔۔ اس میں دو حکم مذکور ہیں پہلا یہ کہ اس قرآن کو مت سنو، اور دوسرا یہ کہ اس میں شور مچاؤ اور تیسرا نتیجہ بتایا گیا ہے تاکہ تم شور مچانے سے مسلمانوں پر غالب آؤ۔ یہی حال اُن لوگوں کا ہے جو دلائلِ قرآنیہ سے لاجواب ہو جاتے ہیں تو شور و غل مچا کر غالب آنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اِسے کفارِ مکہ کی سنت بتایا ہے۔ صحابہ کرامؓ کی سنتِ مبارکہ یہ ہے کہ دلائلِ قرآنیہ کو خاموشی کیساتھ سنا جائے اور سمجھنے کے بعد احکام قرآنیہ پر عمل کیا جائے۔

● آیتِ بالا میں چونکہ قرأتِ قرآن کے آداب بیان ہوئے ہیں۔ اسلئے چونکہ قرأتِ قرآن، قرآنی صلوٰۃِ موقت (نماز) کا ایک مخصوص ضروری حصہ ہے اسلئے سلسلۂ درس کی اگلی آیت مجیدہ میں صلوٰۃِ موقت کا بھی حکم دیا گیا ہے اور طریقۂ قرأت کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً اور یاد کر رب اپنے کو بیچ جی اپنے کے عاجزی سے اور خوف سے	اور (اے رسولؐ!) اپنے پروردگار کو اُسکی فرمانبرداری کرتے ہوئے اور اُس کا خوف رکھتے ہوئے صبح اور شام یاد کیا کریں۔ (یعنی صلوٰۃ موقت ادا کیا کریں، $\frac{4}{14}$، اگر اکیلے ہوں تو بآوازِ خفی) اپنے جی میں ہی (اور اگر آپ امیرِ صلوٰۃ ہوں تو) عام گفتگو سے اونچی آواز میں ہی اور (تارکِ صلوٰۃ ہو کر فرضِ منصبی کے) غافلوں سے نہ ہو جانا۔
وَدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ اور خلاف آواز اونچی کے سے بات کے وقت صبح کے اور شام کے	
وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ○ ۲۰۵ اور نہ ہو بیچ سے غافلوں کے	

● چونکہ قرآن کریم کی رُو سے قرآنی معاشرہ صلوٰۃ موقت اور اُسکے اجتماعات سے شروع ہوتا ہے اور اُسی پر قائم رہتا ہے اِس لئے مخالف جاہلوں سے کنارہ کش رہنے کے حکم کیساتھ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ کے الفاظ اختصار کیساتھ لاکر آنحضورؐ کو صلوٰۃ موقت پر دوام کا حکم دیا گیا ہے۔

● ۲ فِي نَفْسِكَ کا معنی لکھا گیا ہے بآوازِ خفی یعنی بلا آواز جلی، اپنے جی میں اور دُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ کا معنی لکھا گیا ہے، عام گفتگو سے اُونچی آواز میں۔ اِس سے ظاہر ہے کہ احکام حضورؐ کو ان اوقات کیلئے الگ الگ دیئے گئے ہیں جو اٹل تھے۔ یعنی آپکو اکیلے بھی صلوٰۃ ادا کرنی تھی اور جب مومنوں کی جماعت موجود ہو تو امیر صلوٰۃ کے فرائض بھی آپ ہی کو ادا کرنے تھے اس لئے دونوں حالتوں کیلئے الگ الگ حکم دیئے گئے ہیں کہ جب آپ اکیلے صلوٰۃ ادا کر رہے ہوں تو اذکارِ صلوٰۃ بآوازِ خفی ادا کریں اور جب آپ امیر صلوٰۃ ہوں تو عام گفتگو سے اُونچی آواز رکھیں تاکہ حاضرین سن سکیں۔ اِسی چیز کی وضاحت تصریف آیات کے ذریعہ سورہ بنی اسرائیل میں بالفاظِ ذیل کر دی گئی ہے:۔

● وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ○ ۱۷/۱۱۰ اور (اے رسولؐ!) آپ اپنی صلوٰۃ میں (یعنی جب آپ امیر صلوٰۃ کے فرائض ادا کر رہے ہوں تو) نہ بالکل اونچی آواز رکھیں اور نہ اسے مخفی کریں بلکہ ان دونوں کے درمیان کا راستہ اختیار فرمائیں (یعنی عام گفتگو سے اونچی آواز میں صلوٰۃ ادا کریں ۱۷/۱۱۰)۔

● ۳ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ کے الفاظ میں صلوٰۃ موقت کے دو وقت صبح اور شام بطور اختصار آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے تعلیم دادہ پورے اوقات تین ہیں، صبح یا فجر، دلوک، عشی یا ظہر اور عشا یا مسا۔ سورہ ہود میں صلوٰۃ موقت کے اوقات کی تعداد بھی بتا دی گئی ہے تین، اور وقت بھی بتا دیئے گئے ہیں:۔ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ ۚ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ۚ ذَٰلِكَ ذِكْرَىٰ لِلذَّاكِرِينَ ○ اور ہمیشہ ایک ایک صلوٰۃ ادا کیا کریں دن کے دو حصّوں میں اور رات کی ابتدائی گھڑیوں میں۔ بیشک نیکیاں برائیوں کو لے جاتی ہیں (برائیوں سے روک دیتی ہیں ۱۱/۱۱۴) ذکر کرنے والوں یعنی صلوٰۃ گزاروں کیلئے صلوٰۃ کے صرف مذکورہ بالا تین اوقات ہی کی) نصیحت ہے۔

● دیکھئے! اس آیت مجیدہ میں صلوٰۃ موقت (نماز) کے تین وقفوں کی نصیحت کی گئی ہے۔ دو دن کے الگ الگ پہلے اور پچھلے حصّے میں اور ایک رات کی ابتدائی گھڑیوں میں۔ اِن تین اوقات پر خود ذَٰلِكَ ذِكْرَىٰ لِلذَّاكِرِينَ کا وہ تالا لگا دیا جو کبھی کھل نہیں سکتا۔ ذَٰلِكَ بمعنی مذکورہ بالا، اور ذِکر بمعنی نصیحت اور لِلذَّاکِرِینَ کا معنی ہے ذکر کرنے والوں یعنی صلوٰۃ گزاروں کیلئے۔ اِنہی تین وقتوں کا حکم سورۂ بنی اسرائیل میں بالفاظِ ذیل دیا گیا ہے:۔

● أَقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَىٰ غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ ۖ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا ○ ۱۷/۷۸ ہمیشہ ایک صلوٰۃ ادا کیا کریں سورج ڈھلتے رہنے کے وقفے میں (ایک) معہ رات کے ابتدائی اندھیرے کے وقفے میں اور ہمیشہ ایک صلوٰۃ ادا کیا کریں فجر کے وقفہ میں بیشک پڑھنا صلوٰۃ فجر کا (مسجد میں نمازیوں کی حاضری کا وقت ہے۔

● ۲ـ۱ـ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ کا معنٰی ہمنے صلوٰۃ کے ہر وقفہ میں ایک ایک صلاۃ ادا کرنا لکھا ہے کیونکہ الصّلوٰۃ بصیغہ واحد آیا ہے نہ بصیغہ تثنیہ آیا ہے صلوٰتین اور نہ بصیغہ جمع آیا ہے صَلَوات ۔ اسلئے خدا تعالٰی کے مقرر کردہ ایک وقفہ میں دو نمازیں قرار دینا از روئے قرآن کریم صحیح نہیں ۔ روائتی تفاسیر نے زوالِ الشمس سے غروب تک کے ایک وقفہ میں بھی دو وقت از خود مقرر کرتے ہیں اور بعد غروب سے غائبِ شفق تک کے ایک وقفہ میں بھی دو وقت از خود مقرر کرتے ہیں نیز ہمنے نماز کی ادائیگی کیلئے وقت کا وقفہ (PERIOD OF TIME) لکھا ہے اسلئے کہ اگر نماز (POINT OF TIME) پر فرض کردی جاتی تو اسکی ادائیگی ممکن ہی نہیں ۔ مثلاً فجر کی نماز عین پَو پھٹنے کے سیکنڈ پر، صلوٰۃ دلوک دلوک کے عین مابعد، اور صلوٰۃ عشاء کو صرف عین غروب کے بعد کے سیکنڈ پر ادا کرنا ممکن ہی نہیں ۔ اللہ تعالٰی نے صلوٰۃ فجر کا حکم پَو پھٹنے سے لیکر قبل طلوعِ آفتاب کے پورے وقفے میں کسی بھی وقت پر کیلئے دیا ہے ۔ صلوٰۃ دلوک کو زوالِ آفتاب سے لیکر غروب سے ماقبل کے وقفہ میں اور صلوٰۃ عشاء کو غروبِ آفتاب کے بعد سے لیکر غائبِ شفق تک کے پورے وقفہ میں کسی بھی وقت پر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے ۔ اوقات الصّلوٰۃ کی پوری تفصیل کیلئے ادارہ بلاغ القرآن کا شائع کردہ پمفلٹ الصّلوٰۃ ملاحظہ فرمائیں کہ اوقات الصّلوٰۃ $\frac{11}{114}$ + $\frac{17}{78}$ + $\frac{20}{130}$ + $\frac{30}{17-18}$ + $\frac{50}{39-40}$ + $\frac{52}{48-49}$ + $\frac{76}{25-26}$ سات مقامات پر لائے گئے ہیں ، ہر مقام پر $\frac{11}{114}$ کیطابق تین ہی وقتوں کا حکم دیا گیا ہے ۔

● آئتِ مجیدہ زیر بحث $\frac{7}{205}$ میں صلوٰۃ موقت (نماز) کو باقاعدگی کیساتھ ادا کرتے رہنے کا حکم دینے کے بعد اخیر پر متنبہ کیا گیا ہے وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ۔ اس جملے سے ثابت ہے کہ صلوٰۃ موقت معاشرہ کے فرائض ادا کرنے کے ضمن میں ہوشیار و بیدار رکھنے والی چیز ہے جو بُرے کاموں اور بے حیائیوں سے منع کرتی ہے $\frac{29}{45}$ ۔ اسلئے صرف نماز پڑھنا اور اُسے اپنے اعمال پر کنٹرول قرار دینا حقیقت صلوٰۃ سے بے خبری ہے غفلت ہے ۔ صلوٰۃ گزار مومن اپنی صلوٰۃ میں اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کا اقرار کرتے ہیں کہ بارِ الٰہا ہم تیری ہی فرمانبرداری کرینگے اور تجھ ہی سے مدد مانگینگے ، چنانچہ سلسلہ درس کی اگلی آئتِ مجیدہ میں اسی ربط کیطابق صلوٰۃ کی کارکردگی کے اثر کو نمایاں کرکے ، صلوٰۃ گزار بندوں کے پورے اوصاف بیان کردئیے گئے ہیں کہ وہ اللہ تعالٰی کی فرمانبرداری سے کبھی بھی تکبر نہیں کرتے :-

آیت	لفظی ترجمہ
اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ	بیشک جو لوگ قریب ہیں رب تیرے کے نہیں تکبر کرتے سے
عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ	فرمانبرداری اسکے اور حکم بجالاتے ہیں اُس کا اور واسطے اسی کے
يَسْجُدُوْنَ ۞ ۲۰۶	فرمانبرداری کرتے ہیں

(اے رسولؐ !) بیشک جو لوگ تیرے پروردگار کے قریب ہیں وہ اپنے رب کی فرمانبرداری سے انکار نہیں کرتے اور نہ تکبر کرتے ہیں بلکہ وہ اللہ تعالٰی کے احکام کی بجا آوری میں ہمہ تن مصروف رہتے ہیں ۔ اور وہ صرف اُسی کی پوری پوری فرمانبرداری میں لگے رہتے ہیں ۔

ع ۲۴/۱۴ سجدہ

اللہ تعالٰی کی قربت

● ۱ـ اَلَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ کے الفاظ سے روائتی تراجم نے ملائکہ مقرب مراد لیکر یہ ترجمہ کیا ہے

کہ اللہ تعالیٰ سات آسمان پار کسی تخت پر بیٹھا ہُوا ہے اور اسکے تخت کے اردگرد رہنے والے ملائکہ مقرب ہیں۔ حالانکہ ھُوَ مَعَھُمْ اَیْنَ مَا کَانُوْا ۵۸/۴ کے مطابق اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے۔ اُس لامحدود ذاتِ پاک کو کسی ایک جگہ پر محدود کر دینا اسکی شانِ کبریائی کے خلاف ہے پس سیاقِ کلام کے مطابق جب پیچھے صلوٰۃِ موقت کا حکم دیا گیا ہے اسلئے سیاقِ کلام میں سچے صلوٰۃ گزاروں کی حالت بیان کی گئی ہے کہ وہ لوگ جو صلوٰۃِ موقت میں کئے گئے وعدہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ پر عملاً کاربند رہنے والے ہیں وہ اپنے رب کے مقرب ہیں جن میں سرِ فہرست اللہ تعالیٰ کے نبی رسولؐ اور انکے صحابہ کرامؓ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تقرب اِلَی اللہ کا مجرب نسخہ بتا دیا ہے وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۹۶/۱۹ اللہ تعالیٰ کی پوری پوری فرمانبرداری کر اور اسکے قریب ہو جا۔ پس اللہ تعالیٰ کے قریب وُہ ہیں جو اللہ کے حکم کیمطابق صلوٰۃِ موقت (نماز) بھی ادا کرتے ہیں اور جملہ احکام خداوندی کی مخالفت بھی نہیں کرتے۔ نہ رشوت لیتے ہیں نہ قانون شکنی کرتے ہیں۔ اللہ کے قریب وہ ہیں جو ڈنڈی نہیں مارتے، کم نہیں تولتے۔ اللہ تعالیٰ کے قریبی وہی ہیں جو اپنے حق سے آگے نہیں بڑھتے کسی کا حق نہیں کھاتے۔ اللہ کے قریب وہ ہیں جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ اللہ کے قریب وہ ہیں جو مقدمات کے غلط فیصلے نہیں کرتے۔ اللہ کے قریب وہ ہیں جو مزدور کو اسکی محنت کی کم اجرت نہیں دیتے۔ اللہ کے قریب وہ ہیں جو کام کی اُجرت ٹھہرا کر پھر کام میں کسی قسم کی کمی نہیں کرتے۔

● اللہ کے قریب وہ ہیں جو وعدہ خلافی نہیں کرتے، جو امانت میں خیانت نہیں کرتے۔ اللہ کے قریب وہ ہیں جو نہ بُخل کرتے ہیں اور نہ فضول خرچ ہوتے ہیں۔ اللہ کے قریب وہ ہیں جو والدین کا احترام کبھی ضائع نہیں کرتے، جو اولاد کو قتل نہیں کرتے نہ حقیقی قتل اور نہ مجازی قتل، یعنی اُسے باوقار شریف شہری بناتے ہیں۔ واضح رہے کہ اللہ کے قریب ہونے کا ایک ہی نسخہ ہے جو اوپر بیان ہو چکا ہے وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۹۶/۱۹ اللہ تعالیٰ کی پوری پوری فرمانبرداری کر اور اسکے قریب ہو جا۔

● آئیے! اب آیتِ بالا ۷/۲۰۶ کے باقی ضمنی نوٹ ملاحظہ فرمائیں :-

عبادت کا معنیٰ

● ۲۔ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِہٖ کے الفاظ میں عِبَادَتِہٖ کا معنیٰ ہمنے لکھا ہے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنا۔ لفظ عبادت کا سہ حرفی مادہ ع۔ب۔د = عبد ہے۔ اس مادہ کا بنیادی معنیٰ ہے بندہ بننا، فرمانبردار اور حکم بردار ہونا۔ اسلئے صرف صلوٰۃِ موقت (نماز) ہی اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں بلکہ یہ تو اللہ کی عبادت کا ایک حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کی فرمانبرداری اللہ کی عبادت ہے۔ سچ بولنا عبادت ہے، پورا تولنا عبادت ہے، رزق حلال کمانا عبادت ہے۔ ماں باپ کی خدمت کرنا عبادت ہے اولاد کی صحیح تربیت کرنا عبادت ہے، اپنے اپنے فرائضِ منصبی کو دیانتداری کیساتھ بجا لانا عبادت ہے، اسی طرح سچی گواہی دینا عبادت ہے اور عدالت کی کرسی پر بیٹھ کر عدل و انصاف کیساتھ مقدمات کے فیصلے کرنا عبادت ہے کاش کہ مسلمان قوم عبادت کے صحیح معنے جان لے تاکہ کرۂ ارض پر ایک مثالی قوم امتِ مسلمہ ہو۔

تسبیح کے معنے

● ۳۔ یُسَبِّحُوْنَہٗ کا معنیٰ ہمنے لکھا ہے۔ وہ اللہ کے احکام کی بجا آوری میں ہمہ تن معروف رہتے ہیں۔ اس کا سہ حرفی مادہ س۔ب۔ح = سبح ہے جسکا بنیادی معنیٰ ہے اللہ تعالیٰ کے تفویض کردہ فریضہ کی ادائیگی

تک ہمہ تن معروف رہنا۔ یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۶۲/۱ کا معنی یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وُہ اُس سرِ لیفے کی ادائیگی میں ہمہ تن معروف ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس پر عائد فرمایا ہے۔ سورج چاند ستاروں کے متعلق ارشاد ہُوا ہے:۔ کُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ۳۶/۴۰ سب کے سب فضا میں اپنے اپنے مدار پر چل رہے ہیں۔ سُورہ نور میں ارشاد ہُوا ہے:۔

● اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّیْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِیْحَهٗ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَفْعَلُوْنَ ۲۴/۴۱ اَے مخاطب! کیا تُو نے غور نہیں کیا، یعنی تجھے غور کرنا چاہیئے کہ آسمانوں اور زمین میں جتنے بھی جاندار ہیں سب اللہ کی تسبیح کرتے (یعنی اپنے اپنے فرائضِ منصبی میں لگے ہُوئے ہیں) خصوصاً صفیں باندھ کر اُڑنے والے پرندے، سب کے سب اپنی اپنی صلوٰۃ اور تسبیح کو جانتے ہیں (یعنی سب اپنے اپنے فرائضِ منصبی کو خوب سمجھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خُوب خُوب جانتا ہے جو وُہ الگ الگ عمل کرتے ہیں ——— روایاتی تفاسیر نے تسبیح کا معنی لیا ہے صرف زبانی زبانی اللہ اللہ کرنا۔ حالانکہ آیتِ بالا ۲۴/۴۱ میں ہر جاندار کے ہر عمل کو اُسکی صلوٰۃ اور تسبیح بتایا گیا ہے۔ مثلاً گھوڑے کی تسبیح اور صلوٰۃ ہے دوڑنا، خواہ اُس پر زین کس کر سواری کی جائے اور خواہ تانگے یا چھکڑے میں جوت دیا جائے۔ گائے بھینسوں کی تسبیح اور صلوٰۃ ہے چارہ کھانا اور دودھ کی نہریں بہانا۔ بھیڑ بکریوں کی تسبیح و صلوٰۃ ہے نوعِ انسانی کیلئے زیادہ سے زیادہ گوشت اور اُون وغیرہ مہیا کرنا۔ اونٹ کی تسبیح اور صلوٰۃ ہے ریگستانوں، کئی کئی دن بھُوکے پیاسے سفر کرکے انسانوں کو منزلِ مقصود پر پہنچا دینا۔

● یہ تو ہُوئی جانداروں کی تسبیح اور صلوٰۃ، اب آئیے بے جان مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کی تسبیح کی طرف جو یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۶۲/۱ سے ثابت ہے۔ مَا بے جان چیزوں کیلئے آتا ہے۔ کائنات کی ہر چیز جس جس غرض کیلئے پیدا کیگئی ہے، اُسے عملاً بجالا رہی ہے۔ مَا میں سورج چاند ستارے، حجر، شجر، آگ، پانی ہوا مٹی سب شامل ہیں اور مشاہدہ گواہ ہے کہ سب کے سب اپنے اپنے فرائضِ منصبی ادا کر رہے ہیں۔ یہی اُن کی تسبیح ہے۔

ہر چیز کی تسبیح کو جاننا انسانی فریضہ ہے

● سورہ بنی اسرائیل میں آیا ہے:۔ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ۱۷/۴۴ اور کوئی بھی چیز ایسی نہیں، لیکن ہر چیز اُسکی حمد اُسکی تسبیح کر رہی ہے اور لیکن تم انکی تسبیح پر غور نہیں کرتے (یعنی تمہیں ہر چیز کی تسبیح پر غور کرکے اسے سمجھنا چاہیئے۔ اِس آیتِ مجیدہ سے روایاتی تفاسیر نے یہ مفہوم اخذ کیا ہے کہ چڑیاں چُوں چُوں کرتی ہیں۔ کوّے کائیں کائیں کرتے ہیں۔ کتے بھونکتے ہیں، بلیاں میاؤں میاؤں کرتی ہیں، گدھے رینکتے ہیں، گھوڑے ہنہناتے ہیں، شیر چنگھاڑتے ہیں، ہاتھی دھاڑتے ہیں، یہ سب الگ الگ اُنکی تسبیحیں ہیں، لیکن انکی اِن تسبیحوں کا مفہوم ہم نہیں جانتے۔ واضح رہے کہ اس آیتِ مجیدہ ۱۷/۴۴ میں اِنْ مِّنْ شَیْءٍ کے الفاظ آئے ہیں، اِن میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں جن کی زبان ہی کوئی نہیں۔ مثلاً آگ پانی، مٹی لوہا کوئلہ بجلی ایتھر اور ایٹم وغیرہ۔ قرآنی شہادت کیمطابق یہ سب کی سب اللہ کی تسبیح کرتی ہیں۔ اِس سے ثابت ہُوا کہ تسبیح زبان سے نہیں بلکہ عمل سے ادا کرنے کی خبر دیگئی ہے نوعِ انسان کو انکی الگ الگ تسبیحوں پر تفقہ کرنے کی تاکید کیگئی ہے کہ غور کرو:۔

● آگ میں کون کونسی قوت پنہاں ہے۔ کس طرح اس سے دُخانی جہاز اور سٹیم انجن چلائے جا سکتے ہیں۔ پانی میں کیا کیا کچھ پوشیدہ ہے۔ کس طرح اس کے ذریعے بڑے بڑے جنریٹر متحرک کر کے زیادہ سے زیادہ بجلی پیدا کی جا سکتی ہے۔ نیز بجلی میں کیا کیا کچھ چھپا ہوا ہے۔ کس طرح اسکے ساتھ کمروں کو گرم بھی رکھا جا سکتا ہے اور ٹھنڈا بھی۔ کس طرح اس کے ساتھ بڑے بڑے کارخانے چلائے جا سکتے ہیں، گھر گھر بلکہ کمرے کمرے میں پنکھے متحرک رکھے جا سکتے ہیں۔ کس طرح اسکے ساتھ موٹروں، کاروں، ریلوں، اور ہوائی جہازوں کے ذریعہ میلوں کے سفر ہفتوں، دنوں اور گھنٹوں میں طے کئے جا سکتے ہیں۔

● ایتھر کیساتھ کس طرح دنیا بھر کی خبریں اور تصویریں گھر بیٹھے سُنی اور دیکھی جا سکتی ہے۔ ایٹم کیساتھ کس طرح اُن تعمیری اور تخریبی کاموں کو چشمِ زدن میں انجام دیا جا سکتا ہے جو مہینوں اور برسوں میں کئے جا سکتے ہوں۔ ان تمام چیزوں کے مذکورہ کام انکی الگ الگ تسبیحیں ہیں۔ اور نوعِ انسان کو کہا گیا ہے وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ مگر تم ہو کہ تم انکی تسبیحوں پر غور ہی نہیں کرتے۔ یعنی اُنکے فرائضِ منصبی پر زیادہ سے غور کرو اور اُن سے زیادہ سے زیادہ خدمت لو۔

تسخیرِ کائنات

● قرآنِ کریم نے اس عنوان کو سورہ جاثیہ میں نہایت وضاحت کیساتھ اجاگر کر دیا ہے:۔ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ۴۵/۱۳ اور اے نوعِ انسان اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی پیدا کیا ہے وہ سب کا سب تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے۔ اور تسخیر کا معنی بھی اس آیت سے آیت ماقبل ۴۵/۱۲ میں بالفاظِ ذیل بتا دیا ہے:۔

● اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيْهِ بِاَمْرِهٖ ۴۵/۱۲ اللہ وہ علیم القادر ذات ہے جس نے تمہارے لئے سمندر کو مسخر کر دیا ہے تاکہ اُس اللہ کے قانون کے مطابق کشتیاں اور جہاز چلا کریں جو اُس نے ان کیلئے خود مقرر کر رکھا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ سمندر کی تسخیر یہ ہے کہ کشتیاں اور جہاز اللہ تعالیٰ کے اُس سائنٹیفک قانون کے مطابق تیار کئے جائیں، جسکے مطابق وہ سمندر کی چھاتی پر تیرتے رہیں، ڈوب نہ جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے پانی میں دو صفتیں پیدا کر رکھی ہیں، ڈبونے کی بھی اور تیرانے کی بھی۔ خدا تعالیٰ کا مقرر کردہ سائنٹیفک قانون یہ ہے کہ جو چیز اپنے حجم کے پانی کے وزن سے ہلکی ہوگی وہ پانی پر تیرتی رہیگی اور جو چیز اپنے حجم کے پانی کے وزن سے بھاری ہوگی وہ ڈوب جائیگی۔ اور اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ قانون تفقہ اور تجربہ ہی سے جانا جا سکتا ہے، جس کی ۱/۲۹ میں تاکید کیگئی ہے۔ اسی طرح:۔

● بجلی کے متعلق تفقہ اور تجربہ ہی کے ذریعہ معلوم کیا جا سکا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ کس سائنٹیفک قانون کے مطابق بلبوں میں روشنی، ہیٹروں میں گرمی، کولروں میں ٹھنڈک، پنکھوں میں حرکت پیدا کر دیتی ہے۔ اسی طرح:۔

● پانی، خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ کس سائنٹیفک قانون کے مطابق کبھی برف میں منتقل ہو جاتا ہے۔ اور کس خداوندی قانون کے مطابق کبھی سٹیم کی صورت اختیار کر کے طاقت کا سرچشمہ بن جاتا ہے۔ ایتھر سے کس قانونِ خداوندی کے مطابق لکڑی کے ڈبے میں گویائی آجاتی ہے۔ اور کس قاعدہ کے مطابق وہ دُور دراز کی تصویریں لا کھڑی کرتا ہے۔

● ایٹم کے اندر کس خداوندی سائنٹیفک اصول کے مطابق الیکٹرون، پروٹون اور نیوٹرون میں سے ہر برق پارے تیسرے کو مرکز بناکر اسکے گرد لاکھوں میل فی سیکنڈ کی رفتار سے ایکدوسرے کے پیچھے دوڑ رہے ہوتے ہیں۔ یہ سب الگ الگ ان چیزوں کی تسبیحیں ہیں جن کے متعلق وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَٰكِن لَّا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ کے الفاظ میں نوع انسانی کو تاکید کیگئی ہے کہ جملہ اشیاء کائنات گوناگون تسبیحوں (مضمر صلاحیتوں سے) معمور ہیں مگر تم انکی تسبیحوں، فرائض منصبی، مضمر صلاحیتوں پر غور نہیں کرتے۔

● کرہ ارض کی جن قوموں نے اشیاء کائنات پر تفقہ (غور) کیا ہے وہ انکی تسبیحوں کے گوناگون فوائد سے سرفراز ہوئی ہیں اور جوں جوں مزید تفقہ کرتی چلی جائینگی زیادہ سے زیادہ سرفراز ہوتی چلی جائینگی۔ اور وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ ۴۵/۱۳ کی قرآنی خبر کی مصداق بنتی چلی جائینگی۔

● لیکن ہم ہیں کہ آیت مجیدہ ۱۷/۴۴ کے الفاظ وَلَٰكِن لَّا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ کا معنی ہمارے علماء کرام نے یہ لے رکھا ہے کہ ہم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔ حالانکہ سبح بمعنی فرائض منصبی خود رسول اکرمؐ کو مخاطب کرکے بھی کھل کر بتا دیا گیا ہے۔ سورہ مزمل میں نماز تہجد کیلئے رات کو اٹھنے کا حکم دینے کے بعد ارشاد ہوا ہے:۔ إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا ۷۳/۷ آپکو قرآن کریم پر غور کرنے کیلئے رات کو اٹھنے کا حکم اسلئے دیا گیا ہے کہ) بلاشبہ دن کے وقت آپکے ذمہ طویل فرائض منصبی ہیں۔ (اسلئے دن میں آپکو فرصت نہیں ہوتی) آپکے ذمہ دن کے وقت کیا کیا فرائض تھے؟ قرآنی حکومت کے داخلہ اور خارجہ امور کی نگرانی، باہر سے آنیوالے وفود سے خصوصی ملاقاتیں، معاشرہ کے داخلی مقدمات کے فیصلے۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب آنحضورؐ کے سَبْحًا طَوِيلًا تھے۔ یہاں بھی سبح یعنی تسبیح کا معنی فرائض منصبی ہے۔ اور سَبْحًا طَوِيلًا سے مراد لمبے فرائض منصبی ہیں۔

سجدہ کا معنی

● وَلَهُ يَسْجُدُونَ کا معنی ہمنے لکھا ہے:۔ وہ صرف اسی کی پوری پوری فرمانبرداری میں لگے رہتے ہیں۔ لغتاً سجدہ کا لفظی معنی ہے اتنا زیادہ جھکنا کہ پیشانی زمین پر جا لگے۔ اسی لئے پیشانی کو عربی ادب میں المسجد کہتے ہیں۔ اور جس مقام پر سجدہ صلوٰۃ ادا کیا جائے، یعنی جہاں پیشانی زمین پر رکھدی جائے اسے المسجد کہتے ہیں۔ سجدہ کے حقیقی معنوں پورا پورا جھک جانے کے مطابق ہی اسکے مجازی معنے ہیں پورا پورا فرمانبردار ہو جانا۔ عربوں کے ہاں کہا جاتا ہے سَجَدَ الْبَعِيرُ اونٹ نے پوری طرح سر جھکادیا کہ سوار اس پر بیٹھ جائے اور اسکی نکیل سنبھال کر جدھر کو چاہے لے جائے۔ چنانچہ پورا پورا فرمانبردار ہو جانے کے مجازی معنوں کے مطابق سورہ نحل میں آیا ہے:۔

● وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِن دَابَّةٍ وَالْمَلَائِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ۱۶/۴۹ اور صرف اللہ ہی کے پورے پورے فرمانبردار ہیں جتنے بھی جاندار ہیں اور جتنی بھی پیدا کردہ اللہ تعالیٰ کی کائناتی قوتیں ہیں آسمانوں میں اور زمین میں اور یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے انکار نہیں کرتیں۔

● اب غور فرمائیں کہ جس طرح تسبیح کے عنوان میں آیا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جتنے بھی جاندار ہیں سب اللہ کی تسبیح کرتے

ہیں ۔ ۲۲/۴۹ اسی طرح سجدہ کے عنوان میں بھی ارشاد ہوا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جتنے بھی جاندار ہیں سب کے سب اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں ۔ اب پھر وہی سوال پیدا ہوتا ہے جو تسبیح کے عنوان میں پیدا ہوا تھا کہ گھوڑا ایک جاندار ہے اسکا سجدہ کیا ہے ۔ گدھا ایک جاندار ہے اسکا سجدہ کیا ہے، بیل ایک جاندار ہے اسکا سجدہ کیا ہے اور اونٹ بھی ایک جاندار ہے اسکا سجدہ کیا ہے؟ کیا یہ سب زمین پر ماتھا ٹیکتے پھرتے ہیں؟

● اس سوال کا جواب بھی صاف ظاہر ہے کہ یہاں سجدہ کے مجازی معنے مراد ہیں کہ گدھا، گھوڑا، اونٹ وغیرہ سب اللہ تعالیٰ کے پورے پورے فرمانبردار ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں جس جس جبلت پر پیدا کیا ہے، یعنی جو فرض منصبی انہیں الگ الگ سونپا گیا ہے اُسے پوری طرح بجا لا رہے ہیں ۔ گھوڑا بدستور بھاگتا چلا جارہا ہے، گدھا بدستور ایک مکان کی پچھلی کوٹھڑی سے بوجھ اُٹھا کر دوسرے مکان کی پچھلی کوٹھڑی میں پہنچاتا چلا جارہا ہے ۔ اور یہی حال باقی تمام جانداروں کا ہے کہ جس جس جبلت پر پیدا کئے گئے ہیں، اسکے مطابق عمل درآمد کرتے چلے جارہے ہیں ۔ شیر سبزہ زار جنگل میں رہتا ہے، مگر بھوکا مرجائیگا کبھی گھاس نہیں کھائے گا ۔ ہرن اور لومڑی دونوں ایک ہی جنگل میں رہتے ہیں، لومڑی شیر کا پس خوردہ گوشت شوق سے نوش جان کرتی ہے مگر ہرن بھوکا مرجائیگا، گوشت کو کبھی سونگھنے تک کی جرأت نہیں کریگا ۔ اس طرح ہر جاندار کی جبلت کیمطابق خدا تعالیٰ نے جو جو فرض منصبی اسکی سرشت میں رکھ دیا ہے اُسی کیمطابق اللہ تعالیٰ کی تسبیح بھی کرتا رہیگا اور اسی کو سجدہ بھی کرتا چلا جائیگا ۔

● اسی طرح آیت مجیدہ ۱۶/۴۹ میں دابہ یعنی جانداروں کے سجدہ مجازی، صدفیصد فرمانبرداری کے ذکر میں ملائکہ کو بھی شامل کر دیا گیا ہے کہ وہ بھی صرف اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں ۔ یہاں پھر وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا کائناتی قوتیں ماتھا زمین پر رکھے ہوئے ہیں ۔ بالفاظِ دیگر بجلی کا سجدہ کیا ہے؟ ایتھر کا سجدہ کیا ہے، ایٹم کا سجدہ کیا ہے؟ ان سوالوں کا جواب بھی ظاہر ہے کہ جو جو فرائض اللہ تعالیٰ نے اُنکی جبلت کے مطابق اُنہیں تفویض فرمائے ہیں ۔ وُہ عین اسکے مطابق عمل درآمد کرتے چلے جارہے ہیں، اُس سے سرِمُو انحراف نہیں کرتے ۔ لیکن :۔

● واضح رہے کہ آیت مجیدہ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ۱۳/۴۵ کے مطابق حضرتِ انسان کا فرض ہے کہ وہ آسمانوں اور زمین میں موجود ہر چیز کو مسخر کرے اور ہر چیز سے نوع انسانی کیلئے تعمیری خدمات حاصل کرے ۔ اس تسخیر کی ادنیٰ سی مثال یہ ہے کہ جبتک اللہ تعالیٰ کے ملک بجلی کو مسخر نہیں کیا گیا تھا اسوقت تک اُسکا کام صرف یہ تھا کہ جہاں گری جلا کر راکھ کر گئی مکانوں کو گرا گئی، مویشیوں اور انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار گئی ۔ لیکن جب اسے مسخر کر لیا گیا ہے، اب اِس سے چولہے جلانے، پنکھے گھمانے، کپڑے دھونے اور برتن مانجنے کی خدمات لی جارہی ہیں اور اس میں مضر روشنی کے ساتھ راتوں کے دن بنایا جارہا ہے ۔ اسکی یہ خدمات اِسکی تسبیح بھی ہے اور یہی اسکا سجدہ بھی ہے ۔

ایک لمحۂ فکریہ

● آیت زیرِ بحث ۲۰۶/۷ پر ایک طویل سُورہ مجیدہ الاعراف ختم ہوئی ہے جس میں نوع انسانی کو عموماً اور اہل اسلام کو خصوصاً خبردار کیا گیا ہے کہ تسبیح اور سجدہ کرنیوالے اللہ تعالیٰ کے مقرب ہیں ۔ اور جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا

ہے کہ اس سے نہ صلوٰۃ موقت (نماز) میں زبانی کی جانیوالی تسبیح ہی مراد ہے اور نہ صرف زمین پر ماتھا ٹیکے کر ادا کیا جانیوالا سجدہ ہی مراد ہے۔ بلکہ اس سے فرضِ منصبی کی ادائیگی اور اللہ تعالیٰ کی پوری پوری فرمانبرداری کرنا اصل مقصود ہے۔ صلوٰۃ موقت (نماز) میں اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کے الفاظ میں فرضِ منصبی کی ادائیگی اور اللہ تعالیٰ کی پوری پوری فرمانبرداری ہی کا اقرار کیا جاتا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ مسلمان نے صرف نماز کی تسبیح و سجدہ پر اکتفا کیا اور نماز میں عملی تسبیح اور عملی سجدہ، جس میں ۴۵/۱۳ کے مطابق تسخیر کائنات بھی شامل ہے، اُس سے غافل ہو گئے، حتیٰ کہ اس روش پر صدیاں گزر گئیں اور نتیجہ یہ ہوا کہ جن قوموں نے فرائضِ منصبی کو پہچانا اور تسخیر کائنات کو اپنا فریضہ جانا وہ اس پر عمل کر کے آگے نکل گئیں۔ اور مسلمان کرۂ ارض کی پسماندہ قوم بن کر رہ گئے ہوئے ہیں لیکن مسلمانوں کی پسماندگی کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہر کامیابی کیلئے قرآن مجید کی آیات کریمات کا صرف پڑھنا، ورد کرنا، اور قرآن مجید کو زیادہ سے زیادہ مرتبہ ختم کرنا قرار دیدیا گیا۔ اور ہر کامیابی کیلئے الگ الگ جو حکم دئے گئے انہیں نظر انداز کر دیا۔ مثلاً دشمن قوم کے مقابلے کیلئے قرآنِ حکیم میں حکم دیا گیا ہے :-

● وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ ۸/۶۰ اور دشمنوں کے مقابلے کیلئے استطاعت بھر زیادہ سے زیادہ عسکری قوت تیار کرتے رہو اور ذرائع رسل و رسائل کی تمہارے ہاں وہ بہتات ہو کہ تم اس فوجی قوت کے ساتھ اپنے اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو دہلاتے رہو۔ (وہ تمہاری طرف میلی آنکھ کیا اٹھا کر دیکھنے کی بھی جرأت نہ کر سکیں، تم سے گھر بیٹھے کانپتے رہیں۔

● دیکھئے! اس آیت مجیدہ ۸/۶۰ میں دشمن کے مقابلے پر کامیابی کا صحیح نسخہ یہ بتایا گیا ہے کہ فوجی قوت زیادہ سے زیادہ پیدا کرتے رہو۔ مگر اس حکم خداوندی سے بے اعتنائی کی عملی صورت یہ ہے کہ ساٹھ باسٹھ اسلامی سلطنتوں میں سے کسی کے ہاں اسلحہ فیکٹری کا وجود تو کیا، لوہے کا کارخانہ تک موجود نہیں (صرف پاکستان میں رشیا کی مدد سے آئرن فیکٹری قائم ہوئی ہے) اور اسلحہ سازی سے اہلِ اسلام کی غفلت کی یہ حالت ہے کہ اتنی کثیر تعداد میں اسلامی سلطنتوں میں کوئی مشترکہ اسلحہ فیکٹری بھی موجود نہیں ۔۔۔ اسکے برخلاف تصور یہ چلا آرہا ہے کہ جب دشمن حملہ کرے تو زیادہ سے زیادہ قرآنِ کریم ختم کئے جائیں تو مسلمانوں کو فتح نصیب ہوتی ہے۔ لیکن غور طلب یہ امر ہے کہ کیا یہ نادانی کی انتہا نہیں کہ قرآن تو یہ کہے کہ دشمن کا مقابلہ فوجی ہتھیاروں کیساتھ کرو۔ اور ہم اسی آیت کو پڑھ پڑھ کر دشمن پر فتح کی اُمید لئے رہیں۔

● یہ تو وہی مثال ہے جو پیچھے بھی بیان ہو چکی ہے کہ حکیم صاحب مریض کو نسخہ لکھ کر دیتا کہ اسے فلاں فلاں طریقے سے استعمال کرو۔ لیکن مریض اس نسخے میں لکھی ہوئی دواؤں کو پڑھ پڑھ کر دم کرنا شروع کر دے۔ اور بجائے اسکے کہ حکیم صاحب نے یہ کہا تھا کہ اس نسخہ میں مندرج دواؤں کو گھول کر پیو، اور مریض اس نسخہ کے کاغذ کو گھول کر پینے لگے۔ العیاذ باللہ!

● قرآن کہتا ہے :- لَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۳/۱۳۹ سستی کرو اور نہ غم کھاؤ اگر تم اس نصیحت پر ایمان لانیوالے ہو تو دشمن پر تم ہی غالب رہو گے۔ قرآن کریم ہر عمل کو [illegible] کیلئے کامیابی اور شکست کا سوال

ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ بشرطیکہ وہ اللہ کے احکام پر پہلے ایمان لانیوالے ہوں اور پھر اپنے ایمان کی تصدیق کے لئے اس حکم پر عمل کرنیوالے ہوں ۔

● اس آیت مجیدہ ۳/۱۳۹ کے الفاظ لَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا میں مکمل کر وضاحت کر دی گئی ہے کہ حزن وغم یعنی شکست و ناکامی تمہاری اپنی سستی کا نتیجہ ہوگی ۔ اگر سستی کرو گے تو اُسکے نتیجے میں ناکامی و نامرادی کا غم کھانا پڑیگا ۔ سب سے بڑی انتہائی سستی یہ ہے کہ کامیابی کیلئے جس عمل کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہوا ہے تو پس پشت پھینک دیا جائے اور اُس حکم کے الفاظ کا ورد شروع کر دیا جائے ۔ اور حکم کے الفاظ زیادہ سے زیادہ ختم کر کے یہ امید رکھی جائے کہ جو نتیجہ اس حکم پر عمل کرنے سے برآمد ہونیوالا ہے وہ اِس حکم کو بار بار رٹنے سے برآمد ہوگا ۔

حاصل کلام یہ کہ ● سورۂ اعراف کی آخری آیات کریمات میں خداوند عالم نے صلوٰۃ موقّت کی حقیقت اور تسبیح وسجدہ کے حقیقی اور مجازی احکام کیساتھ مسئلۂ تکمیل انسانیت کو انتہائی بلیغ انداز میں سیٹ کر رکھ دیا ہے تاکہ اہل اسلام حقیقت سے باخبر ہو کر زبانی، جسمانی اور ذہنی تسبیح، نیز زبانی، جسمانی اور ذہنی سجدہ کی بجا آوری کیساتھ نہ صرف یہ کہ سورۂ اعراف کی آخری آیت مجیدہ کے ان الفاظ ؏ عِنْدَ رَبِّكَ کے مطابق اللہ کے قریب ہو جائیں، بلکہ احکام خداوندی پر عمل کر کے دنیا بھر کی قوموں کی صف اوّل میں آجائیں ، قوموں کی امامت انکا حق ہو جائے اور یہ آیت ذیل کی مصداق ہو جائیں :

۳/۱۱۰ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۙ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ۲۳/۹۷-۹۸

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ !

بفضلِ ایزدی سورۂ اعراف تک کی تفسیر القرآن بالقرآن ختم ہوئی ۔ ثُمَّ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۲/۲۸۶
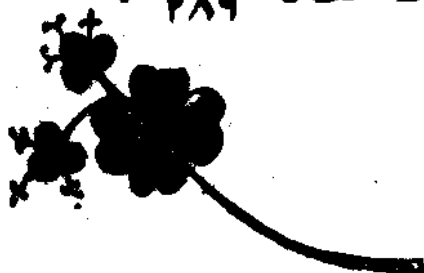
قرآن حکیم

اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ اور صحیفۂ فطرت اللہ تعالیٰ کی فعلی کتاب ہے۔ قرآن مجید کی تفسیر وتوضیح عالمی مشاہدات کی صورت میں اس کی فعلی کتاب میں اور تصریف آیات کے ذریعہ اُس کی قولی کتاب میں موجود ہے۔ اس کتاب مقدس کا مفسّر خود صاحب کتاب ہے۔ ہم مفسّرین نہیں۔ بلکہ باتباعِ خاتم النبیین سلامٌ علیہ، خادمینِ قرآن بتصریف آیات القرآن ہیں۔ صرف روایات کے دبیز پردوں کو چاک کرنے کی مخلصانہ کوشش ہے۔ حرفِ آخر نہیں۔ ہمیشہ کے لئے دعوتِ فکر وتدبر ہے۔ ۴ / ۲۴

اس میں پائی جانے والی ہر خوبی کتاب الٰہی کی اپنی خوبی ہے۔ بالفرض اگر اس میں کوئی کمی یا خامی پائی جائے تو وہ ہماری سہو اور کمزوری ہے۔ قرآن مبین ہر قسم کے کمیوں اور خامیوں سے پاکیزہ اور منزہ ہے۔
ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ ۲ / ۲

شائع کردہ:-

اِدارۂ بلاغ القرآن ۱۱۰- این سمن آباد لاہور

معاونت:-

اُمّتِ مُسلمہ (اہل الذکر والقرآن پاکستان)

نقل سرٹیفکیٹ

محترم حامد حسن صاحب فاضلِ دیوبند"

میں نے تفسیر القرآن بالقرآن کی سورۃ مائدہ، سورۃ الانعام اور سورۃ الاعراف کے متن قرآن کی تصحیح کی ہے۔ اب اس کے متن میں کتابت کی کوئی غلطی نہیں۔

(مُحترم) حامد حسن فاضلِ دیوبند و خطیب جامع پولیس قلعہ گوجر سنگھ لاہور

۸ - ۷ - ۸۲

مجلسِ مدبّرہ

ادارۂ بلاغ القرآن کی شائع کردہ تفسیر القرآن بالقرآن چند اہل علم کی بشری کاوش کا نتیجہ ہے جو صرف خدمتِ قرآن کے جذبہ سے معمور ہے۔ جس میں نہ نام و نمود کی خواہش ہے اور نہ علمی حلقوں میں شہرت کی طلب۔ یہی وجہ ہے۔ کہ

تفسیر القرآن بالقرآن کو ادارہ کے نام سے شائع کیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ ان حضرات نے اپنے اسماء گرامی بھی شائع کرنے کی اجازت نہیں دی۔

جَزَاهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ ؕ